بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ (بقرہ: ۱۰۵)

(اور اللہ اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمدؒ

حیات، علمی اور ادبی خدمات

ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی

مقالہ ڈاکٹریٹ بہار یونیورسٹی، بھارت۔ ۱۹۹۷ء

نگران پروفیسر فاروق احمد صدیقی

شعبہ اُردو، بہار یونیورسٹی، بھارت

ضیاء الاسلام پبلیکیشنز

۱۔ضیا منزل (شوگن مینشن) آف محمد بن قاسم روڈ عیدگاہ

کراچی (سندھ) اسلامی جمہوریہ پاکستان ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط (بقرہ: ۱۰۵)

(اور اللہ اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمدؒ

حیات، علمی اور ادبی خدمات

ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی

مقالہ ڈاکٹریٹ بہار یونیورسٹی، بھارت۔ ۱۹۹۷ء

نگران

پروفیسر فاروق احمد صدیقی

شعبہ اُردو، بہار یونیورسٹی، بھارت

ضیاء الاسلام پبلیکیشنز

۱۔ ضیاء منزل شوگر مینشن آف محمدن قاسم روڈ عیدگاہ کراچی سندھ اسلامی جمہوریہ پاکستان

کتاب	ڈاکٹر محمد مسعود احمد حیات علمی وادبی خدمات
مصنف	ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی
نگراں	پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی
حروف ساز	سید شعیب افتخار مسعودی، سید سلمان افتخار
طابع	حاجی محمد الیاس
مطبع	شاہکار پریس، کراچی
ناشر	حاجی محمد الیاس
طباعت	اوّل
اشاعت	۱۴۲۲ھ / ۲۰۰۲ء
تعداد	ایک ہزار
قیمت	۵۰۰ (پانچ سو روپے)

ملنے کے پتے

۱- ضیاء الاسلام پبلی کیشنز، ضیاء منزل شوگن مینشن، آف محمد بن قاسم روڈ، عید گاہ، کراچی پاکستان

۲- ادارۂ مسعودیہ، ۲/۶، ۵- ای ناظم آباد، کراچی، (پاکستان)، فون نمبر ۲۶۱۴۷۴۷

۳- المختار پبلی کیشنز، ۲۵- جاپان مینشن، ریگل، صدر، کراچی (پاکستان)، فون نمبر ۷۷۲۵۱۵۰

۴- فرید بک اسٹال، ۷۳-اردو بازار لاہور (پاکستان)، فون نمبر ۷۲۲۴۸۹۹

۵- رضوی کتاب گھر، ۳۲۲۴-مینا محل، جامع مسجد دھلی (بھارت)، فون نمبر ۳۲۶۴۵۲۴
فون نمبر ۲۲۱۳۹۷۳، ۲۶۳۳۸۱۹

۶- رضانگر -۸۴ سوداگران، بریلی شریف (بھارت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ترتیب وتزئین

عکس

۱۔ فضلا اور دانشوروں کے تاثرات کے عکس، ۳۱، ۳۲، ۳۹

۲۔ سندات و تمغات کے عکس، ۴۴، ۵۴، ۳۰۸

۳۔ اہم دستاویزات کے عکس، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۷۷، ۱۸۰، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۹۶،

۴۔ اہم کاغذات کے عکس، ۶۔۹، ۹۸۔۱۰۰، ۱۷۰۔۱۷۶، ۱۸۱، ۱۸۲، ۲۹۱، ۲۹۲، ۳۰۷

۵۔ تاریخی وصلیوں کے عکس، ۵۰۷۔۶۴۷

۶۔ دعوت ناموں کے عکس، ۱۰۳، ۱۹۰، ۱۹۷۔۱۹۹

۷۔ عمارات کے عکس، ۵۷۔۶۰، ۹۵، ۹۶، ۱۶۹، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۸، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۶۷۸، ۶۷۹

۸۔ کتابوں کے سرورق کے عکس، ۱۵۔۲۱، ۱۲۴۔۱۳۴، ۴۹۶، ۷۶۴۔ ۶۶۳، ۷۶۶، ۷۹۵، ۷۹۹، ۸۴۵

۹۔ خطوط کے عکس، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۷۔۵۲۳

۱۰۔ مضامین و مقالات کے عکس، ۱۳۵۔۱۴۴، ۳۸۷۔۳۹۱، ۵۵۰۔ ۶۳۶، ۶۸۶۔۷۰۷

Synopsis for the Proposed Ph.D. Thesis in Urdu

1. Title of the Subject: DR. MASOOD AHMAD : LIFE AND WORKS
2. Problem to be studied:

   Life and prose writings.

3. Justification of the study:

Dr. Masood Ahmad apart from being a theologist and philosopher, is a versatile and prolific Urdu writer of the present age. Widely known for his vivid, lucid and racy style of writing his contribution to Urdu literature has definitely been immense and invaluable.

A critical study of his life and works will, no doubt, bring out the salient features of this eminent scholar by putting him in the right perspective, besides making a useful contribution to the cause of Urdu language and literature.

To my knowledge, no work has so far been done on this illustrious writer and as such I propose to take up this research work on him in relation to his life and specifically on his works in Urdu.

4. Theoretical principles involved, if any: Evaluative.
5. Hypothesis/Sub-hypothesis , if any: No.
6(a) Approach (including research design, if any): Analytical.
(b) Methods of study/investigation: Objective.
7. Sources of data/information: Primary and secondary.
8. Plan of Thesis (Para and Chapters):

Chapter - 1: DR. MASOOD AHMAD : AHWAL 'O ASAR
Chapter - 2: DR. MASOOD AHMAD : EK DINI MOFAKKIR AUR DANISHWAR KI HAISIYAT SE
Chapter - 3: DR. MASOOD AHMAD KI NASRI NIGAR SHAT
Chapter - 4: DR. MASOOD AHMAD : EK SAHIB TERZ INSHA PARDAZ KI HAISHIYAT SE

Chapter - 5: Dr. MASOOD AHMAD KI DINI 'O ADABI KHIDMAT

Chapter - 6: MOHAKMA

KITBIYAT.

-----00------

I testify that I am in a position to devote time for Research work and undertake to complete it within the five years maximum time limit.

M. Md. Ejaz Anjum
Signature of the candidate

The candidate has undertaken to complete the Research work under my supervision within the time limit.

Signature of the Guide

B.R. AMBEDKAR BIHAR UNIVERSITY
MUZAFFARPUR.

N O T I F I C A T I O N.

By the order of the Vice-Chancellor, B.R.A. Bihar University, Muzaffarpur, the undermentioned candidate is declared to have passed the Ph.D. Examination, held in the month of September, 1998 :

Name of the Candidate : MOHD. EJAZ ANJUM.

Faculty : Humanities.

Subject : Urdu.

Title of Thesis : " DR. MASOOD AHMAD : HAYAT AUR NASRI KHIDMAT."

Name of the Supervisor : Dr. F.A. Siddiqui,
Department of Urdu,
B.R.A. Bihar University,
Muzaffarpur.

Sd/- (V.P. Singh)
Controller of Examinations.

Memo No. Ex/3666-91 /Dated Muz., the 19/9/98 ...... 1998.

Copy forwarded to :-

1. Mohd. Ejaz Anjum, Madarsa Manzar, Islam Saudagra Bareilly (U.P.);
2. The Examiners concerned;
3. The Registrar of all Universities in the State of Bihar;
4. The S.O.(Degree)/S.O.(Stat.), B.R.A. Bihar Univ., Muz.;
5. The Prof-in-charge, Central Library, B.R.A. Bihar Univ., Muz.;
6. The Head of the Univ.Deptt. of Urdu, B.R.A. Bihar Univ., Muz.;
7. The Librarian, Association of Indian Universities, Rouse Avenue, New Delhi;
8. The Secretary, University Grants Commission, Bahadur Shah Zafar Marg, New Delhi;
9. The Member Secretary, ICSS PP Hostel Building, Indraprastha Estate, Ring Road, Delhi;
10. The Deputy Secretary, Bihar Inter University Board, 25 Sardar Patel Path, North Srikrishnapuri, Patna-13

for information.

11. The Editors, Times of India /Hindustan Times, Pressmen, Patna for favour of publication, free of cost, if they so desire.

19/9/98
Controller of Examinations.

BP.

ڈاکٹر مولینا محمد اعجاز انجم کو پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض

حلقۂ احباب و اعزا و مخلصین میں یہ خبر انتہائی مسرت کے ساتھ سنی جائیگی کہ مولینا محمد اعجاز انجم ساکن مادھے پور ضلع کٹیہار بہار و مدرس جامعہ رضویہ منظر اسلام سوداگران بریلی شریف کو بہار یونیورسٹی مظفر پور نے ان کے تحقیقی مقالہ "ڈاکٹر مسعود احمد حیات اور نثری خدمات" پر پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی ہے انہوں نے اپنا یہ مقالہ اردو کے مشہور ادیب و شاعر پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی شعبۂ اردو بہار یونیورسٹی کی نگرانی میں تیار کیا تھا ______ مقالہ کے ممتحن تھے شانتی نیکتن کے حافظ ڈاکٹر محمد طاہر علی اور عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے ڈاکٹر محمد علی اکبر وائیوا دےوو (viva voce) امتحان کیلئے اول الذکر تشریف لائے تھے۔ اس اعلیٰ ڈگری کے حصول پر ہم انہیں مبارکباد پیش کرتے ہیں

ڈاکٹر محمود حسین
صدر شعبۂ عربی و فارسی
بریلی کالج - بریلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

پیش گفتار

مقالہ لکھنا ہی ایک دشوار کام ہے چہ جائیکہ ایک تحقیقی مقالہ جو اپنے آپ میں ایک معیاری تخلیق بھی ہے اور عمدہ تنقید بھی، لکھنا تو اور بھی دشوار ہے- یہ کام بڑے ریاض اور بڑی جانکاہی کا ہے یہ ہرکس وناکس کے بس کا روگ نہیں اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے علمیت، متانت، دیانت، ادبی بصیرت اور زبان وبیان پر دسترس کے ساتھ ساتھ منصفانہ صلاحیت کا ہونا اشد ضروری ہے ذرا سی بے احتیاطی عجلت پسندی اور تن آسانی، تحقیق کے لئے سم قاتل ہے- اس سفر میں قدم قدم پر دشوار مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، راہ میں خاردار جھاڑیوں سے دامن بچا بچا کر منزل پر پہنچنا ہوتا ہے-

اردو میں مذہبی ادب اور مذہبی مصنفین وادباء کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے لیکن اردو کو وسعت دینے میں مذہبی ادب اور مذہبی شخصیات کا بہت بڑا ہاتھ ہے، پس مذہبی ادباء و مصنفین کی اردو خدمات اور ادبی کارناموں کو اجاگر کرنے کی خاطر راقم نے کسی ایسی شخصیت پر تحقیقی مقالہ لکھنے کے بارے میں سوچا جس نے اردو زبان وادب کو مذہبی ادب کے باوصف دوسرے علوم وفنون مثلاً شاعری، تصوف، تاریخ، سیاست، صحافت وغیرہ پر نگارشات پیش کر کے انشاء پردازی اور انشائیہ نگاری وغیرہ کا کمال دکھاتے ہوئے اردو زبان وادب کو نئی جہات سے آشنا کیا ہو، اپنے اس شوق کا اظہار سب سے پہلے میں نے محبِّ گرامی فقیہ عصر مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب مضطر پورنوی سے کیا- انہوں نے مجھے اردو کے ممتاز ادیب وشاعر مکرمی پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی صاحب، شعبۂ اردو بہار یونیورسٹی، مظفرپور، بہار کو خضر راہ بنانے کا قیمتی مشورہ دیا، کسی مجبوری کے پیش نظر اس وقت میں پس وپیش میں رہا پھر ایک سال بعد اسی خواہش کا اظہار میں نے گرامی قدر ادیب شہیر ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب سے کیا انہوں نے میرے جذبے اور حوصلہ کی قدر کرتے ہوئے موضوع کی نشاندہی فرما کر میرے سامنے جس سپروائزر (Supervisor) کا نام پیش کیا اتفاق سے وہ نام مفتی صاحب کی وساطت سے میرے ذہن میں پہلے ہی سے گردش کر رہا تھا، میرے دل نے فیصلہ کیا کہ یقیناً وہ قابل

قدر اور اعلیٰ ظرف کا حامل شخص ہو گا۔

چنانچہ میں پہلی فرصت میں پروفیسر صاحب موصوف سے مظفر پور جا کر ملا، جیسا سوچا تھا ویسا ہی پایا، پہلی ملاقات میں انہوں نے مجھے اپنے زبردست خلوص اور شریفانہ برتاؤ سے اپنا گرویدہ بنالیا سچ ہے ''شنیدہ کے بود مانند دیدہ''

بہر کیف پروفیسر صاحب کے سامنے میں نے اپنے پسندیدہ موضوع ''ڈاکٹر مسعود احمد حیات اور نثری خدمات'' پر کام کرنے کا منصوبہ رکھا کیونکہ ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کی مذہبی ادب میں گراں قدر خدمات ہیں وہ بیک وقت عالم، مصنف، ادیب، ناقد، ماہر تعلیم اور دانشور بھی ہیں، بہر حال جب میں نے اپنے ریسرچ کی دیرینہ آرزو کی تکمیل کی خاطر ڈاکٹر مسعود احمد پر تحقیقی فریضہ انجام دینے کا عزم مصمم ظاہر کیا تو محترم پروفیسر صاحب نے ازراہ کرم مجھے اس موضوع پر کام کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی اور یونیورسٹی سے رجسٹریشن بھی کرادیا جس کے لئے میں انکا بے حد ممنون و مشکور ہوں۔ڈاکٹر مسعود احمد ایک ایسی شخصیت کا نام ہے جو علم و حکمت، دانائی، تفکر، تخیل، بصیرت، فن اور ادبیت کا نہایت ہی حسین و جمیل اور متوازن امتزاج ہے ان کا مطالعہ وسیع، تخیل معیاری، تجزیہ درست، بصیرت اعلیٰ، فکر بلند اور شعور بیدار ہے۔دوسرے لفظوں میں یوں کہیئے کہ ان کی شخصیت قد آور، ہمہ جہت اور ہشت پہل ہے۔

چنانچہ زیر نظر مقالے میں میں نے یہ کوشش کی ہے کہ ان کی شخصیت اور نثری خدمات کے تمام اہم پہلو سامنے آجائیں۔

مختلف اہل قلم نے ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی شخصیت، علمی خدمات اور نثر نگاری وغیرہ پر کتب و رسائل لکھے ہیں مثلاً پروفیسر ڈاکٹر سید محمد عارف، ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری، آر۔بی مظہری، نبیلہ اسحاق چودھری[۱]، محمد عبد الستار طاہر وغیرہ وغیرہ۔ مگر یہ علمی کاوشیں جزوی سوانح، سوانحی مجموعوں اور سوانحی شماریات اور شذرات کی فہرست میں آتی ہیں' سیر حاصل تحقیقی مقالے کے زمرے میں نہیں آتیں اس لئے جس موضوع پر میں کام کرنا چاہتا تھا وہ اپنی جگہ باقی تھا۔

۱۔ استاد جامعہ عین شمس، قاہرہ 'نبیلہ اسحاق چودھری 'ڈاکٹر مسعود احمد صاحب پر دو کتابیں اور لکھ رہی ہیں۔
(ا) ڈاکٹر مسعود احمد اور ان کی ادبی خدمات
(ب) اعلیٰ حضرت اور ڈاکٹر مسعود احمد

مطالعہ کی سہولت کیلئے اس مقالے کو میں نے چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ باب اول میں ڈاکٹر مسعود احمد کے خاندان اور سوانح کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ باب دوم میں ایک دینی مفکر اور دانشور کی حیثیت سے ڈاکٹر صاحب کی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے- باب سوم میں ڈاکٹر صاحب موصوف کی تمام نثری نگارشات کا اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے- باب چہارم میں ایک صاحب طرز انشاء پرداز کی حیثیت سے موصوف کا مطالعہ کیا گیا ہے، باب پنجم میں ڈاکٹر مسعود احمد کی دینی وادبی خدمات کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے- بالخصوص "رضویات" پر کیے گئے ان کے دینی وادبی کاموں کو اجاگر کیا گیا ہے- باب ششم میں ڈاکٹر صاحب کی اوّلیات کا ذکر کیا ہے اور باب ہفتم میں تمام ابواب کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے محاکمہ کیا گیا ہے اور اردو نثر نگاری میں ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کے مقام و مرتبہ کا تعین کیا گیا ہے۔ میری نظر میں وہ محمد حسین آزاد، شبلی نعمانی، سلیمان ندوی، عبد الماجد دریابادی اور ابوالکلام آزاد وغیرہ کی صف میں شمار کئے جانے کے قابل ہیں' محاکمہ کے بعد میری یہ کوشش کہاں تک کامیاب ہے اس کا صحیح فیصلہ تو اہل نظر حضرات ہی کر سکتے ہیں-

اس مقالے کو زیادہ وقیع اور معیاری بنانے کے لئے نادر اور اہم دستاویزات اور کاغذات کے عکس بھی شامل کئے گئے ہیں- متن کے اندر گنجائش نہ پائی تو باب کے آخر میں جمع کر دیے گئے ہیں اور باقی عکس ضمیمہ جات میں شامل کر دیے گئے ہیں۔

بالعموم ڈاکٹریٹ کے تحقیقی مقالات میں طباعت کے مرحلے پر نظر ثانی کی جاتی ہے اور اضافے بھی کئے جاتے ہیں- میں نے بھی اپنے مقالے میں بہت سے اضافے کئے ہیں جس کے لئے پاکستان کے مخلصین نے تعاون فرمایا- ڈاکٹر مسعود احمد کی زندگی چوں کہ بہت متحرک ہے اس لیے کمپوزنگ کے آخری مرحلے تک نئی معلومات کی روشنی میں اضافے ہوتے رہیں گے- انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس مقالے کی ترتیب و تیاری کے دشوار کن مراحل میں جن حضرات نے مجھے فراہمی مواد کے سلسلے میں بھرپور تعاون دیا اور ترتیب و پیشکش کے سلسلے میں قیمتی مشورے دیئے اور ہر قدم پر حوصلہ افزائی کی ان کا شکریہ ادا نہ کرنا بڑی احسان ناشناسی ہوگی، اس ضمن میں سب سے پہلے اپنے محترم کرم فرما ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مکرمی پروفیسر فاروق احمد صدیقی صاحب شعبئہ اردو بہار یونیورسٹی جیسے ایک لائق ادبی رہنما سے میرا رابطہ کروایا اور مواد کی فراہمی میں

بھرپور تعاون دیا جس سے میری تحقیق کی راہیں آسان ہو گئیں، ان کے بعد اپنے مشفق نگراں پروفیسر فاروق احمد صدیقی صاحب کا صمیم قلب سے ممنون و شکر گزار ہوں کہ انہوں نے قدم قدم پر بڑا سہارا دیا اور پر خلوص رہنمائی فرمائی لیکن یہ سب کچھ نہیں ہو تا اگر ممدوح مقالہ مکرمی ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے موضوع سے متعلق مواد اور دیگر نوادرات (جیسے تمغہ جات کی فوٹو کاپیاں اور کتابوں کی فہرست وغیرہ) کی دستیابی میں اپنا قیمتی تعاون نہیں دیا ہوتا۔ میں انکا احسان کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ مولیٰ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت فرمائے، آمین۔ فراہمی مواد کے سلسلے میں مکرمی مولانا محمد عبدالستار طاہر صاحب، صاحب زادہ سید وجاہت رسول قادری، ڈاکٹر مجید اللہ قادری، ڈاکٹر اقبال احمد قادری اور جناب محمد مسرور احمد صاحب کا تعاون بھی نا قابلِ فراموش ہے، ان دونوں حضرات کا میں تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، مولانا محمد عبدالستار کی نگارشات سے تو میں نے بھرپور استفادہ کیا ہے، ان کے علاوہ عزیزان گرامی مولوی جمیل احمد سلمہ مولوی محمد ممنون عالم سلمہ، مولوی محمد مختار عالم سلمہ، محمد خطیب الرحمٰن سلمہ نے بھی مسودہ و مبیضہ کی تیاری میں حسب توفیق و استطاعت اپنا اپنا تعاون پیش کیا ان سب کے لئے اور مولانا جاوید اقبال مظہری، محمد کامران مسعودی، شعیب افتخار مسعودی، محمد سلمان، حاجی محمد الیاس، نور احمد مسعودی، آنسہ حنا اور آنسہ صبا کے لئے پر خلوص دعائیں ہیں خدائے پاک ان عزیزوں کو دارین کی سعادتوں سے نوازے۔ آمین

اب آخر میں اگر اپنے جامعہ رضویہ منظر اسلام کے مہتمم حضرت الحاج مولانا سبحان رضا خان سبحانی میاں قبلہ دامت برکاتہم العالیہ سجادہ نشین خانقاہ عالیہ رضویہ بریلی شریف کا شکریہ ادا نہ کروں تو یقیناً احسان فراموشی ہو گی کیونکہ موصوف نے بطیب خاطر مجھے ڈاکٹریٹ کا مقالہ کی اجازت عطا فرمائی اور ممکن سہولت بھی فراہم کی، ساتھ ہی ساتھ اپنی رفیقۂ حیات عفت انجم کا بھی احسان مند ہوں کہ انہوں نے مجھے گھریلو الجھن سے آزاد کر دیا اور مقالے کی تیاری میں پورا وقت صرف کرنے کا موقع دیا۔ والدین کریمین کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے علم دین کے راستے پر گامزن فرمایا اول و آخر احسان و کرم ہے اس رب کریم کا کہ جس نے ہمیں پیدا کیا دولت علم سے نوازا اور قلم پکڑنے کا شعور عطا کیا۔

محمد اعجاز انجم
جامعہ رضویہ منظر اسلام، سوداگران
بریلی شریف (بھارت)

۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۰ء

جہانِ مسعود

مرتّبہ

آر بی مظہری
(ایم۔ اے، ایم۔ فل)
ریسرچ اسکالر سندھ یونیورسٹی
حیدرآباد۔ سندھ

ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی
پاکستان

منزل بہ منزل

مرتبہ:

محمد عبدالستار طاہر

انٹرنیشنل پبلی کیشنز حیدرآباد سندھ

(اسلامی جمہوریہ پاکستان)

تخصصاتِ حضرت مسعودِ ملّت

مرتبہ

محمد عبدالستار طاہر

ادارہ مظہرِ اسلام ◎ لاہور

حضرت مسعودِ ملّت
کے
آثارِ علمیہ

از

ابوالسرور محمد مسرور احمد
بی۔ایس۔سی

ادارۂ مسعودیہ
۵/۶، ۵۔ای، ناظم آباد، کراچی، اسلامی جمہوریہ پاکستان
۱۴۱۸ ہجری — ۱۹۹۷ عیسوی

تذکارِ مسعودِ ملّت

محمد عبدالستار طاہر

رضا دارالاشاعت، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الذی علم بالقلم ۝ علم الانسان ما لم یعلم ۝
(جس نے قلم سے لکھنا سکھایا، آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا) علق ۴-۵

ڈاکٹر محمد مسعود احمد
اور
نثر اُردو

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
ایم۔ اے؛ پی۔ ایچ۔ ڈی

ادارہ مسعودیہ ۲/۶، ۵ ای، ناظم آباد، کراچی
اسلامی جمہوریۂ پاکستان
۱۴۲۰ھ / ۲۰۰۰ء

ڈاکٹر محمد مسعود احمد اور نثر اردو

(کراچی۔ ۲۰۰۰ء)

قلم کار: ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
تبصرہ نگار: ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی
شعبہ اردو بہار یونیورسٹی، انڈیا

(ماہنامہ ''اعلیٰ حضرت'' (بریلی، اپریل ۲۰۰۱ء)

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس کتاب میں ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے اردو کے ممتاز ادیب و دانشور ڈاکٹر مسعود احمد کی نثری خدمات کا جائزہ لیا ہے، ڈاکٹر عزیزی اہل سنت کے ایک معروف و مایہ ناز قلم کار کا نام ہے۔ کوئی ربع صدی سے وہ مسلسل اور بے تکان لکھتے آرہے ہیں۔ اس کے باوجود ان کا خامۂ زرنگار پُرجوش اور تازہ دَم ہے۔ ان کا خاص موضوع ''رضویات'' ہے۔ اسی سے ان کی شناخت ہے۔ انہوں نے امام احمد رضا کی عبقری شخصیت اور ان کے بلند وبو قلموں کارناموں پر جتنا عمدہ لٹریچر فراہم کیا ہے۔ کم از کم ہندوستان کی حد تک وہ عدیم المثال ہے۔ انہوں نے خانوادۂ امام احمد رضا کی دیگر شخصیتوں پر بھی خوب خوب لکھا ہے۔ اس دودمان عالی تبار سے ان کی قلبی محبت وارادت اظہر من الشمس ہے۔ الغرض رضویات کے موضوع پر ان کے قلم کی گلپاشی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

ڈاکٹر عزیزی اردو ادب اور اسلامیات دونوں کے عالم اور اداشناس ہیں، ان کا مطالعہ بڑا وسیع اور مشاہدہ عمیق ہے۔ علوم جدیدہ میں بھی ان کو درک حاصل ہے۔ وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ علم و تحقیق کی دنیا میں اگرچہ کوئی بات حرف آخر کا درجہ نہیں رکھتی، تاہم ان کی تحریروں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ زیرِ بحث موضوع سے متعلق تمام جزئیات تک کا احاطہ کر لینے کی ہر ممکن سعی کرتے ہیں۔

چنانچہ زیرِ نظر کتاب بھی اس حقیقت کا ٹھوس ثبوت فراہم کرتی ہے۔ حالانکہ اس کتاب کا

موضوع ''رضویات'' نہیں ہے مگر ''ماہر رضویات'' ضرور ہے۔ ڈاکٹر مسعود احمد کی شخصیت پاک و ہند کے علمی و ادبی حلقوں میں ''ماہر رضویات'' کی حیثیت سے ممتاز ہو چکی ہے۔ انہوں نے اپنی اردو انگریزی تحریروں کے ذریعے امام احمد رضا کو جس طرح عالمی سطح پر روشناس کرایا ہے وہ انہیں کا حصہ ہے۔ چنانچہ اس کتاب میں اس تعلق سے ضروری حوالے موجود ہیں۔

اس کتاب کا آغاز ابتدائیہ سے ہوتا ہے جس میں مصنف نے یہ دکھلایا ہے کہ تقسیم ہند کے بعد اردو نثر نگاروں کی جو کھیپ سامنے آئی ہے ان میں بیشتر کسی ایک خاص صنف مثلاً ناول، افسانہ، ڈرامہ، تنقید، صحافت، سوانح وغیرہ اصناف تک محدود رہے ہیں مگر چند قلمکار ہیں جن کا قلم محض ایک دو اصناف نثر تک محدود نہیں بلکہ وہ شش جہات کی سیر کراتا ہے۔ ایسے ہی ادباء و مصنفین میں مسعود صاحب کا شمار ہوتا ہے۔ ان کی قلمرو میں بقول مصنف، مذہب، تصوف، اخلاق، تعلیم، تاریخ، تنقید، سوانح، سیاست، فلسفہ، اور شعر و ادب سبھی کچھ شامل ہیں اور کوئی ۳۶، ۳۷ برسوں سے وہ ان اصناف کے دامن کو گلہائے رنگارنگ سے بھرنے میں مصروف و منہمک ہیں اور آج بھی ان کا تخلیقی شعور تموج پر ہے۔

ابتدائیہ سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے مسعود صاحب کا مختصر سوانحی خاکہ پیش کیا ہے، ان کے قلمی سفر کے آغاز سے بحث کی ہے۔ ان کی تصنیفات سے متعارف کرایا ہے۔ ''ماہر رضویات'' کی حیثیت سے ان کی گرانقدر خدمات کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور اس کے بعد ان کے نگار خانۂ نثر کی سیر کرائی ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ڈاکٹر مسعود کے نثری کارناموں کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور اپنی بات کی تائید میں ڈاکٹر صاحب کے مضامین و مقالات سے وافر نمونے پیش کیے ہیں۔ کوئی بات بے ثبوت و بے دلیل نہیں کہی ہے۔ اس سے ان کے قلم کی ذمہ دارانہ روش کا اندازہ ہوتا ہے۔ ساتھ ہی اس امر کی بھی شہادت ملتی ہے کہ اردو نثر کے گوناں گوں محاسن کی پرکھ اور پہچان کے تعلق سے ڈاکٹر عزیزی کی مہارت اور بصیرت کتنی حیرت انگیز ہے۔ میرے علم و فہم کے مطابق اردو نثر کا کوئی صوری اور معنوی حسن ایسا نہیں جو، ڈاکٹر عزیزی کی نگاہوں سے اوجھل رہ گیا ہو اور وہ ساری لفظی و معنوی خوبیاں بقول، ڈاکٹر عزیزی مسعود صاحب کی نثری نگارشات میں اپنا جوبن دکھا رہی ہیں۔ میں صرف ایک حوالہ پر اکتفا کروں گا۔ ایک جگہ انہوں نے ڈاکٹر مسعود کی نثر میں شعریت کے مختلف نمونے پیش کیے ہیں۔ ان میں یہ اقتباس بھی شامل ہے۔

''رضا بریلوی جب اپنے محبوب دل آرا کی محبت میں ڈوبتے ہیں اور اس کے حسن دل افروز کو شعروں میں ڈھالتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے جیسے دل مچل رہے ہوں جیسے آنکھیں برس رہی ہوں،

جیسے سینے پھک رہے ہوں، جیسے چشمے اُبل رہے ہوں، جیسے فوارے چل رہے ہوں، جیسے مینہ برس رہا ہو، جیسے جھرنے چل رہے ہوں، جیسے پھول کھل رہے ہوں، جیسے خوشبو مہک رہی ہو، جیسے تارے چمک رہے ہوں جیسے کہکشاں دمک رہی ہو۔" (صفحہ ۸۶۲)

واقعی یہاں نثر نگار نے نثر میں شاعری کی ہے اور عمدہ شاعری کی ہے۔ زبان کی سلاست اور زبان کی نفاست کے ساتھ منظر نگاری کے حسین جلوے بھی ہیں اور لطیف و نادر تشبیہات کا گلستاں زار بھی ہے۔ کہیں پیچیدگی اور ابہام کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ خیالات میں اک فطری بہاؤ کی کیفیت ملتی ہے۔ جو ان کے ایک اہم نثار اور صاحبِ طرز ادیب ہونے کی واضح دلیل ہے۔

ارباب نظر کا تقریباً متفقہ فیصلہ ہے کہ اچھی نثر کا لکھنا جتنا دشوار ہے صاحب طرز ہونا بہ اس کی بہ نسبت دشوار تر ہے۔ انہوں نے دشواریوں کی وجہ سے کسی زبان کے لکھنے والوں میں صاحبِ طرز ادیبوں کی تعداد کم ہوتی ہے۔ طرز یا اسلوب، تراوش قلم میں فنکار کی شخصیت کے رچاؤ کا نام ہے۔ یہ رچاؤ خود نہیں پیدا ہوتا، اس کے لیے منفرد مطمح نظر، فکر رسا اور پختگی مشق ضروری ہے۔ یہ تین عناصر کسی انشاء پرداز کو یگانہ و ممتاز بنانے کا سبب بن سکتے ہیں۔ مصنف کے مطابق ڈاکٹر مسعود احمد کی شخصیت میں یہ تینوں عناصر بدرجہ اتم موجود ہیں اسی لیے ان کو بلا تکلف ایک صاحبِ طرز ادیب کہا جاسکتا ہے۔ مجھے ان کے خیال سے کامل اتفاق ہے۔ ڈاکٹر صاحب اپنے معاصر ادیبوں اور انشاء پردازوں میں اپنے طرز تحریر کی انفرادیت کی بدولت دور سے پہچان لیے جاتے ہیں اور یہ بڑی بات ہے۔

ڈاکٹر عزیزی نے یہ کتاب بڑی محبت اور محنت سے لکھی ہے۔ ڈاکٹر مسعود صاحب سے بے پناہ عقیدت کے باوجود ان کا قلم جادۂ اعتدال سے متجاوز نہیں ہوا ہے۔ ایک فنکار نے دوسرے بڑے فنکار کی نثری خدمات کا جائزہ لینے میں جس فراخدلی کا مظاہرہ کیا ہے اس کے لیے وہ ہم سب کی مبارکباد کے مستحق ہیں۔ خود ڈاکٹر عزیزی صاحب کا اسلوب تحریر بے حد شگفتہ و شاداب ہے۔ کہیں کہیں تو وہ بھی نثر میں شاعری کر بیٹھے ہیں۔ عبارت ذیل ملاحظہ ہو۔

"ان (ڈاکٹر مسعود احمد) کی شخصیت، شاخ گل کی طرح لچک دار ہے، ان کا لہجہ مدھم، دل نشین اور شگفتہ ہے، بہتے ہوئے جھرنے کی مانند، سنکتی ہوئی باد نسیم کی طرح، جوت پھیلاتی ہوئی شمع فروزاں کی مانند اور چاندنی بکھیرتے ہوئے ماہتاب کی طرح۔" (صفحہ ۸۱)

مجھے یقین ہے علمی و ادبی حلقوں میں اس کتاب کی بھرپور پذیرائی ہوگی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تأثرات

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
محققین اور علماء و فضلاء کی نظر میں

تأثرات

۱- پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
ایم اے، ایل ایل بی، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ
سابق صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی،
جام شورو، سندھ (پاکستان)

۲- پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو
ایم اے، پی ایچ ڈی (علیگ) ڈی فل (آکسفورڈ)
وائس چانسلر مظہر الحق عربک پرشین یونیورسٹی،
پٹنہ (بہار، بھارت)

۳- پروفیسر وسیم بریلوی
ڈین فیکلٹی آف آرٹس، روہیل کھنڈ یونیورسٹی،
بریلی، یوپی، (بھارت)

۴- پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی
شعبۂ اردو، بہار یونیورسٹی، مظفر پور،
(بہار، بھارت)

۵- ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی
ڈائریکٹر الرضا اکیڈمی، بریلی (یوپی- بھارت)

۶- ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد
استاد جامعہ ملیہ، دھلی،
شاہی امام وخطیب مسجد جامع فتحپوری، دہلی (بھارت)

۷- علامہ محمد مطیع الرحمٰن
جامعہ نوریہ، شام پور، (مغربی بنگال، بھارت)

۸- پروفیسر محمد ضیاء الدین ابو الکمال احمد
شمسی طہرانی چشتی نقشبندی مظہری
صدر شعبۂ تقابل مذاہب ادیان
ڈاکٹر امبیدکر نیشنل انسٹیٹیوٹ آف سوشل سائنسز،
مہو، ضلع اندور (مدھیہ پردیش، بھارت)

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
ایم اے، ایل ایل بی، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ
سابق صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی،
جام شورو سندھ (پاکستان)

باسمہٖ تعالیٰ حامداً و مصلیاً

PROFESSOR
Dr. Ghulam Mustafa Khan
M.A., LL.B., Ph.D., D.Litt.

2, OLD UNIVERSITY CAMPUS,
HYDERABAD, PAKISTAN

Date: ۶ سامعہ / 1999ء

یہ معلوم کر کے دلی خوشی ہوئی کہ میرے محترم عزیز پرنسپل پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ کی علمی اور ادبی خدمات پر مقالہ لکھنے پر محترم مولانا محمد اعجاز انجم صاحب کو پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض ہوئی ہے۔ الحمد للہ، ثم الحمد للہ۔ یہ امر ہم سب کے لیے موجبِ افتخار و ابتہاج ہے۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں ان دونوں بزرگوں کو دونوں جہانوں میں خوب خوب سرفراز فرمائے اور اُن کے اسلاف و اخلاف کو بھی اپنے مقبولین میں شمار فرمائے۔ آمین، ثم آمین۔ کمزوری کی وجہ سے زیادہ نہیں لکھ سکتا، لیکن بہت خلوص کے ساتھ دعا گو ہوں۔

فقط۔ احقر
غلام مصطفیٰ

پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو

ایم اے، پی ایچ ڈی (علیگ) ڈی فل (آکسفورڈ)
وائس چانسلر مظہر الحق عربک پرشین یونیورسٹی، پٹنہ بہار (بھارت)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مجددی کا شمار ان فضلاء میں ہوتا ہے جو اپنی قابل قدر تصانیف اور اپنے دینی و علمی کارناموں کی وجہ سے دور دور تک شہرت رکھتے ہیں۔ ان کے قدردان اور ان کے معتقدین ہندوستان اور پاکستان ہی میں نہیں مشرق وسطیٰ کے ممالک میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جہاں مختلف موضوعات پر ان کی تصانیف شوق اور توجہ سے پڑھی جاتی ہیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد سو سے زائد ہے جن میں چالیس کتابوں کے ترجمے دوسری زبانوں میں شائع ہو کر مختلف ملکوں میں پھیل گئے ہیں۔ ان کے بزرگوں میں مولانا محمد مسعود شاہ (متوفی ۱۳۰۹ھ) نے مسجد فتحپوری دہلی میں ایک دینی مدرسہ اور دارالافتاء قائم کیا اور یہاں مسند رشد و ہدایت بچھائی۔ وہ پینتیس سال تک درس و تدریس میں مصروف رہے اور مسند تبلیغ و ارشاد پر فائز رہے تیرہ کتابیں ان کی تصانیف سے محفوظ ہیں۔

ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے والد مفتی اعظم مولانا شاہ محمد مظہر اللہ (۱۳۰۳ھ-۱۳۸۶ھ / ۱۸۸۶ء-۱۹۶۶ء) پاک و ہند کے متبحر عالم، مقتدر مصنف اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے مشہور بزرگ تھے، جن کے دست حق پرست پر ہزاروں نے بیعت کی اور ان سے روحانی فیوض حاصل کیے۔ مسجد فتح پوری کی شاہی امامت و خطابت پر آپ تقریباً ستر سال فائز رہے۔ ان کی تصانیف میں پندرہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں دو کتابیں علم ہیئت و توقیت کے فن پر ہیں جن کے جاننے والے علماء اب ہند و پاک میں خال خال ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی پیدائش دہلی میں ۱۹۳۰ء میں ہوئی، اٹھارہ سال تک ان کی تعلیم و تربیت ان کے والد ماجد کی نگرانی میں ہوئی۔ اس عرصے میں وہ اپنے جد امجد کے قائم کردہ مدرسۂ عالیہ مسجد فتحپوری میں وہاں کے اساتذہ کے مروجہ علوم عربیہ و فارسیہ کی تحصیل کرتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد مظہر اللہ صاحب سے علمی فیوض حاصل کرتے رہے۔

آپ نے اورینٹل کالج دہلی، ادارۂ شرقیہ دہلی میں بھی تعلیم حاصل کی اور مشرقی پنجاب یونیورسٹی شملہ سے بھی آپ کا تعلق رہا جہاں سے آپ نے فاضل فارسی کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۴۸ء میں آپ حیدر آباد سندھ منتقل ہو گئے اور اعلیٰ تعلیم کی تکمیل پاکستان میں کی۔ آپ نے ۱۹۵۱ء میں پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک، ۱۹۵۶ء میں بی اے اور ۱۹۵۸ء میں سندھ یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔ ۱۹۷۱ء میں سندھ یونیورسٹی حیدر آباد ہی سے آپ نے اردو میں قرآنی تراجم و تفاسیر پر بہت پر معلومات مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی۔

آپ کے اساتذہ میں مختلف علماء کرام اور یونیورسٹی کے متعدد پروفیسروں کے نام ملتے ہیں جن میں ان کے والد محترم کے علاوہ سب سے اہم شخصیت پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی ہے جو اپنے علم و فضل کی وجہ سے اس برّ اعظم میں استاذ الاساتذہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے اپنا مقالہ علمیہ آپ ہی کی نگرانی میں مرتب کیا ہے۔ یہ مقالہ ابھی تک میں نے نہیں دیکھا لیکن اس کے متعلق پروفیسر صاحب کی رائے میری نظر سے گزری ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں

"میری پوری مدت ملازمت میں وہ میرے سب سے بہتر شاگرد رہے ہیں۔ میں ان پر جا طور پر فخر کر سکتا ہوں۔ ان جیسے باوقار، باکردار اور باصلاحیت طلباء موجودہ حالات میں خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ وہ ان محققین میں سے ہیں جن پر فضلاء اعتماد کر سکتے ہیں اور جن پر کسی یونیورسٹی کو فخر ہو سکتا ہے۔"

ان ہی کے بارے میں آپ یادگار خطوط (کراچی ۱۹۹۸ء) میں تحریر فرماتے ہیں:

"میرے عزیز فاضل شاگرد اور مشہور مصنف ہیں۔ بہت کتابیں لکھی ہیں۔ مجھ سے بہت تعلق رکھتے ہیں۔ کئی کالجوں میں پرنسپل رہ چکے ہیں اور غالباً ڈپٹی (ایڈیشنل) سیکریٹری محکمۂ تعلیم کی حیثیت سے فارغ ہوئے ہیں۔"

"ڈاکٹر مسعود احمد حیات اور نثری خدمات" عنوان ہے اس تحقیقی مقالے کا جو اعجاز انجم صاحب استاد مدرسۂ منظر اسلام بریلی نے بہار یونیورسٹی مظفر پور میں بطور مقالۂ علمیہ داخل کیا اور جس پر انھیں وہاں سے ۱۹۹۷ء میں ڈاکٹریٹ تفویض ہوئی۔

یہ علمی مقالہ بہار کے مشہور اسکالر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی پروفیسر شعبۂ اردو بہار یونیورسٹی کی نگرانی میں لکھا گیا جو اپنے علمی و ادبی کارناموں کی وجہ سے خاص شہرت رکھتے ہیں۔

اعجاز انجم صاحب نے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک اہم موضوع کا انتخاب کیا جس پر ابھی تک کوئی قابلِ ذکر کام نہیں ہوا ہے۔ انھوں نے ایک ایسی شخصیت کا انتخاب کیا ہے جو مختلف دینی و ادبی موضوعات پر اپنی گراں قدر تصنیفات اور قابلِ قدر مقالات کی وجہ سے یقیناً اس بات کی مستحق تھی کہ اس کی تصانیف و تحریرات کا غائر مطالعہ کر کے اس کی حیات و خدمات پر ایک جامعہ اور مبسوط کتاب مرتب کی جائے۔

زیرِ نظر مقالہ چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے خاندانی حالات درج کئے ہیں، دوسرے میں ایک دینی مفکر اور دانشور کی حیثیت سے ان کی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ تیسرے باب میں ان کی نثری نگارشات کو موضوعِ گفتگو بنایا گیا ہے اور چوتھے باب میں انھیں ایک صاحبِ طرز انشاء پرداز کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ باب پنجم ڈاکٹر صاحب کی دینی و علمی و ادبی خدمات کے لئے مخصوص ہے۔ اور باب ششم میں مقالہ نگار نے گزشتہ ابواب کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے اردو نثر نگاری میں ان کا مقام و مرتبہ معین کرنے کی کوشش کی ہے۔[1]

اعجاز انجم صاحب ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب سے والہانہ محبت کرتے ہیں، ایسی محبت جو گہری عقیدت کی حدود میں داخل ہو گئی ہے۔ انہوں نے مواد کی فراہمی میں بہت محنت کی۔ موصوف کی تمام تصانیف و تحریرات تلاش کی ہیں اور بیشتر کا انہوں نے گہرا مطالعہ کیا ہے اور حاصلِ مقالہ چار سو صفحات کے ضخیم مقالے کی شکل میں انہوں نے پیش کر دیا ہے۔[2]

چراغ سے چراغ جلتے رہنا چاہئے۔ جو قیمتی مواد اعجاز انجم صاحب نے محنت و جانفشانی سے ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور جن مصادر کی انہوں نے نشان دہی کر دی ان سے فائدہ اٹھانا ان کے معاصرین کا کام ہے کہ وہ اس مواد سے فائدہ اٹھا کر پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب جیسی مختلف الجہات شخصیت کے دوسرے علمی و دینی کارناموں کی طرف توجہ کریں اور انہیں منظرِ عام پر لائیں۔

ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است

یکشنبہ ۱۵ اگست ۱۹۹۹ء

مختار الدین احمد

۱۔ باب ششم میں اولیات کو شامل کیا ہے اور باب ہفتم میں محاکمہ پیش کیا ہے۔ یہ تبدیلی طباعت کے مرحلے پر کی گئی۔
۲۔ بعد میں بہت سے اضافے کیے گئے ہیں۔ مقالہ تقریباً ۶۰۰ صفحات پر پھیل گیا ہے۔
انجم

۳- پروفیسر وسیم بریلوی
ڈین فیکلٹی آف آرٹس،
روھیل کھنڈ یونیورسٹی بریلی،
یوپی، (بھارت)

BAREILLY COLLEGE, BAREILLY

Fax : 0581 - 470623
Offi. : 470242
Principal Resi. : 476053
455392
P.O. Box 6,
BAREILLY - 243005

۷۸۶
۹۲

تاثرات

خوشبو کو محسوس تو کیا جا سکتا ہے مگر اسکو موضوع تحقیق بنانا خاصا مشکل کام ہے
محمد اعجاز انجم نے ڈاکٹر مسعود احمد کی شخصیت اور ان کی علمی نظریاتی اور مذہبی بصیرتوں کو عنوان تحریر بنا کر کچھ اسی طرح کی مشکل کو آسان کرنے کی کوشش کی ہے لیکن جس مخلصانہ ذمہ داری کے ساتھ وہ اس مرحلے سے گذرے ہیں وہ ان کے روشن مستقبل کی گواہی ہے۔

ڈاکٹر مسعود احمد ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہی نہیں بلکہ دینی فکر و نظر کے معیار گر کہے جا سکتے ہیں ان کے نثری کارنامے زیادہ تر مذہبی نکتہ سنجیوں سے وابستہ ہیں۔ مگر یہاں ان کی دور بیں فکر نے جو اعلیٰ تحقیقی پیمانے وضع کئے ہیں ان کے علمی تدبر کی غیر معمولی مثال پیش کرتے ہیں۔ ایسے دانشور کی شخصیت اور اس کی نثری کاوشوں کا تفصیلی جائزہ علمی دنیا کے لئے بشارت بے بہا سے کم نہیں۔ محمد اعجاز انجم نے سیدھے سادے انداز میں یہ معلومات بڑی جانفشانی کے ساتھ فراہم کی ہیں اور دلچسپی کا تسلسل برقرار رکھا ہے جو قابل قدر ہے۔

بڑی عجیب بات ہے کہ اردو نثر کی تاریخ ان اہل قلم کی کارگذاریوں کے محاسبے تک محدود

ہو کر رہ جاتی ہے جو ادبی موضوعات کو موضوع بحث بناتے ہیں، جبکہ ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ مذہبی مسائل کو مقصد تحریر بنا کر اردو نثر کا دامن وسیع کرنے والے اہل قلم کی طرف توجہ کی جائے تاریخ ادب کے ایک اہم موڑ پر ایک ایسی کوتاہی ہو چکی ہے۔ یعنی تحریک سر سید سے وابستہ حضرات کو جہاں اردو ادب کے عناصر خمسہ کا درجہ دیا گیا۔ کم و بیش اسی زمانے میں مولانا احمد رضا خاں کی ان نثری خدمات کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا جو ہر چند کہ مذہبی مسائل کے تحقیقی نکتۂ نظر سے وابستہ تھیں مگر اردو نثر کو علمی اور عقلی وسعتیں دینے کی بہر حال ذمہ دار تھیں۔

ایسی تاریخی کوتاہی کے چلتے محمد اعجاز انجم نے ڈاکٹر مسعود احمد کی ادارہ صفت شخصیت اور ان کی دینی خدمات کو والہانہ انداز میں پیش کر کے اہل ادب کو اہل مذہب کی نثری کوششوں کی طرف متوجہ ہونے کی دعوت دی ہے۔ جو ایک مستحسن قدم ہے۔

وسیم

۲۵/۱/۱۹۹۹ء

پروفیسر وسیم بریلوی
صدر شعبہ اردو بریلی کالج بریلی
ڈین فیکلٹی آف آرٹس روہیلکھنڈ یونیورسٹی بریلی

پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی

شعبۂ اردو، بہار یونیورسٹی، مظفر پور
(بہار - بھارت)

"ڈاکٹر مسعود احمد حیات اور نثری خدمات" --- اعجاز انجم کا تحقیقی مقالہ ہے جس پر بہار یونیورسٹی مظفر پور، بہار نے ان کو پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی۔ ہندوستان پاکستان کی جامعات میں عام طور پر جو پی ایچ ڈی کے مقالے لکھے جاتے ہیں یہ مقالہ ان سے مختلف ہے۔ طباعت واشاعت کی راہ میں جو دشواریاں حائل ہوتی ہیں ان سے قطع نظر پی ایچ ڈی کے بہت سے مقالے چھپنے کے لائق نہیں ہوتے، لیکن انجم صاحب کا یہ مقالہ مستثنیات سے ہے۔ یونیورسٹی کے تحقیقی مقالوں میں عام طور پر اصل موضوع کے علاوہ زیب داستاں کے طور پر کچھ غیر متعلق اور غیر ضروری مواد شامل کر کے حجم بڑھایا جاتا ہے۔ زیرِ نظر مقالہ میں اس غلط روی کی مثال نہیں ملتی۔ مقالہ نگار نے پوری توجہ اصل موضوع پر صرف کی ہے اور اس کے تمام مالہ اور ماعلیہ کو بڑی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ بروئے کار لانے میں کامیاب کوشش کی ہے۔ اس طرح یہ مقالہ باوزن وباوقار بن سکا ہے۔

ڈاکٹر مسعود احمد دنیائے علم و دانش میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اپنے بوقلموں علمی، ادبی اور دینی کارناموں کی بدولت وہ اپنے ہم عصروں میں بڑی محترم اور قد آور شخصیت کے مالک ہیں۔ ان جیسے کثیر التصانیف اصحاب اشخاص بر صغیر پاک و ہند میں اب خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ ان کے بلند و وقیع کارناموں کو ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔ خصوصاً رضویات کے تعلق سے ان کی عظیم الشان خدمات کو ہمیشہ قدر و احترام کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ محض چند جملوں میں ان کی بلند قامت شخصیت کا احاطہ ممکن نہیں۔ مختصر یہ کہ ڈاکٹر صاحب جامع صفات و حیثیات ہیں اور اہل سنت کے لئے ایک سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مجھے فخر ہے کہ انجم صاحب نے یہ مقالہ میری نگرانی میں مکمل کیا ہے۔

فاروق احمد صدیقی

۱۹ اکتوبر ۱۹۹۹ء

۵- ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

ڈائریکٹر الرضا اکیڈمی، بریلی (یوپی- بھارت)

Dr. A. Naim Azizi
B.Sc. (Alig) M.A., Ph.d (Rohil)
Director - ArRaza Islamic Academy
104, Jasoli, Bareilly - 243 003

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
ڈائرکٹر، الرضا اسلامک اکیڈمی
۱۰۴، جسولی، بریلی شریف ۲۴۳۰۰۳

Date : ____________

تأثرات

سچائی، خیر اور حسن کو محققانہ بصیرت، پاکیزہ زبانی اور شگفتہ بیانی کے ساتھ اجاگر کر کے انسان کو زندگی اور بندگی کا شعور و سلیقہ عطا کرتے ہوئے اسے انسانیت کے بام رفیع پر پہنچانے کا راستہ ہموار کر دینا ہی حقیقی علمی اور ادبی کارنامہ ہے۔ اردو زبان و ادب کی دنیا میں ایسے صاحبان علم و ادب و قلم کم ہی ملیں گے اور ان کمیاب اور کامیاب شخصیات میں ایک مشہور اور مستند و معتبر نام ہے عزت مآب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی کا جو بیک وقت عالم دین، پروفیسر، دانشور، مفکر، محقق، ادیب و مصنف اور نقاد سبھی کچھ ہیں اور ان سب پر مستزاد وہ ہادی و مرشد بھی ہیں انہوں نے اردو کو مذہبیات و مذہبی علوم و فنون، اخلاقیات، تاریخ، سیاست، عمرانیات، معاشیات اور شعر ادب وغیرہ بھانت بھانت موضوعات کے جہانوں کی سیر کرائی ہے اور مختلف علوم و فنون کو تحقیق و تنقید کی نئی نئی جہتوں سے آشنا کیا ہے۔ محسن اعظم انسانیت، مصطفیٰ جان رحمت علیہ التحیۃ والثناء اور ان کے نائبین صحابہ، صلحاء، اولیاء، و علماء کی سیرت و سوانح اور تقدیسی کارناموں پر قلم اٹھا کر مسلمانوں کو ان سے قریب کر دیا ہے ادب کے صالح اور تقدیسی پہلو کو اجاگر کر کے "ادب برائے ادب" اور "ادب برائے زندگی" کے جلوے دکھائے ہیں۔ ان کے قلم حق و فیض رقم کا سب سے بڑا کمال ہے سرسید اور ان کے رفقاء کے ایک ہم عصر عالم و فاضل، ادیب و شاعر اور مفکر و مصلح امام احمد رضا بریلوی کی شخصیت، علم و فضل، عظمت و عبقریت اور تقدیسی کارناموں کو اجاگر کرنا کہ جنہیں مخالفین امام احمد رضا نے دبانے، چھپانے اور مٹانے کی انتھک کوشش کی اور زبان و ادب کی تاریخ سے لیکر مذہبی، قومی، ملی و ملکی تواریخ میں جگہ نہ دے

کر جو ظلم کیا گیا، اس ظلم و بے عدلی کا پردہ قلم مسعود نے چاک کر کے امام احمد رضا کی سچائی، اچھائی اور بڑائی کے حقیقی جلوے دکھا کر مشاہیر زمانہ کو حیرت زدہ کر دیا اور سب کی آنکھیں کھول دیں۔ ایسے حق گو، عظیم محقق اور صاحب علم و ادب و قلم کی حیات و شخصیت اور علمی و ادبی کارناموں کو تحقیق و ریسرچ کے منظر نامے پر لانے کی شدید ضرورت تھی

مسرت ہے کہ مولانا اعجاز انجم نے ماہر رضویات، مسعود ملت، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی حیات و شخصیت اور علمی و ادبی کارناموں پر پی۔ ایچ۔ ڈی کا فریضہ انجام دے کر وقت کی ضرورت کو پورا کیا اور اردو زبان و ادب کی تاریخ میں علم و ادب و تحقیق و تنقید کی مایۂ ناز شخصیت کے نام اور کام سے نئے باب کے اضافہ کا باعث بنے۔

راقم کو ڈاکٹر اعجاز انجم کے اس تحقیقی کام کی تکمیل پر دوسری خوشی اس وجہ سے ہے کہ ان کے پی ایچ۔ ڈی مقالہ کے عنوان اور نگراں کی تجویز اسی نے پیش کی تھی۔

ڈاکٹر اعجاز انجم صاحب نے مقالہ کی تیاری میں پورے خلوص، دیانت، محنت اور لگن سے کام لیا ہے اور مسعود ملت کی شخصیت اور علمی و ادبی کارناموں کو بہت ہی خوب صورتی اور سچائی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر اعجاز انجم کی مقالہ نگاری کا انداز محققانہ بھی ہے اور ادیبانہ بھی۔

یہ مقالہ ہر معیار کے قاری کو ضرور اپیل کرے گا۔

عبد النعیم عزیزی (دستخط)

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی

۱۰۴ جسولی بریلی شریف۔ یکم جون ۱۹۹۹ء
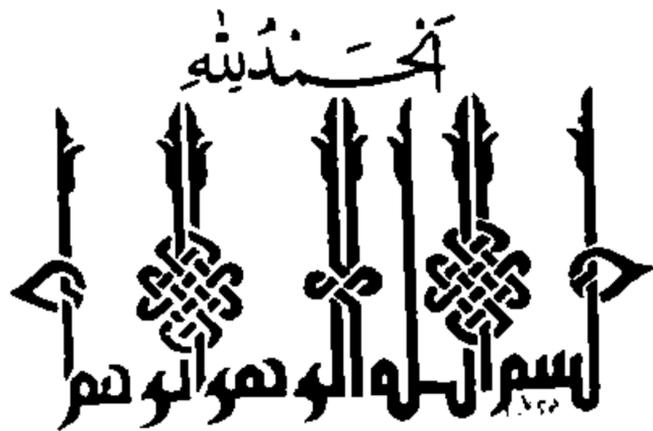
الحمد للہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

٦- ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد

استاد جامعہ ملیہ - دھلی،

شاہی امام و خطیب مسجد جامع فتحپوری، دہلی (بھارت)

ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد
نقشبندی، چشتی، قادری، سہروردی
شاہی امام و خطیب مسجد جامع فتحپوری، دہلی
Telefax : 2918322
Tel : 2529610

۷۸۶

یکم رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ
بروز جمعہ

تأثرات

جناب مولانا ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی صاحب نے مسعودِ ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب دامت برکاتہم و مدظلہ کی حیات اور خدمات پر محققانہ مقالہ پیش کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے جس کی ضخامت قریب ۴۱۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ مقالہ چھ ابواب پر مشتمل ہے اور اس میں علمی نوادرات کے عکس اور بہت سی تاریخی دستاویزات کے عکس بھی شامل کئے گئے ہیں۔ میری نظر میں یہ مقالہ اصولِ تحقیق کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ اس موضوع کے انتخاب پر وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ انہوں نے دو سال کی مختصر سی مدت میں یہ مقالہ مکمل کیا ہے اس پر بھی وہ قابلِ مبارک باد ہیں۔ حالانکہ ہندوستان میں رہ کر پاکستان کی عظیم علمی و روحانی شخصیت پر تحقیقی مقالہ سپردِ قلم کرنا آسان کام نہیں تھا لیکن ذہنی لگن اور سچی لگن نے ان کی مدد کی اور محققانہ جستجو نے قدم قدم پر ان کا ساتھ دیا جس سے یہ مقالہ معرضِ وجود میں آیا۔ آج یہ مقالہ اپنے لعل محاسن کی وجہ سے اہلِ علم کی نظر میں پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا جا رہا ہے۔ اس مقالہ سے ایک طرف تو جناب محترم مسعودِ ملت مدظلہ العالی کی عبقری شخصیت کے کئی عظیم پہلو سامنے آتے ہیں دوسری طرف حضرت علامہ فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی مایۂ ناز شخصیت کی عظمتیں ہمارے سامنے جلوہ گر ہوتی ہیں۔

اس مقالہ کے مطالعہ سے یہ بات واضح طور پر عیاں ہو جاتی ہے کہ مسعودِ ملت ایک عظیم المرتبت عالمِ دین، عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، عارف باللہ جل مجدہ، شیخِ طریقت، مایۂ ناز مفکر، مؤثر بیان مبلغ، محققِ بے بدل، بیسیوں تصنیفات و تالیفات اور ان جیسے بے شمار فضائل و کمالات سے آراستہ ہیں۔ وہ معاصر ادباء و فضلاء، علماء و صلحاء، مفکرین اور محققین، اہلِ قلم اور دانشوروں میں منفرد اور ممتاز شخصیت کے حامل ہیں۔ عالمِ اسلام میں یکہ و یورپ، افریقہ اور ایشیا میں بھی ان کی عالمانہ، فاضلانہ تصانیف اور تحقیقات نے مسلمانوں کو متاثر کیا ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

نامور مقالہ نگار مولانا ممتاز احمد سدیدی نے جامع اور محققانہ انداز میں، فصیحانہ اور بلیغانہ اسلوب میں پروفیسر صاحب کی علمی شخصیت کی حیات اور خدمات کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل تحقیق کی ہے۔ آپ کا خاندانی پس منظر، آپ کی حیات، خدمات، دور کا زمانہ، آپ کی تصنیفات، دور علمی نگارشات کا علمی اور ادبی تجزیہ پیش کیا ہے جو بہت خوب ہے۔ ایک تحقیقی اور تنقیدی مطالعہ میں جن خصوصیات کا تصور کیا جا سکتا ہے وہ سب اس میں موجود ہیں۔ اس مقالہ کا حسن ہے کہ بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے۔ میری رائے میں اپنے موضوع پر یہ ایک کامیاب مقالہ ہے۔ جیسے جلد طبع ہو کر منظر عام پر آجانا چاہیے تاکہ پروفیسر صاحب کی خدمات سے بڑے پیمانہ پر اہل علم مستفیض ہو سکیں اور دور حاضر کے ریسرچ اسکالرز اور طلبہ اسی انداز سے اپنی زندگیوں اور علمی مساعی کو سنوار کر ملت کا نام روشن کر سکیں۔ پروفیسر صاحب کی شخصیت ہمہ گیر ہے اور ان کی خدمات اور ان کی کوششوں پر ریسرچ کا کام کیا جا سکتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هل جزاء الإحسان إلا الإحسان ۝ فبأي آلاء ربكما تكذبان

۷- علامہ محمد مطیع الرحمٰن

(جامعہ نوریہ، شام پور، (مغربی بنگال، بھارت)

شمالی بنگال میں اہلسنت کا عظیم دینی مرکز
جامعہ نوریہ شام پور رائے گنج ضلع اتر دیناج پور (بنگال)
حضرت مولانا مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب رضوی مدظلہ (بانی و سربراہ جامعہ ہذا)
JAMEA NOORIA, SHAMPUR, VIA-RAIGANJ, DISTT.-N. DINAJPUR (W. B.)

پروفیسر مسعود احمد علم و تحقیق کی دنیا میں ایک معروف اور مسلم شخصیت کا نام ہے۔ ارباب مذہب کی انجمن ہو یا یاران ادب کی بزم، وہ ہر جگہ یکساں اعتبار کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اور معارف رضا کی حیثیت سے تو وہ "وحدہ لاشریک" ہیں یعنی اپنی نظیر آپ۔ اسی لئے لوگ انہیں ماہر رضویات کہتے اور لکھتے ہیں۔

ضلع کٹیہار بہار کے اعجاز انجم صاحب نے موصوف پر تحقیقی مقالہ لکھکر خراج تحسین پیش کیا ہے۔ جس پر بہار یونیورسٹی نے ان کو پی، ایچ، ڈی کی ڈگری تفویض کی ہے۔

ریسرچ بڑا جوکھوں کا کام ہے۔ مستور حقائق کا پتہ لگانا اور انہیں دلائل و شواہد سے مزین کرکے منصۂ شہود پر لانا آسان نہیں ـــــ مگر آج کل "انحطاط و تنزل کی دوڑ میں یہ بھی کسی سے پیچھے نہیں۔ ممتحن و نگراں حضرات کی زرطلبی اور متحققین کی ہوسِ سندیابی و نام آوری نے اس میں بھی ناگفتہ بہ حد تک گراوٹ پیدا کردی ہے۔

لیکن میں اعجاز انجم صاحب کو جانتا ہوں۔ وہ اِصالۃً ایک عالم دین ہیں اور مرکز اہلسنت بریلی شریف میں "منظر اسلام" کے مدرس۔ یہیں تعلیم بھی پائی اور ساتھ ساتھ مختلف مروجہ دانش گاہوں سے بھی اسناد حاصل کئے۔ اس طرح وہ قدیم و جدید دونوں انداز سے معرکہ سر کرنے کی مشق رکھتے ہیں ـــــ اور نگرانِ محترم ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی صاحب کا تو کہنا ہی کیا! دنیا طلبی سے دور، اتباع شرع میں کوشاں، طریقت کے جویا، میدان تحقیق و تنقید کے شہسوار۔ اردو کے تو وہ پروفیسر ہیں ہی، فارسی میں بھی خاصہ درک رکھتے ہیں اور عربی بھی کچھ کم نہیں جانتے ـــــ

اس لئے اذعان کی حد تک کہہ سکتا ہوں کہ زیر نظر مقالہ پورے کا پورا ہی تحقیق کے اپنے اصولوں کے مطابق ہوگا۔ جیسا کہ بعض حصوں کے جابجا مطالعے سے [illegible] ـــــ

فقیر
محمد مطیع الرحمٰن رضوی

پروفیسر محمد ضیاء الدین ابو لکمال احمد شمسی طہرانی

صدر شعبۂ مذاہب عالم، امبیڈکر نیشنل انسٹی ٹیوٹ، مہو اندور، بھارت

الحمد للہ والمنۃ کہ سیدی وسندی ومرشدی شیخ الاسلام والمسلمین مفتی اعظم حضرت محمد مظہر اللہ شاہ نقشبندی مجددی چشتی قادری سہروردی علیہ الرحمۃ والرضوان کے فرزند ارجمند حضرت قبلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد دامت برکاتہم العالیہ پاکستان سے دہلی تشریف لائے اور وہاں سے حضرت موصوف نے اندور کی سرزمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف کیا۔ اپنے برادر نسبتی حضرت قبلہ جناب عبدالعزیز صدیقی مدظلہ العالی سجادہ نشین و نبیرۂ حضرت صوفی شاہ محمد عبدالغنی نقشبندی مجددی علیہ الرحمہ کے دولت کدے پر قیام کیا اور وہاں اس فقیر حقیر کو شرف قدمبوسی حاصل ہوا۔ حضرت موصوف کو اپنے والد بزرگوار سے نسبت رکھنے والوں کے ساتھ پیکر اں مخلص اور بے پایاں شفیق پایا۔ خصوصاً اس فقیر حقیر کو حضرت موصوف نے اپنے مکالمات، اور ارشادات اور تحقیقات سے مستفید و مستفیض ہونے کا زیادہ سے زیادہ موقع عطا کیا اور اپنا بیش بہا وقت فقیر حقیر کو زیادہ سے زیادہ عنایت کیا۔ خدا کرے آپ بار بار تشریف لاتے رہیں ۔

وداع ووصل جداگانہ لذتے دارند
ہزار بار برو، صد ہزار بار بیا

آپ کا ذکر خیر زمانہ طالبعلمی سے سنتا تھا مگر خوش قسمتی سے جب قرب میسر ہوا تو معلوم ہوا کہ جو کچھ سنا تھا وہ کم تھا۔ حضرت کے علمی و عملی اوصاف و کمالات کو دیکھنے کا موقع ملا تو فارسی کا ضرب المثل مصرع یاد آیا ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ ؟

اللہ تعالیٰ نے موصوف میں اپنے والد بزرگوار کی دعاؤں کی برکات سے بلند ترین روحانی مقامات

کے ساتھ ساتھ اعلیٰ ترین علمی کمالات بھی جمع فرما دیئے۔ آپ عمومی طور پر ماہر رضویات مانے جاتے ہیں لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ ماہر رضویات ہونے کے لئے علوم اسلامیہ کے خزانوں کی کنجیاں ہاتھ میں ہونا ضروری ہیں۔ الحمد للہ آپ کے دست مبارک میں وہ کنجیاں ہیں۔

اندور کے زمانۂ قیام میں آپ کی مبارک صحبت سے فیض یاب ہو کر اندازہ ہوا کہ مستشرقین اپنے جدید Modern Mathodology of Reasearch کی وجہ سے عالم اسلام میں ممتاز مانے جاتے ہیں لیکن حضرت موصوف کا معیار نظر مستشرقین سے بھی زیادہ بلند ہے۔ مستشرقین مصادر اور مراجع کی تلاش و جستجو میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں لیکن استدلال، استنباط اور استنتاج کی منزل پر پہنچنے سے پہلے وہ اپنی کور باطنی کی بناء پر قعر ضلالت میں گر پڑتے ہیں۔ حضرت موصوف کی فراست ایمانی اور بصیرت روحانی تحقیق و ماخذ کے ساتھ ساتھ اخذ نتائج میں ممد و معاون رہتی ہے اور منزل حقائق سے ہمکنار کرتی ہے اور یہی تحقیق حق کا مقصد اقصیٰ ہے۔ ان جملہ خوبیوں کو دیکھ کر ایک عربی شاعر کا شعر یاد آتا ہے۔

ولیس علی اللہ بمستنکر   ان یجمع العالم فی واحد

فقیر حقیر سید محمد ضیاء الدین ابوالکمال احمد
کاظمی شمسی طہرانی چشتی قادری نقشبندی مجددی مظہری

الحمد للہ

فتقبلها ربها بقبول حسن

تمغات وسندات

(۲۲)

UNIVERSITY OF SIND

MASTER OF ARTS (BY THESIS)

1958

This is to certify that Mr Muhammad Masood Ahmed S/o Mufti Muhammad Mazharullah having been examined in 1958, was found qualified for the Degree of Master of Arts (By Thes[is]) in URDU

Class First
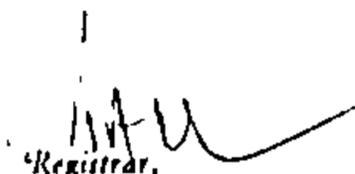
Registrar,
University of Sind.

Chancellor,
University of Sind.

Hyderabad Sind, Dated 5th February 1959.
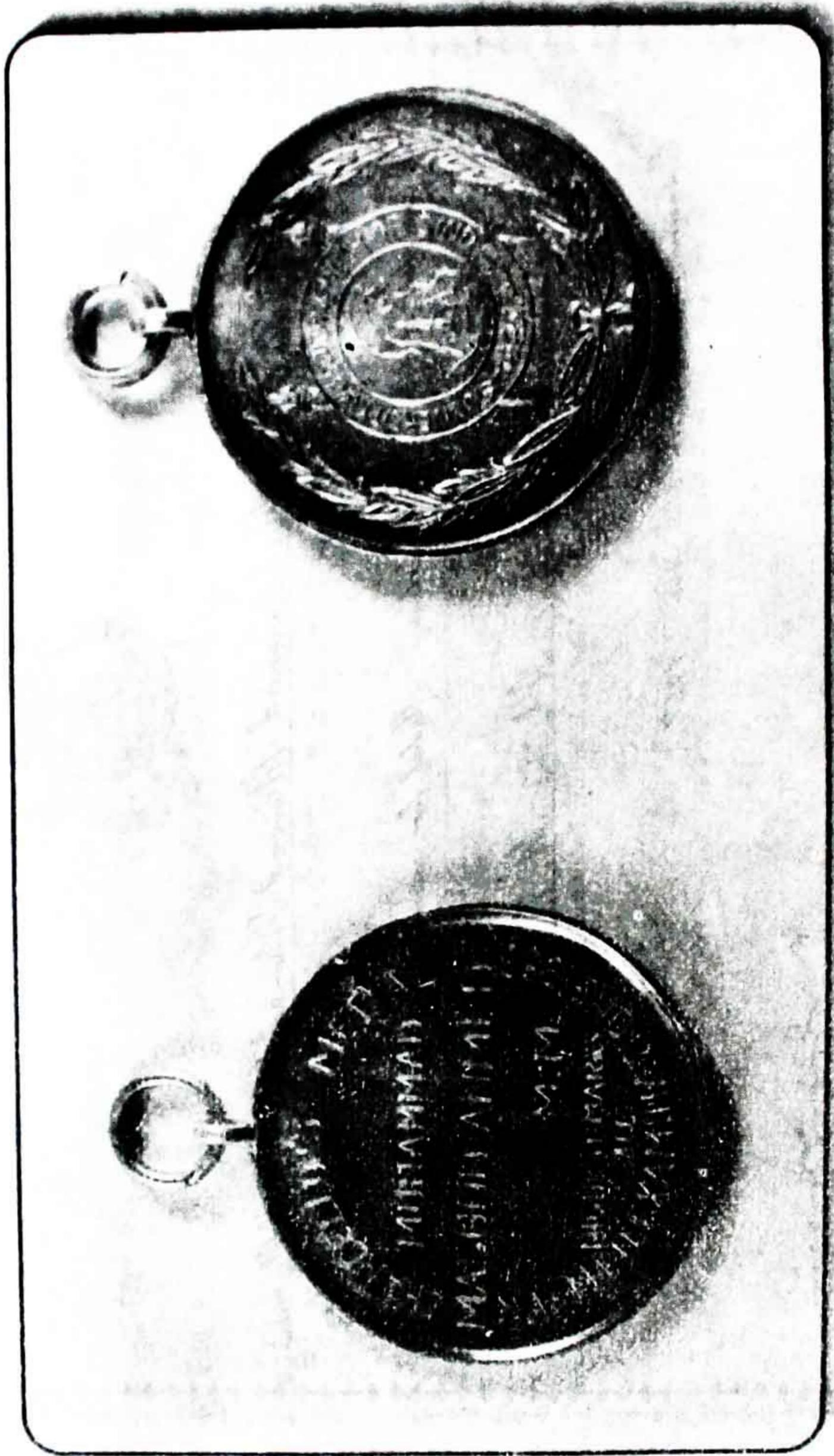
۱۹۵۸ء میں سندھ یونیورسٹی کے تمام ایم۔اے اور ایم۔ای۔ڈی کے امتحانات میں اوّل آنے پر چانسلر کی طرف سے مسعود ملت کو یہ گولڈ میڈل دیا گیا۔

University of Sind

Book No. Certificate No.

~~Mr./Miss~~ Mr. Muhammad Masood Ahmed S/o Mufti Muhammad Mazharullah

is awarded ~~a Medal~~ Chancellor's Medal for securing highest number of marks amongst all candidates at All the M. A. and M. Ed.

Examinations held in the year 1958.

Hyderabad (W. Pak).

Date ____________

[signature]
Deputy ~~Assistant~~ Registrar,
University of Sind.

University of Sind

Book No. *Certificate No.*

Mr./~~Miss~~ Muhammad Masood Ahmed S/o Mufti Muhammad Mazharullah

is awarded a Medal/~~Chain~~ ~~in Medal~~ for securing highest number of marks amongst all candidates at M.A. (All the Modern and Classical Languages)

Examinations held in the year 195[illegible].

Muhammad Husain
~~Assistant~~ Registrar,
University of Sind.

Hyderabad (W. Pak).

Date ....

UNIVERSITY OF SIND

DOCTOR OF PHILOSOPHY

1971

This is to certify that *Mr. Muhammad [illegible] Ahmed S/o Mufti Muhammad Mazharullah Faruqi* having been found to be duly qualified on examination of his thesis on "Urdu Men Qurani Tarajim Wa Tafaseer" was admitted to the Degree of Doctor of Philosophy in Urdu in this University in the year 1971.

[signature]	[signature]	*Raana Liaquat Ali Khan*
Registrar,	Vice-Chancellor,	Chancellor,
University of Sind.	*University of Sind.*	*University of Sind*

University of Sind. Sind (Pakistan) Dated 5th February, 1974.

PROFESSOR
Ghulam Mustafa Khan
M.A., LL.B., Ph.D., D.Litt.
HEAD OF THE DEPARTMENT OF URDU

UNIVERSITY OF SIND
HYDERABAD

Dated February 1971

Certified that Mr. Mohammad Masood Ahmad, having passed his M.A. (Urdu) in the First Class (First position and winner of Gold Medal), has now been awarded PH.D. degree in Urdu, on his meritorious work, entitled : اردو میں قرآنی تراجم و تفاسیر

It is my proud privilege to say that he is one of the top-most Research Scholars of the country — having published several works and a number of high-ranking articles. I wish him all success in life.

Ghulam Mustafa Khan

PROFESSOR
Ghulam Mustafa Khan
M.A., LL.B., Ph.D., D.Litt.

2, OLD UNIVERSITY CAMPUS,
HYDERABAD, SIND.

Dated 10.9.'76

Certified that Dr. M. Masood Ahmed has been my student in his M.A. classes and taken guidance in his PH.D. thesis. He had topped the list of M.A. students and was awarded a gold medal for the same.
He is a Professor of Urdu and a very efficient teacher of the students for several graduate and post-graduate levels. He is now again a Principal in a Government College of Sind.
He is an author of several meritorious works and a jewel of our University. Personally I take pride in him and in his career.
He belongs to a very learned and respectable family and bears excellent moral character. With full confidence I can present him before any august body of learning.

Ghulam Mustafa Khan

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برائے سال ۱۹۹۲ء

میں بحیثیت صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان

ڈاکٹر محمد مسعود احمد

کو شعبہ تعلیم میں امتیازی مرتبہ حاصل کرنے پر

اعزازِ فضیلت

عطا کرتا ہوں

غلام اسحٰق خان

صدر

اِسلامی جمہوریہ پاکستان

اسلام آباد

اعزاز فضیلت

رب زدنی علما

عطا کردہ
صدر
اسلامی جمہوریہ پاکستان
اعزاز یافتہ
ڈاکٹر محمد مسعود احمد

گولڈ میڈل جو صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان جسٹس محمد رفیق تارڑ نے بہترین علمی و ادبی کارکردگی پر ۱۹۹۲ء میں بطور اعزاز فضیلت ایوارڈ عنایت فرمایا۔
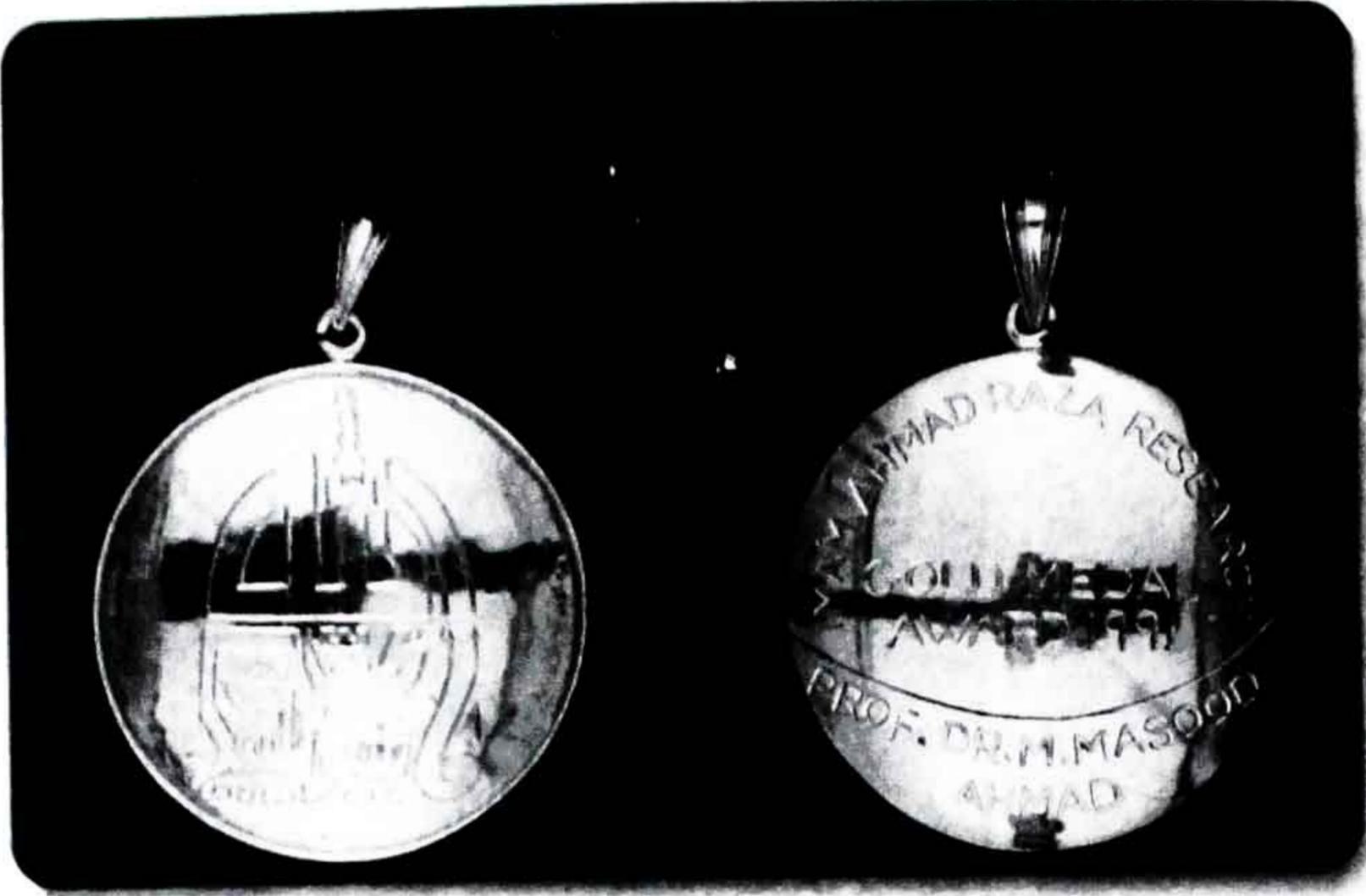
گولڈ میڈل جوادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی (پاکستان) نے ۱۹۹۱ء میں بطور ایوارڈ دیا۔

گولڈ میڈل جو عالمی سطح پر علمی کارکردگی پر پاکستان انٹلیکچوئل فورم نے ۱۹۹۰ء میں بطور ایوارڈ عطا کیا۔

وکیل الازہر (ازہر یونیورسٹی، قاہرہ) کی طرف سے ڈاکٹر مسعود احمد کو پیش کیے جانے والا قرآن کریم

شانِ دھلی

(بزبانِ فیض ترجمان شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی)

یَامَنْ یُسْئَلُ عَنْ دِھْلِیْ وَ رَفْعَتِھَا
عَلٰے الْبِلَادِ وَمَا حَازَتْہُ مِنْ شَرَفٖ

وہ شخص جو دہلی کے حالات اور دوسرے شہروں پر اس کی وقعت اور شرف کے متعلق استفسار کرتا ہے۔

☆

اِنَّ الْبِلَادَ اِمَاءٌ وَھِیَ سَیِّدَۃٌ
وَ اِنَّھَا دُرَّۃٌ وَ الْکُلُّ کَالصَّدَفٖ

بیشک تمام شہر باندیاں ہیں اور دلی ان کی ملکہ ہے اور بے شک دلی کی مثال موتی کی سی ہے۔ رہے باقی شہر وہ (نرے) سیپ ہیں۔

☆

فَاقَتْ بِلَادَ الْوَرٰی عِزًّاوَ مَنْقَبَۃً
غَیْرَالْحِجَازِ وَغَیْرَ الْقُدْسِ وَالنَّجَفٖ

یہ تمام شہروں سے عزت اور منقبت میں سبقت لے گئی ہے سوائے مکہ، مدینہ، بیت المقدس اور نجف کے۔

☆

سُکَّانُہٗ جَمَالٌ اَلْاَرْضِ قَاطِبَۃً
خَلْقًا وَ خُلْقًا بِلَا عُجْبٍ وَّ لَا صَلَفٖ

اس کے رہنے والے یقیناً زمین کی خوبصورتی اور رونق ہیں، خلقتہً اور اخلاقاً۔ ان میں تکبر اور شیخی نہیں۔

☆

بِهَاْ مَدَاْرِسُ لَوْ طَاْفَ الْبَصِيْرُ بِهَاْ
لَمْ تَنْفَتَحْ عَيْنُهُ اِلاَّ عَلٰی الْصُحُفِ

اس میں اتنے مدرسے ہیں کہ اگر دیکھنے والا اس میں گشت لگائے تو جدھر دیکھے گا قرآن ہی قرآن نظر آئیں گے۔

☆

كَمْ مَسْجِدٍ زُخْرِفَتْ فِيْهَاْ مَنَارَتَهُ
لَوْ قَاْبَلَتْهُ شَمُوْسَ الْضَّحْوِ تَنْكَسِفِ

بہت سی مسجدیں ایسی ہیں کہ جن کے مینار ایسے پُر رونق ہیں کہ اگر ان کے مقابل میں آفتاب بھی آجائے تو اس کو گہن لگ جائے۔

☆

لاَغَرَّوَاِنْ زُيِّنَتِ الدُّنْيَا بِزِيْنَتِهَاْ
كَمْ مِنْ اَبٍ قَدْ عَلٰی بِاِبْنِ ذَوِیْ شَرَفِ

دنیا کا اس (شہر) کی زینت سے مزین ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں کیونکہ بہت سے باپ ایسے نکلیں گے جو شریف بیٹے کی وجہ سے ممتاز ہو گئے۔

☆

وَمَاءُ جَوْنٍ جَرٰیْ مِنْ تَحْتِهَاْ فَحَكٰی
اَنْهَارَ خُلْدٍ جَرَتْ فِیْ اَسْفَلِ الْغُرَفِ

دریائے جمنا کا پانی اس کے نیچے بہتا ہوا ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ جنت کی کھڑکیوں کے نیچے نہریں (بہہ رہی ہیں)

☆☆☆
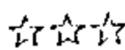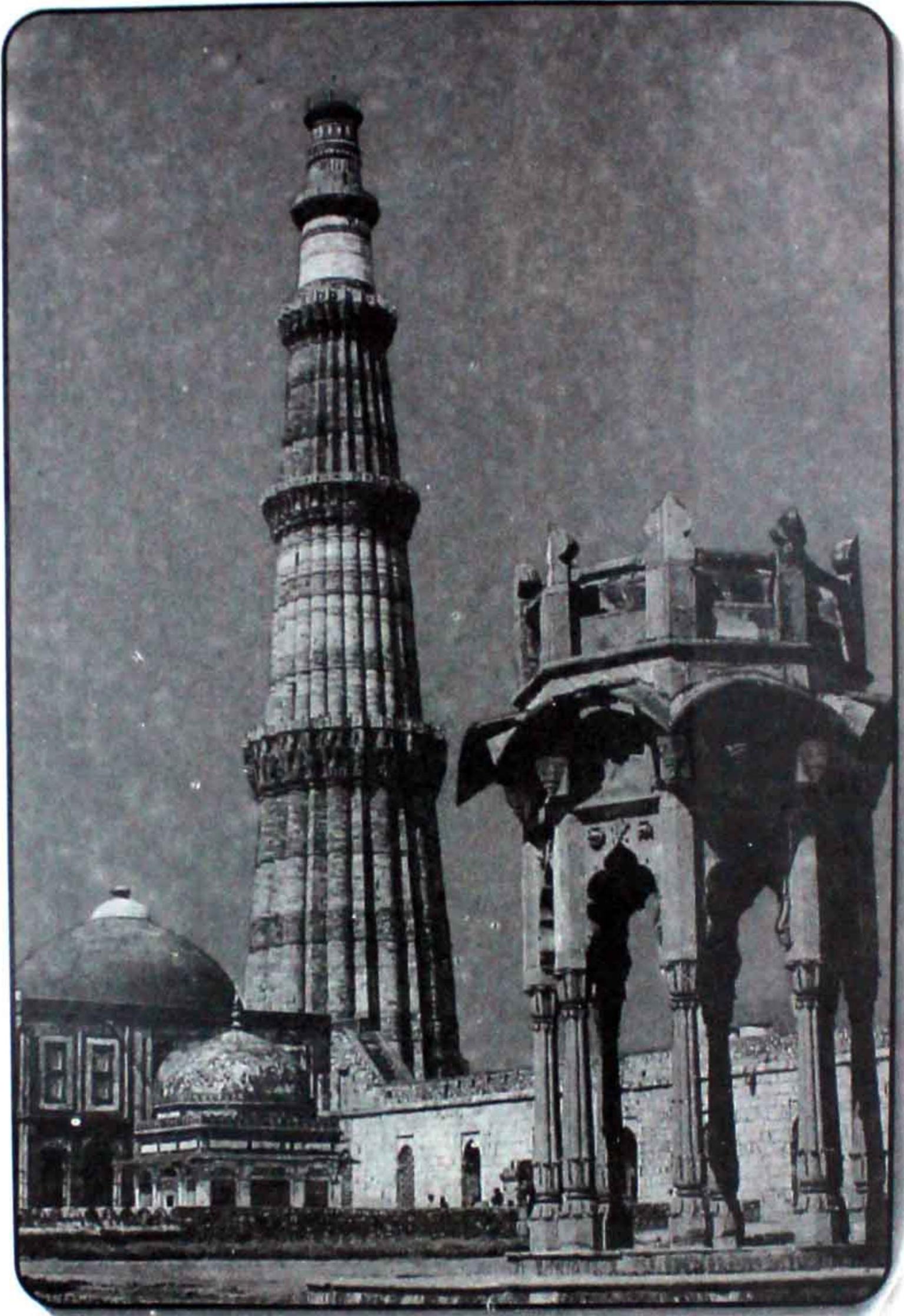
مسجد قوت الاسلام کا مشہور مینار "قطب مینار" ــــــ نئی دھلی
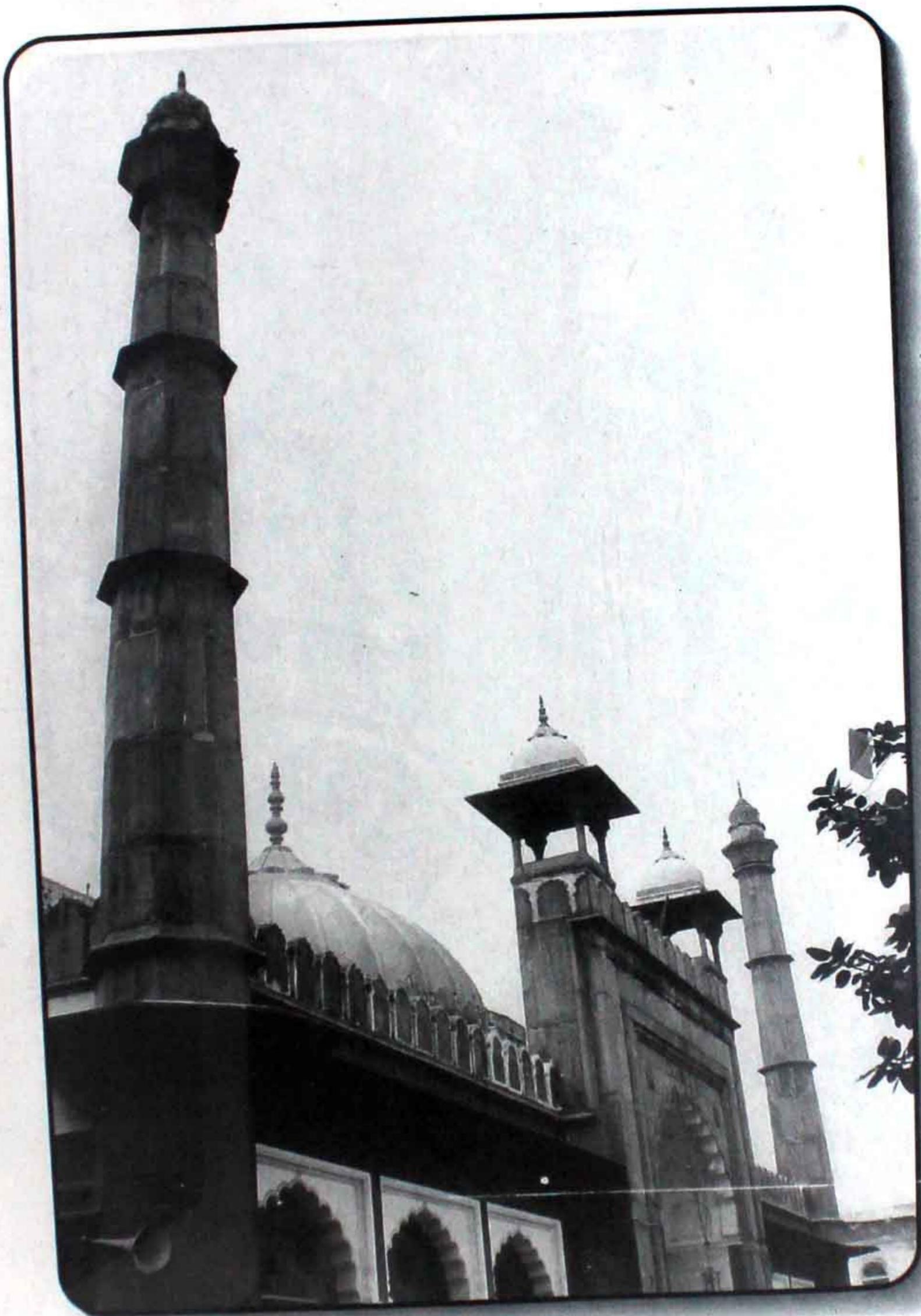
خاندانِ مسعودیہ کی پہچان، مسجد جامع فتحپوری، دھلی
یہاں مسعود ملّت نے عربی، فارسی کی تعلیم حاصل کی۔
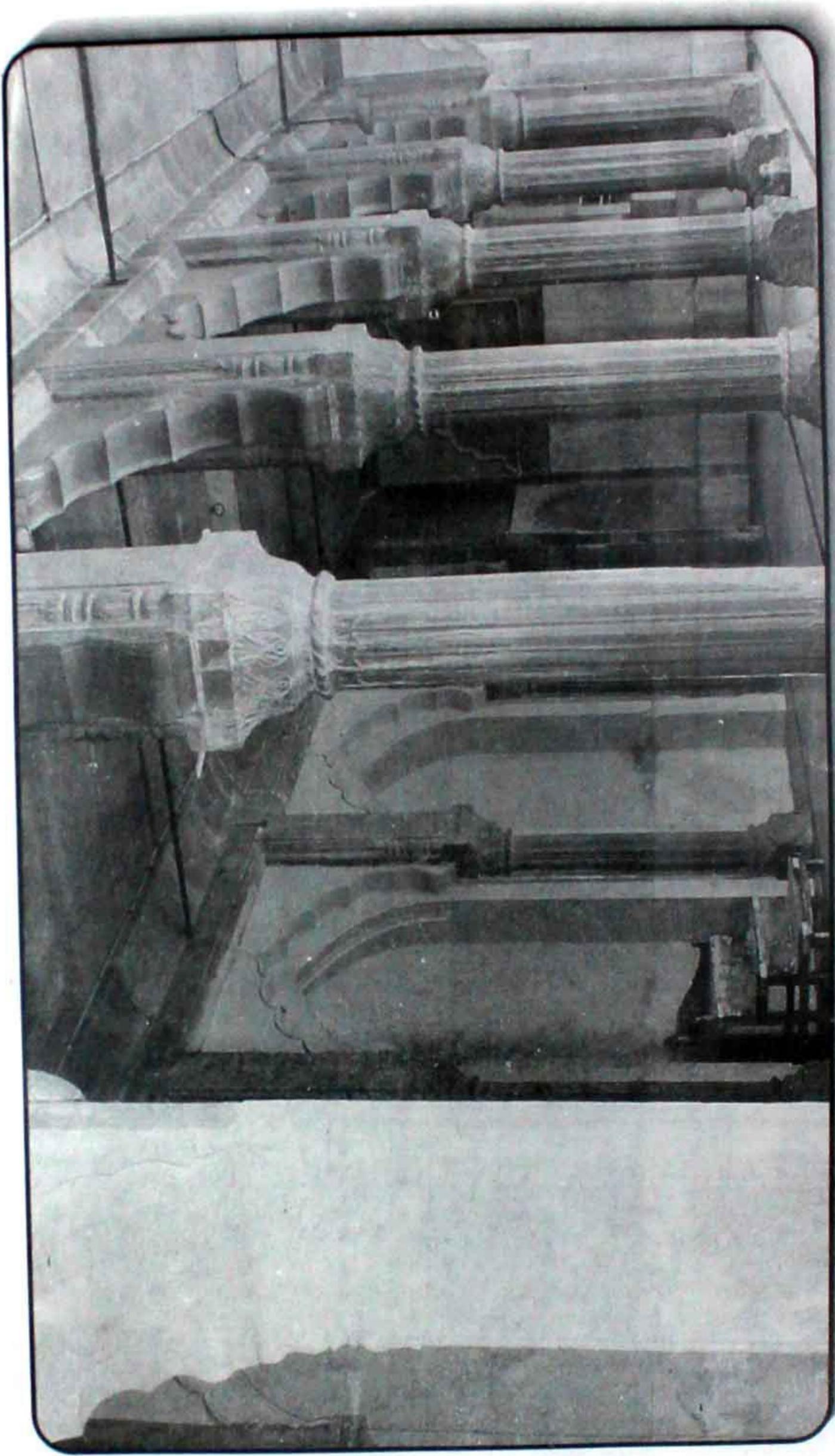
مسجد فتحپوری کا جنوب مغربی دالان جہاں مسعود ملّت نے ابتدائی انگریزی تعلیم حاصل کی۔
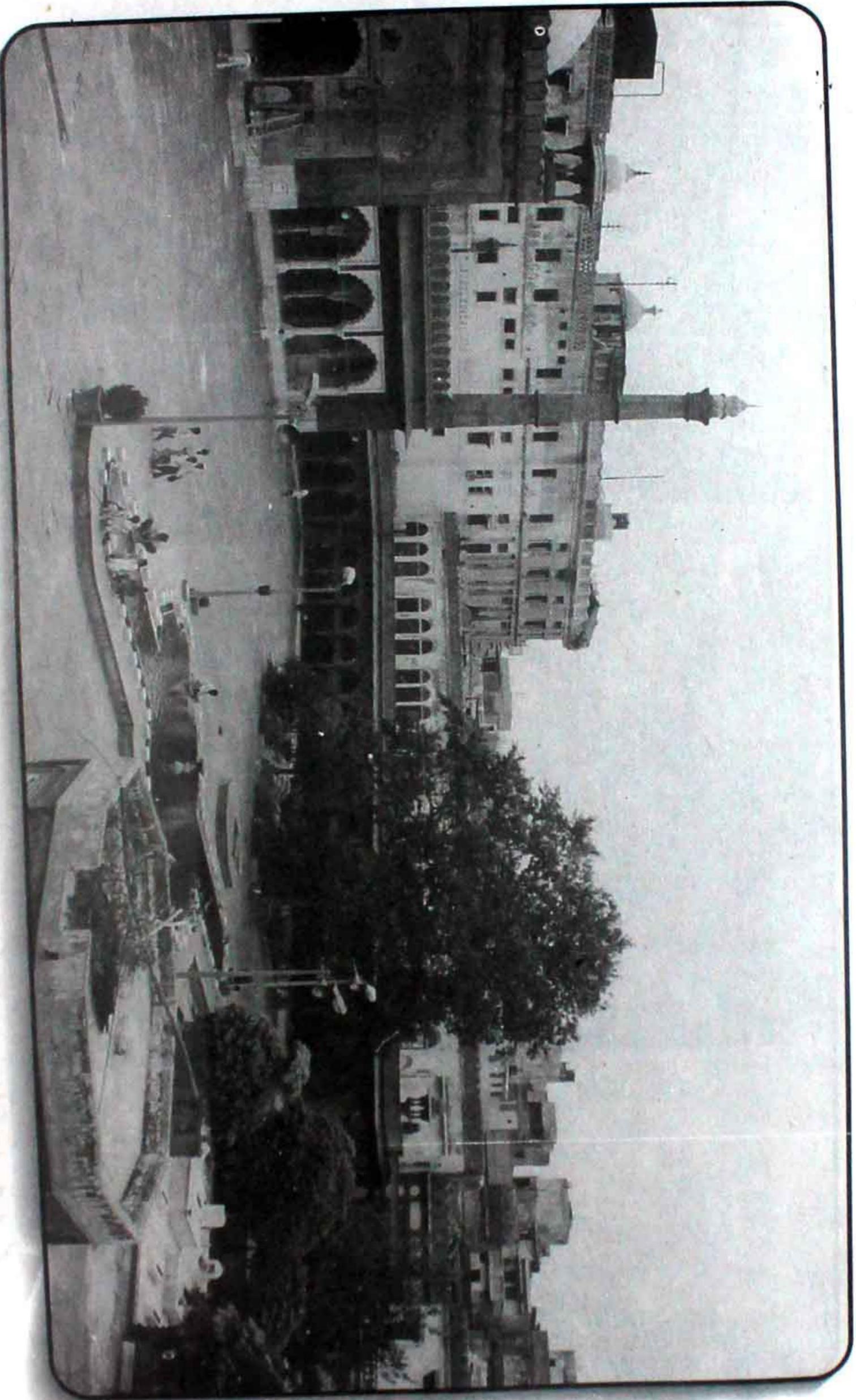
مسجد فتحپوری، دھلی کا شمال مغربی دالان جہاں مدرسہ عالیہ عربیہ قائم ہے۔

In The Name of ALLAH
The Most Beneficent and Merciful
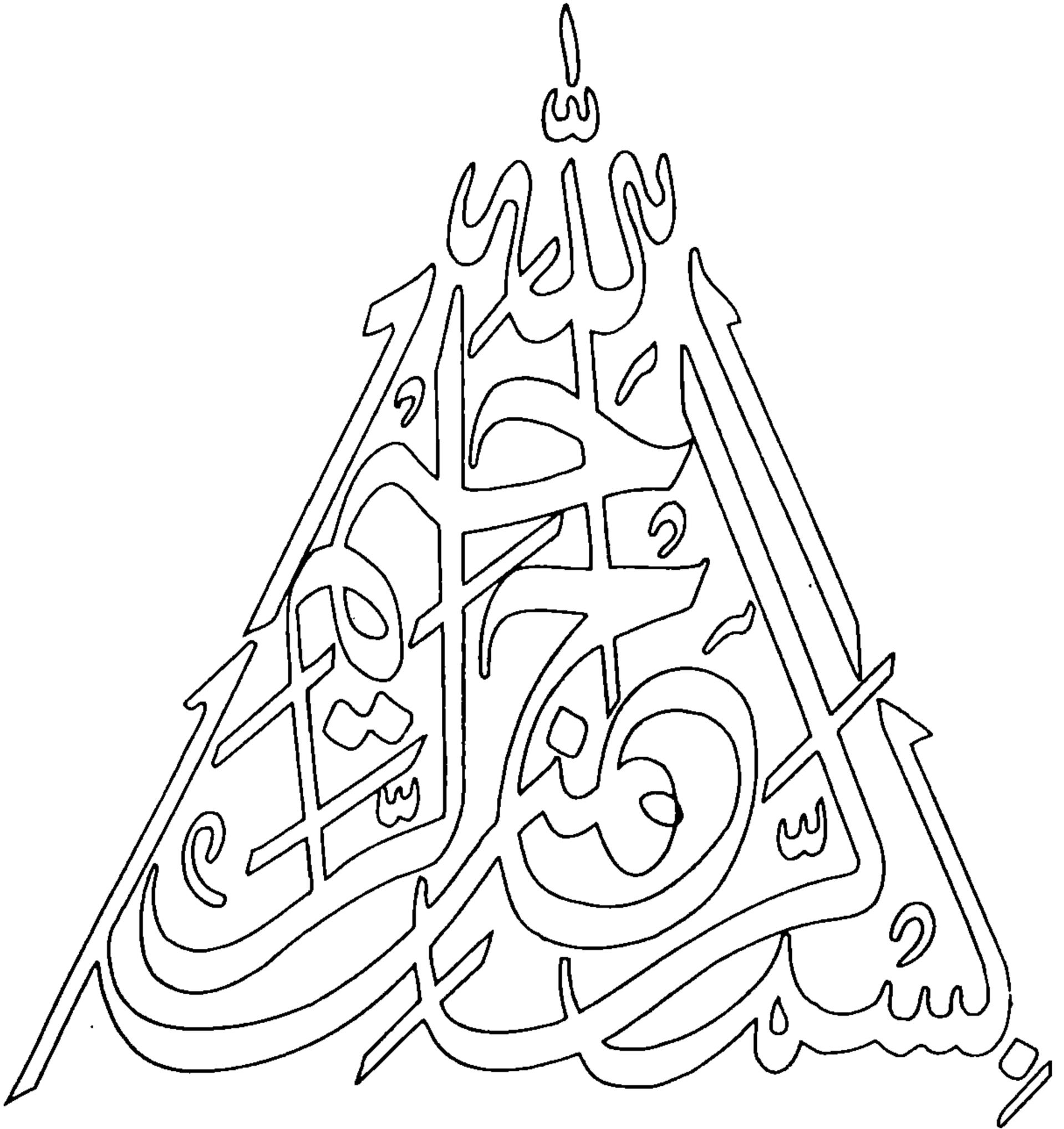
بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الم نشرح لک صدرک ووضعنا عنک وزرک الذی
انقض ظہرک ورفعنا لک ذکرک فان مع العسر یسراً
ان مع العسر یسرا فاذا فرغت فانصب والی
ربک فارغب

خط دیوانی

کتبہ گوہر قلم لاہور

بابِ اوّل

ڈاکٹر مسعود اَحمد کے

احوال و آثار

آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اقبالؒ

کتبہٗ خورشید گوہر قلم لاہور ۱۹۹۶ء

خاندانی حالات

ڈاکٹر مسعود احمد کا خاندان بہت باعظمت اور باوقار ہے۔ آپ کا تعلق مغلیہ دور حکومت میں عہدہ وزارت پر فائز جناب سالار بخش نامی ایک بلند حوصلہ بزرگ سے ہے جنہوں نے عہدہ وزارت میں کافی نیک نامی اور شہرت حاصل کی تھی[۱]۔ یوں تو آپ کے خاندان میں شروع ہی سے علم و حکمت، تقویٰ، طہارت کی چاشنی پائی جاتی تھی لیکن شہرت اور بلندیٔ کمال کا درجہ آپ کے پردادا کو ملا ان کی ذات سے ہی آپ کا خاندان ملک و بیرون ملک میں جانا پہچانا گیا اور عروج ارتقاء کی منزل پر فائزالمرام ہوگیا جن کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

پردادا:۔ ڈاکٹر مسعود احمد کے پردادا کا اسم گرامی رحیم بخش اور لقب محمد مسعود تھا یہ لقب اتنا مشہور ہوا کہ آج آپ کو اسی لقب سے یاد کیا جاتا ہے آپ کے والد کا نام الٰہی بخش اور جد امجد کا نام مبارک احمد تھا آپ نسباً صدیقی[۲] موطناً دہلوی مسلکاً حنفی اور مشرباً نقشبندی مجددی تھے۔

ولادت:۔ آپ کی پیدائش ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۸۳۴ء میں اپنی آبائی حویلی واقع بازار سرکی والان دہلی میں ہوئی۔ ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۶ء میں علوم عربیہ اور ریاضیہ وغیرہ کی تحصیل سے فارغ ہوگئے اس وقت آپ کی عمر بائیس سال کی تھی پھر والدین کے وصال کے بعد تلاش معاش میں آپ

۱۔ حاشیہ فتویٰ مسعودی، ص ۱۸ مرتبہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد

۲۔ جدید تحقیق کے مطابق پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نسباً والد ماجد کی جانب سے صدیقی ہیں اور والدہ ماجدہ کی جانب سے سید۔ ڈاکٹر صاحب کے جد امجد فقیہ الہند محمد مسعود شاہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے ایک قلمی رسالے میں اپنا نام اس طرح تحریر فرمایا ہے۔

محمد مسعود نقشبندی صدیقی مجددی

اس کے علاوہ فقیہ الہند نے مندرجہ ذیل تصنیفات میں بھی "صدیقی" ہی تحریر فرمایا ہے:۔

۱۔ رسالہ وجدیہ ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۳ء

۲۔ رسالہ در رثمانیہ، مطبوعہ دہلی

۳۔ درۃ الیتیم فی القرآن العظیم، مطبوعہ دہلی ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ء

خانقاہ مظہریہ، دہلی کے سجادہ نشین حضرت زید ابوالحسن فاروقی و مجددی علیہ الرحمہ نے خود ڈاکٹر صاحب سے فرمایا کہ حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ ہم "صدیقی" ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحقیق کی بنیاد پر اپنا سلسلۂ نسب "فاروقی" لکھا تھا مگر جدید تحقیق کی روشنی میں انہوں نے خود رجوع کر لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بڑی ہمشیرہ صاحبہ مدظلہا کا بھی یہی کہنا ہے کہ حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ یہی فرماتے تھے کہ ہم "صدیقی" ہیں۔
انجم

پنجاب تشریف لے گئے اور ملتان میں بحیثیت تحصیلدار اپنے فرائض انجام دینے لگے۔

امامت و خطابت :- آپ کے خسر مفتی حیدر شاہ علیہ الرحمہ بہادر شاہ ظفر کے عہد حکومت (۱۸۳۷ء تا ۱۸۵۷ء) میں مسجد جامع فتح پوری دہلی میں شاہی امام تھے۔ مسجد جامع فتحپوری کی تعمیر شاہ جہاں بادشاہ کی اہلیہ فتح پوری بیگم نے ۱۰۶۰ھ مطابق ۱۶۵۰ء میں کرائی تھی[۱]۔ موصوف نے مسجد جامع میں کافی عرصے تک امامت کے فرائض انجام دیئے - حیدر شاہ علیہ الرحمہ کے بعد ان کے صاحبزادے مفتی محمد مصطفیٰ علیہ الرحمتہ مصب امامت پر فائز ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد مفتی محمد مسعود شاہ صاحب مکان شریف (پنجاب) سے دہلی تشریف لائے، مفتی محمد مصطفیٰ علیہ الرحمتہ کے انتقال کے بعد نسبی تعلق اور کامل اہلیت کی وجہ سے منصب امامت و خطابت آپ کو تفویض کیا گیا، آپ آخر عمر تک اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے[۲]۔

دارالافتاء :- آپ نے خطابت و امامت اور خانقاہ مسعودیہ کے قیام کے علاوہ مسجد فتحپوری میں دارالافتاء بھی قائم کیا جہاں برصغیر کے طول و عرض سے استفتاء آتے تھے، فتوی نویسی کا یہ سلسلہ ۱۸۵۷ء سے پہلے شروع ہو گیا تھا، آپ سے قبل آپ کے خسر اور آپ کے برادر نسبتی مفتی محمد مصطفیٰ علیہ الرحمہ یہاں فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دے رہے تھے تقریبا ۱۸۶۲ء سے مفتی محمد مسعود شاہ نے سلسلہ فتویٰ نویسی شروع کیا، بحمدہ تعالیٰ آج بھی یہ دارالافتاء قائم ہے[۳] اور آپ کے پوتے مفتی محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کے پوتے ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد یہ فرائض انجام دے رہے ہیں۔

دارالحدیث :- آپ نے مسجد جامع فتحپوری میں دارالافتاء کے علاوہ درس حدیث کا سلسلہ بھی شروع کیا جس کا نام آپ نے مدرسہ جامعۃ الاسلامیہ رکھا تھا جو اب مدرسہ عالیہ کے نام سے مشہور ہے، پنجاب کے مشہور بزرگ سید امام علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے صاحبزادے سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ اور راجستھان کے ولی کامل مولانا محمد رکن الدین شاہ الوریٰ علیہ الرحمہ آپ کے تلامذہ میں تھے۔ مدرسہ میں پاک و ہند کے علاوہ روس، چین، افغانستان، سیام، افریقہ، انڈونیشیا، لنکا وغیرہ سے بیسیوں طلباء آتے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد ہندوستانی طلباء کی

۱- فتاوٰی مسعودی، ص ۳۴، مرتبہ ڈاکٹر مسعود احمد

۲- فتاوٰی مسعودی، ص ۳۲۔ ۳۳ مرتبہ ڈاکٹر مسعود احمد

۳- فتاوٰی مسعودی، ص ۴۲، مرتبہ ڈاکٹر مسعود احمد

اکثریت ہو گئی ہے، مدرسہ کی سند پورے ہندوستان میں مستند سمجھی جاتی ہے[1]۔

وصال :- آپ کا وصال ۱۰ رجب المرجب ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۸۹۲ء بروز چہار شنبہ صبح نو بجے دہلی میں ہوا، آپ کا مزار مبارک درگاہ خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے احاطے میں مسجد کے شمالی جانب واقع ہے، سرہانے ایک طویل و عریض سنگ مرمر کا کتبہ لگا ہوا ہے جس پر یہ شعر کندہ ہیں -

حضرت مسعود، غوث وقت، قطب الاولیاء
کاشف سر حقیقت، در شریعت مقتدا
کرد رحلت جست تاریخش تجلی دل بگفت
یا مجو شیخ المشائخ — یا چراغ دین ما[2]
۱۸۹۲ء — ۱۳۰۹ھ

اولاد :- حضرت مفتی محمد مسعود شاہ کی پہلی شادی مولانا حیدر شاہ خان خطیب شاہی مسجد فتح پوری دہلی کی صاحبزادی عائشہ بیگم سے ہوئی ان سے ایک صاحبزادے محمد سعید ہوئے دوسری شادی خاندان سادات میں افضل بیگم سے ہوئی ان سے چار صاحبزادے اور ایک صاحب زادی تولد ہوئیں[3] -
اولاد نرینہ کا نام اس طرح سے ہے احمد سعید، عبد المجید، عبد الرشید، حبیب اللہ -

تصنیفات :- حضرت مفتی محمد مسعود شاہ علیہ الرحمہ تقریباً ۳۵ سال تک مسند تبلیغ، ارشاد اور درس و تدریس پر فائز رہے- حیات مبارکہ کا بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں گزرا ہے سی غیر مطبوعہ تصانیف دہلی اور حیدر آباد (سندھ) میں محفوظ ہیں سردست جن تصانیف کے نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں :-

۱-نور العرفان ۲-فیوض محمدی و سلوک مسعودی ۳-در ثمانیہ
۴-الدرۃ الیتیم فی القرآن العظیم ۵-مکتوبات مسعودی ۶-رسالہ وجدیہ
۷-رسالہ سماع موتی ۸-رسالہ سماع و غنا ۹-رسالہ آداب سالک

۱- فتاوی مسعودی، ص ۴۶، مرتبہ ڈاکٹر مسعود احمد ۲-تذکرہ مظہر مسعود، ص ۷۰، مرتب ڈاکٹر مسعود احمد
۳- تذکرہ مظہر مسعود، ص ۷۵، از ڈاکٹر مسعود احمد

۱۰-رسالہ رہن ۱۱-فتاویٰ مسعودی ۱۲-نور الهادین فی تحقیق آمین

۱۳-رسالہ جمعہ

دادا :-ڈاکٹر مسعود احمد کے دادا کا نام مولانا محمد سعید تھا انہوں نے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل اپنے والد سے کی تھی دوران تعلیم ہی آپ نے اپنے والد کے دست حق پرست پر بیعت کی اور ساتھ ہی ساتھ خلافت واجازت بھی حاصل کی- آپ صاحب نسبت بزرگ تھے عالم جذب میں رہا کرتے تھے- مفتی اعظم حضرت شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ شاہی امام مسجد جامع فتح پوری دہلی آپ ہی کے فرزند ارجمند تھے آپ نے عالمِ جوانی میں ۲۱ شعبان المعظم ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۸۹ء کو دہلی میں وصال فرمایا- آپ کے والد حضرت فقیہ الہند نے مادۂ تاریخ وفات اس آیۂ کریمہ سے خوب نکالا ہے-

قد فاز فوزا عظیما[۱]

۱۳۰۷ھ

والد گرامی :-ڈاکٹر مسعود احمد کے والد مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ پاک و ہند کے سربر آوردہ علماء و صوفیاء میں تھے- آپ دار السلطنت دہلی کے ممتاز عالم وفقیہ حضرت شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ کے نامور پوتے اور مولانا محمد سعید علیہ الرحمہ کے فرزند ارجمند تھے آپ کی ولادت باسعادت ۱۵ رجب المرجب ۱۳۰۳ھ مطابق ۲۱ اپریل ۱۸۸۶ء دہلی میں ہوئی- ۴ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے تو جد امجد نے کفالت فرمائی دو سال بعد وہ بھی وصال فرما گئے تو عم محترم مولانا عبد المجید نے اپنی کفالت میں لے لیا- اس طرح ابتداء ہی سے مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی حیات طیبہ میں سیرت نبوی ﷺ کی جھلک نظر آنے لگی[۲]-

آپ نے حفظ قرآن کریم کے بعد معاصرین علماء سے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل فرمائی- آپ کا سلسلہ حدیث شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سے ملتا ہے- آپ نے ذاتی مطالعہ سے وہ کمال حاصل کیا کہ باید و شاید- آپ کو فقہ اصول فقہ، علم الفرائض، علم المواقیت میں مہارت تامہ حاصل تھی- دیگر علوم مثلاً تجوید و قرات، تفسیر، اصول تفسیر عقائد و تصوف، منطق و فلسفہ، صرف و نحو، ادب و

۱- فتاویٰ مسعودی، ص ۴۹، مرتبہ ڈاکٹر مسعود احمد

۲- فتاویٰ مظہری، ص ۲۹، مرتبہ ڈاکٹر مسعود احمد

شاعری، خطاطی اور عملیات وغیرہ میں بھی آپ کو بڑی دستگاہ تھی ہر مکتبۂ فکر اور ہر مسلک کے علماء آپ کے وسعت مطالعہ اور تبحر علمی کے دل سے معترف تھے۔ آپ حضرت سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہوئے اور آپ کے جد امجد کے خلیفۂ مجاز صوفی با صفا حضرت شاہ محمد رکن الدین علیہ الرحمہ نے آپ کو تمام سلاسل کی اجازت و خلافت مرحمت فرمائی[1]۔ علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد حضرت مفتی اعظم نے سلسلۂ بیعت و ارشاد کا آغاز فرمایا۔ بے شمار لوگ آپ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے آپ کے خلفاء کی تعداد بھی کافی ہے۔

چند مشہور و معروف خلفاء کے اسماء حسب ذیل ہیں :-

۱- علامہ عبدالمجید علیہ الرحمہ، اجمیر شریف
۲- حضرت مولانا مفتی حافظ و قاری محمد مظفر احمد کراچی
۳- حضرت مولانا مفتی حافظ و قاری محمد مشرف احمد، دہلی
۴- حافظ قاری مولانا محمد احمد علیہ الرحمہ، دہلی
۵- پروفیسر ابوالکمال ضیاء الدین احمد شمسی کاظمی طہرانی علی گڑھ
۶- جناب صاحب زادہ مولوی ابوالخیر محمد زبیر، حیدر آباد[2] سندھ
۷- جناب قاری سید محمد حفیظ الرحمٰن علیہ الرحمہ، بہاول پور[3]
۸- مولانا عبدالکریم چتوڑی
۹- مفتی مقبول الرحمٰن سیوہاروی
۱۰- جناب محمد عثمان ٹونکی وغیرہ وغیرہ

آپ کے دست حق پر بے شمار غیر مسلم مشرف باسلام ہوئے سیرت مبارکہ کے اسی حسین پہلو کو دیکھ کر جناب کوثر صدیقی (لاہور) آپ کی مدح میں فرماتے ہیں :-

نگاہیں فیض کا چشمہ رخ انور ہے نورانی
بُرے انسان کو بھی بہتر سے بہتر کر دیا جس نے[4]

۱- فتاویٰ مظہری، ص ۳۰، مرتبہ ڈاکٹر مسعود احمد
۲- مظہر الاخلاق ص ۲۴ مرتبہ ڈاکٹر مسعود احمد
۳- بروایت ڈاکٹر مسعود احمد از راقم الحروف
۴- فتاویٰ مظہری، ص ۳۱، مرتبہ ڈاکٹر مسعود احمد

حضرت مفتی اعظم مسجد جامع فتحپوری کے شاہی امام تھے، خطابت و امامت کا یہ سلسلہ حضرت کے جد امجد شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ سے آپ تک پہنچا تھا تقریباً ستر ۷۰ سال آپ اس منصب جلیلہ پر فائز رہے آپ کی ذات گرامی سے مسجد فتح پوری کی عظمت و شوکت دوبالا ہو گئی اور علوم ظاہری وباطنی کا ایک ایسا مرکز بن گئی جو اپنی نظیر آپ تھی۔

حجاز کا ایک شاعر محمد شریف المکی آپ کی مدح میں کہتا ہے :-

امام کامل یدعی بحق = محمد مظهر الله الامینا

امام المسجد المشهور قدما = فتحبوری مقام الذاکرینا [1]

حضرت ضیاء القادری بدایونی (م ۱۹۷۰ء) نے بھی آپ کی شان میں لکھی ہوئی منقبت میں امامت و خطابت اور عظمت و شہرت کا ذکر اس طرح کیا ہے :

گو خطیب با صفا مسجد فتحپوری میں ہیں
ایشیاء میں آپ کی عزت مگر ہے بیکراں [2]

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :-

فقیہ حضرت مظہر اللہ مفتی اعظم
فتح پوری ہے مرکز جن کی علمی شان و شوکت کا

(آستانہ، مئی ۱۹۹۹ء ص ۴۴)

آپ کے خاندان میں مسجد فتحپوری کی امامت و خطابت کا یہ سلسلہ شاہان مغلیہ کے عہد سے چلا آرہا ہے۔ مسجد فتحپوری اہالیان پاک و ہند کا مرجع نظر و مرکز نگاہ تھی۔ دور دراز علاقوں سے فتوے آتے تھے اپنے اور بیگانے سب آپ کے تعمق نظر، تدبر و تحمل اور تفقہ فی الدین کے معترف تھے۔ آپ نے ساری عمر اتباع سنت نبوی کا قدم قدم پر اہتمام رکھا۔ آپ کی زندگی عشق مصطفوی کی آئینہ دار تھی۔ آپ نے ہمیشہ عزیمت پر عمل کیا، عزیمت پسندی آپ کی سیرت

۱۔ فتاویٰ مظہری، ص ۳۱، مرتبہ ڈاکٹر مسعود احمد

۲۔ فتاویٰ مظہری، ص ۳۲، مرتبہ ڈاکٹر مسعود احمد

مبارکہ کی امتیازی صفت تھی۔

۱۹۴۷ء میں فسادات کے دوران آپ نے جس عزم واستقلال کا اظہار فرمایا وہ تاریخ عزیمت میں سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ ۱۹۵۸ء تک مسجد فتح پوری میں غیر مسلم دشمنوں نے تقریباً چھ سات بم پھینکے لیکن کسی مرحلے پر بھی آپ کے پایۂ ثبات میں لغزش نہیں آئی۔ سب سے کٹھن اور دشوار ستمبر ۱۹۴۷ء کا وہ دن تھا جب چاروں طرف سے مسجد دشمنانِ دین کے نرغے میں تھی۔ ہر شخص سراسیمہ، موت کا منتظر تھا لیکن اس اضطراب وبے چینی کے عالم میں جب اس مردِ کامل کو حجرہ شریف میں دیکھا تو سکونِ قلبی کے ساتھ اپنے علمی مشاغل میں مصروف پایا۔ اسی قیامت خیز گھڑی میں محفوظ مقام پر منتقل کرنے کے لئے فوجی ٹرک مسجد فتح پوری کے صدر دروازے پر پہنچے، جب آپ کے عقیدت مندوں نے آپ سے منتقل ہونے کے لئے عرض کیا تو آپ نے فرمایا:۔

> "آپ حضرات کو اجازت ہے جہاں چاہیں جاسکتے ہیں فقیر کو یہیں رہنے دیں کل قیامت کے دن اگر مولیٰ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم نے اپنا گھر تیرے سپرد کیا تھا تو اس کو کس کے رحم وکرم پر چھوڑ کر چلا گیا تو فقیر کیا جواب دے گا"[1]

دینی سرگرمیاں:۔ آپ کی ساری زندگی تبلیغِ دینِ متین سے عبارت ہے، آپ دوبار پاکستان تشریف لے گئے، پہلی بار اکتوبر ۱۹۶۱ء میں، دوسری بار جولائی ۱۹۶۴ء میں، ہر بار آپ کا شایانِ شان استقبال کیا گیا۔ پاکستان میں آپ کے بکثرت مریدین ومعتقدین ہیں۔ قیام پاکستان کے دوران آپ کراچی، حیدرآباد، لاہور، میرپور خاص، بہاولپور، ملتان، خانیوال، ساہیوال، شرقپور، راولپنڈی، مری وغیرہ مختلف مقامات پر تشریف لے گئے۔

۱۹۴۵ء میں حج بیت اللہ شریف کے لئے حرمین شریفین حاضر ہوئے۔ عشقِ نبوی ﷺ کشاں کشاں پہلے آپ کو مدینہ منورہ لے گیا، دیارِ حبیب میں ایک ماہ قیام فرمایا پھر مکہ معظمہ حاضر ہوئے۔ "شاہ سعود" (بادشاہ حجاز) کی طرف سے شاہی دعوت پر مدعو کیا گیا مگر آپ نے فرمایا" جو

۱۔ مظہر الاخلاق، ص ۱۸، از مفتی مظہر اللہ، ترتیب نو ڈاکٹر مسعود احمد

شہنشاہ حقیقی کے دربار میں آیا ہے اس کو کسی اور دربار میں حاضری کی ضرورت نہیں[۱]''

آپ کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں سر فہرست ترجمۂ قرآن ہے جو آپ نے شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کے فارسی ترجمے سے اردو میں منتقل فرمایا- تقسیم ہند سے قبل یہ ترجمہ مع حواشی دھلی سے شائع ہوا تھا- اب ضیاء القرآن پبلی کیشنز (لاہور، پاکستان) اس کو شائع کر رہا ہے- ترجمہ قرآن کے بعد وہ فتوے ہیں جو تقریباً ستر ۷۰ سال تک آپ تحریر فرماتے رہے- ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے ان کو فتاویٰ مظہریہ کے نام سے تین حصوں میں مدون کیا ہے جو ایک جلد میں ادارہ مسعودیہ، کراچی نے ۱۹۹۹ء میں شائع کر دئے ہیں- فتاوی مظہریہ کے بعد وہ بے شمار مکاتیب ہیں جو پاک و ھند میں پھیلے ہوئے ہیں- پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے ان کو دو جلدوں میں مدون کیا ہے جو ایک ہی جلد میں ادارہ مسعودیہ، کراچی نے ۱۹۹۹ء میں شائع کر دئے ہیں- اس کے علاوہ آپ کی تصانیف میں چند علمی رسائل بھی ہیں تلاش و جستجو کے بعد جن تصانیف کا علم ہو سکا ہے ان کی فہرست درج ذیل ہے-

۱-	ارکان دین	مطبوعہ ہلال پریس دہلی	۱۹۱۲ء
۲-	مظہر العقائد	مطبوعہ ہلال پریس دہلی	۱۹۱۲ء
۳-	مظہر الاخلاق	مطبوعہ ہلال پریس دہلی	۱۹۱۲ء
۴-	کشف الحجاب عن مسئلۃ البناء والقباب	مطبوعہ حیدر پریس دہلی	۱۹۲۵ء
۵-	تحقیق الحق	مطبوعہ اعلیٰ پریس دہلی	۱۹۲۷ء
۶-	رسالہ در علم توقیت (قلمی)	مؤلفہ	۱۹۳۱ء
۷-	خزینۃ الخیرات	مطبوعہ دہلی	۱۹۴۷ء
۸-	انتفاء المحال فی رویت الھلال	مطبوعہ دہلی	۱۹۵۰ء
۹-	قصد السبیل	مطبوعہ دہلی	۱۹۵۹ء
۱۰-	مکاتیب مظہری	مطبوعہ کراچی	۱۹۹۹ء
۱۱-	فتاویٰ مظہریہ	مطبوعہ کراچی	۱۹۹۹ء

۱۔ مظہر الاخلاق، ص ۱۸، از مفتی مظہر اللہ

۱۲- مواعظ مظہری مطبوعہ کراچی[1] ۱۹۷۰ء
۱۳- شجرۂ منظوم مطبوعہ دہلی[2]
۱۴- ترجمۂ قرآن کریم مطبوعہ دہلی ۱۹۴۱ء[3]

وصال :- وصال سے چند سال پیشتر آپ پر عشق الٰہی کا ایسا غلبہ ہوا کہ مخلوق تو مخلوق اولاد کی محبت بھی دل سے نکل گئی صرف مولیٰ تعالیٰ کی طرف لگن لگی ہوئی تھی- بالآخر وصال کی مبارک گھڑی آن پہنچی ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء بروز پیر شام کے وقت پانچ بجکر بیس منٹ پر دہلی میں وصال ہوا- جب آل انڈیا ریڈیو سے یہ جانکاہ خبر نشر ہوئی تو پاک و ہند میں حضرت کے معتقدین اور مریدین و محبین کے حلقوں میں صف ماتم بچھ گئی- اخباری اطلاعات کے مطابق حضرت کے جنازے میں تقریباً پچاس ہزار سوگوار شریک تھے- دہلی کے مشہور و معروف عالم دین اور صوفی باصفا حضرت زید ابو الحسن مجددی فاروقی علیہ الرحمہ نے جامع مسجد شاہجہانی کے سامنے نماز جنازہ پڑھائی اور مسجد فتح پوری کے صحن میں مشرقی جانب درگاہ نانو شاہ کے احاطے میں حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آغوش رحمت میں لٹادیا گیا[3]- آپ کی آل اولاد پاک و ہند کے مختلف شہروں میں پھیلی ہوئی ہے- مثلاً دہلی، علی گڑھ، اندور (بھارت)، کراچی، حیدر آباد، احمد پور شرقیہ، بہاولپور، شکارپور، راولپنڈی، اسلام آباد (پاکستان) امریکہ، لندن وغیرہ

آپ نے ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۹ء کے قریب پہلی شادی کی- چند سال کے بعد پہلی اہلیہ کا انتقال ہوگیا دوسری شادی تقریباً ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء میں کی دو تین سالوں بعد دوسری اہلیہ بھی رحلت فرماگئیں- پھر تیسری شادی ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۸ء میں کی تیسری بیوی کا انتقال ۱۳۹۴ھ میں دہلی میں ہوا- ان تینوں ازواج سے سات لڑکے اور نو لڑکیاں پیدا ہوئیں جن میں ایک صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں بقید حیات ہیں[4]-

---

۱- فتاویٰ مظہری، ص ۴۰، مرتبہ ڈاکٹر مسعود احمد
۲- مظہر الاخلاق، ص ۲۶، از مفتی مظہر اللہ
۳- فتاویٰ مظہری ص ۳۶، مرتبہ ڈاکٹر مسعود احمد
۴- بروایت ڈاکٹر مسعود احمد

دد ھیال، ننھیال، سسرال کا مختصر تعارف

اس حقیقت سے بھی کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ کسی بھی شاعر یا ادیب کے فن پر اس کے خاندان نیز گرد و پیش کے ماحول اس کے علم و فضل اور اخلاق و کردار وغیرہ کا اثر پڑنا لازمی ہے اس لحاظ سے ڈاکٹر صاحب کے دد ھیال 'ننھیال و سسرال والوں کا اجمالی تعارف پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر مسعود احمد کا تعلق ہندوستان کی راجدھانی دہلی کے ایک پاکیزہ باکردار علمی خاندان سے ہے۔ مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ دد ھیالی خاندان کے علاوہ ننھیالی و سسرالی خاندان بھی باعزت باکمال اور اعلیٰ تعلیم کا حامل رہا ہے اس کو اگر یوں کہا جائے کہ دد ھیال کی تعلیم و تربیت، ننھیال کا سایۂ عاطفت، سسرال والوں کی محبت والفت تینوں کے سنگم کا نچوڑ ڈاکٹر مسعود احمد کی ذات ہے تو بے جانہ ہوگا۔

ا۔ نوٹ :- پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود کی ننھیال سادات سے تھی۔ ان کے نانا میر واحد علی شاہ اور پرنانا میر نیاز علی شاہ مبلغِ اسلام تھے۔ کچھ تفصیل اس خط سے معلوم ہوتی ہے جو ۱۹۷۷ء میں ڈاکٹر صاحب کے ماموں سید فرید احمد علیہ الرحمہ نے ڈاکٹر صاحب کی کتابوں سے متاثر ہو کر لکھا۔ ہم یہ خط من و عن پیش کرتے ہیں :-

اقتباس سید فرید احمد علیہ الرحمہ، عم محترم (ماموں) پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

آپ کی کتابیں پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے اور احسان ہے کہ آپ نے اپنے نانا مرحوم کی حسرت اور تمنا پوری کر دی چوں کہ قدرتی طور پر وہ سمجھتے تھے اگر دین کا چراغ روشن ہوگا تو میری صاحب زادی کے گھر سے ہوگا۔۔۔ والد صاحب کا اسم گرامی میر واحد علی شاہ عرف شیر اسلام تھا چونکہ آپ بہت طاقتور تھے اور مسائل کے معاملات میں فقہ پر کافی عبور رکھتے تھے اور آپکا مزار مبارک بنگلہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رحمتہ اللہ علیہ) کے سرہانے ہے اور فخر اسلام نیاز علی شاہ صاحب کا مزار مبارک اپنے جد امجد میر حسبہ کی درگاہ میر حسبہ میں شاہی جھرنا بالمقابل بنگلہ مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی قصبہ مہرولی میں واقع ہے۔ (مورخہ ۱۲ جنوری ۱۹۷۷ء)

ڈاکٹر صاحب پر ہمیشہ اللہ کا فضل رہا۔ آپ کے والد ماجد مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ نے ۱۹۵۳ء میں ایک مکتوب میں تحریر فرمایا :-

امید ہے کہ اپنے بھائیوں سے سبقت لے جاؤ گے اور اپنے اجداد کا نمونہ ثابت ہو گے۔ (۲۵ فروری ۱۹۵۳ء)

حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ نے جو فرمایا تھا، وہی ہوا آپ نے ایک مکتوب میں یہ دعا دی، "مولیٰ تعالیٰ روح القدس سے تمہاری مدد فرمائے" الحمد للہ یہ مدد ہر آن شامل حال رہتی ہے۔
انجم

ددھیال :- ڈاکٹر مسعود احمد کے جد امجد شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ کی پہلی شادی مولانا حیدر شاہ خان خطیب شاہی مسجد فتحپوری دہلی کی صاحبزادی عائشہ بیگم سے ہوئی موصوفہ سے ایک صاحبزادے تولد ہوئے جن کا اسم گرامی مولانا محمد سعید تھا- دوسری شادی خاندان سادات میں افضل بیگم علیہ الرحمہ سے ہوئی-

مولانا محمد سعید علیہ الرحمہ صاحب نسبت بزرگ تھے اور عالم جذب میں رہا کرتے تھے طبیعت جلالی پائی تھی- مولانا محمد سعید کے ہاں دو صاحبزادے تولد ہوئے حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ (یہ ڈاکٹر مسعود احمد کے والد گرامی تھے) اور مظہر قیوم مؤخر الذکر نو عمری ہی میں وفات پا گئے تھے[1]-

ننھیال :- ڈاکٹر مسعود احمد کے والد گرامی مفتی اعظم محمد مظہر اللہ کی پہلی شادی خاندان سادات کی چشم و چراغ انور جہاں بیگم سے انیس سال کی عمر میں ہوئی ان سے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تولد ہوئیں- دوسری شادی خاندان مغلیہ کی چشم و چراغ نور جہاں بیگم سے ہوئی- دوسری اہلیہ علمی گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں موصوفہ کے والد کا اسم گرامی ولی اللہ بیگ تھا- مفتی اعظم کی تیسری شادی خاندان سادات کی چشم و چراغ عائشہ بیگم سے ہوئی[2]- عائشہ بیگم بھی علمی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں ان کے والد علمی وجاہت میں امتیازی شان رکھتے تھے- موصوفہ سے پانچ صاحبزادے اور چھ صاحبزادیاں تولد ہوئیں- صاحبزادوں میں اس وقت صرف ڈاکٹر صاحب بقید حیات ہیں-

سسرال :- ڈاکٹر مسعود احمد کی سسرال کا تعلق دہلی کے نامی گرامی سادات اطہار کے گھرانے سے ہے ڈاکٹر صاحب کے سسرالیوں کے مورث اعلیٰ سید علی اصغر صاحب، صاحب ثروت تھے- موصوف نے اپنے بیٹے حکیم سید بو علی کی دلہن کی منہ دکھائی میں ایک حویلی، ایک دیوان خانہ اور اس کے علاوہ بہت کچھ دیا تھا[3]-

حکیم سید بو علی دہلی کے مشہور و معروف اطباء میں سے تھے- سلطنت مغلیہ کی طرف سے ان

۱- تذکرہ مظہر مسعود، ص ۷۵-۷۶، از ڈاکٹر مسعود احمد

۲- تذکرہ مظہر مسعود، ص ۷۵-۷۶، از ڈاکٹر مسعود احمد

۳- عدالتی دستاویزات مورخہ ۱۴ مارچ ۱۸۲۰ء

کو سات دیہات بطور جاگیر عطا کیے گئے تھے[۱]۔

حکیم سید قاسم علی بن بو علی بھی دہلی کے مشہور اطباء میں تھے۔ ۱۸۶۷ء میں حکومت نے یونانی اطباء کی جو کمیٹی بنائی تھی اس کے آپ اہم رکن تھے اور اس کا دستور العمل بھی آپ نے ہی بنایا تھا[۲]۔
حکیم سید صادق علی بن قاسم علی بھی دہلی کے نامی گرامی طبیب اور رئیس تھے، ابو محمد عبد العزیز نے اپنی کتاب "آثار دہلی" کے صفحہ چھیالیس پر لکھا ہے۔

"محلّہ سوزن گراں سے باہر سڑک کے شمالی گوشے میں حکیم سید صادق علی صاحب رئیس دہلی کا مکان ہے۔ جو خاندانی طبیب ہیں[۳]"

حکیم سید صادق علی کی نواسی سیدہ نعیمہ بیگم ڈاکٹر مسعود احمد کے نکاح میں ہیں جو ابتک بقید حیات ہیں۔

حکیم سید صادق علی، ڈاکٹر صاحب کے جد امجد شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ کے ہم زلف ڈپٹی سید اکبر علی کے داماد تھے، حکیم سید صادق علی ڈاکٹر مسعود احمد کی خوشدامن اور خسر سید مظہر علی کے اجداد سے ہیں[۴]۔

جب ہم ڈاکٹر مسعود احمد کی حیات و حالات پر نمایاں طور پر نظر ڈالتے ہیں تو تینوں خاندان کے افراد کا عکس کامل ان پر نمایاں نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر مسعو احمد کی پرورش و پرداخت اسی علمی، ادبی و دینی ماحول میں ہوئی اس لئے مذہب و ملت کی محبت بچپن ہی سے ان کے رگ و پے میں پیوست کر گئی۔ والد ماجد مفتی محمد مظہر اللہ شاہ علیہ الرحمہ نے دینی تعلیم دی اور دلوائی جس کے نتیجے میں وہ ایک باکمال عالم و فاضل کی صف میں کھڑے ہو گئے بعد میں انہوں نے اپنے ذوق و شوق کی تکمیل کے لئے باقاعدہ کالج، یونیورسٹی میں

۱۔ بحوالہ خط حکیم سید قاسم علی بنام ڈپٹی کمشنر ضلع جھجر، مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۸۶۷ء
۲۔ بحوالہ خط حکیم سید قاسم علی مورخہ ۱۱ نومبر ۱۸۶۷ء
۳۔ آثار دہلی، ص ۴۶، از ابو محمد عبد العزیز
۴۔ مکتوب ڈاکٹر مسعود احمد بنام راقم الحروف

تعلیم حاصل کی اس طرح دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم سے بھی وابستگی ہوئی۔ حصول تعلیم کے بعد کالج کے لیکچرر و پرنسپل کے عہدے پر فائز ہوگئے۔ اس طرح سے انہوں نے بچپن سے لیکر شباب اور شباب سے لیکر ضعیفی تک کے گردو پیش کا ماحول خالص علمی و ادبی پایا۔ اس علمی ذوق و شوق اور پاکیزہ ماحول نے انہیں مسعود سے مسعود ملت بنادیا آج دنیا انہیں مسعود ملت اور ماہر رضویات کے نام سے یاد کرتی ہے۔

حیات ڈاکٹر مسعود احمد

ولادت: -ڈاکٹر مسعود احمد کی پیدائش ایک مشہور اور معروف و دینی خاندان حضرت مفتی شاہ محمد اعظم مظہر اللہ دہلوی شاہی امام مسجد فتح پوری کے گھر میں ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۳۰ء میں مسجد فتح پوری سے متصل محلے میں ہوئی[۱]۔ آپ والد ماجد کی طرف سے نسباً صدیقی اور والدہ ماجدہ کی طرف سے سید۔ مسلکاً حنفی۔ مشرباً نقشبندی مجددی ہیں۔ آپ کے والد ماجد نے شریعت کے مطابق پیدائش کے فوراً بعد سیدھے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور آپ کا نام محمد مسعود احمد رکھا اسی نام پر آپ کا عقیقہ ہوا۔[۲]

تعلیم: -عالم طفولیت ہی سے آپ کی پیشانی پر سعادت وارجمندی کے آثار ہویدا تھے۔ ڈاکٹر مسعود احمد کے نانا نے یہ پیش گوئی فرمائی تھی کہ "انکی بیٹی کے ہاں ایک فرزند تولد ہوگا جو عالم اسلام میں نام پیدا کرے گا" وہ بیٹی ڈاکٹر مسعود احمد کی والدہ ماجدہ تھیں[۳] یہ پیش گوئی حرف بہ حرف ڈاکٹر مسعود احمد کی شکل میں نمودار ہوئی جن کی زندگی۔

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی[۴]

۱۔ جہان مسعود، ص ۷۲، از آر بی مظہری (تقریباً ۲۹ جمادی الآخر ۱۳۴۹ء مطابق ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۰ء)

۲۔ سلسلہ نقشبندیہ کے معروف شیخ طریقت حکیم مشتاق احمد صاحب کی روایت کے مطابق ڈاکٹر صاحب کا نام "محمد مسعود احمد" آپ کے والد ماجد مفتی محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کی تجویز تھی اور مشہور نقشبندی بزرگ شاہ محمد رکن الدین علیہ الرحمہ کا حسن انتخاب۔ انجم

۳۔ منزل بہ منزل، ص ۲۶، از عبد الستار طاہر

۴۔ گلستان، ص ۲۶، از شیخ سعدی

کے مصداق ثابت ہوئی- جب ڈاکٹر مسعود احمد سخن آموزی کی منزل طے کرنے لگے تو والد گرامی نے اپنی تربیت و کفالت میں آپکی تعلیم کا آغاز کیا- قرآن مجید خود انہوں نے آپ کو پڑھایا اور ابتدائی تعلیم اردو، فارسی، عربی سے بھی آراستہ و پیراستہ کیا- ۱۳ شوال المکرّم ۱۳۵۹ھ مطابق ۴ نومبر ۱۹۴۰ء میں آپ کے جد امجد حضرت مفتی محمد مسعود علیہ الرحمہ کے قائم فرمودہ مدرسہ عالیہ عربیہ مسجد جامع فتح پوری دہلی میں آپ کا داخلہ کرایا، آپ نے اس درسگاہ میں ۱۹۴۵ء تک پانچ سال علوم و فنون عربیہ و فارسیہ کی تحصیل کے ساتھ ہی ساتھ آپ کے والد بزرگوار مسلسل آپ کو علوم عربیہ و فارسیہ کی تعلیم دیتے رہے اور اس کی تاکید فرماتے رہے- ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۷ء تک اورنٹیل کالج، دہلی میں تعلیم حاصل کی- اس زمانے میں تقسیمِ ہند کے نتیجے میں ہونے والے خوں ریز فسادات نے حالات کو زیر و زبر کردیا جس کا اثر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے خاندان پر بھی ہوا- انہیں نازک حالات میں ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے ۱۹۴۸ء میں مشرقی پنجاب یونیورسٹی شملہ سے فاضل فارسی کا امتحان پاس کیا- والدہ ماجدہ پہلے ہی ۲۰ جون ۱۹۴۷ء کو انتقال فرماچکی تھیں، بڑے بھائی مولانا محمد منظور احمد علیہ الرحمہ حیدر آباد سندھ (پاکستان) میں سخت علیل تھے- ان کی تیمار داری کے لئے ۱۹۴۸ء میں پاکستان جانا پڑا، شفقت مادری سے تو محروم ہوگئے تھے، اب بظاہر شفقت پدری سے محروم ہوگئے- آپ کی پھوپھی حمیدہ بانو علیہ الرحمہ، بڑی ہمشیرہ فاطمہ بیگم مد ظلہا اور برادر بزرگ علامہ مفتی محمد مظفر احمد علیہ الرحمہ کی شفقتوں نے اپنے سایہ میں لے لیا اور علامہ مفتی محمد محمود الوری علیہ الرحمہ کی صحبت میں روحانی تربیت ہوتی رہی- کراچی میں آباد ہونے سے پہلے آپ پندرہ سال حیدر آباد سندھ میں مقیم رہے- (۱۹۴۹ء تا ۱۹۶۴ء)- ۱۹۴۹ء میں بھائی کا بھی انتقال ہوگیا مگر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے ہمت نہ ہاری اور استقامت سے تعلیم جاری رکھی البتہ حالات کے تقاضوں سے مجبور ہو کر عارضی طور پر تعلیم کا رخ بدل دیا-

۱۹۵۱ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور اسی سال لیوپولڈ اسد کی انگریزی کتاب کے بعض ابواب کا ''اسلام دوراہے پر'' کے نام سے اردو میں ترجمہ کیا- ۱۹۵۶ء میں ڈاکٹر مسعود احمد نے بی اے کا امتحان پاس کیا، اساتذۂ کرام آپ کی غیر معمولی ذہانت و قابلیت کے ہمیشہ معترف رہے، عربی و فارسی میں آپ نے جو صلاحیت و استعداد پیدا کی تھی وہ آپ کی آئندہ علمی کارناموں کی بنیاد اور مشعل راہ بنی- ۱۹۵۸ء میں سندھ یونیورسٹی حیدر آباد سے ایم اے پاس کیا- علوم شرقیہ کے امتحانات نیز ایم اے اور ایم ایڈ کے امتحانات میں اول

۱- منزل بہ منزل، ص ۲۶، از مولانا عبد الستار طاہر

پوزیشن حاصل کر کے گولڈ میڈل اور سلور میڈل سے نوازے گئے[1]۔

پی ایچ ڈی کی ڈگری: - ڈاکٹر مسعود احمد نے اپنے علمی سفر کو جاری رکھتے ہوئے پی ایچ ڈی کے لئے اردو زبان میں اپنا گرانقدر مقالہ "اردو میں قرآنی تراجم و تفاسیر" کے عنوان سے پایۂ تکمیل کو پہنچایا یہ مقالہ ٹائپ شدہ ۷۴۶ صفحات پر مشتمل ہے، ۱۹۷۱ء میں سندھ یونیورسٹی حیدرآباد سے اسی مقالے پر آپ کو پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی گئی۔ اس حسین موقع پر صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی حیدرآباد محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے اپنے اس شاگرد رشید (ڈاکٹر مسعود احمد) کو ان تعریفی کلمات سے نوازا:-

> "میری پوری مدت ملازمت میں وہ میرے سب سے بہتر شاگرد رہے ہیں، میں ان پر جا طور پر فخر کر سکتا ہوں ان جیسے باوقار باکردار اور باصلاحیت طلباء موجودہ حالات میں خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ ۸ فروری ۱۹۷۱ء کو انہیں پی ایچ ڈی کی ڈگری کا مستحق قرار دیا گیا اس وقت تک ان کے متعدد بلند پایہ تحقیقی مقالات شائع ہو چکے ہیں وہ ان محققین میں سے ہیں جن پر فضلاء اعتماد کر سکتے ہیں اور جن پر کسی یونیورسٹی کو فخر ہو سکتا ہے میری دعا ہے کہ وہ زندگی میں کامیاب و بامراد رہیں[2]"

تعلیمی سرگرمیاں: - تعلیمی سرگرمی اور ترک ہندوستان کا ذکر کرتے ہوئے مفتی محمد مکرم احمد شاہی امام جامع مسجد فتح پوری رقم طراز ہیں۔

> "پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ کی عمر اس وقت تقریباً اٹھارہ برس یا کچھ کم تھی آغاز شباب کے ان حسین ایام میں پورے انہماک کے ساتھ اپنے والد ماجد شیخ الاسلام ولی کامل حضرت علامہ مفتی اعظم محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں علوم دینیہ کی تحصیل میں مصروف تھے اچانک تقسیم ہند کا قیامت خیز سانحہ رونما ہو گیا پروفیسر صاحب کے بڑے بھائی مولوی منظور احمد نے ہندوستان کو خیر آباد کہہ کر حیدرآباد سندھ کو اپنا مستقر بنایا ابھی

۱- جہان مسعود، ص ۱۳۱، از آر بی مظہری

۲- آئینہ رضویات دوم، ص ۳۲، از ڈاکٹر مسعود احمد

آپ کو حیدر آباد میں کچھ ہی روز ہوئے تھے کہ علیل ہو گئے۔
تیمار داری کے لئے پروفیسر صاحب کو دہلی سے حیدر آباد جانا پڑا یہ وہ وقت تھا کہ سفر بالکل غیر مامون تھا گھر سے نکلنا مصائب و شدائد کو دعوت دینا تھا- حضرت مفتی اعظم کے ارشاد پر آپ حیدر آباد تشریف لے گئے، راستہ میں جن مشکلات کا سامنا ہوا ان کی تفصیل سن کر پروفیسر صاحب کی دانشمندی اور عزم و استقلال کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس نو عمری میں بھی آپ سنجیدگی اور مستقل مزاجی کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے، کئی دنوں کی متواتر مشقت اور صبر آزما مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے جب پروفیسر صاحب حیدر آباد پہنچے تو اس وقت بڑے بھائی کو شدید بیمار پایا آپ دل و جان سے مولانا موصوف کی تیمار داری میں مصروف ہو گئے چند ماہ بعد مولوی منظور احمد نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، پروفیسر صاحب کے لئے وہ وقت کتنا مشکل ہو گا اس کا اندازہ ہر درد مند لگا سکتا ہے نہ اپنا گھر تھا اور نہ ہی در- پھوپھی صاحبہ کا سایہ ضرور تھا لیکن والدین کا سایۂ عاطفت وہاں موجود نہ تھا سب ہی بھائی بہنوں سے دور غربت کے ایام میں اپنی زندگی کو بنانا سنوارنا شروع کیا اور علوم متداولہ کی تحصیل میں ہمہ تن مشغول ہو گئے-جواں سال بھائی کی جدائی کا صدمہ تنہا ہی برداشت کیا اور اسی سرزمین کو ہمیشہ کے لئے اپنانے کا فیصلہ کر لیا جس زمین پر جوان العمر عالم و فاضل بھائی نے رحلت فرمائی تھی۔
آپ کے جد اعلیٰ فقیہہ الہند شاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ کا روحانی فیض تھا کہ قدم قدم پر فلاح و کامرانی نے آپ کا استقبال کیا اور حالات سازگار ہوتے چلے گئے اس نو عمری میں آپ نے سبھی خواہشات نفسانیہ کو خیر باد کہہ دیا اور ہمہ تن تحصیل علم میں مشغول ہو گئے اللہ تعالیٰ کو دین کی خدمت کے لئے پروفیسر صاحب کو پروان چڑھانا تھا کسے معلوم تھا کہ وطن سے مہجور یہ نو عمر طالب علم آگے چل کر آفتاب عالم تاب کے منصب پر فائز ہو گا [۱]۔"

اساتذہ :- جن جن اساتذہ نے ڈاکٹر مسعود احمد کو محنت و مشقت سے پڑھایا اور پروان چڑھایا

۱- آئینہ رضویات دوم، ص ۸۹-۹۰، از ڈاکٹر مسعود احمد

اور جن کی بدولت آج آپ ملک و بیرون ملک غیر معمولی شہرت کے حامل ہوئے ہیں ان کا نام سلسلہ وار درج ہے۔

درس نظامی :- ۱- حضرت مفتی شاہ محمد مظہر اللہ صاحب دہلوی[۱]

۲- مولانا محمد شریف اللہ صاحب ۳- مولانا اشفاق الرحمن صاحب[۲]

۴- مولانا ولایت احمد صاحب ۵- مولانا عبدالرحمن صاحب

۶- مولانا سجاد حسین صاحب ۷- مولانا عبدالقادر صاحب

۸- مولانا ناصر خلیق صاحب ۹- مولانا عبدالحنان صاحب

علوم شرقیہ :- ۱- مولانا محبوب الٰہی صاحب ۲- مولانا محمد ادریس صاحب

۳- مولانا عبدالسمیع صاحب

علوم جدیدہ :- ۱- پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب

۲- پروفیسر غلام مرتضیٰ صاحب ۳- پروفیسر ڈاکٹر رشید احمد خان صاحب

۴- پروفیسر ڈاکٹر سید یحییٰ احمد ہاشمی صاحب ۵- پروفیسر عبدالرشید صاحب[۳]

عادات و اطوار :- علوم متداولہ پر عبور کی شہرت نے ڈاکٹر مسعود احمد کو ہر ایک کی نظر میں محبوب و محترم بنادیا، ۱۹۵۸ء میں آپ کالج میں شعبۂ اردو کے لیکچرار ہوگئے۔ آپ کا طرز تدریس نرالا تھا، مخلصانہ و مشفقانہ انداز میں درس دیتے جس سے طلباء کے ذہنوں میں اصل موضوع راسخ ہوتا چلا جاتا، کلاس میں پڑھایا ہوا مضمون برسوں یاد رہتا اور تلامذہ آپ سے شرف تلمذ پر فخر کرتے آپ کے شاگردوں کا نتیجہ ہمیشہ اچھا سے اچھا ہوتا تھا۔ انتظامی امور اور علمی مشاغل میں ممتاز صلاحیتوں کی وجہ سے ارباب کالج کی نظر انتخاب آپ پر پڑی اور آپ کالج کے صدر شعبۂ اردو مقرر کئے گئے۔ ذمہ داریوں کی انجام دہی میں آپ نے صداقت و دیانت کا جو بے مثال مظاہرہ فرمایا اس سے آپ کی قدر و منزلت افسران اور اسٹاف کی نظروں میں دوبالا ہوگئی۔ چند ہی سال میں آپ کالج

۱- بچپن میں قرآن کریم کے ساتھ ساتھ حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ نے بہار شریعت سے اردو پڑھنا سکھایا، گلستان سعدی سے فارسی پڑھنا سکھایا، عربی کی ابتدائی کتابیں بھی ساتھ ساتھ پڑھاتے رہے۔ پھر درجہ ثانیہ، ثالث اور درجہ رابعہ کی ساری کتابیں پڑھائیں۔ مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری، دہلی میں بھی درجۂ ثانیہ سے درجہ سادسہ تک کتابیں پڑھیں۔
انجم

۲- مولوی محمد شریف اللہ خان اور مولوی اشفاق الرحمن کاندھلوی- ابوالاعلیٰ مودودی کے بھی اساتذہ میں تھے- مودودی صاحب نے مدرسہ عالیہ عربیہ مسجد فتح پوری میں ۲۸-۱۹۲۶ء میں ان دونوں حضرات سے پڑھا تھا- (تذکرۂ سید مودودی- ص ۹۰، ۱۹۴۳ء مرتبہ از جمیل احمد رانا)
انجم

۳- جہان مسعود، ص ۲-۳، آرلی مظہری

کے پرنسپل مقرر فرمادیئے گئے-۱۹۷۰ء سے ۱۹۹۲ء تک صوبہ سندھ کے چھ متعدد کالجوں میں اسی عظیم منصب پر فائز رہے- حکومت پاکستان آپ کی امانت، دیانت، قابلیت اور حسن انتظام کیلئے ہمیشہ آپ کو قدرو منزلت کی نگاہ سے دیکھتی رہی، ملازمتی زندگی کے آخری ایام میں آپ کراچی میں وزارت تعلیم کے دفتر میں ایڈیشنل سیکریٹری کے عظیم عہدے پر فائز ہوئے آپ نے چند ماہ بڑے لگن کے ساتھ اس دفتر میں کام کیااور مختصر سی مدت میں بہت سارے امور کو پورا کردیا، آپ سکھر کے پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج اینڈ پوسٹ گریجویٹ سینٹر کے منصب سے ریٹائر ہوئے، آپ نے ملازمت کی طویل مدت میں کبھی بھی اپنے عظیم منصب کا بے جا استعمال نہیں فرمایا بلکہ پوری مستعدی کے ساتھ کالج کی خدمت کو اپنا فرض اوّلین سمجھا-

آپ نے ملازمت کو حصول زر کے لئے نہیں اپنایا بلکہ ملازمت کو آپ نے ملت کی خدمت کا انمول موقع جانااور ہزارہا فرزندان توحید کو اپنے کردارو گفتار سے راہِ ہدایت عطا فرمائی، آپ کے حسن اخلاق معیاری ایڈ منسٹریشن اور فضل وکمال سے طلباء مرعوب رہتے تھے بلکہ دل سے عزت بھی کرتے تھے آپ کے پرنسپل شپ کے زمانہ میں ہر کالج برابر ترقی کرتا رہا، دنیوی علوم میں مہارت کے ساتھ آپ کے متشرع تابناک نورانی چہرے کی زیارت سے طلباء کا باطن بھی جگمگا جاتا تھا، آپ کا ہر حکم طلباء کے لئے واجب العمل ہوتا تھا- یہ ڈاکٹر مسعود احمد کی ایک ایسی نایاب اور نادر خصوصیات ہیں جس کی مثال دوسروں کے یہاں شاذ ہی نظر آتی ہے[1]-

پروفیسر صاحب کی مقبولیت اور احترام جتنا کالج میں تھا اتنا ہی گھر میں اور رشتہ داروں میں بھی ہے، بعض لوگ عارضی وجاہت ظاہری رکھ رکھاؤ اور مصلحت پسندی کی وجہ سے ایک دوسرے کی تعریف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن گھر والوں کی نظر میں ان کا وہ احترام نہیں ہوتا جو باہر ہوتا ہے، اس کی وجہ بالکل فطری ہے، وہ یہ ہے کہ جو باہر کے لوگوں سے محبت کا برتاؤ کرتے ہیں، گھر میں چھوں اور رشتہ داروں سے ان کا برتاؤ محبت کا نہیں ہوتا بلکہ ان پر برتری کا رعب جھاڑتے ہیں اسی وجہ سے ان کو اپنوں میں مقبولیت واحترام حاصل نہیں ہوتا- ڈاکٹر مسعود احمد اس صفت میں ممتاز ہیں ان کو اپنے احباب واقرباء سے یکساں عظمت واحترام حاصل ہے، غصہ وکینہ سے بالکل مبرا، آپ خلوص وکرم کا پیکر ہیں، آپ کو کسی نے اپنے تلامذہ اور اپنے ماتحتوں پر غصہ ہوتے نہیں دیکھااور نہ ہی اولاد، مریدین اور کسی قرابت داریا کسی پر بھی- دراصل آپ کی تربیت کا انداز اتنا پیارا ہے کہ محبت وشفقت سے ہی غصہ کی ضرورت بھی پوری ہو جاتی ہے- بہت سے لوگ رعب ڈال کر اور

۱- آئینہ رضویات دوم، ص ۹۳، از ڈاکٹر مسعود احمد

بے جا غصہ ہو کر اپنا اثر ڈالنا چاہتے ہیں ڈاکٹر صاحب اس طرز کو پسند نہیں فرماتے وہ بڑی کامیابیوں سے غلطیوں کی اصلاح فرما دیتے ہیں، اس طرف سب کی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ہمارے حضور ﷺ نہ کبھی غصہ فرماتے تھے اور نہ کبھی بچوں کو ڈانٹتے اور مارتے تھے، محبت سے ہی ہمیشہ اصلاح فرما دیتے تھے۔ڈاکٹر مسعود احمد نے اس کی پیروی کی اور کامیاب ہوئے[1]۔

محبت و شفقت کا اظہار کرتے ہوئے مفتی محمد مکرم احمد صاحب رقم طراز ہیں :۔

> احقر اوائل عمری سے ہی پروفیسر صاحب سے خط و کتابت کا خوگر تھا دس گیارہ سال کی عمر سے برابر خط و کتابت کا شوق رہا ماشاء اللہ پاکستان میں عاجز کے رشتہ دار بہت ہیں لیکن پروفیسر صاحب کی دلجوئی اور شفقت نے اس کی ہمت بدھائی۔ آپ میرپور خاص کالج میں تھے یہ غالباً ۱۹۶۳ء کی بات ہے احقر نے پروفیسر صاحب کو خط لکھا اور حیدر آباد کی اسپیلنگ "HAIDER ABAD" لکھدی پروفیسر صاحب نے خط لکھا اور بڑی محبت کے ساتھ احقر کی غلطی کی نشاندہی فرمائی اور انگلش میں حیدر آباد کی اسپیلنگ بڑے اور چھوٹے انگریزی حروف میں لکھ کر بھیجی گویا آپ یہ چاہتے ہوں گے کہ میں دونوں طرح اس کی مشق کرلوں چنانچہ اس روز جو احقر کی اصلاح ہوئی آج تک وہ نقوش ذہن میں محفوظ ہیں اگرچہ وہ پوسٹ کارڈ محفوظ نہیں رہا لیکن وہ تحریر اور اصلاحی نقوش اب بھی میرے ذہن میں محفوظ ہیں اس طرح بے شمار موقعوں پر آپ نے عربی، فارسی، اردو، انگریزی الفاظ کی اصلاح فرمائی اور یہ نقوش بحمد اللہ محفوظ ہیں[2]۔

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد کی زندگی کے ان پہلوؤں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ڈاکٹر صاحب نے سادگی کو اپنا شعار بنایا، وہ سیدھے سادے کپڑے پہنتے ہیں اور زمین پر سوتے ہیں، زمین پر ہی علمی کام کرتے ہیں، گھر کا سودا سلف بھی کبھی کبھی خود لے آتے ہیں، مہمانوں کی میزبانی کرتے ہیں، خواہ غریب ہو یا امیر--- آنے والے خطوط کے خود جواب دیتے ہیں جو مسلسل آتے رہتے ہیں--- فوٹو، ریڈیو اور ٹی وی وغیرہ سے گریز کرتے ہیں، سرکاری ملازمت کے دوران ۳۳

۱۔ آئینہ رضویات دوم، ص ۹۴، ڈاکٹر مسعود احمد ۲۔ آئینہ رضویات دوئم، ص ۱۰۴، از ڈاکٹر مسعود احمد

سال کے اندر ڈاکٹر صاحب نے کالج میں کبھی فوٹو نہ کھنچوایا، وہ سلف کے طریقے پر چلتے ہیں، اسی کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں---وہ چغل خوروں کی چغل خوری، بد خواہوں کی بد خواہی اور دشمنوں کی دشمنی کا برا نہیں مانتے بلکہ ضرورت پڑنے پر ان کی مدد کرتے ہیں، ان کو دعائیں دیتے ہیں، ان کی دشمنی کو ترقی درجات کا وسیلہ جانتے ہیں--- تحریر و تقریر میں کبھی سہو ہو جائے تو اصرار نہیں کرتے اصلاح کر لیتے ہیں، وہ ہمیشہ اخوت و محبت اور اتحاد و اتفاق کا درس دیتے ہیں---
ڈاکٹر صاحب مع اہل و عیال ۱۹۹۱ء میں حج بیت اللہ شریف اور زیارتِ حرمین و شریفین کے لئے حاضر ہوئے، پھر ۱۹۹۵ء میں حاضر ہوئے، پھر ۱۹۹۶ء میں حاضر ہوئے، پھر ۱۹۹۹ء میں معہ اہل و عیال حاضر ہوئے، الحمد للہ یہ سلسلہ جاری ہے۔

سراپا :- آپ دوسرے صفات حمیدہ کی طرح ظاہری حسن و جمال میں بھی ہزاروں میں ایک ہیں، قد میانہ، پیشانی چوڑی، آنکھیں بڑی بڑی، ناک لمبی کھڑی، چہرہ گول خوبرو، رنگ گورا، بھویں گھنی، گردن اونچی، ریش گھنی، سفید شلوار اور کرتا کبھی شیروانی، سر پر سیاہ جناح کیپ (ٹوپی) سیاہ چشمہ، جلال و جمال کی کھلی ہوئی تفسیر، پر وقار شخصیت[1]

فرض شناسی :- ڈاکٹر مسعود احمد نے کالج کی ذمہ داریوں کو پورے انہماک کے ساتھ انجام دینے کی کوشش کی ساتھ ہی ساتھ ہمیشہ اپنے وقت کو مرتب انداز میں تصنیف و تالیف اور تعمیری کاموں میں مصروف رکھا، کالج میں پرنسپل شپ کی ذمہ داری کوئی کم نہیں ہوتی، آئے دن فتنے سر اٹھاتے رہتے ہیں اور پرنسپل حضرات مشکلات کا شکار رہتے ہیں کچھ پرنسپل حضرات اپنے افسران بالا کی خوشامد میں اس قدر مصروف ہو جاتے ہیں کہ انہیں اپنی ذمہ داری کا احساس ہی نہیں رہتا اور اصل ذمہ داری سے غفلت ہو جاتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مشن میں ناکام ہو جاتے ہیں۔

ڈاکٹر مسعود احمد کی باعمل پر اثر شخصیت کا فیض یہ تھا کہ کالج میں ہر ایک مصروف عمل نظر آتا تھا، اساتذہ بھی اپنے کام میں مشغول ہو جاتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ طلباء بھی۔ خال خال ہی آپ کو تنبیہ یا تاکید کرنے کی نوبت آتی تھی، استاد ہو یا طالب علم ہر ایک اپنے پرنسپل کی فرض شناسی اور احساس ذمہ داری سے اخلاقی طور پر مرعوب نظر آتا تھا، نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ آپ یکسوئی سے تصنیف و تالیف کے کام میں مصروف رہتے۔ حکام بالا سے بوقت ضرورت ملتے تھے مذہبی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے

۱۔ خصوصیات حضرت مسعود ملت ص ۷ از مولانا عبد الستار طاہر

پوری عظمت اور وقار کے ساتھ، کبھی نام و نمود یا شہرت کے لئے آپ کسی سے نہیں ملے۔ آپ کی شہرت پورے پاکستان میں ہے لیکن کبھی آپ نے اپنے فائدے کے لئے کسی افسر سے کوئی بات نہیں کی، جب اور جہاں متعلقہ وزارت تعلیم نے ضرورت محسوس کی تبادلہ کیا، آپ نے بلا تامل قبول کیا۔ ایک وقت تو یہ بھی آیا کہ پروفیسر صاحب کو مٹھی (ضلع تھرپارکر، سندھ) میں کالج کا پرنسپل بنا کر بھیجا گیا جب کہ وہاں کالج موجود ہی نہ تھا، ہونا تھا آپ نے خوشی قبول فرمایا، یہ وہ علاقہ تھا جہاں غیر مسلم آبادی نوے فیصد یا کم و بیش تھی آپ نے کالج کی تعمیر کرائی اور غیر مسلم طلباء میں وہ مقبولیت حاصل کی کہ باید و شاید[1]۔ آپ نے کبھی بھی کالج کے کسی فنڈ کو بے دریغ خرچ نہیں فرمایا اور ہر کالج کی تعمیر میں بے حد محنت فرمائی، آپ کے حسن اخلاق کی وجہ سے غیر مسلم طلباء اور اساتذہ بھی آپ کو پسند کرنے لگے اور اسلام سے قریب آگئے، کالج میں آپ نے باجماعت نماز کی ادائیگی کا انتظام کیا اور اس طرح سے دین کی بھی خدمت فرمائی، دوران تدریس دو کالجوں میں آپ نے مسجدیں بھی بنوائیں جس سے آپ کی مذہبی و ملی ہمدردی کا بھرپور اظہار ہوتا ہے[2]۔

اصلاح معاشرہ :- ڈاکٹر مسعود احمد بے حد مصروفیات کے باوجود احباب کی دلجوئی میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پیروی فرماتے ہیں احباب کی دعوت قبول فرماتے ہیں اور کبھی ناگواری کا اظہار بھی نہیں کرتے۔ آج کل کے مریدین ہر طرح کے ہوتے ہیں، باادب بھی اور بے ادب بھی، آپ مریدین کی اصلاح اور تربیت میں فراخ دلی کے ساتھ بڑی برداشت اور عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں کچھ مشائخ اپنے مریدین کو ڈانٹتے اور مارتے بھی ہیں۔ کچھ مشائخ اپنے مریدین سے ملازموں اور نوکروں کا برتاؤ کرتے ہیں لیکن آپ کا ہر معاملہ ہی نرالا ہے مریدین آپ کی محبت سے قریب آتے چلے جاتے ہیں، آپ کی مجالس میں ظرافت اور علمیت کا مناسب امتزاج ہوتا ہے، مریدین آداب مجلس سیکھنے میں پریشان نہیں ہوتے بلکہ بغیر کسی مشکل کے آدابِ مجلس سے آشنا اور اس کے خوگر ہو جاتے ہیں، آپ مریدین کو زیادہ اوراد و وظائف کی تلقین بھی نہیں فرماتے، آپ اپنے مریدین کے اندر اپنی نظر فیض اثر سے وہ ملکہ پیدا فرما دیتے ہیں کہ وہ خود بخود شریعت و سنت کے خوگر ہوتے چلے جاتے ہیں اور لایعنی باتوں سے احتراز کرتے ہیں، احباب و مریدین پر مشتمل ایک روحانی محفل کراچی میں ہر ماہ منعقد ہوتی ہے جس کی سرپرستی اور نگرانی خود آپ فرماتے ہیں یہ ماہانہ محفل کیا ہوتی ہے بلکہ ایک اصلاحی کورس ہوتا ہے اس محفل میں ہر طرح کی تربیت ملحوظ خاطر رہتی ہے جو نو آموز ہوتے ہیں ان

۱- آئینہ رضویات دوم، ص ۹۵، از ڈاکٹر مسعود احمد ۲- آئینہ رضویات دوم، ص ۹۵، از ڈاکٹر مسعود احمد

کی حیثیت کے مطابق رہنمائی کی جاتی ہے مختصر اور جامع بیان ہوتا ہے جس میں سنت نبویہ کی تعلیم بڑی حسین اور دلچسپ پیرائے میں دی جاتی ہے، اس محفل کی رونق اور فیض قابل رشک ہوتا ہے، اس میں شریک ہونے والے ہر ماہ اس محفل کا انتظار کرتے ہیں اور فیض یاب ہونے کے لئے بیتاب رہتے ہیں[۱]-اس کے علاوہ دو اصلاحی محفلیں اور ہوتی ہیں-ڈاکٹر مسعود احمد نے اپنے خطابات میں جن قرآنی آیات کو عنوان بنایا ہے اس کی کچھ تفصیل ضمیمہ نمبر ۳ میں شامل کر دی گئی ہے-

تصنیف و تالیف :-ڈاکٹر مسعود احمد کی تصنیفی زندگی کا آغاز ۱۹۵۱ء سے ہوا جو ابتک جاری و ساری ہے سب سے پہلے انہوں نے ۱۹۵۱ء میں لیو پولڈ اسد کی کتاب "ISLAM AT THE CROSS-ROAD" کے بعض ابواب کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ تحریر کا یہ سلسلہ مستقل اور باقاعدگی سے جاری ہے-ڈاکٹر صاحب نے ان موضوعات پر بھی تحقیقی کام کیا ہے جن پر کسی فاضل نے قلم نہیں اٹھایا تھا، یا لکھا تھا تو سرسری طور پر آپ کی تصنیف و تالیف کا یہ علمی سرمایہ تاریخ علم و ادب میں ایک گراں قدر سرمایہ ہے اس کو ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی اوّلیات میں شمار کیا جا سکتا ہے-اس کی کچھ تفصیل چھٹے باب میں دے دی گئی ہے-وہ موضوعات و عنوانات جن پر آپ نے مقالات یا مضامین تحریر کئے ہیں ان میں قرآن، حدیث و فقہ، سوانح، سیرت، اخلاقیات، ادب، شخصیات، تصوف، اقبالیات، فلسفہ، تاثرات، نفسیات، سیاست وغیرہ شامل ہیں ان کی تعداد ۵۰۰ سے زیادہ ہے اس کے علاوہ تصنیفات و تالیفات کی تعداد بھی ایک سو (۱۰۰) سے زیادہ ہے۔ مندرجہ بالا مضامین و مقالات کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کے دو تحقیقی مقالے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (لاہور) اور دیگر دو اہم مقالوں کو ایران، اردن وغیرہ ممالک سے شائع ہونے والے انسائیکلو پیڈیا میں جگہ دی گئی ہے[۲]-

اس کے علاوہ مختلف کتابوں پر آپ کے تبصرے، پیش لفظ، مقدمے، تقاریظ، تاثرات اور پیغامات بھی شائع ہو چکے ہیں- یہ تمام تحریری سرمایہ اور تحقیقی خزانہ ملکی و غیر ملکی مقتدر مشہور و معروف رسائل و ماہنامے اور اخبارات وغیرہ میں شائع ہو چکا ہے اور اب بھی شائع ہو رہا ہے۔ ابھی تصانیف کا سلسلہ جاری ہے پروفیسر صاحب بڑی محنت اور کاوش کے ساتھ سیرت مصطفیٰ ﷺ پر ایک جامع مبسوط کتاب تحریر فرما رہے ہیں جس میں اسلام اور آقائے دو جہاں رحمت العالمین ﷺ کی حقانیت اور صداقت دوسرے ادیان کی روشنی میں ثابت فرمائیں گے تاکہ یہ کتاب عالمی سطح پر دعوت الی اللہ کی اہمیت کی حامل ہو۔ یہ کتاب نہ صرف فرزندان توحید

۱- آئینۂ رضویات دوم، ۱۰۰، ۱۰۱، از ڈاکٹر محمد مسعود احمد ۲- آئینۂ رضویات دوم، ص ۳۳، از ڈاکٹر محمد مسعود احمد

کے لئے بلکہ دیگر ادیان کے ماننے والوں کے لئے بھی بے حد مفید اور قابل مطالعہ ثابت ہوئی [1]۔ اس کے علاوہ اسی مقصد کے لئے "دینِ فطرت" کے عنوان سے ایک تحقیقی مقالہ لکھ رہے ہیں۔

آپ کی تصنیفات و تالیفات اس قدر دل نشین اور پسندیدہ ہیں کہ اب تک آپ کی تقریباً ۴۰ کتابوں کا ترجمہ مختلف زبانوں میں ہو چکا ہے۔ ترجمے کی زبان انگریزی، عربی، فارسی، سندھی، فرانسیسی، ڈچ، پشتو، گجراتی، ہندی، اردو وغیرہ ہے۔

بیعت و خلافت :۔ ڈاکٹر مسعود احمد نے ۱۹۵۶ء میں دہلی تشریف لائے اور اپنے والد ماجد مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ صاحب نقشبندی مجددی سے شرف بیعت حاصل کیا اس سعادت کے بارے میں ڈاکٹر صاحب خود ارشاد فرماتے ہیں :۔

"فی الحقیقت یہ تعلق بہار زندگی ہے اگر بیعت نہ ہوتا تو باوجود تحصیل علوم کے ناتمامی کا شدید احساس باقی رہتا' علوم و فنون ذہن کی اصلاح تو کرسکتے ہیں مگر دل کی اصلاح ان کے بس کی بات نہیں بلکہ دماغ کی اصلاح بھی دل ہی کی روشنی میں ہوتی ہے۔

کاروبار جہاں سنورتے ہیں
ہوش جب بے خودی سے ملتا ہے [2]

آپ کو سلسلہ نقشبندیہ میں مفتی محمد محمود الوری علیہ الرحمہ سے خلافت و اجازت حاصل ہے سلسلہ قادریہ میں خواجہ سید زین العابدین شاہ گیلانی (نورائی شریف، سندھ) سے اجازت حاصل ہے اور سلسلہ چشتیہ میں حکیم سید اکرام حسین سیکری سے عملیات کی اجازت ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے معروف شیخ خواجہ محمد صادق (اگھار شریف، آزاد کشمیر) سے دلائل الخیرات شریف کی اجازت ہے۔ اس کے علاوہ سید محمد علوی مالکی (مکہ معظمہ) نے ۱۹۹۲ء میں مدینۂ منورہ میں خرقۂ لباس عطا فرمایا جو ان کے خاندان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے چلا آرہا ہے، آپ کی مقبولیت اور مرجعیت کی شان یہ ہے کہ مشائخ کرام آپ کی تعظیم کرتے ہیں اور نذر پیش کرتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ اور پیر خانے کے شہزادے **بھی** آپ کے گرویدہ ہیں اور بہت عزت دیتے ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ میں آپ ارادتمند و خواہشمند حضرات **کو** مرید **بھی** کرتے ہیں، آپ کے مریدین کی تعداد کافی ہے اور بیرون ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ **آپ کا**

۱۔ آئینۂ رضویات دوم، ص ۹۸، از ڈاکٹر مسعود احمد ۲۔ آئینۂ رضویات دوم، ص ۳۱، از ڈاکٹر مسعود احمد

روحانی فیضان جاری و ساری ہے۔ آپ کے مریدین ہندوستان، پاکستان، انگلستان، کینیڈا، سعودی عرب، مسقط وغیرہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے چند خلفاء کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔ علامہ مفتی ڈاکٹر محمد مکرم احمد، دھلی
۲۔ ڈاکٹر محمد سعید احمد، دھلی
۳۔ شیخ الحدیث علامہ مفتی محمد عبدالحکیم شرف قادری، لاہور
۴۔ شیخ الحدیث علامہ مفتی محمد جان نعیمی مجددی، کراچی
۵۔ صاحب زادہ ابوالسرور محمد مسرور احمد، کراچی
۶۔ شارح حدیث علامہ محمد عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری، لاہور
۷۔ شیخ محمد بن عبداللہ ، دمشق
۸۔ شیخ الحدیث علامہ محمد ذاکراللہ نقشبندی
۹۔ پروفیسر ابوالکمال محمد ضیاء الدین احمد شمسی، طہرانی، مہو، اندور (بھارت)
۱۰۔ صاحب زادہ سرمد مقصود الحسینی، کراچی
۱۱۔ مولانا جاوید اقبال مظہری، کراچی
۱۲۔ حکیم محمد عاقل مظہری، دھام پور
۱۳۔ جناب غلام قادر خان مظہری، راولپنڈی
۱۴۔ مولانا الحاج محمد یونس باڑی مظہری، کراچی
۱۵۔ صوبیدار نبی شاہ، سرحد
۱۶۔ مولانا عطا محمد درس مٹھی، سندھ
۱۷۔ صاحب زاد سید محمد فاخر مظہری، بھاولپور
۱۸۔ مولانا محمد الیاس زیدی، لاہور
۱۹۔ پروفیسر ڈاکٹر حافظ قاری محمد رفیق احمد، لاہور
۲۰۔ مولانا ڈاکٹر اقبال احمد قادری، کراچی

فقر و استغناء :- آپ نے امور دنیا سے بہت ہی کم تعلق رکھا صرف ضرورت کے مطابق جبکہ دوسرے لوگ حصول زر میں سب کچھ بھول جاتے ہیں آپ نے تصنیف و تالیف کو بھی حصول زر کا ذریعہ نہیں بنایا حالانکہ آج کل یہ بھی آمدنی کا بہترین ذریعہ ہے کہ کتاب لکھ دی جائے اور رائلٹی کے نام پر پبلشرز سے معاوضہ حاصل کیا جائے آپ نے اس حرص آمیز رسم کو عملاً ترک فرمایا آپ نے جو بھی کتاب لکھی وہ معیاری پبلشرز کو بلامعاوضہ دی تاکہ پبلشر کم قیمت پر اسے زیادہ سے زیادہ طبع کرائے یہ بھی دینی و علمی خدمت کا ایک تابناک باب ہے جس پر مصنفین اور مؤلفین کو متوجہ کرنے کی ضرورت ہے آپ نے ہر عمل کو رضائے الٰہی کے حصول کے لئے کیا آپ کا کوئی ذاتی مکان نہیں [1]۔

خود نمائی سے آپ اتنا دور رہے اور رہتے ہیں جس کا کوئی جواب نہیں یہی وجہ ہے کہ آپ نے اسٹیج پر جانے سے گریز کیا آپ اپنی سادگی میں ایک بہترین مثال ہیں خدمات کے سلسلے میں آپ کو جو سرکاری اعزازات سے نوازا گیا اس میں بھی آپ تشریف نہیں لے گئے بلکہ اپنے صاحبزادے مسرور میاں یا دوسرے احباب کو اعزاز کے وصول کرنے کا حکم دیا اور خود احتراز فرمایا- اس طرز کو اپنا کر آپ نے دو انمول باتوں پر عمل فرمایا ایک تو یہ کہ انسان کو دنیاوی اعزازات کے مقابلہ میں آخرت کے اعزازات کو حاصل کرنے کی فکر کرنی چاہئے اور دوسرے اسٹیج پر نمود و نمائش سے احتراز کرنا چاہئے [2]۔

نکاح مسنون :- ڈاکٹر مسعود احمد کا نکاح ۲۳ ربیع الاول ۱۳۸۴ھ مطابق ۲ اگست ۱۹۶۴ء کو کراچی (پاکستان) سیدہ نعیمہ بیگم بنت سید مظہر علی مرحوم سے مسجد طیبہ، کراچی میں نہایت تزک و احتشام کے ساتھ ہوا [3]- آپ کے نکاح میں حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی دہلوی اور دیگر علماء، مشائخ میں علامہ مفتی محمد محمود الوری علامہ مفتی محمد مظفر احمد قاری سید محمد حفیظ الرحمٰن، حکیم مشتاق احمد حیدری وغیرہ شریک ہوئے' درگاہ خواجہ غریب نواز کے شہزادے پیرزادہ سید آل احمد معینی شاکر اجمیری علیہ الرحمہ نے گیارہ اشعار پر مشتمل یادگار سہرا پیش کیا جس کو حاضرین نے بہت پسند فرمایا- شادی کے بعد ڈاکٹر مسعود احمد کے خسر سید مظہر علی اور خوشدامن علیہما الرحمہ کی شفقتوں نے ان کی زندگی میں اہم کردار ادا کیا۔

تدریس :- ڈاکٹر محمد مسعود احمد کا تقرر بحیثیت لیکچرار ۱۱ اگست ۱۹۵۸ء کو گورنمنٹ کالج میرپور خاص میں ہوا منصب معلّمی پر فائز ہونے کے بعد آپ علمی جستجو میں اور زیادہ منہمک ہو گئے تدریسی فرائض کی

۱- آئینۂ رضویات، ص ۱۰۳، از ڈاکٹر مسعود احمد ۲- آئینۂ رضویات دوم، ص ۹۷، از ڈاکٹر مسعود احمد
۳- جہان مسعود، ص ۳۰، از آل رسول علی مظہری

ادائیگی اور اپنے عہدے کے تقاضوں کی تکمیل کے بعد آپ نے اپنا وقت خوش گپیوں یا غیر نصابی سرگرمیوں میں صرف کرنے کے بجائے تحقیقات علمی میں صرف کیا[۱]۔ تدریسی ایام کے دوران آپ نے بے شمار اداروں کی علمی خدمت فرمائی "ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی" اس کی تابندہ مثال ہے۔ کالج کے پرنسپل کا ایک بڑا مرتبہ ہوتا ہے اس کی شان و شوکت قابل دید ہوتی ہے۔ اس کے پاس کار اور بنگلہ ہوتا ہے اور ٹیلیفون وغیرہ کی سہولیات بدرجۂ اتم موجود ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس قسم کے امور میں غایت درجہ احتیاط سے کام لیا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے ماتحت اسٹاف اور طلباء نے اس احتیاط اور دیانت داری سے بہت کچھ سبق لیا اور اس احتیاط کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کی قدر و منزلت رفقاء طلباء اور ماتحتوں میں بہت بلند ہو گئی[۲]۔ آپ کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ آپ نے کبھی اپنے کام کو دوسروں کے سپرد نہیں کیا بلکہ پورا وقت دے کر اپنے سے متعلقہ امور خود ہی انجام دیئے البتہ اپنے ماتحتوں کے کام میں ان کی رہنمائی فرما کر ان کی مدد کی جس سے ماتحت اسٹاف آپ کا گرویدہ ہو گیا[۳]۔

حیثیت استاد، صدر شعبہ اور پرنسپل آپ نے جن کالجوں میں خدمات انجام دیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے :-

شمار	نام کالج	عہدہ
۱-	ایس-اے-ایل گورنمنٹ ڈگری کالج، میرپور خاص (پاکستان)	حیثیت لیکچرار و صدر شعبۂ اردو
۲-	گورنمنٹ ڈگری کالج، کوئٹہ (بلوچستان، پاکستان)	حیثیت پروفیسر شعبۂ اردو
۳-	گورنمنٹ ڈگری کالج، ٹنڈو محمد خان (ضلع حیدر آباد، پاکستان)	حیثیت پرنسپل و پروفیسر
۴-	گورنمنٹ کالج کھپرو (ضلع تھرپارکر، سندھ، پاکستان)	حیثیت پرنسپل و پروفیسر
۵-	گورنمنٹ کالج مٹھی (ضلع تھرپارکر، سندھ، پاکستان)	حیثیت پرنسپل
۶-	گورنمنٹ سائنس کالج، سکرنڈ (ضلع نواب شاہ، سندھ)	حیثیت پرنسپل
۷-	گورنمنٹ ڈگری کالج، ٹھٹھہ (سندھ)	حیثیت پرنسپل
۸-	گورنمنٹ ڈگری کالج اینڈ پوسٹ گریجویٹ اسٹڈیز سینٹر، سکھر، (سندھ، پاکستان)	حیثیت پرنسپل[۴]

۱- آئینۂ رضویات دوم، ص ۳۱، ۳۲، از ڈاکٹر مسعود احمد
۲- آئینۂ رضویات، ص ۹۶، از ڈاکٹر مسعود احمد
۲- آئینۂ رضویات دوم، ص ۹۶، از ڈاکٹر مسعود احمد
۴- جہان مسعود، ص ۳۴، ۳۵، از آر۔بی مظہری

تعلیمی، تدریسی اور انتظامی ذمہ داریوں کے علاوہ آپ کی حسن کارکردگی کی وجہ سے جو اضافی ذمہ داریاں آپ کو تفویض کی جاتی رہیں یا جن اعزازات سے آپ کو نوازا گیا یا سفارشات کی گئیں اس کی تفصیل یہ ہے :-

تقرری اور سلیکشن

نمبر شمار	عہدہ	مجاز ادارہ یا شخص	سال
۱-	لیکچرار (عارضی)	ناظم تعلیمات کالجز صوبہ سندھ کراچی	۱۹۵۸ء
۲-	لیکچرار کلاس II	پاکستان پبلک سروس کمیشن لاہور	۱۹۵۸ء
۳-	پروفیسر کلاس I (جونیئر)	مغربی پاکستان پبلک سروس کمیشن، لاہور، تقرری- گورنر مغربی پاکستان	۱۹۶۶ء
۴-	پرنسپل گورنمنٹ کالج لورالائی سندھ بلوچستان	ناظم تعلیمات بلوچستان، کوئٹہ	۱۹۶۸ء
۵-	پرنسپل گورنمنٹ کالج، ٹنڈو محمد خان سندھ	گورنر مغربی پاکستان لاہور	۱۹۷۴ء
۶-	پرنسپل گورنمنٹ کالج، کھپرو سندھ	سیکریٹری تعلیمات حکومت سندھ	۱۹۷۴ء
۷-	پرنسپل گورنمنٹ کالج، مٹھی سندھ	سیکریٹری تعلیمات حکومت سندھ	۱۹۷۴ء
۸-	پرنسپل گورنمنٹ سائنس کالج، سکرنڈ سندھ	سیکریٹری تعلیمات حکومت سندھ	۱۹۷۸ء
۹-	(ا) پرنسپل گورنمنٹ سائنس کالج، سکرنڈ، سندھ (ب) پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج، مٹھی، ٹھٹھہ	گورنر سندھ وزارت تعلیمات حکومت سندھ	۱۹۷۸ء[1]
۱۰-	(ا) پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج اینڈ پوسٹ گریجویٹ سینٹر، سکھر، سندھ (ب) ایڈیشنل سیکریٹری وزارت تعلیم حکومت سندھ	گورنر سندھ وزارت تعلیمات حکومت سندھ	۱۹۸۹ء تا ۱۹۹۲ء[2]

۱- بروایت ڈاکٹر مسعود احمد از راقم الحرف

سفارشات

نمبر شمار	سفارش یا نامزدگی برائے	سفارش کنندہ	ماہ و سال
۱-	ممبر نیشنل کمیٹی برائے نصاب تعلیم حکومت، پاکستان اسلام آباد	ریجن حیدر آباد سندھ ناظم تعلیمات حیدر آباد	۱۹۸۰ء
۲-	ممبر ایکسپرٹ کمیٹی کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی، جدہ (سعودی عرب)	ریجن حیدر آباد سندھ ناظم تعلیمات حیدر آباد	جنوری ۱۹۸۱ء
۳-	مصحح مسودات کتب نصاب جماعت ہائے یازدہم و دوازدہم	ریجن حیدر آباد سندھ ناظم تعلیمات حیدر آباد	جنوری ۱۹۸۱ء
۴-	کتب نصاب کی تعلیم پر تحقیقی مطالعہ۔	ریجن حیدر آباد سندھ ناظم تعلیمات حیدر آباد	اپریل ۱۹۸۱ء
۵-	پریزیڈنٹ ایوارڈ حکومت پاکستان	ریجن حیدر آباد سندھ ناظم تعلیمات حیدر آباد	۱۹۸۲ء
۶-	چیرمین اردو اینڈ پاکستان اسٹڈیز یونیورسٹی آف اردن (اومان)	ریجن حیدر آباد سندھ ناظم تعلیمات حیدر آباد	فروری ۱۹۸۲ء
۷-	قائد اعظم چیئران اردو اینڈ پاکستان اسٹڈیز یونیورسٹی آف رباط (مراکش)	ریجن حیدر آباد سندھ ناظم تعلیمات حیدر آباد	نومبر ۱۹۸۲ء
۸-	علامہ اقبال فیلو شپ ہائیڈل برگ یونیورسٹی، ۸ مغربی جرمنی	ریجن حیدر آباد سندھ ناظم تعلیمات حیدر آباد	اگست ۱۹۸۳ء
۹-	علامہ اقبال فیلو شپ، کیمبرج یونیورسٹی کیمبرج (انگلینڈ)	ریجن حیدر آباد سندھ ناظم تعلیمات حیدر آباد	فروری ۱۹۸۴ء
۱۰-	سول ایوارڈ حکومت پاکستان	ریجن حیدر آباد سندھ ناظم تعلیمات حیدر آباد	۱۹۸۵ء
۱۱-	ریزیڈنٹ ڈائریکٹر نظامت تعلیم بالغان، کراچی	ریجن حیدر آباد سندھ ناظم تعلیمات حیدر آباد	۱۹۸۵ء

۱۲-	آرڈر آف امتیاز حکومت پاکستان	ریکمن حیدر آباد سندھ ناظم تعلیمات حیدر آباد	فروری ۱۹۸۵ء
۱۳-	ممبر کمیٹی برائے قومی زبان اردو حیثیت ذریعہ تعلیم حکومت پاکستان	ریکمن حیدر آباد سندھ ناظم تعلیمات حیدر آباد	
۱۴-	اسسٹنٹ پروفیسر اردو اینڈ پاکستان اسٹڈیز، میک گل یونیورسٹی 'کینیڈا	ریکمن حیدر آباد سندھ ناظم تعلیمات حیدر آباد	مئی ۱۹۸۵ء[۱]
۱۵	ڈائریکٹر ریسرچ	کراچی یونیورسٹی کراچی (شعبۂ معارف اسلامیہ)	
۱۶-	ڈائریکٹر ریسرچ	شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، خیرپور سندھ، شعبہ اردو[۲]	

مندرجہ بالا ذمہ داریوں کے علاوہ کچھ روحانی اور علمی ذمہ داریاں بھی ہیں-ڈاکٹر مسعود احمد مندرجہ ذیل اداروں کے سرپرست ہیں :-

۱- بزم ارباب طریقت، کراچی
۲- ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی
۳- ادارۂ مسعودیہ، کراچی، لاہور
۴- شرکت اسلامیہ، میرپور خاص (سندھ)
۵- صدر الرابطہ انٹرنیشنل، کراچی
۶- ادارۂ معارف مجدد الف ثانی، کراچی ۶

حج بیت اللہ وزیارت حرمین شریفین

ڈاکٹر مسعود احمد ۹ جون ۱۹۹۱ء کو مع اہل وعیال حج کی ادائیگی کے لئے بذریعہ ہوائی جہاز کراچی سے روانہ ہوئے--۱۰ جون کو جدہ ہوائی اڈہ پہنچے پھر وہاں سے مکہ معظمہ حاضر ہوئے خانہ کعبہ کا طواف اور سعی صفا و مروہ کی ادائیگی کے بعد قصر الحجاز (نزد حرم شریف) میں آپ نے قیام کیا، قصر الحجاز میں آپ کا قیام ۱۰ جون تا ۶ جولائی ۱۹۹۱ء رہا وہاں پر بہت سی نامور شخصیتوں سے آپ کی ملاقات ہوتی رہی اور

۱- جہان مسعود، ص ۷۳، از آر بی مظہری ۲-روایت ڈاکٹر مسعود بنام راقم الحروف

وہیں سے آپ نے یکے بعد دیگرے مختلف مقامات کی زیارت کی جیسے مولد النبی ﷺ (جہاں سرکار دو عالم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی)۔ جبل نور (نبی کریم نے جس غار میں اعلان نبوت سے قبل عبادت وریاضت فرمائی اور جہاں پر پہلی وحی نازل ہوئی۔ غار حرا)۔

جبل ثور (پہاڑ کا وہ حصہ جہاں پر نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کی ہجرت کے وقت تین روز تک قیام فرمایا تھا۔ غار ثور)۔

مسجد جن، جبل رحمت (میدان عرفات کی وہ جگہ جہاں پر نبی کریم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور دعا فرمائی)۔

جنت المعلی، مسجد خیف وغیرہ مقامات مقدسہ کی زیارت سے آپ مع اہل خانہ مشرف ہوئے۔ پھر آپ نے حج اکبر ادا کیا۔ ارکان حج ادا کرنے کے بعد آپ مع اہل خانہ ۶ جولائی ۱۹۹۱ء کو مدینہ منورہ روانہ ہوگئے۔ مدینہ میں شیخ محمد عارف ضیائی قادری (خلیفہ مفتی محمد ضیاء الدین مدنی) کے دولت خانے پر ۷ جولائی تا ۱۵ جولائی ۱۹۹۱ء آپ کا قیام رہا[1]۔

مدینہ منورہ میں رہ کر آپ مختلف مقامات کی زیارت سے شرف یاب ہوئے جیسے جنت البقیع، جبل احد، مسجد قبا، مسجد جمعہ، مسجد الغمامہ، مسجد قبلتین، مسجد فتح، مسجد شمس (جہاں رجعت شمس کا مشہور واقعہ پیش آیا تھا اس وقت مسجد کی چہار دیواری موجود ہے) وغیرہ وغیرہ۔

مذکورہ مقامات مقدسہ کی زیارت کے علاوہ آپ نے حضرت علامہ شیخ فضل الرحمٰن قادری مدنی جانشین مفتی محمد ضیاء الدین قادری مدنی خلیفہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کے دولت کدے پر محفل نعت ومنقبت میں شرکت کی، شیخ محمد عارف قادری ضیائی مدنی نے آپ کو گنبد خضرا کے خاص تبرکات سے نوازا[2]۔ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوکر نیز حج اکبر کی سعادتوں سے مالا مال ہوکر ۷ جولائی ۱۹۹۱ء کو مع اہل وعیال وطن مالوف کراچی واپس ہوئے۔

۱۔ منزل بہ منزل، ص ۵۱، از عبد الستار طاہر

۲۔ منزلہ بہ منزل، ص ۵۱، از عبد الستار طاہر

بحضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم

بلغ العلیٰ بکمالہٖ

کشف الدجیٰ بجمالہٖ

حسنت جمیع خصالہٖ

صلوا علیہ وآلہٖ

علیہ الصلوٰۃ والسلام

کلام شیخ سعدی

کتبہ گوہر قلم

Habib Bank Limited,
Foreign Exchange Branch,
Habib Square,
Karachi - Pakistan

ENCASHMENT CERTIFICATE FOR EXCHANGE CONTROL PURPOSES

HAJ 1991

DATE
09/01/91

CERTIFICATE NO
ORCC-2 / 5353

This is to certify that the following [illegible] has been encashed for Haj Dues under SPONSORSHIP SCH

A. PARTICULARS OF HAJ APPLICATION

APPLICATION NO	NAME	BRANCH	IBDA NUMBER	DATE OF IBDA	APPLICANTS BANK
161576-5	M MASROOR AHMED	59	648001	05/01/91	H.B.L

B. PARTICULARS OF INSTRUMENT

ISSUING BANK & BRANCH		TYPE	DATE	NUMBER	PAK. RUPEES
AL RAJHI BANKING	345	DD	02/01/91	1465918	38,140.00

This transaction has been/will be reported to Exchange Control Department on our Schedule [illegible] for the month ended/ending 31/01/91

for Habib Bank Limited

Officer　　　　Manager

NOTE :- This encashment certificate should be kept in safe custody by the pilgrim as exchange will only be issued on surrender of this certificate and bank receipt for Haj Dues at our Haj Camp Branch

اس سرٹیفکیٹ کو بحفاظت رکھیں کیونکہ ہماری حاجی کیمپ برانچ سے زرمبادلہ اسی سرٹیفکیٹ اور واجبات حج کی بینک رسید کے داخل کرنے ہی پر ملے گا

APPLICANT'S COPY A

Habib Bank Limited,
Foreign Exchange Branch,
Habib Square,
Karachi - Pakistan

ENCASHMENT CERTIFICATE FOR EXCHANGE CONTROL PURPOSES

HAJ 1991
****

DATE
09/01/91

CERTIFICATE NO
DRDC-2 / 5354

This is to certify that the following remittance has been encashed for Haj Dues under [illegible]

A. PARTICULARS OF HAJ APPLICANT

APPLICATION NO	NAME	BRANCH	IBDA NUMBER	DATE OF IBDA	APPLICANTS BANK
161575-6	NAEEMA BEGUM	59	548001	05/01/91	H.B.L

B. PARTICULARS OF INSTRUMENT

ISSUING BANK & BRANCH		TYPE	DATE	NUMBER	PAK RUPEES
AL RAJHI BANKING	345	DD	02/01/91	1465919	38,140.00

This transaction has been [illegible] reported to the Exchange Control Department on our Schedule J/IRV/R for the month under ending 31/01/91

for Habib Bank Limited

Officer Manager

NOTE: This encashment certificate should be kept in safe custody by the pilgrim as exchange will only be issued on surrender of this certificate and bank receipt for Haj Dues at our Haj Camp Branch

اس سرٹیفکیٹ کو بحفاظت رکھیں کیونکہ حاجی کیمپ برانچ سے مبادلہ اس سرٹیفکیٹ اور بینک کی رسید کے داخل کرنے پر ہی ملے گا

حج بیت اللہ شریف سے واپسی پر تاریخی مادّے کا تہنیت نامہ

مکتوب گرامی مبلغ اسلام حضرت علامہ محمد ابراہیم خوشتر صدیقی قادری رضوی،

از مانچسٹر (انگلستان)

بتقریب حج بیت اللہ شریف وزیارت حرمین طیبین

ذیقعد ۱۴۱۱ھ محرم الحرام ۱۴۱۲ء

معارف آگاہ الحاج ڈاکٹر محمد مسعود احمد

۱۱ ھ ۱۴

محب رضا، ہدیہ سلام مسنون

۱۲ ھ ۱۴

نوازش نامہ خوش آمد

۱۱ ھ ۱۴

فقیر قادری راقم الحروف گوید

۱۱ ھ ۱۴

مخدومی مسعود ساعت

۱۱ ھ ۱۴

صد رحمت، باربار مبارک

۱۱ ھ ۱۴

حج وزیارت مدینہ متبرکہ

۱۱ ھ ۱۴

ھر دو منظور!

۱۱ ھ ۱۴

چنیں مسعود شد مسعود احمد = زیارت کرد آثار محمد (ﷺ)

حمد اللہ شرف حاصل نمودہ = برائے رفت دیدار محمد (ﷺ)

فقیر الدین خوشتر (۱۹ ء ۹۱)

یوم عاشورہ محرم الحرام (۱۲ ھ ۱۴)[۱]

۱۔ منزل بہ منزل، ص ۹۸، از مولانا عبد الستار طاہر

عمرہ :-ڈاکٹر مسعود احمد زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ شریف کے بعد دوسرا عمرہ فروری ۱۹۹۵ء میں ادا کیا پھر تیسرا عمرہ ستمبر ۱۹۹۶ء میں ادا کیا اور چوتھا عمرہ مع اہل و عیال ۱۹۹۹ء میں ادا کیا[۱]- یہ سلسلہ جاری وساری ہے-الحمدللہ پانچواں عمرہ مع اہل وعیال دسمبر ۲۰۰۰ء میں ادا کیا۔

سیاحت :-ڈاکٹر مسعود احمد نے ملک وبیرون ملک کی سیاحت فرمائی ہے۔ آپ کا سفر تفریح طبع کے لئے نہیں ہوتا بلکہ کسی خاص مقصد کے لئے، ڈاکٹر صاحب خود رقم طراز ہیں :-

> گزشتہ سال کے آخری چار مہینے...... میں اپنے تحقیقی مقالے کے سلسلے میں اہم علمی مراکز، مدارس و کتب خانوں کے دوروں پر رہا الحمدللہ کافی مواد میسر آیا- بریلی شریف بھی گیا تھا وہاں کے حضرات نے اس سلسلے میں بڑی دلچسپی کا اظہار کیا[۲]۔

آپ جہاں کہیں بھی جاتے ہیں وہاں کے لوگوں کے دلوں میں اپنا گھر بنا لیتے ہیں-اہلِ محبت آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں بلکہ آپ کا قدم رنجہ فرمانا وہ لوگ اپنے لئے باعث فخر و سعادت تصور کرتے ہیں اس کی تازہ ترین مثال ملاحظہ فرمائیں۔[۳]

دسمبر ۱۹۹۲ء میں جب ڈاکٹر محمد مسعود احمد علیگڑھ یونیورسٹی میں پہنچے تو ان کا شایان شان استقبال ہوا اور کینیڈی ہال میں امام احمد رضا پر علمی و تحقیقی و پر مغز تقریر فرمائی، دانشوران علیگڑھ حیرت و مسرت سے سنتے رہے۔ اس کی تقریب یوں ہوئی کہ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے مسلم طلباء کی تنظیم "مسلم اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن" آف انڈیا (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی یونٹ) نے ۲۸ نومبر ۱۹۹۲ء کو کینیڈی ہال میں استقبالیہ دیا جو کہ زیر پرستی پروفیسر ایم این فاروقی، وائس چانسلر، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ اور زیر صدارت پروفیسر ابوالحسن اے ایچ صدیقی، پرووائس چانسلر، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ منعقد ہوا[۴]۔

۱- مکتوب ڈاکٹر مسعود احمد بنام راقم الحروف

۲- سہ ماہی افکار رضا ممبئی، ص ۹، شمارہ، ماہ ستمبر ۱۹۹۵ء

۳- ۲۰۰۰ء میں شیخ فضل الرحمٰن قادری (مدینہ منورہ) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا۔ "آپ کا آنا ہمارے لیے باعث فخر ہے۔" یہ کتنی بڑی سعادت ہے۔ انجم

۴- آئینہ رضویات دوم، ص ۷۳، از ڈاکٹر مسعود احمد

سپاس نامہ

عالم اسلام کو رضویات کے اسرار و رموز سے آشنا کرنے والے صاحب علم و قلم و تحقیق ماہر رضویات مسعود ملت قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کی آستانہ عالیہ رضویہ پر آمد مسعود اور ہم عاشقان رضا کے درمیان جلوہ گری پر مسرت و شادمانی کا اظہار کرتے ہیں امام احمد رضا لائبریری و مرکز اہل سنت جامعہ رضویہ منظر اسلام اور حاضرین بزم کی جانب سے آپ کی خدمت بابرکت میں خوشبوئے ریحان سے معمور فضا میں عقیدت و محبت کے گلدستے نچھاور ہیں۔

مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ آپ ہی کا حصہ ہے بلاشبہ یہ حقیقت ہے یہ درجہ عطا تب ہوتا ہے جب خاص عنایت ہوتی ہے۔

آپ کی تحریر میں زندگی اور حرارت پائی جاتی ہے۔ اسلامیات اور خصوصاً رضویات کے موضوع پر آپ کی علمی و فنی کاوشیں، انداز نگارش، استدلال نہیں موثر اور پرکشش ہے جس میں حسن و جمال کی پاکی و درخشانی، طبع مومنانہ کی عاشقانہ جولانی ایک ایک جملے اور ایک ایک حرف میں جھلملاتی نظر آتی ہے آپ کا شاہکار قلم جس سے علم و ادب کے رازہائے سربستہ حل ہوتے ہیں۔ رموز و نکات اس طرح لکھتے ہیں جیسے عقل خود انھیں ناخن تدبیر سے سلجھا رہی ہے علم و عمل اور حکمت و دانائی کا درس بھی ہے۔ علم و ادب کے دامن پر ایسی گلکاریاں ہیں کہ دماغ کے لئے افزائش علم اور ذہن کے لئے مشعل راہ ہے۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں مقبولیت ایسی کہ دنیائے سنیت ماہر رضویات سے پہچانتی ہے۔

آج رضوی گلی کے در و دیوار جھوم جھوم کر کہہ رہے ہیں۔

جسے چاہا در پہ بلا لیا جسے چاہا اپنا بنا لیا
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

پیش کردہ:۔ نبیرۂ اعلیٰحضرت شہزادہ ریحان ملت) الحاج محمد تسلیم رضا خاں
نوری بانی و مہتمم و ارکان امام احمد رضا لائبریری درگاہ اعلیٰحضرت بریلی شریف
فون:۔ ۴۵۴۵۵۹ — ۵۵۸۱
تاریخ۔ ۷ محرم الحرام ۱۴۲۱ھ بروز ہفتہ

ROYAL PUBLISHERS [illegible] GALI [illegible], [illegible] MAHAL, JAMA MASJID DELHI-110006 INDIA

سپاس نامہ

بموقع ورود مسعود ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب قبلہ مدظلہ العالی

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے ۔۔۔ کلیاں کھلیں دلوں کی ہوا یہ کدھر کی ہے

یقیناً آج امام احمد رضا قدس سرہ کی روحانیت اور ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کی شخصیت کے حسین سنگم میں بریلی کی پاک سرزمین رشک ثریا بنی جارہی ہے اور جملہ غلامان رضا کے رگ و پے میں بالخصوص مرکز علم وعقیدت جامعہ منظر اسلام کے طالبان علوم نبویہ کے دیدہ و دل فرش راہ ہیں ہم میں کا ہر ایک پروفیسر موصوف کے ورود مسعود کے موقع پر خوشی سے پھولے نہیں سمارہا ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ کسی بھی شیٔ کی تحقیق نہایت درجہ مشکل ہے اور کسی شخصیت کے جملہ پہلوؤں کو اجاگر کرنا اور وہ بھی ایسی شخصیت جو مافوق الفطرت محاسن کا جامع ہو جس کی ہر ہر ادا سنت مصطفےٰ کا آئینہ دار ہو۔ جس کی ذات حق و باطل کی معرفت کا معیار ہو۔ جس کی تحریر و تقریر کا ہر ہر لفظ اسرار و حکم کا گنجینہ ہو تو ایسی ہمہ جہت وہمہ گیر شخصیت پر تحقیق سنگلاخ وادیوں سے جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ لیکن بایں ہمہ ہم غلامان رضا سو جان سے قربان ماہر رضویات ڈاکٹر مسعود صاحب کی ذات پر کہ جنہوں نے اپنی کتب آفریں اور نکتہ سنج خداداد ذہانت کے ذریعے مجدد اعظم کی سراپا معجز نما ذات بابرکات کے راز ہائے سربستہ اور ان کی تصانیف کی باریکیاں اور ان کی تقاریر کے اسرار وحکم کو جس خوش اسلوبی سے لفظی موتیوں کی لڑی میں پرو دیا ہے وہ ڈاکٹر موصوف ہی کا حصہ ہے کہ ایک متعسر الحصول ہستی کی حقیقت کو ڈاکٹر موصوف نے قدرے سہل الحصول بنا دیا ہے۔ اور اپنے نوک قلم سے ایسے ایسے گلہائے عقیدت کھلائے کہ ہر مومن کی مشام جان معطر و مشک بار ہوگئی۔ پس جب تک امام احمد رضا قدس سرہ کی یاد باقی رہے گی اس گراں مایہ تحقیق کے صدقے ڈاکٹر موصوف کی بھی یاد باقی رہے گی اور بلاشبہ جس طرح امام احمد رضا کی ذات لاجواب ہے اسی طرح ان کی ذات پر ریسرچ کرنے والے پروفیسر موصوف کی بھی لاجواب ہے کہ انہوں نے اپنا پورا وجود خدمت رضا کے لئے وقف کردیا ہے۔ ہم غلامان رضا ڈاکٹر موصوف کی اس تحقیق بلیغ کے لئے تہ دل سے ممنون و مشکور ہیں بلکہ حق تو یہ ہے کہ ہم حق شکر ادا نہ کرپاتے اگر مرکز اہلسنت جامعہ منظر اسلام بریلی شریف کے معزز استاذ فاضل گرامی ڈاکٹر اعجاز انجم صاحب لطیفی شہرۂ آفاق ہستی پروفیسر موصوف کو اپنی ڈاکٹریٹ کا موضوع نہ بناتے۔ یقیناً انہوں نے یہ کارنمایاں انجام دیکر ہم غلامان رضا کو ان کا شکر بجالانے کا ایک حسین موقع فراہم کیا ہے۔

اخیر میں ہم غلامان رضا بالخصوص طلبا وجامعہ منظر اسلام کا ہر فرد یہ کہتا ہوا بحر پرور میں نہ بلہ سپاس بارگاہ ایزدی میں استدعا کرتا ہے۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

منجانب

طلبائے مرکز علم وعقیدت جامعہ منظر اسلام بریلی شریف

۹-	سیرت کانفرنس	اسمبلی ہال، اسلام آباد	۱۹۸۳ء
۱۰-	نیشنل کمیٹی برائے تدوین نصاب	کری کولم ریسرچ اینڈ ڈیولپمنٹ سینٹر جام شورو سندھ	۱۹۸۴ء
۱۱-	سندھی ادبی عالمی کانفرنس	شیرٹن ہوٹل کراچی	۱۹۸۴ء
۱۲-	تعلیم بالغان کانفرنس	کراچی	۱۹۸۴ء
۱۳-	تقریب رونمائی کیسٹ کنزالایمان	شیرٹن ہوٹل، کراچی	۱۹۸۴ء[1]

اولاد امجاد:- ڈاکٹر مسعود احمد کے یہاں سنت نبوی ﷺ کے طور پر سب سے پہلے ۲۴ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ / ۱۴ جولائی ۱۹۶۶ء کو لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام آپ نے کوکب جہاں رکھا اس کے بعد ۲ شعبان المعظم ۱۳۸۸ھ / ۴ نومبر ۱۹۶۸ء کو دوسری صاحبزادی ثروت جہاں تولد ہوئیں- ۱۳۹۱ھ / ۱۱ دسمبر ۱۹۷۰ء میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے صدقے میں اولاد نرینہ سے آپ کو سرفراز فرمایا جس کا نام آپ نے محمد مسرور احمد رکھا پھر آخری لڑکی سعدیہ بیگم ۳ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ / ۵ فروری ۱۹۷۵ء کو پیدا ہوئی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے چاروں اولاد بہ حیات ہیں اور زیور تعلیم سے آراستہ ہو کر گوناگوں خوبیوں کے مالک بن چکے ہیں-

الحمد للہ سب کی شادی ہو چکی ہے، پہلی صاحب زادی کوکب جہاں کی شادی ربیع الاول مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۸ء کو ہوئی، دوسری صاحب زادی ثروت جہاں کی شادی ۲۷ رجب المرجب ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۰ دسمبر ۱۹۹۵ء کو ہوئی- صاحب زادے ابوالسرور محمد مسرور احمد کی شادی ۲۴ ربیع الاول ۱۹ء سے ۱۹ اجولائی ۱۹۹۸ء اور تیسری صاحبزادی سعدیہ بیگم کی شادی ربیع الاول ۱۴۱۹ء مطابق ۱۰ اجولائی ۱۹۹۷ء کو ہوئی- اللہ تعالیٰ کا انعام پر انعام ہے کہ سب سے بڑی صاحب زادی کوکب جہاں کے ہاں تین صاحبزادیاں ملیحہ، عائشہ اور ایمن پیدا ہوئیں اور ایک صاحب زادے محمد عمر اور تیسری صاحبزادی کے ہاں ایک صاحب زادی پیدا ہوئیں جس کا نام عائشہ عروج ہے- صاحب زادہ ابوالسرور اور محمد مسرور احمد اور ان کی اولاد کا ذکر آگے آتا ہے-

---

[1] جہان مسعود، ص ۳۹، از آرزی مظہری

شادی خانہ آبادی :

۱۹۹۴ء میں صاحبزادہ صاحب تعلیم سے فارغ ہوئے تو آپ کا سن ۲۴ برس تھا- ۲۵ سال کی عمر میں ۲۶ مئی ۱۹۹۵ء کو منگنی ہوئی- جیسا کہ پروفیسر فیاض کاوش صاحب کے نام قبلہ ڈاکٹر صاحب نے رقم فرمایا :

"الحمد للہ ۲۶ مئی کو میاں مسرور کی منگنی کر دی گئی---- دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ان رشتوں کو مبارک فرمائے- آمین![1]

شادی کے وقت صاحبزادہ صاحب کی عمر ۲۸ سال تھی---- آپ کی شادی "سیدہ رعنا مظفر بنت سید مظفر علی" سے ہوئی----

۱۷ر جولائی ۱۹۹۸ء کو نکاح مسنون ہوا اور ۱۹ جولائی کو ولیمہ مسنون[2]

تقریب شادی کا مختصر حال اپنی بھتیجی بیگم عابدہ ڈاکٹر رضوان اللہ، علی گڑھ کے نام قبلہ ڈاکٹر صاحب کے محررہ ایک گرامی نامہ سے ملاحظہ فرمایئے :

"الحمد للہ تقریب نکاح شریعت کے مطابق ہوئی- وڈیو وغیرہ کچھ نہ تھا- تلاوت قرآن، نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم، خطبۂ نکاح، ایجاب و قبول اور دعا---- سلسلہ قادریہ نقشبندیہ کے دو مشائخ نے دعا کی- مولیٰ تعالیٰ اس نئے گھر کو شاد آباد رکھے- آمین![3]

۱- مکتوب محررہ ۱۲ جون ۱۹۹۵ء از کراچی

۲- مکتوب محررہ ۲۳ر مارچ ۱۹۹۸ء از کراچی بنام علامہ محمد ابراہیم خوشتر صدیقی، ماریشس

۳- مکتوب محررہ ۲۰ ستمبر ۱۹۹۸ء از کراچی

قطعۂ تاریخ عقد مسنون عزیزی مسرور احمد خلف الصدق

حضرت پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی

(پروفیسر ابو الکمال محمد ضیاء الدین احمد شمسی طہرانی)

سایۂ ابر رحمت میں دو دل ملے آتی رہے یہ گھڑی اے خوشا یہ سماں

کارواں آلِ مظہر کا آگے بڑھا آج مسعودؔ ہیں شاداں شاداں

ذکرِ مظہر ہوا ہند اور پاک میں کُو بہ کُو جُو بہ جُو دل بہ دل جاں بہ جاں

عیسوی سن میں شمسی یہ مصراع ہے

عقد رعنا و مسرور فرخ مکاں

۱۷۴ + ۸۳۳ + ۸۸۰ + ۱۱۱ = ۱۹۹۸ء

اولادامجاد :

اللہ پاک نے بیٹی کی صورت میں اولاد کی پہلی خوشی ۱۳ ربیع الاوّل / ۲۸ جون ۱۹۹۹ء بروز پیر عطا فرمائی- جیسا کہ قبلہ حضرت صاحب نے احقر کے نام گرامی نامہ میں فرمایا:

"میاں مسرور سلمہ' کے ہاں لڑکی ہوئی ہے، نام حبیبہ رکھا ہے[۱]- (حبیبہ مدینے شریف کا ایک نام ہے)

۱- مکتوب محررہ ۲۹ جولائی ۱۹۹۹ء از کراچی-

نوٹ: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کو ۱۹۹۹ء میں پوتی اور نواسی کی بشارت مدینہ منورہ سے ملی پھر اسی سال پوتی اور نواسی کی ولادت ہوئی اور دونوں (حبیبہ اور عائشہ) دسمبر ۱۹۹۹ء میں اپنے والدین، دادا، دادی، نانا، نانی کے ساتھ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور بیت اللہ شریف اور روضہ رسول کریم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے- مدینہ منورہ میں حضرت مفتی ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ کے خلیفہ شیخ محمد عارف کے ہاں دعوت میں صاحب خانہ نے خاک شفاء شریف کے پیالے عنایت فرمائے، ایک ڈاکٹر مسعود احمد کو دوسرا صاحبزادہ ابو السرور محمد مسرور احمد کو، تیسرا پیالہ بھی دیا جب وہ فاضل پیالہ واپس کیا گیا تو صاحبزادہ صاحب سے زور دے کر فرمایا، "یہ آپ کے بیٹے کا پیالہ ہے" پھر وہ پیالہ عنایت فرمایا- بیٹا عالم ظاہر میں نہیں آیا تھا مگر بشارت و خوشخبری پہلے سے مل گئی- صاحب زادہ ابو السرور محمد مسرور احمد پر بھی اللہ کا بڑا فضل ہے- الحمدللہ ۵ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ / یکم مارچ ۲۰۰۱ء جمعرات کی شب فرزند محمد مسرور احمد تولد ہوئے جن کی بشارت ۱۹۹۹ء میں مدینہ منورہ میں دی گئی تھی اور جن کی مبارک باد، ولادت سے قبل ۲۰۰۰ء میں مسجد نبوی شریف میں گنبد خضرا کے سامنے شیخ محمد عارف مدنی ضیائی نے دی۔

جانشینِ مسعودِ ملت

صاحبزادہ محمد مسرور احمد

صاحب زادہ ابوالسرور محمد مسرور احمد چونکہ آگے چل کر انشاء اللہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے جانشین ہوں گے اس لئے ان کے حالات ذرا تفصیل سے بیان کئے جاتے ہیں- محترم محمد عبدالستار طاہر (لاہور) نے صاحب زادہ صاحب کے حالات پر مستقل ایک مقالہ لکھا ہے[1]، چونکہ وہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے مکاتیب جمع کر رہے ہیں اور کئی جلدیں مرتب کر چکے ہیں[2] اس لئے انہوں نے انہیں مکاتیب کی روشنی میں صاحب زادہ کے حالات، اخلاق و عادات قلمبند کئے ہیں، اس لئے میں یہاں انہی کے مقالہ کا کچھ حصہ پیش کر رہا ہوں :-

ولادت باسعادت :

صاحبزادہ محمد ابوالسرور احمد صاحب کی ولادت باسعادت ۱۱ شوال المکرم ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۱ دسمبر ۱۹۷۰ء بروز جمعۃ المبارک کراچی میں ہوئی۔

- تاریخی نام ـــــ شاہ مبشر احمد فاروقی (۱۳۹۰)ھ
- کنیت ـــــ ابوالسرور
- لقب ـــــ عزیز ملت، جانشین مسعود ملت
- عرف ـــــ مسرور میاں

۱- یہ مقالہ کتابی صورت میں ملک محمد سعید صاحب ادارۂ مظہر اسلام' لاہور کی طرف سے ۲۰۰۱ء میں شائع کر رہے ہیں۔

۲- محمد عبدالستار طاہر نے مکاتیب کی مندرجہ ذیل جلدیں مرتب کی ہیں۔

۱- پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے اہم مکاتیب، جلد اوّل

۲- پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے اہم مکاتیب، جلد دوم

۳- پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی تحریروں میں تعارف رسائل رضویات

۴- پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے مکاتیب میں اظہار غم

۵- پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے مکاتیب میں امام احمد رضا پر تحقیق اور رہنمائی ان کے علاوہ بھی اور جلدیں بھی مرتب کر رہے ہیں۔

تحصیل علم :

آپ کی پیدائش ایک علمی گھرانے میں ہوئی- دستور کے مطابق آپ نے قرآن کریم سے تعلیم کا آغاز کیا--- تجوید و قرات سے قرآن پاک کی تکمیل کی[۳]- مزید بر آں :-

☆ ۱۹۸۷ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول، مکلی، ٹھٹھہ، سندھ سے امتیازی حیثیت سے سائنس میں میٹرک کیا-

☆ ۱۹۸۹ء میں گورنمنٹ ڈگری کالج، ٹھٹھہ، سندھ سے فرسٹ کلاس میں انٹر میڈیٹ کیا-

☆ ۱۹۹۲ء میں شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، خیرپور، سندھ سے فرسٹ کلاس میں بی-ایس-سی پاس کیا-

اگرچہ آپ کے والد ماجد ۳۵ سال تدریس و تعلیم کے شعبے سے وابستہ رہے- اس عرصہ میں ان کا زیادہ تر وقت کلیدی حیثیت میں یعنی پرنسپل کے طور پر گزرا--- باوجود اس کے آپ نے کبھی کسی مرحلے پر سفارش کو اپنا شعار نہیں بنایا- بلکہ صاحبزادہ صاحب نے اپنی صلاحیت اور محنت اور اللہ کے فضل و کرم سے تمام تعلیمی مراحل کامیابی سے طے کئے- قبلہ ڈاکٹر صاحب بتلاتے ہیں

"سندھ میں امتحانات کے دوران نقل کا بازار گرم رہتا ہے- نئے نئے تجربے کئے جاتے ہیں- اس تماشے میں استاد و شاگرد شریک ہیں- یہ ایک قومی المیہ ہے---- مگر الحمدللہ احقر کے بچوں نے کبھی نقل کا سہارا نہیں لیا- دراصل نقل،

☆ ایک قسم کی چوری ہے جبکہ چھپ کر کی جائے،

☆ اور ڈاکہ ہے جب کھلم کھلا کی جائے----

ا- محمد عبدالستار طاہر، تعارف مصنف "مسعود ملت کے آثار علمیہ" ص ۱۰، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۷ء

ابتداء میں جن بچوں کو اس کی عادت پڑ جاتی ہے ان سے آگے چل کر خیر کی امید رکھنا عبث ہے۔ چوری کی عادت جب خمیر میں شامل کر دی گئی تو پھر وہی بچے جب اقتدار میں آئیں گے تو کیا گل کھلائیں گے؟ ----- نقل کرنے سے ناکامی و نامرادی ہزار درجے بہتر ہے ---- باوجود ناکامی و نامرادی کے، حمیت و غیرت تو اس کے ساتھ ہے اور جب تک یہ جوہر ہے، انسان انسان ہے ----

پروفیسر سرور شفقت صاحب، (حسن ابدال) کے نام ایک خط میں قبلہ ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

"عزیزم مسرور احمد سلمہ بی-ایس-سی فائنل میں ہیں- غالباً جولائی میں امتحان ہوں گے- وہ نمبر کم ہونے کی وجہ سے انجینئرنگ میں داخلہ نہ لے سکے- فقیر سفارش، نقل اور اپنے عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھانے پر یقین نہیں رکھتا- بس اس کریم کے فضل پر یقین ہے، انشاءاللہ ان کے لئے بہتری ہی ہوگی[۱]۔"

پروفیسر قاری محمد علیم الرحمٰن، اسلام آباد کے نام لکھتے ہیں:

"بفضلہ تعالیٰ میاں مسرور سلمہ، بی-ایس-سی میں فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہو گئے- کراچی یونیورسٹی میں فزکس میں داخلہ لے رہے ہیں- یہاں سخت مقابلہ ہے، مگر مولیٰ تعالیٰ کا کرم شاملِ حال رہا تو انشاءاللہ ہر مشکل آسان ہو جائے گی[۲]۔"

تربیت:

ایک طویل مدت تک شعبۂ تعلیم سے وابستہ رہنے کے باعث قبلہ ڈاکٹر صاحب نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا کہ ہمارے ہاں تعلیم پر بہت زور دیا جاتا ہے، اس کے برعکس تربیت کا فقدان ہے- افراد کی صحیح خطوط پر تربیت نہ ہونے کے باعث معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو رہا ہے- آپ نے تعلیم کے ساتھ ساتھ صاحبزادہ صاحب کی تربیت کو فوقیت دی- دنیاوی علم کی تحصیل کے باعث وہ دینی اداروں سے بظاہر دینی علم حاصل نہ کر سکے-

---

۱- محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: مکتوب محررہ ۳ مارچ ۱۹۹۲ء از سکھر
۲- محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: مکتوب محررہ ۲۵ دسمبر ۱۹۹۲ء از کراچی

جیسا کہ قبلہ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

"ملازمت کے دوران سفر میں رہا، اس لئے میاں مسرور کو دینی تعلیم نہ دلوا سکا، جبکہ ان کو شوق بھی تھا، اس کا قلق ہے-انشاءاللہ کراچی میں اس قلق کو دور کرنے کی کوشش کروں گا- دینی مدارس کا ماحول صحیح نہیں اور اس وقت تعلیم سے زیادہ تربیت کی ضرورت ہے-الحمدللہ ان کی تربیت صحیح ہو گئی-"[۱]

علامہ تابش قصوری مدظلہ کے نام صاحبزادے کے بارے میں قبلہ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

کاش وہ علوم بھی مل جائیں، میٹرک کرنے کے بعد انہوں نے کہا تھا کہ مدرسہ عربیہ میں داخل کرادیں مگر ہمارے دینی مدارس میں وہ تربیت نہیں جو فقیر چاہتا ہے- فقیر کے نزدیک علم سے برتر تربیت ہے[۲]-"

ایک اور صاحب کے نام خط میں تحریر فرمایا:

"الحمدللہ کراچی یونیورسٹی میں میاں مسرور سلمہ کا ایم-ایس-سی (اطلاقی طبیعیات) میں داخلہ ہوگیا ہے- سب سے بڑی خوشی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سنت پر استقامت عطا فرمائی ہے-داڑھی اگرچہ ٹھوڑی پر نکل رہی ہے اور ایک مشت ہونے والی ہے مگر دل سے لگائے ہوئے ہیں- یونیورسٹی میں ساٹھ فیصد لڑکیاں پڑھتی ہیں، جدھر دیکھو پرے کے پرے چلے آرہے ہیں-اللہ تعالیٰ اس ماحول کے اثرات سے ان کو محفوظ رکھے-آمین!- فقیر کے نزدیک تعلیم سے زیادہ تربیت ضروری ہے، اس لئے اپنے ساتھ رکھا اور شروع ہی سے داڑھی کی محبت ڈال دی[۳]-الحمدللہ اس ماحول کا ذرہ برابر اثر نہ ہوا، وہ صاحب استقامت ہیں-اپنے ڈیپارٹمنٹ میں فرشی جاء نماز لے گئے اور نماز باجماعت قائم کی-"

باقاعدہ دینی تعلیم حاصل نہ کرنے کے باوجود صاحب زادہ محمد مسرور احمد نے والد ماجد کی صحبت اور ذاتی مطالعے سے اتنی استعداد پیدا کرلی ہے کہ محافل میں اور کانفرنسوں میں خطاب

۱- مکتوب محررہ ۱۱ جون ۱۹۹۲ء از کراچی، بنام پروفیسر افتخار علی، حیدر آباد، سندھ

۲- مکتوب محررہ ۷ اجون ۱۹۹۲ء از کراچی

۳- مکتوب محررہ ۲۶ فروری ۱۹۹۳ء از کراچی، بنام پروفیسر قاری محمد علیم الرحمن، اسلام آباد

کرتے ہیں- ان کی تقاریر کا مجموعہ سرور المسرور (کراچی ۲۰۰۰ء) کے عنوان سے چھپ چکا ہے، تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی ڈاکٹر صاحب کے پیرو ہیں، ان کی چھ تصانیف شائع ہو چکی ہیں، کتابوں پر ان کے مقالے بھی جاندار ہوتے ہیں- راقم ان کے احوال کے آخر میں تصانیف کے سرورق اور ایک مقدمہ پیش کرے گا جس سے ان کے ذوق سلیم کا اندازہ ہو سکے گا-

چند شخصی امتیازات :

حضرت مسعود ملت نے صاحبزادہ صاحب کی شخصیت کی چند خوبیاں بیان فرمائی ہیں- آپ کے فرمودات کی روشنی میں خصائل میاں مسرور احمد مذکور ہیں :

○ اطاعت شعاری و فرماں برداری :

ان کے خمیر میں شامل ہے- پانچ برس کی عمر میں کراچی سے ۳۰۰ میل دور صحرائے تھر میں شہر مٹھی میں تنہا احقر کے پاس رہے، سخت بخار چڑھا مگر والدہ کو یاد نہیں کیا اور جب پوچھا گیا کہ "کراچی چلو گے ؟"- تو جواب دیا "جیسی آپ کی مرضی !"[1]

○ تحمل مزاج :

قبلہ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں :

"ان کی طبیعت میں حمیت و غیرت، سخاوت و غریب پروری داخل ہے- وہ بڑے متحمل مزاج، باوقار اور خاموش طبع ہیں- دھیمی آواز سے بولتے ہیں [2]-"

علامہ تابش صاحب سے ذکر فرمایا،

"تقریر بہت کم کرتے ہیں، خاموش طبع ہیں، تحمل و بردباری جد امجد کی وراثت میں ملی ہے [3]-"

○ اتباعِ سنت :

ہر نیک و صالح والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد بھی نیک و صالح ہو، ان کی

۱- یادداشت محررہ ۷، ۲، ستمبر ۱۹۹۰ء
۲- یادداشت محررہ ۷، ۲، ستمبر ۱۹۹۰ء
۳- مکتوب محررہ ۷ اجون ۱۹۹۲ء از کراچی

روش کو اپنانے۔ اسی طرح فطری طور پر قبلہ ڈاکٹر صاحب کو بھی یہی چاہت تھی۔ جب صاحبزادہ صاحب کی ولادت ہوئی تو اس کی اطلاع مولانا تاج محمد مظہر صدیقی، پشاور کو بھی دی اور اس آرزو کا اظہار فرمایا:

"اس احقر کے ہاں فرزند تولد ہوا ہے۔اس کے لئے دعا کریں کہ سعادت مند اور متبع سنت سنیہ ہو[۱]۔"

علامہ تابش قصوری صاحب کے نام صاحبزادہ صاحب کے بارے میں قبلہ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"احقر زادہ میاں مسرور احمد سلمہ، الحمدللہ سنت پر قائم ہیں اور تقویٰ میں فقیر سے آگے ہیں[۲]۔"

صاحبزادہ صاحب بی۔ایس۔سی کے طالب علم تھے کہ داڑھی رکھ لی، جبکہ عمر ابھی تیس سال تھی، اٹھتی جوانی اور کالج کا زمانہ۔ پھر بھی اتباعِ سنت کا خیال کس قدر ہے، یہ تربیت ہی کا اثر ہے۔ قبلہ حضرت صاحب نے پروفیسر ڈاکٹر قاری حافظ محمد رفیق صاحب، لاہور کے نام مسرور میاں کی اس خصوصیت کا یوں ذکر فرمایا ہے:

"عزیزی میاں محمد مسرور احمد الحمدللہ سنت پر قائم ہیں، یہ بڑی سعادت ہے۔ آپ بھی سنت پر استقامت کے لئے دعا کرتے رہا کریں[۳]۔"

اسی طرح سے صاحبزادہ صاحب کی سنت پر استقامت کا ذکر شاہد ندیم صاحب (لیوٹن، انگلستان) کے نام محررہ خط میں فرمایا:

"حضور انور ﷺ کی محبت میں مسلمان مست ہو جائے تو پھر کسی سنت پر عمل کرنا مشکل نہیں۔ میاں مسرور نے بھی "محبت کی نشانی[۴]" پڑھ کر یہ نشانی رکھ لی، اگرچہ ٹھوڑی پر ہے۔۔۔۔اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے۔ آمین[۵]!"

۱۔ مکتوب محررہ ۲۵ جنوری ۱۹۷۱ء از نذر محمد خان، ضلع حیدر آباد سندھ

۲۔ مکتوب محررہ ۷ اجون ۱۹۹۲ء از کراچی ۔۔۔ ۳۔ مکتوب محررہ ۱۲ جنوری ۱۹۹۳ء از کراچی

۴۔ "محبت کی نشانی" قبلہ ڈاکٹر صاحب کی ایک خوبصورت تخلیق ہے، جس میں داڑھی کی محبت اور سنت کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کے مطالعے سے بکثرت حضرات الحمدللہ باریش ہو گئے۔

۵۔ مکتوب محررہ ۳۰ اگست ۱۹۹۲ء از کراچی

صاحبزادہ صاحب کے صبر و قرار اور استقامت کا ایک اور واقعہ بیان فرمایا :-

"چند روز ہوئے ان کو رات ایک بجے دردِ گردہ کی شکایت ہو گئی- فقیر تنہا، مولیٰ تعالیٰ پر بھروسہ تھا- رات دو بجے ڈاکٹر آیا- دوا انجکشن لگائے، تب جاکر طبیعت سنبھلی- الحمد للہ کرب کے عالم میں ان کی زبان سے "اللہ" کے علاوہ کوئی لفظ نہ نکلا- یہ دیکھ کر بہت ہی خوشی ہوئی- اللہ ان کو اپنی ہی طرف متوجہ رکھے- آمین ![1]"

○ استغناء و بے نیازی :

آپ کی طبیعت میں استغناء و بے نیازی ہے- اس سلسلے میں یہ واقعہ قابلِ ذکر ہے :

"چودہ برس کی عمر ہو گی- احقر کے ساتھ اسلام آباد جانا ہوا- وہاں خواجہ محمد عبداللہ جان نقشبندی مجددی مد ظلہ کے ساتھ ایک محفل میں جانا ہوا- اسٹیج پر فاضل کرسی نہ تھی- میاں مسرور کے لئے خصوصی طور پر کرسی منگوا کر اس پر بٹھایا گیا- دورانِ محفل روپوں کا ہار ڈالا گیا- جب محفل برخاست ہوئی اور کھانے کے لئے چلے تو میاں مسرور ہار اسٹیج پر چھوڑ کر چلے آئے- جب کہا گیا کہ یہ ہار آپ کا ہے اور لا کر دیا تو ہاتھ میں لے لیا- پھر جب کھانے بیٹھے تو ہار قریب ہی رکھ لیا- مگر جب کھا کر اٹھے اور باہر آئے تو ہار مکان کے اندر ہی چھوڑ کر آ گئے- خواجہ عبداللہ جان مد ظلہ قریب ہی کھڑے تھے- احقر نے عرض کی کہ "آپ نے احقر زادہ کو آزمائش میں مبتلا کیا حمد اللہ وہ کامیاب ہوا"- بہت مسرور ہوئے اور دعاؤں سے نوازا- میاں مسرور سے فرمایا- کہ ہار میں لا کر پیش کرتا ہوں- پھر وہ ہار منگوا کر عنایت فرمایا- میاں مسرور نے گھر میں لا کر رکھ دیا اور توجہ بھی نہ کی- فالحمد للہ علیٰ ذلک ![2]"

صاحبزادہ صاحب کے توکل اور بے نیازی کے بارے میں ایک اور خط ملاحظہ فرمایئے جو کہ مولانا محمد یونس باڑی مظہری صاحب، کراچی کے نام تحریر کردہ ہے :

۱- مکتوب محررہ ۲۵ / مارچ ۱۹۹۲ء از کراچی بنام پروفیسر قاری محمد علیم الرحمٰن، اسلام آباد

۲- یادداشت محررہ ۷ / ۲ / ستمبر ۱۹۹۰ء

"الحمد للہ میاں مسرور سلمہ بی-ایس-سی (سال اوّل) میں کامیاب ہو گئے- یہ امتحانات حج پر روانگی سے قبل ہونے والے تھے- پھر اچانک تاریخ بڑھ گئی اور ایام حج آگئے- میاں مسرور کے لئے یہ آزمائش کی گھڑی تھی- مگر ان کے چہرے پر فکر و پریشانی کے آثار نظر نہ آئے- حسبِ معمول مطمئن و پر سکون- حج پر روانگی کی تیاری میں مستعد و منہمک!- جاتے وقت فقیر نے وائس چانسلر کو بتایا کہ فقیر اور فقیر زادہ حج پر جارہے ہیں مگر اس کے امتحانات ایام حج میں آرہے ہیں، آپ ضمنی امتحانات میں خصوصی اجازت دے دیں۔ بات آئی گئی ہو گئی- پھر سنا کہ امتحانات اور بڑھ گئے- اس کی اطلاع محمد احمد صاحب نے فیکس کے ذریعہ مدینہ منورہ بھیجی الحمد للہ حج سے واپس آکر امتحان بھی دے دیا- چند روز ہوئے ایک تقریب میں وائس چانسلر سے ملاقات ہوئی، دریافت کیا، "آپ کے صاحبزادے امتحان میں شریک ہو گئے تھے؟"-

پھر فرمایا:

"میں نے صرف آپ کے صاحبزادے کے لئے امتحانات کی تاریخ آگے بڑھائی تھی-"

ربِ تعالیٰ کا فرمان سچ و حق ہے "جس نے اللہ پر توکل کیا، اللہ اس کے لئے کافی ہے [۱]-"

اسی معاملے کی مزید وضاحت ایک اور خط بنام مولانا جاوید اقبال مظہری، کراچی میں ملتی ہے، لکھا ہے کہ

"چند روز ہوئے خیر پور یونیورسٹی کے وائس چانسلر ملے تھے- انہوں نے فرمایا کہ میں نے آپ کے صاحبزادے کے لئے امتحانات کو دس روز کے لئے آگے بڑھا دیا تھا- سبحان اللہ! یہاں لوگ کہتے تھے کہ تاریخ آگے بڑھنے کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہ آتی تھی- یہ راز اب کھلا- فالحمد للہ علیٰ ذلک! [۲]

اس اہم واقعہ کو قبلہ ڈاکٹر صاحب صاحبزادہ صاحب کی کرامت قرار دیتے ہیں- جیسا کہ ڈاکٹر

۱- مکتوب محررہ ۱۴ / ، مبر ۱۹۹۱ء از سکھر

۲- مکتوب محررہ ۱۴ / ، مبر ۱۹۹۱ء از سکھر

مفتی محمد مکرم احمد، دہلی کے نام گرامی نامہ میں رقم فرمایا:

"مسرور میاں نے بی-ایس-سی کا امتحان دیا ہے- یہ امتحان ۷ اجولائی کو ہونے والے تھے-خدا کی شان کہ خود بخود بڑھ گئے اور ۲۷ جولائی سے شروع ہوئے-یہ ان کی کرامت ہی ہے[۱]-"

صاحبزادہ صاحب کے کمالِ استغناء و بے نیازی کا ایک اور واقعہ قبلہ ڈاکٹر صاحب کے ایک اور گرامی نامے بنام ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد میں نظر سے گزرا- جس میں صاحبزادہ صاحب کی بی-ایس-سی میں کامرانی کا بھی ذکر ہے اور بے نیازی کا حال بھی لکھتے ہیں:

"ماشاءاللہ میاں مسرور سلمہ بی-ایس-سی فرسٹ ڈویژن میں پاس ہو گئے- حجرہ شریف (مسجد فتح پوری، دہلی-دور ہند کے دوران) میں جب کراچی بات ہوئی تھی تو اس وقت نتیجہ نکل آیا تھا- مگر بے نیازی کی یہ شان کہ نہ بتایا- یہاں آکر بھی کئی روز کے بعد انکشاف ہوا- آپ کی چچی جان کہنے لگیں، "میں سمجھی کہ مسرور نے بتادیا ہوگا-"

اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ حج بھی کرلیا اور امتحان میں بھی کامیاب ہو گئے-دعا کریں مولیٰ تعالیٰ یونیورسٹی کے ماحول میں شریعت پر ثابت قدم رکھے-آمین![۲]"

ڈاکٹر شرف الدین، اسلام آباد کے نام صاحب زادہ صاحب کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے قبلہ ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے:

"فقیر زادہ میاں مسرور سلمہ بھی فقیر کی روش پر چل رہے ہیں- کبھی دستِ طلب دراز نہیں کرتے-صابر شاکر رہتے ہیں-بلکہ دوسروں کی راحت پر اپنی راحت قربان کردیتے ہیں-خدا کا شکر وانعام ہے[۳]-"

○ حج کی سعادت:

صاحبزادہ صاحب نے اپنے والدینِ گرامی قدر کی معیت میں حج بیت اللہ شریف اور زیارتِ

۱- مکتوب محررہ ۲؍اگست ۱۹۹۱ء از سکھر
۲- مکتوب محررہ ۷ جنوری ۱۹۹۳ء از کراچی
۳- مکتوب محررہ ۱۸؍جون ۱۹۹۲ء از کراچی

حرمین طیبین کی سعادت حاصل کی۔حج کی سعادت جون ۱۹۹۱ء میں حاصل ہوئی۔ صوبہ سندھ میں مقیم اپنے خلیفہ مجاز صوبیدار نبی شاہ کے نام گرامی نامہ میں قبلہ ڈاکٹر صاحب نے تحریر فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اس سال فقیر کو، میاں مسرور احمد اور ان کی والدہ کو حج اکبر کی سعادت اور زیارتِ روضۂ حبیب کریم علیہ کی سعادت سے مشرف فرمایا۔ میاں مسرور احمد جبلِ نور پر چڑھے اور غارِ حرا میں نفل پڑھے۔ حج کے علاوہ انہوں نے تین عمرے بھی کئے۔ پورا سفر آرام و آسائش اور برکتوں رحمتوں کے ساتھ پورا ہوا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ![1]''

○ بیعت:

صاحبزادہ محمد مسرور اپنے والد گرامی قدر قبلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد دامت برکاتہم العالیہ کے دستِ حق پرست پر ۱۸ ذوالحجہ ۱۴۱۱ھ / ۲۵ جون ۱۹۹۱ء کو مکہ معظمہ میں بیعت ہوئے[2]۔ (فندق الحجاز محلہ مسفلہ میں جہاں سے حضور انور علیہ نے مدینہ منورہ ہجرت کا سفر شروع فرمایا)۔ الحمد للہ ان کی اہلیہ نے بھی دسمبر ۱۹۹۹ء میں مدینہ منورہ میں ڈاکٹر صاحب سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔

○ اجازت و خلافت:

صاحبزادہ صاحب کو سلسلہ عالیہ مسعودیہ مظہریہ نقشبندیہ مجددیہ میں اس وقت دو بزرگ ہستیوں سے اجازت و خلافت حاصل ہے:

☆ والد گرامی قدر مسعود ملت قبلہ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد، کراچی

☆ برادر عم زاد ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد، (سجادہ نشین خانقاہ مظہریہ، مسجد فتح پوری دہلی)

قبلہ ڈاکٹر صاحب نے ڈاکٹر سعید احمد سجادہ نشین خانقاہ حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ، دہلی کے نام لکھا ہے:

''میاں مسرور کو مکہ معظمہ میں بیعت کیا اور اجازت بھی دی[3]''۔

اسی طرح سے ایک جگہ علامہ تابش قصوری صاحب کے نام لکھا ہے:

''مکہ معظمہ میں فقیر نے بیعت کر کے اجازت دی۔''

۱۔ مکتوب محررہ ۲۰ اگست ۱۹۹۱ء از سکھر

۲۔ محمد عبدالستار طاہر: منزل بہ منزل، ص ۴۹ مطبوعہ حیدر آباد سندھ ۱۹۹۱ء

۳۔ مکتوب محررہ ۱۳ اگست ۱۹۹۱ء از سکھر

مفتی مکرم احمد نے بھی اجازت دی اور عملیات سے کچھ عنایت فرمایا[1]۔"

ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد صاحب کے نام قبلہ ڈاکٹر صاحب نے ایک جگہ فرمایا:

"کراچی میں میاں مسرور سلمہٗ نے شرماتے شرماتے بڑی خاموشی سے دو کاغذ دیئے۔ دیکھا تو دل خوش ہوا۔ الحمد للہ آپ نے بھی اجازت دے دی۔ جزاکم اللہ! فقیر نے مکہ معظمہ میں ان کو بیعت کیا اور وہیں اجازت بھی دے دی، آپ کی اجازت مستزاد ہو گئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک[2]!

ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد سجادہ نشین خانقاہ عالیہ مظہریہ، امام و خطیب مسجد فتح پوری، دہلی نے اپنے قیام کراچی کے دوران ۲۷ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ / ۵ ستمبر ۱۹۹۱ء بروز جمعۃ المبارک چہار سلاسل طریقت نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ میں خلافت اور اجازتِ بیعت سے نوازا۔ اور اپنے خاص عملیات کی اجازت مرحمت فرمائی[3]۔

جانشین جدِ امجد: قبلہ ڈاکٹر صاحب نے صاحبزادہ صاحب کا یہ خصوصی امتیاز ذکر فرمایا تھا،

"ان کو غائبانہ اپنے جد امجد کا فیض ملا ہے۔ وہ اپنے جد امجد کے ہم شکل ہیں۔ تقریباً ۱۲ پوتوں میں یہ امتیاز صرف ان کو حاصل ہے[4]۔"

دھام پور بجنور (بھارت) میں مقیم اپنے برادر طریقت اور خلیفہ جناب حکیم محمد عاقل چشتی مظہری کے نام قبلہ ڈاکٹر صاحب نے تحریر فرمایا:

"صاحبزادے کے لئے آپ کی محبت اور دعائیں کافی ہیں۔ الحمد للہ وہ اپنے جد امجد کی سنت پر کاربند ہیں، بہت سی عادات اپنائی ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ ان کو جد امجد علیہ الرحمہ کا سچا جانشین بنائے اور اپنی طرف متوجہ رکھے۔ آمین[5]!"

چھوٹی سی عمر میں صاحب کرامت ہو گئے تھے۔ ان سے برکات مستقل ظہور میں آتی رہتی ہیں۔

۱- مکتوب محررہ ۱۷ر جون ۱۹۹۲ء از کراچی
۲- مکتوب محررہ ۲۶ ستمبر ۱۹۹۱ء از سکھر
۳- یادداشت محررہ ۲۷ر ستمبر ۱۹۹۰ء
۴- محمد عبدالستار طاہر: منزل بہ منزل، ص: ۵۴، مطبوعہ حیدر آباد سندھ ۱۹۹۱ء
۵- مکتوب محررہ ۴ر جون ۱۹۹۲ء از کراچی

نگارشات:

دیگر جدی فضائل و خصائل کی طرح آپ نے بھی ترویج دین کے لئے قلم کو محور بنایا ہے۔ آپ کے جد امجد کے جد امجد شاہ محمد مسعود محدث دہلوی علیہ الرحمہ صاحب تصنیف بزرگ تھے---- آپ کے جد امجد شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ بھی صاحب تصانیف بزرگ گزرے ہیں----اور اب آپ کے والد ماجد بھی متنوع موضوعات پر کثیر کتب و رسائل لکھ چکے ہیں، بلکہ مسلسل لکھ رہے ہیں۔

اسلاف کے تتبع میں آپ کی مندرجہ ذیل کتابیں صفحۂ قرطاس کی زینت بنی ہیں:

تالیفات

نمبر شمار	عنوان	مقام اشاعت	سن اشاعت
۱-	مسعود ملت کے آثار علمیہ	کراچی	۱۹۹۷ء
۲-	امام احمد رضا اور حضرات نقشبندیہ	کراچی	۱۹۹۷ء
۳-	جمال زندگی	کراچی	۱۹۹۹ء
۴-	جانا پہچانا	کراچی	۱۹۹۹ء
۵-	سرور المسرور (مواعظ کا مجموعہ)	کراچی	۲۰۰۰ء
۶-	مقام مجدد الف ثانی	کراچی	۲۰۰۰ء
۷-	تحقیق الحق	کراچی	۲۰۰۰ء
۸-	خزینۃ الخیرات	کراچی	۲۰۰۱ء
۹-	نوافل --ماہ بہ ماہ	کراچی	۲۰۰۱ء
۱۰-	عہد نبوی میں نعت مصطفی ﷺ	کراچی	۲۰۰۱ء
۱۱-	راہ ہدایت	کراچی	۲۰۰۱ء

حضرت مسعودِ ملّت
کے
آثارِ علمیہ

از

ابوالسرور محمد مسرور احمد
بی۔ایس۔سی

ادارۂ مسعودیہ
۶/۲، ۵۔ای، ناظم آباد، کراچی، اسلامی جمہوریہ پاکستان
۱۴۱۸ ہجری — ۱۹۹۷ عیسوی

الذین آتینٰھم الکتٰب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم

جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے

جاننا پہچاننا

مرتبہ
ابنِ مسعودِ ملت
ابوالسرور محمد مسرور احمد

۲۱

ادارہ مسعودیہ
۲/۶، ۵۔ای، ناظم آباد، کراچی، سندھ
اسلامی جمہوریہ پاکستان ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحن نقص علیک احسن القصص (یوسف ۳)
ہم تمہیں سب سے خوب صورت قصہ سناتے ہیں

جمالِ زندگی

ابنِ مسعودِ ملت
ابوالسرور محمد مسرور احمد

ادارۂ مسعودیہ
۲/۶، ۵۔ای، ناظم آباد، کراچی، سندھ
اسلامی جمہوریہ پاکستان ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ
(اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ دانائی اور دل داری سے) النحل ۱۲۵

سُرورُ السُّرور

(مجموعۂ مواعظ)

ابن مسعودِ ملت
ابوالسرور محمد مسرور احمد

دارۂ مسعودیہ، ۲/۶، ۵-ای، ناظم آباد، کراچی
اسلامی جمہوریۂ پاکستان
۱۴۲۰ھ / ۲۰۰۰ء

علیہ الرحمہ

مقام حضرت مجدد الف ثانی
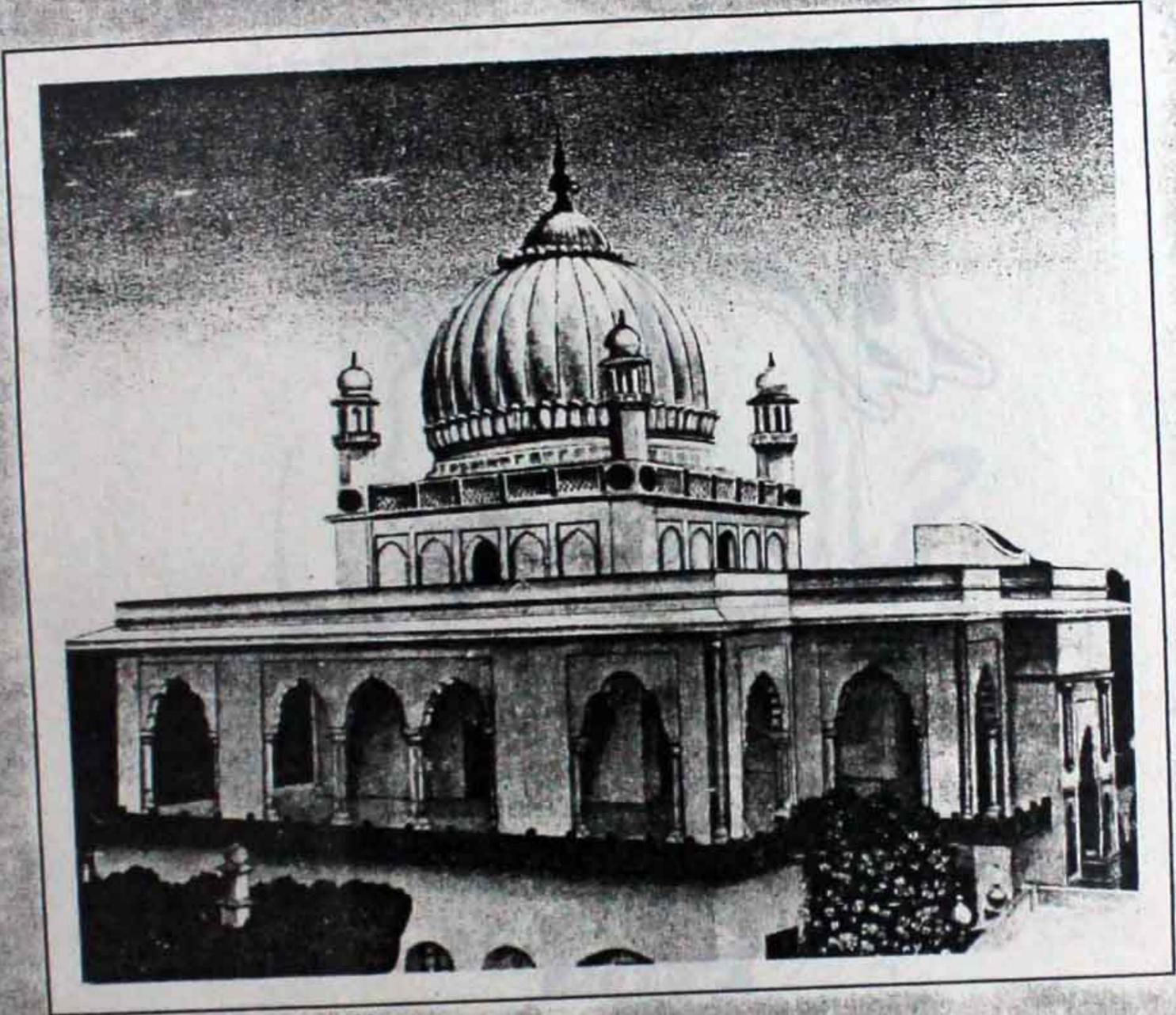
مرتبہ

ابوالسرور محمد مسرور احمد نقشبندی مجددی

ادارہ مسعودیہ، ۶/۲، ۵-ای، ناظم آباد، کراچی
اسلامی، جمہوریہ پاکستان

(۲۸ صفر المظفر ۱۴۲۱ھ)

فاتبعونی یحببکم اللہ

مجددِ الفِ ثانی، امام احمد رضا

اور

حضراتِ نقشبندیہ

• پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
• ابو السرور محمد مسرور احمد

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا (رجسٹرڈ) پاکستان
کراچی — اسلام آباد

وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۝

(اور اپنے رب کی بندگی کرو اور بھلے کام کرو اس اُمید پر کہ چھٹکارا ہو) حج : ۷۷

تحقیق الحق

۱۳۴۶ھ — ۱۹۲۷ء

مسئلہ ایصال ثواب پر تاریخی دستاویزات و تصدیقات

مُرتبہ

ابُوالسرور محمد مسرور احمد

ادارہ مسعودیہ ۲/۶، ۵۔ای، ناظم آباد، کراچی
اِسلامی جمہوریہ پاکستان

۱۴۲۱ھ ——— ۲۰۰۰ء

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن، ۶۰)
(اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا)

خزینۃ الخیرات

امام اہلسنت، شیخ الاسلام حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ
رحمۃ اللہ علیہ، شاہی امام مسجد جامع فتحپوری، دہلی

مرتبہ
ابو السرور محمد مسرور احمد

ادارہ مسعودیہ، ۶/۲، ۵۔ای، ناظم آباد، کراچی، سندھ
اسلامی جمہوریہ پاکستان
۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۰ء

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

(بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی پر اے ایمان والو ان پر درود اور خوب سلام بھیجو) احزاب، ۵۶

عہدِ نبوی میں نعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مرتبہ

ابوالسرور محمد مسرور احمد

ادارۂ مسعودیہ

۲/۶، ۵-ای، ناظم آباد، کراچی

اسلامی جمہوریہ پاکستان

سلسلہ نمبر 10

چانئل سجانئل

مرتب: ابن مسعود ملّت ابو السّرور محمّد مسرور احمد

سنڌيڪار

حافظ سخي محمد مهراڻ

شرڪت اسلاميہ

مُسلم منزل، حميد پوره ڪالوني نمبر 1، ميرپورخاص (سنڌ)

اسلامي جمهوريہ پاڪستان (1422هہ / 2001ع)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جانشینِ مسعودِ ملّت

مصنف

محمد عبدالستار طاہر مسعودی
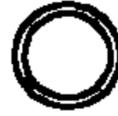
ادارۂ مظہر اسلام، لاہور
اسلامی جمہوریہ پاکستان

حرفِ اوّل

ابوالسرور محمد مسرور احمد

قرآن کریم انسان کی فکری دُنیا اور عملی دُنیا کو بنانے والا، تاریکیوں سے روشنیوں کی طرف لانے والا، فاصلوں کو گھٹانے والا اور سفید و سیاہ کو ملانے والا ہے ——قرآن کریم نے انسان کو تجربوں کی کلفت سے بے نیاز کر کے نتائج تک پہنچا دیا، یہ اس کا عظیم احسان ہے، ہم نے اس سے فائدہ نہیں اُٹھایا، ہم نے قرآن کو مذہب کے خانے میں ڈال کر الگ کر دیا —— افسوس ہم نے یہ کیا کیا! —— ہم نے اس کو علم کے خانوں میں تقسیم کر دیا، یہ ناقابلِ تقسیم ہے علم و دانش کے سارے خانے اسی کی روشنی سے روشن ہوئے ہیں —— یہ آفتاب ہے، یہ مہتاب ہے، یہ نُورٌ علیٰ نُور ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور نزولِ قرآن سے انسانی زندگی میں ہر طرف انقلاب آیا —— حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور قرآن نے ہم کو محبت میں لگایا، اب ہم فساد میں لگ گئے، تشدد کے حوالے سے اسلام کو پہچانا جانے لگا، قرآن میں بڑی کشش ہے، اس کی تلاوت سن کر مسلمانوں کے ہی نہیں غیر مسلموں کے دل بھی کھنچتے ہیں، یہ آفاقی کلام ہے، یہ اللہ کا کلام ہے —— ہمارے اسلاف قرآن پڑھتے بھی تھے اور اس پر عمل بھی کرتے تھے، ہم صرف باتیں بناتے ہیں، بہت کم ہیں جو پڑھتے ہیں، وہ جو عمل کرتے

ہیں وہ عنقا ہوتے جا رہے ہیں ـــــ وہ کتاب جو دنیا کی ہر سلطنت میں یاد کیے جانے کے لائق ہے ـــــ وہ خود مسلمان حکومتوں میں بھلا دی گئی، یہ دُنیا کی تاریخ خصوصاً مسلمانوں کی تاریخ کا بڑا المیہ ہے، ہمارے دانشور قرآنی علوم سے محروم ہیں، ہمارے حکمراں قرآن کریم سے بے خبر ہیں۔

ہم زندگی کے ہر شعبے میں یہود و نصاریٰ اور ہنود کی باتیں اور ادائیں اپنا رہے ہیں مگر نہ معلوم کیوں اسلام کی باتیں اچھی نہیں لگتیں ـــــ اللہ تعالیٰ ہم میں قومی غیرت اور حمیت پیدا کرے، یہ غیرت پیدا ہو جائے تو سب کام آسان ہو جائیں۔

ہمارا حال یہ ہو گیا ہے کہ ہم قرآن مجید کی عظمت کو غیر مسلموں کے اقوال کی روشنی میں جاننا چاہتے ہیں، کیسا عجیب اندازِ فکر ہے! قرآن کو خود قرآن و حدیث کی روشنی میں پڑھا جانا چاہیئے یا مسلمان مفکرین و مفسرین کی تحقیقات کی روشنی میں ـــــ دُنیا کے تقریباً ہر مذہب و ملت کے دانشوروں نے قرآن کریم کو پڑھا ہے اور اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، یہ خیالات خاص طور پر ان حضرات کی توجہ کے لائق ہیں جو قرآن کریم کو دوسروں کے حوالے سے جاننا چاہتے ہیں، ہم یہاں چند خیالات پیش کرتے ہیں!

① سر ولیم میور، "قرآن پاک کا کوئی جزو، کوئی فقرہ اور کوئی لفظ ایسا نہیں سنا گیا جس کو جمع کرنے والوں نے چھوڑ دیا ہو۔" [1]

② سر ولیم میور، "شاید دُنیا میں کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس کا متن قرآنِ پاک کی طرح تیرہ صدیوں تک اپنی اصلی حالت میں رہا ہو۔" [2]

③ ڈاکٹر سیل ، "قرآن انتہائی لطیف اور پاکیزہ زبان میں ہے ، اس کتاب سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی انسان اس کی مثل نہیں بنا سکتا ۔ یہ لازوال معجزہ ، مُردہ زندہ کرنے سے کہیں زیادہ ہے ۔" ۳ے

④ ایم ۔ کے ۔ گاندھی ، "میں نے تعلیمات قرآنی کا مطالعہ کیا ہے ، مجھے قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کرنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں ہے ۔ مجھے اس کی سب سے بڑی خوبی یہ نظر آئی ہے کہ یہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہے ۔" ۴ے

⑤ ڈاکٹر جانسن ، "قرآن کے مطالب لیے مناسب وقت اور عام فہم ہیں کہ دُنیا ان کو آسانی سے قبول کر سکتی ہے ۔" ۵ے

⑥ چارلس فرانس پورٹر ، "دُنیا کی کوئی کتاب اتنی نہیں پڑھی جاتی جتنا قرآن پڑھا جاتا ہے ۔" ۶ے

⑦ جرمنی شاعر و فلسفی ، گوئٹے ، "قرآن کی یہ حالت ہے کہ اس کی دلفریبی بتدریج فریفتہ کرتی ہے پھر متعجب کرتی ہے اور آخر میں ایک تحیر آمیز رقت میں ڈال دیتی ہے ۔" ۷ے

⑧ عمانویل ڈی اش ، "قرآن مجید مُردہ عقل اور علم کو زندہ کرتا ہے ۔" ۸ے

⑨ ہاروگ ہرش فیلڈ ، "ہم کو یہ دیکھ کر تعجب نہ کرنا چاہیئے کہ قرآن سائنسی علوم کا سرچشمہ ہے ۔" ۹ے

⑩ پروفیسر مارگولیوس ، "قرآن نے انسانی فکر و خیال کی نئی ہیئت کو جنم دیا اور ایک نئی قسم کی قومی خصوصیت پیدا کی ۔" ۱۰ے

(۱۱) ایل۔ وی۔ ورلری ، "قرآن میں عقل و دانش کا ایک ذخیرہ جمع ہے جس سے ہماری ذہین ترین شخصیات، عظیم ترین فلاسفر اور ماہر سیاستداں استفادہ کرسکتے ہیں۔" [۱۱]

(۱۲) ڈاکٹر مورس بوکائے ، "قرآن میں کوئی ایک بھی ایسی بات نہیں جس پر جدید سائنسی نقطۂ نگاہ سے اعتراضات کیے جاسکیں۔" [۱۲]

(۱۳) ڈاکٹر مورس بوکائے ، "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی معلومات کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے یہ بات ناقابل تصور معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کے بہت سے وہ بیانات جو سائنس سے متعلق ہیں کسی بشر کا کام ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات مکمل طور پر صحیح ہے کہ قرآن کو وحی آسمانی کا اظہار سمجھا جائے۔" [۱۳]

(۱۴) ڈاکٹر گستاؤلی بان ، "قرآن دلوں میں ایسا زندہ اور پُرجوش ایمان پیدا کرتا ہے کہ پھر کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی۔" [۱۴]

(۱۵) جرمنی فاضل، ایکم کی بولف، "قرآن نے صفائی، طہارت اور پاکیزگی کی وہ تعلیم دی ہے کہ اگر اُن پر عمل کیا جائے تو جراثیم امراض سب کے سب ہلاک ہوجائیں۔" [۱۵]

(۱۶) مسٹر بھوپندر ناتھ باسو ، "تیرہ سو برس کے بعد بھی قرآن کی تعلیمات کا اثر یہ ہے کہ ایک خاکروب بھی مسلمان ہونے کے بعد بڑے بڑے خاندانی مسلمانوں کی برابری کا دعویٰ کرسکتا ہے۔" [۱۶]

(۱۷) ایچ۔ جی۔ ویلز ، "قرآن نے مسلمانوں کو مؤاخات (اخوت) کے

بندھن میں باندھ رکھا ہے جو نسل، رنگ اور زبان کے پابند نہیں ہیں۔" [۱۷]

(۱۸) گارڈ فرے ہیگنس ، "قرآن غریبوں کا دوست اور غمخوار ہے اور سرمایہ داروں کی زیادتیوں کی ہر جگہ مذمت کرتا ہے۔" [۱۸]

(۱۹) پروفیسر ہربرٹ رانل ، "قرآن اخلاقی ہدایتوں اور دانائی کی باتوں سے بھرا ہُوا ہے اور قرآن نے عالم انسانیت کی زبردست اصلاح کی ہے۔" [۱۹]

(۲۰) پادری، وال ریس ڈلی ، "قرآن کا مذہب امن وسلامتی کا مذہب ہے۔" [۲۰]

(۲۱) کارلائل ، "قرآن کے احکام اس قدر عقل وحکمت کے مطابق واقع ہُوئے ہیں کہ اگر انسان انہیں چشم بصیرت سے دیکھے تو وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کر سکتا ہے۔" [۲۱]

(۲۲) ڈاکٹر سموئیل جانسن ، "قرآن میں مطالب اتنے نکھرے اور ہمہ گیر ہیں اور ہر زمانے کے لیے اس قدر موزوں ہیں کہ زمانے کی تمام صدائیں خواہ مخواہ اس کو قبول کر لیتی ہیں۔" [۲۲]

(۲۳) جان جاک ریک ، "قرآن نے ایک عظیم الشان نظام تہذیب و تمدن پیدا کیا۔" [۲۳]

(۲۴) ڈاکٹر برتھرینڈ ، "وہ لوگ جنہوں نے قرآن کی ہدایات اور احکام کو اپنایا ہے وہ ایسی تہذیب کے بانی ہوئے جو آج تک حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے۔" [۲۴]

(۲۵) ڈاکٹر سٹینلے لین پول ، "قرآن نے دنیا کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی اور اصول جہانبانی سکھائے۔" [۲۵]

(۲۶) ڈاکٹر راڈ ڈیل ، "اس کتاب کی تعلیم میں ایسے عناصر موجود ہیں جن کے ذریعہ زبردست اقوام اور فتوحات کرنے والی سلطنتیں بن سکتی ہیں" ۔ [۲۶]

(۲۷) نپولین ، "مجھے اُمید ہے کہ مَیں دُنیا کے تمام دانا اور باشعور لوگوں کو یکجا کر کے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ایک لاثانی نظام قائم کروں گا کیونکہ صرف یہی تعلیمات ہی انسان کو مسرتوں سے روشناس کر سکتی ہیں" ۔ [۲۷]

(۲۸) ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور ، "وہ وقت دُور نہیں جب کہ قرآن اپنی مسلمہ صداقتوں اور رُوحانی کرشموں سے سب کو اپنے اندر جذب کرے گا۔ وہ زمانہ بھی دُور نہیں جب اسلام ہندو مذہب پر غالب آجائے گا" ۔ [۲۸]

(۲۹) مسز سروجنی نائیڈو ، "قرآن شریف غیر مسلموں سے بے تعصبی اور رواداری سکھاتا ہے۔ اس کے اصول کی پیروی سے دُنیا خوشحال ہوسکتی ہے اور دُنیا کا آئندہ مذہب اسلام ہوگا" ۔ [۲۹]

(۳۰) سر ایڈورڈ ڈینی راس ، "قرآن شریف اس بات کا مستحق ہے کہ یورپ کے گوشے گوشے میں اسے پھیلایا جائے" ۔ [۳۰]

○

آپ نے قرآنِ کریم سے متعلق غیر مسلموں کے افکار و خیالات پڑھے ، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کی نظر میں قرآن حکیم صحیح اور سچا ہے ، بے مثل و بے نظیر ہے ، کسی انسان کی طاقت نہیں کہ ایسی ایک آیت بھی لکھ سکے ، اس کے مضامین فطرت کے عین مطابق ہیں ، یہ بہت آسان ہے ، اس کی تلاوت سے

انسان عجیب کیف و مستی کے عالم میں کھو جاتا ہے، یہ حیرت افزا بھی ہے عقل افزا بھی، ایمان افزا بھی ہے اور صحت افزا بھی، اس میں انسانی مساوات، انسانی اخوت اور غریب پروری کا سبق دیا گیا ہے ـــــ اس سے انسانیت کی اصلاح ہوئی، مذہب کے حوالے سے دُنیا میں امن و امان کا دَور دَورہ ہوا، ایک نیا دستورِ زندگی سامنے آیا اور ایک عظیم تہذیب و تمدن نے جنم لیا اور ایک عظیم حکومت قائم ہوئی ـــــ قرآنِ کریم کی مدد سے ہم آج بھی ایک عالمی حکومت قائم کر سکتے ہیں ـــــ قرآن سب کا ہے اور سب اسکے ہیں ـــــ قرآن اللہ کا کلام ہے اور سب اللہ کے بندے ہیں ـــــ بندگی کا تقاضا ہے کہ ہم اس کے ہر حکم کو مانیں اور اس سیدھے راستے پر چلیں جو قرآن حکیم نے ہم کو دکھایا اور اسی راستے پر چل کر ہم اپنی منزل کو پا سکتے ہیں۔

قرآن کریم پر اتنا کام ہوا ہے کہ دُنیا کی کسی کتاب پر اتنا کام نہیں ہوا۔ سَو سے کہیں زیادہ زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ مختلف زبانوں میں تفسیریں لکھی گئیں اور بہت سے مختلف پہلوؤں پر کام ہوئے ہیں ـــــ ماضی قریب ہی میں دو تین اہم کام ہوئے جو ہم سب کے لیے قابلِ توجہ ہیں مثلاً ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری کی انگریزی زبان میں تحقیقی کتاب[۲۲]، سید انور علی ایڈوکیٹ کی ضخیم انگریزی تفسیر[۲۳] ـ علماء و دانشور قرآنی علوم پر لکھتے رہے لکھ رہے ہیں اور لکھتے رہیں گے مگر اللہ کی باتیں کبھی ختم نہ ہوں گی ـــــ

پیشِ نظر تحقیق کی تقریب یہ ہوئی کہ فاضل مصنف والدی و مرشدی پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی نے مخدومی حضرت محمد عبداللہ جان دامت برکاتہم عالیہ (پشاور) کی تحریک پر عالمی شہرت یافتہ خطاط خورشید عالم گوہر رقم کے قلمی قرآن کریم "عجائب القرآن" پر مفصل مقدمہ لکھا۔ گوہر رقم نے یہ قرآن کریم تین سو سے زیادہ عربی رسم الخطوں میں لکھا ہے، جو حیرت ناک بھی ہے اور نادر روزگار بھی۔ اسی لیے اس کا نام "عجائب القرآن" ہے ـــــ اس کا وزن ایک ٹن سے زیادہ ہے۔ یہ قلمی نسخہ

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی (اسلام آباد) میں زائرین کے لیے رکھ دیا گیا ہے۔ یہ مقدمہ حضرت عبداللہ جان مدظلہ العالی کی تحریک پر لکھا گیا اور ان ہی کی تحریک پر شیخ صبور احمد (مینجنگ ڈائریکٹر کراچی کیمیکل انڈسٹریز، کراچی) نے پہلی بار ۱۹۸۶ء میں سرہند پبلی کیشنز، کراچی کی جانب سے کتابی صورت میں حضرت ممدوح کے تعاون سے شائع کیا ـــــ پاکستان میں اس کتاب کے دو ایڈیشن شائع ہوئے۔ ایک ایڈیشن ہندوستان سے بھی شائع ہوا ـــــ بحمداللہ علمی حلقوں میں اس کی بہت پذیرائی ہوئی ـــــ چنانچہ پاکستان کے فاضل جلیل پروفیسر مولانا منتخب الحق علیہ الرحمہ (صدر شعبہ معارف اسلامیہ کراچی یونیورسٹی کراچی) نے اس کتاب کو اپنے موضوع پر بہترین کتاب قرار دیا، یہ کتاب عرصہ دراز سے ناپید تھی، یہ شیخ صبور احمد صاحب نے اس کی اشاعت کا پھر بیڑا اٹھایا ہے، انھیں کے تعاون سے شیخ محمد احمد صاحب بھی اپنے والدین کے ایصال ثواب کے لیے سید غنی زہرہ بائی میموریل ٹرسٹ کراچی کی طرف سے ایک ایڈیشن شائع کرا رہے ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ دونوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین !

آخر میں ایک وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔ پہلے ایڈیشن میں "حرفِ اوّل" کے عنوان سے حضرت والدی و مرشدی پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی نے کتاب کی تحریک اور طباعت سے متعلق بعض تفصیلات تحریر فرمائی تھیں۔ اب آپ کے ارشاد کی تعمیل میں سابقہ تحریر کی جگہ یہ تحریر شامل کی گئی ہے ـــــ اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر نہایت اہم کتاب ہے، دوسری زبانوں میں بھی اس کے ترجمے ہونے چاہئیں، اُمید ہے کہ ناشر اس طرف توجہ فرمائیں گے ـــــ اللہ تعالیٰ ہم سب کی کوششوں کو مقبول و مشکور فرمائے۔ آمین !

۴, رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ

۴, جنوری ۱۹۹۸ء

احقر ابوالسرور محمد مسرور احمد غفرلہ الصمد

حوالے

۱ سیارہ ڈائجسٹ (لاہور)، قرآن نمبر، اپریل ۱۹۷۰ء (مقالہ خواجہ ظفر نظامی، قرآن مجید غیر مسلموں کی نظر میں)، ص ۳۶۹

(2) Islam the Religion of all Prophets, Karachi, 1982, Refference, life of Mohomet by Sir William Muir.

۳ سیارہ ڈائجسٹ (لاہور)، قرآن نمبر، ص ۳۷۲

۴ ایضاً، ص ۳۷۲ ۵ ایضاً، ص ۳۷۴

(6) Charles Francis Potter : The faith men live by, Kings Wood Surrey, 1955, p. 81

۷ سیارہ ڈائجسٹ (لاہور)، قرآن نمبر، ص ۳۷۳ ۸ ایضاً، ص ۳۷۴

(9) Hartwig Hirschfeld : New Researches into the Composition and Exegesis of the Qur'an, London, 1902, p. 9

(10) Rev. G. Margoliouth (In Introduction to the Qur'an by Rev J. M. Rodwell, London, 1918)

(11) Laura Veccia Varleiri : Apologie de l' Islamisme, pp. 57-59

(12) Dr. Maurice Bucailli : The Bible, the Qur'an and Science, p.15

۱۳ موریس بوکائے: بائبل، قرآن اور سائنس (ترجمہ اردو ثناء الحق صدیقی) مطبوعہ کراچی، ۱۹۹۳ء، ص ۴۰۲

۱۴؎ سیارہ ڈائجسٹ (لاہور)، قرآن نمبر، ص ۳۷۴
۱۵؎ ایضاً، ص ۳۷۰ ۱۶؎ ایضاً، ص ۳۷۶ ۱۷؎ ایضاً، ص ۳۷۵
۱۸؎ ایضاً، ص ۳۷۵ ۱۹؎ ایضاً، ص ۳۷۱ ۲۰؎ ایضاً، ص ۳۷۵
۲۱؎ ایضاً، ص ۳۷۳ ۲۲؎ ایضاً، ص ۳۷۱ ۲۳؎ ایضاً، ص ۳۷۷

(24) Dr. Berthe̤rand : Contribution des Arabes au progress des Sciences Medicales, Paris, 1883, p. 6

۲۵؎ سیارہ ڈائجسٹ (لاہور)، قرآن نمبر، ص ۳۷۲ ۲۶؎ ایضاً، ص ۳۷۲
۲۷؎ ایضاً، ص ۳۷۱ ۲۸؎ ایضاً، ص ۳۷۲ ۲۹؎ ایضاً، ص ۳۷۳
۳۰؎ ایضاً، ص ۳۷۶

(31) The Quranic Foundation and Structure of Muslim Society, vols. I, II, Karachi, 1973

(32) Quran the Fundamental law of human life, Hamdard Foundation, Karachi.

نوٹ :۔ اس تفسیر کی پہلی جلد ۱۹۸۲ء میں سید پبلیکیشنز کراچی نے شائع کی تھی۔ اَب یہ تفسیر ہمدرد فاؤنڈیشن کراچی شائع کر رہا ہے۔ اَب تک (۹۷-۱۹۹۶ء) اس کی تیرہ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

مسرور

چند خصوصی دعائیں :

والدین اپنی اولاد کے لئے قدم قدم خیر و عافیت کے آرزومند ہوتے ہیں----ان کے دل میں ہر آن اپنے جگر کے ٹکڑوں کی صحت و سلامتی، کامیابی و کامرانی کی طلب ہوتی ہے- قبلہ والد صاحب کے مکاتیب میں جہاں کہیں صاحبزادہ صاحب کا ذکر ہوا ہے، فطری تڑپ لب ہونٹوں سے وا ہوئی- ان خصوصی دعاؤں کو یہاں پیش کر رہا ہوں :

(۱) اس کے لئے دعا کریں کہ سعادت مند اور متبع سنتِ سنیہ ہو[۱]

(۲) اللہ تعالیٰ بچوں کو سعادت مند بنائے اور اپنے حفظ و اماں میں رکھے[۲]

(۳) مولیٰ تعالیٰ ان کو دونوں جہاں میں سرفرازی عطا فرمائے- آمین![۳]

(۴) اللہ تعالیٰ اپنے حفظ و اماں میں رکھے- آمین![۴]

(۵) اللہ تعالیٰ دارین میں اپنے انعامات سے نوازے- آمین![۵]

(۶) مولیٰ تعالیٰ ان کو دین پر استقامت عطا فرمائے اور علومِ دینیہ سے بھی سرفراز فرمائے- آمین![۶]

(۷) مولیٰ تعالیٰ جد امجد کے نقشِ قدم پر استقامت عطا فرمائے- آمین![۷]

(۸) مولیٰ تعالیٰ ان کو جد امجد علیہ الرحمہ کا سچا جانشین بنائے اور اپنی طرف متوجہ رکھے- آمین![۸]

۱- مکتوب محررہ ۲۵ جنوری ۱۹۷۱ء از ٹنڈو محمد خان، سندھ بنام مولانا تاج محمد مظہر صدیقی، پشاور
۲- مکتوب محررہ ۱۳ جون ۱۹۷۲ء از ٹنڈو محمد خان، سندھ بنام مولانا تاج محمد مظہر صدیقی، پشاور
۳- مکتوب محررہ ۱۴ دسمبر ۱۹۹۱ء از سکھر بنام مولانا اقبال احمد اختر القادری، کراچی
۴- مکتوب محررہ ۲۰ دسمبر ۱۹۸۱ء از ٹھٹھہ بنام پروفیسر فیاض کاوش، میرپور خاص
۵- (الف) مکتوب محررہ ۲۹ جون ۱۹۹۴ء از کراچی بنام پروفیسر فیاض کاوش، میرپور خاص
(ب) مکتوب محررہ ۱۰ مارچ ۱۹۹۳ء از کراچی بنام پروفیسر سرور شفقت، حسن ابدال
۶- (الف) مکتوب محررہ ۱۳ جولائی ۱۹۹۲ء از کراچی بنام شیخ محمد عارف قادری ضیائی، مدینہ منورہ
(ب) مکتوب محررہ ۷ جون ۱۹۹۲ء از کراچی بنام صوبیدار نبی شاہ، صوبہ سرحد
۷- مکتوب محررہ ۱۴ دسمبر ۱۹۹۱ء از سکھر بنام مولانا محمد یونس بازی مظہری، کراچی
۸- مکتوب محررہ ۴ جون ۱۹۹۲ء از کراچی بنام حکیم محمد عاقل چشتی مظہری، دھام پور، بجنور

(۹) اللہ تعالیٰ سنت پر استقامت عطا فرمائے۔ آمین![1]

(۱۰) اللہ تعالیٰ مسلک اہلِ سنت پر قائم رکھے اور اتباعِ سنتِ نبوی ﷺ کا ذوق و شوق عطا فرمائے۔[2]

(۱۱) مولیٰ تعالیٰ یونیورسٹی کے ماحول میں شریعت پر ثابت قدم رکھے۔ آمین![3]

(۱۲) بس اس کریم کے فضل پر یقین ہے، انشاءاللہ ان کے لئے بہتری ہی ہوگی۔[4]

(۱۳) ماشاءاللہ شریعت پر قائم ہیں، اللہ تعالیٰ قائم ہی رکھے۔ آمین![5]

(۱۴) اللہ تعالیٰ اس شادی کو ہم سب کے لئے مبارک فرمائے۔ آمین![6]

(۱۵) اللہ تعالیٰ دونوں کو دارین میں خوش و خرم رکھے۔ آمین![7]

(۱۶) مولیٰ تعالیٰ اس نئے گھر کو شاد آباد رکھے۔ آمین!

ڈاکٹر مسعود احمد کا شخصیتی جائزہ

ڈاکٹر مسعود احمد کی سیرت کا نمایاں وصف شریعت مطہرہ کی پابندی ہے آپ کی ظاہری شخصیت میں بھی اس کا رنگ جھلکتا ہے باشرع اور باوضع انسان ہیں آپ سب سے ملتے ہیں اور سب کو ملاتے ہیں جو بھی آپ سے ملتا ہے وہ آپ کی خوبیوں اور حسن اخلاق سے متاثر ضرور نظر آتا ہے۔ خط و کتابت کے ذریعہ بیرون ملک کے احباب کو بھی قریب کر لیتے ہیں چنانچہ پاکستان، ہندوستان، افغانستان، سعودی عرب،

۱- مکتوب محررہ کیم فروری ۱۹۹۱ء از سکھر بنام نواب زادہ صلاح الدین محشر اسلام آباد

۲- مکتوب محررہ ۲۸ جون ۱۹۹۴ء از کراچی بنام ڈاکٹر نور محمد ربانی، مدینہ منورہ

۳- مکتوب محررہ ۷ جنوری ۱۹۹۳ء از کراچی بنام ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد، دہلی

۴- مکتوب محررہ ۳ مارچ ۱۹۹۲ء از کراچی بنام پروفیسر سرور شفقت، حسن ابدال

۵- مکتوب محررہ ۱۵ اگست ۱۹۹۸ء از کراچی بنام سکندر علی، مٹھی، سندھ،

۶- مکتوب محررہ ۱۱ ستمبر ۱۹۹۸ء از کراچی بنام پروفیسر فیاض کاوش، میرپور خاص سندھ

۷- مکتوب محررہ ۲۰ ستمبر ۱۹۹۷ء از کراچی بنام بیگم عابدہ ڈاکٹر رضوان اللہ، علی گڑھ

لبنان، ترکی، جرمنی، فرانس، ہالینڈ، انگلینڈ، امریکہ، کینیڈا وغیرہ میں آپ کے احباب خاصی تعداد میں پائے جاتے ہیں مختصر یہ کہ ڈاکٹر مسعود احمد اعلیٰ پایہ کے محقق غیر جانبدار تنقید نگار، بلند پایہ ادیب، باکردار انسان، دیندار مسلمان اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حامل وہ نابغۂ روزگار شخصیت ہیں جن پر جا طور پر فخر کیا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ مقام اپنی علمی لگن، انتھک محنت، کردار کی پاکیزگی، حسن نیت، خلوص عمل والد بزرگوار اور بزرگوں کی دعاؤں اور ان کے روحانی فیض کی بدولت حاصل کیا ہے۔ ۲۰ سال مختلف کالجوں کے پرنسپل کے منصب عظیم اور ایڈیشنل سکریٹری تعلیمات حکومت سندھ کے عہدے پر فائز ہونے کے بعد ڈاکٹر صاحب نہایت باعزت پر وقار طریقے سے زندگی گزار کر ۱۹۹۲ء میں اپنی ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔ دوران ملازمت اپنے تدریسی فرائض علمی، مشاغل انتظامی، مصروفیات، افسرانہ ذمہ داری، غرض کی زندگی کے ہر پہلو پر اطاعت الٰہی اور عشق مصطفیٰ ﷺ کا جذبہ ہر حال میں غالب رہا ان حالات میں اور اس ماحول میں آپ کا نعم البدل ملنا بڑا ہی مشکل ہے۔

ملازمت کے دوران افسروں کی عزت ہوتی ہے مگر نہ اتنی کہ گورنر، وزیر اور افسران بالا بھی عزت کریں۔ ڈاکٹر مسعود احمد کی سب ہی نے عزت کی۔ جس کالج میں رہے وہاں کے افسروں اور ملازموں نے یاد رکھا بلکہ غریب ملازم تو اب بھی آتے جاتے ہیں۔

ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے ہی دفتر میں کسی افسر کو کوئی پوچھتا تک نہیں مگر ڈاکٹر مسعود احمد کی تعظیم و تکریم میں ذرا فرق نہ آیا۔ ریٹائرمنٹ سے افسران گھبراتے ہیں مگر ڈاکٹر مسعود نے ریٹائرمنٹ کو خوش دلی سے خوش آمدید کہا اور علمی کاموں میں ایسے مصروف ہوگئے کہ شاید دورانِ ملازمت بھی کبھی ایسے مصروف نہ ہوئے ہوں گے![1]

۱۔ ڈاکٹر صاحب پر اللہ کا بڑا کرم ہے۔ مناسب ہوگا کہ انعامات الٰہیہ کا مجملاً ذکر کر دیا جائے۔

۱۔ حضرت بدر المشائخ فضل الرحمٰن مجددی علیہ الرحمہ نے ایک محفل میں سیاہ جبہ شریف اپنے دست مبارک سے پہنایا اور ایک قیمتی تسبیح عنایت فرمائی۔

۲۔ سجادہ نشیں خانقاہ رضویہ بریلی شریف حضرت سبحان رضا خاں مدظلہ نے روضۂ رسول علیہ التحیہ والتسلیم سے لائی ہوئی ایک چادر شریف عطا فرمائی۔

۳۔ شیخ محمد عارف قادری ضیائی (مدینہ منورہ) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریف کا پرانا سوئچ بورڈ، گنبد خضرا کی دست ن چادر مبارک چینٹ کے ٹکڑے عطا فرمائے اور خاص عملیات کی اجازت دی۔

۴۔ حکیم سید اکرام حسین سیکری چشتی نے خاندانی عملیات کی اجازت دی۔

۵۔ ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے ریاض الجنۃ (مسجد نبوی شریف) کے فرش کے اندر کی مٹی عنایت فرمائی۔

۶۔ جناب محبوب احمد رضوی نے بیت اللہ شریف کی جیادوں سے نکلنے والے قیمتی کنکریوں میں سے عقیق کا ایک پتھر عطا فرمایا۔

۷۔ جناب رشید ہ حکم صاحب نے قرآن کریم کا ایک قدیم خوب صورت قلمی نسخہ عطا فرمایا۔

۸۔ قاضی محمد صادق مدظلہ (آکھار، آزاد کشمیر) نے دلائل الخیرات شریف کی اجازت مرحمت فرمائی۔

۹۔ وکیل الازہر (جامعہ ازہر شریف، قاہرہ) فضیلۃ الشیخ محمود عاشور نے قرآن حکیم کا خوبصورت نسخہ عطا فرمایا۔ ڈاکٹر مسعود احمد صاحب پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ مشائخ کرام کو معتقدین نذر پیش کرتے ہیں مگر مشائخ کرام خود ڈاکٹر صاحب کو نذر پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کئی اداروں کے سرپرست ہیں مثلاً ادارۂ تحقیق امام احمد رضا، کراچی، ادارہ مسعودیہ کراچی، بزم ارباب طریقت، کراچی، شرکت وسلامیہ۔ میرپور خاص (سندھ۔پاکستان) وغیرہ وغیرہ۔ ۱۰۔امریکہ میں زین العابدین حکیم ویب سائٹ بنا رہے ہیں اس میں ایک سیکشن ڈاکٹر مسعود احمد کی کتابوں کے لیے بھی رکھا ہے۔ویب سائٹ نمبر یہ ہے :

www.sunnirazvi.org

۱۱۔امریکہ ہی میں نقشبندی فاؤنڈیشن کے چیئرمین ڈاکٹر احمد مرزا نے ویب سائٹ بنائی ہے۔اس میں ڈاکٹر مسعود احمد انگریزی کتابیں ڈالی گئی ہیں۔ ۱۲۔ادارہ مسعودیہ، کراچی، ویب سائٹ بنا رہا ہے جس میں ڈاکٹر مسعود احمد کے حالات اور علمی آثار ڈالے جا رہے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد سے رابطے کے ذرائع مندرجہ ذیل ہیں :-

پتہ :- ۲/۱۷-سی، پی ای سی ایچ سوسائٹی، کراچی نمبر ۷۵۴۰۰

فون نمبر : 92-21-4552468

فیکس نمبر : 92-21-2561574، 92-21-4552468

ای-میل نمبر : lmaghar@sat.net.pk

ویب سائٹ نمبر : www.idaraeMasudiatripod. com

مناقب

ملک وبیرون کے بہت سے فضلاء نے ڈاکٹر مسعود احمد کو اپنی اپنی منقبتوں میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ یہاں چند منقبتیں پیش کی جا رہی ہیں۔

مسعود ملت

(علامہ بدر القادری، ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی، ھیگ، ہالینڈ)

آرہا ہے لبِ خامہ پہ بیانِ مسعود
دل ہوا آج را مائل شان مسعود

عظمتِ دیں بنی شوکتِ تاریخ سلف
ہے وسیع اور گراں مایہ جہانِ مسعود

ریت کے ڈھیر سے چن چن کے نکالے موتی
بنی 'تاریخ رضا' گوہر کانِ مسعود

جب بھی تاریخ رضا لکھنے کو اٹھے گا کوئی
راہ دکھلائے گا ہر اک کو نشان مسعود

مفتیٔ اعظم دہلی کا مبارک فرزند
برگزیدہ ہو جہاں میں تری جان مسعود

تو نے صیقل کیا آئینہ رضویت کو
شک شکن، ریب ربا تیرا بیانِ مسعود

کاش ملت کے جوانوں کا بنے سنگِ میل
بدرؔ عمل گاہ میں ہر نقش و نشانِ مسعود

۲۹ جون ۱۹۹۳ء

ہالینڈ

مناقب

حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ برد اللہ مضجعہ، فرزند دلبند،

عالم ارجمند، مالکِ عزم بلند ڈاکٹر میاں محمد مسعود احمد صاحب طول عمرہ

(جناب مسلم احمد چشتی مظہری)

مظہری شان مجسم ہو تو مسعود ہے وہ
للہ الحمد کہ دارین میں محمود ہے وہ

اپنے دامن میں لئے علم کا بحر زخار
دائرے میں کرم خاص کے محدود ہے وہ

فتنۂ نجد کو ملتی ہی نہیں راہِ فرار
عالم خوف میں کہتا ہے کہ "موجود ہے وہ!"

کون کہتا ہے علم سے ہوئی خالی دنیا
دیکھ لو آج بھی ایک عالم موعود ہے وہ

علم کو ڈھال کے سانچے میں عمل کے وہ اٹھا
کہیں شاہد ہے بظاہر کہیں مشہود ہے وہ

حب احمد کی فضاؤں میں ثنا خوان رسول
کون کہہ سکتا ہے اس دنیا میں مفقود ہے وہ

عطیۂ عظمت دارین لئے دامن میں
حق کے دربار میں جی جان سے مسجود ہے وہ

حقیر فقیر مسلم احمد عفی عنہ

۱۹ر شوال المکرّم ۱۴۰۳ھ

نذرِ عقیدت

بحضرۃ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد مد ظلہ

آفتابِ علم و حکمت حضرتِ مسعود ہیں مصدر فہم و فراست حضرتِ مسعود ہیں

گوہر کانِ فصاحت حضرت مسعود ہیں حاصل گنج بلاغت حضرتِ مسعود ہیں

رازدارِ حسنِ فطرت حضرتِ مسعود ہیں مظہر روح ثقافت حضرتِ مسعود ہیں

وہ معلم! وہ اتالیق معظم، ارجمند پیکر الطاف و شفقت حضرتِ مسعود ہیں

آپ ہیں خلق و مروت میں فقط اپنی مثال مستی صہبائے الفت حضرتِ مسعود ہیں

حضرت احمد رضا خان سے ارادت کے سبب دین وایماں کی حرارت حضرتِ مسعود ہیں

ہیں گلستانِ ادب کی اک بہار بے خزاں فکروفن کی شان وشوکت حضرتِ مسعود ہیں

دید روئے مصطفیٰ[۱] کی آپ کے دل میں تڑپ عاشقِ شمعِ رسالت حضرتِ مسعود ہیں

علم کے موتی لٹاتے ہیں سا مہجوؔر آپ

صاحبِ لطف و عنایت حضرتِ مسعود ہیں

سپاس گزار

سید عارف محمود مہجوؔر رضوی

علی پورہ روڈ۔ گجرات (پنجاب)

[۱] صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم

بحضور مسعودِ ملت ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد نقشبندی مجددّی مد ظلہ العالی

(پروفیسر فیاض احمد خاں کاوشؔ مرحوم، صدر شعبۂ اردو، ایس اے ایل گورنمنٹ ڈگری کالج، میرپور خاص، سندھ)

حضرت مسعودِ ملت، افتخارِ سنیت
پیکرِ حسنِ عمل، سرمایۂ روحانیت

شخصیت ہے آپ کی علمِ طریقت کی کتاب
آپ ہیں گویا دبستانِ شریعت کا نصاب

آپ ہیں علم تصوّف کے وہ بحرِ بیکراں
آپ سے ہے نقشبندی فیض کا دریا رواں

آپ کا سایہ مریدوں پر ہے گویا سائباں
آپ کی محفل میں ہوتا ہے بہاروں کا سماں

آپ ہیں اسرارِ علمِ معرفت کے رازدار
آپ کے طرزِ طریقت کا شریعت پر مدار

آپ کی تلقین ہے اک جادۂ منزل نشاں
آپ کی تبلیغ ہے اک دفترِ حسنِ بیاں

بارشِ نورانیت ہم پر یونہی دائم رہے
آپ کی شفقت، محبت تاابد قائم رہے

شیخ احمد کے گلستاں کے گلِ تر آپ ہیں
کاوشِ خستہ کو غم کیا، بندہ پرور آپ ہیں

منقبت

(پروفیسر فیاض احمد خاں کاوش مرحوم، گورنمنٹ ایس-اے-ایل کالج، میرپورخاص (سندھ)

کیا تم کو بتائیں ہم، کیا کیا نظر آتا ہے
ہر سمت مجدد کا جلوہ نظر آتا ہے

سرھند میں مجدد کا روضہ ہے وہ سرچشمہ
دریا جہاں رحمت کا بہتا نظر آتا ہے

کیا خوب ہیں الفت کے اندازِ مسیحائی
مرنا غمِ جاناں میں جینا نظر آتا ہے

دہلی میں فتح پوری مسجد ہے وہ سرچشمہ
دریا جہاں رحمت کا بہتا نظر آتا ہے

اللہ رکھے قائم اس نقش کف پا کو
روشن میری منزل کا جادہ نظر آتا ہے

ہر بزم نشیں ان کا محبوب ہوا سب کا
اعجاز محبت کا جلوہ نظر آتا ہے

بکھرائے ہیں جو ہر سو انداز شریعت کے
ہر سمت طریقت کا رستا نظر آتا ہے

آنکھوں میں سمائے ہیں جلوے رخِ مظہر کے
وہ سامنے بیٹھے ہیں ایسا نظر آتا ہے

مسرور کے پیکر میں مسعود ہویدا ہیں
یہ مظہری نسبت کا جلوہ نظر آتا ہے

سب جمع ہیں فاروقی پرُ نور ہے یہ محفل
تشریف وہ لائے ہیں ایسا نظر آتا ہے

اک عالمِ دوراں کی محفل کا ہے یہ عالم
جذبات کا اک دریا اُمڈا نظر آتا ہے

کاوش کو ملے جنت چوکھٹ پہ جو دم نکلے
جاں دے کے بھی یہ سودا سستا نظر آتا ہے

قطعۂ تاریخ ورود مسعود حضرت پروفیسر محمد مسعود احمد مد ظلہ العالی

در سرزمین ھند (دھلی، اندور)

از نتیجہ فکر فقیر حقیر شمسی طہرانی[۱]

پاک سے ھند میں آئے ہیں جو مسعود احمد اے خوشا دامن دہلی میں ہے در مقصود

مالوہ! تیری زمین پر بھی ہوئی بارشِ نور دنگ اندور[۲] کی قسمت پہ ہوا چرخ کبود

اللہ اللہ رے دولت کدۂ عبد غنی[۳] شکر ہے اہل سلاسل ہیں یہاں موجود

بڑھ گئی آمد مسعود سے یوں عمر عزیز[۴] ہے آمنہ[۵] کے لئے امن و امان لامحدود

ھند و پاک آج ہیں حالات سے رنجیدہ تو کیا رنج امروز سے ہے راحت فردا کی نمود

خیر فردا میں ہے شمسی تو بقول ہاتف

ھند میں مظہر فردا ہے ورود مسعود

۵۹+۱۰۰+۱۱۴۵+۲۸۵+۱۵+۲۱۶+۱۸۰=۲۰۰۰ء

۱۔ پروفیسر سید ضیاء الدین ابوالکمال احمد کاظمی شمسی طہرانی چشتی قادری نقشبندی مظہری صدر شعبہ تقابل ادیان ڈائنا اوید گر نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف سوشل سوسائٹیز، اندور (مدھیہ پردیش، بھارت)

۲۔ شہر اندور (مدھیہ پردیش، بھارت) جہاں اپریل ۲۰۰۰ء میں ڈاکٹر محمد مسعود تشریف لے گئے۔

۳۔ شاہ عبدالغنی نقشبندی مجددی علیہ الرحمہ اندور کے مشہور نقشبندیہ بزرگ۔

۴۔ ڈاکٹر محمد مسعود کے بہنوئی جناب عبدالعزیز صدیقی نقشبندی

۵۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی ہمشیرہ محترمہ امینہ خانم مظہری

خلافت نامے

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں عرض کیا گیا کہ ملک اور بیرون ملک ڈاکٹر مسعود احمد کے بہت سے خلفاء ہیں۔ یہاں چند خلفاء کے اجازت نامے پیش کیے جاتے ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

محمد مسعود احمد

۲/۱۴-سی — پی ای سی ایچ سوسائٹی
کراچی (سندھ) کوڈ نمبر ۷۵۴۰۰

Tel. 4552468 — Fax: 92 - 21 - 2561574 — E-Mail: 786kci@cyber.net.pk

الحمد لله الذي خلق الإنسان في أحسن تقويم وعلمه ما لم يعلم والصلاة والسلام على حبيبه الكريم السيد الذي شُرّف بتشريف، وخلقه من نور، وعظمه حيثما بعثه برسالته إلى كافة الناس بشيراً ونذيراً، وعلى آله مراكز الأسرار الإلهية وأزواجه مخازن الأنوار المحمدية وأصحابه الأخيار وعلى جميع الأبرار عليهم الرحمة والرضوان من العزيز الغفار.

أما بعد ! فيقول الفقير محمد مسعود أحمد النقشبندي المجددي بن المفتي الأعظم الشاه محمد مظهر الله – عليه الرحمة- الإمام الملكي بالجامع الفتحبوري بدهلي – الهند-: أن الأخ الصالح البار المحقق ذي التصانيف الممتعة فضيلة الشيخ محمد بن عبد الله الرشيد الحنفي الحائلي حفظه الله من سائر البليات استجازني للدخول في السلسلة العلية النقشبندية المجددية مع اكرامه بالخلافة فيها فأجاز الفقير للفاضل الموصوف وأجازه الفقير المفتي محمد محمود الألوري وأجازه والده الماجد الشيخ محمد ركن الدين الألوري وأجازه فقيه الهند محمد مسعود الشاه المحدث الدهلوي – جد الفقير- وأجازه سراج السالكين السيد إمام علي شاه المكان شريفي – عليه الرحمة- وبعد ذلك تتصل سلسلة الموصوف بسبع وسائط بالعروة الوثقى.

الخواجة محمد معصوم نجل الإمام الرباني والمجدد للألف الثاني الموحد الكامل عامل السنة والجماعة الشيخ الإمام أحمد الفاروقي السرهندي رحمهم الله رحمةً واسعةً.

والفقيرُ يجيز الفاضلَ الموصوفَ – فضلاً على ذلك – قراءة الحصن الحصين الشريف- للإمام الجزري رحمه الله – كما أكرمني على اجازتها فضيلة والدي الماجد المفتي الأعظم الشاه محمد مظهر الله الدهلوي والفقير يدعو الله سبحانه وتعالى أن يرزق الفاضل الجليل محمد بن عبد الله الرشيد الحنفي الحائلي الثبات والاستقامة على السنة النبوية المطهرة وأن يمن عليه بخدمة مذهب جمهرة أهل السنة والجماعة وأن يبعثه يوم القيامة في عباده المقبولين بجاه سيد المرسلين رحمة للعالمين صلى الله عليه وعلى آله وصحبه أجمعين وسلم.

الدكتور محمد مسعود أحمد

٢/ ربيع الثاني ١٤٢١هـ

الموافق لـ ٥- يوليو ٢٠٠٠ الميلادية

احقر محمد مسعود عفی عنہ

۱۲ جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

الحمد لله الذي خلق الإنسان في أحسن تقويم ، الذي علمه البيان وعلم الإنسان ما لم يعلم والصلاة والسلام على حبيبه الكريم الذي خلقه قبل كل شئ من نوره ثم خلق الخلق كلـه من نوره صلى الله عليه وسلم وعلى آله العظام وأزواجه الطاهرات وأصحابـه الكـرام الذين أيدوا ونصروا الملة الإسلامية وعلموا السير على السنة السنية .

أما بعد : يقول العبد الفقير محمد مسعود أحمد النقشبندي المجددي القادري بن المفتي محمد مظهر الله عليه الرحمة والرضوان إمام وخطيب جامع الفتحوري في دلهي : إن أخي العزيـز العلامة محمد ذاكر الله زيد مجده لم يزل يختلف إلي منذ فترة طويلة ، فوجدته خلال هـذه الفترة ملتزما بالشريعة ومخلصا ومحسنا وأحسست فيه بموهبة إرشاد النـاس إلى الله وعـز وجل وأنا حاضر في البلدة المباركة ، المدينة المنورة بالإشارة الغيبيـة أمنحـه الإجـازة والخلافة للسلسلة العالية النقشبندية المجددية وهذه النسبة قد حصلت لي من والدي الماجد رحمه الله تعالى كما أمنحه إجازة الحصن الحصين والعمليات التي حصلت لي من والـدي رحمه الله تعالى كما أمنحه إجازة دلائل الخيرات التي حصلت لي من الخواجة محمد صـادق دامت بركاتهم العالية (أزاد كشمير) كما أمنحه إجازة العمليات التي حصلت لي مـن زين العابدين الشاه القادري رحمه الله تعالى وادعو الله أن يوفقه لارواء عطش طالبي العلـم والمعرفة ويرشد الناس باقيا على السنة النبوية السنية إلى الله تعالى ، آمين بجاه سيد المرسلين خاتم النبيين وعلى آله وأزواجه وصحبه الصلاة والسلام . احقر محمد مسعود

أحقر محمد مسعود أحمد

١٩ رمضان المبارك سنة ١٤٢١هـ

نزيل المدينة المنورة

١٥ / ١٢ / ٢٠٠٠ م

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

سند اجازت و خلافت بنام شیخ الحدیث علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری، لاہور

الحمد للہ الذی خلق الانسان فی احسن تقویم و الصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الذی جعلہ اللہ تعالیٰ رحمۃ للعالمین و خاتم النبیین و علی آلہ وأزواجہ وأصحابہ الذین أنعم اللہ علیھم بالإیمان والإیقان و علیٰ اولیاء الذین جعلھم اللہ تعالی نجوم الھدایۃ والعرفان۔

اما بعد! فقیر سراپا تقصیر محمد مسعود احمد نقشبندی مجددی ابن مفتی اعظم الشاہ محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی قدس اللہ سرہ العزیز امام و خطیب مسجد جامع فتحپوری، دہلی می گوید: محسن اہل سنت علامہ مفتی محمد عبد الحکیم شرف قادری أوصلہ اللہ تعالیٰ إلیٰ غایۃ ما یتمناہ در سلسلۂ عالیہ قادریہ از مفتی اعظم پاکستان شیخ الحدیث علامہ ابو البرکات سید احمد قادری، خلیفہ اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان محدث بریلوی (رحمہما اللہ تعالیٰ) بیعت نمودہ و در ہمیں سلسلہ از علامہ محمد ریحان رضا خاں قادری نبیرۂ اعلیٰ حضرت (رحمہما اللہ تعالیٰ) اجازت و خلافت حاصل کردہ است۔

مشار الیہ سالہا بفقیر نشست و برخاست کردہ در خدمت دین متین و تصنیف و تدریس علوم دینیہ مصروف و مشغوف بودہ گوے سبقت ربودہ---- خدمات عالیہ ایشاں معروف و مقبول و مشکور اند و در مصنفین و مدرسین اہل سنت و جماعت امتیاز خاص دارند۔

فقیر برائے ہدایت طالبان، مشار الیہ را در سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ اجازت و خلافت دادم و نیز عملیات مخصوصہ خانوادۂ مظہریہ و دلائل الخیرات شریف و حصن حصین شریف را اجازت دادم۔

فقیر ہیچمداں برائے خاطر عاطر فاضل ممدوح چند معروضات پیش می کنم۔ او تعالیٰ در خیال نمی گنجد، البتہ محبت و یاد او در دل مومن می گنجد---- دل را از این و آں خالی دارند تا او تعالیٰ دل را جلوہ

گاہِ خود سازد----از ہمہ گسستہ باو تعالیٰ پیوستہ باشند---- حواس ظاہری و باطنی بر ضائے او تعالیٰ سپردہ فارغ باشند و در کار مصروف----بندہ راز مولیٰ تعالیٰ غافل بودن قیامت است----او تعالیٰ وعدۂ رزق فرمودہ است، گاہے بوسیلۂ بندگاں می دہد و گاہے بلاواسطہ بدہد و خوب می دہد----گاہے بصورت ایلام انعام می فرماید---- نظر باو تعالیٰ کردہ از ایلام لذت باید گرفت----در ظاہر و باطن سنت سنیہ رابایں طور لازم گیرند کہ تکلف از میاں برخیزد و حقیقت نصیب جاں شود----سنت نبویہ علی صاحبہاالصلوٰۃوالسلام قوت عظیم الشان است۔

علم بحرِ بے کران است---- ماوراء علم کتابی' علمے است کہ او تعالیٰ از کرم خاص عطا فرماید-----ایں علم از کمال اخلاص بر دل می ریزد واز زبان می خیزد---- مولائے کریم جل شانہ'ایں علم رانصیب جانِ مشارالیہ گرداناد----!

. از حاسداں دل گرفتہ نہ باشند---- محبوب را محسود گردانند و بایں طور از عطاہائے خاصہ می نوازند---- حسد حاسداں ہم نعمت است، بل واسطۂ ترقیات فراوان است----حاسداں راہم محبوب باید دانست و برارشاد ربانی ادفع بالتی ھی احسن عمل باید کرد---- لاریب حسن سلوک بہ بدخواہان خود سنت محبوب رب العالمین است، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم۔

فقیر دعامی کنم کہ او تعالیٰ فاضل ممدوح راازنعمتہائے خاصۂ خود بنوازد و فیضان علمی و روحانی ایشاں جاری وساری داراد----آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وازواجہ واصحابہ واولیاء امتہٖ وسلم۔

۱۷ر صفر المظفر ۱۴۲۰ھ

۲ر جون ۱۹۹۹ء

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

کراچی (سندھ)

(اسلامی جمہوریہ پاکستان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

سند اجازت و خلافت بنام علامہ مفتی محمد جان مجددی نعیمی، مہتمم و شیخ الحدیث دار العلوم، مجددیہ نعیمیہ، کراچی

الحمد للہ الذی خلق الانسان علمہ البیان و علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم الذی ارسلہ اللہ تعالیٰ کافۃ للناس بشیرا و نذیرا و علیٰ اصحابہ الکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضواعنہ، علیٰ اولیاء الکاملین لاخوف علیھم ولاھم یحزنون ---- امابعد فقیر سراپا تقصیر محمد مسعود احمد نقشبندی مجددی ابن مفتی اعظم الشاہ محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز امام شاہی مسجد فتح پوری، دھلی می گوید اخی الکریم محبی و مخلصی علامہ مفتی محمد جان مجددی نعیمی وام لطفہ ابن حضرت مفتی اعظم سندھ علامہ مفتی محمد عبداللہ مجددی نعیمی قدس سرہ العزیز مہتمم دار العلوم مجددیہ نعیمیہ (کراچی-پاکستان) سالہا بفقیر حقیر نشست وبر خواست کردہ، فقیر در فاضل ممدوح آثار رشد و ہدایت مشاہدہ نمودہ اجازت سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ دادم و نیز اجازت عملیات مخصوصہ مظہریہ، دلائل الخیرات شریف و حصن حصین شریف ہم دادم- فقیر چند کلمات خاطر عاطر مشار الیہ گزارش می کنم ماموں اینہا را در دل نگہدارند-

او تعالیٰ در خیال نمی گنجد و در دل می گنجد ---- دل را از این و آں خالی دارند تا او تعالیٰ جلوہ گر گردد- ہموارہ از خلق دامن کشیدہ خالق و مالک پیوستہ باشند تا از آفات و بلیات محفوظ و مصؤن باشند- متوکلا علی اللہ خود را در کار مصروف دارند---- او خالق است، او رازق است، او رحیم است، او رحمن است ----- الحمد للہ کار آسان است ---- اتباع سنت سنیہ در ظاہر و باطن لازم گیرند، سنت قوت عظیم الشان است، از مواظبت سنت نبویہ علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام انسان ضعیف البنیان در ظاہر و باطن قوی گردد---- اخلاص روح اعمال است، از اخلاص اعمال زندگی یابد و ترقی می کنند الیہ یصعد کلمۃ الطیب والعمل الصالح یرفعہ-

از حاسداں و بداندیشاں ہر گز پریشاں خاطر نشوند---- حسد، حاسداں را پریشاں می کند و محسود را

۱- جہان مسعود ص ۲۱۱ از آر بی مظہری

محبوب سازد --- صابر وشاکر باشند، از انعامات الہیہ ہموارہ مشرف باشند ---- دار العلوم مجددیہ نعیمیہ چشمۂ علم و حکمت است کہ ہزاراں ہزار مستفیدین و فارغین در اکناف عالم در خدمات دینیہ مصروف و مشغوف اند۔ منعم حقیقی این چشمۂ فیض را جاری وساری دارادو مرکز شریعت وطریقت گرداناد۔ آمین!

۱۷ صفر المظفر ۱۴۲۰ھ

۲/ جون ۱۹۹۹ء

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

رأس الحکمۃ مخافۃ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

سند اجازت و خلافت بنام ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد

شاہی امام مسجد فتح پوری' دہلی

الحمدللہ وحدہ' والصلوٰۃ والسلام علی من لانبی بعدہ'
و علی آلہ و ازواجہ و اصحابہ و سلم

امابعد۔ اعزی مولانا حافظ قاری دکتور مفتی محمد مکرم احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کہ صالحیت از چہرہ او ہویدا است در صحبت جدامجد خود عارفِ کامل، عالم باعمل مفتیٔ اعظم ہند حضرت شاہ محمد مظہر اللہ قدس سرہ العزیز تربیت یافتہ واز شرف بیعت مشرف شدہ باوج کمال رسیدہ۔ از جدامجد و والد ماجد خود مولانا حافظ قاری محمد احمد علیہما الرحمہ قرآن حکیم خواندہ و حفظ نمودہ۔ از مدرسہ عالیہ مسجد جامع فتح پوری، دہلی، از جدامجد خود علوم منقولہ و معقولہ تحصیل کردہ در نوزدہ سالگی باتمیاز خاص سند فراغت حاصل نمودہ۔ در علوم جدیدہ ہم سندہائے عالیہ دارد۔ در مدرسہ عالیہ مذکورہ دوازدہ سال مشق فتویٰ نویسی ہم رسانیدہ اجازت فتویٰ نویسی گرفتہ بر مسند افتاء نشست۔ وبعد از وفات والد ماجد خود بر منصب امامت و خطابت مسجد جامع فتح پوری، دہلی ہم فائز گشت واز شیخ کامل حضرت سید عبدالغنی شاہ قدس سرہ العزیز اجازت بیعت و خلافت در چہار سلاسل ہم گرفتہ۔ چوں ازیں چندیں نعمتہا سرفراز شدہ رجوع بفقیر آورد فقیر ہم اجازت و خلافت سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مسعودیہ می دہد و امید وار است کہ بر جادۂ شریعت و طریقت استقامت ورزند و طالبان شریعت و سالکان طریقت را بموعظت و حکمت ہدایت وارشاد نمایند۔ در قول، عمل و ظاہر و باطن شریعت را نگاہ دارند کہ لذت قول و عمل در اتباع سنت سنیہ است۔ و بزرگان خود را ادب ملحوظ دارند و عجز و انکسار طریقۂ خود انگارند کہ افتقار اہل طریقت را موجب افتخار است۔

اللھم ارزقنی حبك و حب من ینفعنی حبہ اللھم فکما رزقتنی مما احب فاجعلہ قوۃ لی فیما تحب اللھم وما زویت عنی مما احب فاجعلہ فراغالی فیما تحب.

۶/ ربیع الاوّل ۱۴۰۴ھ

۱۲ دسمبر ۱۹۸۳ء

یوم دو شنبہ

احقر محمد مسعود عفی عنہ

ٹھٹہ. سندھ. پاکستان

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

سند اجازت و خلافت بنام ڈاکٹر محمد سعید احمد علیہ الرحمہ (سجادہ نشین خانقاہ خواجہ باقی باللہ، دھلی)

الحمد اللہ الذی جعل قلوب العارفین شموس المھتدین والصلوۃ والسلام علی رسولہ خاتم النبیین و اصحابہ بدور الکاملین وازواجہ امھات المومنین و آلہ سرور المحبوبین امابعد اخی العزیز مولانا دکتور محمد سعید احمد سلمہ اللہ تعالیٰ سالہا در صحبت والد گرامی عارف باللہ حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر قدس سرہ العزیز امام و خطیب مسجد جامع فتحپوری، دہلی تربیت یافتہ بخصائص گوناگوں متخصص گردیدہ-از عنوان شباب تاایں دم استقامت بر فرائض و سنن ورزیدہ و مدام حاضری بر مقابر حضرات نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ بر خود لازم گرفتہ ھم از ارواح پاک ایناں مستعد گردیدہ واز علوم جدیدہ و قدیمہ خصوصاً از فنون طب مشرق و مغرب بہرہ ور گردیدہ در خدمت خلق مشغول و مشغوف بودہ-در سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ از والد ماجد قدس سرہٗ العزیز شرف بیعت حاصل نمودہ از دولت روحانی مستفیض شدہ-چوں رجوع بفقیر آورد فقیر در امور طریقت استقامت اودیدہ و صلاحیت ولیاقت در ویافتہ اجازت و خلافت سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مسعودیہ محادہد و امیدوار است در قول و عمل شریعت رامحکّ خود سازند و در امور معاش و معاد حق جل مجدہ را کارسازِ حقیقی انگارند و نظر بر غیر اد نہ اندازند، الّا محبوبان او کہ آناں را غیر او نہ شمارند--از صحبت اہل دنیا کہ عاقبت را فراموش کردہ اند اجتناب ورزند، در ظاہر و باطن ہموارہ، حق تعالیٰ را مرکز فکر و نظر سازند-

رب اغفرلی ولا خی وادخلنا فی رحمتك وانت ارحم الرحمین O

۶ ربیع الاول ۱۴۰۴ء

احقر محمد مسعود احمد

۱۲ دسمبر ۱۹۸۳ء

یوم دوشنبہ

ٹھٹہ-سندھ-پاکستان

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

سند اجازت و خلاف بنام

صاحبزادہ ابوالسرور محمد مسرور احمد، کراچی

الحمد للہ الذی رزقنا عیشا بلا مشقۃ بکرم العمیم والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ رؤف رحیم و علی آلہ وازواجہ و صحبہ العظام و علی سائر الکاملین رحمھم اللہ تعالیٰ اجمعین - امابعد می گوید فقیر سراپا تقصیر محمد مسعود احمد نقشبندی مجددی بن مفتی اعظم الشاہ محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی علیہ الرحمۃ والرضوان - چوں فرزندی اعزی ابوالسرور محمد مسرور احمد سلمہ اللہ تعالیٰ واو صلہم اللہ تعالیٰ الی غایۃ ماتمنا ہم از رہ حانیت جد بزرگوار خود اعنی مفتی اعظم الشاہ محمد مظہر اللہ قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز فیض یافتہ و تربیت یافتہ ہیچ رغبتہ بد نیائے دنی ندیدم فقیر از طفولیت دروے آثار رشد و ہدایت مشاہدہ کردم واو را ببلد مکرمہ مکہ معظمہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۴۰۷ء مطابق ۲۵ جون ۱۹۹۲ در سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ بیعت نمودم و درایں سلسلہ عالیہ ہمیں وقت اجازت دادم - اکنوں اجازت دلائل الخیرات شریف و حصن حصین شریف و عملیات مسعودیہ مظہریہ ہم دادم - نصیحت کردہ آید ہموارہ متوجہ الی اللہ باشند، اخلاص را لازم گیرند واز غیر او تعالیٰ طمع ندارند، او دھندۂ عالم و عالمیان ست - محبت و الفت حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم را مشکل کشا انگارند کہ مقصود باری تعالیٰ ہمیں است - ہموارہ کتب علوم دینیہ بالخصوص کتب تصوف را در مطالعہ دارند کہ ایں خلاصۂ علم و عمل است - از بدعقیدگان دور باشند و باایشاں دوستی و یاری بکنند - صحبت بد را سم قاتل دانند، صلۂ رحمی را لازم گیرند - دعا می کنم کہ طالبان از صحبت فیض بخش فرزندی ابوالسرور محمد مسرور احمد سلمہ الصمد در دارین کامیاب و کامران باشند بحرمتہ سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ و علی آلہ وازواجہ وصحبہ وسلم -

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

سند اجازت وخلافت بنام مولانا جاوید اقبال مظہری، کراچی

الحمد اللہ الذی نزل علینا کتٰب مُبین والصلوٰۃ السلام علی رسولہ رحمۃ للعالمین و مراد المشتاقین و علیٰ آلہ وازواجہ واصحابہ اجمعین– اما بعد فقیر سراپا تقصیر محمد مسعود احمدبن مفتی اعظم الشاہ محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی قدس اللہ تعالیٰ سراہ العزیز امام شاہی و خطیب مسجد جامع فتحپوری، دھلی می گوید کہ اعزی داخوی مولانا جاوید اقبال مظہری نقشبندی مجددی زید مجدہ سالہابفقیر نشست وبر خواست کردہ، فقیر اورا ہموارہ متوجہ الی اللہ یافتم، رابطہ او بہ پیر بزرگوار خویش اعنی والدی و مرشدی مفتی اعظم الشاہ محمد مظہر اللہ نور اللہ مرقدہٗ نہایت قوی و مستحکم ست– چندیں سال گزشت کہ درکیم محرم الحرام ۱۴۰٦ء مطابق ۱۷ ستمبر ۱۹۸۵ء فقیر ایشاں رااجازت و خلافت در سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ دادم– الحمد للہ مربی طالبان ست– اکنوں فقیر اجازت دلائل الخیرات شریف و حصن حصین شریف و عملیات مسعودیہ مظہریہ ہم دادم– نصیحت کردہ می آید کہ در ظاہر وباطن اتباع سنت سنیہ وخدمت خلق رالازم گیرند– از زیور اخلاص ہموارہ مزین باشند کہ ایں جمال محبوبان او تعالیٰ ست، طالبان واہل وعیال را نصیحت کنند کہ نمونۂ ازواج واصحاب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہ پیش خود دارند، یک سوباشند و سنت رابر ہر شئے مقدم دارند، تخفیف سنت نہ کنند– دعامی کنم کہ حق جل وعلا ایشاں رامدام بر صراطِ مستقیم گامزن داراد و طالبان و متنسبان از ایشاں مستفید و مستفیض گرداناد! بمنہ و کرمہ تعالیٰ و تقدس–

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہٗ

۲۹/ذی الحجہ ۱۴۱۹ء
۱۷/اپریل ۱۹۹۹ء

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

۱۹ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ بمطابق ۱۹ دسمبر ۱۹۹۴ء

سند اجازت وخلافت بنام عطا محمد درس، مٹھی، سندھ

الحمد اللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم رحمۃ للعالمین وعلیٰ آلہ واز واجہ وصحبہ اجمعین۔ امابعد فقیر محمد مسعود احمد نقشبندی مجددی ابن مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عرض کرتا ہے کہ اعزی مولوی عطا محمد درس زید مجدہٗ بن مولانا محمد قاسم درس علیہ الرحمہ کو فقیر نے ۳ ذیقعدہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۹۷۴ء سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت کیا۔ الحمد اللہ موصوف نے ترقی کی اور اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوشش کی۔ مولیٰ تعالیٰ موصوف کے باطن کو بھی سنت سے آراستہ کر دے۔ آمین!........ فقیر نے ۹ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ ۱۹ دسمبر ۱۹۹۴ء کو مولوی عطا محمد درس زید مجدہ کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں اجازت دی تاکہ وہ طالبوں کی تربیت کریں۔ فقیر یہ نصیحت کرتا ہے کہ ظاہر و باطن میں سنت پر کاربند رہیں اور طالبوں کو بھی اسی راہ پر لگائیں۔ کسی سے کوئی غرض نہ رکھیں۔ اللہ پر نظر رکھیں، ہر ایک سے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے محبت کریں۔ جو مانگیں اللہ سے۔ مشائخ کے وسیلہ سے مانگیں، دوستوں اور بیوی بچوں سے محبت سے پیش آئیں۔ خرچ کو آمدنی کے مطابق رکھیں۔ ہرگز ہرگز قرض کے بوجھ سے زیر بار نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ غیب سے رزق عطا فرماتا ہے۔ خدمت خلق کو اپنے اوپر لازم کرلیں تاکہ رزق کے دروازے کھول دیئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ عزیزم مولوی عطا محمد درس زید مجدہٗ کا حامی وناصر ہو اور ان کے ذریعہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ کی اشاعت ہو۔ آمین۔

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

۷ اربیع الاول ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۹ دسمبر ۱۹۸۶ء

سند اجازت و خلافت بنام صوبیدار نبی شاہ، کراچی

تمام تعریفیں اس کریم کے لئے جس نے ہم کو انسان بنایا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں اٹھایا اور آپ کی محبت واطاعت سے سر فراز فرمایا- لاکھوں درود و سلام ہوں اس رؤف رحیم پر جس نے گمراہوں کو ہدایت دے کر ہادی بنایا، ہزاروں رحمتیں ہوں ان ازواج مطہرات، اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر جنہوں نے اپنے بے مثال نمونے پیش کر کے سارے عالم میں اسلام پھیلایا اور ایک عالم کو اسلام کا گرویدہ بنایا اور ہزار ہزار رحمتیں ہوں ان اولیاء عظام پر جنہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اپنے عمل سے زندہ رکھا-

امابعد فقیر حقیر محمد مسعود احمد نقشبندی مجددی بن مفتی اعظم الشاہ محمد مظہر اللہ زید مجدہ نقشبندی مجددی قدس اللہ تعالیٰ سرہ (دھلی) عرض کرتا ہے کہ اخی و محبی صوبیدار نبی شاہ صاحب کافی عرصے گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ (سندھ) میں فقیر کی صحبت میں رہے اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں فقیر سے بیعت ہوئے- الحمد للہ موصوف نے روحانی ترقی حاصل کی، فقیر نے ان میں آثار رشد و ہدایت دیکھتے ہوئے ۷ اربیع الاول ۱۴۰۷ھ ۱۹ دسمبر ۱۹۸۶ء کو سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں اجازت و خلافت دی تاکہ وہ طالبوں کی تربیت کریں اور آدمیوں کو انسان بنائیں---

جب تک سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی پر دل راضی نہ ہو مسلمان کامل نہیں ہوتا اپنی ہربات کو اللہ تعالیٰ اور حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے تابع رکھنا چاہئے تاکہ رضا کی برکت حاصل ہو- محبت بھی ضروری ہے اور اطاعت بھی ضروری ہے، بغیر اس کے نہ فلاح ہے اور نہ نجات-

کسی صورت میں اللہ کی مخلوق کی دل آزاری نہ کرنی چاہئے خصوصاً اہل خانہ کی 'دل اللہ کا ہمسایہ ہے، ہمسایہ کو ستایا نہیں جاتا بلکہ اس کی خیر خواہی کی جاتی ہے--- سب سے اچھا مال وہ ہے جو جائز ضرورت کے لئے اپنے بچوں پر خرچ کیا جائے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں- اللہ کے ولی غیر اللہ نہیں ہوتے بلکہ وہ اللہ کے محبوب ہیں اور محبوب غیر نہیں ہوا کرتا---- اللہ نے ہم کو ان کا راستہ بتایا اور ان کے راستہ کو اپنا راستہ بتایا- محبوب اور غیر محبوب برابر نہیں ہوتے---- اپنے اور بیگانے برابر نہیں ہوتے----- اللہ نے قرآن حکیم میں محبوبوں کا ذکر کر کے ہم کو محبت کا سلیقہ بتایا-

عقائد اہل سنت و جماعت کے مطابق رکھیں کہ وہی صحیح عقائد ہیں، سر مو تجاوز نہ کریں سلف صالحین کے یہی عقائد تھے- حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت واجب بلکہ فرض سمجھیں، بغیر آپ کی محبت کے کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا---- مولیٰ تعالیٰ طالبوں کو آپ کی طرف متوجہ رکھے- آمین!---- اللہ تعالیٰ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کو آپ کے ذریعہ فروغ عطا فرمائے اور ہمیشہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر قائم رکھے اور آپ کی اور حضرات اہل اللہ کی محبت سے دل کو آباد رکھے- آمین!

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ
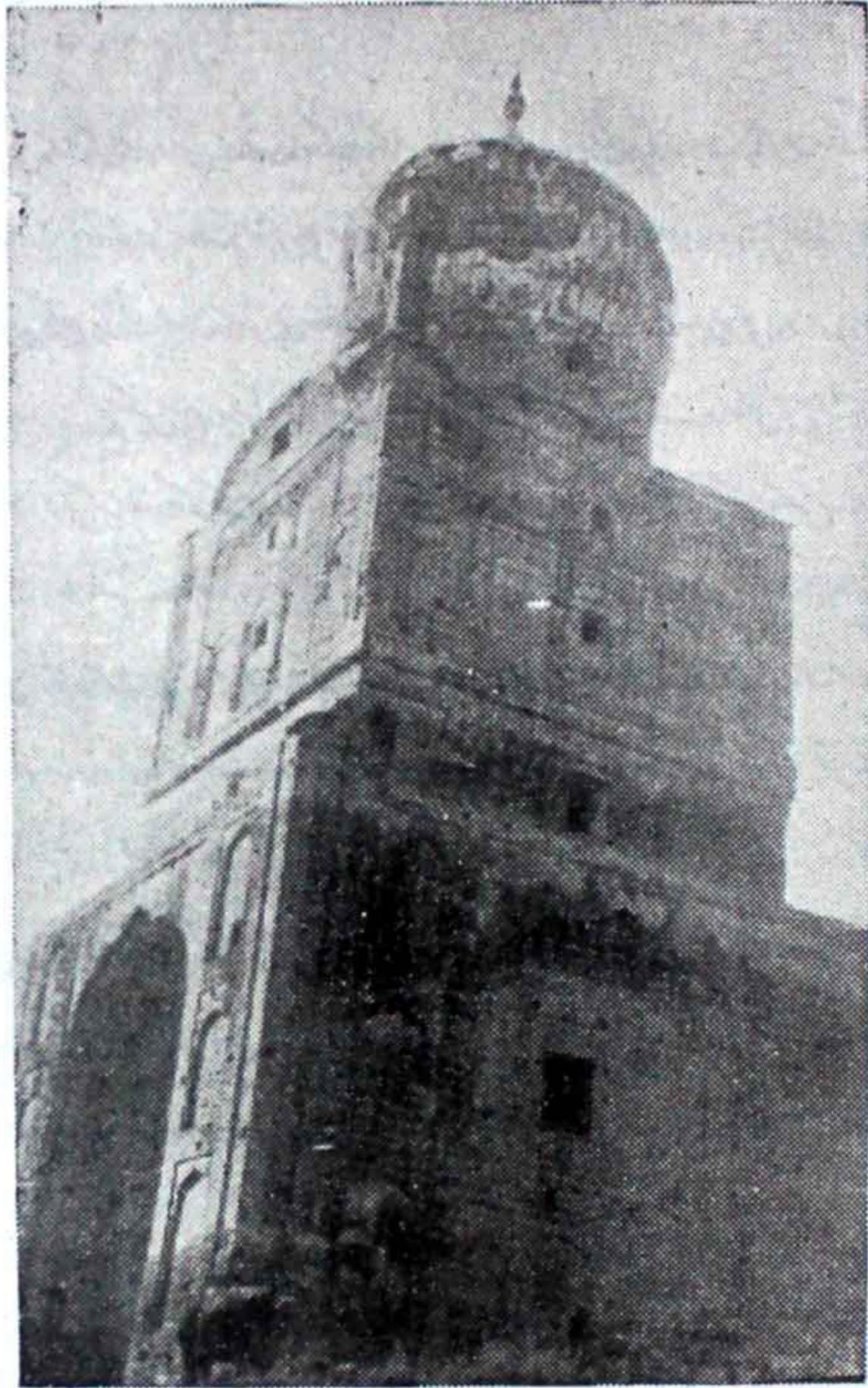
روضۂ اقدس حضرت سید امام علی شاہ مکان شریفی، مرشد کریم حضرت فقیہ الہند

الهی تا از مهر تو اثر آمد دیگر مهرها بسر آمد الهی من کیم تا ترا خواهم من از قسمت
آگاهم الهی پدید از دوست عطاست پس از عطا نالیدن خطاست دل
رفته و دوست یافته باد شادی است و بی دل و دوست زیستن گمراهی
درویش آب در چاه دارد و دونان در غیب بندارند :: در سرو نه از حبیب گفتن
نوشیست همه زهر و خاموشی زهرست همه نوش هرچه بزبان آید بزبان آید فریاد از معرفت
عبادت رسمی و عبادت عادتی و حکمت تجربتی حقیقت حکایت گفتن یکبار
محبت با محنت قرین است عاشق را یک بلا در پیش و دیگری در کمین محبت
محبت در یک طرف محنت بجوانب داد المن فدای آنکه چون آمد و خود را فرا
آب داد دست و پای عبدالله با خام بسته که با قلم نشسته چنان نمای که
باشی یا چنان باش که نمائی اگر شریعت خواهی اتباع و اگر حقیقت خواهی
انقطاع باقی همه صداع درویشی چیست خاکی بیخته و آبی بر وی ریخته نه پشت
پا را ازو گردی نه کف پا را ازو دردی کار عنایت دارد که زهر نیست و
نه طاعت که زیور نیست ابراهیم را از این چه زیان که پدرش آذر بت پرست و آذر
را از آن چه سود که ابراهیم پسر آنجا که ساخته است با حق پرداخته است
اگر یک کس از دوستان او ترا قبول کردی به پیوستی و اگر یکی از دوستان
او ترا قبول نمود بحق پیوستی هر که دانست که قسام قسمت بد نکرد از حسد
برست و هر که دانست خالق در حق خلق تقصیر نکرد از بد برست طوطیار

نفس [illegible] خود را [illegible] حقیقت راه

الٰہی نامہ از خواجہ عبداللہ انصاری ہروی مکتوبہ حضرت فقیہ الہند

دستخط حضرت فقیہ الہند شاہ محمد مسعود محدث دہلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی یشرف اولیاء بتشریف الجذب الفنا و یکرمہم بتکریم السلوک والبقاء ۔ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد افضل الانبیاء ۔ علی آلہ واصحابہ خیر الاولیاء ۔ اما بعد میگوید احقر العباد مسکین محمد رکن الدین نقشبندی مجددی غفر اللہ ذنوبہ و ستر عیوبہ کہ بسر کار [?] بداعیہ الٰہی و جاذبہ سرمدی اعزی اکرمی مولوی حافظ مفتی محمد مظہر اللہ صاحب بارک اللہ فی علمہ و عملہ بر دست حق پرست حضرت قبلہ کونین اعلم العلما و اعرف العرفا وارث دین نبی حضرت سید شاہ صادق علی صاحب زادہ و سجادہ نشین آن قطب یگانہ غوث زمانہ سند الاصفیا امام الاولیا حضرت شاہ سید امام علی سامری نقشبندی مجددی ساکن مکان شریف عرف رتڑ چھتڑ نسبت ارادت و عقیدت راست کردہ بیعت کردند بعد یکسال ازین بیعت آن ذات جامع الکمالات ازین جہان فانی بعالم باقی رحلت فرمود تا بعد رحلت بوجہ قوت رابطہ از روحانیت آنحضرت مستفیض گشتند و منتہا و ریا منتہا گشتند الحال ازین فقیر بی بضاعت کہ ادنی زلہ ربای خوان نعمت حضرات این خانوادہ است عزیز گرامی قدر سلمہ استدعاء اجازت نامہ کردند فقیر بدل و جان استدعاء آن عزیز را شان قبول کردہ بعد استخارہ اجازت طریقہ علیہ نقشبندیہ کہ این عاجز را از حضرت سلطان الشریعت و الطریقت و برہان الحقیقت و المعرفت شیخ المشایخ حضرت مولنا مفتی رحیم بخش دہلوی الملقب بمسعود شاہ نور اللہ مرقدہ خلیفہ اعظم حضرت سید امام علیشاہ قدس سرہ حاصل است عزیز موصوف الصدر را کہ نبیرہ حضرت قبلہ گاہی و مرشدی است دادہ شد ۔ و اجازت سلسلہ علیہ قادریہ و چشتیہ کہ این حقیر را از حضرت قطب وقت خواجہ ضیاء معصوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہ یکے از اولاد امجاد مشایخ حضرت امام ربانی غوث صمدانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ بودند حاصل است عزیز مولوی محمد مظہر اللہ صاحب را اجازت این ہر دو طریقہ ہم دادم تا بسعی تمام بر مریدان معتقدان تصرف و توجہ نمودہ بوصل و قرب خدای تعالے رسانند و ازین سعی ثواب عظیم و اجر جسیم حاصل کنند ۔ اللہ تعالے بتصدق حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم و ببرکت ارواح پاک بزرگان ہر سہ سلاسل عزیز الوجود مولوی صاحب را از جمیع حوادثات و بلیات مصون و محفوظ داشتہ برکات و فیوضات ہر سہ سلاسل جاری گرداند بمنہ و کرمہ فقط تحریر بتاریخ بست و ششم ماہ ربیع الثانی [illegible] ہجری

خلافت نامہ حضرت شاہ رکن الدین الوری بنام حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی

بسم الله الرحمن الرحيم - صلى الله تعالى على سيدنا ومولانا محمد وعلى آله وصحبه وسلم

حمداً لمن أكرم بمتصلات نعمائه محامدة وإجازةً. وشكراً لمن جعل مسلسلات

الأنبياء لبشائره إجازةً وصلوةً وسلاماً على الذي جعلت الصلوة عليه

من أوضح دلائل الخيرات وآله وأصحابه الأئمة الهداة وبعد فإن العالم الذكي

والبركة الألمعي أخانا وحبيبنا في الله الراكع الساجد المولوي محمد مظهر الله صاحب

النقشبندي المجددي الدهلوي سألني أن أجيزه بدلائل الخيرات وأذكر له سندي فيها

عن الأئمة الثقات فاستخرت الله تعالى وأجبته والطرق فيها أجزته و

هو إلى آخرها عن أشياخنا عن شيخنا وأستاذنا العارف بالله والد عليه

أحمد حسن صاحب وكذا أجازني الحافظ الحاج محمد عباس علي صاحب الدهلوي وكذا أجازه

شيخه فخر الدين أحمد إله آبادي عن شيخه سيدنا علي بن يوسف كتب باشا المدني

عن شيخه السيد محمد بن البدر أحمد المغربي الشريف الحسيني عن شيخه أبي البركات المنطلي

سيدي محمد بن أحمد المقتشي عن شيخه سيدي أحمد الحاج عن شيخه سيدي أحمد المقري

عن سيدي عبد القادر الفاسي عن سيدي أحمد بن أبي العباس الصمعي عن سيدي السملالي

عن سيدي عبد العزيز التباع عن مؤلفها أبي عبد الله سيدي ومولاي سيدي

محمد بن السيد سليمان الجزولي الشريف الحسيني القطب الرباني رحمه الله و

نفعنا به وبهم أجمعين - وأوصيه بما أوصي به نفسي من

ملازمة التقوى في السر والنجوى وأن لا ينساني من صالح دعواته في جميع أوقاته

خصوصاً عند عاقبة ورده وأناء والدي وأشياخي وأحبابي وجميع المسلمين

اجازت نامہ دلائل الخیرات شریف از خواجہ عبد السلام نقشبندی مجددی بنام حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی

قال بلسانه ورقم ببنانه العبد المفتقر الى حقيق الله الحق العارف بالله

الحاج محمد عبد السلام بن الحاج الهی بخش مبارکنجی عاملهم الله بفضله العميم

وحرر ذالك من دارنا بالدهلي الجديد وذالك في اربع وعشرين

من الشهر المحرم الحرام ١٣٦١ سنة احدى وستين وثلث مائة بعد الالف من

الهجرة النبوية على صاحبها وعلى آله صلوات الله السالمين واجزته ايضاً

ان يجيزه لمن كان اهلاً للقراءة لنسخ التصحيح والمقابلة والله الموفق

للصواب ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم وصلى الله

على سيدنا ومولانا محمد وعلى آله وصحبه وسلم — محمد عبد السلام

۷۸۶

THE HAJ LINE

حج لائن

عزیز اللہ فرخندہ سیر میاں سعید احمد سلمہ اللہ تعالیٰ

[illegible]

کتوب مفتی اعظم (مکتوب ۵ ۱۹۴۵ء) بنام فرزند اصغر ذاکنہ محمد سعید احمد دہلوی

میرے مضطر و بیقرار پیارے فرزند خرم بحسنۃ حافظ حنفی کی محبت میں رہو
وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کل تمہارا خط اور اس کے بعد تار
پہنچا جس سے دل قائل ہی نہیں رہا کہ میں تمہیں صحیح طور پر
خط بھی تحریر کر سکوں رہا بھی سخت افسوس ہے کہ میری
جانب سے زیادہ عزیز کے خط کا جو جواب ارسال کیا تھا وہ بھی پہنچا
نہ معلوم کن جذبات کے ماتحت وہ جواب تحریر ہوا تھا اب اس
قابل کہاں کہ میں اونکو تحریر کر سکوں تمہارا ہی جواب
پیش نظر رکھے ہوں اب سوچتے رہتے کیا لکھوں کہ اوس عزیزی
جان سے کہہ دو کہ ہر وقت مولی تعالی کی طرف متوجہ رہیں کہ ایک
بھی دو اشریاق کا حکم رکھتی ہے۔ اونکا جواب تو جہاز کے
ذریعہ بھیجا گیا تھا اور مدت ہوگئی اب تک نہ پہنچا۔ افسوس
وسبی لے میں تمکو اپنے سے جدا کرنے پر راضی نہ تھا مگر جو مشیت
الہی ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے سب کو سلام و دعا کہہ دینا والسلام

محمد مظہر اللہ غفرلہ

مکتوب مفتی اعظم علیہ الرحمہ (مکتوبہ ۱۹۴۹ء) بنام ڈاکٹر مسعود احمد (یہ مکتوب فرزند جلیل مولانا محمد منظور احمد کی جان کنی کی خبر سن کر حیدر آباد سندھ تحریر فرمایا)

तार : एयरजनरल

कार्यालय
महानिदेशक आकाशवाणी
ब्राडकास्टिंग हाउस
संसद मार्ग
नई दिल्ली-१

आकाशवाणी

Telegram : AIRGENERAL

OFFICE OF THE DIRECTOR GENERAL
ALL INDIA RADIO
BROADCASTING HOUSE
PARLIAMENT STREET
NEW DELHI-1

क्रमांक/No. 5(9)/67-PG.

दिनांक/Dated 28th April, 1967.

Prof. Muhammad Masood Ahmed,
Government Degree College,
Department of Urdu,
Quetta (W. Pakistan)

Dear Sir,

Please refer to your letter of March, 8. I am enclosing the text of the news item, as broadcast from All India Radio on 28.11.66, on the demise of Mufti Muhammad Mazharulla Shahi Imam Majeed Fathepuri, Delhi.

Yours faithfully,

(A.L. Maini)
Asstt. Director of Programmes.

حضرت مفتی اعظم کے وصال کی خبر جو آل انڈیا ریڈیو (دہلی) نے نشر کی (۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء)

حضرت مولینا مفتی مظہر اللہ صاحب کی وفات حسرت آیات

آخر وقت تک اسلام و سنیت کی خدمت کے فریضہ کی انجام دہی

جامع مسجد شاہی فتحپوری دہلی کے خطیب و مفتی حضرت علامہ، مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب نے تقریباً ۹۰ برس کی عمر میں ۱۴ شعبان المعظم کو بعد نماز مغرب جان جان آفرین کے سپرد کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی وفات حسرت آیات کی خبر اثر فوری طور پر سارے شہر میں پھیل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے حضرت مرحوم کی قیام گاہ پر سینکڑوں سوگواروں کا ہجوم ہو گیا حضرت اکابر علمائے سنت و جماعت میں سے تھے آپ کی فراست ایمانی اور تفقہ فی الدین کو ہر حلقہ میں مقبولیت اور ہر دلعزیزی تھی اور اپنوں کے ساتھ غیروں کو بھی آپ کے فتاوے قابل قبول ہوتے تھے حکومت اور حکام بھی آپ کی علمی قدر و منزلت کا احترام کرتے تھے۔ تیرہویں صدی عیسوی کے آغاز ہی سے آپ نے اسلام و سنیت کی تبلیغ خدمت کی انجام دہی شروع کی اور آخر وقت تک اس فریضہ کی ادائیگی جاری رکھی وفات کے روز بھی ظہر کے وقت ایک فتویٰ تحریر فرمایا۔

نقشبندی، چشتی، صابری، اور قادری چار سلسلوں سے حضرت کی وابستگی تھی۔ زہد و اتقا عبادت و ریاضت، شب بیداری اور تہجد گذاری میں قابل رشک حیثیت رکھتے تھے کیا عجب کہ اس کے صلہ میں رفیق اعلیٰ کی طلبی کے لئے شب قدر کی مبارک ساعت کا انتخاب کیا گیا جو ایک مرد مومن کے لئے سب سے بڑی سعادت اور باعث نجات ہے مولیٰ تبارک و تعالیٰ مرحوم کی آخری آرام گاہ کو نور و نکہت سے معمور کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے (آمین)

حضرت مفتی اعظم کے وصال کی خبر ہفت روزہ استقامت (کانپور)' شمارہ ۱۶ اور نومبر ۱۹۶۶ء

نذرِ عقیدت

باعزاز ... حضرت زیبا ناروی مد ظلہ

بسلسلۂ تشریف آوری

حضرت امیر شریعت پیر طریقت کامل ... **محمد مظہر اللہ شاہ صاحب** ...

خطیب مسجد جامع فتحپوری دہلی

خوش وقتے بہاریں لے کے وقت خوشگوار آیا
خوشا روزے کہ روز کامگار و سازگار آیا

عجب ہے کوچۂ حسرت کے سنگ و خشت کا جلوا
نظر آیا نظر کو آفتابِ چشت کا جلوا

نگاہِ آرزو پر شادری تو زیبائی ہے
جدھر دیکھو بہارِ نقشبندی رنگ لائی ہے

خدا شاہد ہے پوچھو دیدۂ ارماں نے کیا دیکھا
جبینِ دل ہے یا ہے آئینہ حسنِ مجدد کا

مقدر سے زیارت ہوگئی ہے ایسے پیکر کی
کہ جس کی ہر نظر اک موج دیکھی حوضِ کوثر کی

تجلی جس کی حسنِ اتقا میں ہر طرح کامل
تصرف جس کے اہلِ ذوق کی امید کا حاصل

شریعت کا جو حامل ہے طریقت میں جو کامل ہے
رسول اللہ کی تیغ جس کی منزل ہے

جو پیرو اپنے مرشد کا جو پیروں میں بہت بہتر
جو ہر دم مہرباں ہر طور سے اپنے مریدوں پر

وہ ذاتِ پاک پاکستان میں تشریف لے آئی
مرے غربت کدہ نے بھی مقدس ضیا پائی

یہ لطف و مہربانی یہ توجہ ہم غلاموں پر
یہ ہم خوش گمانی یہ توجہ ہم غلاموں پر

ہے مسعود قسمت آج کیا عید آئے
محمد مظہر اللہ شاہ تشریف اس طرف لائے

تمنا دل کی نکلی کہ اب حاصل حضوری ہے
خدا رکھے جدھر دیکھو فضا نوری ہی نوری ہے

عمرؔ یہ آج کا دن کیا ہے روزِ عید ہے مجھ کو
بہر صورت نگاہِ خاص کی امید ہے مجھ کو

پیشکش:
نیاز مند ناچیز **محمد عمر قریشی** مظہری نقشبندی لاہور

منقبت حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ از زیبا ناروی 'لاہور (۱۹۶۳ء)

ہندوستان کا مشہور مدرسہ عالیہ عربیہ مسجد فتحپوری، دھلی کا دارالحدیث جو مسعود ملت کے جد امجد
حضرت شاہ محمد مسعود دہلوی علیہ الرحمہ نے قائم کیا تھا۔
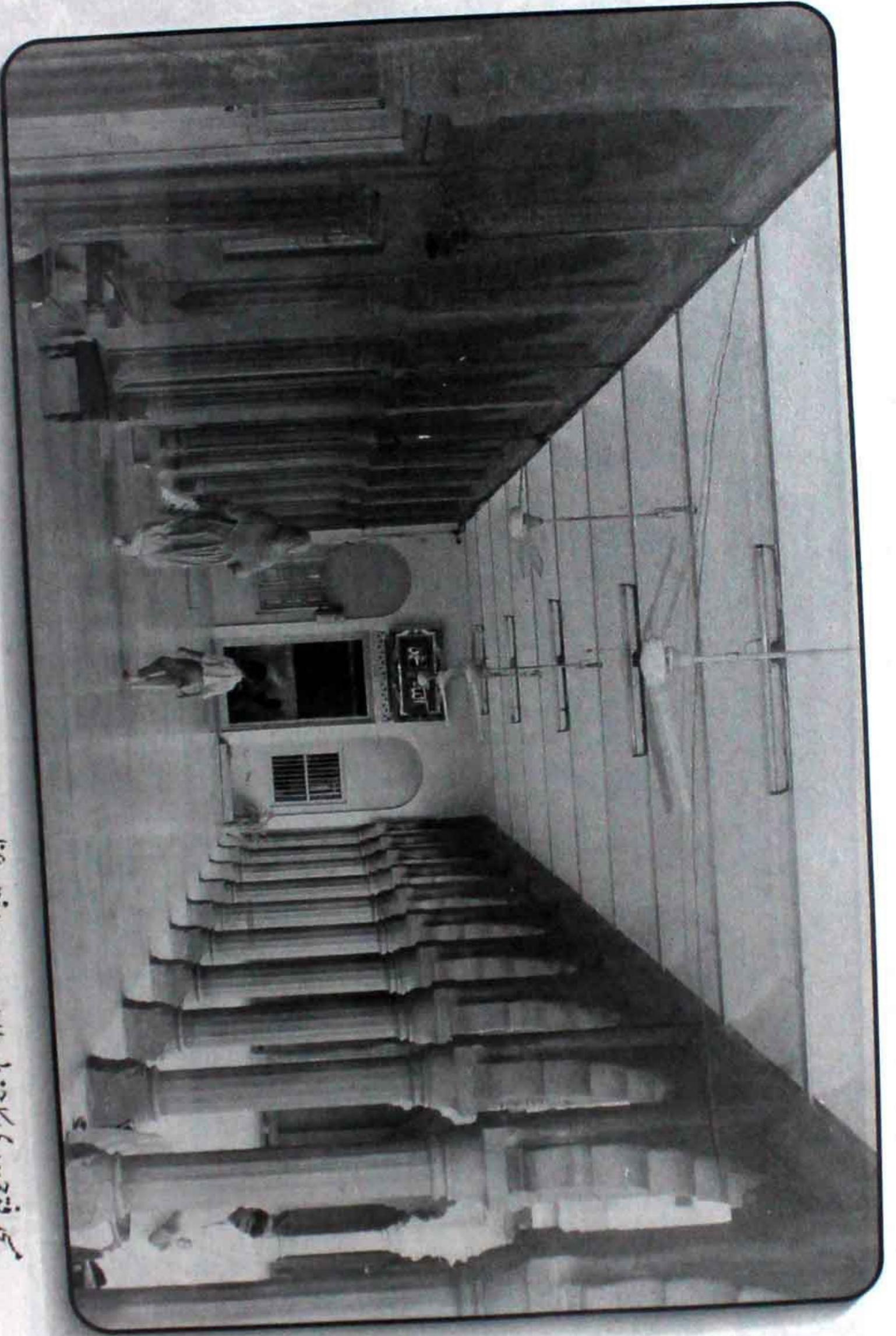
مسجد فتحپوری کا جنوبی دالان سامنے مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کے کمرے اور کتب خانے کا دروازہ
نظر آرہا ہے جو مسعود ملت کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔
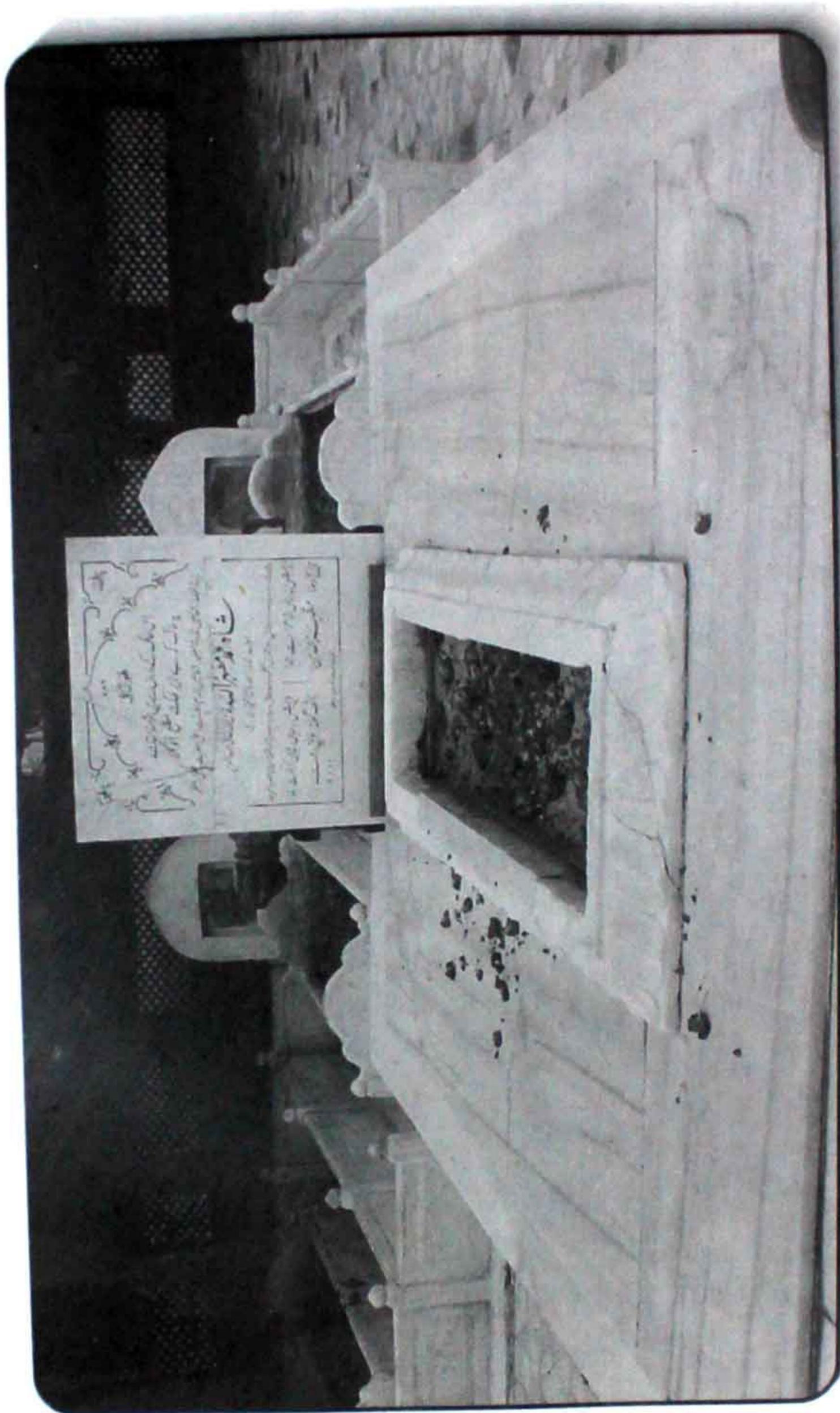
مزار مبارک حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ، مسجد فتحپوری، دھلی۔
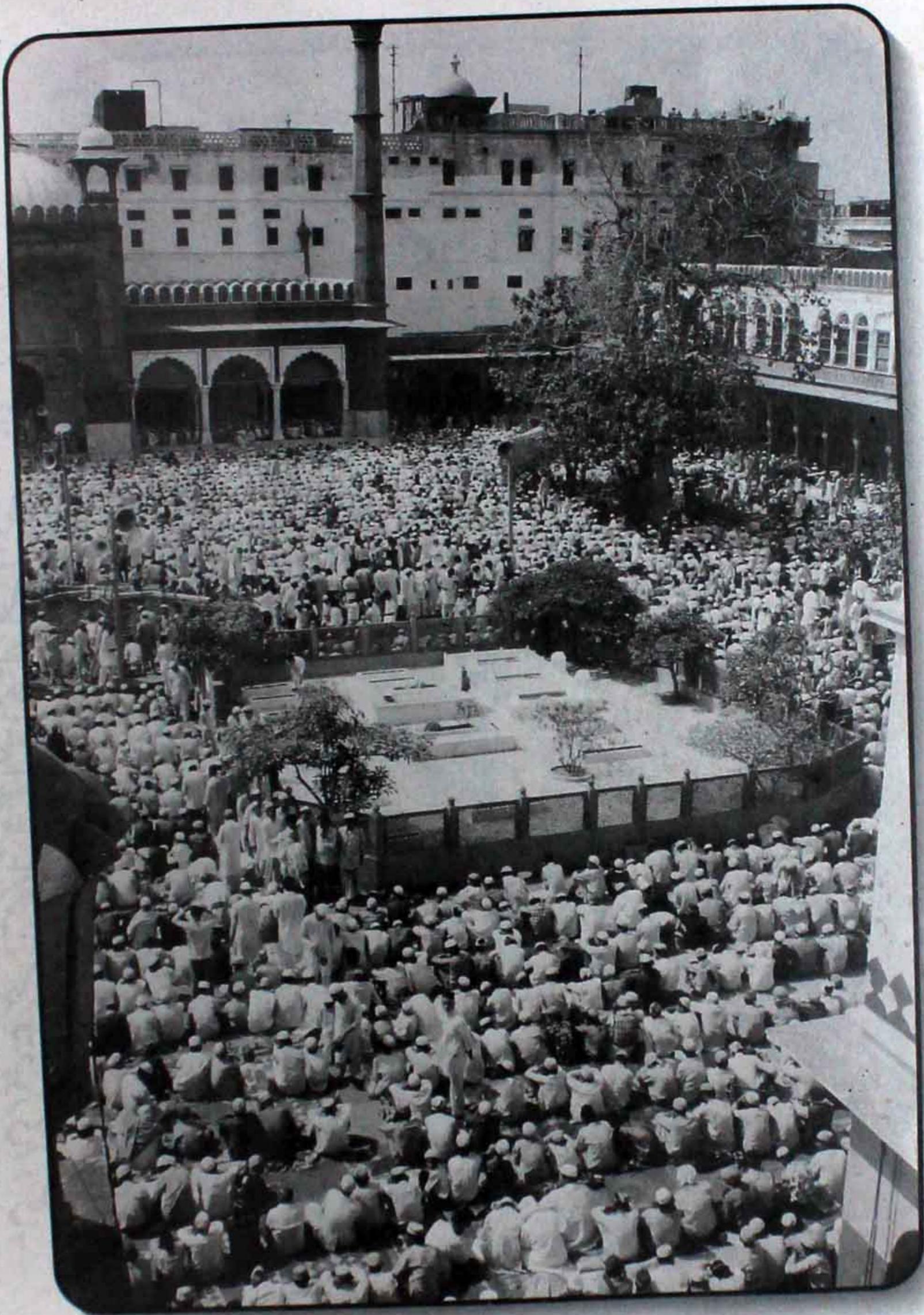
صحن مسجد فتحپوری، دھلی میں حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ (م- ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء)
کے مزار مبارک کا دل کش فضائی منظر

مسجد فتحپوری کے جنوب مغربی سمت گلی گوندنی والی میں مسعودِ ملّت کی جائے ولادت
جہاں اب "بیوپاری نواس گیسٹ ہاؤس" کی شاندار عمارت قائم ہے۔
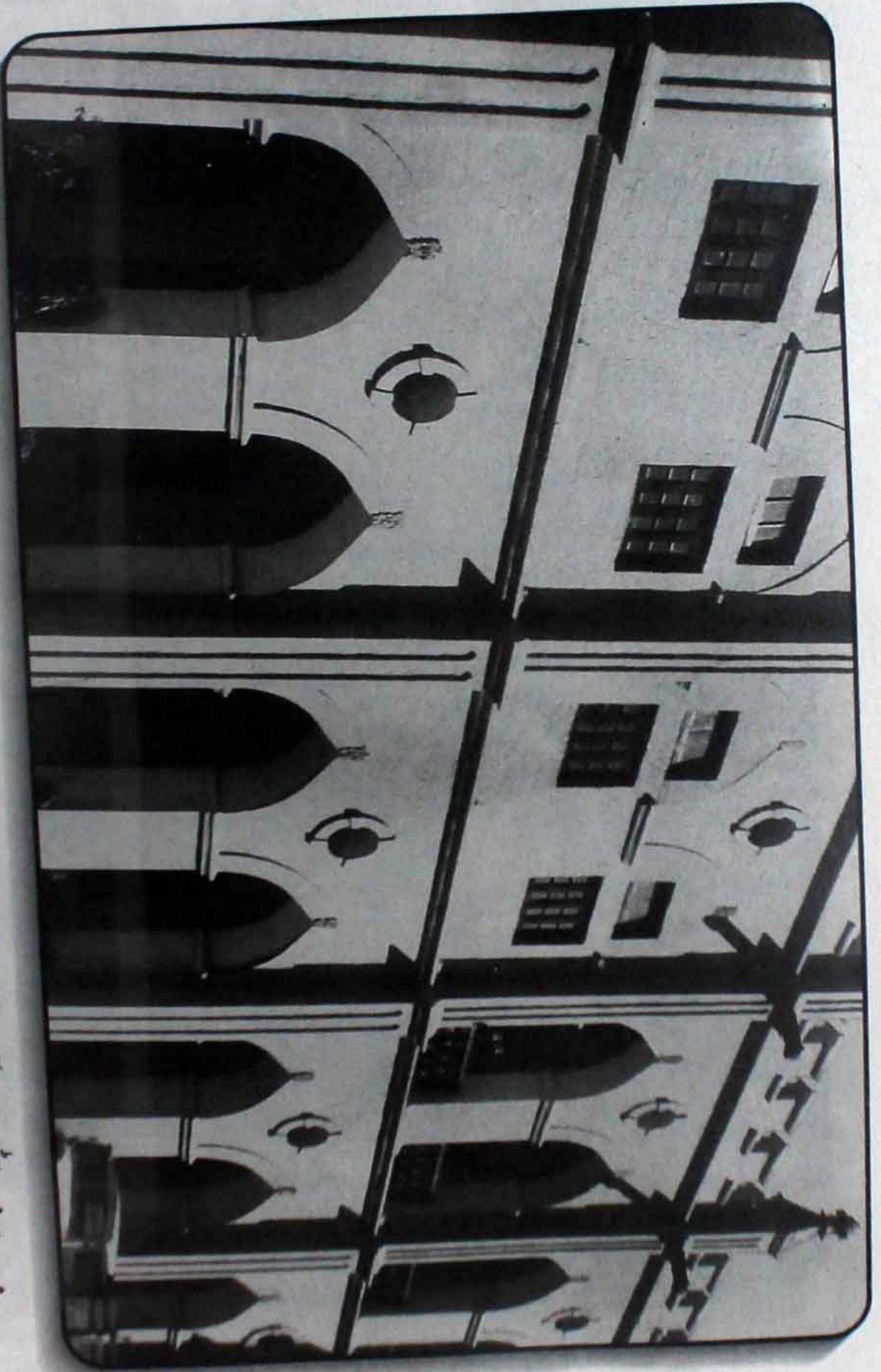
سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد (پاکستان) کا شعبہ اردو جہاں مسعود ملت نے ۱۹۵۶ - ۱۹۵۸ میں تعلیم حاصل کی اور ۱۹۵۶ء میں مقابلہ مضمون نگاری میں ایک تحقیقی مقالہ لکھ کر وائس چانسلر سے واحد انعام حاصل کیا۔

ایس۔اے۔ایل گورنمنٹ ڈگری کالج، میرپورخاص (سندھ) جہاں ۱۹۵۸ء میں پہلی بار بحیثیت لیکچرار تقرر ہوا۔
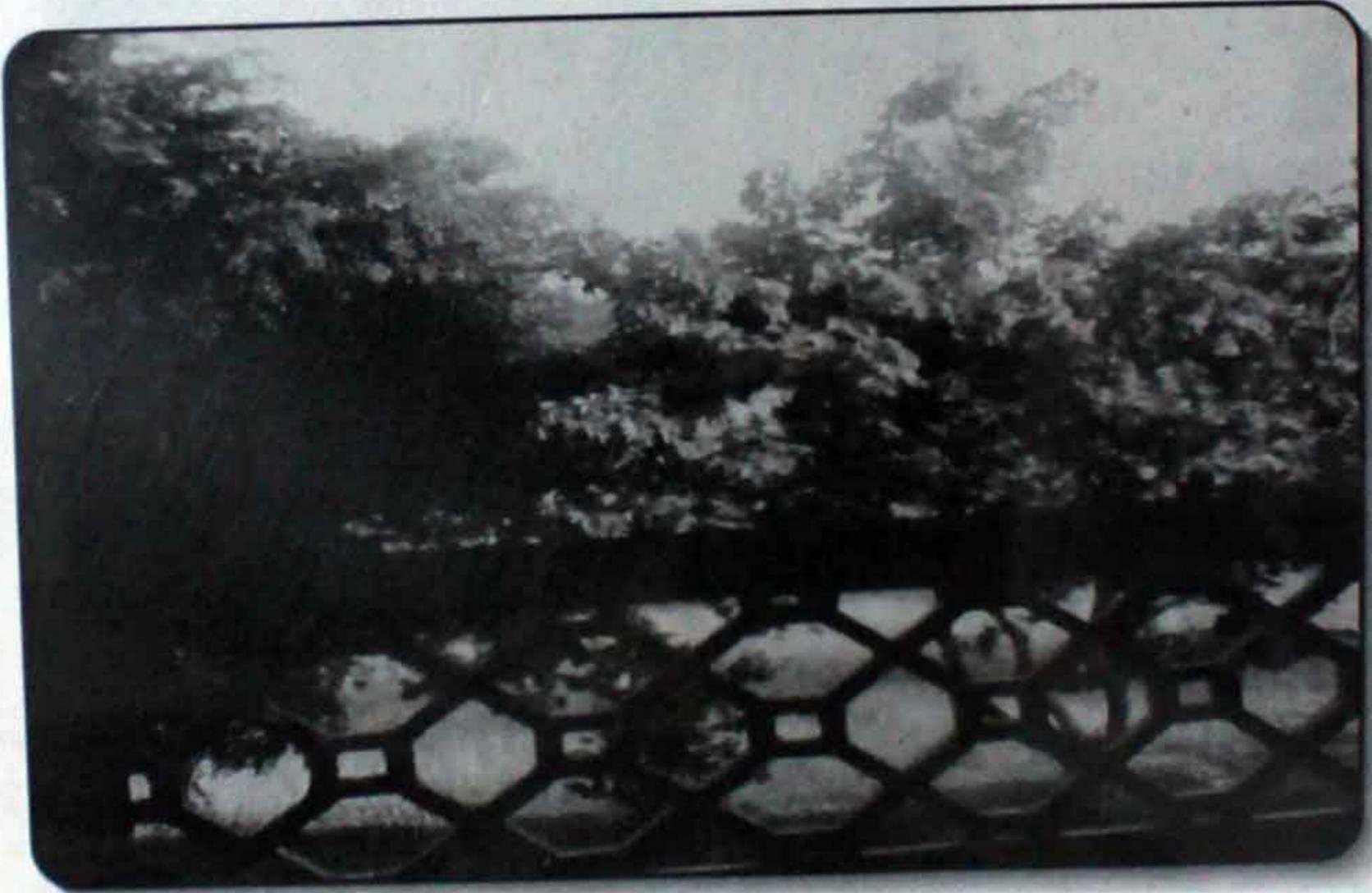
ایس۔اے۔ایل گورنمنٹ ڈگری کالج، میرپورخاص (سندھ) کی بالائی منزل سے ایک دل کش فضائی منظر۔

ایس۔اے۔ایل گورنمنٹ ڈگری کالج (میرپور خاص سندھ) کی مسجد کا حسین منظر۔
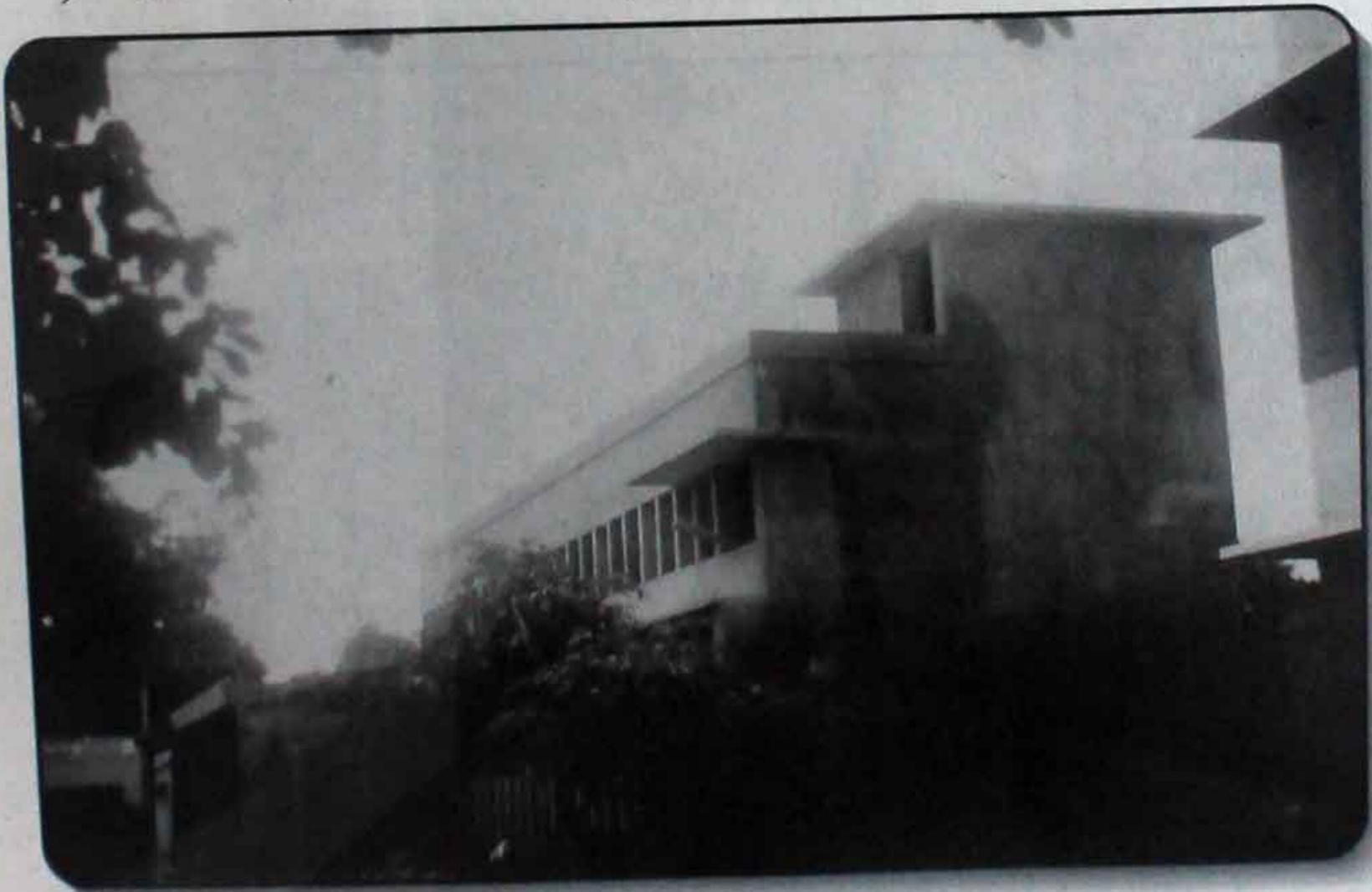
ایس۔اے۔ایل گورنمنٹ ڈگری کالج (میرپور خاص سندھ) میں اساتذہ کے سیمینار رومز کا بلاک

سکھر کے قریب کھجوروں کے
ایک باغ کا دل کش منظر جو سندھ
میں عربوں کی یاد دلا رہا ہے۔

گورنمنٹ ڈگری کالج اینڈ پوسٹ
گریجویٹ سینٹر، سکھر (سندھ)
میں مسعود ملت کی سرکاری رہائش گاہ
یہاں سے ۱۹۹۲ء میں ریٹائر ہوئے۔

مسعود ملّت کی سرکاری رہائش گاہ،
سکھر (سندھ)

ایس۔اے۔ایل گورنمنٹ ڈگری کالج (میر پور خاص سندھ) کا مشرقی بلاک۔

بسمہٖ تعالیٰ سبحانہٗ

مُحِبّیِ ____________

____________ سلام مسنون

اعزّی پروفیسر میاں محمّد مسعود احمد سلّمہٗ کا نکاح مسنون ہمراہ دُخترِ عزیز گرامی میاں سید مظہر علی صاحب ہونا قرار پایا ہے، شرکت فرما کر ممنون فرمائیں :۔

ج ۔ س ۔ م ۔ ف
فریئر روڈ، سچومل کوٹومل بلڈنگ
فلیٹ ۴ متصل ریڈیو ہوٹل کراچی

(مفتی) محمّد مظہر اللّٰہ
امام و خطیب شاہی مسجد جامع فتحپوری دہلی

پروگرام

اتوار، ۲۳ ربیع الاوّل ۱۳۸۴ھ مطابق ۲ اگست ۱۹۶۴ء

اجتماع: ____ ۵½ بجے شام ____ جامع مسجد آرٹیلری میدان، کراچی

روانگیٔ برات: ____ ۶ بجے شام ____ " " "

نکاح: ____ ۶½ بجے شام ____ نزد مسجد طیبہ ۳۴ ۔ فرحت منزل پی۔ای۔سی۔ایچ سوسائٹی کراچی

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ہدیۂ اخلاص بتقریب شادی خانہ آبادی عزیزی مولوی میاں محمد مسعود احمد صاحب سلمہٗ

خلف الصدق

جناب مولانا مفتی محمد مظہر اللہ صاحب امام مسجد شاہی فتحپوری دہلی

سہرا

بتاریخ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ مطابق ۲ اگست ۱۹۶۳ء یوم یک شنبہ بوقت ۶½ بجے شام

ہے خوشی پر مدار سہرے کا ۔۔۔ وقت ہے سازگار سہرے کا

بن گئی چشمِ شوق بھی گویا ۔۔۔ دمِ نظارہ تار سہرے کا

سر پہ چڑھ کر جھک آیا قدموں پر ۔۔۔ ہے عجب انکسار سہرے کا

دو دلوں کو کیا بہم اس نے ۔۔۔ ہے یہ اک طرفہ کار سہرے کا

نازک اندام ہے مرا مسعودؔ ۔۔۔ کیا سنبھالے گا بار سہرے کا

چشمِ بد بیں نمی رسد ایں جا ۔۔۔ کیوں نہ ہو اعتبار سہرے کا

بابِ الفت کشادِ برعشّاق ۔۔۔ ہے یہ اک شاہکار سہرے کا

تا قیامت رہے یونہی قائم ۔۔۔ ان کے رُخ پر سنگھار سہرے کا

شکر کرتے ہیں والدِ ماجد ۔۔۔ دیکھ کر یہ نگار سہرے کا

سب عزیزوں کو صد مبارک ہو ۔۔۔ دیکھنا سازگار سہرے کا

ہے یہ شاکرؔ کا تحفۂ اخلاص
وہ بھی ہے دوست دار سہرے کا

منجانب

دعاگوئے قدیم فقیر پیرزادہ سید آلِ احمد معینی شاکر اجمیری

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

بصد اخلاص بتقریب شادی خانہ آبادی عزیزی مولوی میاں محمد مسعود احمد صاحب سلمہ

خلف الصدق

جناب مولانا مفتی محمد مظہر اللہ صاحب امام مسجد فتحپوری دہلی

سہرا

بتاریخ ۳ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ مطابق ۵ اگست ۱۹۶۲ء یوم یکشنبہ بوقت ۱/۲ ۶ بجے شام

ہے خوشی پر مدار سہرے کا ‖ وقت ہے سازگار سہرے کا

بن گئی چشم شوق بھی گویا ‖ دم نظارہ تار سہرے کا

سر پہ چڑھ کر جھک آیا قدموں پر ‖ ہے عجب انکسار سہرے کا

دو دلوں کو کیا بہم اس نے ‖ ہے یہ اک طرفہ کار سہرے کا

نازک اندام ہے مرا مسعود ‖ کیا سنبھالے گا بار سہرے کا

چشم بد بیں نمی رسد ایں جا ‖ کیوں نہ ہو اعتبار سہرے کا

باب الفت کشادبر عشاق ‖ ہے یہ اک شاہکار سہرے کا

تا قیامت رہے یونہی قائم ‖ ان کے رخ پر سنگھار سہرے کا

شکر کرتے ہیں والد ماجد ‖ دیکھ کر یہ نگار سہرے کا

سب عزیزوں کو صد مبارک ہو ‖ دیکھنا سازگار سہرے کا

ہے یہ شاکرؔ کا تحفۂ اخلاص

وہ بھی ہے دوست دار سہرے کا

منجانب

دعاگوئے قدیم فقیر پیرزادہ سید آل احمد معینی شاکرؔ اجمیری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں ○ ترے دن اے بہار پھرتے ہیں

اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

تقریبِ سعید نکاحِ مسنون

نورچشمی **ثروت جہاں** سلمہا ہمراہ عزیزم **شاہد ندیم** سلمہٗ فرزندِ دلبند برادرم عبدالباقی قریشی

تاریخ ـــ ۲۷ رجب المرجب ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۰ دسمبر ۱۹۹۵ء بروز چہار شنبہ

مقام ـــ گلستاں کلب، شہید ملت روڈ، کراچی، اسلامی جمہوریہ پاکستان

پروگرام ● آمد بارات، ۹ بجے شب ● خطبہ نکاح، ۹½ بجے شب ● طعام ۱۰ بجے شب ● رخصتی، ۱۱ بجے شب

چشم براہ

ڈاکٹر محمد سید احمد
ڈاکٹر فریدالدین بیگ
قاری محمد ظفر احمد
سید محمد طاہر
مفتی محمد مکرم احمد
ابوالسرور محمد مسرور احمد

ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر
سید شکیل احمد
خواجہ رضیع الرحمٰن
ڈاکٹر جاوید اقبال
ڈاکٹر سید راشد شوکت

متمنی شرکت

(پروفیسر ڈاکٹر) محمد مسعود احمد
و اہلِ خانہ

از راہ کرم پابندیٔ وقت کا خیال رکھیں۔ شکریہ

رابطہ بصورت معذرت: ۴۵۵۲۴۶۸، ۴۵۵۲۲۳۷، ۴۵۵۸۵۹۶۰

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ

عقد مسنون

نورچشمی سعدیہ مسعود سلمہا ہمراہ عزیزی محمد اطہر باری

خلف الرشید حاجی محمد یونس باری مظہری

اس تقریب سعید میں آپ کی شرکت باعث مسرت ہوگی

متمنی شرکت

(پروفیسر ڈاکٹر) محمد مسعود احمد عفی عنہ و اہل خانہ

۱۶/۲۔ سی ۔ پی ۔ ای ۔ سی ۔ ایچ سوسائٹی، کراچی، فون۔ ۴۵۵۲۴۶۸

پروگرام

- ربیع الاول ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۰ جولائی ۱۹۹۷ء بروز جمعرات
- باغ بہار، شہید ملت روڈ، نزد ہل پارک، کراچی
- تلاوت قرآن عظیم و نعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ۱/۲ ۹ بجے شب
- نکاح مسنون ۔۔۔ ۱۰ بجے شب
- مشروبات ۔۔۔ ۱/۲ ۱۰ بجے شب
- رخصتی ۔۔۔ ۱۱ بجے شب

چشم براہ

پروفیسر عبدالرشید، ڈاکٹر فرید الدین مرزا، علامہ محمد ظفر احمد، ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد، ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر، سید شکیل احمد، پیرزادہ سید محمد طاہر مظہری، خواجہ رضی الرحمن، ڈاکٹر جاوید اقبال، ڈاکٹر راشد شوکت، ابوالسرور محمد مسرور احمد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ولیمۂ مسنون

بسلسلۂ نکاح مسنون نورِ نظر ابوالسرور **محمد مسرور احمد** سلمہٗ

(نبیرہ مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ)

ھمراہ

نور چشمی سیدہ رعنا مظفر بنت سید مظفر علی صاحب زید مجدہٗ

شرکت فرما کر ممنون و مسرور فرمائیں

پروگرام بتاریخ: ۲۴ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ / ۱۹ جولائی ۱۹۹۸ء بروز اتوار بمقام: گلستان، شہید ملت روڈ، کراچی

تلاوت کلام پاک، نعت شریف، دعائے خیر۔ ۹ تا ۱۰ بجے شب۔ مشروبات — ۱۰ بجے شب

چشم براہ

نواب مرزا ڈاکٹر فرید الدین بیگ، عبدالعزیز صدیقی
محمد نسیم خاں، قاری محمد ظفر احمد
ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد، ڈاکٹر ابوالخیر مفتی محمد زبیر
صاحبزادہ سید محمد طاہر، سید شکیل احمد
خواجہ محمد فصیح الرحمن، ڈاکٹر جاوید اقبال

منتظر کرم

والدہ محمد مسرور احمد
بیگم و ڈاکٹر راشد شوکت
بیگم و شاہد ندیم قریشی
بیگم و الحاج محمد اطہر بازی

متمنی شرکت

(پروفیسر ڈاکٹر) محمد مسعود احمد عفی عنہ
۲/۱۷۔ سی، پی۔ای۔سی۔ایچ سوسائٹی
کراچی۔ فون نمبر ۴۵۵۲۴۶۸، ۴۵۵۲۲۳۷، ۴۵۵۸۵۹۶

محمد مسرور احمد کا گلفشاں سہرا
۱۴۱۹ھ

مُجتبیٰ مُخلصی کرم فرما
۱۴۱۹ھ

محب محبان مسعود زمن خوش ترنواز
۱۹۹۸ء

ہدیہ سلام مسنون

یہ آپ ہی کی برکت و عنایت اور توجہ بے غایت ہے کہ شادی خانہ آبادی بلطف الٰہی مبارک (۱۴۱۹ھ) کی یادگار تقریب میں محمد مسرور احمد کا گلفشاں سہرا (۱۴۱۹ھ) حاضر کر رہا ہوں قبول فرمائے

کیوں نہ مسرور[1] کا ہو ہر طرح خوش تر سہرا
ہے جد[2] و اب کے یہ فیضان کا مظہر سہرا

ابن مسعود[3] کے سر ہے وہ منور سہرا
چاند سورج سے نظر آتا ہے بڑھ کر سہرا

وہ سجا ہے مرے نوشاہ کے سر پر سہرا
میری آنکھوں میں ہے فردوس کا منظر سہرا

کتنا چمکا ہے ترا دیکھ مقدر سہرا!
ہاتھ میں ہیں لیے ہمشیرہ و مادر سہرا

چشم بدور اللہ سلامت رکھے!
تیری خاطر یہ دعا کرتا ہے گھر بھر سہرا

جس کو دیکھو وہی مسرور نظر آتا ہے
جشن مسرور میں ہے خلد کا منظر سہرا

دیکھنے والوں کا عالم ہے یہ اللہ اللہ!
روبرو دیکھ رہا ہے کوئی چھپ کر سہرا

سعدیہ کوکب و ثروت نے بلائیں لے لیں
تجھ پہ ہوتا ہے ہر اک آج نچھاور سہرا

دل کشی تجھ میں کہیں اور کہیں رعنائی ہے
لے کر آیا ہے یہاں قند مکرر سہرا

پھوپھا پھوپھی کی دعاؤں کا ہو تجھ پر سایہ
تیرا ابوالخیر[4] و مکرم[5] رہے یاور سہرا

اپنے احباب کو کرتا ہے جھک جھک کے سلام
اپنے ماحول کو کرتا ہے معطر سہرا

باغ سرہند سے، دہلی کی فتح پوری سے
آرہا ہے یہ کہاں سے ترا بن کر سہرا؟

عبد ایزد خوش تر
۱۹۹۸ء

علامہ محمد ابراہیم خوش تر صدیقی، بانی و سرپرست سنی رضوی سوسائٹی انٹرنیشنل، پورٹ لوئیس، ماریشس)
محررہ ۲ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ / ۲۷ جون ۱۹۹۸ء

۱۔ محمد مسرور احمد نبیرۂ مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ
۲۔ مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ
۳۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
۴۔ ڈاکٹر ابوالخیر مفتی محمد زبیر
۵۔ ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد

بابِ دوم

ڈاکٹر مسعود احمد ایک دینی مفکر اور دانشور کی حیثیت سے

ڈاکٹر مسعود احمد...... ایک دینی مفکر اور دانشور

ڈاکٹر مسعود احمد جب کسی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو اپنی دانشوری، علمی قابلیت اور فکری تمام تر توانائیوں کو بروئے کار لانے کی کوشش کرتے ہیں- خواہ ان کا موضوع مذہب ہو یا ادب یا تہذیب، ثقافت چنانچہ ان کے خامۂ زر نگار نے صالح انسانی معاشرہ کی تشکیل اور دین و مذہب کی خدمت کے ساتھ ساتھ علم و ادب کو بھی نئی نئی جہتوں سے آشنا کیا ہے اور ڈاکٹر مسعود احمد کی تعلیم و تربیت دینی ماحول میں ہوئی اور اس پاکیزہ ماحول نے انہیں باوجود دنیوی علم اور ترقی کے بھی دنیوی آلودگی سے محفوظ رکھا انہوں نے ابتداء تا حال جو بھی لکھا زبان و ادب کی خدمت کے تحت لکھا- ساتھ ہی دین فطرت اسلام کے اصولوں، آدرشوں اس کی حقانیت و صداقت کو بھی انہوں نے اجاگر کرنے کی کوشش کی- ڈاکٹر مسعود احمد نے مجدد الف ثانی، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی، ڈاکٹر اقبال، غمگین دہلوی اور اپنے والد و خاندان کے بزرگوں کے دینی و علمی کارناموں نیز مذہب اسلام کے دوسرے پہلوؤں حضور سرکار دوعالم کی سیرت طیبہ ان کے علم غیب وغیرہ اس کے علاوہ بدعات، شرک وغیرہ جیسے موضوعات پر بھی لکھا مگر آپ کی تحریر میں ایک مخصوص مسلک سے وابستگی نمایاں ہے- اب ہم ان کی چند دینی کتب کا مختصر اتعارف پیش کر رہے ہیں- یہ کتب جس موضوع پر بھی ہیں اپنے موضوعات کا حق ادا کرتی ہیں- علمی اور تحقیقی رنگ بھی ہر جگہ نمایاں نظر آتا ہے اور انداز بیان کی دلکشی و رعنائی اس فن کے حسن میں چار چاند لگاتی ہے- ملاحظہ ہو ان کی کتاب "جان جاناں" :-

جان جاناں

سیرت طیبہ ﷺ کے موضوع پر بہت سے ادیب و قلم کار حضرات نے لکھا ہے- بعض نے تو کئی کئی جلدیں لکھ دی ہیں- جیسے شبلی نعمانی کی "سیرت النبی"- شبلی کی ادبیت مسلم- لیکن ڈاکٹر مسعود احمد کی تحریروں میں جو حسن و دل کشی اور شفافیت و پاکیزگی ملتی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے- موصوف نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "جان جاناں" ہے- سیرت پر ایسی عام فہم سلیس اردو میں کوئی کتاب نظر نہیں آتی- کتاب اپنے موضوع پر لاجواب ہے- مذکورہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے ابواب کی ترتیب یوں ہے- پہلا باب- جھلکیاں، دوسرا باب- ظہور قدسی، تیسرا باب- جشن ولادت، چوتھا باب- جشن ولادت ابتداء اور انتہا، پانچواں باب- رسمیں اور عادتیں، پانچوں ابواب پڑھنے کے بعد ڈاکٹر مسعود احمد کی دینی و ملی فکر کا پہلو واضح طور پر سامنے

آتا ہے-بطور نمونہ کتاب کے کچھ اقتباسات پیش ہیں- خلقت محمدی ﷺ بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں-

۱- کچھ نہ تھا نہ زمین تھی نہ آسمان- نہ آفتاب تھا نہ ماہتاب- نہ دن تھا نہ رات- نہ گرمی نہ سردی نہ نسیم تھی نہ شمیم- نہ پھول تھے نہ پھل- نہ بہار تھی نہ خزاں- نہ بادل تھے نہ برسات- نہ چرند تھے نہ پرند- نہ صحرا تھے نہ گلشن- نہ شجر تھے نہ حجر- نہ دریا تھے نہ سمندر نہ ہوا تھی نہ پانی- نہ آگ تھی نہ خاک- نہ جن تھے نہ ملک- نہ حیوان تھے نہ انسان- نہ چہل پہل تھی نہ ریل پیل تھی- نہ دیوانگی تھی نہ شعور- نہ ہجر تھا نہ وصال- نہ اقرار تھا نہ انکار- نہ آہ تھی نہ فریاد- نہ رونا تھا نہ ہنسنا- نہ جاگنا تھا نہ سونا- نہ جذبہ تھا نہ احساس- نہ جوانی تھی نہ بڑھاپا- نہ ہوش تھے نہ خرد- نہ نشیب تھا نہ فراز- کچھ نہ تھا وہی وہ تھا- پھر کیا ہوا کائنات کی وسیع وعریض فضاؤں میں وہ نور چمکا- گویا زندگی میں بہار آگئی- سلسلہ چل نکلا چراغ سے چراغ جلنے لگے' دیکھتے ہی دیکھتے سارا جہاں جگمگانے لگا- ٹھہریئے دیکھئے دیکھئے-

۲- سرکار دوعالم ﷺ نے ایک روز حضرت جبریل علیہ السلام سے دریافت فرمایا- تمہاری عمر کتنی ہے؟ انہوں نے عرض کیا میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتا کہ چوتھے حجاب عظمت میں ہر ستر ہزار برس کے بعد ایک ستارہ طلوع ہوتا تھا جسے میں نے اپنی عمر میں بہتر ہزار مرتبہ دیکھا ہے- حضور سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا اے جبریل! میرے رب کی عزت و جلال کی قسم وہ ستارہ میں ہی ہوں-

۳- اہل حدیث کے مشہور فاضل نواب صدیق حسن خان صاحب بعض عرفاء کے تأثرات وخیالات نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں چونکہ ممکنات کی ہر شئ و موجودات کے ہر ایک ذرے میں حقیقت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جاری و ساری ہے- اس لئے تشہد میں حضور نبی اکرم ﷺ کو خطاب کیا گیا ہے- پس آنحضرت (ﷺ) نمازیوں کے وجود میں حاضر ہیں- اس لئے نمازی پر واجب ہے کہ اس حقیقت سے باخبر رہے اور اس مشاہدے سے غافل نہ رہے تاکہ انوار قرب واسرار معرفت سے وہ روشن اور بامراد ہو!-

---

۱- جان جاناں، ص- ۲۳- ۲۴، از ڈاکٹر مسعود احمد

ڈاکٹر مسعود احمد نے خلقت محمدی و نور محمدی ﷺ کو جہاں قرآن و حدیث سے ثابت کیا ہے۔ وہیں پر تاریخی واقعات اور دوسرے مذاہب کے گرو اور بانی کے اقوال سے بھی اپنی کتاب کو مستند و مبرھن فرمایا ہے۔ ذیل میں کچھ واقعات اور اقوال پیش ہیں۔

سکھ مت کے بانی گرونانک (۱۴۶۹ھ / ۱۵۳۹ء) نے ریاضیاتی طور پر ثابت کیا ہے کہ نور محمدی کائنات کی ہر شئی میں جلوہ گر ہے انہوں نے اپنے شبد میں بڑے یقین کے ساتھ کہا ہے۔

"گرونانک یوں کہے ہر شئی میں محمد کو پائے" جب ہم یہ کہتے ہیں کہ کائنات کی ہر شئی میں نور محمد ﷺ کی جلوہ گری ہے۔ تو گویا ہم یہ اعتراف کرتے ہیں کہ کائنات کی ہر شئی اپنی تخلیق میں نور محمدی ﷺ کی مرہون منت ہے۔ آپ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔

اس دعوے کو دلیل سے مبرھن کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :۔

اگر یہ حقیقت ہے تو پھر اس کو دنیا کی ہر مذہبی کتاب میں ہونا چاہئے حدیث میں ہونا چاہئے، دیدہ وروں کے اقوال میں ہونا چاہئے۔ آیئے اک نظر احادیث پر ڈالیں :۔

(الف) "سرکار دوعالم ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت علی سے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا اے محمد میری عزت و جلال کی قسم اگر آپ نہ ہوتے تو میں زمین پیدا کرتا اور نہ آسمان اور نہ یہ نیل گوں چھت بلند کرتا اور نہ یہ خاکی فرش بچھاتا[1]۔"

(ب) "حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں فرمایا میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا اے محمد اگر آپ نہ ہوتے تو جنت پیدا نہ کرتا آپ نہ ہوتے تو جہنم پیدا نہ کرتا[2]۔"

اس پہلو کو واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب انجیل کے حوالے سے لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں انجیل برناباس میں رب تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے :۔

۱۔ جان جاناں، ص ۲۵، پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد

۲۔ جان جاناں، ص ۲۶، از ڈاکٹر مسعود احمد

"میں نے محمد ﷺ کی خاطر تمام اشیاء بنائی ہیں تاکہ اس کے وسیلے سے تمام اشیاء میری صفت و ثنا کریں۔" اس انجیل برناباس میں ہے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام سے جب پوچھا گیا کہ آنے والے رسول کا کیا نام ہوگا تو آپ نے فرمایا "اس کا نام محمد ﷺ ہوگا کیونکہ اللہ نے جس وقت اس کی روح پیدا کی یہی نام رکھا تھا اور اس روح کو ایک آسمانی نور میں رکھا تھا۔" انجیل یوحنا میں ہے "ساری چیزیں اس کے وسیلے سے پیدا ہوئیں۔ جو کچھ پیدا ہوا ہے اس میں سے کوئی چیز بھی اس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی۔ اس میں زندگی تھی اور وہ زندگی آدمیوں کا نور تھا[1]۔

اسی طرح خلقت محمدی ﷺ سے متعلق ایک اہم تاریخی واقعہ بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر مسعود احمد تفصیل سے لکھتے ہیں:۔

تاریخ نے ایک اہم واقعہ سینے میں محفوظ رکھا ہے آپ بھی سنیئے اور ایمان تازہ کیجئے۔

ولادت نبوی سے ہزار سال قبل دنیا کا حکمران تبع اول (حمیر بن وردع) چار ہزار علماء اور دانشور اور ایک فوج ظفر موج کے ساتھ سفر پر نکلا۔ وزیر خاص عماد بھی ہر کاب تھا۔ جب صحرائے مدینہ سے گزر ہوا تو یہاں ایک خیمہ کے سوا کچھ نہ تھا مگر توریت وزبور کے عالم جانتے تھے کہ یہاں ایک آنے والا ہے، چار سو علماء نے عرض کیا ہم کو یہیں رہنے دیں۔ پوچھا کیوں؟ حقیقت حال بیان کی گئی ہے کہ یہاں ایک رسول امی مبعوث ہونے والا ہے جس کا نام محمد ﷺ ہوگا۔ وہ ہجرت کر کے یہاں آئے گا اور یہیں بس جائے گا۔ تبع اول نے یہ سن کر حکم دیا کہ مدینہ میں ایک بستی بسائی جائے اور چار سو مکان بنائے جائیں پھر سرکار دو عالم کے نام ایک عریضہ لکھا اور ایک عالم کو دیا کہ جب اس رسول امی کا ظہور ہو تو ان کی خدمت میں یہ عریضہ پیش کر دینا۔ خدا کی شان جس عالم کو خط دیا تھا سرکار دو عالم ﷺ کے میزبان اوّل حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی عالم کی اولاد میں تھے۔ جب بعثت نبوی کا غلغلہ بپا ہوا تو مدینہ منورہ سے ابو لیلیٰ یہ عریضہ لے کر مکہ معظمہ گئے اور دربار نبوی میں حاضر ہوئے، دیکھتے ہی فرمایا "تم ابو لیلیٰ ہو؟" ابو لیلیٰ حیران رہ گئے۔ پھر فرمایا "تبع اول کا خط لاؤ۔" ابو لیلیٰ نے خط پیش کیا۔ حضرت علی کو حکم دیا کہ پڑھ کر سناؤ آپ نے یہ خط پڑھ کر سنایا، سن کر سرکار دو عالم ﷺ خوش ہوئے اور فرمایا۔ "نیک بخت بھائی شاباش۔" تاریخ کے اوراق میں اس خط کا پورا متن محفوظ ہے[2]۔

۱۔ جان جاناں، ص ۲۷، از ڈاکٹر مسعود احمد

۲۔ جان جاناں، ص ۳۴، از ڈاکٹر مسعود احمد

اسی طرح تاریخ کا دوسرا واقعہ جو غیر مسلم دانشور سے منسوب ہے ان سے قلم بند فرماتے ہوئے ڈاکٹر صاحب رقمطراز ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً پانچ سو برس پہلے بدھ مت کا بانی اول گوتم بدھ ہندوستان میں پیدا ہوا اس نے واضح الفاظ میں سرکار دو عالم ﷺ کے متعلق کئی پیشین گوئیاں کی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ میرے بعد ایک اور پیغمبر "میتریا" آئے گا۔ سنسکرت میں میتریا کے معنی رحیم، مہربان یا رحمت عالم اور مہربان عالم کے ہیں۔ قرآن حکیم میں صاف لفظوں میں آپ کو رحمۃ للعالمین کہا گیا ہے۔

جب گوتم بدھ کا انتقال ہونے لگا تو اس کے خادم نے پوچھا کہ اس کے بعد ان کی کون رہنمائی کرے گا؟ تو گوتم بدھ نے جو جواب دیا اس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک نشانی بتا دی تاکہ کسی شک کرنے والے کے دل میں شک نہ رہے اس نے کہا ○ میں ہی اکیلا رسول نہیں ہوں جو دنیا میں آیا اور نہ میں آخری رسول ہوں ○ اپنے وقت پر ایک رسول آئے گا مقدس نورانی ○ جو علم و حکمت کی تعلیم دے گا ○ جو قدرت کے سارے غیبوں سے واقف ہو گا ○ جو بڑا ہی شان و شوکت والا ہو گا ○ جو نوع انسانی کا ایک مثالی قائد ہو گا اور جن و انس کا معلم ○ وہ الٰہی حقیقتیں اس طرح کھولے گا جس طرح میں کھولتا ہوں ○ وہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرے گا ○ حقیقت میں جس کا مذہب بہترین مذہب ہو گا۔ وہ شان و شوکت اور فضل و بزرگی کی انتہائی بلندیوں تک پہنچ جائے گا ○ وہ میری طرح سچائی کی زندگی گزارے گا ○ اس کے پیروکار ہزاروں کے حساب سے بڑھیں گے۔ وہ سراپا رحمت ہی رحمت ہو گا ○ گوتم بدھ نے ایک ایسی بھی پیشن گوئی کی ہے جو ہر شک کرنے والے کی دل سے شکوک و شبہات کے سارے خس و خاشاک دور کر دیتی ہے۔ سنیے وہ کیا کہتے ہیں۔ اس کی وحی بڑی فصیح ہو گی جو اس کو سنیں گے وہ سن سن کر کبھی نہ تھکیں گے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ سننا چاہیں گے۔ قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ بار بار پڑھا جاتا ہے اور بار بار سننے کو دل چاہتا ہے[1]۔

مذکورہ کتاب "جان جاناں" میں اس طرح کے بہت سارے اقوال درج ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب میں قرآن، حدیث، تاریخ وغیرہ کے حوالے سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و بزرگی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ یہ ان کی دینی و ملی فکر اور دانشورانہ تدبر کی بات ہے کہ انہوں نے ہر مکتبۂ فکر کے لوگوں کو سوچنے اور پرکھنے کا موقع فراہم کر دیا ہے[2]۔

۱۔ جان جاناں ص ۱۳۵ تا ۱۳۶ از ڈاکٹر مسعود احمد

۲۔ ڈاکٹر صاحب سارے عالم کے غیر مسلموں کو دعوت اسلام دینے کے لیے ایک کتاب "دین فطرت" کے عنوان سے مرتب کر رہے ہیں۔

آخری پیغام

ڈاکٹر مسعود احمد کی یہ کتاب "آخری پیغام" کے نام سے شہرت حاصل کر چکی ہے- کتاب میں آٹھ
ابواب ہیں ہر باب اپنی جگہ سنگ میل کا درجہ رکھتا ہے- یہ کتاب دراصل "عجائب القرآن[1]" کا مقدمہ
ہے لیکن مقدمہ اتنا طویل اور افادیت کا حامل ہو گیا کہ ڈاکٹر صاحب کے احباب نے اصرار کر کے اسے
کتابی شکل دینے پر مجبور کیا- ڈاکٹر صاحب نے ایک دینی مفکر کی حیثیت سے مذکورہ کتاب میں جواہر
پارے لٹائے ہیں- موصوف نے احادیث کے حوالے اور تاریخ اور دیگر شواہد سے ثابت کیا ہے کہ
قرآن مجید کی تدوین سردار دو عالم ﷺ کی حیات ظاہری ہی میں ہو گئی تھی- یہ ثابت کر کے ڈاکٹر
صاحب نے اہل تشیع (رافضیوں) کے قول کے مکمل تردید کی ہے- شیعوں کا کہنا ہے کہ موجودہ قرآن
مکمل نہیں ہے- اس میں سے پارے کم ہیں، بعض نے کہا ہے کہ ازواج رسول ﷺ میں حضرت عائشہ
نے تو "چونی بھوسی" کے بجائے دو قرآنی آیا تیں بکری کو کھلا دیں[2]- "جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے
اپنا جمع کیا ہوا قرآن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے مسترد کر دیا[3] وغیر
ذالک--------- ڈاکٹر صاحب کے انداز فکر کا مثبت و تعمیری پہلو یہ ہے کہ انہوں نے کسی
جماعت یا فرقے کو طنز و طعن کا نشانہ بنانے کے بجائے بالکل معروضی انداز اختیار کیا ہے- قرآن پاک
کی عظمت پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر صاحب سارے عالم کے غیر مسلموں کو دعوت اسلام دینے
کے لیے ایک کتاب دین فطرت کے عنوان سے لکھ رہے ہیں- رقم طراز ہیں-

"علم الٰہی کی بات تو بہت اونچی ہے، لوح محفوظ جس کو "ام الکتاب" کہا گیا ہے اس کی شان یہ ہے
کہ زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اس میں نہیں لکھا ہو- پیدا ہونے کے بعد کہاں رہے گا اور
کہاں بسے گا اور کہاں مرے گا اور کہاں دفن ہو گا- یہ سب کچھ ایک صاف بیان کرنے والی کتاب میں
ہے اور تو اور ارشاد ہو رہا ہے وہ کل صغیر و کبیر مستطر، کب سے دنیا قائم ہے اور کون جانے کہ کب

۱- عجائب القرآن عالم اسلام کے ساڑھے تین سو سے زیادہ عربی رسم الخطوں میں پاکستان کے مشہور و معروف خطاط جناب خورشید عالم گوہر رقم نے تیس پارے تیس جلدوں میں لکھے ہیں جن کا وزن دس من سے زیادہ ہو گا- یہ جلدیں اسلام آباد کی مشہور جامع مسجد فیصل میں تیس شوکیسوں میں رکھی ہوئی ہیں-

۲- النجم الخلفاء جواب المرتضیٰ، ص ۵۵، از فروغ کاظمی

۳- الخلفاء جواب المرتضیٰ، ص ۲۹۵، از فرخ کاظمی

تک دنیا قائم رہے گی- ابتداء سے انتہا تک جو کچھ گزر چکا گزر رہا ہے- گذرے گا وہ سب کچھ اس روشن کتاب میں ہے اور یہ قرآن حکیم بھی نہ معلوم کب سے اس "ام الکتاب" میں اس روشن کتاب میں محفوظ چلا آرہا تھا بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ اسی خزانے سے نزول قرآن کا آغاز ہوا۔[1]

قرآن مقدس سرکار دو عالم ﷺ کا ترکہ ہے اس بات کو واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں-

حضور ﷺ نے جب بھی کوئی ارشاد فرمایا پہلے خود اس پر عمل کیا ہے یہی مزاج نبوت تھا- اس لیے یہ دل کہتا ہے کہ جب آپ نے مسلمانوں کے لیے قرآن مجید بہترین ورثہ قرار دیا- تو دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد دربار نبوی سے یہ ورثہ ملت اسلامیہ کو ملنا چاہیے- چنانچہ بخاری شریف کی ایک حدیث سے اس کی تصدیق ہوتی ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں-

عبد العزیز بن رفیع کہتے ہیں کہ میں اور شداد بن معقل حضرت ابن عباس کے پاس گئے تو شداد نے پوچھا کیا رسول ﷺ نے کوئی چیز ترکے میں چھوڑی ہے ؟ انہوں نے جواب دیا نہیں- بجز اس کے جو دو پٹھوں کے درمیان ہے- پھر ہم محمد بن حنیفہ کے پاس گئے اور یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ حضور ﷺ نے کوئی چیز نہیں چھوڑی بجز اس کے جو دو پٹھوں کے درمیان ہے۔[2]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے دنیا سے تشریف لے جانے سے قبل قرآن پاک کو مدون صورت میں چھوڑا- اس کی مزید تصدیق بخاری شریف کی ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے-

یوسف بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں موجود تھا- کہ ایک عراقی آیا عرض گزار ہوا اے ام المومنین مجھے اپنا قرآن مجید دکھایئے- فرمایا بھلا کس لیے عرض کیا تاکہ میں قرآن کریم کی ترتیب درست کرلوں کیوں کہ لوگ خلاف ترتیب پڑھتے ہیں فرمایا اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں- جس کو چاہو پہلے پڑھ لو- یوسف بن مالک کا بیان ہے کہ پھر ان کے لیے عائشہ صدیقہ نے قرآن مجید نکالا اور ان کو سورتوں کی ترتیب لکھوادی حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں-

فاخرجت المصحف فاملت علیہ ای السورة[3] (ترجمہ) تو آپ نے قرآن نکالا اور صورتوں کی ترتیب لکھوادی-

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضور ﷺ کی محبوب ترین ازواج مطہرات میں تھیں اور لکھنا پڑھنا جانتی تھی- آپ ہی کے ہاں اور آپ ہی کی قربت میں حضور ﷺ نے وصال فرمایا- ممکن

۱- آخری پیغام، ص ۳۰، از ڈاکٹر مسعود احمد

۲- صحیح بخاری، ج ۳، ص ۱۴۳

۳- صحیح بخاری، ج ۲، ص ۹۹۲-۹۹۳

ہے کہ یہ قرآن مجید حضور ﷺ کا ذاتی نسخہ ہو جو آپ نے یادگار چھوڑا اور یہ حضرت عائشہ کی تلاوت میں رہتا ہو۔ جس کا اشارہ اس آیت سے ملتا ہے جس میں خطاب امہات المومنین سے کیا گیا ہے۔

واذکرن مایتلی فی بیوتکن من اٰیت اللّٰہ والحکمہ ا

(ترجمہ) اور یاد کرو جو تمہارے گھروں پر پڑھی جاتی ہیں اللہ کی آیتیں اور حکمتیں۔

کتابت وحی کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں۔

"احادیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں کم از کم چار صحابہؓ نے پورا قرآن حکیم جمع کیا تھا۔ چنانچہ انس بن مالک سے دریافت کیا گیا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں کس کس نے قرآن جمع کیا تھا۔ تو انہوں نے فرمایا چار حضرات نے اور چاروں انصار تھے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ (۱) ابی بن کعب (۲) ابو زید (۳) معاذ بن جبل (۴) زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر بن عاص نے بھی ایک قرآن جمع کیا تھا اس حدیث کی اسناد کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ "سنادہ، صحیح" وہ فرماتے ہیں، میں نے عہد نبوی میں پورا قرآن جمع کیا تھا۔ میں اس کو ایک ہی رات میں پڑھ لیتا' حضور ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے ایک ماہ میں ختم کرنے کی ہدایت فرمائی۔

یہ حدیث طویل ہے جس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش پر اس مدت میں کمی کر کے بیس دن ارشاد فرمائی۔ پھر انہوں نے عرض کیا تو پندرہ دن میں ختم کرنے کی ہدایت فرمائی مزید عرض کیا تو فرمایا (اقراء فی سبع ولا تزید علیٰ ذٰلک) (ترجمہ) سات روز میں ختم کیا کرو اس سے کم مدت میں ختم نہ کرو۔

تالیف قرآن سے متعلق دلیل پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر مسعود احمد لکھتے ہیں حضرت زید بن ثابت تو خود حضور ﷺ کے سامنے تالیف قرآن کا اہم فریضہ انجام دیتے تھے۔ جیسا کہ وہ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

قال کنا عھدرسول اللّٰہ علیہ وسلم نولف القرآن من الرقاع

(ترجمہ) ہم کاتبان وحی رسول ﷺ کے پاس بیٹھ کر رقاع (ٹکڑوں) سے قرآن ترتیب وار جمع کرتے جاتے تھے۔ تالیف اور جمع میں فرق واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

"جمع کرنے اور تالیف کرنے میں فرق یہ ہے کہ جمع کرنے کا اطلاق ایسے مجموعے پر ہوتا ہے جس میں ترتیب وغیرہ کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہو مگر تالیف کا اطلاق اس مجموعے پر ہوتا ہے جو ترتیب کے ساتھ جمع کیا گیا ہو۔

۱۔ القرآن الحکیم، سورۃ الاحزاب، آیت نمبر ۳۴

یہاں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرمارہے ہیں کہ ہم حضور کے سامنے بیٹھ کر قرآن مجید کو مختلف ٹکڑوں سے کتابی صورت میں ترتیب وار جمع کرتے تھے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا حضرت زید بن ثابت نے پورا قرآن جمع کیا تھا جس کو تکمیل کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں ملاحظہ کے لیے پیش کیا۔

تاریخی شواہد سے تدوین قرآن و تالیف قرآن کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر مسعود احمد لکھتے ہیں:

"۹ ذی الحجہ ۱۰ھ (مارچ ۶۳۲ء) کو خطبہ حجۃ الوداع کے فوراً بعد آخری آیت نازل ہوئی: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

۱۲/ ربیع الاول ۱۱ھ جون ۶۳۲ کو حضور ﷺ نے عالم ظاہر سے پردہ فرمایا۔ آخری آیت کے نزول اور پردہ فرمانے کے مابین تقریباً ڈھائی پونے تین ماہ کا عرصہ گذرا اغلب یہی ہے کہ حضرت زید بن ثابت نے اپنا مصحف حضور ﷺ کی خدمت میں ۹ ذی الحجہ ۱۱ھ اور ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۶۳۲ء کے درمیان ملاحظہ کے لیے پیش کیا ہوگا۔ مندرجہ بالا تمام شواہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں قرآن مجید کی ایک کاپی نہیں بلکہ کئی کاپیاں مدوّن ہو چکی تھی[۱]۔

عہد نبوی میں قرآن حکیم کے مکمل نسخے موجود ہونے اور کتابی صورت میں ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایسی حدیث نقل فرمائی ہے کہ جس کے راوی خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم۔ حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

"عہد نبوی ﷺ میں قرآن حکیم کے مکمل نسخے موجود تھے چنانچہ بعض احادیث سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ قرآن حکیم حضور ﷺ کے عہد مبارک میں کتابی صورت میں مدون ہو گیا تھا مثلاً حضرت علی فرماتے ہیں۔ "ان قرآن کان مجموعاً مولفاً علی عہدالنبی ﷺ (ترجمہ قرآن مجید رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں باقاعدہ جمع کیا ہوا ترتیب دیا ہوا موجود تھا[۲]۔"

مذکورہ بالا تمام اقتباسات سے واضح ہو گیا کہ سرکار دوعالم ﷺ کی حیات ظاہری میں قرآن حکیم مکمل طور سے کتابی شکل میں آ گیا تھا اب جو لوگ اس کے نامکمل ہونے کی بات کرتے ہیں وہ بلا شبہ ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم ہیں کیوں کہ اس کا محافظ حقیقی خود خالق کائنات ہے ارشاد ربانی ہے۔

انا نحن نزلنا الذکروانالہ لحفظونo

(ترجمہ) بے شک ہم نے قرآن اتارا ہے اور بے شک ہم ہی اس کے نگہبان ہیں---- خالق کائنات کے واضح بیان کے بعد بھی اس کی طرف کسی کمی یا زیادتی کی نسبت کرنا جہالت کو طشت ازبام کرنے کے مترادف ہے۔

۱۔ آخری پیغام، ص ۱۰۲، از ڈاکٹر مسعود احمد

۲۔ آخری پیغام، ص ۱۰۴، از ڈاکٹر مسعود احمد

تمدن ھند پر اسلامی اثرات

ھندوستان کے مشہور و معروف اسکالر ڈاکٹر تارا چند نے انگریزی میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا عنوان ہے

"The IInfluence of Islam on Indian Culture"

ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا تھا جو ۱۹۶۴ء میں لاہور سے شائع ہوا-اس کتاب میں مصنف نے بعض باتیں غیر محققانہ اور غیر مؤرخانہ لکھدیں-ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب پر ایک مضبوط مقدمہ لکھا جس میں ایسی باتوں کا علمی تعاقب کیا- مصنف نے ایک جگہ اسلام کے بارے میں ''تہذیب سوزی'' کا لفظ استعمال کیا-ڈاکٹر صاحب نے دلائل و شواہد سے اس کا رد کیا۔ ہم یہاں ڈاکٹر تاراچند کی بعض قابل اعتراض عبارتیں اور ڈاکٹر صاحب کے مدلل جواب لکھتے ہیں۔

تارا چند:

قدیم ادیان کے نمایندے برہمن مت کے مغلوب ہونے سے مسلمانوں کے بہت ہی ممنون ہوئے، حتیٰ کہ مسلمانوں کی ''تہذہب سوزی'' (vendalism) سے بھی وہ خوش تھے-

ڈاکٹر مسعود احمد:[1]

فاضل مصنف کا یہ فرمانا کہ ''شاید ہندوستان نے بھی اپنے ہی دیے ہوئے تصورات کا عکس اسلام کے ذریعے حاصل کیا'' کچھ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے-اس دعوے کی کمزوری لفظ ''شاید'' ہی سے ظاہر ہے-اگر حقیقت واقعہ یہی ہے تو پھر ''اسلامی اثرات' بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں-اس سلسلے میں ہم یہاں فرانس کے مشہور محقق اور مؤرخ ڈاکٹر گستاولی بان (G.Le Bon) کا بیان نقل کرتے ہیں-مؤرخ موصوف اپنی کتاب میں لکھتے ہیں :

> اس سات سو سال کے عرصے میں جب سے مسلمانوں کی حکومت ہندوستان میں رہی ہے، مختلف فاتحین نے اس ملک کو زیر کیا، جن میں عرب، افغان ترک اور مغل شامل ہیں لیکن ان سب کا مذہب اسلام تھا اور ان کے کل انتظامات شریعت محمدی پر مبنی تھے-ان فاتحین نے نہ صرف ھندوستان کو فتح کیا بلکہ اپنا مذہب، اپنی زبان اور اپنی صنعت اس ملک میں پھیلائی-اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ عظیم الشان

۱- ڈاکٹر تاراچند. تمدن ھند پر اسلامی اثرات، ص ۱۳۰

تغیرات جوانہوں نے پیدا کیے اس وقت بھی موجود ہیں، اور پانچ کروڑ ھندوا سلام کے پیرو ہیں۔

اسلام بر عیسائیت اور نوافلاطونی اثرات کے ساتھ ساتھ بہتر ہو تا اگر فاضل مؤلف عیسائیت پر اسلام کے احسانات کو بھی بتاتے جاتے۔ایک مدت تک یورپ کے احسان فراموشوں نے مسلمانوں کے احسانات کو چھپائے رکھا لیکن اب حالات کچھ اور ہیں اور اس حقیقت کا کھل کر اعتراف کیا جارہا ہے۔ چناں چہ جان ولیم ڈریپر (John william Draper) لکھتا ہے:

Injustice founded on religions rancour and natconal cinceit cannot be perpetuated for ever --- the Arab has left his intellectual impress on Europe as, before long, christendom will have to confess.[۲]

فاضل مؤلف نے مسلمان فاتحین کے لیے لفظ "vendalism" استعمال کیا ہے جس کے معنی "تہذیب سوزی" کے آتے ہیں۔ تعجب ہے کہ وسعت نظر اور وسعت علم کے ہوتے ہوئے موصوف نے اس قسم کا نامناسب لفظ استعمال کیا۔

یورپ میں نشاۃ ثانیہ ان ہی "تہذیب سوزوں" کی مرھون منت ہے۔ رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) لکھتا ہے:

It was under the inlfluence of Arabian and Moorish revival of culture, and not in the 15th century that real Renaisance took place. Spain and not Italy, was the cradle of the rebirth of Europe.[۳]

۱- ڈاکٹر گستاؤلی بان: تمدن ھند (ترجمہ اردو از ڈاکٹر سید علی بلگرامی) مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۲ء، صفحہ ۳۰۷

2- John William Draper: Intellectual Development of Europe, Vol II p. 42 Ref Heritage of Islam by K. Jamil Ahmad, Lahore 1956.

3- Robert Briffault The Making Of Humanity' p. 298`188-9(Heritage of Islam P 557)

دور جدید کے عظیم مؤرخ پروفیسر فلپ-کے-ھٹی(Philip K. Hitti) نے لکھا ہے :

Moslem Spain wrote one of the brightest Chapter in the intellectual history of 8th and the beginning of 13th centuries...the Arab speaking peoples were the main bearer of the torch of culture and civilzation throughout the world.[1]

آخری جملہ قابلہ غور ہے کہ "آٹھویں اور تیرھویں صدی عیسوی کے درمیان عرب ساری دنیا میں تہذیب و تمدن کے مشعل بردار تھے"-یورپ کے مختلف فاضلوں نے مسلمانوں کی تمدن افروزی اور تہذیب نوازی کو سراہا ہے-چناں چہ باسورتھ اسمتھ[۲](Bosworth Smith)، ایس-ٹی-آرنلڈ[۳] (S.T.Arnold)، الفرڈ گیام[۴] (Alferd Guillaume)، جی-بی-ٹرینڈ[۵](Trend G. B) وغیرہ نے ان حقائق پر روشنی ڈالی ہے-رابرٹ بریفالٹ[۶](Robert Brifault) کا یہ قول اپنی جگہ بڑا وقیع ہے- وہ لکھتا ہے :

.... there is not a single aspect of European growth in which the decisive influence of Islamic Culture is not traceable.[۶]

جہاں تک یونانی اور نوافلاطونی تاثرات کا سوال ہے ، اسپنگلر (Spengler) کے جواب میں علامہ اقبال کا یہ قول کافی ہے :

.... the anti -classical spirit of the modern world has really spirit of the revolt of islam against Greek thought.[۷]

1- Philip k.hitti ;History of the Arabs, P.557 (Ref .heritage of islam P.29

2- Bosworth smith ;Mohammad and Mohammedanism P.183 (Ref the Arabian Prophet p.358.

3- S.T. Arnold: The Legacy of Islam, London, 1952. Preface,

4- S.T. Arnold: The Legacy of Islam, London, 1952. Preface,

5- G. B. Trend : Spain, and Portugal, (Ref. The Legacy of Islam , P. 5)

6- Robert Briffault: Making of Humanity, page 202 (Ref. The Reconsruction of Religious Thought etc. P. 190.)

7- Dr. Mohammad Iqbal: The Reconstruction of Religious Thought In Islam, Lahore, 1944, P. 143

نوافلاطونی تصورات کی مخالفت وتردید میں اشراقی اور ابن تیمیہ پیش پیش ہیں۔

تہذیب وتمدن کے متعلق اسلامی نظریے کی وضاحت پکتھال (Pickthal) نے بڑی خوبی کے ساتھ کی ہے جو یاد رکھنے کے قابل ہے۔ وہ لکھتے ہیں :۔

The Culture of Islam aimed not at beautifying and refining the accessories of human life. It aimed at beautifying and exalting human life itself.[1]

(ترجمہ) اسلامی تمدن کا یہ ہرگز مقصد نہیں کہ وہ حیات انسانی کے حشووزوائد کو جمیل وحسین ور عنابنائے اور بلند تر کردے۔

فاضل مولف تحریر فرماتے ہیں :

اسی زمانے میں (یعنی چودھویں صدی عیسوی میں) مسلمانوں کے سلسلہ ھائے طریقت، مسلم اہل قلم اور شعراء ھندو ممارسات اور معتقدات کی طرف مائل ہونے لگے اور بعض حالات میں تو وہ ھندو دیوتاؤں کی پرستش کو اپنانے کی حد تک پہنچ گئے۔[۲]

فاضل مولف نے اپنے قول کے لیے کوئی برھان پیش نہیں کی۔ مناسب تھا کہ موصوف چند مثالیں پیش کر دیتے تاکہ قارئین مطمئن ہو سکتے۔ جہاں تک سلسلہ ھائے طریقت کا سوال ہے۔ چودھویں صدی عیسوی میں ایران و عراق سے مشہور سلاسل میں چشتیہ، سہروردیہ اور فردوسیہ ھندوپاک آئے۔ ان میں چشتیہ کے بزرگوں نے تبلیغ اسلام میں جو نمایاں کردار انجام دیا ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ چودھویں صدی عیسوی میں مسلم علماء کا ھندو معتقدات کی طرف مائل ہونے کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ جہاں تک ہمارا خیال ہے اسلام کے اس طویل دور میں کسی عالم کا برگشتہ ہو کر ھندو مذہب اختیار کرنا یا ان کے دیوتاؤں کی پرستش کرنے کی مثال شاید ہی مل سکے۔ البتہ سولھویں صدی عیسوی میں اکبر کے دور میں خبط الحواسی کا دور آیا تھا۔ جہاں گیر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض علاقوں میں جاھل مسلمان ھندو دیوتاؤں کی منت مانا کرتے تھے، سو اسلام کی نظر میں ان کا یہ فعل مشرکانہ ہے۔ وہ مسلمان جو کسی دیوتا کی پرستش کرتا ہے، کسی طرح

1 Mohammad Marmaduke Pekthal Islamic, Culture, lahore, P 3

۲۔ ڈاکٹر تاراچند۔ تمدن ھند پر اسلامی اثرات صفحہ ۲۱۹

مسلمانوں کی فہرست میں شامل نہیں کیا جاسکتا، خواہ وہ کتنا ہی اسلام کا دعویٰ کرے۔کفر و اسلام میں مابہ الامتیاز خدا اور غیر خدا کی پرستش ہے۔اسلام کا خدا بڑا غیرت مند ہے، وہ عبادت میں غیر خدا کی شرکت برداشت نہیں کرسکتا' چناچہ قرآن حمید میں ارشاد ہوتا ہے :

"ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر مادون ذٰلك لمن يشاء ومن يشرك بالله فقد افترى اثما عظيما[۱]۔"

(ترجمہ) اللہ اس کو معاف کرنے والا نہیں کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے، ھاں اس کے علاوہ جس کو چاہے معاف کردے۔جس کسی نے خدا کے ساتھ شریک کیا اس نے خدا پر بڑا طوفان اٹھایا۔

ایک جگہ اور ارشادہ ہوتا ہے :

ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر مادون ذٰلك لمن يشاء ومن يشرك بالله فقد ضل ضلالا بعيدا[۲]"

(ترجمہ) خدا کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے تو خدا اس کو معاف نہیں کرتا، البتہ اس کے سواء جو چاہے معاف کردے۔اور جس نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک کیا وہ بہت بھٹک گیا۔

اسلام کی "پرجوش توحید پرستی" کے تو خود فاضل مؤلف قائل ہیں۔یہی نہیں بلکہ اپنے اور بیگانے سب ہی اسلام کی توحید خالص کے مداح ہیں۔چناں چہ آئزک ٹیلر (Canon Isaac Taylor) لکھتاہے :

In the resignation to God`s will ..... the Muslims set us a Pattern we should do well to follow.[۳]

بوسورتھ اسمتھ (Bosworrth smith)، ایف۔اے۔ایچ ولیم[۴] (F.A .H William)

۱- قرآن حمید : ترجمہ مولوی نذیر احمد، مطبوعہ دھلی، ۱۳۲۳ھ، سورۂ نساء، ص ۱۵۲

۲- قرآن حمید۔سورۂ نساء، ص ۱۷۴

3- Charms of Islam, P.55.

4- Rev. Bosworth Smith: Lectures on Muhammad and Muhammedanism. (Charms of Islam, P.55)

ڈبلیو-ایچ-ٹی گارڈنر (W. H. T. Gardiner) اور تھامس کارلائل[1] (Thomas Carlyle) نے اسلامی توحید کو سراہا ہے -ان کے علاوہ ٹالسٹائی، سر ولیم میور، پروفیسر ماؤنٹ، امیڈور منٹگمری ڈائن ایسٹن، فالیئر، گاسٹاف لایاں، جارج برنارڈ شاہ وغیرہ نے اسلامی توحید کو سراہا ہے[2]۔

فاضل مؤلف تحریر فرماتے ہیں:

(الف) سدھاریوں کا اپنے مخالفین پر سب وشتم کرنا بلحاظ شدت بالکل اسلامی ہے[3]۔

(ب) ان کے (یعنی مسلمانوں کے) چاروں طرف ھندو تھے اس لیے ان لوگوں سے دائمی تعصب رکھنا ان کے لیے ناممکن تھا[4]۔

(ج) دھرم گجن اور بد جنانی بھجن برھمنوں کے خلاف بغض و حسد اور تعصب سے بھرے ہیں-ان بھجنوں میں مسلم تصورات جا بجا ملتے ہیں[5]۔

(د) پرجوش توحید پرستی' دیگر مذاہب کے ساتھ عدم رواداری' مومنین اور منکرین میں تفریق---- مسلم شعور کا مذھبی پہلو ہے-

مخالفین پر سب وشتم' غیر مسلموں سے بغض و حسد اور دیگر مذاہب کے ساتھ عدم رواداری کا برتاؤ اور مصلحت کے تحت مجبوراً تعصب کو ترک کر دینا، نہ اسلام نے سکھایا اور نہ مسلمانوں کا شیوہ رھا-اسلام نے مخالفین پر ملامت کرنے سے روکا ہے، غیر مسلموں بلکہ تمام انسانوں سے انسانیت کی بنیاد پر اللہ کے لیے دوستی اور محبت کا برتاؤ رکھنے کی ھدایت کی ہے: چناں چہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ عام لوگوں کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور جب تک وہ انسان سے صرف خدا کے لئے محبت نہیں کرتا[6]۔"

---

1 Thomas Carlyle: On Heroes Hero- Worship and the Heroic in History, London. 1921, p73-4

۲- عبدالقیوم ندوی: یورپ اور اسلام، مطبوعہ لاھور' ۱۳۵۶ھ-

۳- ڈاکٹر تاراچند ھند پر اسلامی اثرات' ص ۲۹۰

۴- ڈاکٹر تاراچند، تمدن ھند پر اسلامی اثرات' ص ۲۱۷

۵- ڈاکٹر تاراچند تمدن ھند پر اسلامی اثرات، ص ۱۳۵

۶- مسند امام احمد ابن حنبل: ج ۳، صفحہ ۲۷۳

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے :

"الانسان اخ الانسان"
کہ ہے ساری دنیا کنبہ خدا کا

آں حضرت ﷺ کی ذات گرامی تاریخ عالم میں بالعموم اور تاریخ اسلام میں بالخصوص ایک عظیم الشان مثالیہ (Ideal) کی حیثیت رکھتی ہے- ملت اسلامیہ نے جو کچھ سیکھا ہے آپ ہی سے سیکھا ہے- تاریخ کے طلبہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ابتداء عہد نبوت میں اھل مکہ نے آپ کے ساتھ کیا کچھ نہ کیا- جو کچھ نہ کرنا تھا، کیا- مگر جب سن ۸ ہجری (۶۳۰ ع) میں یہ پیکر قدسی (ﷺ) مدینہ منورہ سے چل کر فاتحانہ شہر مکہ میں داخل ہوتا ہے تو شاید دنیا والوں کو یہ توقع ہو کہ آج دشمنوں سے بدلے لیے جائیں گے اور مکہ کی گلیوں میں خون کی ندیاں بہیں گی، مگر نہیں، جو کچھ ہوا اس نے عالم کو حیرت میں ڈال دیا اور آج تک دنیا انگشت بدنداں ہے کہ یہ سب کچھ ہوا کیسے ؟ مگر ہوا اور یہ سب کچھ اس عرش و کرسی سے وسیع قلب ایک گوشے کی جلوہ گری تھی۔ تمام دشمنوں کو معاف کر دیا گیا۔[1] (مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء، ص ۶۱-۷۱)

وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة

۱- تمدن ہند پر اسلامی اثرات، ص ۶۱-۷۱

حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال

ڈاکٹر مسعود احمد کا سلسلہ، بیعت نقشبندی مجددی ہے۔اس لئے انہیں مجدد الف ثانی سے کافی محبت و الفت ہے۔ کیونکہ مجدد الف ثانی مذکورہ سلسلے کی اہم کڑی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے مجدد الف ثانی پر کام کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ ابتک کئی کتابیں اس موضوع پر منظر عام پر آگئی ہیں۔ مجدد الف ثانی سے متعلق ڈاکٹر مسعود احمد کے تاثرات ملاحظہ فرمائیں :۔

"حضرت مجدد نے اپنی کوششوں کا آغاز اکبر بادشاہ کے عہد سے کیا جہانگیر کے عہدِ حکومت میں یہ کوششیں بار آور ہوئیں آپ نے دربار اکبری اور دربار جہانگیری کے وزراء و امراء سے قریبی روابط قائم کئے۔ نہ صرف یہ بلکہ جہانگیر کے دربار میں جاکر اور جہانگیر کے ساتھ سفر و حضر میں رہ کر بڑے تحمل و تدبر کے ساتھ اسلام کا پیغام پہنچایا اور تجدید و اصلاح کا حق ادا کیا۔ بے شک آپ مجدد برحق تھے۔ آپ نے اسلامی حکومت کے قیام' سیاسیات میں غیر مسلموں سے عدم تعاون اور اسلامی ہند کی تعمیر کے لئے انتھک کوشش کی اور شریعت، طریقت، سیاست، حکومت اور معاشرت و معیشت کے شعبوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ عوام و خواص شریعت سے بیگانہ ہوتے جارہے تھے۔ آپ نے علمی مقالات، مکالمات اور مکتوبات کے ذریعے آشنائے شریعت کیا.....

سیاست اور حکومت میں حضرت مجدد نے جو کارنامہ انجام دیا وہ اکبر کے ایک قومی نظریہ کے خلاف دو قومی نظریہ کا اعلان تھا۔ حضرت مجدد نے اسلام کے اس نظریہ کو حیات نو بخشی اور یہ واضح کر دیا کہ کفر و اسلام دو متضاد حقیقتیں ہیں۔ حضرت مجدد کی کوششیں عہد جہانگیری میں بار آور ثابت ہوئیں جبکہ جہانگیر نے امور مذہبیہ و حکومت میں مشورے کے لئے علماء کا ایک کمیشن مقرر کیا اس طرح حکومت میں غیر مسلموں کا اثر رسوخ کم ہوا۔ چنانچہ اس کے بعد اسلام کو مسلسل فروغ ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ دورِ عالمگیری میں حضرت مجدد اور ان کے صاحبزادگان کی مساعی نقطۂ عروج پر پہنچ گئیں[1]۔

۱۔ حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال، ص ۱۱۔ ۱۲

اسی طرح ڈاکٹر صاحب ڈاکٹر محمد اقبال سے بھی مانوس نظر آتے ہیں۔ کیونکہ ڈاکٹر اقبال حضرت مجدد الف ثانی سے بے پناہ عقیدت و محبت رکھا کرتے تھے۔ اس بات کو واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب اپنی کتاب "حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال" کے حرف آغاز میں رقم طراز ہیں :۔

"ڈاکٹر محمد اقبال، حضرت مجدد سے بے پناہ متاثر ہیں ایک عرصہ ہوا راقم کے کرم فرما سید علی اکبر شاہ مرحوم (ایم۔ایل۔اے 'سندھ) نے سب سے پہلے اس طرف متوجہ کیا تھا۔ مگر یہ اندازہ نہ تھا کہ حضرت مجدد سے اقبال اس حد تک متاثر ہیں جب مطالعہ کیا تو یہ راز کھلا کہ حضرت مجدد کے افکار، فکر اقبال کے بنیادی عناصر میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں [۱]"

ڈاکٹر مسعود احمد نے اپنی کتاب میں سیرت اقبال اختصار کیساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن اس اختصار میں جامع سیرت بیان کی ہے ڈاکٹر صاحب اپنا تاثر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جدید تحقیق کے مطابق اقبال ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے ان کے والد صاحبِ علم و عمل تھے۔ تصوف کا خاص ذوق رکھتے تھے اور سلسلہ قادریہ میں قاضی سلطان احمد سے بیعت تھے اور غالباً اقبال کو بھی انہیں سے بیعت کروایا اور تربیت خود فرمائی گھر کے اس صوفیانہ ماحول کا ذکر کرتے ہوئے اپنے بیٹے جاوید سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں :

جس گھر کا مگر چراغ ہے تو
ہے اس کا مذاق عارفانہ

اقبال نے کتابوں سے زیادہ نگاہوں سے سیکھا خود کہتے ہیں :

تجھے یاد کیا نہیں ہے مرے دل کا وہ زمانہ
وہ ادب گہہ محبت وہ نگہ کا تازیانہ

اس عارفانہ ماحول میں اقبال کی پرورش ہوئی، تلاوت کلام صبح کا معمول تھا، والد کی ہدایت تھی کہ قرآن اس سوز و گداز سے پڑھو کہ یہ محسوس ہو کہ تم پر نازل ہو رہا ہے، اس شعر میں اسی نصیحت کی طرف اشارہ ہے۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہیں نہ رازی نہ صاحب کشاف

اقبال کی والدہ بھی عابدہ و زاہدہ تھیں ان کے فیض تربیت نے اقبال کو اور جلا بخشی۔۔۔۔۔۔ اقبال نے ابتدائی تعلیم قدیم طرز کے مکتب میں حاصل کی پھر سیالکوٹ کے مشن

۱۔ حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال، ص ۱۷، از ڈاکٹر مسعود احمد

اسکول میں داخل ہو گئے۔ جہاں مولوی میر حسن جیسا فاضل استاد ملا ان کے فیض تربیت نے اقبال میں عربی فارسی زبان دانی کا شوق پیدا کیا اور ادبیت کا ذوق اور نکھر کر سامنے آیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اقبال مشن اسکول سے فارغ ہو کر لاہور چلے آئے اور گورنمنٹ کالج میں داخلہ لے لیا۔ یہاں ان کو پروفیسر آرنلڈ جیسا استاد ملا جس کی تعلیم و تربیت نے اقبال کے مخفی جواہر کو اور چمکا دیا اور وہ۔بی۔اے۔اور۔ایم۔اے۔ میں امتیازی حیثیت سے کامیاب ہوئے اور تمغات حاصل کیے۔۔۔۔۔سیالکوٹ کے زمانہ قیام سے ہی اقبال کی شاعری کا آغاز ہو چکا تھا جب لاہور آئے تو ذوق شاعری اور نکھرا۔ایک مشاعرے میں یہ نکھرا ہوا شعر پیش کر کے سخن شناسوں کو حیران کر دیا۔

موتی سمجھ کر شان کریمی نے چن لئے

قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

۱۹۲۵ء اور ۱۹۳۸ء کا درمیانی دور اقبال کے فکرو بیان کا حاصل ہے یہ چوتھا اور آخری دور ہے۔اس میں وہ زیادہ پختہ کار اور جہاں دیدہ نظر آتے ہیں۔۱۹۳۲ء میں ''جاوید نامہ'' شائع ہوا اور ۱۹۳۵ء میں ''ضرب کلیم'' یہ دونوں مجموعے فکرو بیان کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہیں اقبال کے افکار ایک نیا شباب لیکر سامنے آتے ہیں، فکرو خیال پر تصور خودی چھایا ہوا ہے۔اقبال کے تمام افکار نقطۂ خودی کے گرد گھومتے نظر آتے ہیں[۱]''۔

اب ہم ذیل میں دونوں کے نظریات وافکار کا خلاصہ ڈاکٹر مسعود احمد کے حوالے سے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے تناظر میں پیش کر رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال

ڈاکٹر مسعود احمد نے اپنی کتاب ''حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال'' میں وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ڈاکٹر اقبال پہلے وحدۃ الوجود کے قائل تھے ان کے اس نظریے کو ظاہر کر کے ڈاکٹر صاحب نے ان پر ایک طرح کی تنقید کی ہے آخر میں پھر ثابت کیا ہے کہ ڈاکٹر محمد اقبال، مجدد الف ثانی کے ہم خیال ہو گئے تھے۔ڈاکٹر اقبال کا نظریہ وحدۃ الوجود بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :۔

''شمع و شاعر'' اقبال کی وہ پہلی نظم ہے جس میں تصور خودی ملتا ہے جو فکر جدید میں انقلاب

۱۔ حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال، ص ۱۷۔۱۹۔۲۲۔۲۳ ملخصاًاز ڈاکٹر مسعود احمد

آفریں ہے- اس نظم کا سال اشاعت ۱۹۱۲ء ہے اس سال اقبال نے اپنی مشہور مثنوی ''اسرار خودی'' لکھی اور مسئلۂ خودی کو اس میں باضابطہ طور پر پیش کیا----------

اسرار خودی کی اشاعت سے پیشتر اقبال پر وجودیت کا رنگ غالب تھا ''بانگ درا'' میں وجودی مفہوم کی بہت سی نظمیں ملتی ہیں- اس ضمن میں معنی آفرینی کے لحاظ سے مندرجہ ذیل شعر اردو ادب میں شاہکار ہے ؎

ہاں آشنائے لب نہ ہو راز کہن کہیں
پھر نہ چھڑ جائے قصۂ دار و رسن کہیں

جس زمانے میں اقبال ڈاکٹریٹ کا مقالہ تصنیف کر رہے تھے اس وقت وہ جلال الدین رومی سے اتنے متاثر نظر نہیں آتے جتنے کے محی الدین ابن العربی سے لیکن اسرار خودی کی اشاعت کے بعد اچانک انکشاف ہوا کہ وہ اب ''ہمہ اوستی'' نہیں ''ہمہ ازوستی'' ہو گئے ہیں------ چنانچہ اسرار خودی کے شائع ہونے کے بعد ان کے کیمرج کے استاد فلسفہ میک ٹیگرٹ نے انہیں لکھا کہ طالب علمی کے زمانے میں تو تم زیادہ تر ''ہمہ اوستی'' معلوم ہوتے تھے اب معلوم ہوتا ہے کہ ادھر سے ہٹ گئے ہو-

ڈاکٹر اقبال کے نظریہ وحدۃ الوجود سے وحدۃ الشہود کی طرف مائل ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :-

''یہ بات قابل ذکر ہے کہ ۱۹۱۱ء تا ۱۹۱۴ء کے دوران امرتسر میں حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات شائع ہوتے رہے اقبال نے ضرور ان کا مطالعہ کیا ہو گا-

حضرت مجدد کے یہاں نظریۂ شہود ہے اس میں ذات عبد نمایاں ہے، اقبال اس نظریئے سے متاثر نظر آتے ہیں[۱]''

اقبال نے ابتداء میں جب رومی کا مطالعہ کیا تو وہ وجودی تھے اگر رومی کے ہاں وحدۃ الوجود نہیں تھا تو پھر اقبال کا اس دور میں وجودی ہونا تعجب انگیز ہے- کیونکہ سب سے زیادہ انہوں نے رومی ہی سے تأثر قبول کیا تھا- حقیقت یہ ہے کہ مسلک شہودی کی طرف ان کا میلان طبع مطالعۂ مجدد کا مرہون منت ہے اس فکر کی تعمیر میں اور عوامل بھی شامل رہے[۲]-

---

۱- حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال، ص ۱۴۹، از ڈاکٹر مسعود احمد
۲- حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال، ص ۵۰

ڈاکٹر مسعود احمد نے اقبال کا وحدۃ الوجود سے تائب ہونے کا ذکر بہت ہی حسین انداز میں پیش کیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

بہر کیف اقبال حضرت مجدد کی اتباع میں ''سر الفراق'' کہلانا پسند کرتے ہیں اور مسلک وحدۃ الشہود ہی ان کا مسلک ہے۔ وحدۃ الوجود کو زندیقیت سے تعبیر کرتے ہیں اور اس سے تائب ہو گئے ہیں ایک جگہ خود تحریر فرماتے ہیں۔

''خواجہ صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ یورپ کا علمی مذہب تو وحدۃ الوجود ہے جس کے وہ حامی ہیں۔ میں تو اس مذہب سے جو میرے نزدیک زندیقیت ہے تائب ہو کر خدا کے فضل و کرم سے مسلمان ہو چکا ہوں۔[1]''

وحدۃ الوجود سے تائب ہونے کے بعد وحدۃ الشہود کے فروغ کے لئے اقبال نے جو کوشش کی تھی اس کی نشاندہی کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب رقمطراز ہیں :۔

''وحدۃ الوجود کی غلط تعبیرات سے جو مسموم اثرات پھیل رہے تھے۔ اس سے اقبال نے نہ صرف خود کو محفوظ رکھا بلکہ ملت اسلامیہ کو محفوظ رکھنے کا بیڑا اٹھایا یہی وہ مشن تھا جس کی حضرت مجدد نے ابتداء کی تھی اقبال نے حضرت مجدد کے اس مشن کو ترقی دی'' چنانچہ خود فرماتے ہیں :

''رھبانیت دنیا کی ہر مستعد قوم میں اس کے عملی زوال کے وقت پیدا ہوئی ہے اس کا مٹانا ناممکن ہے کہ بعض رھبانیت پسند طبائع ہر وقت موجود رہتی ہیں۔ جو کچھ ہم کر سکتے ہیں وہ صرف اسی قدر ہے کہ اپنے دین کی حفاظت کریں اور اس کو رھبانیت کے زہریلے اثر سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔[2]''

اسی مقصد کے لئے اقبال نے مثنوی ''اسرار خودی'' اور ''رموز بے خودی'' لکھی جو ملت اسلامیہ کی حیات اجتماعیہ پر اثر انداز ہوئی۔

ڈاکٹر مسعود احمد نے اپنے قول کی تائید میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کا حوالہ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے :

''سر محمد اقبال ایک بڑے شاعر اور فلسفی عالم تھے۔ جب سے انہوں نے

۱۔ حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال، ص ۵۱

نوٹ : نظریہ وحدۃ الوجود حق ہے، خود حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ ابتداء میں اس نظریہ کے قائل تھے۔ نظریہ وحدۃ الوجود کی غلط تعبیرات سے خرابیاں پیدا ہوئیں۔ اقبال کے ان خیال کی خود مکتوبات امام ربانی سے تصدیق نہیں ہوتی کہ معاذ اللہ نظریہ وحدۃ الوجود زندیقیت ہے۔ انجم

۲۔ حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال، ص ۵۲

"اسرار خودی" تصنیف کی مسلمانوں کے سیاسی اور اخلاقی خیالات کے رجحان کو بدل دیا- انھوں نے تصوف کے نظریۂ فنا یا نفی خودی کی تنقیص کی اس کے بجائے خودی اور اثبات خودی کو تجویز کیا- اور وحدت وجود پر اعتراض کیا[۱]"

بعد ازاں سر محمد اقبال نے متصوفین کے عقیدۂ وحدت وجود کے خلاف احتجاج کیا اور اسلامی اخلاقیت کو نئی روح بخشی اور جہد و عمل کی زندگی کی تلقین کی-

ڈاکٹر مسعود احمد نے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کے حوالے سے اقبال اور حضرت مجدد الف ثانی کے فکری مماثلات کا اس طرح ذکر کیا ہے :-

"مجدد الف ثانی اور علامہ اقبال کے افکار میں بظاہر جو مماثلت نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ دونوں کے دل میں ولولہ تھا کہ لوگوں کے خیالات کا رخ اسلام کی طرف پھیرا جائے- دونوں کشف کو ذریعۂ علم سمجھتے ہیں، دونوں وحدۃالوجود (نظریہ اتحاد و حلول) کو غلط سمجھتے ہیں دونوں کو اس بات پر اصرار ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی اسوۂ کامل اور معیار کمال کی حیثیت رکھتی ہے-

اقبال کی مشہودیت پسندی نے ان کو مقام عبدیت کے تصور سے آشنا کیا کیونکہ وجودیت میں عبدیت کا کیا سوال؟ اسی نظریۂ عبدیت پر علامہ نے اپنے شہودی نظریہ خودی کی بنیاد رکھی ہے...... ابو سعید نور الدین نے بھی لکھا ہے- شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے بھی جو برصغیر پاک و ہند کے ایک بہت بڑے صوفی گذرے ہیں- انھوں نے بڑے شد و مد کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ سلوک میں سالک کی آخری منزل جیسا کہ عام طور پر صوفیہ کا عقیدہ ہے، وحدۃالوجود نہیں بلکہ اس سے بھی آگے اور ایک منزل ہے جسے مقام عبدیت کہنا چاہئے یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر سالک پر یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ وہ ایک بندۂ محض ہے، وحدۃالوجود کے تصور سے اس پر خدا سے اتحاد و اتصال کی جو کیفیت طاری ہوتی ہے، وہ کوئی دائمی کیفیت نہیں ہے بلکہ عارضی ہے، امر واقعہ یہ ہے کہ بندہ بندہ ہے اور خدا خدا ہے- شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے اس نقطۂ نظر سے علامہ اقبال بہت زیادہ متأثر ہوئے- وہ اپنی خودی کو فنا کر کے خدا یا انائے مطلق میں ضم ہو جانے کے ہرگز قائل نہیں اور نہ مقام عبدیت، یا مقام بندگی کو ترک کر کے شان خداوندی

۱- حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال، ص ۵۲، از ڈاکٹر مسعود احمد

قبول کرنے کے لئے قطعاً راضی نہیں۔

متاعِ بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی
مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی''[۱]۔

حضرت مجدد الف ثانی کی شریعت و طریقت کی ہم آہنگی کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر مسعود احمد اظہار خیال فرما رہے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

''شریعت و طریقت کو ہم آہنگ کر کے ایک طرف تو حضرت مجدد نے عجمی تصوف کو اسلامی رنگ میں رنگا اور دوسری طرف وحدۃ الوجود کے مقابلے میں وحدۃ الشہود کا تصور پیش کر کے اس رنگ کو اور نکھارا اور نام نہاد صوفیہ کے دام تزویر سے ملت اسلامیہ کو بچایا یہ تصورات تصوف میں خاص اہمیت رکھتے ہیں اس لئے اس پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔

ذوالنون مصری (م ۲۴۵ھ / ۸۵۹ء) پہلے صوفی ہیں جن سے وحدۃ الوجود کے خیالات منسوب کئے جاتے ہیں ان کی بدولت اس تصور نے فروغ پایا اور حسین بن منصور الحلاج (م ۳۰۹ھ / ۹۲۱ء) کے ہاں اس نے کمال حاصل کیا منصور کے بعد محی الدین ابن العربی (م ۶۳۸ھ / ۱۲۴۰ء) نے وحدۃ الوجود کو شد و مد کے ساتھ پیش کیا۔ فتوحات مکیہ ''ترجمان الاشواق'' اور فصوص الحکم'' وغیرہ میں وجودی تصورات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس تصور کا موئید ہونے کی وجہ سے دوسرے مذاہب کے متعلق جو ان کا طرز عمل تھا، وہ ان اشعار سے نمایاں ہے جن کا ترجمہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

آج سے پہلے میرا یہ حال تھا جس ساتھی کا دین مجھ سے نہ ملتا میں اس کا انکار کرتا اور اسے اجنبی سمجھتا۔ لیکن اب میرا دل ہر صورت کو قبول کرتا ہے۔ وہ اب ایک چراگاہ بن گیا ہے غزالوں کی اور دیر ہے راہبوں کا اور آتش کدہ ہے آتش پرستوں کے لئے اور کعبہ ہے حاجیوں کے لئے اور الواح ہے تورات کی اور صحیفہ ہے قرآن کا۔ میں اب مذہب عشق کا پرستار ہوں' عشق کا قافلہ جدھر چاہے مجھے لے جائے میرا دین بھی عشق ہے میرا ایمان بھی عشق ہے۔

۱۔ حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال، ص ۵۳ - ۵۴، از ڈاکٹر مسعود احمد

محی الدین العربی کے بعد عبدالکریم جیلی نے اس مسلک کی خوب اشاعت کی اور انسان کامل کا تصور پیش کیا- تصور وحدۃ الوجود سے قریب قریب تمام سلاسل طریقت متاثر ہوئے- چنانچہ سلسلۂ قادریہ میں صدرالدین قونوی اور عبدالکریم جیلی، ''کبرویہ'' میں جلال الدین رومی، شمس تبریز، سہروردیہ میں فرید الدین عطار، چشتیہ میں محمد گیسو دراز، جعفر مکی- نقشبندیہ میں خواجہ عبیداللہ احرار، عبدالرحمٰن جامی، عبدالغفور لاری وغیرہ''۱؎

ڈاکٹر مسعود احمد نے اتحاد و حلول کے بارے میں حضرت مجدد اور ڈاکٹر اقبال کے نظریئے کا تذکرہ کرتے ہوئے دونوں کے قول سے اس نظریئے کی تردید کی ہے ملاحظہ فرمائیں :-

''حضرت مجدد بھی معرفت نفس اور معرفت ذات پر زور دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک منزل فنا سے اوپر بھی ایک منزل ہے جہاں ابن العربی نہیں پہنچے اس منزل پر سالک کو پتہ چلتا ہے کہ خدا کو محض وجدان کے ذریعے نہیں پہچانا جاسکتا اس لئے انسان کو وحی اور علوم دینیہ کی قدر و منزلت کرنی چاہئے جس کی بنیاد تمام تر وحی پر ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ شریعت کی قدر و منزلت کرنی چاہئے-

حضرت مجدد آگے چل کر واضح کرتے ہیں کہ دنیا اور خدا میں وہی رشتہ ہے جو خالق و مخلوق میں ہوتا ہے، اتحاد و حلول کی تمام تقریریں الحاد ہیں جو سالک کی باطنی غلط فہمی سے پیدا ہوتی ہیں-

اقبال بھی اتحاد و حلول کے قائل نہیں اس لئے وہ خودی پر زور دیتے ہیں اور وحی کو معمار سیرت سمجھتے ہیں جس طرح حضرت مجدد سرہندی نے وحی کی اہمیت پر زور دیا ہے اقبال نے بھی اس پر شدت کے ساتھ زور دیا ہے چنانچہ ''ضرب کلیم'' میں کہتے ہیں-

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہ بر ہو ظن و تخمین تو زبوں کار حیات

۱؎ حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال، ص ۵۵، از ڈاکٹر مسعود احمد

فکر بے نور ترا جذب عمل بے بنیاد
سخت مشکل ہے کہ روشن ہو شب تار حیات
خوب و ناخوب عمل کی ہو گرہ وا کیوں کر
گر حیات آپ نہ ہو شارح اسرار حیات

اقبال کے نزدیک بغیر وحی کے حلال و حرام اور خوب و ناخوب کی تمیز ناممکن ہے اور بغیر اس تمیز کے زندگی زندگی ہی نہیں، تمام ترقیات کا دارومدار اسی امتیاز پر ہے، عقل پر بھروسہ کیا جائے تو وہ خود تہی دست ہے- ہاں زندگی ہی جب خود اسرار حیات واشگاف نہ کردے مشکلیں آسان نہیں ہو سکتیں اس لئے وحی کی سخت ضرورت ہے اور پھر شریعت کی بھی کہ اس کا مدار وحی پر ہے-

یہی حضرت مجدد کا نظریہ ہے اور یہی اقبال کا اسی لئے اقبال کو ان کا تصوف پسند ہے جس کی اصل حجازی ہے-"[۱]

مذکورہ بالا اقتباسات سے واضح ہو گیا کہ نظریہ وحدۃ الوجود کی غلط تعبیرات زندیقیت ہیں اور وحدۃ الشہود کا نظریہ مدار نجات ہے- ڈاکٹر مسعود احمد نے دونوں نظریئے کو بیان کر کے ہر ایک کی خوبی اور برائی واضح کر کے ڈاکٹر اقبال اور مجدد الف ثانی کا مسلک قبول کرنے کا پیغام عام کیا ہے یہ کارنامہ ان کی دینی فکر کا شاہکار ہے-

موج خیال

ڈاکٹر مسعود احمد کی ایک کتاب "موج خیال" کے نام سے منظر عام پر آئی ہے جو مختلف مضامین کا مجموعہ ہے کتاب کیا ہے بلکہ وہ مسلمانوں کے لئے لمحۂ فکریہ ہے- ڈاکٹر صاحب نے مختلف عنوانات سے انسان کے عمل و کردار کی خانہ تلاشی کی ہے جس میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ انسان کو کیا کرنا چاہیئے اور آج کا انسان کیا کر رہا ہے- ہر انسان اسلامی فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اسی فطرت پر انسان کو گامزن رہنا چاہیئے لیکن انسان ایسا نہیں کرتا بلکہ انسان اسلامی اصول و ضابطے کا باغی ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ مسلمان عروج وارتقاء کی منزل طے کرنے کے بجائے قعر مذلت میں بھٹکتا رہتا ہے- ڈاکٹر مسعود احمد نے ایک دینی مفکر ہونے کی

۱- حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال، ص ۷۵، از ڈاکٹر مسعود احمد

حیثیت سے اصلاح قوم اور اصلاح معاشرہ کی بڑی صحت مند اور مستحسن کوشش کی ہے اس سلسلے میں مسائل ذیل بہت ہی اہم اور توجہ کے لائق ہیں۔

تقلید واجتہاد

انسان مقلد بھی ہے اور مجتہد بھی لیکن آغاز سفر اجتہاد سے نہیں تقلید سے کرتا ہے یہ اس کی فطرت ہے اور تقلید ہی کو برا کہتا ہے یہ اس کی عادت ہے۔ کرۂ ارض پر پہلا خون ہوا تو وہ ایک پرندہ ہی تھا جس نے قاتل کو بتایا کہ مقتول کو کس طرح دفن کیا جائے، قرآن کریم نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، شاید نوع انسانی میں یہ قاتل پہلا مقلد تھا دورِ جدید میں سائنس کی دنیا کی سیر کیجئے یہاں سارے مجتہد، مقلد نظر آئیں گے۔ ہمارے سروں پر برسوں سے جہاز اڑ رہے ہیں شاید یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ پرندے ہی تھے جنھوں نے انسان کے خیال کو اس طرف متوجہ کیا ایک چڑیا کی کیا اوقات ہے لیکن وہ مقلدین کی امام ٹھہری چڑیوں کے ڈھانچوں پر غور و فکر کیا گیا اور آخر کار جہاز بنا ڈالا۔

تقلید کے بعد اجتہاد کا دور شروع ہوا اور بات کہاں سے کہاں تک پہنچی اور سنئے جہاز تو بنا لیا لیکن یہ کس نے بتایا کہ اس کے ذریعے حملہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس خیال کی طرف سورۂ فیل نے رہنمائی کی اور یہ بتایا کہ خدا کی قدرت سے ابابیلوں نے آن کی آن میں اصحاب فیل کو تہس نہس کر کے رکھ دیا، ستر اسّی برس پہلے جب یہ بات سمجھ میں نہ آئی تو مفسرین نے نئے نئے گل کھلائے، سر سید نے لکھا عرب میں چیچک کی وبا پھیلی تھی۔ سورۂ فیل میں چیچک کے دانوں کو کنکریوں سے تشبیہ دی ہے، سبحان اللہ زمانہ گزرتا گیا اور آنکھیں کھلتی گئیں اور بالآخر انسان خود اس آیت کی جیتی جاگتی تفسیر بن گیا اور کسی تاویل کی گنجائش ہی نہ رہی۔ وائرلیس کے ذریعے پیغام رسانی ایک عام بات ہے لیکن یہ گر بھی ایک معمولی جھینگر نے بتایا، غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ حقیر جانور اپنی لمبی لمبی مونچھوں کے ذریعے پیغام رسانی کا کام کرتا ہے اور میلوں پرے اپنے رفیقوں کو پیغام پہنچا دیتا ہے۔ انسان اپنی مونچھوں سے تو پیغام نہ پہنچا سکا البتہ غور و فکر کے بعد بہت کچھ سیکھ لیا۔

ریڈار سے دشمن کے جہازوں کو معلوم کرنا ایک جانی پہچانی حقیقت ہے لیکن یہ

بات کس نے سمجھائی، آپ کو علم ہو گا تو حیران رہ جائیں گے، ایک چمگادڑ انسان کی معلم بنی اور وہ سب کچھ سکھادیا جو اس کو نہ آتا تھا، غور کرنے پر معلوم ہوا کہ انوکھا پرندہ اپنے منہ سے برقی شعلہ چھوڑتا ہے جو بلا کی تیزی کے ساتھ رات کی تاریکی میں ہر اس چیز کے ساتھ ٹکرا کر واپس آجاتا ہے جو اس کی راہ میں حائل ہوتا ہے اس طرح یہ تاریکیوں میں بھی ٹکرائے بغیر اڑتی پھرتی ہے۔ قرآن کریم نے مخلوقات میں غور و فکر کی دعوت دی ہے، آپ نے دیکھا انسان غور و فکر سے کہاں سے کہاں تک پہنچا لیکن یہ اس کی کم ظرفی ہے تقلید کا ذکر نہیں کرتا اجتہاد کا ذکر کرتا ہے حالانکہ حقیقتاً وہ مقلد ہے تقلید کے بغیر چارۂ کار نہیں، جینا دو بھر ہے ا؎

ڈاکٹر صاحب کی یہ عبارت ان لوگوں کے لئے لمحۂ فکریہ ہے جو تقلید کو حرام قرار دیتے ہوئے اپنے آپ کو غیر مقلد کہتے ہیں۔

فرض شریعت سے زیادہ فرض محبت کی اہمیت مختلف مثالوں سے واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :-

فرض شریعت و فرض محبت

"ایک فرض شریعت ہے ایک فرض محبت - روزہ فرض ہے، اس لئے رکھ رہے ہیں۔" نماز فرض کر دی گئی، اس لئے پڑھ رہے ہیں- جہاد فرض کر دیا گیا اس لئے لڑ رہے ہیں- زکوٰۃ فرض کر دی گئی، اس لئے دے رہے ہیں- حج فرض کر دیا گیا، اس لئے ادا کر رہے ہیں مگر اس روزہ رکھنے، نماز پڑھنے، جہاد کرنے، زکوٰۃ دینے اور حج کرنے میں محبت کی بو نہیں آرہی ہے- اسلام سراسر محبت ہے یہاں محبت کے علاوہ کسی کی پوچھ نہیں، خوب سمجھ لو کہ فرض شریعت ہی فرض محبت ہے، محبت کی نگاہ سے اور محبت ہی کی نگاہ سے عمل کرو- عبادت کو ملازمت نہ سمجھو، عبادت کو تجارت نہ بناؤ، عبادت محبت ہی محبت ہے، محبت کو رسوا نہ کرو-

لوگ سنت کو محض سنت سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں، داڑھی ایک اہم اور ایک عظیم سنت ہے ایسی سنت اور ایک ایسی نیکی جس کا فیض ہر وقت جاری و ساری

ا- موج خیال ص ۵ ۔ ۱-۶ ۔ از ڈاکٹر مسعود احمد

ہے۔ نماز کا ایک وقت ہے، روزے کا ایک مہینہ ہے، حج کا ایک زمانہ ہے، زکوٰۃ کی ایک شرط ہے لیکن جس کا کوئی وقت، جس کا کوئی مہینہ نہیں، جس کا کوئی زمانہ نہیں اور جس کے لئے کوئی شرط نہیں۔ ڈاڑھی وہ سنت ہے اس سنت کا فیض ہر وقت جاری ہے کہ ہر آن باقی ہے۔ اللہ اللہ یہ کیسی عظیم نیکی ہے لیکن ہم نے اس طرح چھوڑ دیا جیسے یہ کچھ ہے ہی نہیں۔ ایک دوست سے جب عرض کیا گیا فرمایا سنت ہی تو ہے اے دوست تو نے یہ کہہ کر محبت کا ایسا مذاق اڑایا ہے کسی عاشق کو نہ دیکھا کہ اس نے اپنے محبوب کی بات کو ہلکا سمجھا ہو محبت تو محبوب کی اک اک ادا پر مر مٹنے کا نام ہے ہمیں سرکار دو عالم ﷺ کے حلیۂ مبارک کا پورا علم ہے اور یہ وہ علم ہے جو دنیا کے کسی مذہب کو اپنے پیشوا کے بارے میں حاصل نہیں۔ اب کیا یہ ضروری ہے کہ ایک ایک بات کے لئے حکم کا انتظار کریں اور پھر حکم کی نوعیت پر محبت کریں محبت کہتی ہے، "اے عاشقو اس کے رنگ میں رنگ جاؤ یہ فرض محبت ہے۔" ہاں انتظار نہ کرو کہ محبت انتظار نہیں کرتی وہ کر گزرتی ہے۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق"[۱]

مذکورہ بالا عنوان میں ڈاکٹر مسعود احمد نے داڑھی کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے انہوں نے فرض اور سنت کے فرق کو واضح کر کے ترک سنت کرنے والوں کو یہ تأثر دیا ہے کہ وہ حضرات در حقیقت سرکار دو عالم ﷺ سے حقیقی محبت نہیں رکھتے جبکہ سرکار دو عالم ﷺ کی محبت و الفت جان ایمان ہے اگر جان ایمان و روح ایمانی باقی نہ رہے تو عمل کس کام کا لہٰذا مسلمانوں کو فرض شریعت پر عمل کرنے سے پہلے فرض محبت پر عمل کرنا چاہئے ---- معقولیت اور غیر معقولیت کا فرق واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔

معقولیت

نہ معلوم نوجوانوں کو کیا ہو گیا اور ان کی عقل و شعور پر کس نے شبخون مارا ہر نامعقول بات معقول اور ہر معقول بات نامعقول نظر آنے لگی۔ لباس ہی کو لیجئے سرکار دو عالم ﷺ نے کرتہ زیب تن فرمایا، ڈھیلا ڈھالا سیدھا سادا اور آرام دہ اس کے مقابلے میں اپنا لباس دیکھئے لباس غلاف بن کر رہ گیا ہے..... کرتے کی

۱۔ موج خیال ص ۱۷۶ تا ۱۸۱ از ڈاکٹر مسعود احمد

جگہ بے شمار چیزیں آگئی ہیں اور پتلون اتنی چست کہ ٹانگیں حرکت سے محروم، اللہ اللہ ان کی مظلومیت پر کوئی نہ رویا، بیٹھے ہیں تو اٹھ نہیں سکتے اور اٹھے ہیں تو بیٹھ نہیں سکتے، بس میں سوار ہیں، بھیڑ بھاڑ ہے، کنڈیکٹر سر پر سوار ہے، یہ ہیں کہ کھڑے ہو رہے ہیں، بھائی جلدی پیسے دو، جلدی کہاں سے دیں کہ جو کچھ رکھا ہے پیچھے رکھا ہے، پہلے کھڑے تو ہولیں خدارا بتاؤ تو سہی اس میں کیا معقولیت ہے اور یہ کیا تماشہ ہے، کیا وہ جیب کافی نہ تھی جو سرکار عالم ﷺ نے اپنے کرتے میں ہوائی تھی اور پہننے کو کیا پاجامہ یا شلوار ناکافی تھے جو اپنے جسم کو عذاب میں مبتلا کیا ہے---- کس کس ادا کا ذکر کیا جائے، سگریٹ ہی کو لیجئے بچہ اور بوڑھا سب منہ میں لگاتے ہیں، اسٹیم انجن بنے ہوئے ہیں، دھواں چھوڑ رہے ہیں، خود پریشان ہیں دوسروں کو پریشان کر رہے ہیں- کوئی فائدہ نہیں، نقصان ہی نقصان ہے ان الانسان لفی خسر کی تفسیر بنے ہوئے ہیں اور تو اور کھانے کو میسر نہیں کش پہ کش لگا رہے ہیں، صحت گنوا رہے ہیں، دم میں دم جب تک ہے لگی چھٹ نہیں سکتی- ان اللہ وانا الیہ راجعون للہ بتاؤ کہ اس میں کیا معقولیت ہے؟

اور سنیئے ڈرائنگ روم سجا ہے، گویا نمائش لگی ہے، ہزاروں کے قالین بچھے ہیں، سیکڑوں کے صوفے رکھے ہیں اور بیسیوں کے جوتے قالینوں کو پامال کر رہے ہیں اور صوفوں پر بیٹھے ہیں- سبحان اللہ! کیا بیٹھنے کو زمین کافی نہ تھی اور چلنے کو پیر کافی نہ تھے جو جوتوں کی ضرورت پیش آئی...... خدارا بتاؤ کہ فرش کو جوتوں سے روندنے میں کیا معقولیت ہے- تم معقولیت سے نامعقولیت کی طرف آئے اور تمہیں احساس تک نہ ہوا، ماضی کی طرف لوٹو اور ذرا دیکھو تمہارے بزرگ کیا کرتے تھے، یہ رجعت پسندی نہیں، یہ عقل پرستی ہے۔ چاندنیاں بچھی ہیں اور قالین بچے ہیں، گاؤتکیئے لگے ہیں، جوتیاں ایک طرف رکھی ہیں، سب ادب سے بیٹھے ہیں، جیسے انسان بیٹھے ہیں، مساوات کا سماں ہے، سب برابر بیٹھے ہیں، سب ساتھ ساتھ بیٹھے ہیں، یہ ہیں کہ کرسی صدارت اس کے لئے صوفے ان کے لئے کرسیاں تمہارے لئے کچھ زمین پر بیٹھے ہیں اور کچھ کھڑے ہیں ... ایک زمین پر سب تماشا

ہو رہا ہے لیکن کوئی کہنے والا نہیں کہ نوع انسانی پر یہ کیا ظلم ہو رہا ہے۔ آدم خاکی کو کیوں ذلیل و رسوا کیا جا رہا ہے۔ اللہ اللہ جو معقول تھے وہ نامعقول کہلائے جانے لگے۔ اے جوانو اور ملت مسلمہ کی بہارو! تم کو کیا ہو گیا کہ مغلوب خزاں ہو گئے، اٹھو اور ایک نعرۂ مستانہ سے سوئی ہوئی بہاروں کو جگا دو۔

مندرجہ بالا عنوان کے تحت معقولیت اور نامعقولیت کا جائزہ لیا گیا ہے، ڈاکٹر مسعود احمد نے اس عنوان سے قوم مسلم کو فضول خرچی سے بچنے کی ترغیب دی ہے اور ساتھ ہی ساتھ مساوات کا درس دیا ہے جیسا کہ ڈاکٹر اقبال مساوات کا درس دیتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ شعر ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز''[۱]

پیغام

اسی طرح سے اسلام کی حقانیت اور صداقت نیز مسلمانوں کی صلاح و فلاح کا مدار بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر مسعود احمد نے ایک کتابچہ بنام ''پیغام'' تصنیف کیا ہے اس میں بڑی زندگی آمیز اور زندگی آموز باتیں کی گئی ہیں، خطاب عام ہے ایک شخص خواہ اس کا تعلق کسی بھی دین و مذہب یا نظامِ فکر سے ہو اس کا مطالعہ کر کے اپنے دیدہ و دل کو منور کر سکتا ہے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں :-

''سچے مذہب کو انسان کی ضرورت نہیں سچے مذہب کی انسان کو ضرورت ہے۔ جس کریم نے انسان کو بنایا اس نے اس کے لئے دین و مذہب بھی ایک ہی بنایا جس پر چل کر وہ منزل تک پہنچ سکے پھر اس ایک مذہب کے ماننے والوں کو یک جان بنایا۔ سب تفرقے مٹا دیئے اچھائیوں کا حکم دینا برائیوں سے روکنا ملت اسلامیہ کا مقصد ٹھہرا انسان کو انسان کی بندگی سے نجات دلانا دنیا کی تنگی سے نکال کر کائنات کی وسعتوں تک پہنچانا ظلم و ستم سے نجات دلا کر عدل و انصاف تک پہنچانا اس ملت کے فرائض منصبی ٹھہرے۔

اسلام کا تعلق صرف دماغ سے نہیں دل سے بھی ہے بلکہ دل ہی سے ہے۔ اخلاص، اسلام کی روح ہے، یہ ایک دستور حیات ہے، یہ پوری انسانیت کے

۱- شکوہ جواب شکوہ، ص ۶، از: ڈاکٹر محمد اقبال

لئے ہے یہ ہر زمان و مکان کے لئے ہے -اگر اس دھرتی پر بسنے والے سب اس دستور کو دل و جان سے مان لیں تو سارے جھگڑے ہی ختم ہو جائیں، یہ کسی کی انا کا مسئلہ نہیں، یہ انسانیت کی بقاء کا مسئلہ ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض غیر مسلم دانشور بھی اپنے اپنے ملکوں میں اسلامی تعزیرات و حدود کے نفاذ کی بات کرتے ہیں-''۱ے

کچھ حضرات لامذہبیت اور سیکولرازم کی بات کرتے ہیں، اگر مذہب کی نفی سے مراد اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کی نفی ہے تو بات ٹھیک ہے، پرانے دماغوں کے بنائے ہوئے دستور و قانون سے بہتر ہے کہ نئے ماحول کے لئے نئے قانون ساز کام کریں مگر جس قانون کو انسانوں نے نہیں بنایا- انسان کے خالق نے بنایا اور زمان و مکان کی وسعتوں کو اس میں سمو کر رکھ دیا ایسے قانون کی نفی کرنا اپنی نفی کرنا ہے مفکرین عالم نے قرآن کو وحی الٰہی مانا ہے اور محمد مصطفیٰ ﷺ کو سب سے اعلیٰ جانا ہے- مارس بکائے، تھامس کارلائل، مائیکل ایچ ہارٹ وغیرہ کے افکار و خیالات کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی دور جدید میں جو حکومتیں اور سلطنتیں لامذہبیت کی بات کرتی ہیں وہ اپنی غالب اکثریت کے مذہبی تعصب کو لامذہبیت کے پردے میں چھپانے کی کوشش کرتی ہیں مگر عصبیت چھپ نہیں سکتی ۲ے

مذہب اسلام کی ہمہ گیریت اور اس کے قوانین کو ضابطہ الٰہی باور کرانے کے بعد ڈاکٹر مسعود احمد اسلام میں مختلف فرقوں پر اپنی تشویش ظاہر کرتے ہوئے صحیح مسلک کی نشاندہی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

''جب ہم اسلام کی بات کرتے ہیں تو انسان حیران ہوتا ہے بظاہر اسلام میں بہت فرقے نظر آتے ہیں- وہ نو مسلم جو اپنا دین چھوڑ کر اسلام قبول کرتا ہے زیادہ حیران ہوتا ہے وہ سوچتا ہے کہ اتنے بہت سے فرقوں میں کہاں جاؤں سب ہی اسلام کے دعویدار ہیں- دور جدید کے ایک انگریز نو مسلم ڈاکٹر محمد ہارون مرحوم نے بھی یہی سوچا مگر اس مشکل ترین مسئلہ کا حل پالیا، اسلامک

۱- پیغام، ص ۴، از ڈاکٹر مسعود احمد　　۲- پیغام، ص ۵، از ڈاکٹر مسعود احمد

ٹائم (انگلستان) میں وہ لکھتے ہیں کہ "سنّی اسلام ہی سچا اسلام ہے" اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اسلام کے سارے دشمن سنی حکومتوں اور سنّی عوام کے دشمن ہیں۔ دوسرے فرقوں میں سے کسی فرقے کے دشمن نہیں بلکہ کسی نہ کسی کے معاون ہیں۔ اگر کسی فرقے سے ظاہر میں دشمنی ہے تو باطن میں نہیں، سنّیوں کے اس لئے دشمن ہیں کہ ان کے سینے محبت و عظمت مصطفیٰ (ﷺ) سے جگمگا رہے ہیں۔ ان کے دل میں باطل سوز ایمان کی حرارت ہے، اگر غور فرمائیں تو آپ کو صرف اور صرف سواد اعظم اہل سنت و جماعت ہی میں یہ امتیاز خاص نظر آئے گا کہ وہ حضور ﷺ کے دامن سے آج تک جو وابستہ ہوتا چلا آیا، سب سے محبت کرتے ہیں۔ یعنی اہل بیت اطہار۔ ازواج مطہرات۔ خلفائے راشدین۔ صحابۂ کرام۔ تابعین۔ تبع تابعین۔ محدثین۔ مجتہدین۔ فقہا۔ اولیاء اللہ۔ علماء حق۔ وغیرہ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین۔ اہل سنت و جماعت سب کو مانتے ہیں اور سب سے محبت کرتے ہیں۔ جب کہ دوسرے فرقے کسی کو مانتے ہیں کسی کو نہیں، کسی سے محبت کرتے ہیں کسی سے نہیں، کسی کی تعظیم کرتے ہیں کسی کی نہیں، ان فرقوں کا وجود محبت و نفرت کے نشیب و فراز پر ہے۔"

اہل سنت و جماعت کے خلاف سازشوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب تفصیل سے لکھتے ہیں :-

"اس وقت سنیّت کے خلاف سازشیں پورے شباب پر ہیں، کوشش یہ ہو رہی ہے کہ سنّیوں کو ذہنی، نفسیاتی اور جذباتی طور پر توڑ پھوڑ دیا جائے، تاکہ سر اٹھا نہ سکیں اس سلسلے میں اتحاد بین المسلمین کا دلکش نعرہ سامنے آیا ہے۔ مگر جسموں کے اتحاد سے کوئی نتیجہ بر آمد نہیں ہو سکتا جب تک کہ دل و دماغ متحد نہ ہوں، ایک سوچ ہی صحیح معنی میں سب کو متحد کر سکتی ہے اور وہ سوچ یہی ہے صدیوں سے سواد اعظم اہل سنت و جماعت جس کی حفاظت کرتے چلے آئے ہیں۔ جس کو مسلسل مٹانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے دشمنان اسلام نے حضور انور ﷺ کی ذات اقدس کو اپنا ہدف بنایا اور

مسلمانوں کے اندر ایسے ذہن تیار کئے ہیں جو قرآن و حدیث کا سہارا لے کر حضور انور ﷺ کی ذات و صفات کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر رہے ہیں اور اب تو بات اس سے بھی بہت آگے چلی گئی ہے - قرآن کریم، بیت اللہ شریف، حج بیت اللہ شریف کی عظمت بھی دل سے نکالی جا رہی ہے - انا للہ وانا الیہ راجعون - نئی سلطنتوں اور عوام کی سرکوبی، تبلیغ دین کے بہانے دلوں میں وسوسے پیدا کرنا، نئے نئے گستاخوں کا سر اٹھانا، مسجدوں اور خانقاہوں پر مسلسل حملے، قبل اسلام آثار قدیمہ کی دریافت کے بہانے سے مسلمانوں کو ان کے شاندار ماضی سے بے تعلق کرنا، غیر متوازی امداد دے کر مسلسل پریشان رکھنا، ذہنوں پر کنٹرول کرنا، اپنے مزاج کے حاکم ہم پر مسلط کرنا، کبھی جمہوریت کے ذریعہ، کبھی جبر و استبداد کے ذریعہ اور کبھی حرص و آز پیدا کر کے اپنا تسلط جمانا - دشمنان اسلام مدد کے بہانے مسلسل ہماری معیشت کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں - ان کے رحم میں بلا کا ظلم و ستم ہے۔ ان کی مہربانی میں نامہربانیوں کا تلاطم ہے ان کے غمزہ و عشوہ میں خون خواریوں اور خون ریزیوں کی سرخی ہے ان کی تھپکیوں میں نشتر کی چبھن ہے۔ وہ اپنی سیاسی عیاریوں سے سارے عالم کو شکنجے میں کسنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ سب کشتیوں کا تنہا ملاح بننے کا ذوق و شوق ان کے پوشیدہ عزائم کی نشاندہی کر رہا ہے -

مسلمانوں کی تباہی و بربادی اور شیرازہ کے منتشر ہونے کے اسباب و علل بیان کرنے کے بعد اس کے تدارک کے سلسلے میں ڈاکٹر مسعود احمد لکھتے ہیں :-

> مسلمانوں اور مسلم حکومتوں کی بے بسی اور بے کسی کا سبب یہی ہے کہ انہوں نے دامن مصطفیٰ ﷺ کو چھوڑ دیا اور عملی زندگی میں اسلام سے منہ موڑ لیا بلکہ سارے عالم کی بے چینی اور اضطراب کا یہی سبب ہے کہ انسان نے وحی الٰہی سے منہ موڑ کر عقل بے مایہ کو اپنا امام بنا لیا جس میں امام بننے کی صلاحیت ہی نہیں، عالم اسلام اور دنیا کے مسلمانوں کی عمومی صورتحال یہ ہے جہالت و افلاس عام معاشی ناہمواری، ثقافتی انحطاط، فکری جمود میں گرفتار، مسلم افواج

غیروں کے لئے بر سر پیکار، اپنوں کے خلاف، مسلم مفکرین تضادات کا شکار- دانش نورانی سے محروم- مسلم حکمراں خود پسندی کا شکار- وحدت ملی سے بیزار ملت کے رہنما دنیا کی محبت میں گرفتار، جاہ و منصب کے طلبگار، اپنے فیصلوں میں غیروں کے محتاج، اقتصادی منصوبہ بندی میں غیروں کے مرہون منّت، بے مثل عقل ودانائی کے باوجود غیروں کے غلام، اہم ٹیکنالوجی کے حصول، سے عاجز، جغرافیائی لسانی علاقائی عصبیتوں میں گرفتار الغرض مسلمانوں کی موجودہ صورتحال نہایت افسوس ناک بلکہ کربناک ہے-''[۱]

ان تمام عیوب سے چھٹکارا پانے کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں-

''خود شناسی، خودنگری اور خودگری کا جوہر پیدا ہو جائے تو یہ ساری برائیاں آن کی آن میں ختم ہو جائیں اور یہ اسلام اور صرف اسلام ہے اور یہ قرآن صرف قرآن ہے جو انسان کو خودگر وخودگیر بنا کر جہاں گیر وجہاں بان بناتا ہے-''[۲]

مدارس عربیہ اور اسکول وکالج کے نصاب کی تبدیلی پر زور دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ مختلف نصاب تعلیم ہونے کی وجہ سے ہمارے طلبہ کا مزاج مختلف ہو جاتا ہے جس کا اثر معاشرے پر پڑتا ہے کیونکہ ایک آزاد خیالی کی طرف گامزن ہوتا ہے دوسرا اس آزاد خیالی کو مذہب اسلام کے لئے نقصان دہ تصور کرتا ہے- نتیجہ کے طور پر آپس میں اختلاف وافتراق پیدا ہو جاتا ہے لہٰذا نصاب تعلیم کی تبدیلی کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں-

''ابتدائی دو صدیوں تک قرآن ہی ہمارا نصاب تعلیم تھا- کوئی اور نصاب نہ تھا دو صدیوں میں جس سرعت سے ہم نے ترقی کی وہ عجائبات عالم میں ایک اعجوبہ ہے پھر اس قرآن سے علوم وفنون کے چشمے بہنے لگے، آنکھ کو نظر ملی، دماغ کو عقل ملی، دل کو محبت ملی، بارہ سو برس تک عالم اسلام میں قرآنی اور اسلامی علوم کا چرچا رہا پھر یہود ونصاریٰ کے اثر ونفوذ سے حکومتیں بدلیں، نصاب بدلے، مزاج بدلے، علوم وفنون کو بھی دو خانوں میں تقسیم کیا گیا اسلامی وغیر اسلامی سائنسی وغیر سائنسی وغیرہ وغیرہ گذشتہ صدی میں مغربی نصاب نے ہمارے ملی اور فکری ڈھانچہ کو بکھیر کر رکھ دیا ہم سے بہت کچھ لیا اور ہم کو بہت کم دیا- اس وقت عالم

۱- پیغام، ص ۱۰، از ڈاکٹر مسعود احمد

۲- پیغام، ص ۱۰، از ڈاکٹر مسعود احمد

اسلام کے مدارس و جامعات کا نصاب جس حد تک ممکن ہو یکساں رکھا جائے۔
تاکہ عالمی سطح پر طلبہ کے افکار و خیالات میں مرکزیت پیدا ہو اور اتحاد کی راہ
ہموار ہو ممکن ہو تو مدارس عربیہ اور مدارس انگلیشیہ کے نصابی تضاد کو دور کیا
جائے کیونکہ موجودہ نظام سے تعلیم یافتہ جوانوں کی دو متوازی مگر متضاد جماعتیں
وجود میں آتی ہیں۔ جو ایک دوسرے سے بالکل بے خبر ہیں، جن کی ذمہ داریاں
بھی ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں، اس بے خبری کے معاشرے پر اچھے
اثرات نہیں ہوتے، مدارس عربیہ کے نصاب میں کسی حد تک تبدیلی ضروری
ہے، اگر قبل اسلام کے شعراء اور مفکرین کے اشعار و افکار پڑھائے جا سکتے ہیں
تو دورِ جدید کے مفید اشعار و افکار کیوں نہیں پڑھائے جا سکتے؟

نصاب کی تدوین میں مذہبی اور قومی تقاضوں کے علاوہ عصری ضرورتوں کو پیش
نظر رکھا جاتا ہے اس کا ایک حصہ غیر متحرک سہی مگر دوسرا حصہ متحرک رہنا
چاہئے، اس حصے میں عصری تقاضوں کے ساتھ ساتھ تبدیلی آنی چاہئے"[۱]

اصلاح قوم اور اصلاح احوال کے لئے ایک جمہوری نظام کی اہمیت پر زور ڈالتے ہوئے ڈاکٹر مسعود احمد نے ایک ایسی کتاب ترتیب دینے کی خواہش ظاہر کی ہے کہ وہ کتاب پوری دنیا کے سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے لئے مشعل راہ ثابت ہو اور یکساں طور پر مقبول ہو موصوف لکھتے ہیں:۔

"اصلاح احوال کے لئے سب سے پہلے اجتماعی اسلامی سوچ کی ضرورت ہے،
اس مقصد کے حصول کے لئے علماء و مشائخ، دانشوروں اور مدبروں کو ایک
دوسرے کے قریب آنا چاہئے اس اجتماعی سوچ کو اجاگر کرنے کے لئے عالم
اسلام سے ماضی قریب کے مقتدر ہستیوں کا انتخاب کیا جائے تو پھر ان کے
حالات و افکار کا مطالعہ کر کے ایسے افکار پر مشتمل ایک کتاب مرتب کی جائے
جس میں یہ سب متحد الخیال ہوں تاکہ یہ کتاب پوری دنیا کے سواد اعظم اہل
سنت و جماعت میں یکساں طور پر مقبول ہو، ہر علاقے کے مسلمان اپنے اپنے
علاقے کے مقتدر شخصیات کے حالات و افکار پڑھ کر اپنائیت محسوس کریں،

۱۔ پیغام، ص ۱۱ تا ۱۲، از ڈاکٹر مسعود احمد

ایک دوسرے کے قریب آئیں اور ایک مرکز پر جمع ہونے کی راہ ہموار ہو، یہ کام مؤرخین اور علماء کی ایک جماعت کر سکتی ہے۔''

اصلاحی لٹریچر کی اشاعت کے لئے اور مجوزہ کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ڈاکٹر صاحب کچھ اہم بنیادی نکات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''کام کو آگے بڑھانے کے لئے اصلاحی لٹریچر کی اشاعت کے لئے جامع نظام تشکیل دیا جائے جس میں مندرجہ ذیل ماہرین کو منظم و مربوط کیا جائے۔ ۱۔ منجھے ہوئے قلمکار و محققین۔ ۲۔ مواد فراہم کرنے والے علماء۔ ۳۔ کتابت کرنے والے بہترین کاتب!۔ ۴۔ دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنے والے زبان دان اور فضلاء ۵۔ کتابت کی نگرانی اور تصحیح کرنے والے ماہرین۔ ۶۔ سرمایہ لگانے والے متمول حضرات۔ ۷۔ ڈیزائن بنانے والے تزئین کرنے والے فلمیں بنانے والے ماہرین۔ ۸۔ چھاپنے اور کمپوز کرنے والے ماہرین۔ ۹۔ مطبوعات کو دنیا میں پھیلانے والے تجربہ کار ماہرین۔ اس سارے نظام کو کنٹرول کرنے کے لئے ہر علاقے کے ایک ایک عالم و دانشور کی نگرانی میں ایک کمیٹی تشکیل دی جاسکتی ہے۔ اس نظام کو فروغ دینے کے لئے عالمی سطح پر رابطہ کے ساتھ ساتھ باصلاحیت جوانوں کی حوصلہ افزائی ضروری ہے۔ جو کام ہمارے علماء و مشائخ اور دانشور کر سکتے ہیں وہ کام وہ کریں اور جو کام ہمارے متمول حضرات اور غریب عوام کر سکتے ہیں وہ کام وہ کریں' بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کریں۔ ہنر سکھائیں طالب علمی کے زمانے میں خیاطی، خطاطی، جلد سازی اور بہت سے ہلکے پھلکے ہنر سکھائے جاسکتے ہیں۔ تاکہ طالب علم خود کفیل ہوں۔ اور فرصت کی وجہ سے کسی علت میں گرفتار نہ ہوں۔ ہر بچہ کو لازماً قرآن کریم ناظرہ پڑھائیں، بچے زیادہ ہوں تو ایک کو حافظ و عالم بنائیں۔ جدید و قدیم علوم و فنون سے بچوں کو آراستہ کریں مگر اسلامی تشخص کو کسی حالت میں بھی بھینٹ نہ چڑھائیں۔ اخلاص پیدا کریں ریا اور دکھاوے سے بچیں، سلام کو رواج دیں۔ زندگی میں اسلامی آداب کو اپنائیں بدکلامی اور

دشنام طرازی کی عادت چھوڑیں، باہمی جھگڑوں میں مفتیوں سے فتوے لے کر معاملات طے کریں- عدالتوں میں روپے پیسے اور وقت کو ضائع نہ کریں، سادگی اپنائیں- فضول خرچی اور اسراف سے بچیں، ایسے لوگوں کو قرآن کریم میں شیطان کا بھائی کہا گیا ہے- قرض نہ لیں خواہ قرض حسنہ ہی کیوں نہ ہو اور سود پر قرض لینا تو خود کو ذلیل ورسوا بلکہ ہلاک کرنا ہے حضور انور ﷺ مقروض کو پسند نہیں فرماتے تھے- خواتین حضرت فاطمۃ الزہرا اور حضرت عائشہ صدیقہ اور ازواج مطہرات و صحابیات (رضی اللہ تعالیٰ عنھن) کی روشن مثالوں کو سامنے رکھیں، اسلام نے ہمیں سب کچھ دے دیا ہے، بس سنبھال کر رکھنے کی ضرورت ہے- ہر حال میں اسلامی تشخص کو قائم رکھیں [۱]-"

مذکورہ بالا تمام اقتباسات سے واضح ہو گیا کہ ڈاکٹر صاحب کی فکر ایک دینی مفکر کی فکر سے ہم آہنگ ہے-

سیرت مجدد الف ثانی

حضرت مجدد الف ثانی کے حالات و افکار و خدمات پر یہ نہایت اہم کتاب ہے- اس میں ڈاکٹر مسعود احمد نے اکبر بادشاہ اور اس کے ایجاد کردہ دین الٰہی کا مکمل جائزہ لیا ہے ساتھ ہی ساتھ دین الٰہی کیوں اور کیسے معرض شہود پر آیا، اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے- انہوں نے اکبر کی حکومت کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے پھر ہر ایک دور میں اس کے اور اس کے امراء و وزراء و حاشیہ برداروں کی کارگزاری کا جائزہ لیا ہے- میں تفصیل میں نہ جا کر صرف تینوں دور کا ذکر اختصار کے ساتھ کر رہا ہوں- ڈاکٹر صاحب پہلے دور کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں-

پہلا دور

۹۶۳ھ تا ۹۸۳ھ

۱۵۵۶ء تا ۱۵۷۵ء

اکبر بادشاہ نے عملاً ۹۶۷ھ میں حکومت شروع کی جب کہ بیرم خان کو عظیم آباد میں شہید کر دیا گیا- اکبر کے دور حکومت کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے- ہر دور اپنی بعض خصوصیات

۱- پیغام، ص ۱۲ تا ۱۵، از ڈاکٹر مسعود احمد

کی وجہ سے منفرد نظر آتا ہے۔ پہلے دور میں وہ ایک دیندار سنی مسلمان نظر آتا ہے۔ مستند کتب تاریخ سے جن حقائق کی تصدیق ہوتی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

اٹھارہ بیس برس تک اس کا یہ حال تھا جس طرح سیدھے سادے مسلمان خوش اعتقاد ہوتے ہیں۔ اسی طرح احکام شرع کو ادب کے کانوں سے سنتا تھا اور صدق دل سے بجا لاتا تھا۔ جماعت سے نماز پڑھتا اپنے آپ آذان کہتا تھا۔ مسجد میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتا تھا، علماء و فضلاء کی نہایت تعظیم کرتا تھا، ان کے گھر جاتا تھا، بعض کے سامنے کبھی کبھی جوتیاں سیدھی کر کے رکھ دیتا تھا۔ مقدمات سلطنت شریعت کے فتویٰ سے طے ہوتے تھے۔ جا بجا قاضی و مفتی مقرر تھے۔ فقراء و مشائخ کے ساتھ کمال اعتقاد سے پیش آتا تھا اور ان کے برکت انفاس سے اپنے کاروبار میں فیض حاصل کرتا تھا۔ شیخ سلیم چشتی کے سبب سے اکبر فتح پوری (سیکری) رہتا تھا۔ محلوں کے پہلو میں سب سے الگ پرانا حجرہ تھا۔ پاس پتھر کی ایک سل پڑی تھی۔ تاروں کی چھاؤں میں اکیلا وہاں بیٹھتا، نوروں کے تڑکے صبحوں کے سویرے رحمت کے وقت مراقبوں میں خرچ ہوتے تھے۔ عاجزی اور نیاز مندی کے ساتھ وظیفے پڑھتا، اپنے خدا سے دعائیں مانگتا اور نور سحر کے فیض دل پر لیتا۔ عام صحبت میں بھی اکثر خدا شناسی، معرفت، شریعت اور طریقت ہی کی باتیں ہوتی تھیں۔ رات کو علماء اور فضلاء کے مجمع ہوتے تھے۔ اس میں بھی یہی باتیں اور حدیث تفسیر' اس میں علمی مسائل کی تحقیق، اس میں مباحثے بھی ہو جاتے تھے۔ لیکن زہد و ورع کے باوجود اس نے ہندو عورتوں سے شادیاں بھی کی تھیں، شاید سیاسی مصالح کے بناء پر۔ چنانچہ اوائل ۹۷۰ھ میں جب اکبر اجمیر شریف گیا اور خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ (م ۶۳۳ھ) کے آستانے پر حاضری دے کر واپس ہوا تو جے پور میں راجہ بہاری مل نے غالباً اظہار وفاداری کے طور پر اپنی صاحبزادی پیش کی جو غیر شرعی نکاح کے بعد حرم میں داخل کر لی گئی[1]۔

اکبر کے ہاں نرینہ اولاد نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ اس نے فتح پور سیکری میں شیخ سلیم چشتی (م ۹۷۹ھ) سے دعا کی درخواست کی تھی ان کی دعاء کی برکت سے ۷ ار بیع الاول ۷۷۹ھ کو دختر راجہ بہاری مل کچھواہہ کے بطن سے جہانگیر تولد ہوا جس کا نام شیخ موصوف کے نام پر تیمناً سلیم

---

[1] حضرت مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ شاید ہنود ہند کو شاہان مغلیہ اہل کتاب سمجھتے تھے کیوں کہ وہ ویدوں کو الہامی کتابیں مانتے ہیں اور ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ انجم

رکھا گیا - اکبر نے منت مانی تھی کہ جب لڑکا پیدا ہوگا تو وہ اجمیر شریف حاضر ہوگا - چنانچہ وہ یہ نیت پوری کرنے کے لئے پاپیادہ آگرے سے اجمیر شریف گیا -

مندرجہ بالا حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر ابتدائی دور میں نیک دل اور خوش عقیدہ مسلمان تھا - عبادات و ریاضات اور مراقبات سے اس کو کافی شغف تھا - اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری اور ان سے محبت و اخلاص کو اپنی سعادت سمجھتا تھا - غرض اس کے فکر و خیال میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی جس سے الحاد و بے دینی کا اندازہ ہو - الا یہ کہ اس نے ہندو عورتوں سے شادیاں کیں - جنھوں نے آگے چل کر اس کے فکری انقلاب میں اہم کردار ادا کیا[1] -

مذکورہ اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکبر بادشاہ (دینِ الٰہی کا موجد) پہلے دور میں نیک دل، دیندار، علماء نواز تھا - بزرگان دین سے عقیدت و محبت رکھتا تھا یہ اس کی عقیدت ہی تھی کہ آگرے سے پاپیادہ اجمیر شریف خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں گلہائے عقیدت پیش کرنے گیا تھا -

دوسرا دور

۹۸۳ھ تا ۹۸۵ھ

۹۸۳ھ میں ایک عمارت تعمیر ہوئی جس کا نام عبداللہ نیازی سرہندی نے "عبادت خانہ" تجویز کیا - یہ عبادت خانہ اسی جگہ تعمیر ہوا تھا جہاں اکبر اپنے ابتدائی دور میں مراقبے فرماتے تھے اور فیض صبح گاہی حاصل کرتے تھے - اس عبادت خانے کی سرگرمیوں سے اکبر کے دوسرے دور کا آغاز ہوتا ہے - اکبر کو اصولی و فروعی مسائل دین کی تحقیق کا بڑا ذوق و شوق تھا - چنانچہ عبادت خانے میں ہر جمعہ کو رات کے وقت جو مجلس ہوا کرتی تھی اس میں ہر مکتب فکر کے علماء و مشائخ شریک ہوتے تھے - مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی - بادشاہ انعام و اکرام سے نوازتا جس سے علماء میں مسابقت کا جذبہ پیدا ہو گیا اور بات بغض و عناد تک جا پہنچی - مباحثین و مناظرین محقق و مقلد تقریباً سو سے متجاوز ہوں گے[2] -

علماء میں پہلے نشستوں پر چپقلش شروع ہوئی - شاید بعض حضرات قرب شاہی کے متلاشی رہنے لگے ہوں گے - اس کے علاوہ مختلف مسائل پر حکیمانہ اور عالمانہ تبادلۂ خیال کے بجائے لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا - لڑائی بھی معمولی نہیں یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ایک دوسرے کو کھا جائیں گے - غصے سے علماء عصر کی رگیں پھول جاتیں اور پھر خوب ہی غل مچتا -

حاجی ابراہیم سرہندی ۹۹۴ھ کے فتوے پر تو علماء اتنے برہم ہوئے کہ اپنے اپنے عصاء اٹھا لئے

۱- سیرت مجدد الف ثانی، ص-۸۶ تا ۸۸، از ڈاکٹر مسعود احمد ۲- سیرت مجدد الف ثانی، ص ۹۶، از ڈاکٹر مسعود احمد

اور ایک دوسرے پر چڑھ دوڑے مگر خدا نے لاج رکھ لی بہر کیف اس قسم کی نازیبائی اور ناشائستہ حرکات کو دیکھ کر اکبر علماء سے بدظن ہو گیا اور پھر بدظنی تنفر میں بدل گئی اور آگے چل کر اس فتوے نے اکبر کو علماء اسلام کا دشمن جان بنا دیا بلکہ خود اسلام سے اس کو ایک قسم کی چڑ ہو گئی [۱]۔

اکبر اپنے عہد کے علماء کو امام غزالی اور امام رازی سے بھی بہتر جانتا تھا جب اس نے ان رکیک حرکتوں کو دیکھا تو حاضر کو غائب پر قیاس کر کے اسلاف سے بھی بیزار ہو گیا چنانچہ ایک روز اکبر نے شیخ مبارک ناگوری سے کہا ہم کو ان ملاؤں کے احسان سے کیوں سبک دوش نہیں کر دیتے [۲]۔

شیخ مبارک تو موقع کی تلاش میں تھے، چنانچہ انہوں نے ۹۸۷ھ میں ایک محضر نامہ تیار کیا اور اس پر تمام سرکردہ علماء کے دستخط ثبت کرا لئے - طوعاً و کرھاً سب نے دستخط کئے اس میں دیگر باتوں کے علاوہ آخر میں یہ کہا گیا ہے جن مسائل دین میں مجتہدین میں اختلاف پایا جاتا ہے اگر بادشاہ اپنے ذہن ثاقب اور فکر صائب سے اس اختلاف کو رفع کریں اور معیشت بنی آدم کی سہولت اور انتظام عالم کی مصلحت کی بناء پر کوئی خاص راستہ اختیار فرمالیں اور حکم دیں تو وہ متفق علیہ سمجھا جائے گا۔ اس کی اتباع عوام پر لازم اور لابدی ہو گی، اگر اپنی رائے صائب کی بناء پر ایسا حکم صادر فرمائیں جو نص کے مخالف نہ ہو اور اس میں رفاہ عام ہو تو اس پر عمل کرنا ہر ایک کے لئے لازم اور ضروری ہو گا۔ اس کی مخالفت دینی و دنیوی بربادی و خسران اور اخروی مواخذہ کی مستوجب ہو گی۔

یہ تھا وہ محضر نامہ جس نے حدیث، اجماع امت اور قیاس وغیرہ کی اہمیت کو یک قلم ختم کر کے علماء اسلام کی قوت و شوکت کو خاک میں ملا دیا اور ایک ان پڑھ اور عامی بادشاہ سلطان عادل اور امام عادل قرار پایا - بات یہاں تک پہنچی کہ ایک روز مسجد فتح پور سیکری کی جامع مسجد میں جمعہ کے روز حافظ محمد امین خطیب کو ہٹا کر خود بدولت خطبہ پڑھنے کھڑے ہو گئے - یہ خطبہ منظوم تھا اور فیضی نے لکھا تھا - پڑھنا تو جانتا نہ تھا شاید اشعار رٹ لئے ہوں گے - چند ہی شعر پڑھے ہوں گے کہ کپکپی چھوٹ گئی فوراً نیچے اتر آیا اور خطیب مذکور کو کھڑا کیا، دنیا نے یہ تماشہ بھی دیکھا [۳]۔

دینی امور میں اکبر کی اس مداخلتِ بے جا کو دیکھ کر ۹۸۸ھ میں جونپور کے قاضی القضاۃ ملا محمد یزدی نے برملا فتویٰ دیا کہ بادشاہ بدمذہب ہو گیا ہے اس کے خلاف جہاد واجب ہے اور خود دربار میں اکبر کی مخالفت کی۔

۱- سیرت مجدد الف ثانی، ص ۹۳-۹۴
۲- سیرت مجدد الف ثانی، ص ۹۶، از ڈاکٹر مسعود احمد
۳- سیرت مجدد الف ثانی، ص ۹۶، از ڈاکٹر مسعود احمد

وہ عبادت خانہ جس کی مجالس میں صرف مسلمان علماء شریک ہوتے تھے اب ہر مذہب وملت کے علماء بلکہ جینی، ہندو، زرتشتی اور بودھ علماء کو بھی ان مباحث میں شامل کر لیا اور جلد ہی ایک عیسائی تبلیغی جماعت کو بھی بلا بھیجا چنانچہ ستمبر ۱۵۷۹ء میں اکبر نے عبداللہ کو سفارت پر گوا بھیجا اور عیسائی مبلغوں کو مدعو کیا۔ مبلغین کی ایک جماعت ۷ انومبر ۱۵۷۹ء کو گوا سے روانہ ہوئی فروری ۱۵۷۹ء کو فتح پور سیکری پہنچی [۱]۔

یہ جماعت دربار میں حاضر ہوئی عبادت خانے کی محفلوں میں شریک رہی، ان لوگوں نے اسلام کے خلاف بہت کچھ زہر اگلا مگر اکبر خاموشی سے تماشہ دیکھتا رہا بلکہ ان کی تقریروں سے اس حد تک متاثر ہوا کہ شہزادہ سلیم اور شہزادہ مراد کو حکم دیا کہ ان لوگوں سے تیمنا انجیل کے چند اسباق پڑھ لیں چنانچہ اسباق پڑھ لئے گئے اور ابوالفضل نے ترجمانی کے فرائض انجام دیئے [۲]۔

ہندو گھرانوں سے ازدواجی تعلقات پہلے ہی سے تھے اس کے علاوہ اعیان مملکت اور ملکی امور میں ہندوؤں کا بڑا عمل دخل تھا اور اب ہندو رشیوں کی باقاعدہ تعلیم نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ چنانچہ اکبر کو عربی زبان سے نفرت ہو گئی اور اس نے ہوتم نامی ایک برہمن سے چیزوں کے عربی نام کے بجائے سنسکرت نام تجویز کرنے کی فرمائش کی اور عربی حروف تہجی کے تلفظ کو ساقط کر دیا گیا۔ دیبی نامی ایک اور برہمن جس نے مہابھارت کے شرح لکھی تھی اکثر باریاب ہوتا تھا۔ اس نے اکبر کو پوجاپاٹ کے طریقے سکھائے۔ آگ، سورج اور ستاروں کی پوجا کے طریقے بھی بتائے اور اپنے دیوتاؤں کی پرستش کے آداب سکھائے [۳]۔

مذکورہ بالا اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکبر بادشاہ دوسرے دور میں علماء کی آپس کی چپقلش اور اختلاف وافتراق نیز نازیبا حرکتوں کو دیکھ کر علماء سے بدظن ہو گیا تھا، اسی دور میں ایک محضر نامہ تیار ہوا جس میں شریعت اسلامیہ کی بنیادی اصولوں کو یکسر فراموش کر دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء اسلام کے علاوہ جمعرات والی مجلس میں سب ہی مکتب فکر کے لوگ شریک ہونے لگے۔ جینی، ہندو، زرتشتی، بودھ، عیسائی سب ہی مذہب کے لوگوں کو اس مجلس میں اپنی اپنی بات کہنے کی عام اجازت تھی۔ الکفر ملت واحدۃ کے عین مطابق سب نے اسلام کی بیخ کنی شروع کر دی اکبر خاموش تماشائی بنا سب کچھ دیکھتا رہا۔ یہی نہیں بلکہ اسلام کے خلاف دوسرے مذاہب کے عادات وخصائل کو اپنانے کی پیش رفت شروع کر دی۔

۱۔ سیرت مجدد الف ثانی، ص ۹۷ ۲۔ سیرت مجدد الف ثانی، ص ۹۸

۳۔ سیرت مجدد الف ثانی، از ڈاکٹر مسعود احمد

تیسرا دور

۹۹۰ھ تا ۱۰۱۴ھ

اس دور کا آغاز دین الٰہی سے ہوتا ہے اس نئے مذہب کی بنیاد ۹۹۰ھ میں رکھی گئی۔ لندن یونیورسٹی کے فاضل پیٹر ہارڈی نے اس مذہب نو پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ''نظریاتی اعتبار سے دین الٰہی متصوفانہ تھا۔ زرتشتیوں کے معتقدات بھی اس میں شامل کر لئے گئے تھے۔ لیکن یہ مذہب خالص موحدانہ تھا۔ اس میں شیعی نظریہ امام و مجتہد بھی شامل تھا۔ مختصر یہ کہ اسلام سے جتنا قریب تھا ہندومت سے اتنا قریب نہ تھا[۱]۔''

لیکن امریکی مؤرخ پوویل پرائس کے خیالات زیادہ صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے:۔

۱۵۸۲ء میں دین الٰہی کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ نظریہ توحید وجودی کی ایک مبہم اور غیر واضح شکل ہے۔ جس میں مختلف ادیان و مذاہب کے عقائد شامل ہیں۔ زرتشی، جینی، ہندو، بودھ وغیرہ سب کا معجون مرکب ہے اور اسلام کے نظریۂ توحید کو اس میں برائے نام جگہ دی گئی ہے[۲]۔

اکبر نے عملی طور پر جملہ ادیان کے عقائد کو اپنا لیا۔ صبح و شام، دوپہر و آدھی رات چار وقت آفتاب کے عبادت کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا تھا۔ آفتاب کے ایک ہزار ایک نام یاد کر لئے گئے تھے۔ جو دوپہر کو آفتاب کی طرف حضور قلب سے متوجہ ہو کر جپا کرتے تھے۔

(عبادت کا یہ طریقہ تھا)

اپنے دونوں کان پکڑ کر ایک چکر لگا کر کان کی لو پر گھونسے لگایا کرتے تھے۔ آگ، پانی یا درخت اور پتھر تمام مظاہر کائنات یہاں تک کہ گائے کے گوبر کی پرستش کرتے تھے، قشقہ لگاتے تھے۔ زنار پہنتے تھے۔ تسخیر آفتاب کی دعاء جس کو ہندو رشیوں نے سکھایا تھا۔ وظیفہ کے طور پر آدھی رات اور طلوع آفتاب کے وقت جپتے تھے[۳]۔

ان ملحدانہ اور کافرانہ افکار و خیالات کی تان یہاں آکر ٹوٹی، حکم دیا گیا کہ کلمۂ طیبہ لاالٰہ الااللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کے بجائے اکبر خلیفۃ اللہ کہا جائے، اکبر کے حاشیہ بردار تو یہ کلمہ پڑھنے لگے، لیکن دوسرے لوگوں کو ترغیب دینا بے سود ثابت ہوا، جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، اسلام

۱- سیرت مجدد الف ثانی، ص ۱۰۳- ۱۰۲، از ڈاکٹر مسعود احمد ۲- سیرت مجدد الف ثانی، ص ۱۰۳

۳- سیرت مجدد الف ثانی، ص ۱۰۴، از ڈاکٹر مسعود احمد

کے خلاف اکبر کی طبیعت میں ایک قسم کی ضد پیدا ہو گئی تھی۔ وہ ہر اس چیز کو پسند کرتا جس کو اسلام نے ناپسند کیا ہے۔ چنانچہ اسلام کی ضد میں سور اور کتے کو ناپاک نہیں سمجھتا تھا۔ حرم اور محل میں ان کو رکھا جاتا تھا اور روزانہ صبح کو ان کی زیارت عبادت شمار کی جاتی تھی[1]۔

ذبیحہ پر عام پابندی لگا دی گئی اور حکم دے دیا گیا کہ اگر کوئی ایسے شخص کے ساتھ کھانا کھائے جس کا پیشہ جانوروں کو ذبح کرنا ہو تو اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں اور اگر اسی کے خاندان کا کوئی فرد ہو تو اس کے کھانے کی انگلیاں اڑا دی جائیں۔

دربار کے اندر جوئے خانہ بنا دیا گیا۔ جوئے بازوں کو خزانہ شاہی سے روپے دیئے جاتے تھے۔ شراب کی دوکان سر دربار لگائی گئی اور دربان خاتون خمار کو مہتمم بنایا گیا اور شراب کا نرخ بھی مقرر کر دیا گیا۔ مفتی صدر جہاں نے شراب نوشی کے علاوہ ایک بڑا کام یہ بھی کیا کہ ۱۰۰۴ھ میں اکبر کے حکم سے داڑھی صاف کرا دی..... داڑھی کے متعلق اکبر کے حکیمانہ افکار و خیالات تو ذرا ملاحظہ فرمائیں خصیتین سے داڑھی کی سیرابی ہوتی ہے۔ اس لئے کسی خواجہ سرا کے چہرے پر داڑھی نہیں ہوتی۔ ایسی چیز کی حفاظت سے بھلا کیا ثواب ملے گا[2]، میت کی تدفین کا نرالا طریقہ ایجاد کیا گیا۔ مردہ دست زندہ کی بے بسی دیکھنی ہو تو دیکھئے۔ حکم دیا گیا کہ تھوڑا سا خام غلہ ایک پکی اینٹ کے ساتھ میت کے گلے میں ڈال کر پانی میں ڈال دیں اور اگر پانی نہ ہو تو یا تو جلا دیں یا خطائیوں کی طرح درخت پر لٹکا دیں اور اگر دفن کرنا ہی ہے تو پھر میت کا سر مشرق کی جانب اور پیر مغرب کی سمت کر کے دفن کیا جائے تاکہ شعائر اسلام کے خلاف بغاوت کا حق ادا ہو جائے اڈورڈ ہیز نے اس مذہب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

> اکبر نے لوگوں کو دین الٰہی میں شمولیت کی لالچ دی اور جبریہ اس کی طرف مائل کرنا چاہا اس پر یہ مذہب عوام میں مقبول نہ ہو سکا حتی کہ اس کے محبوب درباریوں نے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا اس کے متبنی کنور مان سنگھ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ مرید ہونے کا اگر یہ مطلب ہے کہ جانثاری کا ثبوت پیش کیا جائے تو میں تو پہلے ہی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر حاضر ہوا ہوں اس کے بعد مزید ثبوت کی کیا حاجت ہے لیکن اگر مرید ہونے سے تبدیلی مذہب مراد ہے تو میں تو ہندو ہی ہوں اگر آپ حکم دیں تو مسلمان تو ہو سکتا ہوں مگر میں نہیں سمجھ سکتا کہ ان دونوں مذاہب کے علاوہ بھی کوئی تیسرا مذہب ہے۔ اکبر نے ایک نازک دل اور ایک متلون

۱۔ سیرت مجدد الف ثانی ص ۱۰۵ ۲۔ سیرت مجدد الف ثانی ص ۱۰۷ از ڈاکٹر مسعود احمد

دماغ کو ملانے کی کوشش کی مگر اس کی یہ کوشش قطعاً بے نتیجہ رہی[1]۔

مذکورہ بالا اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ اکبر بادشاہ نے تیسرے دور میں غیر مسلم پادری پنڈت وغیرہ کی باتوں سے متأثر ہو کر دین الٰہی کی داغ بیل ڈال دی اور عام لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی تلقین شروع کر دی بعض لوگوں نے اس پر عمل کیا اور اکثر نے اس کا بائیکاٹ کیا۔

ڈاکٹر مسعود احمد دین الٰہی کی اسباب و علل بیان کر کے قارئین کو یہ تأثر اور ذہن دینا چاہتے ہیں کہ انسان کو بے راہ روی کی روش نہیں اختیار کرنا چاہئے اسلامی اصول و ضابطے کو مضبوطی سے تھامے رہنا چاہئے اس کے خلاف سر مو تجاوز نہیں کرنا چاہئے اکبر بادشاہ راجہ بہاری مل کی لڑکی کو نکاح شرعی کے بغیر اپنا کر الحاد و بے دینی کی طرف مائل ہو گیا۔ کیونکہ ازدواجی تعلقات سے دو گھرانوں کا اتصال ہوتا ہے ایک دوسرے کو متأثر کرتا ہے جو قوی ہوتا ہے وہ ضعیف کو اپنے ساتھ بہالے جاتا ہے دوسری خاص بات یہ بھی ہے کہ جب علم نہ ہو تو انسان کو کسی مسئلے کی ٹوہ میں نہیں پڑنا چاہئے اور زیادہ بحث و تمحیص نہیں کرنی چاہئے اکبر نے ہر مکتب فکر کے علماء کی نشست کرا کر اور مسئلے پر بحث کرا کر علماء میں ایسی چپقلش کرائی کہ وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے مقابل ہو گئے اور لڑنا جھگڑنا شروع کر دیئے۔ جس کے نتیجے میں اکبر مسائل شرعیہ میں شک و شبہ کرنے لگا کیونکہ وہ ان پڑھ تھا جس کا نتیجہ دین الٰہی کی شکل میں نمودار ہوا۔ حالانکہ اکبر ابتدائی دور میں علماء کی بے پناہ عزت کیا کرتا تھا، جوتی تک سیدھی کیا کرتا تھا۔ عبادت گزار شریعت کا پابند تھا علماء کی آپس میں چپقلش دیکھ کر وہ عالم دین سے بد ظن ہوا، کاش وہ عبادت خانے میں جمعرات کو ایسی محفل کی داغ بیل نہیں ڈالتا بلکہ جو ہمارے امام نے فرمایا اس پر کاربند رہتا تو یہ نوبت نہیں آتی ڈاکٹر صاحب نے دینی مفکر کی حیثیت سے یہ ساری باتیں "سیرت مجدد الف ثانی" کی تصنیف کے ذریعہ عوام تک پہنچانے کی کوشش کی ہے جو نہایت ہی بہترین پیش کش ہے۔

فروغ رضویات

اس نام سے ان کا کوئی مستقل رسالہ نہیں ہے بلکہ انہوں نے اپنی مختلف کتابوں اور رسائل میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی عبقری شخصیت اور دینی خدمات سے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کی تلخیص میں نے فروغ رضویات کے عنوان سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے اس سے پہلے کہ

۱۔ سیرت مجدد الف ثانی ص ۱۰۹-۱۰۲ از ڈاکٹر مسعود احمد

فاضل بریلوی کے بارے میں ڈاکٹر مسعود کے حوالے سے گفتگو کروں مناسب یہ سمجھتا ہوں کہ چند الفاظ میں فاضل بریلوی کی شخصیت کا تعارف کراؤں۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی (۱۸۵۶ء / ۱۹۲۱ء) کو برصغیر ہندوپاک حرمین شریفین و دیگر بلاد اسلامیہ کے علماء و مشائخ نے چودھویں صدی ہجری کا مجدد تسلیم کیا ہے حافظ کتب الحرم شیخ اسمٰعیل بن سید خلیل نے تو یہاں تک کہہ دیا۔

بل اقول لو قیل فی حقهٖ انه مجدد هذا القرن لکان حقا و صدقا[1]

شیخ موسیٰ علی شامی ازہری احمدی مدنی فرماتے ہیں :۔

امام الائمة المجدد لهذه الامة[2]

حضرت مولانا سید مامون البری مدنی ارشاد فرماتے ہیں :

فهو الحقیق بان یقال انهٗ فی عصرهٖ اوجد کیف و فضله اشهر من نار علی علم[3]

حضرت مولانا تفضّل الحق مکی امام احمد رضا کے تعمق و تفکر اور دلائل و براہین کو دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں : **الدالة علی رسوخ علوم المؤلف العالم العلامه الفهامة الذی هو فی الاعیان بمنزلة العین فی الانسان.**[4]

ان کے علاوہ اور دیگر حضرات نے بھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی علمی وجاہت کے آگے عقیدت کی پیشانیاں خم کی ہیں امام احمد رضا کے وصال سے لے کر اب تک کی پون صدی میں دنیا کے عظیم مذہبی۔روحانی، علمی، ادبی و سیاسی شخصیات ان کی عبقریت کا اعتراف کرتے چلے آرہے ہیں یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے ان معترفین میں اپنے بھی ہیں اور بیگانے بھی ہیں مسلمین بھی ہیں اور غیر مسلمین بھی مولانا احمد رضا نے پچاس پچپن سے زائد نقلی و عقلی علوم و فنون پر جو ایک ہزار سے زائد کتب و رسائل عالم اسلام اور عالم انسانیت کو عطا کیے اور ان علوم و فنون کو تحقیق و تفتیش کی نئی جہتوں سے آشنا کیا وہ تجدید دین و ملت کے حوالے ہی سے عطا کیا۔

لیکن امام احمد رضا کے وصال کے بعد ایک مدت دراز تک ان کو صرف ایک مولوی یا مذہبی شخصیت ہی کی حیثیت سے پیش کیا جاتا رہا امام احمد رضا خان کے ساتھ اس ظلم میں ان کے مخالفین

۱۔ حسام الحرمین، ص ۵۱، از امام احمد رضا
۲۔ الدولة المکیه، ص ۶۲ ۴، از امام احمد رضا
۳۔ رسائل رضویہ، ۱۴، از امام احمد رضا
۴۔ رسائل رضویہ، جلد دوم مطبوعہ لاہور

وحاسدین کے ساتھ ان کے اپنے بھی نادانی یا غلوئے عقیدت میں شامل رہے مگر جب ۱۹۷۰ء سے رضا تحقیق کی تحریک چلی تو تعصب کی بدلیاں چھٹنا شروع ہوئیں دیکھنے والے علم و فضیلت کے اس مہر درخشاں کو دیکھ کر دنگ رہ گئے اور وسیع النظر مخالفین رضا بھی تنگ نظر اور تعصب و تشدد مخالفین وحاسدین کے ظلم وناانصافی پر برافروختہ ہوئے اور انہوں نے دیانتداری کے ساتھ رضا کی شخصیت کی ہمہ جہتی کو تسلیم کر لیا- امام احمد رضا کی حیات اور دینی و علمی کارناموں کو اجاگر کرنے میں سب سے بڑا ہاتھ ڈاکٹر مسعود احمد کا رہا ہے انہوں نے ۱۹۷۰ء سے اس طرف توجہ دی اور اب تک رضویات پر ان کے مضامین و مقالات کتب و رسائل شائع ہو رہے ہیں- ہر مضمون ورسالہ یا کتاب رضویات پر ایک تحقیقی حیثیت کی حامل ہے یہاں پر ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر مسعود احمد کا سلسلۂ ارادت وبیعت مجددی و نقشبندی ہے ان کے سلسلے میں بھی بہت سے اکابر موجود ہیں ان کو اپنے سلسلے کے بزرگوں پر کام کرنا چاہئے تھا انہوں نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی پر اتنا زبردست تحقیقی کام کیوں کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے عشقِ رسول کا چراغ جلایا تھا عشقِ رسول کی تعلیمات کو عام کرنا ان کا مشن تھا اور یہ صرف اور صرف رضائے الٰہی کے لئے تھا نام نمود یا کسی دنیوی منفعت کا ذرہ بھر بھی انہیں لالچ نہیں تھا- اس کے علاوہ چودھویں صدی ہجری میں امام احمد رضا کی شخصیت اسلامی علوم وفنون میں امتیازی حیثیت کی حامل تھی- اس حقیقت کے باوجود احمد رضا کے مخالفین ومعاندین نے امام احمد رضا کو محض ایک معمولی مولوی کی حیثیت سے متعارف کرانے کی ناکام کوشش کی تھی جیسا کہ ہندوستان کے مشہور و معروف فاضل مولانا ابوالحسن علی ندوی نے تعریف و توصیف کے باوجود اپنی کتاب نزہتہ الخواطر میں یہ لکھا کہ اعلیٰ حضرت "قلیل البضاعة فی الحدیث والتفسیر"[۱] (حدیث و تفسیر میں فرومایہ تھے) اس طرح کی تقریر و تحریر کے ذریعہ فاضل بریلوی کی ہمہ جہت شخصیت اور عبقری شخصیت پر پردہ ڈالنے کی سازش کی جارہی تھی اس سازش کا پردہ چاک کرنے کے لئے ڈاکٹر مسعود احمد لوح و قلم ہاتھ میں لے کر میدان میں اتر پڑے تو غلط فہمیوں کے بادل چھٹ گئے بدگمانیوں کے قلعے مسمار ہو گئے اور وہ لوگ جو منصوبہ بند طور پر فاضل بریلوی کی خدمات پر خاک ڈال رہے تھے تلملا اٹھے چنانچہ ایک متعصب ذہن لکھتا ہے کہ امام احمد رضا کو ہم دفن کر چکے تھے فلاں (ڈاکٹر مسعود احمد) پروفیسر نے قبر سے نکالا ہے اب دوبارہ دفن کرنے میں نصف صدی لگے گی[۲]-

حق کو حق 'غلط کو غلط ثابت کرنے کے لئے ڈاکٹر صاحب نے فاضل بریلوی کو اپنا موضوع بنایا

۱- نزہتہ الخواطر، ص ۴۴، ج ۸، از مولوی ابوالحسن علی ندوی ۲- اجالا، ص ۴۸، از ڈاکٹر مسعود احمد

اور فاضل بریلوی پر اتنا لکھا اتنا لکھا اور اس قدر تحقیقی کام کیا کہ آج دنیا انہیں ماہر رضویات کے نام سے یاد کرتی ہے۔

ذیل میں ہم ڈاکٹر مسعود احمد کی اشاعتِ رضویات میں پیش رفت اور انفرادی مسائل اور فروغ رضویات کے لئے انداز کار کے حوالے سے لائحہ عمل اور کارگزاری کا جائزہ لیتے ہیں ڈاکٹر صاحب ''اکرام امام احمد رضا'' مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء کے حرف آغاز میں فرماتے ہیں۔

''راقم گذشتہ دس سال ۱۹۷۰ء تا ۱۹۸۰ء سے امام احمد رضا خان بریلوی پر تحقیق کررہا ہے کوشش یہ رہتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ نامعلوم باتیں سامنے آئیں، تاریکیاں دور ہوں، روشنیاں پھیلتی جائیں، اسی جذبے کے تحت ان حضرات سے رابطہ قائم کیا گیا جو امام احمد رضا سے بالواسطہ یا بلاواسطہ مستفیض ہوئے امام احمد رضا پر پچھلے دس پندرہ سالوں میں پاک و ہند اور بیرون ہند کافی کام ہوا جس کی تفصیلات خود ایک مقالے کی مقتضی ہیں۔ مگر بیشتر لکھنے والوں نے معلوم باتوں کی طرف زیادہ توجہ دی اور نامعلوم باتوں کو تلاش نہ کیا۔ اس لئے اتنا کچھ لکھے جانے کے باوجود اس کا عشر عشیر بھی سامنے نہ آیا جو اہل علم کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ جیسا کہ کہا گیا راقم گذشتہ دس سال سے امام احمد رضا پر تحقیق کررہا ہے مگر یہ اعتراف کرنے میں کوئی خفت محسوس نہیں کرتا کہ اتنی طویل مدت گزر جانے کے باوجود امام احمد رضا کی شخصیت و علمیت سے کماحقہ' واقفیت حاصل نہ کرسکا، مطالعہ و تحقیق کے ساتھ ساتھ یہ احساس ابھرتا جاتا ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے نصف اوّل میں امام احمد رضا ہی ایسی واحد شخصیت کے مالک تھے جس کا ہر پہلو ایک بحر بیکراں معلوم ہوتا ہے۔[۱]

ذاتی مطالعہ سے راقم اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ جب تک ایسا سرکاری یا نیم سرکاری ادارہ قائم نہیں ہوجاتا ہے جہاں مختلف علوم و فنون کے ماہرین جمع ہوکر امام احمد رضا پر کام کریں کوئی جامع تحقیق ممکن نہیں ویسے جزوی طور پر پاک و ہند اور بیرون ہند میں کام ہورہا ہے مگر انفرادی کوشش سے اجتماعی

۱۔ اکرام امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۱ء، از ڈاکٹر مسعود احمد

کوشش بدرجہا بہتر ہے۔''[1]

ڈاکٹر مسعود احمد تحقیقی سوانح ''حیات مولانا امام احمد رضا خان بریلوی'' مطبوعہ ۱۹۸۱ء سیالکوٹ کی تقدیم میں متعلقین دبستان رضا کی عدم توجہی کے طرف یوں اشارہ فرماتے ہیں۔

''ہمارے علمی اور تحقیقی رسائل مولانا احمد رضا خان بریلوی کے تذکرے سے یکسر خالی نظر آتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ خود مولانا بریلوی کے متبعین نے ان کے آثار علمیہ کی تدوین کی طرف توجہ نہ کی اور دوسرے حضرات نے اس لئے توجہ نہ کی کہ جن تحریکوں اور اداروں سے ان کا تعلق رہا وہ کسی نہ کسی صورت میں مولانا بریلوی علیہ الرحمہ کے ہدف تنقید رہے اس لئے ان حضرات نے یا تو بالکل نظر انداز کر دیا اگر ذکر بھی کیا تو اس طرح کہ مولانا بریلوی کی بھاری بھر کم شخصیت دب کر رہ گئی ہے۔''

''گزشتہ دس برسوں میں راقم نے مولانا بریلوی پر کچھ کام کیا ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہنوز ساحل سمندر تک بھی رسائی حاصل نہ ہو سکی۔ مطالعہ کے ساتھ ساتھ مولانا بریلوی کی شخصیت تابناک ہوتی جاتی ہے اور حیرت بڑھتی جاتی ہے[2]۔''

ڈاکٹر مسعود احمد ڈاکٹر حسن رضا خان کی کتاب ''فقیہ اسلام'' مطبوعہ ۱۹۸۵ء کراچی کے افتتاحیہ میں فرماتے ہیں۔

''امام احمد رضا کے فکر کا ہر گوشہ تحقیق و تدقیق کا مقتضی ہے اور الگ الگ مقالے کا محتاج ہے۔ راقم کو امام احمد رضا پر تحقیق کرتے ۱۴ سال گزر چکے ہیں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ساحل سمندر تک رسائی نہیں ہو سکی۔ شناوری اور غواصی تو بہت دور کی بات ہے امام احمد رضا کی شخصیت بزبان حال یہ کہتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا[3]

۱۔ اکرام امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۱ء، از ڈاکٹر مسعود احمد

۲۔ حیات مولانا امام رضا خان بریلوی، از ڈاکٹر مسعود احمد

۳۔ فقیہ اسلام، از ڈاکٹر حسن رضا خان

ڈاکٹر مسعود احمد اپنی کتاب ''فاضل بریلوی اور ترک موالات'' مطبوعہ ۱۹۷۰ء لاہور میں فاضل بریلوی پر جدید سوانح کی افادیت کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''فاضل بریلوی علیہ الرحمہ اپنے عہد کے جلیل القدر عالم تھے مگر علمی حلقوں میں اب تک صحیح تعارف نہ کروایا جاسکا۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ تو بڑی حد تک نابلد ہے چنانچہ ایک مجلس میں جہاں یہ راقم بھی موجود تھا ایک فاضل نے فرمایا کہ مولانا امام احمد رضا خان کے پیرو تو زیادہ جاہل ہیں گویا آپ جاہلوں کے پیشوا تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔''

ضرورت ہے کہ ایک سچی، صحیح، مستند، محقق، مدلل، سوانح جدید سوانحی اور تحقیقی اصولوں کے تحت لکھی جائے اور آپ کے علمی کارناموں کو زیادہ سے زیادہ منظر عام پر لایا جائے۔ اب تک جو سوانح سامنے آچکی ہیں وہ ناکافی ہیں اور جدید سوانحی معیار کے مطابق نہیں۔ سوانح میں اسلوب بیان ایسا حقیقت پسندانہ ہونا چاہئے کہ دوست دشمن سب دیکھیں، پڑھیں، غور کریں۔ دوست اپنی عقیدت و محبت کو سنواریں اور دشمن آنکھوں سے پردے ہٹائیں دلوں کی مہریں توڑیں اور پھر بے ساختہ کہہ اٹھیں ؎

ساقی قدحے کہ ھست عالم ظلمات [1]

ڈاکٹر صاحب مولانا یلیین اختر مصباحی کی کتاب ''امام احمد رضا دانشوروں کی نظر میں'' مطبوعہ ۱۹۸۶ء کی تقدیم میں فروغ رضویات کی اہمیت مبرھن فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اس میں شک نہیں امام احمد رضا آدم ساز بھی تھے اور انسان گر بھی ان کو ملت اسلامیہ کا نجات دہندہ کہنا جا طور پر درست ہے، جب دلوں کو ویران کیا جارہا تھا، جب ملت کا شیرازہ منتشر کیا جارہا تھا، امام احمد رضا دلوں کو آباد کررہے تھے، ملت کی شیرازہ بندی کررہے تھے، انہوں نے جوانان ملت کو ایک نیا ولولہ دیا، ایک نیا عزم دیا، ایک نیا حوصلہ دیا، ذہنی غلامی سے آزاد کر کے نئے جہاں کی خبر سنائی...... زندہ باد اے احمد رضا!'' [2]

۱۔ فاضل بریلوی اور ترک موالات، از ڈاکٹر مسعود احمد

۲۔ امام احمد رضا دانشوروں کی نظر میں، از مولانا یلیین اختر مصباحی

ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد شاہی امام مسجد جامع فتحپوری کے مقالہ ''فتویٰ رضویہ اور فتاویٰ رشیدیہ کا تقابلی موازنہ'' کی تقدیم میں ڈاکٹر مسعود احمد نے برصغیر میں فکری اور دینی انتشار کے اسباب کی نشاندہی کرتے ہوئے بھولے بسروں کو جھنجھوڑا ہے کہ تم کیوں بھٹک رہے ہو جس ڈال سے ٹوٹے ہو اسی ڈال میں آن ملو آپ فرماتے ہیں۔

''امام احمد رضا اس طبقہ علما کی نمائندگی کرتے تھے جس نے دور آزادی میں ملت اسلامیہ کی ساکھ کو قائم رکھا ان کا تعلق سواد اعظم اہل سنت و جماعت سے تھا جس کو آج عرف عام میں بریلوی کہا جاتا ہے۔

تقریباً ایک صدی قبل عالم اسلام کے وہی عقائد تھے جن کی تعلیم امام احمد رضا نے دی بعد میں مستعمرین نے اپنی سیاسی ضرورتوں کے مطابق اہل سنت ہی میں بعض افراد کو توڑ کر مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیا اور یوں انتشار پھیلتا چلا گیا جو ابھی تک پھیلتا جا رہا ہے۔ اس وقت اتحاد عالم اسلامی کی ضرورت ہے جس کے لئے امام احمد رضا نے اپنے نام و ناموس کی پرواہ نہ کی۔ اتحاد عالم اسلامی مختلف فرقوں کے ایک (فکری) پلیٹ فارم پر جمع ہونے سے حاصل ہوگا، جہاں یہ افکار دو صدی قبل جمع تھے۔ حقیقی اتحاد کے لئے فکری اتحاد ضروری ہے اور امام احمد رضا نے اس کے لئے سعی فرمائی۔ تحقیق سے یہ حیرت انگیز حقیقت سامنے آئی کہ موجودہ دور کے تمام فرقوں کے اکابر اور اجداد کا تعلق اسی سواد اعظم اہل سنت سے رہا ہے۔ جس کی امام احمد رضا نمائندگی کرتے تھے پھر رفتہ رفتہ اصاغر نے اکابر اور اخلاف نے اسلاف کی راہ چھوڑ کر اپنی اپنی راہیں بنالیں اور انتشار کا شکار ہو گئے۔ امام احمد رضا اللہ تعالیٰ کی عظیم رحمت تھے۔ اس رحمت کا چرچا ہونا چاہئے، اور سب فرقوں کو اپنے موجودہ افکار و عقائد کا جائزہ لے کر اپنے اکابر واجداد کی پیروی کرنی چاہئے یہ وہی راہ ہے جس کو امام احمد رضا نے گہری سوچ اور بصیرت کے بعد ملت اسلامیہ کے لئے متعین کیا ہے اس میں کسی قسم کی شرم محسوس نہیں کرنی چاہئے انسان سے غلطیاں ہوتی ہیں۔ دانا آدمی تاریخ کی روشنی میں غلطیوں کی اصلاح کرتا ہے۔ نادان ضد پر قائم رہتا ہے اور اپنی انا کی خاطر

مخلوق الٰہی کو تباہ و برباد کرتا ہے، قیادت کے لئے دانا و بینا قائد کی ضرورت ہوتی ہے۔ بصیرت سے محروم جذباتی قیادت ملت کو تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔ امام احمد رضا اپنے عہد کے عظیم مدبر و مصلح تھے ان کی قیادت کی آج بھی ملت اسلامیہ کو ضرورت ہے۔ ان جیسا دانا و بینا ان کے دور میں تھا نہ اب نظر آتا ہے۔ ۱"

مذکورہ اقتباسات پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر مسعود احمد کو اعلیٰ حضرت سے بے پناہ عقیدت اور محبت ہے، ڈاکٹر صاحب دینی مفکر ہونے کی حیثیت سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی فکر کو تمام دنیا کے لوگوں پر واضح کرنے کے لئے ایک اہم ادارہ کی داغ بیل ڈالنے کے خواہشمند نظر آتے ہیں اسی خواہش کا اظہار ڈاکٹر صاحب مختلف کتابوں کے حرف آغاز اور ابتدائیہ و تقدیم میں کرتے چلے آرہے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے مولانا احمد رضا خان بریلوی پر بہت کچھ لکھا جو جائے خود ڈاکٹریٹ کا موضوع بن سکتا ہے۔[۲] رضویات پر ڈاکٹر صاحب کی علمی خدمات کی تفصیلات دو کتابوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ ہم یہاں ڈاکٹر صاحب کا ایک تحقیقی مقالہ پیش کرتے ہیں جو کسی غیر ملکی انسائیکلو پیڈیا میں شامل کرنے کے لئے لکھا گیا تھا۔ اس مقالے سے ڈاکٹر صاحب کی حقیقت پسندی عیاں ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مولانا احمد رضا خان بریلوی پر عقیدے کے حوالے سے نہیں، علم و حکمت کے حوالے سے تحقیق کی ہے اور ہم کو ہمارے اسلاف کی طرف متوجہ کر کے ایک اہم دینی اور ملی فریضہ ادا کیا ہے۔

۱۔ محمد عبد الستار طاہر: مسعود ملت اور رضویات، لاہور ۱۹۹۴ء

۲۔ (الف) نبیلہ اسحاق چودھری (جامعہ ازہر، قاہرہ)، امام احمد رضا اور مسعود ملت (مرتبہ مولانا جاوید اقبال مظہری) مطبوعہ کراچی ۲۰۰۰ء

(ب) محمد عبد الستار طاہر نے اہل علم کے ان تمام خطوط کو ایک جلد میں مرتب کیا ہے جو ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے نام مولانا احمد رضا خان بریلوی کے سلسلے میں ۱۹۷۰ء سے ۱۹۹۰ء تک آتے رہے۔ یہ جلد ابھی شائع نہیں ہوئی۔ انجم

مذکورہ بالا تفصیلات اور تمام دینی اور ملی خدمات کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ ڈ
محمد مسعود احمد واقعتاً ایک بے باک دینی مفکر ہیں اور دانشورانہ اور حکیمانہ ذہن و فکر کے مالک ہیں۔ ان کے
مصلحت اندیشی نہیں حق گوئی اور انصاف پسندی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی ہر تحریر سے دینی فکر اور دانائی و حکمت
روشنی جھلکتی ہے۔ اور اب جو بین الاقوامی تحقیقی رسائل و مقالات کا سلسلہ شروع کیا ہے اس کے مختلف زبانوں
ترجمے ہو کر پوری دنیا میں پھیل گئے ہیں جس کے اثرات نظر آرہے ہیں۔ غالباً دین و مسلک کی ان ہی خدمات کو د
کر بعض مشائخ نے ڈاکٹر صاحب کو مجدد کہا ہے چنانچہ سلسلہ قادریہ کے سجادہ نشیں ڈاکٹر علی احمد قریشی نے آپ
۱۴۱۰ء میں مجدد کہا[1] اور دوسرے مشائخ نقشبندیہ میں درگاہ خواجہ باقی باللہ کے سجادہ نشین ڈاکٹر محمد سعید احمد ع
الرحمہ نے اس کی تائید کی[2] اور سجادۂ مظہریہ کے مسند نشین ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد نے بھی اس کی تائید کی[3] مگر خ
ڈاکٹر صاحب نے کوئی دعویٰ نہیں کیا بلکہ وہ خود کو اللہ تعالیٰ کا گنہ گار بندہ، علماء مشائخ اہل سنت و جماعت کا خاد
سمجھتے ہیں اور دین و مسلک کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھتے ہوئے شب و روز اس خدمت میں رضائے الٰہی کے لے
مصروف ہیں۔ میں ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد صاحب (شاہی امام مسجد، فتح پوری، دہلی) ایک خط پیش کرتا ہوں جس
میں انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی تجدیدی خدمات کو سراہا ہے۔

۱۔ مکتوب محررہ ۱۷/۱۶ مارچ ۱۹۹۱ء (مکتوب ۴ر رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ) از سدوال، پنجاب پاکستان

۲۔ مکتوب محررہ ۳۰/ اپریل ۱۹۹۱ء، از دہلی

۳۔ مکتوب محررہ ۱۷/ نومبر ۱۹۹۸ء، از دہلی

نوٹ: محمد عبدالستار طاہر نے ۱۲۳ صفحات پر مشتمل ایک کتاب لکھی ہے جس کا عنوان ہے ''مسعود ملت بحیثیت مجدد''

مکتوب گرامی علامہ مفتی ڈاکٹر محمد مکرم احمد، شاہی امام مسجد فتح پوری، دہلی

۷ انومبر ۱۹۹۸ء

سعادت لوح و قلم مسعودِ ملت مجد دامت قبلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ

سلام مسنون۔ مزاج مبارک!

کرم نامہ مل کر کاشفِ احوال ہوا۔ اس عریضہ سے قبل ہی ایک خط ارسال کیا ہے۔ اللہ کرے کہ مل گیا ہو۔ ڈاکٹر اعجاز انجم کی کامیابی پر ضمیم قلب سے مبارک باد قبول فرمائیں۔ پروردگار اپنے حبیب سرورکائنات ﷺ کے صدقہ میں جناب کو مزید صحت و توانائی کے ساتھ دراز عمر عطا فرمائے۔ آمین۔ صرف ایک اعجاز انجم صاحب کیا، ایشیا، یورپ اور افریقہ میں، سارے عالم اسلام میں آپ کے تلامذہ اور مخلصین، کا جمِ غفیر ہے جو آپ کی شخصیت سے بالواسطہ یا بلاواسطہ فیضیاب ہو کر سارے عالم کو منور کر رہا ہے۔

اسی جمعہ کو مولانا عبدالحکیم شرف قادری صاحب فتح پوری مسجد، جمعہ کی نماز میں تشریف لائے تھے۔ بعد نماز محفل شریف میں بھی شرکت کی تھی۔ آپ کا ذکر خیر فرمار ہے تھے۔ آپ کی صحت اور درازیٔ عمر کے لئے بھی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اجمیر شریف سے سید فرقان علی رضوی صاحب بھی پرسوں یعنی بروز اتوار شب میں تشریف لائے تھے۔ وہ لاہور کے لئے روانہ ہوئے ہیں شاید حاضر خدمت ہوں گے۔ جامعہ ازہر سے ڈاکٹر حازم کا خط بہت محبت کا ہے۔ ایک ایک لفظ سے عقیدت و خلوص کے جذبات جھلک رہے ہیں، یہ آپ کا مجدد مأۃ حاضرۃ (پندرھویں صدی ہجری) ہونے کی ظاہر و باہر دلیل ہے۔

پندرھویں صدی ہجری میں آپ نے جس عظمت کے ساتھ علوم قرآنیہ، علوم سنت اور احیاء سنت و رد بدعات کی خدمتِ جلیلہ کو انجام دیا ہے۔ یقیناً ایک مجدد کی خصوصیت ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اب سے پہلے آپ سے قرآن کریم سے متعلق خدمت لی اور قرآنی تراجم و تفاسیر پر تحقیقی مقالہ سپردِ قلم ہوا اور یہ خدمت جب سے ہی آج تک جاری و ساری ہے۔ ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب کا حال میں لکھا ہوا مقالہ علوم قرآنیہ کی خدمت کی ایک کڑی ہے جو ہر ملک میں کسی نہ کسی کے ذریعہ انجام دی جا رہی ہے۔ قرآن شریف کے بعد سنت رسول (حدیث شریف) کا درجہ ہے، آپ نے اپنے سینکڑوں مقالات کے ذریعہ اس گرانقدر خدمت کو انجام دیا۔ شمائلِ ترمذی پر لکھا ہوا مقدمہ اس کی انوکھی مثال ہے اور محبت کی نشانی اس کی دلیل ہے۔ یہ سلسلہ بھی آپ کی تصانیف کے ذریعہ جاری ہے۔ احیاء سنت اور تجدیدِ دین پر آپ کی عظیم المرتبت محققانہ تصانیف، مقالات، تقریظات، تقدیمات شاہد عدل ہیں۔ آپ نے اہل اللہ اور اولیاء اللہ کی مبارک اور بے لوث خدمات کو عامۃ الناس کے سامنے پیش کیا جس پر آپ کی کتب شاہ محمد غوث گوالیاری، سیرت مجدد اور علامہ

اقبال، امام اہلِ سنت فاضل بریلوی (موضوعات) پر مشتمل مطبوعات شاہد ہیں۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے آپ کے فیض کو ہر طرف پھیلایا جس کی ایک ادنیٰ سی مثال ڈاکٹر بلیان، ڈاکٹر اوشا سانیال، ڈاکٹر حازم وغیرہ ہیں۔

آپ کے مخلصین اور محبین کی فہرست میں صرف اشخاص شامل نہیں بلکہ طویل فہرست ان ممالک کی ہے جہاں پر لاکھوں مداح سکونت اختیار کئے ہوئے ہیں اور اقطارِ عالم میں یہ فیض عمیم پھیل چکا ہے۔ آپ کا زہد و تقویٰ، علم و عمل، مریدین و متوسلین کی تربیت، عبادات کی پابندی، غیبت اور گناہوں سے اجتناب، فضولیات سے کنارہ کشی اس عظیم منصب مجددیت کی لازمی علامتیں ہیں جو آپ کی ذات ستودہ صفات میں بدرجہ اتم موجود ہیں، جس کا اعتراف علماء و مشائخ کو بھی ہے۔

آپ نے صرف شخصیات کی تربیت نہیں فرمائی بلکہ اداروں کو پروان چڑھایا ہے اس کی مثال ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، ماریشس، ہندوستان وپاکستان کے ادارے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ سے پندرھویں صدی کے مجدد کا کام لینا مقرر فرمایا ہے اس لئے آپ کی توجہ بین الاقوامی سلسلۂ اشاعت کی طرف فرمادی بلکہ یہ کام حسن وخوبی انجام پارہا ہے۔ اور بالواسطہ یا بلاواسطہ دنیا فیض حاصل کرہی رہے۔ یہ آپ کے عالمی مجدد ہونے کا ثبوت ہے۔ آپ نے سلسلۂ اشاعت کے لئے ادارۂ مسعودیہ، ادارۂ معارف مجدد الف ثانی یہ اور دیگر ادارے نہ صرف قائم فرمائے بلکہ ان کی نگرانی فرمائی، کارکنان کی حوصلہ افزائی فرمائی، ان کے ساتھ تعاون فرمایا اور ان کی تربیت فرمائی۔ اس عظیم و جلیل القدر خدمت کیلئے ٹیمیں بنائیں جو فی سبیل اللہ اس مقبول خدمت کو انجام دے رہی ہیں اور آپ کا دولت کدہ دارالخیر قرار پایا ہے۔ سبحان اللہ!

آج کے دور میں اگر سروے کیا جائے تو کسی فرد واحد کی تصنیفات و تالیفات سے استفادہ کرنے والے حضرات مردوں، عورتوں اور بچوں میں آپ کے علاوہ شاید ہی کوئی اہلِ قلم ہو، جس سے اتنی بڑی تعداد میں لوگوں نے فیض حاصل کیا ہو۔ یہ انہی اداروں کی خدمات کا نتیجہ ہے۔ تراجم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کو عام فرمایا یہ سب غیبی مدد ہے اسی منصب مجددیت کی جس پر آپ فائز ہیں۔ آپ کتنی ہی کسر نفسی فرمائیں اور کسر نفسی فرمانا آپ کی امتیازی شان ہے، لیکن حقیقت وہی ہے جو احقر نے پیش کی۔ احقر کیا اللہ تعالیٰ کے حکم سے چند سطور قلم بند ہوئی ہیں۔ ہمیں اہلِ خاندان کو، مریدین و مخلصین کو فخر ہے اور ہونا چاہئے کہ ان کو ایک عظیم مجدد وقت کی انمول زیارت اور شرفِ ملاقات سے بھرپور انعام نصیب ہوا۔ اللھم زدفزد۔ آمین ثم آمین۔

مفتی محمد مکرم احمد
شاہی امام مسجد فتح پوری، دہلی

باب سوم

ڈاکٹر مسعود احمد

کی

نثری نگارشات

وقل رب اغفر وارحم وأنت خير الراحمين

نگارشات کا اجمالی تعارف

ڈاکٹر مسعود احمد نے اپنی نثر نگاری کا آغاز ۱۹۵۱ء میں اسلام کی تعلیمات پر مبنی ایک انگریزی کتاب "Islam At The Cross Road" کے ترجمے سے کیا تھا جس کا عنوان انہوں نے ''اسلام دوراہے پر'' رکھا تھا، مذکورہ کتاب لیوپولڈ اسد کی تحریر کردہ ہے۔ اسی ترجمے سے یہ سلسلہ ماہ و سال کی مسافتیں طے کرتے ہوئے تادم تحریر پہنچا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی نثری خدمات کا دائرہ بہت پھیلا ہوا ہے ادب و مذہب کا شاید ہی کوئی ایسا موضوع ہو جس پر ان کی مختصر یا طویل تحریر موجود نہیں! قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، سیرت، سوانح، تاریخ، اخلاقیات، عقائد، فلسفہ، اردو شاعری، اردو مکتوب نگاری، فارسی شاعری، انشائیہ، لسانیات، تنقیدات، کتابیات، قومی اقتصادیات، معاشیات، سیاسیات، فلکیات، نفسیات وغیرہ پر سارے موضوعات ان کے یہاں اپنی بہاریں دکھلارہے ہیں---- ڈاکٹر مسعود احمد ایک مضمون نگار اور قلمکار کی حیثیت سے ۱۹۶۲ء میں ہی اندرون ملک و بیرون ملک جانے پہچانے جانے لگے تھے جیسا کہ ''منادی'' دہلی نے مقالہ ''حضرت مجدد الف ثانی'' کے حوالے سے لکھا ہے- اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے کہ حضرت مسعود ملت نے امام احمد رضا پر تحقیق کا آغاز کیا تو یہ دائرہ کار بین الاقوامی سطح تک پھیل گیا وہ ۱۹۷۰ء سے امام احمد رضا کی شخصیت اور علمی کارناموں کو جدید انداز میں مختلف جہتوں سے تحقیقی کام کر رہے ہیں، انہوں نے امام احمد رضا کی عبقری شخصیت کو عالمی سطح پر روشناس کرایا محبت کے غیر مرئی اور غیر فانی جذبے نے فاصلوں کو سمیٹ لیا- ایک عاشق رسول ﷺ کی یہ زندہ کرامت ہے---- آپ کے منفرد انداز نگارش نے گذشتہ ۴۵ سالوں میں عالمی سطح پر آپ کو متعارف کرایا ہے[1]۔

ڈاکٹر صاحب کو بعض موضوعات پر تخصص حاصل ہے- مثلاً انھوں نے قرآن کریم کے اردو تراجم و تفاسیر سے متعلق مقالہ ڈاکٹریٹ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے علاوہ مندرجہ ذیل شخصیات کے حالات، افکار اور علمی خدمات پر سیر حاصل لکھا ہے-

---

۱- حضرت مسعود ملت کے آثار علمیہ (مسودہ)، از محمد مسرور احمد

- حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ
- میر سید علی غمگین دہلوی علیہ الرحمہ
- امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ
- مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ

اب ذیل میں ہم ان کے نگارشات کا مختصر اجمالی تعارف پیش کر رہے ہیں جس میں کتاب کا نام، موضوع، مطبع، مجلہ اور سن اشاعت کا التزام کیا گیا ہے۔

تصنیفات :

۱- شاہ محمد غوث گوالیاری (سوانح) مطبوعہ میرپور خاص ۱۹۶۴ء

یہ کتاب ڈاکٹر مسعود احمد نے خاندان غوثیہ کے چشم و چراغ جناب سید محمد خطیر الدین شاہ کے بے حد اصرار پر مرتب فرمائی عہد اکبری کے مشہور صوفی حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری (م ۹۷۰ھ / ۱۵۶۲ء) کے حالات و سیرت پر مشتمل ہے۔ موصوف کی شخصیت پر یہ پہلی محققانہ تصنیف ہے جس کو ملک، بیرون ملک کے علماء و صوفیاء قلم کار و دانشور حضرات نے بے حد پسند فرمایا اور مصنف کو دلی مبارکباد پیش کی اس سلسلے میں مصنف کے پاس بے شمار تہنیت نامے آئے۔ خلاصہ یہ کہ ہر طبقہ کے لوگوں نے کتاب مذکورہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا بالخصوص امریکہ اور انگلستان و یورپ کے فاضلوں نے اس سے بہت زیادہ استفادہ کیا اسی سے کتاب کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مذکورہ کتاب ۲۹۲ صفحات پر مشتمل ہے جس کو جناب سید محمد خطیر الدین شاہ کراچی نے اپنی جیب خاص سے ۱۹۶۴ء انیس سو چونسٹھ عیسوی میں میرپور خاص مغربی پاکستان سے شائع کیا ہے اور اب ۱۹۹۸ء میں کراچی سے شائع کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی کتابت و طباعت بہت عمدہ پرکشش دیدہ زیب ہے گویا یہ کتاب ہر زاویہ سے اپنی مثال آپ ہے میرے خیال سے صاحبِ ذوق و شوق کے لئے کتاب معلومات کا بیش بہا خزینہ ہے۔ ادارہ مسعودیہ، کراچی نے شائع کیا ہے۔

۲- تذکرۂ مظہر مسعود (سوانح) مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء

یہ کتاب دہلی کے مشہور و معروف عالم اور صوفی حضرت فقیہہ الہند مفتی محمد مسعود شاہ محدث دہلوی (م ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۲ء) اور اپنے وقت کے مفتی اعظم حضرت شاہ محمد مظہر اللہ

(م ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء) کے حالات اور علمی کارناموں پر ایک محققانہ تصنیف ہے جو ۶۰ - ۵ صفحات پر مشتمل ہے - مذکورہ کتاب کو پہلی بار مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی نے ۱۹۶۹ء میں شائع کیا -

۳- اردو میں قرآنی تراجم و تفاسیر - قلمی غیر مطبوعہ ۱۹۷۰ء

مذکورہ کتاب ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے جو ۱۹۷۰ء میں سندھ یونیورسٹی (حیدر آباد سندھ) میں پیش کیا گیا تھا، ۱۹۷۱ء میں ڈاکٹر مسعود احمد کو اس پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری عنایت کی گئی تھی - مقالے میں پچاس سے زیادہ اردو تراجم و تفاسیر کی تفصیلات درج ہیں کتاب کے مقدمے میں جو فل اسکیپ سائز کے ٹائپ شدہ ۶۲ صفحات پر مشتمل ہے - اس میں پاک و ہند اور دوسرے ممالک کی جدید و قدیم مختلف زبانوں کے تقریباً ۳۵۰ تراجم و تفاسیر کا ذکر کیا گیا ہے۔[۱]

یہ مقالہ بارہ سال کی (۱۹۵۸ء تا ۱۹۷۰ء) مکمل تگ و دو اور کوشش سے پورا ہوا ہے جو ۷۴۶ صفحات پر مشتمل ہے ---- افسوس اب تک اس گراں مایہ مقالہ کی طباعت نہیں ہو سکی ہے - اس کی بظاہر یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ۱۹۷۰ء سے اب تک بکثرت اردو تراجم و تفاسیر کا اضافہ ہو چکا ہے - جب تک یہ تفصیلات شامل نہ ہوں مقالہ مکمل نہیں ہو سکتا اور ڈاکٹر صاحب کو اتنی فرصت نہیں کہ مقالے کا مبسوط تکملہ مرتب کر سکیں ---- جن جن زبانوں میں قرآن پاک کا ترجمہ ہوا ہے اور جو مقالے کے مقدمے میں درج ہیں اس کی فہرست درج ذیل ہے ۱- اردو -
۲- عربی - ۳- فارسی - ۴- ہندی - ۵- بنگلہ - ۶- پنجابی - ۷- بلوچی - ۸- پشتو -
۹- براہوئی - ۱۰- ترکی - ۱۱- فرانسیسی - ۱۲- جرمنی - ۱۳- یونانی - ۱۴- لاطینی -
۱۵- پولش (پولینڈ) - ۱۶- اطالوی - ۱۷- پرتگالی - ۱۸- ھسپانوی - ۱۹- سرویا - ۲۰- زیچ -
۲۱- البانوی - ۲۲- عبرانی - ۲۳- ڈنمارک - ۲۴- ارمنی - ۲۵- بلغاری - ۲۶- رومانی -
۲۷- ہنگری - ۲۸- جاپانی - ۲۹- بوہیمیہ - ۳۰- چینی - ۳۱- سمیڈن - ۳۲- سواحیلیہ -
۳۳- غوجدانیہ - ۳۴- جاوی - ۳۵- افغانی - ۳۶- مینڈی - ۳۷- ڈینش - ۳۸- یوروبا -
۳۹- یوگنڈی - ۴۰- گرمکھی - ۴۱- ملائی - ۴۲- فینٹی - ۴۳- روسی - ۴۴- گکویو -
۴۵- کسکامبا - ۴۶- لوو - ۴۷- سندھی - ۴۸- گجراتی - ۴۹- مرہٹی - ۵۰- ملیالم -
۵۱- کناری - ۵۲- تیلگو - ۵۳- ولندیزی - ۵۴- سویڈن - ۵۵- مرہٹی - ۵۶- ملاوی -
۵۷- براہوئی - ۵۸- سواحلی - ۵۹- تھائی - ۶۰- سرائیکی وغیرہ -

۱- ماہنامہ فکر و نظر اسلام آباد شمارہ، ستمبر ۱۹۷۰ء

چونکہ یہ مقالہ غیر مطبوعہ ہے اس لئے میں نے ضمیمہ نمبر ۲ میں اس کے مقدمہ اور متن سے بعض صفحات شامل کئے ہیں تاکہ مقالے کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو سکے۔

۴- فاضل بریلوی اور ترک موالات (سیاسیات) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء

یہ کتاب پاک و ہند ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کے مشہور و معروف عالم دین عاشق رسول مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی (م ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) کی سیاسی بصیرت پر ایک علمی مقالہ ہے جس کو ملک و بیرون ملک کے علماء و دانشور حضرات نے قدر کی نگاہ سے دیکھا کتاب کی مقبولیت کا عالم یہ ہے کہ اب تک اس کے سات اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۵- فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں (سوانح) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء

یہ کتاب مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی تبحر علمی اور حرمین شریفین میں آپ کی مقبولیت پر ایک تحقیقی مقالہ ہے جس نے پہلی بار دنیائے علم و دانش میں فاضل بریلوی کا مؤثر تعارف کرایا ہے یہی وہ کتاب ہے جس نے مسلک اعلٰحضرت اور تحریک اعلٰحضرت میں جان ڈال دی۔ اعلٰحضرت کے عقیدت مندوں میں جو جمود طاری تھا وہ رفتہ رفتہ ختم ہوا۔ جگہ جگہ فاضل بریلوی پر کام کرنے کے لئے علمی ادارے قائم ہوئے کتاب کی مقبولیت کا عالم یہ ہے کہ اب تک اس کے سات اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ہندوپاک کے مختلف ناشرین نے اس کتاب کو شائع کرنا اپنے لئے باعث فخر جانا۔ جیسے مرکزی مجلس رضا، لاہور۔ رضا پبلی کیشنز، لاہور۔ المجمع الاسلامی مبارکپور (اعظم گڑھ، یوپی، بھارت)

۶- حیات مظہری (سوانح) مطبوعہ کراچی ۱۹۷۴ء

یہ کتاب اپنے وقت کے مفتی اعظم حضرت شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کی نہایت جامع مختصر دل پذیر و دل نشیں انداز میں سوانح پر مشتمل ہے جس میں مصنف نے اپنے والد کی ولادت سے وصال تک کے حالات و واقعات کو خوبصورت انداز میں قلمبند کیا ہے۔ شائع کردہ :- مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی (پاکستان)۔

۷- عاشق رسول (ادب) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے مذکورہ رسالے میں حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہ کے متعلق ادب و عشق کے حوالے سے ارباب علم و دانش کی آراء و تاثرات کو دل نشیں انداز میں مرتب کیا گیا ہے۔ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ اب تک اس کے کئی اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ شائع

کردہ:- مرکزی مجلس رضا، لاہور، (پاکستان)

۸- سیرت مجدد الف ثانی (سوانح) مطبوعہ کراچی ۱۹۷۷ء

یہ کتاب پاک و ہند کے مشہور و معروف عالم و صوفی شیخ احمد سرہندی ملقب مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء) کے حالات اور علمی و اصلاحی خدمات پر ایک عظیم تصنیف ہے جس میں سینکڑوں نایاب مآخذ سے استفادہ کیا گیا ہے اور بہت سے نادر عکس بھی شامل کئے گئے ہیں اس کے علاوہ بادشاہ اکبر کے خود ساختہ دین الٰہی کا مکمل جائزہ لیا گیا ہے- کتاب معلومات کا خزانہ ہے جو قابلِ دید ہے۔ دوسرے باب میں اس پر تفصیلی گفتگو کی جا چکی ہے۔ شائع کردہ :- مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی- (پاکستان)

۹- موج خیال (ادب) مطبوعہ کرچی ۱۹۷۷ء

یہ کتاب تاثراتی مضامین کا ایک بہترین گلدستہ ہے جس میں ہر طرح کے عنوانات درج ہیں جیسے اصلاحی، سماجی، معاشرتی، سیاسی وغیرہ یہ سارے مضامین قسط وار ۱۹۷۲ء اور ۱۹۷۶ء کے درمیان ماہنامہ ''رشاد'' (سیالکوٹ) اور ماہنامہ ''ضیائے حرم'' (لاہور) میں سلسلہ وار شائع ہوتے رہے- مضامین کی افادیت کے پیش نظر تمام کو یکجا کر کے ''موج خیال'' کے نام سے شائع کر دیا گیا- یہ مجموعہ ایک سو تیس عنوانات پر مشتمل ہے پہلی بار مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی پاکستان نے شائع کیا- دوسری بار انجمن فیضان حافظ ملت شیخ مصری، ممبئی (بھارت) نے شائع کیا، تیسری بار ادارہ مسعودیہ، کراچی (پاکستان) نے شائع کیا۔

۱۰- Neglected Genius Of The East `Lahore, 1978 (سوانح) بزبان انگریزی

یہ کتاب انگریزی زبان میں ہے جس میں مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے حالات اور علمی کارناموں کو مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ایک تحقیقی مقالہ کی شکل میں ہے، اس کتاب سے فاضل بریلوی کا تعارف مغربی دنیا (یورپ) میں خوب سے خوب تر ہوا ساتھ ہی ساتھ وہ لوگ جو ہندوستان میں اردو سے نا آشنا ہیں مذکورہ کتاب نے انہیں اعلحضرت فاضل بریلوی کی ہمہ گیریت کا پتہ چلا بالخصوص کالج اور یونیورسٹیوں میں پروفیسر و ڈاکٹر حضرات نے اس کا گہرائی سے مطالعہ کیا

اور فاضل بریلوی سے متعلق کماحقہ، علم حاصل کیا- لیڈن یونیورسٹی کے ڈاکٹر جے -ایم-ایس بلیان، کولمبیا یونیورسٹی کی ڈاکٹر اوشا سانیال وغیرہ نے اس سے استفادہ کیا- یہ کتاب مرکزی مجلس رضا، لاہور (پاکستان) ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی (پاکستان) اور سنی رضوی سوسائٹی انٹرنیشنل، افریقہ نے کئی بار شائع کی ہے اس کا اردو میں ترجمہ بلوچستان (پاکستان) کے ایک فاضل محمد شفیع بلوچ نے کیا ہے-

۱۱- شاعر محبت (ادب) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء

اس کتاب میں صوبہ سندھ کے مشہور صوفی شاعر حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کے سندھی کلام کے اردو ترجمے کی روشنی میں ان کے عارفانہ کلام نیز افکار و خیالات کا جائزہ لیا گیا ہے- اہل سندھ کتاب کو عزت و عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں- شائع کردہ مکتبہ رضویہ گجرات، (پاکستان) ادارہ مسعودیہ، کراچی (پاکستان)

۱۲- عاشق رسول مولانا عبدالقدیر بدایونی (سوانح) لاہور ۱۹۷۸ء

یہ کتاب مولانا عبدالقدیر علیہ الرحمہ کی سوانح پر مشتمل ہے ڈاکٹر صاحب نے اس میں بہت سی نادر باتیں پیش کی ہیں خوبی کی بات یہ ہے کہ جو کچھ بھی انہوں نے مذکورہ کتاب میں تحریر کیا ہے وہ سب حوالہ جات سے مستند اور معلومات خیز ہیں میرے خیال سے یہ پہلی کتاب ہے جو ان کے حالاتِ زندگی اور علمی کارنامے پر مشتمل ہے- مکتبہ قادریہ، لاہور نے پہلی بار شائع کی ہے-

۱۳- حیات فاضل بریلوی (سوانح) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء

یہ کتاب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی سوانحی خاکہ پر مشتمل ہے ڈاکٹر صاحب نے مذکورہ کتاب میں فاضل بریلوی کے حالات و خدمات، افکار و عقائد کو تفصیل سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے- ساتھ ہی ساتھ نادر معلومات دلائل و شواہد کی روشنی میں تحریر کی ہیں کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا فاضل بریلوی سے متعلق وسیع مطالعہ ہے- شائع کردہ :-بزم رضا، لاہور-(پاکستان)

۱۴- تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم (تاریخ) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء

اس کتاب میں مراد آباد کے ماہنامہ ''السواد الاعظم'' کی روشنی میں پاک و ہند کے علمائے اہلسنت و جماعت بالخصوص مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ اور مولانا مفتی محمد عمر نعیمی کی سیاسی بصیرت کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ تقسیم ہند کی مفصل تجویز ۱۹۲۰ء میں پیش کی جاچکی تھی اس کے علاوہ اس پر ایک مبسوط مقدمہ لکھا ہے جس میں تحریک آزادی ہند پر جامع بحث کی گئی ہے یہ کتاب تاریخ آزادی ہند میں ایک نیا باب اور قیمتی اضافہ ہے۔ جس سے علمائے اہل سنت کی سیاسی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ شائع کردہ مرکزی مجلس رضا، لاہور و رضا پبلی کیشنز، لاہور، (پاکستان)

۱۵- حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال (فلسفہ) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء

اس مقالے میں ڈاکٹر محمد اقبال کے افکار و خیالات پر حضرت مجدد الف ثانی کے اثرات کا محققانہ جائزہ لیا گیا ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ڈاکٹر اقبال کا تصور ''خودی'' حضرت مجدد کے تصور ''وحدۃ الشہود'' سے مستفاد ہے۔ اقبالیات کے سلسلے میں یہ مقالہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ دوسرے باب میں اس پر تفصیلی گفتگو کی جاچکی ہے۔ شائع کردہ :- اسلامی کتب خانہ اقبال روڈ سیالکوٹ۔ (پاکستان)

۱۶- محبت کی نشانی (فقہ و ادب) مطبوعہ کراچی ۱۹۸۰ء

اس کتاب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم سنت داڑھی کے بارے میں نئے انداز سے فقیہانہ، عارفانہ اور عاشقانہ بحث کی گئی ہے اس کی تاثیر سے عوام و خواص میں بہت سے حضرات سنت سے آراستہ ہو گئے ہیں۔ اس کا عربی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ شائع کردہ :- مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی (پاکستان) ادارۂ مسعودیہ، کراچی، حزب القادریہ، لاہور (پاکستان)

۱۷- حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی (سوانح) مطبوعہ سیالکوٹ ۱۹۸۱ء

اس کتاب میں نہایت جامعیت کے ساتھ مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے حالات زندگی اور عقائد و افکار وغیرہ جدید تحقیقی معیار کے مطابق پیش کئے گئے ہیں۔ ابتداء میں بہت سے

فضلاء ودانشوروں کے تاثرات ہیں پھر مولانا بریلوی اوران کے والد ماجد مولانا محمد نقی علی خان کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نادر نگارشات کے پچاس عکس بھی ہیں اس کے بعد حالات زندگی اور افکار وعقائد وغیرہ پھر مآخذ و مراجع کی ایک طویل فہرست ہے۔شائع کردہ :اسلامی کتب خانہ اقبال روڈ سیالکوٹ۔(پاکستان)،المختار پبلی کیشنز،کراچی (پاکستان)ادارۂ مسعودیہ،کراچی۔

۱۸۔ گناہ بے گناہی (سیاسیات) مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء

حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی پر ایک الزام یہ تھا کہ تحریک خلافت ۱۹۱۹ء اور تحریک ترک موالات ۱۹۲۰ء کے زمانے میں انہوں نے انگریزوں سے سازباز کی۔اس کتاب میں تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ بتایا گیا ہے کہ مولانا بریلوی، تہذیب و تمدن، انگریزی سیاست، انگریزی تعلیم، انگریزی افکار وسیاست، انگریزی عدالت و حکومت اور انگریزی بادشاہوں سے نفرت کرتے تھے۔اور یہ الزام ان پر سراسر بہتان ہے اس دعوے کی تائید میں ڈاکٹر صاحب نے دستاویزی شہادتیں بھی پیش کی ہیں اس کتاب کا ایک ایڈیشن المجمع الاسلامی، مبارکپور (اعظم گڑھ یوپی بھارت) سے شائع ہوا ہے تین چار ایڈیشن لاہور سے مرکزی مجلس رضا، لاہور نے شائع کیے ہیں۔پانچواں ایڈیشن ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے شائع کیا ہے۔چھٹا ایڈیشن ادارۂ مسعودیہ،کراچی نے شائع کیا ہے۔جس سے کتاب کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے جس کے متعدد ایڈیشن پاکستان اور ہندوستان اور افریقہ سے شائع ہو چکے ہیں۔

۱۹۔ حیات امام اہلسنت (سوانح) مطبوعہ لاہور۔۱۹۸۱ء

یہ کتاب امام احمد رضا فاضل بریلوی کے حالات اور علمی خدمات پر ایک جامع مختصر تحقیقی مقالہ ہے جس کو سپریم کورٹ حکومت پاکستان کی شریعت بنچ کے جسٹس پیر سید کرم شاہ صاحب ازہری کے ایک مقالے کے ساتھ واہ کینٹ سے شائع کیا ہے۔اس کو المجمع اسلامی، مبارک پور (انڈیا) اور ادارۂ مسعودیہ، کراچی نے بھی شائع کیا ہے۔سب سے پہلے یہ مقالہ ساہیوال (پاکستان) سے شائع ہوا تھا۔

۲۰۔ دائرۂ معارف امام احمد رضا (سوانح) مطبوعہ کراچی۔۱۹۸۲ء

یہ کتاب مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی کی ہمہ گیر شخصیت پر پندرہ جلدوں کا تفصیلی خاکہ

ہے جو عالمی جامعات وکلیات اور تحقیقی اداروں کے لئے مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں محدث بریلوی کی غیر مطبوعہ تصانیف کے نادر عکس بھی شامل ہیں۔ شائع کردہ: ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، (پاکستان)۔ رضا دار الاشاعت، لاہور

۲۱۔ ماہ وانجم (سوانح) مطبوعہ سیالکوٹ ۱۹۸۳ء

یہ کتاب سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مشہور عالم وعارف حضرت سید امام علی شاہ مکان شریفی کے خلیفہ مولانا احمد علی مرحوم کی فارسی تصنیف آیات القیومیہ کے بعض حصوں کا اردو ترجمہ اور تلخیص ہے جس میں مندرجہ ذیل بزرگوں کے احوال و معارف درج ہیں۔ حضرت محمد مسعود شاہ محدث دہلوی، حضرت سید امام علی شاہ مکان شریف، حضرت سید صادق علی شاہ مکان شریفی۔ یہ دور کتاب تحقیقی نقطہ نظر سے نہایت مستند ہے اس میں بعض نوادرات کے عکس بھی ہیں۔ مراۃ التحقیق، تفسیر صادقی، فتاویٰ مسعودی اور آیات القیومیہ وغیرہ۔ یہ تفصیلات پہلی بار منظر عام پر آئی ہیں۔ مکتبہ نعمانیہ، سیالکوٹ (پاکستان) نے شائع کیا۔

۲۲۔ نورونار (سیرت) مطبوعہ لاہور ۱۹۸۴ء

اس رسالے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد و فضائل کے ساتھ تقویۃ الایمان کی بعض عبارات کا غیر جانبدرانہ تجزیہ کیا گیا ہے اور آیات واحادیث کی روشنی میں ان پر تنقید کی گئی ہے۔ یہ تنقید جارحانہ نہیں بلکہ محققانہ و دل پذیر ہے جس کے مطالعہ سے دلوں میں حق و صداقت کی عظمت جاگزیں ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ رسالہ المجمع الاسلامی مبارکپور، اعظم گڑھ (بھارت) ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی (پاکستان) نے شائع کیا ہے۔ کراچی کے ایڈیشن میں اختتامیہ کا اضافہ کیا گیا ہے جس میں ڈاکٹر صاحب نے مولوی اسمٰعیل دہلوی اور مولوی سید احمد رائے بریلی کی تحریک کا مؤرخانہ و محققانہ جائزہ پیش کیا ہے۔ نیز تقویت الایمان کے تاریخی اور فکری پس منظر کو اجاگر کیا ہے۔ ادارہ مسعودیہ کراچی نے بھی ''ادب و بے ادبی'' کے عنوان سے اس کو شائع کیا ہے، اس کے علاوہ بھی پاک و ہند سے کئی ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔

۲۳- اجالا (سوانح و ادب) مطبوعہ لاہور ۱۹۸۴ء

یہ مقالہ (امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے حالات و افکار پر روشنی ڈالتے ہوئے) ڈاکٹر صاحب نے قلم برداشتہ لکھا ہے مگر پچاس ۵۰ سے زیادہ کتابوں کے حوالے اس میں موجود ہیں۔ عوام و خواص میں مذکورہ کتاب بے حد مقبول ہوئی۔ مختلف مکتبہ جات سے کئی کئی ہزار کی تعداد میں شائع ہوئی اور ہاتھوں ہاتھ بٹ گئی۔ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے اس کو شائع کیا، اس کے دو دو ہزار کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، المجمع الاسلامی مبارکپور، اعظم گڑھ بھارت نے بھی اس کو شائع کیا، اس کا گجراتی ترجمہ کراچی (پاکستان) سے شائع ہوا ہے اور اس کا پشتو زبان میں ترجمہ کراچی یونیورسٹی کے پروفیسر عبدالرشید صاحب کر رہے ہیں، اس کا ہندی ترجمہ ادارۂ افکار حق 'پورنیہ' بہار نے کیا ہے اور تین ہزار کی تعداد میں شائع کر کے مفت تقسیم کیا ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ بھی کئی ہزار کی تعداد میں پاکستان اور افریقہ سے شائع ہوا ہے۔

۲۴- نظام مصطفٰے (سیاسیات) مطبوعہ لاہور ۱۹۸۴ء

کتاب کا موضوع نام سے ہی روشن ہے ڈاکٹر مسعود احمد نے مذکورہ کتاب دردمندی اور دل سوزی سے لکھی ہے اور نظام مصطفٰی کے نفاذ کے لیے کوشش کرنے والوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ عبارت بہت ہی عام فہم ہے، عوام و خواص سب کے لئے یہ کتاب میرے خیال سے مفید ثابت ہوگی کیونکہ کچھ باتیں بہت ہی انوکھی و نرالی معلوم ہوتی ہیں۔ شائع کردہ :- مرکزی انجمن پیغام مصطفٰے، فیصل آباد (پاکستان)۔ یہ کتاب کشمیر سے بھی شائع ہوئی ہے۔ اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۲۵- رہبر و رہنما (سوانح و ادب) مطبوعہ لاہور ۱۹۸۶ء

اس کتاب کو نرالے انداز سے ترتیب دیا ہے۔ ہر صفحہ پر اعلٰحضرت فاضل بریلوی کے مختلف علوم و فنون میں تصنیف کردہ کتابوں کا عکسی سرورق پیش کیا گیا ہے ڈاکٹر مسعود احمد نے اس کتاب میں نہایت تحقیق سے اعلٰحضرت کا اجمالی تعارف پیش کیا ہے۔ مذکورہ کتاب کے مطالعہ سے اعلٰحضرت کی عبقریت و ہمہ گیریت اور ابھر کر سامنے آتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ڈاکٹر صاحب کا

فاضل بریلوی سے متعلق وسیع مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ کتاب اردو اور انگریزی میں پاکستان اور افریقہ سے شائع ہوئی۔ اب تک کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۲٦- آخری پیغام (قرآن و ادب) مطبوعہ لاہور - ۱۹۸٦ء

یہ کتاب دراصل عجائب القرآن کا مقدمہ ہے عجائب القرآن میں تین سو سے زیادہ عربی رسم الخطوں میں کتابت کی گئی ہے۔ کاتب کا نام جناب خورشید عالم گوہر رقم ہے۔ جب عجائب القرآن کی کتابت مکمل ہو گئی تو خواجہ ابوالخیر محمد عبداللہ جان نقشبندی مجددی (پشاور۔ پاکستان) نے ڈاکٹر صاحب سے فرمائش کی کہ آپ اس کا مقدمہ تیار کر دیں، موصوف نے کمال محنت اور جانفشانی اور عرق ریزی سے مقدمہ لکھا جو بذات خود کتاب کی شکل اختیار کر گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب میں تحقیق اور حوالوں سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ قرآن حکیم کی کتابت اور اس کی ترتیب اور عمل تدوین سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں ہی ہو چکی تھی۔ آپ کی یہ تحقیق سب سے جداگانہ ہے۔ سرھند پبلی کیشنز، کراچی نے تین بار شائع کیا۔ یہ کتاب مراد آباد (بھارت) سے بھی شائع ہوئی ہیں۔ سرہند پبلی کیشنز نے جدید ایڈیشن ۱۹۹۸ء میں ابوالسرور محمد مسرور احمد کے وقیع مقدمے کے ساتھ شائع کیا ہے جس میں غیر مسلموں کے تاثرات بھی بیان کیے گئے ہیں۔

۲۷- تنقیدات و تعاقبات امام احمد رضا (سیاسیات) مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء

اس کتاب میں مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی کے نادر و نایاب عربی و فارسی اشعار کی روشنی میں ان کے سیاسی مسلک کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے اور دلائل و شواہد کی روشنی میں ان کے عہد کے سیاسی ماحول کا بھی تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ کتاب تاریخ تحریک آزادی ہند میں قابل قدر اضافہ ہے۔ مکتبہ نبویہ، لاہور نے شائع کیا ہے۔

۲۸- جشن بہاراں (سیرت و ادب) مطبوعہ کراچی - ۱۹۸۸ء

یہ کتاب رسول کائنات فخر موجودات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جشن ولادت کا تاریخی نقطہ نظر سے تعارف کرانے کے لئے ڈاکٹر صاحب نے مرتب کی ہے اور بہت سے دلائل و شواہد پیش کیے ہیں۔ کتاب کے حرف اوّل میں وہ رقمطراز ہیں۔

”پچھلی آسمانی کتابوں میں آپ کی آمد کا ذکر موجود ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایسا ہی ہے، تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ دنیا کے تمام بڑے مذاہب کی مذہبی کتابوں میں آپ کا ذکر موجود ہے۔ ہر نبی اور ہر رسول نے اپنی امت کو آپ کی آمد کی خوشخبری سنائی اور سب امتیں آپ کے لئے چشم براہ رہیں۔ یہ ایک کائناتی اور عالمی حقیقت ہے۔ ا“

مذکورہ کتاب گرچہ ضخامت کے اعتبار سے پتلی ہے لیکن مواد کے اعتبار سے بہت ضخیم ہے۔ شائع کردہ :۔ رضا اکیڈمی لاہور، (پاکستان) اور دوسرے اداروں کے علاوہ ادارۂ مسعودیہ، کراچی نے نئے اضافوں کے ساتھ شائع کیا ہے۔

۲۹۔ جانِ جاناں صلی اللہ علیہ وسلم (سیرت و ادب) مطبوعہ کراچی ۱۹۸۹ء

یہ کتاب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر ہے اور بہت ہی جامع ہے۔ کتاب منصۂ شہود پر کیسے آئی اس سلسلے میں خود ڈاکٹر صاحب کتاب کے حرف آغاز میں رقمطراز ہیں۔

”ایک کرم فرما سید زین الحسن صاحب ایڈووکیٹ سندھ ہائی کورٹ، کراچی عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ایک کتاب لائے جو منفی انداز سے اور منفی مقصد کے لئے لکھی گئی تھی پڑھ کر افسوس ہوا اور حیرت بھی کہ ایک مسلمان اس طرح بھی سوچ سکتا ہے۔ زین الحسن صاحب نے کتاب مذکورہ کے بارے میں اظہار خیال کے لئے فرمایا۔ راقم نے مناسب سمجھا کہ اس موضوع پر تحقیقی انداز سے ایک سنجیدہ کتابچہ لکھ دیا جائے۔ مگر جب لکھنے بیٹھا تو فیضان محمدی ﷺ سے ایک کتاب تیار ہو گئی ۲۔“ یہ کتاب بھارت سے بھی شائع ہوئی ہے' ادارہ مسعودیہ، کراچی اور دیگر اداروں نے کئی بار شائع کی ہے۔

۳۰۔ آئینہ رضویات اوّل (تاریخ و سوانح و سیاسیات) مطبوعہ کراچی ۱۹۸۹ء

یہ کتاب امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز پر لکھی جانے والی بائیس کتابوں پر پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد کے مطبوعہ مقدمات کا نادر مجموعہ ہے، جس کو صوفی محمد عبد الستار طاہر

۱۔ جشن بہاراں، ص ۴، از ڈاکٹر مسعود احمد

۲۔ جان جاناں، ص ۹، از ڈاکٹر مسعود احمد

(لاہور) نے بڑی جانکاہی سے مرتب کیا ہے۔ یہ مقدمات جائے خود تحقیقی مقالات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مذکورہ کتاب کا تعارف پیش کرتے ہوئے "ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا" کراچی کے جنرل سیکریٹری ڈاکٹر مجید اللہ قادری پیش لفظ میں رقمطراز ہیں۔

"خیال تھا کہ تاریخی ترتیب کے اعتبار سے ان مقدمات کو کتابی شکل میں پیش کیا جائے مگر یہ مناسب سمجھا گیا کہ موضوعات کے لحاظ سے ان کو اس طرح مرتب کیا جائے کہ یہ مجموعہ امام احمد رضا کی سوانح سے زیادہ قریب تر ہو جائے----- "آئینہ رضویات" میں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی شخصیت و فکر کے مختلف گوشوں کے بارے میں نہایت نادر معلومات جمع کر دی گئی ہیں۔[۱] "المختار پبلی کیشنز، کراچی نے شائع کیا ہے۔[۲]

۳۱- جان ایمان (سیرت و ادب) مطبوعہ لاہور ۱۹۸۹ء

یہ کتاب دراصل "شمائل ترمذی شریف" کی شرح "انوار غوثیہ" کا مقدمہ ہے جیسا کہ ڈاکٹر صاحب کتاب کے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں۔

"۱۹۷۵ء میں یہ مقدمہ مکمل ہو گیا جو بعد میں "انوار غوثیہ" کے ساتھ ۱۹۷۶ء میں لاہور سے چھپ کر پشاور سے شائع ہوا، پھر ۱۹۸۶ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن کراچی سے شائع ہوا اس مقدمہ میں دوسرے مباحث کے علاوہ "شمائل ترمذی شریف" کی روشنی میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کی جھلکیاں بھی پیش کی گئی تھیں۔ اب مقدمہ کا یہ حصہ کتابی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔[۳]"

مذکورہ کتاب سیرت النبی پر مختصر ضرور ہے لیکن جامع ہے انداز تحریر پیارا اور دلنشین ہے۔ دوسرے اداروں کے علاوہ ادارہ مسعودیہ، کراچی نے شائع کیا ہے۔

۳۲- دعائے خلیل (سیرت و ادب) مطبوعہ لاہور ۱۹۹۰ء

کتاب کے نام سے ہی موضوع کا پتہ چل جاتا ہے اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے حضرت

۱- آئینہ رضویات اوّل ص ۸ از ڈاکٹر مسعود احمد

۲- "آئینہ رضویات" کی دوسری اور تیسری جلدیں بھی شائع ہوئی ہیں، یہ بھی صوفی محمد عبدالستار طاہر نے مرتب کی ہیں اور اس ادارے نے شائع کی ہیں۔ چوتھی جلد تیاری کے مرحلے میں ہے۔ اس طرح امام احمد رضا پر ساٹھ (۶۰) سے زیادہ کتابوں پر یہ تحقیقی اور علمی مقدمات محفوظ ہو جائیں گے۔

۳- جان ایمان، ص ۶، از ڈاکٹر مسعود احمد

ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کا اثر ثابت کیا ہے اور لکھا ہے : سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا تذکرہ تمام مذاہب کی کتابوں میں موجود تھا-ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں-

"یہ دعا آسمان کی بلندیوں سے گزر کر عرش تک پہنچی اور دربار الٰہی میں قبول ہوئی کہ ایک برگزیدہ رسول کی دعا تھی---- پھر اس نبی منتظر کی آمد کے ذکر و اذکار ہونے لگے- ہندوستان کے ویدوں میں اپنشدوں میں اور پرانوں میں صاف وہ نام نامی "محمد" اور "احمد" نظر آرہا ہے-

زبور میں، حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحیفوں میں اور توریت میں آپ کی آمد کا ذکر ہے اور "محمد" و "احمد" کی گونج سنائی دے رہی ہے-[1]"

کتاب قابل دید اور لائق مطالعہ ہے- ادارہ مسعودیہ، کراچی نے بھی شائع کیا ہے-

۳۳- غریبوں کے غمخوار (سوانح و ادب) مطبوعہ لاہور ۱۹۹۰ء

اس کتابچے میں ڈاکٹر مسعود احمد نے امام احمد رضا کے وصیت نامہ کی چند مندرجات کو اپنا محو فکر بنایا ہے مخالفین و معاندین جس کا مذاق اڑایا کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غریب پروری کی روشنی میں اعلیٰ حضرت کی غریب پروری کو بڑے مؤثر انداز میں بیان کیا ہے اور غریبوں سے متعلق اپنے ذاتی مشاہدات و تجربات بھی بیان کیے ہیں کہ پڑھنے والا اشکبار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔اس کتاب کو ادارۂ مسعودیہ 'کراچی اور کئی اداروں نے شائع کیا ہے۔

۳۴- امام احمد رضا اور عالمی جامعات (سوانح) مطبوعہ صادق آباد ۱۹۹۰ء

یہ کتاب اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی عبقریت و ہمہ گیریت کو واضح کرنے کے لئے ڈاکٹر صاحب نے تصنیف کی ہے اس میں موصوف نے اعلیٰ حضرت پر پاکستان، ہندوستان، امریکہ، افریقہ، انگلستان، ہالینڈ، سعودی عرب، مصر، افغانستان وغیرہ ممالک کی یونیورسٹیوں کے پروفیسر، ڈاکٹر، ریسرچ اسکالر کی تحقیقات کا شماریاتی جائزہ پیش کیا ہے-ان تفصیلات کو پڑھنے کے بعد اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی عبقریت اور ہمہ جہت شخصیت دن کے اجالے کی طرح روشن ہو جاتی ہے- مذکورہ کتاب کے مختلف ایڈیشن پاکستان، ہندوستان سے شائع ہو چکے ہیں-ادارہ مسعودیہ، کراچی نے بھی شائع کیا ہے-

---

ا- دعائے خلیل ص ۳ از [illegible] مسعود احمد

۳۵- توحید کے نام پر (سیرت) مطبوعہ بھیونڈی ۱۹۹۰ء

ڈاکٹر مسعود احمد نے مذکورہ کتاب میں مکمل دیانتداری اور غیر جانبداری سے ساتھ مولوی اسمٰعیل دہلوی کے گستاخانہ کلمات کا علمی و فکری محاسبہ کیا ہے جو عالمانہ تحقیق کا بہترین نمونہ ہے اور شمع توحید کے پروانوں کے لئے مشعل راہ بھی ہے- کتاب مذکور سے کسی کی تنقید و تنقیص مقصود نہیں ہے بلکہ صرف شرعی نقطۂ نظر کی وضاحت مطلوب ہے جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے-

"یہ جو کچھ لکھا گیا ہے- خدمت دین کے جذبے اور ملت اسلامیہ کے درد نے لکھوایا ہے یہ تحریر کسی شخص کے خلاف نہیں بلکہ گستاخوں کے خلاف ہے ا-"

ادارہ مسعودیہ، کراچی نے "ادب بے ادلی" کے نام سے شائع کیا ہے-

۳۶- کل کے معمار (ادب) مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء)

مذکورہ کتاب ڈاکٹر مسعود احمد کے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے سارے مضامین اصلاحی ہیں- حالات حاضرہ کو پیش نظر رکھ کر ڈاکٹر صاحب نے برجستہ اور چست جملوں کا استعمال کر کے معاشرہ کو سدھارنے کی کوشش کی ہے جیسا کہ اکبر الٰہ آبادی نے طنزیہ شاعری پیش کر کے قوم و ملت کی اصلاح کرنا چاہا تھا بعینہٖ وہی روش ہے صرف نظم و نثر کا فرق ہے- سارے مضامین کی ترتیب مولانا عبدالستار طاہر نے دی ہے اور کتابی شکل دے کر ایک اچھا کارنامہ انجام دیا ہے-

۳۷- رحمۃ للعالمین (سیرت و ادب) مطبوعہ لاہور ۱۹۹۱ء

کتاب کے نام سے موضوع کا پتہ چلتا ہے مذکورہ کتاب میں ڈاکٹر مسعود احمد نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت کو دنیا والوں کے لئے رحمت ثابت کیا ہے- ڈاکٹر صاحب نے اپنی بات و قرآن کریم و احادیث نبوی سے مبرہن کرنے کی مکمل کوشش کی ہے- دلائل و شواہد سے واضح کر دیا ہے کہ ذات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے لئے رحمت خداوندی ہے کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے بے نظیر معلوم ہوتی ہے-

۳۸- مراد رسول (سوانح) مطبوعہ لاہور ۱۹۹۲ء

یہ کتاب بھی فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر مختلف مضامین کا مجموعہ ہے، ڈاکٹر صاحب مختلف اوقات میں مختلف رسائل کے لئے مضامین لکھتے رہے اور بھیجتے رہے، آپ کے عقیدتمند اور

ا- توحید کے نام پر، ص ۳، از ڈاکٹر مسعود احمد

ارادتمند جناب مولانا عبدالستار طاہر صاحب نے جب رسائل کا مطالعہ کیا تو ان تمام مضامین کو یکجا کر لیا جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے متعلق تھے جیسا کہ انہوں نے کتاب کے ابتدائیہ میں لکھا ہے کہ ۔

"زیرِ نظر تحریریں قبل ازیں ماہنامہ "ضیائے حرم، لاہور" اور ماہنامہ "رشاد، سیالکوٹ"، ماہنامہ "استقامت، کانپور" وغیرہ میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ بندۂ ناچیز نے حضرت مسعود ملت کے محررہ تمام شذرات کو یکجا کر دیا ہے تا کہ قاری کو اس موضوع پر مواد گلدستے کی شکل میں میسر آسکے۔[۱]"

۳۹- عیدوں کی عید (سیرت) مطبوعہ کراچی ۱۹۹۲ء

یہ کتاب اردو زبان میں ڈاکٹر مسعود احمد نے حضور سرور کائنات سرکار دوعالم ﷺ کی شانِ اقدس میں تحریر فرمائی ہے۔ جو احادیث و اقوال صحابہ نیز بزرگان دین کے اقوال زریں پر مشتمل ہے۔ اوراق کے اعتبار سے کتابچہ گرچہ مختصر ہے لیکن معنی و مفہوم کے اعتبار سے بہت وسیع ہے۔ مذکورہ کتاب کا فارسی ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر اور پروفیسر نجم الرشید نے کیا ہے۔ اس کتاب کا عربی اور انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے۔ مظہری پبلی کیشنز، کراچی نے اس کتاب کے سات ترجمے کتابی صورت میں شائع کیے ہیں۔ اس سے اس کتاب کی اہمیت کا پتا چلتا ہے۔ یہ کتابچہ اب تک دو لاکھ کی تعداد میں چھپ چکا ہے۔ صرف حیدر آباد دکن میں ۷۵ ہزار کی تعداد میں چھپا ہے۔

۴۰- قیامت (قرآن وادب) مطبوعہ کراچی ۱۹۹۲ء

ڈاکٹر مسعود احمد نے مذکورہ کتاب میں قیامت سے متعلق قرآن کریم کی جملہ آیات کو ترتیب سے مرتب کیا ہے اور اس کے متعلق احادیث شریفہ سے متعلق پیش گوئیاں بھی نقل کی ہیں۔ "قیامت" نام کی متعدد کتابیں آج مارکیٹ میں دستیاب ہیں لیکن جو طرز بیان اور اسلوب جدید، قوت استدلال، معنی کی ادائیگی، الفاظ کی بندش اس کتاب میں ہے کہیں دیکھنے کو نہیں ملی۔ مطالعۂ کتاب سے حضرت مصنف کے قلبی درد کا پتہ چلتا ہے۔ کتاب پڑھ کر قیامت کا نقشہ سامنے آجاتا ہے اور گناہوں سے توبہ کے لیے انسان مستعد ہو جاتا ہے۔ کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ہندوستان میں بزم فیضان رضا

۱- مرادِ رسول، ص ۷، از مولانا عبدالستار طاہر

دارالعلوم محبوب سبحانی، کرلا، ممبئی نے شائع کیا ہے۔ پاکستان میں مظہری پبلی کیشنز، کراچی اور ادارۂ مسعودیہ، کراچی نے شائع کیا ہے۔

۴۱۔ آئینہ رضویات دوم (سوانح، تاریخ) مطبوعہ کراچی ۱۹۹۳ء

آئینہ رضویات دوم موجودہ صدی کے عظیم عبقری امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی شخصیت اور کارناموں پر لکھے جانے والے مقالات ورسائل پر ڈاکٹر مسعود احمد کے تحریر کردہ تقدیمہ، تقاریظ کا مجموعہ ہے ان میں سے اکثر مقدمات جائے خود تحقیقی مقالہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس کتاب کی کتابت، پروف ریڈنگ تدوین و ترتیب اور تزئین و آرائش تک تمام مراحل کی نگہداشت مولانا عبدالستار طاہر صاحب نے کی ہے۔ مجموعہ کی ضخامت اور عنوانات کی ترتیب وانتخاب بہت ہی عمدہ اور دل نشین ہے کتاب لائق مطالعہ ہے میرے خیال سے معلومات کا خزانہ ہے۔

۴۲۔ جان جاں (سیرت وادب) مطبوعہ کراچی ۱۹۹۳ء

ڈاکٹر مسعود احمد نے مذکورہ کتاب حضور نبی کریم ﷺ کی سیرت پر دل نشیں انداز میں تحریر کی ہے جب کتاب کا مطالعہ شروع کیا جاتا ہے تو جب تک پوری کتاب پڑھ کر ختم نہیں ہوتی تب تک کتاب چھوڑنے کو طبیعت نہیں چاہتی ہے موصوف نے پہلے ابتدائیہ پھر آمد آمد رحمۃ للعالمین اس کے بعد سراپائے جمال محبوب پھر علوم مصطفیٰ اس کے بعد صلوٰۃ و سلام سے متعلق معلومات قلم بند کرنے کی سعی بلیغ کی ہے مثبت انداز میں اپنی بات کہہ کر گزر جانے کی کوشش کی ہے سیرت کے موضوع پر کتاب بہت مختصر لیکن جامع ہے۔ اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ ادارۂ مسعودیہ، کراچی نے شائع کی ہے۔

۴۳۔ محدث بریلوی (سوانح) مطبوعہ کراچی ۱۹۹۳ء

یہ کتاب ڈاکٹر مسعود احمد کی ایک اہم تصنیف ہے۔ موصوف نے ۱۹۸۶ء میں اس کو مکمل کیا تھا اس کا عربی ترجمہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی نے رضا فاؤنڈیشن کے تعاون سے الشیخ احمد رضا خان البریلوی کے عنوان سے ۱۹۹۰ء میں شائع کر دیا تھا۔ اس کتاب نے ازہر یونیورسٹی (قاہرہ) میں ایک انقلاب برپا کیا۔ اصل کتاب جو اردو میں ہے بعد میں شائع ہوئی ہے۔ کتاب کی زبان نہایت سادہ و سلیس، تحقیق بلند پایہ، طرز بیان عالمانہ و فاضلانہ ہونے کے ساتھ ساتھ دل آویزو دل نشیں ہے۔ اختصار و جامعیت اس کتاب کا طرۂ امتیاز ہے۔ دلائل و شواہد سے مزین یہ کتاب امام احمد رضا محدث بریلوی کی شخصیت، ماحول، افکار و نظریات اور علمی خدمات جاننے کے

لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ رضویات پر یہ ایک ایسا جامع اور جدید اضافہ ہے جس سے استفادہ کئے بغیر مطالعۂ رضا کی تکمیل ممکن نہ ہو سکے گی۔ اس کتاب کو المختار پبلی کیشنز، کراچی اور ادارۂ معارف نعمانیہ، لاہور نے شائع کیا ہے۔

۴۴۔ علم غیب (سیرت) مطبوعہ کراچی ۱۹۹۳ء

کتاب کے نام ہی سے موضوع واضح ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے نئے انداز میں سرکار دو عالم ﷺ کے علم غیب کو ثابت کیا ہے۔ خوبی کی یہ بات ہے کہ قرآنی آیات کا ترجمہ پیش کر کے علم غیب مصطفیٰ کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب کی عبارت سلیس اور عمدہ ہے۔ کتاب چند اوراق پر مشتمل ہے۔ یہاں پر اگر یہ کہا جائے کہ ڈاکٹر صاحب نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے تو بے جا نہ ہوگا...... ادارۂ مسعودیہ ناظم آباد، کراچی نے پہلی بار شائع کر کے عوام پر احسان کیا ہے۔ اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ عربی، فارسی، انگریزی تراجم شائع ہو چکے ہیں۔

۴۵۔ جشن ولادت (سیرت) مطبوعہ لاہور ۱۹۹۴ء

کتاب کے نام ہی سے کتاب کا موضوع واضح ہے۔ ڈاکٹر مسعود احمد نے سرکار دو عالم ﷺ کی ولادت پر خوشی و مسرت کے اظہار پر اپنی معلومات کو صفحۂ قرطاس پر اتارنے کی کوشش کی ہے اور جو لوگ جشنِ ولادت منانے کے منکر ہیں، انہیں مثبت انداز میں حدیث و قرآن کی روشنی میں دلائل و شواہد سے سمجھانے کے کوشش کی ہے۔ کتاب گرچہ مختصر ہے لیکن مضمون کے اعتبار سے بہت جامع ہے۔

۴۶۔ تعظیم و توقیر (سیرت) مطبوعہ کراچی ۱۹۹۴ء

اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے حضور سرور کائنات ﷺ کی شان رسالت واضح کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ شاتمان رسول کو حسین پیرائے میں سمجھانے کی سعی بلیغ کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کتاب کے اندر رقم طراز ہیں۔

> جب دل میں کسی کی محبت و عظمت گھر کر جاتی ہے تو اس محبوب کے حضور ادب کے لئے ابھارتی ہے۔ محبت خودبخود ادب سکھاتی ہے۔ وہ محبوب کی خامیاں تلاش نہیں کرتی۔ یہ اس کی فطرت کے خلاف ہے، وہ محبوب کی ہر ادا پر جان فدا کرتی ہے۔ خامیاں اور برائیاں تلاش کرنا تو دور کی بات ہے وہ محبوب کی برائی سننا بھی پسند نہیں کرتی، برائی کرنے والوں سے منہ پھیر لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اپنا

۱۔ تعظیم و توقیر، ص ۹، ۸، از ڈاکٹر مسعود احمد

محبوب بنایا، ہمارے لئے نمونہ بنایا- محبت کرنے اور محبت کی باتیں کرنے کا حکم دیا[1]-

اس طرح سے مختلف حسین انداز میں مسئلہ تعظیم و توقیر کو اجاگر کرنے کی مکمل کوشش کی ہے- منصف مزاج آدمی کے لئے مذکورہ کتاب مشعل راہ ثابت ہوگی- ادارہ مسعودیہ کراچی نے اس کے متعدد ایڈیشن شائع کئے ہیں- انگریزی اور عربی تراجم بھی شائع ہو گئے ہیں-

۴۷- نسبتوں کی بہاریں (نفسیات وادب) مطبوعہ کراچی ۱۹۹۴ء

اس کتاب میں ڈاکٹر مسعود احمد نے نسبت کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے کیونکہ شئی نسبت سے ہی پہچانی جاتی ہے- اس مفہوم کو واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء کرام کے اقوال واعمال سے نسبت کی اہمیت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ ثابت کردیا ہے جس چیز یا جس شخص کو جس قدر قابل عظمت شئی یا شخص سے نسبت ہوگی اس کا مرتبہ اتنا ہی عظیم ہو جائے گا- جیسا کہ موصوف نے سگ اصحاب کہف کا واقعہ بیان کیا ہے اور لکھا ہے "قرآن کریم میں اصحاب کہف اور ان کے کتے کا واقعہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے[1]-"

۴۸- حضرت مجدد الف ثانی...... حالات وافکار وخدمات (سوانح) مطبوعہ کراچی ۱۹۹۵ء

یہ کتاب مجدد الف ثانی کی سوانح پر مشتمل ہے- جیسا کہ کتاب کے نام سے بھی واضح ہے- اس سے قبل ڈاکٹر صاحب کی ایک کتاب سیرت مجدد الف ثانی کے نام سے شائع ہوئی ہے جو کافی ضخیم ہے، پیش نظر کتاب اصل میں وہ مقالہ ہے جو معارف (اعظم گڑھ) میں شائع ہوا تھا یہ اس لئے کتابی صورت میں شائع کیا تاکہ قاری مختصر وقت میں حضرت مجدد الف ثانی کے حالات وافکار وخدمات سے باخبر ہو جائے- مذکورہ کتاب کے ابتدائیہ میں ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں-

> "پیش نظر مقالہ آج سے ۳۵ سال قبل لکھا گیا تھا یہ مقالہ ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) میں جون ۱۹۶۱ء سے فروری ۱۹۶۲ء تک نو قسطوں میں شائع ہوا- اس کو کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ تھا مگر یہ مقالہ تو کتابی صورت میں شائع نہ ہو سکا البتہ اس کی اساس پر ایک بسیط مقالہ "سیرت مجدد الف ثانی" کے عنوان سے مرتب کیا گیا جو ۱۹۷۶ء میں مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی نے شائع کیا[2]-"
>
> ادارۂ مسعودیہ، کراچی نے اس کے کئی ایڈیشن شائع کئے ہیں-

۱- نسبتوں کی بہاریں، ص ۱۰، از ڈاکٹر مسعود احمد

۲- مجدد الف ثانی حالات وافکار وخدمات، ص ۱۱، از ڈاکٹر مسعود احمد

۴۹- دو قومی نظریہ اور پاکستان (سیاسیات) مطبوعہ لاہور ۱۹۹۵ء

اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب کا سیاسی رنگ جھلکتا ہے- موصوف نے ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کے حالات کا جائزہ لیا ہے اور تقسیم ہند کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ :

''دو قومی نظریہ کے نفاذ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ مسلمانوں کے بارے میں ہندوؤں کے خیالات اچھے نہ تھے اور ان کا عمل بھی صحیح نہ تھا جس سے مستقبل کے خطرات پیدا ہونا شروع ہو گئے تھے-''

خطرات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :-

(۱) ''مسٹر گاندھی کی ایما پر ترک گاؤ کشی کی تحریک چلی تا کہ بزور قوت اسلامی شعار چھڑوا کر مذہبی اور فکری طور پر انہیں مفلوج کر دیا جائے- ''

(۲) ''تحریک ترک حیوانات چلائی تا کہ سارے مسلمان قصاب اپنی روزی سے محروم ہو جائیں[۱]-''

اس طرح کے آٹھ نکات بیان کر کے ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ انہی حالات و واقعات کی وجہ سے دو قومی نظریہ کا خیال مختلف قائدین کے ذہن میں ابھرا اور تقسیم ہند کی ضرورت محسوس کی گئی- چنانچہ ۱۸۶۷ء میں سر سید احمد خان نے' ۱۸۹۰ء میں مولانا عبدالحلیم شرر نے' ۱۹۱۵ء میں چودھری رحمت علی نے' ۱۹۲۲ء میں عبدالجبار خیری اور عبدالستار خیری نے' ۱۹۲۵ء میں مولانا محمد علی جوہر نے' تقسیم ہند کا ذکر کیا- کتاب تاریخ کا خزانہ ہے جو اہل دانش و ارباب کی سیاست کے لئے بے حد مفید ہے- ڈاکٹر صاحب نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ تقسیم ہند کا مفصل خاکہ سب سے پہلے عبدالقدیر نامی ایک بزرگ نے ۱۹۲۵ء میں پیش کیا- اسی خاکہ کو سامنے رکھ کر ۱۹۳۰ء میں ڈاکٹر اقبال نے سیاسی پلیٹ فارم سے یہ تصور پیش کیا-

۵۰- پیغام (معاشیات، سیاسیات، عمرانیات) مطبوعہ کراچی ۱۹۹۵ء

اس کتاب میں ڈاکٹر مسعود احمد نے قوم مسلم کو ایک پیغام دیا ہے جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے- کتاب کے آخر میں اصلاح احوال کا ذکر کرتے ہوئے موصوف نے لکھا ہے کہ :

''اس مقصد کے حصول کے لئے علماء و مشائخ، دانشوروں اور مدبروں کو ایک دوسرے کے قریب آنا چاہئے-''

۱- دو قومی نظریہ اور پاکستان، ص ۶، از ڈاکٹر مسعود احمد

مذکورہ کتاب صرف سولہ صفحات پر مشتمل ہے لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ اور برسوں کی فکری کاوش کو چند صفحات میں سمو دیا ہے۔ اس کتاب کو ادارۂ مظہر اسلام، لاہور نے دیدہ زیب چھاپا تھا۔ سب سے پہلے مظہری پبلی کیشنز، کراچی نے اس کو چھاپا تھا۔

۵۱- نئی نئی باتیں (فقہ و ادب) مطبوعہ کراچی ۱۹۹۵ء

اس کتاب میں ڈاکٹر مسعود احمد نے باطل فرقہ کے مزعومہ عقیدے پر مدلل گفتگو کی ہے۔ جیسا کہ ان کے متبعین بات بات پر کہتے ہیں کہ "یہ بدعت وہ بدعت اور بدعت کا ارتکاب کرنا گناہ عظیم ہے۔" ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں۔

> "اس سلسلے میں ایک اور لفظ سامنے آتا ہے یعنی بدعت جو ہمارے معاشرے میں اکثر بولا جاتا ہے۔ ہم نے ساری نفرتیں اس لفظ سے وابستہ کر رکھی ہیں اور یہ بھی خیال نہیں رکھا جاتا کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے بھی استعمال فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے بدیع السمٰوات والارض (آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا)"[۱]

آگے لکھتے ہیں لفظ بدعت کی جتنی صورتیں ہیں اس میں ندرت، نیا پن، تخلیق، تجدید کا عنصر پایا جاتا ہے یہ ایسا لفظ نہیں جس سے نفرت کی جائے ایک مقام پر ڈاکٹر صاحب نے تحریر کیا ہے۔

> "لفظ بدعت کے بارے میں عرض کرنا ہے جیسا کہ عرض کیا گیا ہے اس کے معنی ہیں سب سے پہلے کوئی کام کرنا سب سے پہلے متعارف کرانا، ایجاد کرنا، تخلیق کرنا، کوئی چیز نکالنا، قرآن حکیم میں بھی یہ لفظ انہی معنی میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا احسن الخالقین (پیدا کرنے والوں میں سب سے اچھا پیدا کرنے والا) انسان اللہ کی صفات کا مظہر ہے اس کے کرم سے وہ بھی نئی چیزیں بناتا اور ایجاد کرتا ہے گویا اس کی فطرت ایجاد پسند اور فطری طور پر بدعتی ہے۔[۲]

تفہیم کا یہی حسین انداز پوری کتاب میں موجود ہے جو عوام و خواص سب کے لئے یکساں مفید ہے۔ اس کے کئی ایڈیشن ادارۂ مسعودیہ، کراچی نے شائع کئے ہیں۔

۱- نئی نئی باتیں ص ۹، از ڈاکٹر مسعود احمد   ۲- نئی نئی باتیں ص ۱۰، از ڈاکٹر مسعود احمد

۵۲- عورت اور پردہ (فقہ وادب) مطبوعہ کراچی ۱۹۹۵ء

اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے عورت اور پردے کی اہمیت وافادیت کو واضح کیا ہے اسلام سے قبل عورت کی زبوں حالی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "جب کوئی مرد لڑکی کی ولادت کی خبر سنتا تو اس کا چہرہ مارے غصہ کے سیاہ ہو جاتا---اکثر مرد لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے[۱]۔" عرب کے حالات بیان کرنے کے بعد ہندوستان کی حالت بھی انہوں نے بیان کی ہے آپ رقمطراز ہیں ہندوستان کا حال عرب سے بھی بدتر تھا یہاں مرنے والے شوہروں کے ساتھ ان کی زندہ بیویاں جلائی جاتی تھیں اس رسم کو ستی کے نام سے پکارا جاتا تھا[۲]۔

مذکورہ کتاب میں آپ نے ثابت کیا ہے کہ مذہب اسلام نے عورت کو عورت کا مقام عطا کیا ہے ساتھ ہی ساتھ عورت اور مرد کے باہمی رشتے کو مختلف دانشوروں کے قول سے مبرھن کرنے کی کوشش کی ہے کتاب کے آخر میں پردے کی افادیت بیان کرتے ہوئے احادیث کریمہ بھی نقل کی گئی ہیں- یہ کتاب ادارۂ مسعودیہ، کراچی نے کئی بار شائع کی۔ اس کا انگریزی ترجمہ بھی کئی بار شائع کیا گیا۔

۵۳- سلام وقیام (سیرت وادب) مطبوعہ کراچی-۱۹۹۵ء

سلام وقیام کے موضوع پر بہت مختصر لیکن جامع کتاب ہے اور تازہ ترین تصنیف ہے-ڈاکٹر مسعود احمد نے اس کتاب میں سلام وقیام جو بین المسلمین ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے اس کا جواز اور استحباب حدیث وقرآن سے ثابت کیا ہے- آخر میں صحابہ کرام وسلف صالحین وبزرگان دین کے قول وفعل سے سلام وقیام کا صرف جواز ہی نہیں بلکہ اس کا کرنا باعث برکت اور وجہ نجات اخروی ثابت کیا ہے ایک مقام پر ڈاکٹر صاحب رقمطراز ہیں-

> "ہماری سعادت اسی میں ہے کہ صلوٰۃ وسلام کھڑے ہو کر پیش کریں یہ سنت ملائکہ بھی ہے سنت صحابہ بھی اور سنت علماء وصلحاء بھی ان ہی کی راہ پر چل کر ہم منزل تک پہنچ سکتے ہیں[۳]۔"

ادارہ مسعودیہ کراچی کی جانب سے پہلی بار شائع ہوئی ہے اور اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں-اس کا انگریزی ترجمہ بھی کئی بار شائع ہوا۔

۱- عورت اور پردہ، ص ۴، از ڈاکٹر مسعود احمد
۲- عورت اور پردہ، ص ۵، از ڈاکٹر مسعود احمد
۳- سلام وقیام، ص ۴، از ڈاکٹر مسعود احمد

۵۴- قبلہ (تاریخ، سیرت، ادب) مطبوعہ کراچی ۱۹۹۶ء

مسجد نبوی شریف میں مواجہہ شریف میں اگر کوئی زائر ہاتھ اُٹھا کر دعا کرتا ہے تو اس کا رخ قبلہ کی طرف موڑ دیا جاتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی طرف رخ کر کے دعا مانگنے نہیں دیتے بلکہ آپ کی طرف زائر کی پیٹھ کر دیتے ہیں۔ یہ افسوس ناک منظر اس کتاب کا اصل محرک ہے۔

اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے قبلہ کے معنی اور اس کی اہمیت کو واضح کیا ہے ساتھ ہی ساتھ قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا راز، اطاعت رسول اکرم ﷺ بتایا ہے۔

ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

> "قبلہ سے مقصود خود بیت اللہ نہیں بلکہ آپ کی اطاعت و پیروی ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ جس نے رسول کی اطاعت کی بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی---- حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ معظمہ میں رہے بیت اللہ ہی قبلہ رہا، ۶۲۲ء میں جب آپ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو پہلے ہی سال بیت اللہ کے بجائے بیت المقدس قبلہ قرار پایا- سب کے رخ بیت اللہ سے بیت المقدس کی طرف ہو گئے--- مگر منافقین کا حال ظاہر ہو گیا--- ایک روز حالت نماز میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خیال پیدا ہوا- خیال کا پیدا ہونا تھا کہ پھر اچانک وحی نازل ہوئی اور عین نماز کی حالت میں بیت اللہ قبلہ قرار پایا-"

یہ واقعہ بیان کر کے موصوف نے اپنی کتاب قبلہ میں واضح کر دیا ہے کہ قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا صرف اطاعت رسول کی بنیاد پر ہے- نیز یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے رخ پھیرنا کسی طرح جائز و مستحسن نہیں۔ نماز کی حالت میں بھی آپ یاد فرمائیں تو اسی حالت میں حاضر ہو کر خدمت کرنا فرض ہے پھر نماز جہاں سے چھوڑی تھی وہیں سے پوری کی جائے۔ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے بہت عمدہ ہے موضوع گرچہ خشک ہے لیکن انداز تحریر نے اسے باغ و بہار بنا دیا ہے- ادارہ مسعودیہ، کراچی نے اس کو متعدد بار شائع کیا ہے- اس کا عربی ترجمہ بھی کئی بار شائع ہوا ہے۔

۵۵- مصطفوی نظام معیشت (معاشیات) مطبوعہ کراچی ۱۹۹۶ء

معاشیات کے موضوع پر ایک مختصر لیکن جامع کتاب ہے اور بالکل تازہ ترین تصنیف ہے ڈاکٹر مسعود احمد نے مذکورہ کتاب میں سات عنوان قائم کر کے ہر ایک کی تفصیل بیان کی ہے عناوین کا خاکہ یوں

ہے O جس زندگی کے لئے یہ نظام دیا گیا ہے وہ زندگی کیا ہے ؟ O نظام لانے والا کون تھا ؟ O نظام بھیجنے والا کون ہے ؟ O کس ذریعہ سے یہ نظام بھیجا گیا ؟ O نظام کی اساس کیا ہے ؟ O نظام معیشت کا دائرہ کیا ہے ؟ O نظام معیشت کے نفاذ کا طریقۂ کار کیا ہے ؟ ہر عنوان کو موصوف نے حسین پیرائے میں قلم بند کیا ہے جو قابل مطالعہ ہے۔ ادارۂ مسعودیہ ناظم آباد کراچی نے پہلی بار شائع کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے۔

۵۶- فاروق اعظم کا غیر مسلموں سے حسن سلوک (سیاسیات) مطبوعہ کراچی ۱۹۹۶ء

ڈاکٹر مسعود احمد نے مذکورہ کتاب میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا حسن سلوک ثابت کیا ہے بعض متشدد مورخوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی پر اعتراض کیا ہے اور ان کے دورِ خلافت پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فاروق اعظم نے غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ نہیں کیا۔ اس اعتراض کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے مختلف دانشوروں اور انگریز مؤرخوں کے حوالے سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے ہمیشہ غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کیا تھا۔ کتاب اگرچہ مختصر ہے لیکن مضمون کے اعتبار سے نیز غیر مسلم انگریز مؤورخ کے حوالہ جات سے نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ ادارۂ مسعودیہ کراچی نے پہلی بار شائع کی ہے، پھر کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۵۷- خلفائے اعلیٰ حضرت (سوانح) مطبوعہ لاہور-۱۹۹۶ء

ڈاکٹر مسعود احمد نے مذکورہ کتاب میں اعلیٰ حضرت کے اجل خلفاء کا تذکرہ کیا ہے۔ انداز سوانحی ہے جس میں انہوں نے مختصر انداز میں خلفائے اعلیٰ حضرت کا جامع تعارف پیش کیا ہے۔ اس کتاب کے قارئین کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ جب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے خلفاء کا یہ مقام و مرتبہ ہے تو پھر ان کے مرشد و آقا کا کیا مقام ہوگا۔ اندازِ تحریر بہت ہی پاکیزہ اور دلنشین ہے جو لائقِ دید اور قابلِ مطالعہ ہے۔

۵۸- آئینہ رضویات حصہ سوم (تاریخ، سوانح، فقہ) مطبوعہ کراچی ۱۹۹۷ء

مذکورہ کتاب امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی شخصیت اور کارناموں پر لکھے جانے والے

مقالات ورسائل پر ڈاکٹر مسعود احمد کے تحریر کردہ تقادیم و تقاریظ کا مجموعہ ہے اس میں چند مضامین ایسے ہیں جو خود تحقیقی مقالے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کتاب کی کتابت، تدوین، ترتیب و نیز دیکھ بھال نگہداشت مولانا عبدالستار طاہر صاحب نے کی ہے۔ عنوانات کی ترتیب و انتخاب بہت عمدہ اور دلنشین ہے۔ کتاب کا مطالعہ معلومات افزا ہے۔ یہ المختار پبلی کیشنز، کراچی نے شائع کی ہے۔

۵۹- حیات حضرت فقیہ الہند شاہ محمد مسعود (سوانح) ۱۹۹۶ء

یہ کتاب ڈاکٹر مسعود احمد کے پرداداشاہ محمد مسعود علیہ الرحمہ کی حیات و خدمات پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مذکورہ کتاب میں بہت سی ایسی نادر باتیں جمع کر دی ہیں جو اب تک لوگوں کی نظر سے اوجھل تھیں۔ کتاب معلومات کا خزانہ ہے۔ کتابت و طباعت بھی بہت عمدہ ہے۔ کراچی سے ابھی حال ہی میں شائع ہوئی ہے[1]۔ ادارۂ مسعودیہ، کراچی نے اس کو شائع کیا ہے۔

مندرجہ بالا تصانیف کے علاوہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی اور بہت سی تصانیف ہیں[2] جن کا اجمالی ذکر اپنے مقام پر کیا گیا ہے۔ بہت سی جدید معلومات ہم تک نہ پہنچ سکیں جو کتابیں زیر تدوین ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:-

۱-	حج اور عمرہ	(اسلام)
۲-	دینِ فطرت	(مذھبیات)
۳-	فتح مبین	(قرآنیات)
۴-	نازک آبگینے	(نسائیات)
۵-	باقیات مظہری	(شذرات)
۶-	تکریم و تعظیم قرآن	(قرآنیات)
۷-	جانِ جہاں	(سیرت)

اب ہم تالیفات و تراجم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

۱- مکتوب ڈاکٹر مسعود احمد، بنام راقم الحروف

۲- مولانا محمد عبدالستار صاحب نے ڈاکٹر مسعود احمد کے مقالات و مضامین کے اب تک پانچ مجموعے تیار کیے ہیں۔ آئینہ سیرت (۱۹۹۶ء)، جمال سیرت (۱۹۹۶ء)، سخن ور کیسے کیسے؟ (۱۹۹۶ء)، اقبال شناسی (۱۹۹۶ء)، مقالات رضویہ (۱۹۹۶ء) انجم

تالیفات و تراجم

تالیفات :

۱- دائمی تقویم (توقیت) مطبوعہ کوئٹہ ۱۹۶۷ء

یہ کتاب کراچی کے اوقات نماز سے متعلق مولانا محمد منظور احمد (م-۱۹۴۹ء) ابن مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ کی تالیف ہے جس کو نئے انداز سے مرتب کیا گیا ہے اور مؤلف کے سبق آموز حالات کا اضافہ کر کے اس کو اور مفید بنادیا گیا ہے یہ رسالہ ڈاکٹر صاحب نے کوئٹہ (بلوچستان) سے شائع کیا تھا- مظہری پبلی کیشنز نے کراچی سے بھی شائع کیا ہے-

۲- مظہر الاخلاق (اخلاقیات) مطبوعہ کراچی ۱۹۶۸ء

یہ مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ کی تصنیف ہے جس میں اخلاقی فضائل و رذائل بیان کئے گئے ہیں ڈاکٹر صاحب نے از سرنو مرتب کر کے اس میں حضرت مصنف کے حالات بھی شامل کر دیئے ہیں- پہلا ایڈیشن دہلی سے شائع ہوا پھر مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی (پاکستان) نے شائع کیا- اس کا انگریزی ترجمہ ہو چکا ہے-

۳- ارکان دین (فقہ) مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء

یہ کتاب نماز، روزہ، حج اور قربانی سے متعلق ضروری مسائل پر مشتمل ہے جس کو حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ نے تصنیف کی ہے ڈاکٹر صاحب نے اسی کتاب کو نئے سرے سے مرتب کر کے مفید اضافے کئے ہیں- اس رسالے کا پہلا ایڈیشن دہلی سے شائع ہوا دوسرا ایڈیشن کراچی اور تیسرا ایڈیشن قصور پاکستان سے شائع ہوا- اس کا انگریزی ترجمہ ہو چکا ہے-

۴- مکاتیب مظہری اوّل (ادب و تصوف) مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء

یہ کتاب حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ کے سات سو سے زیادہ مکتوبات کا نادر مجموعہ ہے جس میں مکتوبات کے بہت سے عکس بھی شامل کئے گئے ہیں- ڈاکٹر مسعود احمد نے اس میں قابل قدر اضافے کئے ہیں- شائع کردہ: مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی (پاکستان)......۱۹۹۹ء میں ادارۂ مسعودیہ کراچی نے مکاتیب مظہری کی دو جلدیں ایک ضخیم جلد میں شائع کر دی ہیں جس میں بہت سے نوادرات کے عکس بھی ہیں-

۵- مواعظ مظہری (مذہب و ادب) مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء

یہ کتاب حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ کے مواعظ کا قابلِ قدر مجموعہ ہے جس کو بڑی محنت اور

کاوش سے جدید انداز میں مرتب کیا گیا ہے اور بہت سے مفید اضافے کئے گئے ہیں۔ شائع کردہ: مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی۔ ادارۂ مظہر اسلام، لاہور نے سلسلہ وار تمام مواعظ نہایت دیدہ زیب شائع کئے ہیں۔

۶۔ فتاویٰ مظہری (فقہ) مطبوعہ کراچی۔ ۱۹۷۰ء

یہ کتاب حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ کے ۳۰۰ علمی و فقہی فتووں کا مجموعہ ہے۔ ڈاکٹر مسعود احمد نے اس میں حضرت مفتی صاحب کے حالات زندگی کے ساتھ ساتھ ایک مبسوط مقدمہ بھی لکھا ہے جس سے یہ مجموعہ فتاویٰ نہایت مفید و ممتاز ہو گیا۔ شائع کردہ: مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن دوبارہ اسی ادارے نے ۱۹۸۴ء میں شائع کیا ہے۔ اور اب ادارۂ مسعودیہ، کراچی نے جلد اول، دوم اور سوم ایک ضخیم جلد میں ۱۹۹۹ء میں کراچی سے شائع کر دی ہے۔

۷۔ مظہر العقائد (عقائد) مطبوعہ سیالکوٹ ۱۹۷۶ء

یہ عقائد اہلِ سنت و جماعت سے متعلق حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ کا جامع رسالہ ہے جس کو ڈاکٹر صاحب نے جدید اضافے کے ساتھ از سر نو مرتب کیا ہے اور زیادہ مؤثر بنا دیا گیا ہے۔ شائع کردہ: مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ، پاکستان، ادارۂ مسعودیہ، کراچی نے بھی شائع کیا ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ ہو چکا ہے۔

۸۔ فتاویٰ مسعودی (فقہ) مطبوعہ سیالکوٹ ۱۹۷۸ء

یہ کتاب فقیہ الہند حضرت شاہ محمد مسعود دہلوی (م ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۲ء) کے دو سو سے زیادہ محققانہ اور فاضلانہ فتووں کا نادر مجموعہ ہے جس کو ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے چار سال کی عرق ریزی کے بعد مرتب کیا ہے اور اس میں بہت سے مفید اضافے کئے ہیں نیز بہت سے نادر عکس اور قلموں سے اس کو آراستہ کیا ہے۔ شائع کردہ: سرہند پبلی کیشنز، کراچی

۹۔ اکرام امام احمد رضا (سوانح) مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء

حضرت مولانا مفتی احمد رضا خان فاضل بریلوی کے خلیفہ مفتی محمد برہان الحق جبلپوری نے مولانا بریلوی سے متعلق اپنی یادداشتیں قلمبند کر کے ڈاکٹر صاحب کو بھیجی تھیں جن کو جدید انداز میں مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں مولانا بریلوی کی نادر نگارشات کے عکس بھی شامل کئے گئے ہیں۔ مرکزی مجلس رضا لاہور اس کے دو ایڈیشن شائع کر چکی ہے۔

۱۰۔ امام احمد رضا اور عالم اسلام (سوانح) مطبوعہ کراچی ۱۹۸۲ء

حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی نے مکہ معظمہ میں تین کتابیں عربی میں تصنیف فرمائیں۔

ان کتابوں پر علماء عرب نے اظہار خیال کیا تھا جس کا اصل فائل بریلی سے موصول ہوا اس فائل سے اصل تقاریظ کے تقریباً ۳۸ عکس لے کر اردو ترجمہ (تلخیص)' مولانا بریلوی کے حالات زندگی کے ساتھ مرتب کئے گئے ہیں-ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے ۲۰۰۰ء میں اس کو شائع کیا تھا-دوسرا ایڈیشن ادارۂ مسعودیہ، کراچی نے شائع کردیا ہے-

۱۱- سیرت اعلیٰ حضرت (سوانح) مجلس رضا، لاہور ۱۹۸۴ء

مولانا حسن رضا خان بریلوی کے صاحبزادے مولانا حسنین رضا خان بریلوی نے مولانا احمد رضا خان بریلوی کے حالات کے متعلق اپنی یادداشتیں محفوظ کی تھیں-ڈاکٹر مسعود احمد کی نگرانی میں ان یادداشتوں کو سید محمد مظہر قیوم نے "یادگار حسنین" کے نام سے ۱۹۸۴ء میں مرتب کیا ہے-"یادگار حسنین" کی تدوین مولانا تحسین رضا خان بریلوی کے ایما پر ہوئی موصوف نے ہی قلمی یادداشتیں فراہم کیں ا-

۱۲- شجرۂ طیبہ (تصوف) مطبوعہ، کراچی ۱۹۸۴ء

یہ ڈاکٹر مسعود احمد کے خاندانِ طریقت کے شجروں کا مجموعہ ہے اس میں شجروں کے علاوہ قلب انسانی کی صفائی کا طریقہ، اصطلاحات تصوف، اذکار و اعمال وغیرہ کے متعلق کچھ تفصیلات درج ہیں- پچھلے تیس چالیس برسوں میں ہندوستان و پاکستان سے اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں-ڈاکٹر صاحب نے اس کو از سر نو مرتب کیا ہے اور اس میں برادرانِ طریقت کے لئے مفید ہدایات کا اضافہ بھی کیا ہے-

یہ ہدایات بعنوان "زندگی بے بندگی شرمندگی" ادارۂ مظہر اسلام، لاہور نے شائع کر دی ہیں-اس کا ھندی ترجمہ آنسہ روبینہ (اندور-انڈیا) نے کیا ہے اور انگریزی ترجمہ محمد غزال خان (دھلی) کر رہے ہیں-ادارۂ مسعودیہ 'کراچی نے بھی اردو ایڈیشن شائع کیا ہے-

۱۳- گویا دبستان کھل گیا (سوانحی تاثرات) مطبوعہ لاہور ۱۹۸۹ء

مذکورہ کتاب میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا اجمالی تعارف "حیات امام احمد رضا ماہ و سال کے آئینے میں" کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب نے کرایا ہے، کتاب میں علماء و مشائخ، شیخ الجامعہ اور وائس

ا- جہان مسعود، ص ۶۳، از آرلی مظہری

چانسلر، چیئرمین اور ڈائریکٹر، پروفیسر (پاکستان)، پروفیسر (ہندوستان)، پروفیسر (دیگر ممالک)، جج، وزراء اور کمانڈر، ادیب و دانشور حضرات کے تاثرات وخیالات کو باب درباب کر کے ڈاکٹر صاحب نے پیش کیا ہے، مذکورہ کتاب پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ فاضل بریلوی درحقیقت ہمہ گیر اور ہمہ جہت شخصیت تھے، دورحاضر میں آپ کی نظیر نہیں- کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اب تک ھندوستان اور پاکستان سے اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں- اس کا انگریزی ترجمہ بھی پاک وہند سے شائع ہو چکا ہے-

۱۴- عشق ہی عشق (ادب) مطبوعہ لاہور ۱۹۹۳ء

مذکورہ کتاب دراصل اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے والد ماجد مولانا محمد نقی علی خان کی تفسیر ''الکلام الاوضح'' سے منتخب حسین القاب کا ایک گلدستہ ہے' حضرت مولانا محمد نقی علی خان علیہ الرحمہ نے رسول کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں ایسے القاب اور جملے استعمال کئے ہیں جسے پڑھ کر مشام جان معطر ہو جاتا ہے، ڈاکٹر صاحب نے ان تمام القاب کو یکجا کر کے ایک حسین کتاب ترتیب دی جس کا نام انھوں نے عشق ہی عشق رکھ دیا--- ڈاکٹر صاحب رقمطراز ہیں-

> ''مدح و ثنا میں زبان فیض ترجمان ایسی کھلی کہ الفاظ و حروف کا ایک سیلاب امنڈنے لگا[۱]-''

یہ کتاب لاہور اور کراچی سے کئی بار شائع ہوئی-

۱۵- ارمغان رضا (ادب) مطبوعہ کراچی- ۱۹۹۴ء

یہ کتاب ڈاکٹر مسعود احمد نے اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری مجموعہ ''حدائق بخشش'' سے فارسی کلام کا انتخاب مرتب کی ہے، ڈاکٹر صاحب نے کتاب کا ابتدائیہ فارسی زبان میں لکھا ہے- ساتھ ہی ساتھ ہمدرد یونیورسٹی کراچی کے پروفیسر جناب ڈاکٹر خضر نوشاہی کا تأثر پیش گفتار کی شکل میں پیش کیا ہے اس کے علاوہ ڈاکٹر محمد انعام الحق کوثر کا بھی تاثر پیش کیا ہے جس کا عنوان ہے ''سلطان لاتھر''- یہ دونوں تاثرات فارسی زبان میں ہیں جس سے کتاب کی افادیت میں چار چاند لگ گئے ہیں- یہ کتاب افغانستان کے علماء و مشائخ اور دانشوروں نے بہت پسند کی- یہ کتاب المختار پبلی

۱- عشق ہی عشق، ص ۸، از ڈاکٹر مسعود احمد

کیشنز، کراچی نے شائع کی ہے۔

۱۶۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا انقلابی دین (سیاسیات) مطبوعہ کشمیر انڈیا ۱۹۹۵ء

کتاب کے نام سے ہی موضوع کا پتہ چلتا ہے۔ ڈاکٹر مسعود احمد نے مذکورہ کتاب میں مذہب اسلام کی افادیت پر بھرپور روشنی ڈالی ہے اور یہ ثابت کردیا ہے کہ تمام دینوں میں دین اسلام ہی افضل و اعلیٰ ہے۔ اسلام ایک دستور حیات ہے یہ پوری انسانیت کے لئے ہر زمان و مکان کے لئے ہے، اسلام نے ہی ظالم کی راہ روک دی مظلوم کی راہ ہموار کردی، اس کا یہی امتیاز خاص ہے مذکورہ کتاب کا مطالعہ دورِ حاضر کے انسانوں کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

۱۷۔ انتخاب حدائق بخشش (ادب) مطبوعہ کراچی ۱۹۹۵ء

یہ کتاب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی نعتوں کا مجموعہ ہے ڈاکٹر صاحب نے فاضل بریلوی کے دیوان "حدائق بخشش" سے منتخب کیا ہے اس کام کی پیش رفت انہوں نے اس لئے کی کہ فاضل بریلوی کا کلام دوسرے شعراء اقبال، میر، غالب، سودا وغیرہ کی طرح کالج و یونیورسٹیوں میں داخل نصاب ہو جائے[1]۔

اسی مقصد کے پیش نظر موصوف نے نعتیہ کلام کا انتخاب کرتے ہوئے صرف غزلیات، قصائد، رباعیات ہی کو لیا۔ کتاب کی ترتیب یوں ہے--- ابتدائیہ۔ رضا بریلوی ایک نظر میں---- رضا بریلوی دانشوروں کی نظر میں--- انتخاب حدائق بخشش۔ آئینہ رضا بریلوی--- اختتامیہ، مناجات رضا۔ کتاب بہت ہی عمدہ ہے۔ سرہند پبلی کیشنز کراچی نے پہلی بار ایک ہزار کی تعداد میں شائع کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ یہ کتاب ہندوستان کی یونیورسٹیوں کے ایم۔اے (اردو) کے نصاب میں شامل ہوگئی ہے۔

۱۸۔ مکاتیب مظہری اوّل و دوم (ادب)۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۹۹ء

یہ کتاب مفتی مظہر اللہ علیہ الرحمہ کے خطوط کا مجموعہ ہے ڈاکٹر مسعود احمد نے اس کتاب میں ابواب کی ترتیب کے ساتھ ہی ساتھ خطوط کی حسن ترتیب کا خیال ملحوظ رکھا ہے اس طرح سے کتاب اہمیت کی حامل ہوگئی ہے کتاب کا مطالعہ قارئین کیلئے معلومات افزا اور مفید ثابت ہوگا کیونکہ اس سے قبل ڈاکٹر صاحب کی تالیف کردہ مکاتیب مظہری حصہ اوّل عوام و خواص میں بہت ہی زیادہ مقبول ہوئی ہے۔ مکاتیبِ مظہری حصہ اول اور دوم ادارۂ مسعودیہ، کراچی نے ایک جلد میں شائع کردی ہے۔

۱۔ ڈاکٹر مسعود احمد نے راقم سے قیام دہلی کے دوران ماہ جولائی ۱۹۹۶ء میں فرمایا۔ انجم

تراجم :

۱- اسلام دوراہے پر (مذہب) مطبوعہ الہ آباد-۱۹۵۶ء

ڈاکٹر مسعود احمد نے اپنے سفر نگارش کا آغاز ۱۹۵۱ء میں اسلام کی تعلیمات پر مبنی ایک انگریزی کتاب "Islam At The Cross Road" کے ترجمے سے کیا جس کا عنوان "اسلام دوراہے پر" تھا اسے لیوپولڈ اسد نے تحریر کیا تھا ڈاکٹر صاحب نے اس کا جزوی ترجمہ کیا جو الہ آباد سے شائع ہونے والا ماہنامہ "پاسبان" میں شائع ہوا- باقاعدہ کتاب کی صورت میں اب تک یہ ترجمہ شائع نہیں ہوا ہے-

۲- حیدر آباد کی معاشی تاریخ (مطبوعہ حیدر آباد) ۱۹۵۸ء

سندھ یونیورسٹی کے سابق رجسٹرار محمد حسین ترک کی انگریزی تالیف :-

"The Economic History of Hyderabad"

کا اردو ترجمہ ہے، اس کتاب میں دورِ قدیم سے لے کر ۱۹۸۵ء تک حیدر آباد (سندھ) کے معاشی و اقتصادی حالات کا جائزہ لیا گیا ہے- شائع کردہ : انٹرنیشنل بک کارپوریشن، حیدر آباد سندھ-

۳- تمدن ہند پر اسلامی اثرات (تمدن)- مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء

ہندوستان کے مشہور فاضل آنجہانی ڈاکٹر تارا چند کی انگریزی تالیف-

"The Influence of Islam on India Culture"

کا اردو ترجمہ ہے اس کتاب میں مؤلف نے سرزمین پاک و ہند میں پہلی صدی ہجری سے تیرھویں صدی ہجری تک آنے والے مسلمان صوفیہ، علماء، فاتحین اور تاجروں کے ہندوستانی تمدن پر اثرات کا محققانہ جائزہ پیش کیا ہے ڈاکٹر صاحب نے ترجمہ کر کے اس پر مبسوط مقدمہ کا اضافہ کیا ہے- شائع کردہ : مجلس ترقی ادب لاہور- ترجمہ کا مقدمہ ادارۂ مظہر اسلام، لاہور نے کتابی صورت میں شائع کر دیا ہے-

۴- ویرونا کے دو شریف زادے (ادب)- مطبوعہ لاہور- ۱۹۷۰ء

شیکسپیئر کے انگریزی ڈرامے "Two Gentelmen of Verona" کا اردو ترجمہ

ہے، اصل میں یہ ترجمہ ۱۹۵۹ء میں کیا تھا جس پر سندھ یونیورسٹی نے واحد انعام دیا پھر ۱۹۷۰ء میں اس پر نظر ثانی کی اور اس ترجمے کے ساتھ دوسرے ضروری اضافے کر کے اسے گرانقدر بنادیا ہے۔ یہ ترجمہ مکتبہ شاہکار نے لاہور سے شائع کیا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی ایک سو سے زیادہ تصنیفات و تالیفات پوری دنیا میں پھیل چکی ہیں اور مختلف یونیورسٹیوں میں محفوظ ہیں مثلاً لائبریری آف کانگریس واشنگٹن، امریکہ۔ برٹش میوزیم، لندن۔ انڈیا آفس، لائبریری، لندن۔ جامعہ ازہر، قاھرہ۔ جامعہ عین الشمس، قاھرہ۔ خدا بخش لائبریری پٹنہ، بیت الحکمت ہمدرد یونیورسٹی، لائبریری کراچی۔ ڈاکٹر اوشا سانیال نے کولمبیا یونیورسٹی امریکہ سے مولانا احمد رضا خاں بریلوی پر کام کیا ہے 'وہ پاکستان سے ڈاکٹر صاحب کی بہت سی تصانیف لے گئی تھیں' اب انہوں نے کولمبیا یونیورسٹی میں رکھوادی ہیں۔ ایران اور افغانستان کے لئے عربی، فارسی، انگریزی اور اردو کتابیں بھیجی گئی ہیں الغرض ڈاکٹر صاحب کی کتابیں دنیا کے ہر گوشے میں پھیل گئی ہیں۔

علمہ البیان

THE BRITISH MUSEUM
DEPARTMENT OF ORIENTAL PRINTED BOOKS
AND MANUSCRIPTS
LONDON · WC1

16.6.1964.

Sir,

I have the honour to acknowledge with thanks the receipt of the undermentioned work which you have been so good as to present to the Trustees of the British Museum.

I am, Sir,

Your obedient Servant,

[signature]

KEEPER OF ORIENTAL PRINTED BOOKS AND MANUSCRIPTS

LIFE & WORKS OF SHĀH MUHAMMAD GHAUTH

INDIA OFFICE LIBRARY
Commonwealth Relations Office
King Charles Street, London, S.W.1

17 June 1964

On behalf of the Secretary of State for Commonwealth Relations I acknowledge with sincere thanks the receipt of the gift named overleaf, which you have kindly presented to the India Office Library.

[signature]

Librarian

Professor M. Masud Ahmed

نگارشات کی مقبولیت

ڈاکٹر مسعود احمد کی نگارشات کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب تک انہوں نے جتنی کتابیں تصنیف و تالیف کی ہیں ان میں سے بیشتر کتابیں بار بار چھپ رہی ہیں اور صرف پاک و ہند میں ہی نہیں بلکہ دوسرے ممالک میں بھی شائع ہو رہی ہیں۔ مزید خوشی کی یہ بات ہے کہ ان کی بہت ساری کتابوں کے ترجمے مختلف زبانوں میں ہو رہے ہیں۔ بعض کتابوں کے ایک ہی زبان میں کئی کئی مترجمین نے ترجمے کئے ہیں۔ معلومات کے لئے چند ترجموں کی فہرست جو مجھے دستیاب ہوئی ہے، وہ درج ذیل ہے۔ اس فہرست میں محمد عبدالستار طاہر صاحب کی مرتبہ فہرست سے بھی مدد لی گئی ہے۔

انگریزی

نمبر شمار	کتاب کا نام	مترجم کا نام	زبان	مقام اشاعت
۱-	اجالا	ایم خطاب	انگریزی	انگلستان، ۱۹۹۱ء
۲-	(الف) ماہ و سال	وائس پریذیڈنٹ	انگریزی	کراچی، ۱۹۸۸ء
	(ب) ماہ و سال	پروفیسر ایم۔اے قادر	انگریزی	ڈربن، ۱۹۹۱ء
	(ج) ماہ و سال	پروفیسر ظفر علی احسن	انگریزی	گوجرانوالہ، غیر مطبوعہ
۳-	(الف) رہبر و رہنما	پروفیسر ایم۔اے قادر	انگریزی	کراچی، ۱۹۸۹ء
	(ب) رہبر و رہنما	نگار عرفانی	انگریزی	ڈربن، ۱۹۹۲ء
۴-	(الف) گناہ بے گناہی	پروفیسر ایم۔اے قادر	انگریزی	ڈربن، ۱۹۹۱ء
	(ب) گناہ بے گناہی	پروفیسر ظفر علی احسن	انگریزی	گوجرانوالہ، غیر مطبوعہ
۵۔	گویا دبستان کھل گیا	پروفیسر زین الدین صدیقی	انگریزی	ڈربن، ۱۹۹۲ء
۶-	علم غیب	پروفیسر عظیمی ایف۔ایم شیخ	انگریزی	کراچی، ۱۹۹۴ء
۷-	تعظیم و توقیر	پروفیسر عظیمی ایف۔ایم شیخ	انگریزی	کراچی، ۱۹۹۴ء
۸-	نسبتوں کی بہاریں	پروفیسر عظیمی ایف۔ایم شیخ	انگریزی	کراچی، ۱۹۹۴ء
۹-	نئی نئی باتیں	پروفیسر عظیمی ایف۔ایم شیخ	انگریزی	کراچی، ۱۹۹۵ء
۱۰-	(الف) عیدوں کی عید	ڈاکٹر اے۔اے گاڈلاس	انگریزی	شکاگو ۱۹۹۵ء
	(ب) عیدوں کی عید	ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی	انگریزی	بریلی، انڈیا
	(ج) عیدوں کی عید	علامہ محمد ابراہیم خوشتر صدیقی	انگریزی	ماریشس
۱۱-	حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی	پروفیسر رحمت اللہ	انگریزی	کراچی، ۱۹۹۵ء

۱۲-	فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں	پروفیسر عبدالرشید	انگریزی	بھارت
۱۳-	حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر اقبال	پروفیسر عظیمی ایف۔ ایم شیخ	انگریزی	کراچی، ۱۹۹۶ء
۱۴-	سلام و قیام	پروفیسر عظیمی ایف۔ ایم شیخ	انگریزی	کراچی، ۱۹۹۶ء
۱۵-	قبلہ	پروفیسر عظیمی ایف۔ ایم شیخ	انگریزی	کراچی، ۱۹۹۶ء
۱۶-	مصطفوی نظام معیشت	پروفیسر ابرار حسین	انگریزی	اسلام آباد، ۱۹۹۶ء
۱۷-	زندگی بے بندگی شرمندگی	محمد غزال خان	انگریزی	دہلی، ۲۰۰۰ء
۱۸-	شیخ الاسلام مفتی اعظم محمد مظہر اللہ	صائمہ فیصل مسعودی	انگریزی	کراچی، ۲۰۰۰ء
۱۹۔	ارکانِ دین	جسٹس قدیر محمد شیخ	انگریزی	کراچی
۲۰۔	مظہر العقائد	منیر اقبال	انگریزی	کراچی
۲۱۔	مظہر الاخلاق	(الف) فاطمہ مسعودی	انگریزی	کراچی
		(ب) حافظ غلام رسول	انگریزی	یو۔کے
۲۲-	رواداری	(الف) عبدالنعیم عزیزی	انگریزی	بریلی ۲۰۰۰ء
		(ب) منیر اقبال مسعودی	انگریزی	کراچی
۲۳-	اجالا	(ب) پروفیسر ایم-اے قادر	انگریزی	ڈربن
۲۴-	گناہ بے گناہی	پروفیسر ایم-اے قادر	انگریزی	کراچی
۲۵-	تقلید	(الف) جسٹس قدیر محمد قریشی	انگریزی	کراچی، ۱۹۹۸ء
		(ب) فاطمہ مسعودی	انگریزی	لاہور
۲۶-	رواداری	(الف) منیر اقبال مسعودی	انگریزی	کراچی، ۲۰۰۰ء
		(ب) پروفیسر ایف-ایم شیخ		
۲۷-	عید کونین	پروفیسر ایف-ایم شیخ	انگریزی	کراچی، ۲۰۰۰ء
۲۸-	حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی	پروفیسر رحمت اللہ	انگریزی	کراچی، ۲۰۰۰ء
۲۹۔	ارکان دین، مظہر العقائد، مظہر الاخلاق	ڈاکٹر عرفان احمد علوی	انگریزی	انگلستان، ۲۰۰۱ء
۳۰۔	حضرت مجدد، حالات و افکار و خدمات	قاضی عبدالمنان محمودی	انگریزی	کراچی، ۲۰۰۰ء
۳۱۔	صراط مستقیم	ڈاکٹر آصف جہاں گیر	انگریزی	یو۔کے ۲۰۰۰ء

عربی

نمبر	کتاب	مترجم	زبان	مقام / سنہ
۱-	الشیخ احمد رضا خان البریلوی	مولانا عارف اللہ خاں مصباحی	عربی	کراچی، ۱۹۹۱ء
۲-	فقیہہ العصر	مفتی محمد نصر اللہ خان افغانی	عربی	کراچی، ۱۹۹۳ء
۳-	عیدوں کی عید	(الف) مولانا افتخار احمد	عربی	پیرس، ۱۹۹۵ء
	عیدوں کی عید	قادری	عربی	کراچی
		(ب) ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد		
	عیدوں کی عید	(ج) سید فخر الدین اویسی	عربی	مانچسٹر ۱۹۹۵ء
	عیدوں کی عید	(د) بہجت الحباشنہ	عربی	اردن
۴-	مولانا الشیخ احمد رضا الہندی فی مقاومۃ البدع والرد علیھا	مولانا ممتاز احمد سدیدی	عربی	کراچی ۱۹۹۵ء
۵-	تعظیم و توقیر	ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد	عربی	کراچی ۱۹۹۵ء
۶-	انتخاب حدائق بخشش	حازم محمد احمد محفوظ	عربی	کراچی ۱۹۹۰ء
۷-	احمد رضا خان بریلوی (برائے مجمع الملکی لبحوث الحضارۃ الاسلامیہ)	مولانا ممتاز احمد سدیدی	عربی	عمان ۱۹۹۱ء
۸-	علم غیب	(الف) سید فخر الدین اویسی مدنی	عربی	
		(ب) ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد	عربی	کراچی
		(ج) بہجت الحباشنہ	عربی	....
۹-	محبت کی نشانی	مولانا افتخار احمد قادری	عربی	کراچی ۱۹۹۹ء
۱۰-	نئی نئی باتیں	ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد	عربی	کراچی ۱۹۹۸ء
۱۱-	عمرہ	لبنیٰ محمد اسلام مصری	عربی	کراچی ۲۰۰۱ء
۱۲-	پیغام	ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد	عربی	غیر مطبوعہ
۱۳-	تقلید	مولانا محمد ذاکر اللہ نقشبندی	عربی	کراچی ۲۰۰۰ء
۱۴-	انتخاب حدائق بخشش	پروفیسر ڈاکٹر محمد حسین مجیب مصری	عربی	قاھرہ
۱۵-	ارمغانِ رضا	ڈاکٹر خلیل عبد المجید	عربی	قاھرہ

۱۶- عبقری اشرق	ڈاکٹر احمد حسین اجمیری	عربی	قاہرہ
۱۸- نسبتوں کی بہاریں	ڈاکٹر لبنیٰ محمد اسلام	عربی	کراچی ۲۰۰۱ء
۱۹- تقلید (بسیط)	ڈاکٹر لبنیٰ محمد اسلام	عربی	کراچی زیرِ طبع
۲۰- عید کونین	ڈاکٹر لبنیٰ محمد اسلام	عربی	کراچی ۲۰۰۱ء

فارسی

۱- عیدوں کی عید	(الف) ڈاکٹر انعام الحق کوثر	فارسی	کراچی ۱۹۹۴ء
عیدوں کی عید	(ب) پروفیسر نجم الرشید	فارسی	کراچی ۱۹۹۴ء
۲- تعظیم و توقیر	ڈاکٹر انعام الحق کوثر	فارسی	کوئٹہ ۱۹۹۴ء
۳- علم غیب	(الف) ڈاکٹر انعام الحق کوثر	فارسی	......
علم غیب	(ب) پروفیسر نجم الرشید	فارسی	......
۴- علم غیب	مولانا عبد الرحمٰن	فارسی	کراچی
۵- احمد رضا بریلوی (برائے انسائیکلوپیڈیا اسلامیکا فاؤنڈیشن، تہران)	رضاء اللہ عارف نوشاہی	فارسی	تہران، ۱۹۹۱ء
۶- خوب و ناخوب	مولانا محمد ذاکر نقشبندی	فارسی	کراچی، ۲۰۰۰ء
۷- حضرت مجدد الف ثانی	صاحبزادہ محمد زبیر فاروقی مجددی	فارسی	کراچی، ۲۰۰۰ء
۸- عیدِ کونین	پروفیسر شمسی طہرانی	فارسی	کراچی، ۲۰۰۰ء
۹- صراط مستقیم	محمد یونس باڑی مظہری	فارسی	کراچی، ۲۰۰۰ء

سندھی

۱- نور و نار	حاجی علی محمد میمن	سندھی	پشاور، ۱۹۸۴ء
۲- حیات امام اہلسنت	علامہ عبد الرسول بلوچ	سندھی	سندھ، ۱۹۸۶ء
۳- اجالا	علامہ عبد الرسول بلوچ	سندھی	کراچی، ۱۹۸۷ء
۴- جشن بہاراں	پروفیسر عبد الرزاق	سندھی	سندھ، ۱۹۸۸ء

۵-	گناہ بے گناہی	محمد مومن رضوی	سندھی	تھرپارکر، ۱۹۱۱ء
۶-	فاضل بریلوی اور ترک موالات	محمد مومن رضوی	سندھی	تھرپارکر، سندھ
۷-	تقلید	پروفیسر قدوس احمد خان	سندھی	میرپور خاص، ۱۹۹۵ء
۸-	نسبتوں کی بہاریں	پیر نثار احمد جان سرہندی	سندھی	میرپور خاص، ۱۹۹۵ء
۹-	عیدوں کی عید	(الف) علی محمد نقشبندی	سندھی	میرپور خاص، ۱۹۹۵ء
	عیدوں کی عید	(ب) ماسٹر احمد علی	سندھی	کھارو، ۱۹۹۳ء
	عیدوں کی عید	(ج) حافظ شیراز احمد پاٹولی	سندھی	حیدرآباد، ۱۹۹۵ء
۱۰-	علم غیب	(الف) حافظ عبدالرزاق سکندری	سندھی	سانگھڑ، ۱۹۹۵ء
	علم غیب	(ب) محمد رحیم ڈنو	سندھی	سکھر، ۱۹۹۶ء
۱۱-	غریبوں کے غم خوار	جاوید اقبال سندھی	سندھی	ٹنڈو محمد خان، ۱۹۹۲ء
۱۲-	تعظیم و توقیر	(الف) رافیعہ	سندھی	میرپور خاص، ۲۰۰۰ء
	تعظیم و توقیر	(ب) مولانا محمد ادریس ڈاہری	سندھی	شاہ پور جہانیاں (سندھ)
	تعظیم و توقیر	(ج) محمد یوسف قاسمی قادری	سندھی	سندھ
۱۳-	عورت اور پردہ	فضل الرحیم فیض	سندھی	میرپور خاص، ۲۰۰۰ء
۱۴-	قبلہ	حافظ احمد علی عباسی	سندھی	لاڑکانہ، ۲۰۰۰ء
۱۵-	سخی محمد مہران سکندری	حافظ احمد علی عباسی	سندھی	حیدرآباد، سندھ
۱۶-	عیدوں کی عید	شیراز احمد پاٹولی	سندھی	حیدرآباد، سندھ
۱۷-	علم غیب	محمد رحیم ڈنو کھرو	سندھی	سکھر

فرانسیسی

۱-	عیدوں کی عید	علامہ محمد ابراہیم خوشتر صدیقی	فرانسیسی	ڈربن ۱۹۹۳ء

ڈچ

۱-	(الف) عیدوں کی عید	مولانا عبدالمنان رضوی	ڈچ	ہالینڈ، ۱۹۹۳ء
	(ب) عیدوں کی عید	ڈاکٹر نصیر اشرف	ڈچ	ہالینڈ، ۱۹۹۴ء

پشتو

۱-	نورونار	علی محمد میمن	پشتو	پشاور، ۱۹۸۴ء
۲-	علم غیب	(الف) خواجہ محمد عبداللہ مجددی	پشتو	پشاور، ۱۹۸۴ء
		(ب) قاضی وجیہہ الدین	پشتو	پشاور، ۱۹۸۴ء
۳-	تعظیم و توقیر	(الف) مولوی ذاکراللہ افغانی	پشتو	افغانستان
		(ب) مولانا عبداللہ غزنوی	پشتو	کراچی ۲۰۰۱ء
۴-	عبقری اشرق	مولانا شاہد احمد نقشبندی		کراچی

گجراتی

۱-	اجالا	پروفیسر عبدالرشید	گجراتی	کراچی، ۱۹۸۸ء

ہندی

۱-	(الف) عیدوں کی عید	روبینہ عزیز	ہندی	اندور، انڈیا ۱۹۹۵ء
	(ب) عیدوں کی عید	سرتاج حسین رضوی	ہندی	بریلی، یوپی
۲-	گناہ بے گناہی	سرتاج حسین رضوی	ہندی	بریلی، یوپی ۱۹۹۱ء
۳-	عیدوں کی عید	محمد یونس باڑی	ہندی	(ہفت زبان) کراچی
۴-	قیامت	سرتاج حسین رضوی	ہندی	بریلی، ۱۹۹۶ء
۵-	رہبر و رہنما	خالد علی خان	ہندی	بریلی، ۱۹۹۶ء
۶-	زندی بے بندگی شرمندگی	روبینہ عزیز	ہندی	دھلی، ۲۰۰۰ء
۷-	معارف اسم محمد ﷺ	اسعد عزیز	ہندی	اندور، (بھارت)
۸-	عید کونین	اسعد عزیز	ہندی	اندور، (بھارت)
۹-	لباسِ حضور	اسعد عزیز	ہندی	اندور، (بھارت)
۱۰-	تعظیم و توقیر	اسعد عزیز	ہندی	اندور، (بھارت)
۱۱-	تقلید	اسعد عزیز	ہندی	اندور، (بھارت)
۱۲-	علم غیب	اسعد عزیز	ہندی	اندور، (بھارت)

۱۳۔ جشن بہاراں	اسعد عزیز	ھندی	اندور، (بھارت)
۱۴۔ جانا پہچانا	روبینہ عزیز	ہندی	اندور، (بھارت)

بنگلہ

۱۔ حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی	مولانا محمد نظام الدین	بنگلہ	چاٹگام ۱۹۹۰ء
۲۔ عیدوں کی عید	مولانا ضمیر حسن قادری	بنگلہ	مغربی بنگال ۱۹۹۹ء
۳۔ کیا ھم محفل منعقد کریں	مولانا ضمیر حسن قادری	بنگلہ	ڈھاکہ
۴۔ گناہ بے گناہی	خواجہ سیف الدین حسین	بنگلہ	ڈھاکہ

انگریزی سے اردو

۱۔ مشرق کا فراموش کردہ نابغہ	محمد شفیع بلوچ	اردو	کوئٹہ ۱۹۹۵ء

نوٹ: فرانسیسی نو مسلم عبدالغنی (فرانس) اور امیر الدین کاجی (جنوبی افریقہ) نے بھی بعض رسائل کا ترجمہ کیا ہے۔

تصنیفات، تالیفات اور تراجم کی تفصیل کے بعد اب ہم ڈاکٹر صاحب کے پانچ سو سے زیادہ مضامین و مقالات میں سے ڈھائی سو مضامین و مقالات کی تفصیلات پیش کرتے ہیں۔

تحقیقی مقالات و مضامین

مقالات

نمبر شمار	موضوع مقالہ	مجلّہ / اخبار	شمارہ
۱-	ولی اور چاسر	مقالہ انعام یافتہ مقابلہ مضمون نگاری سندھ یونیورسٹی حیدر آباد پاکستان	منعقدہ ۱۹۵۷ء
۲-	اسلامی رواداری	(الف) لطیف میرپور خاص	۱۹۵۹ء
		(ب) سروش نیو کین انگلستان	۱۹۶۰ء
۳-	حضرت غمگین غالب کی نظر میں	اردو (کراچی)	اکتوبر ۱۹۵۹ء
۴-	خواجہ غمگین شاہ جہاں آبادی	(الف) اردو (کراچی)	اپریل ۱۹۶۰ء
		(ب) برہان (دہلی)	مئی تا جون ۱۹۶۰ء
۵-	خواجہ خورد اور ان کی فارسی رباعیات	معارف (اعظم گڑھ)	(الف) اکتوبر ۱۹۶۰ء
			(ب) دسمبر ۱۹۶۰ء
۶-	جمال الدین ہانسوی الخطیب۔	برہان (دہلی)	(الف) نومبر ۱۹۶۰ء
			(ب) دسمبر ۱۹۶۰ء
۷-	حضرت غمگین شاہ جہاں آبادی۔	برہان (دہلی)	(الف) اپریل ۱۹۶۱ء
۸-	حضرت غمگین اور مرزا غالب کے جواب میں ان کا ایک غیر مطبوعہ مکتوب	معارف (اعظم گڑھ)	مئی ۱۹۶۱ء
۹-	شیخ احمد سرہندی	معارف (اعظم گڑھ)	جون ۱۹۶۲ء
			فروری ۱۹۶۳ء
۱۰-	شاہ محمد غوث گوالیاری	معارف (اعظم گڑھ)	جولائی تا دسمبر ۱۹۶۲ء
۱۱-	شیخ احمد سرہندی	الفرقان (لکھنؤ)	جنوری ۱۹۶۱ء تا اپریل ۱۹۶۲ء
۱۲-	الجواہر الخمسہ	برہان (دہلی)	اپریل ۱۹۶۲ء

نمبر	عنوان	رسالہ	تاریخ
۱۳-	غالب کے متصوفانہ خیالات	صریرِ خامہ (شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی حیدر آباد)	۱۹۶۲
۱۴-	میر سید علی غمگین	نوائے ادب (بمبئی)	اپریل ۱۹۶۳ء
۱۵-	مکاتیب غالب	لطیف (میرپور خاص)	۱۹۶۳ء
۱۶-	بارھویں صدی ہجری میں قرآن پاک کے اردو تراجم و تفاسیر	نوائے ادب (بمبئی)	جولائی ۱۹۶۳ء
۱۷-	علامہ اقبال اور حضرت مجدد الف ثانی	(الف) اقبال (کراچی) (ب) مخزن ہالہ (کراچی)	جنوری ۱۹۶۴ء
۱۸-	اقبال کے فلسفہ خودی میں مقام جہاں عبدیت	ریویو (کراچی)	جولائی ۱۹۶۴ء
۱۹-	پاک و ہند میں قرآن حکیم کا پہلا ہندی ترجمہ اور تفسیر	لطیف (میرپور خاص)	۱۹۶۴ء
۲۰-	مرزا غالب کا ایک غیر مطبوعہ فارسی مکتوب	اردو نامہ (کراچی)	اکتوبر، نومبر ۱۹۶۴ء
۲۱-	شریعت و طریقت افکار اقبال کی روشنی میں	اقبال ریویو (کراچی)	جنوری ۱۹۶۵ء
۲۲-	حضرت مجدد مغرب میں	فکر و نظر (اسلام آباد)	ستمبر ۱۹۶۵ء
۲۳-	رباعیات غمگین	لطیف (میرپور خاص)	۱۹۶۵ء
۲۴-	اردو کے مختلف نام اور انکی تاریخ	نوائے ادب (بمبئی)	جولائی تا اکتوبر ۱۹۶۶ء
۲۵-	عبدالرشید خاں لائق	قومی زبان (کراچی)	(الف) اکتوبر ۱۹۶۷ء (ب) نومبر ۱۹۶۷ء
۲۶-	آقائے سرہندی	قومی زبان (کراچی)	۱۹۶۷ء
۲۷-	شاہ محمد مسعود	ثقافت (لاہور)	نومبر ۱۹۶۷ء
۲۸-	یکتا دہلوی	قومی زبان (کراچی)	(الف) اپریل ۱۹۶۹ء (ب) مئی ۱۹۶۹ء

۲۹-	مرآۃ الحقیقۃ	فکر و نظر (اسلام آباد)	جون ۱۹۷۱ء
۳۰-	حیات شوکت	قلمی	جون ۱۹۷۲ء
۳۱-	کلام یکتا دہلوی	قومی زبان (کراچی)	جون، جولائی، نومبر ۱۹۷۴ء
۳۲-	اردو میں قرآنی تراجم و تفاسیر قسط اول-	فکر و نظر (اسلام آباد)	(الف) دسمبر ۱۹۷۴ء
۳۳-	اردو میں قرآنی تراجم و تفاسیر قسط دوم	فکر و نظر (اسلام آباد)	(ب) جنوری ۱۹۷۵ء
۳۴-	حضرت عبدالمجید مجیدی	ضیائے حرم (لاہور)	فروری ۱۹۷۵ء
۳۵-	ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان کی علمی خدمات	العلم (کراچی)	جنوری تا مارچ ۱۹۷۵ء
۳۶-	حیات اقبال	السیف (اسلام آباد)	فروری ۱۹۷۶ء
۳۷-	طب روحانی	الجامعہ (محمدی شریف)	جولائی ۱۹۷۶ء
۳۸-	(الف) اردو میں قرآنی تراجم و تفاسیر (قسط اوّل)	الجامعہ (محمدی شریف)	اکتوبر، نومبر ۱۹۷۷ء
	(ب) اردو میں قرآنی تراجم و تفاسیر (قسط دوم)	الجامعہ (محمدی شریف)	مارچ ۱۹۷۷ء
	(ج) اردو میں قرآنی تراجم و تفاسیر (قسط سوم)	الجامعہ (محمدی شریف)	مارچ ۱۹۷۸ء
۳۹-	مکتوبات حضرت قاضی احمد رحمہ علیہ الرحمہ	(غیر مطبوعہ)	۱۹۷۸ء
۴۰-	ابو حنیفہ ثانی حضرت قاضی احمد علیہ الرحمہ	(غیر مطبوعہ)	۱۹۷۸ء
۴۱-	شاہ محمد مسعود محدث دہلوی	نور اسلام شرقپور شریف (اولیاء نقشبند نمبر)	۱۹۷۹ء
۴۲-	حضرت مفتی اعظم مولانا محمد مظہر اللہ	نور اسلام، شرقپور شریف (اولیاء نقشبند نمبر)	۱۹۷۹ء

۴۳- امام احمد رضا حیثیت سیاستدان — برائے تقریبات پندرہویں صدی ہجری کمیٹی اسلام آباد — ۱۹۷۹ء

۴۴- حیات مبارک (احمد رضا خان) — مشمولہ ۱۴ صدی کے مجدد (مطبوعہ لاہور) — ۱۹۸۰ء

۴۵- اعلیحضرت احمد رضا خان بریلوی — اخبار جہاں (کراچی) — ۱۴ تا ۲۰ جنوری ۱۹۸۰ء

۴۶- شاعر محبت — ماہنامہ اظہار (کراچی) — جنوری ۱۹۸۰ء

۴۷- تقسیم ہند کی پہلی مفصل تجویز اور اس کا مصنف — ماہنامہ اظہار (کراچی) — مارچ ۱۹۸۰ء

۴۸- مولانا منور احمد علیہ الرحمہ — ہفت روزہ افق (کراچی) — مارچ ۱۹۸۰ء

۴۹- احمد رضا خان بریلوی قسط اول — فکر و نظر (اسلام آباد) — اپریل ۱۹۸۰ء

۵۰- شاہ محمد مظہر اللہ — افق کراچی — جون (۱۹۸۰ء)

۵۱- عطیہ الوہاب الفاصلۃ بین الخطاء والصواب — نور اسلام شرقپور (حضرت مجدد نمبر) — جون ۱۹۸۰ء

۵۲- مبلغ اسلام مولانا محمد عبد العلیم میرٹھی — برائے مینارۂ نور (کراچی) — مرتبہ ۱۹۸۰ء

۵۳- احمد رضا خان بریلوی قسط دوم — فکر و نظر (اسلام آباد) — جون ۱۹۸۰ء

۵۴- جدید و قدیم سائنسی افکار و نظریات اور امام احمد رضا — معارف رضا (سالنامہ) (کراچی) — ۱۹۸۰ء
اشرفیہ مبارکپور انڈیا — اگست، ستمبر ۱۹۸۰ء

۵۵- مخطوطات کتب خانہ خیاری شریف — الجامعہ (محمدی شریف) — ۱۹۸۱ء

۵۶- عالمی جامعات اور امام احمد رضا — معارف رضا (کراچی) — ۱۹۸۲ء

۵۷- حضور اکرم حیثیت دہندہ نظام معیشت — مجلہ وزارت امور مذہبی — دسمبر ۱۹۸۳ء

۵۸- حضرت امیر ملت — انوار امیر ملت (لاہور) — ۱۹۸۳ء

۵۹- اعلحضرت اور زبان عربی — ضیائے حرم (لاہور) — جنوری ۱۹۸۳ء

۶۰- جانشین اعلحضرت مولانا مصطفےٰ رضا خان بریلوی — ضیائے حرم (لاہور) — جنوری ۱۹۸۳ء

۶۱- نظریۂ حرکت زمین اور احمد رضا خان — اظہار (کراچی) — جون ۱۹۸۳ء

۶۲- شہزادۂ امام احمد رضا (مفتی اعظم نمبر) استقامت (کانپور) مئی ۱۹۸۳ء

۶۳- آداب خورد و نوش خطبہ برائے وزارت مذہبی امور فروری ۱۹۸۳ء حکومت پاکستان (لاہور)

۶۴- عشق و محبت کا مفہوم قرآن کی روشنی میں افق (کراچی) فروری ۱۹۸۳ء

۶۵- حیات امام اہلسنت اشرفیہ مبارکپور انڈیا ۱۹۸۴ء

۶۶- عشق و محبت کا مفہوم قرآن وحدیث کی روشنی میں ہفت روزہ افق (کراچی) جنوری ۱۹۸۴ء

۶۷- محمد عربی سے محبت "دین حق کی شرطِ اول ہے" (محمد عربی نمبر) استقامت (کانپور) انڈیا مئی ۱۹۸۵ء

۶۸- کنزالایمان پر پابندی کیوں؟ ترجمان اہلسنت (چاٹگام) اکتوبر ۱۹۸۵ء

۶۹- حضور انور ﷺ اور نظام معشیت اسرای (حیدر آباد) اکتوبر ۱۹۸۵ء

۷۰- زمین و آسمان ہفت روزہ نورہ مجاہد (کلکتہ) جنوری ۱۹۸۵ء

۷۱- حیات طیبہ قبل بعثت تا بعثت نصاب بی-اے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد ۱۹۸۶ء

۷۲- مفتی اعظم محمد مظہر اللہ برائے پچاس بڑے مسلمان ۱۹۸۶ء

۷۳- مولانا احمد رضا خان بریلوی برائے پاکستان ہجرہ کونسل ۱۹۸۶ء

۷۴- سلطان العلماء حضرت سید مہر علی شاہ گولڑوی (کراچی) اکتوبر، نومبر ۱۹۸۶ء

۷۵- علامہ احمد سعید کاظمی تاثرات و مشاہدات ضیائے حرم (لاہور) نومبر ۱۹۸۶ء

۷۶- اعلحضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ روزنامہ حریت (کراچی) اکتوبر ۱۹۸۶ء

۷۷- علامہ محمد شفیع اوکاڑوی تاثرات (مشمولہ خطیب پاکستان اپنے معاصرین کی نظر میں) اکاڑوی اکیڈمی (کراچی) ۱۹۸۶ء

۷۸-	ابن عبدالوہاب کے افکار پر ناقدانہ بحث (مشمولہ عالم اسلام پر سامراجیت کے بھیانک سائے)	دھلی	۱۹۸۶ء
۷۹-	لٹریچر یا بم	اسلامک ٹائمز (انگلستان)	فروری ۱۹۸۷ء
۸۰-	اقرار و انکار	اسلامک ٹائمز (انگلستان)	فروری ۱۹۸۷ء
۸۱-	جذبات و احساسات	جام عرفان (ہری پور ہزارہ)	مارچ ۱۹۸۷ء
۸۲-	ہمارا معاشرہ	اسلامک ٹائمز (انگلستان)	مارچ ۱۹۸۷ء
۸۳-	علامہ احمد سعید کاظمی تاثرات	ضیائے حرم (لاہور)	جون ۱۹۸۷ء
۸۴-	صورت و سیرت حضور کی	ضیائے حرم (لاہور)	جون ۱۹۸۷ء
۸۵-	مستقبل کے روشن مینار	استقامت (کانپور)	نومبر ۱۹۸۷ء
۸۶-	نور و نار (قسط اول)	نور الحبیب (بصیر پور)	دسمبر ۱۹۸۷ء
۸۷-	حضرت شمس بریلوی	مشمولہ لمعات شمس (کراچی)	۱۹۸۷ء
۸۸-	حیات مبارکہ شاہ رکن الدین الوری (مشمولہ نماز کے ضروری مسائل)	لاہور	۱۹۸۷ء
۸۹-	فتاویٰ رضویہ اور ڈاکٹر بلیان	معارف رضا (کراچی)	ستمبر ۱۹۸۷ء
۹۰-	ماہ و سال	مشمولہ پاک و ہند میں تحریک احیائے اسلام	۱۹۸۷ء
۹۱-	امام احمد رضا ایک نظر میں	معارف رضا (کراچی)	۱۹۸۷ء
۹۲-	امام احمد رضا ایک صاحب بصیرت مدبر و سیاستداں	منہاج القرآن (لاہور)	فروری ۱۹۸۸ء
۹۳-	عظمت مستعار	الاشرف (کراچی)	اپریل ۱۹۸۸ء
۹۴-	قرآن حکیم اور شاہ عبداللطیف	الاشرف (کراچی)	جون ۱۹۸۸ء
۹۵-	معقولیت	ادراک قلم (حیدر آباد دکن)	جون ۱۹۸۸ء
۹۶-	تاجداری و خاکساری	ادراک قلم (حیدر آباد دکن)	جون ۱۹۸۸ء
۹۷-	حجاز جدید کا پہلا شمارہ	حجاز جدید (دہلی)	اگست ۱۹۸۸ء

۹۸- حیات علامہ مفتی تقدس علی خان الرحمہ بروشر (کراچی) ستمبر ۱۹۸۸ء

۹۹- اعجاز فاروقی استقامت (کانپور انڈیا) ستمبر ۱۹۸۸ء

۱۰۰- مسئلہ اذان ثانی (انگریزی) اخبار دبدبۂ سکندری، رامپور ستمبر ۱۹۸۸ء
(۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۷ء کی روشنی میں)

۱۰۱- اللہ کے دوست کراچی ۱۹۸۸ء

(مقالات برائے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام)

۱- رضا بریلوی برائے شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا ۱۹۷۶ء

۲- میر سید علی غمگین مشمولہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (لاہور) ۱۹۸۳ء

۳- احمد رضا خان بریلوی مشمولہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام
(سپلیمنٹ والیوم) (فرانس) ۱۹۸۷ء

۴- غمگین دہلوی انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (لاہور) ۱۹۸۷ء

۵- احمد رضا بریلوی برائے انسائیکلو پیڈیا اسلامیکا فاؤنڈیشن
ایران، تہران ۱۹۹۰ء

۶- احمد رضا خان بریلوی برائے مجمع الملکی لبحوث الحضارة الاسلامیہ، عمان، اردن مئی ۱۹۹۰ء

THE FATHER OF REKHTA POETRY & THE ANALOGY OF THE SAME POETRY IN ENGLISH LITERATURE

BY

MUHAMMED MASOOD AHMED

M.A ([illegible]) URDU

UNIVERSITY OF SIND
HYDERABAD

28—10—56

The University of Sind

HYDERABAD (SIND.)

Department of Urdu

Ref. No. ________ Dated 22.3—1957

I certify that Maulana Mohammad Masood Ahmad Sahib, a student of M.A. (Previous) in Urdu of this University, appeared in the open competition in Urdu Essays and I am glad to say that his Essay proved to be the best of all and eventually he received the cash prize of Rs. one hundred only from the Vice-Chancellor of the University.

Ghulam Mustafa Khan
M.A., LL.B., PH.D.
صدر شعبۂ اردو
سندھ یونی ورسٹی حیدرآباد

مضامین

نمبر شمار	عنوان مضمون	مجلّہ / اخبار	شمارہ
۱-	نقطۂ کمال	معمار حرم (لاہور)	اپریل ۱۹۵۵ء
۲-	غمگین دہلوی	فاران (کراچی)	اپریل ۱۹۵۹ء
۳-	ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد	فاران (کراچی)	مارچ ۱۹۶۰ء
۴-	جگر مراد آبادی	مجلّہ حیدر آباد سندھ	۱۹۶۰ء
۵-	اسلام اغیار کی نظر میں	الاسلام (دہلی)	۱۹۶۱ء
۶-	اسلام اور نظریۂ پاکستان	فاران (کراچی)	اگست ۱۹۶۱ء
۷-	ولی کے محاسن سخن	لطیف (میرپور خاص)	۱۹۶۲ء
۸-	بابائے اردو سے چند ملاقاتیں	قومی زبان (کراچی)	یکم مئی ۱۹۶۲ء
۹-	FALLACY OF POSSESSION	لطیف (میرپور خاص)	۱۹۶۳ء
۱۰-	رسالۂ فتوتیہ	الفرقان	مئی ۱۹۶۳ء
۱۱-	رسالۂ فتوتیہ	المظہر (کراچی)	
۱۲-	THE NUT AND SHELL	لطیف (میرپور خاص)	۱۹۶۵ء
۱۳-	فارسی پر اردو کے اثرات	لطیف (میرپور خاص)	۱۹۶۶ء
۱۴-	THE WORD	لطیف (میرپور خاص)	۱۹۶۶ء
۱۵-	غیر ملکی زبان میں تصانیف اقبال کے تراجم	صریر خامہ (شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی حیدر آباد)	۱۹۶۷ء
۱۶-	آداب نبوی	سلسبیل (لاہور)	نومبر ۱۹۶۷ء
۱۷-	شعر و شاعری	فاران (کراچی)	اگست ۱۹۶۸ء
۱۸-	اردو کی ترقی پر تقسیم ہند کے اثرات	چلتن (کوئٹہ)	۱۹۶۸ء
۱۹-	حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ	(الف) سعادت، لائل پور	۱۹۶۸ء
		(ب) پیام مشرق (دہلی)	۲۸ مارچ ۱۹۶۹ء

۲۰- اہلِ علم و دانش نے کہا......؟	نعرۂ حق (کوئٹہ)	۱۳ اپریل ۱۹۶۹ء
۲۱- جہاد	جہاں نما (لاہور)	۱۹۶۹ء
۲۲- حیاتِ مظہریہ	بزم ارباب طریقت (لاہور)	۱۹۷۰ء
۲۳- سردار جوگندر سنگھ۔ ایک نو مسلم	ضیائے حرم (لاہور)	اپریل ۱۹۷۱ء
۲۴- علمائے پاک و ہند کی چند تفسیریں	سیارہ (لاہور)	مئی ۱۹۷۱ء
۲۵- حیرت افزاء	حنفی (لاہور)	اپریل ۱۹۷۱ء
۲۶- سعادت	ضیائے حرم (لاہور)	جون ۱۹۷۱ء
۲۷- اسرار خودی کا اجمالی جائزہ	سیارہ (لاہور)	جولائی ۱۹۷۱ء
۲۸- قرآن حکیم	الکریم (ٹنڈو محمد خان)	۱۹۷۱ء
۲۹- وابستگانِ دامنِ رسالت سے اقبال کی عقیدت	ترجمان اہلسنت (کراچی)	مئی ۱۹۷۲ء
۳۰- مرزا غالب۔ غم اور ضبطِ غم	الزبیر (بہاولپور)	اپریل تا جون ۱۹۷۲ء
۳۱- محشر بداماں	رشاد (سیالکوٹ)	۱۹۷۲ء
۳۲- مرزا غلام احمد اقبال کی نظر میں	ترجمان اہلسنت (کراچی)	ستمبر ۱۹۷۲ء
۳۳- افکار پریشاں	رشاد (سیالکوٹ)	دسمبر ۱۹۷۲ء
۳۴- افکار پریشاں	رشاد (سیالکوٹ)	جنوری ۱۹۷۳ء
۳۵- حضرت مولانا مفتی محمد مظفر احمد	ترجمان اہلسنت (کراچی)	فروری ۱۹۷۳ء
۳۶- فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان بریلوی	ترجمان اہلسنت (کراچی)	مارچ ۱۹۷۳ء
۳۷- تاثرات	رشاد (سیالکوٹ)	فروری ۱۹۷۳ء
۳۸- تاثرات	رشاد (سیالکوٹ)	مارچ، اپریل ۱۹۷۳ء
۳۹- تاثرات	رشاد (سیالکوٹ)	مئی ۱۹۷۳ء
۴۰- حضرت مجدد غم اور ضبطِ غم	ضیائے حرم (لاہور)	جون ۱۹۷۳ء
۴۱- تاثرات	ضیائے حرم (لاہور)	جولائی ۱۹۷۳ء
۴۲- تاثرات	ضیائے حرم (لاہور)	جولائی ۱۹۷۳ء

نمبر	عنوان	رسالہ	تاریخ
۴۳-	میرے استاد	(الف) رشاد (سیالکوٹ)	اگست، ستمبر ۱۹۷۳ء
		(ب) رشاد (سیالکوٹ)	اکتوبر ۱۹۷۳ء
۴۴-	تاثرات	رشاد (سیالکوٹ)	اگست، ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۳ء
۴۵-	تاثرات	(الف) ضیائے حرم (لاہور)	جنوری ۱۹۷۴ء
		(ب) ضیائے حرم (لاہور)	فروری ۱۹۷۴ء
۴۶-	تاثرات و تجاوزات	ترجمان اہلسنت (کراچی)	فروری ۱۹۷۴ء
۴۷-	تحریک پاکستان پر فاضل بریلوی کے اثرات	فیض رضا (لائل پور)	مارچ ۱۹۷۴ء
۴۸-	تاثرات	ضیائے حرم (لاہور)	اپریل ۱۹۷۴ء
۴۹-	HAZRAT MUHAMMAD ﷺ	الکریم (ٹنڈو محمد خان)	۱۹۷۴ء
۵۰-	تاثرات	ضیائے حرم (لاہور)	جولائی ۱۹۷۴ء
۵۱-	تاثرات	ضیائے حرم (لاہور)	اگست ۱۹۷۴ء
۵۲-	شہید محبت (بابائے اردو نمبر)	قومی زبان (کراچی)	اگست ۱۹۷۴ء
۵۳-	حیات شاہ رکن الدین الوری	مشمولہ رکن دین کتاب الصلوٰۃ (سیالکوٹ)	۱۹۷۴ء
۵۴-	تاثرات	ضیائے حرم (لاہور)	ستمبر ۱۹۷۴ء
۵۵-	مولانا احمد رضا خان بریلوی	آفاق (لاہور)	۲۷ اکتوبر ۱۹۷۴ء
۵۶-	تاثرات	ضیائے حرم (لاہور)	اکتوبر ۱۹۷۴ء
۵۷-	تاثرات	ضیائے حرم (لاہور)	نومبر ۱۹۷۴ء
۵۸-	تاثرات	ضیائے حرم (لاہور)	جنوری ۱۹۷۵ء
۵۹-	اعجاز فاروقی	ضیائے حرم (لاہور)	جنوری ۱۹۷۵ء
۶۰-	حضرت شاہ محمد رکن الدین الوری	انوار الصوفیہ (قصور)	جنوری ۱۹۷۵ء
۶۱-	حالات مبارکہ علامہ مفتی محمد محمود الوری	سیالکوٹ	
۶۲-	اعلحضرت فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری	المجاہد (کانپور)	۲۸ مارچ ۱۹۷۵ء

۶۳- تاثرات	ضیائے حرم (لاہور)	مئی ۱۹۷۵ء
۶۴- امیر ملت قدس سرہ (پیر جماعت علی شاہ محدث علی پور)	انوار الصوفیہ (قصور)	مئی رجون ۱۹۷۵ء
۶۵- تاثرات	ضیائے حرم (لاہور)	جون ۱۹۷۵ء
۶۶- گردش ایام	المجاہد (کانپور)	یکم اگست ۱۹۷۵ء
۶۷- تاثرات	ضیائے حرم (لاہور)	اگست ۱۹۷۵ء
۶۸- مفتی محمد مظہر اللہ رحمتہ اللہ علیہ	الہام (بہاولپور)	اکتوبر ۱۹۷۵ء
۶۹- فاضل بریلوی شیخ الاسلام مولانا احمد رضا خان	الہام (بہاولپور)	اکتوبر ۱۹۷۵ء
۷۰- تاثرات	ضیائے حرم (لاہور)	اکتوبر ۱۹۷۵ء
۷۱- تاثرات	ضیائے حرم (لاہور)	نومبر ۱۹۷۵ء
۷۲- تاثرات	ضیائے حرم (لاہور)	دسمبر ۱۹۷۵ء
۷۳- تاثرات	ضیائے حرم (لاہور)	جنوری ۱۹۷۶ء
۷۴- حیات فاضل بریلوی	مشمولہ رسالتہ الامداد مصنف مولانا احمد رضا خان (لاہور)	۱۹۷۶ء
۷۵- نظام مصطفٰے	ترجمان اہلسنت (کراچی)	۷ مارچ ۱۹۷۶ء
۷۶- احمد رضا خان بریلوی	شاہکار انسائیکلوپیڈیا (لاہور)	۱۵ اپریل ۱۹۷۶ء
۷۷- تاثرات	ضیائے حرم (لاہور)	اپریل ۱۹۷۶ء
۷۸- تاثرات	ضیائے حرم (لاہور)	مئی ۱۹۷۶ء
۷۹- تاثرات	ضیائے حرم (لاہور)	جون ۱۹۷۶ء
۸۰- تاثرات	ضیائے حرم (لاہور)	جولائی ۱۹۷۶ء
۸۱- (الف) حیرت کدۂ ہستی	ضیائے حرم (لاہور)	ستمبر ۱۹۷۶ء
(ب) حیرت کدۂ ہستی	ضیائے حرم (لاہور)	اکتوبر ۱۹۷۶ء
(ج) حیرت کدۂ ہستی	ضیائے حرم (لاہور)	نومبر ۱۹۷۶ء
۸۲- وجود و شہود	الجامعہ، محمدی شریف	ستمبر ۱۹۷۶ء

نمبر	عنوان	رسالہ / اخبار	تاریخ
۸۳-	سیٹھ احمد میمن	مشمولہ تحریک پاکستان کے کارکن مرتبہ حکیم آفتاب احمد قرشی (لاہور)	
	حیرت کدۂ منھی	ضیائے حرم (لاہور)	جنوری ۱۹۷۷ء
۸۴-	مولانا احمد رضا کی تصانیف	جنگ (کراچی)	۱۲/ فروری ۱۹۷۷ء
۸۵-	مولانا احمد رضا خاں کے خلفاء	جنگ (کراچی)	۱۲/ فروری ۱۹۷۷ء
۸۶-	مولانا احمد رضا خان بریلوی	جنگ (کراچی)	۱۹/ فروری ۱۹۷۷ء
	حیرت کدۂ منھی	ضیائے حرم (لاہور)	جون ۱۹۷۷ء
۸۷-	نظام مصطفٰے	انجمن (آزاد کشمیر)	۱۹۷۸ء
۸۸-	عشق مصطفٰے	نور الحبیب (بصیر پور)	جولائی ۱۹۷۸ء
۸۹-	ماہر القادری - چند یادیں چند باتیں	غیر مطبوعہ	مرتبہ ۱۹۷۸ء
۹۰-	مفتی اعظم (شاہ محمد مظہر اللہ)	ترجمان اہلسنت (کراچی)	ستمبر ۱۹۷۸ء
۹۱-	مفتی اعظم (شاہ محمد مظہر اللہ)	نور الحبیب بصیر پور	نومبر ۱۹۷۸ء
۹۲-	دار السلطنت دہلی میں اہلسنت کے آثار	غیر مطبوعہ	مرتبہ ۱۹۷۸ء
۹۳-	نظام مصطفٰے	الفرید (ساہیوال)	اکتوبر، نومبر ۱۹۷۸ء
۹۴-	عشق و محبت قرآن کی روشنی میں	افق (کراچی)	۱۱/ دسمبر ۱۹۷۸ء
۹۵-	جہانِ رضا	ضیائے حرم (لاہور)	ستمبر ۱۹۷۹ء
۹۶-	مولانا احمد رضا خان بریلوی	افق (کراچی)	۲۲ تا ۲۸ جنوری ۱۹۷۹ء
۹۷-	حضرت امیر ملت (پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پور)	انوار امیر ملت (لاہور)	۱۹۷۹ء
۹۸-	صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی	نور الحبیب (بصیر پور)	دسمبر ۱۹۷۹ء
۹۹-	شہید کربلا کی یاد	نور الحبیب (بصیر پور)	دسمبر ۱۹۷۹ء
۱۰۰-	مقدمہ خیابان رضا	رضائے مصطفٰے (گوجرانوالہ)	جنوری ۱۹۸۰ء

۱۰۱- حیات اقبال	الجامعہ (محمدی شریف)	اگست ۱۹۸۰ء
۱۰۲- امام احمد رضا کی فصاحت وبلاغت اور حرمین میں آپ کی مقبولیت	روزنامہ امن (کراچی)	۳ر جنوری ۱۹۸۱ء
۱۰۳- اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی	ماہنامہ دورِ جدید (کراچی)	فروری ۱۹۸۱ء
۱۰۴- عاشق رسول	اشرفیہ (مبارکپور)	مارچ ۱۹۸۱ء
۱۰۵- علم نافع کا مقصد اور اعجاز قلم	پیغام عمل (مبارکپور)	مارچ ۱۹۸۱ء
۱۰۶- محمد علی فرانس میں (ترجمہ انگریزی)	برگ گل (کراچی) جوہر نمبر	۱۹۸۱ء
۱۰۷- صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی	نورالحبیب (بصیر پور)	اکتوبر ۱۹۸۱ء
۱۰۸- نظریۂ حرکت زمین اور اعلیٰحضرت	الہام (بھاولپور)	
۱۰۹- اقبال خودی اور بیخودی	نورالحبیب (بصیر پور)	ربیع الاوّل ۱۴۰۲ء
۱۱۰- تاثرات (کربلا نمبر)	استقامت (کانپور)	دسمبر ۱۹۸۱ء
۱۱۱- تحریک پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر	غیر مطبوعہ	۱۳ر مارچ ۱۹۸۱ء
۱۱۲- مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی	غیر مطبوعہ	اپریل ۱۹۸۲ء
۱۱۳- ایک غلط فہمی کا ازالہ	نوالحبیب (بصیر پور)	شعبان ۱۴۰۲ء
۱۱۴- تاثرات	استقامت (کانپور)	جون ۱۹۸۲ء
۱۱۵- حیرت کدۂ مٹھی	استقامت (کانپور)	اکتوبر ۱۹۸۲ء
۱۱۶- حیات مبارک اعلیٰحضرت	قومی آواز (دہلی)	۱۹۸۲ء
۱۱۷- آج کا مسلمان	المنیر (فیصل آباد)	۱۱ تا ۱۷ دسمبر ۱۹۸۲ء
۱۱۸- حضرت امیر ملت	مشمولہ انوار امیر ملت (مطبوعہ لاہور)	۱۹۸۳ء
۱۱۹- اعلیٰحضرت اور زبان عربی	ضیائے حرم (لاہور)	جنوری ۱۹۸۳ء
۱۲۰- جانشین اعلیٰحضرت مولانا مصطفےٰ رضا خان	ضیائے حرم (لاہور)	جنوری ۱۹۸۳ء
۱۲۱- قرآن حکیم اور شاہ عبداللطیف بھٹائی	الاشرف (کراچی)	اکتوبر ۱۹۸۳ء

نمبر	عنوان	مطبوعہ	تاریخ
۱۲۲-	حضور صلی اللہ علیہ وسلم معیشت دہندۂ نظام معیشت	برائے سیرت کانفرنس (اسلام آباد)	دسمبر ۱۹۸۳ء
۱۲۳-	آداب خورد و نوش (حلال و حرام)	خطبہ برائے وزارت امور مذہبی حکومت پاکستان (اسلام آباد)	فروری ۱۹۸۳ء
۱۲۴-	اعلحضرت امام احمد رضا خان	صبح نور (سیالکوٹ)	فروری ۱۹۸۳ء
۱۲۵-	عشق و محبت کا مفہوم قرآن کی روشنی میں	افق (کراچی)	۱۳ر فروری ۱۹۸۳ء
۱۲۶-	تاثرات	استقامت (کانپور)	جنوری ۱۹۸۳ء
۱۲۷-	تاثرات و تجاویز	استقامت (کانپور)	فروری ۱۹۸۳ء
۱۲۸-	حیات مبارک اعلحضرت	قومی آواز (دہلی)	۱۹۸۳ء
۱۲۹-	رپورٹ تاثر سفر اسلام آباد	ماہنامہ (الخیر) (لاہور)	
۱۳۰-	تعلیمی معیار میں انحطاط اور اسکا تدارک	مقالہ برائے تعلیمی کانفرنس منعقدہ کراچی ۲۴، ۲۵ نومبر ۱۹۸۱ء	(غیر مطبوعہ)
۱۳۱-	درود ماثورہ و غیر ماثورہ (سیرت مصطفےٰ نمبر)	سلسبیل (لاہور)	۱۹۸۱ء
۱۳۲-	حیات امام احمد رضا	مشمولہ امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری از علامہ شمس بریلوی (کراچی)	۱۹۸۴ء
۱۳۳-	شادی و غم	نوالحبیب (بصیر پور)	نومبر ۱۹۸۴ء
۱۳۴-	مولانا احمد رضا خان بریلوی	افق (کراچی)	۱۷ر نومبر ۱۹۸۴ء
۱۳۵-	ماہ و سال	سندھی ترجمہ از مولانا عبدالرسول لکھی بعنوان عاشق رسول احمد رضا خان	مہران سندھی
۱۳۶-	مفتی دین محمد رتوی	حالات و تاثرات برائے فیضان المشائخ (چکوال)	۱۹۸۵ء
۱۳۷-	نورانی ادائیں	استقامت (کانپور)	ستمبر ۱۹۸۶ء
۱۳۸-	جشن بہاراں	اشرفیہ (مبارکپور)	دسمبر ۱۹۸۸ء
۱۳۹-	امام احمد رضا کی اصلاحی مہم	روزنامہ ہندوستان	اکتوبر ۱۹۸۸ء

نمبر	عنوان	رسالہ	تاریخ
۱۴۰-	امام احمد رضا ایک نظر میں	روزنامہ ہندوستان	اکتوبر ۱۹۸۸ء
۱۴۱-	اعلیٰحضرت کی دینی حمیت وسیاسی بصیرت	ہفت روزہ اخبار عالم	اکتوبر ۱۹۸۸ء
۱۴۲-	امام احمد رضا اور علمائے حرمین	ماہنامہ قاری (دہلی) (امام احمد رضا نمبر)	اپریل ۱۹۸۹ء
۱۴۳-	امام احمد رضا اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی	معارف رضا (کراچی)	ستمبر ۱۹۸۹ء
۱۴۴-	امام احمد رضا خان بریلوی	ماہ طیبہ	ستمبر ۱۹۹۰ء
۱۴۵-	امام احمد رضا اور عالمی جامعات	ماہنامہ حجاز جدید (دہلی)	مئی، جون ۱۹۹۱ء
۱۴۶-	امام احمد رضا اور بدعات کا خاتمہ	ماہنامہ نور مصطفےٰ (پٹنہ)	جون ۱۹۹۱ء
۱۴۷-	امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی جائزہ	مجلہ رضا کانفرنس (کراچی)	ستمبر ۱۹۹۱ء
۱۴۸-	امام احمد رضا بریلوی	ماہنامہ نوائے انجم (لاہور)	ستمبر ۱۹۹۱ء
۱۴۹-	امام احمد رضا کے ماہ وسال	ماہنامہ حجاز جدید (دہلی)	نومبر ۱۹۹۱ء
۱۵۰-	اعلیٰحضرت فاضل بریلوی	ماہنامہ فیضان مدینہ (خانیوال)	اگست ۱۹۹۲ء
۱۵۱-	قرآن کہاں کہاں پہنچا؟	ندائے اہلسنت (لاہور)	مارچ ۱۹۹۲ء
۱۵۲-	کنزالایمان کا ادبی جائزہ	معارف رضا (کراچی)	۱۹۹۲ء
۱۵۳-	امام اہلسنت	ماہنامہ رہنمائے دکن (حیدرآباد)	۱۹۹۳ء
۱۵۴-	امام احمد رضا خان کی جدت پسندی اور اصلاح معاشرہ	مسلم ٹائمز (بمبئی)	اگست ۱۹۹۳ء
۱۵۵-	شہزادہ امام احمد رضا مفتی اعظم ہند	ندائے اہلسنت (لاہور)	مئی ۱۹۹۳ء
۱۵۶-	گفتنی ناگفتنی	ماہنامہ اشرفیہ (مبارکپور)	اگست ۱۹۹۳ء
۱۵۷-	فاضل بریلوی کی شخصیت اور ان کے خلاف سازشیں	رضائے مصطفےٰ	اکتوبر ۱۹۹۳ء
۱۵۸-	آداب رسالت	ماہ طیبہ (سیالکوٹ)	فروری ۱۹۹۴ء

ڈاکٹر مسعود احمد کی تصنیفات و تالیفات اور مقالات و مضامین اندرون ملک اور بیرون ملک جن جن اداروں نے شائع کیے ہیں مولانا عبدالستار طاہر نے ممکنہ اعداد و شمار جمع کیے ہیں ہم شکریہ کے ساتھ ان تفصیلات کو پیش کر رہے ہیں۔

اندرونِ ملک ناشر ادارے

۱- مجلس ترقیٔ ادب، لاہور
۲- مکتبۂ شاہکار، لاہور
۳- مرکزی مجلس رضا، لاہور
۴- رضا اکیڈمی، چاہ میراں، لاہور
۵- دانش گاہ پنجاب، لاہور (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام)
۶- رضا پبلی کیشنز، لاہور
۷- ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
۸- مکتبۂ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور
۹- بزم ارباب طریقت، لاہور
۱۰- مرکزی مجلس امام اعظم، والٹن روڈ، لاہور کینٹ
۱۱- ادارۂ معارفِ نعمانیہ، شادباغ، لاہور
۱۲- رضا فاؤنڈیشن، لوہاری گیٹ، لاہور
۱۳- ادارۂ مسعودیہ، الحبیب پارک، لاہور
۱۴- بزم عاشقان مصطفیٰ، فلیمنگ روڈ، لاہور
۱۵- بزم رضویہ، داتا نگر، لاہور
۱۶- تنظیم الہجویری، لاہور
۱۷- سنی لٹریری سوسائٹی، ریلوے روڈ، لاہور
۱۸- رحیمیہ اکیڈمی، چاہ میراں، لاہور
۱۹- مرکزی مجلس گلستان رضا، کینال پارک، گلبرگ، لاہور
۲۰- بزم میلاد النبی، اری کیشن سیکریٹ یٹ، پرانی انارکلی لاہور
۲۱- تنظیم نوجوانان اہل سنت، بھاٹی گیٹ، لاہور
۲۲- مکتبۂ رضویہ، انجمن شیڈ، لاہور
۲۳- مکتبۂ قادریہ، لوہاری گیٹ، لاہور
۲۴- جماعت اہل سنت، والٹن لاہور کینٹ
۲۵- ادارۂ مظہر اسلام، مجاہد آباد، لاہور
۲۶- مصطفیٰ لائبریری، والٹن روڈ، لاہور کینٹ
۲۷- مکتبۂ نعمانیہ، سیالکوٹ
۲۸- وزارت مذہبی امور، اسلام آباد
۲۹- علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
۳۰- مرکزی مجلس رضا، واہ کینٹ
۳۱- انٹر نیشنل بک کارپوریشن، حیدر آباد، سندھ
۳۲- انٹر نیشنل پبلی کیشنز، حیدر آباد، سندھ
۳۳- جماعت اہل سنت، فقیر کا پڑ، حیدر آباد سندھ
۳۴- مرکزی انجمن نوجوانان محبان رسول، حیدر آباد، سندھ
۳۵- انجمن نوجوانان اہل سنت، رحیم یار خان
۳۶- ادارۂ معارف رضا، جہلم

۳۷- رضاانٹر نیشنل اکیڈمی، صادق آباد
۳۸- بزم ارباب طریقت، کراچی
۳۹- تحریک تفہیم الاسلام، کراچی
۴۰- سرہند پبلی کیشنز، کراچی
۴۱- حبیب بینک، ہیڈ آفس، کراچی
۴۲- مولانااوکاڑوی اکادمی العالمی، کراچی
۴۳- مظہری پبلی کیشنز، کراچی
۴۴- دارالخیر، کراچی
۴۵- ادارۂ مسعودیہ، کراچی
۴۶- ورلڈ اسلامک مشن، کراچی
۴۷- ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی
۴۸- ادارۂ تصنیفات امام احمد رضا، کراچی
۴۹- مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی
۵۰- انجمن غلامانِ رسول، وسن پورہ، لاہور
۵۱- رضادارالاشاعت، لاہور
۵۲- کنزالایمان سوسائٹی، صدر بازار لاہور کینٹ
۵۳- ادارہ اصلاحِ فکرو نظر، لاہور
۵۴- حزب القادریہ، گلشن راوی، لاہور
۵۵- انجمن نوجوانانِ اسلام، اپرمال، لاہور
۵۶- شرکت اسلامیہ، میرپور خاص، سندھ
۵۷- بزم انوار رضا، جوہر آباد، خوشاب
۵۸- جماعت اشاعت اہل سنت پاکستان، کراچی
۵۹- المختار پبلی کیشنز، کراچی

بیرونِ ملک ناشر ادارے

۱- انسائیکلوپیڈیا اسلامیکا فاؤنڈیشن، تہران، ایران
۲- مجمع الملکی لبحوث الحضارۃ الاسلامیہ، عمان، اردن
۳- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام سپلیمنٹ والیوم، فرانس
۴- سنی رضوی سوسائٹی، ڈربن، جنوبی افریقہ
۵- المجمع الاسلامی، مبارکپور اعظم گڑھ، بھارت
۶- ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، ممبئی
۷- رضااکیڈمی، ممبئی
۸- ادارۂ افکار حق، بانسی بازار، ضلع پورنیہ، صوبہ بہار، بھارت
۹- رضوی کتاب گھر، بھیونڈی، دھلی، بھارت
۱۰- کتب خانہ برکاتیہ، ھبلی، کرناٹک، بھارت
۱۱- جانباز اکیڈمی، بارہ مولہ، مقبوضہ کشمیر
۱۲- قادری کتاب گھر، بریلی شریف
۱۳- رضوی کتاب گھر، دہلی
۱۴- دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور (بھارت)

اندرونِ ملک کے ناشر رسائل

سالنامے :

۱- مجلّہ "الکریم" -- گورنمنٹ کالج ٹنڈو محمد خاں، سندھ

۲- مجلّہ "الہاشم" -- گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ سندھ

۳- مجلّہ "لطیف" -- شاہ عبداللطیف گورنمنٹ کالج، میرپور خاص

۴- مجلّہ "چلتن" -- گورنمنٹ ڈگری کالج ...

۵- مجلّہ "صریر خامہ" -- شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی، حیدر آباد، سندھ

۶- مجلّہ "معارف رضا"، کراچی

۷- مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس، کراچی

۸- مجلّہ "تعارف"، کراچی

۹- مجلّہ "برگ گل"، کراچی

۱۰- مجلّہ "فانوس" میرپور خاص

سہ ماہی رسائل

۱۱- سہ ماہی فکر و نظر، اسلام آباد

۱۲- سہ ماہی لوح و قلم لاہور

۱۳- سہ ماہی دستگیر، کوئٹہ

۱۴- سہ ماہی العلم، کراچی

ماہنامے

۱۵- ماہنامہ معمار حرم، لاہور

۱۶- ماہنامہ ثقافت، لاہور

۱۷- ماہنامہ سلسبیل، لاہور

۱۸- ماہنامہ سیارہ، لاہور

۱۹- ماہنامہ حنفی، لاہور

۲۰- ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور

۲۱- ماہنامہ الخیر، لاہور

۲۲- ماہنامہ جہانِ رضا، لاہور

۲۳- ماہنامہ منہاج القرآن، لاہور

۲۴- ماہنامہ نوائے انجمن، لاہور

۲۵- ماہنامہ رضوان، لاہور

۲۶- ماہنامہ القول السدید، لاہور

۲۷- ماہنامہ کنزالایمان، لاہور

۲۸- ماہنامہ رشاد، سیالکوٹ

۲۹- ماہنامہ صبح نور، سیالکوٹ
۳۰- ماہنامہ ماہ طیبہ، سیالکوٹ
۳۱- ماہنامہ انوار لاثانی، نارووال
۳۲- ماہنامہ السیف، اسلام آباد
۳۳- ماہنامہ فاران، کراچی
۳۴- ماہنامہ اردو، کراچی
۳۵- ماہنامہ اظہار، کراچی
۳۶- ماہنامہ المظہر، کراچی
۳۷- ماہنامہ اقبال، ریویو، کراچی
۳۸- ماہنامہ قومی زبان، کراچی
۳۹- ماہنامہ ترجمانِ اہل سنت، کراچی
۴۰- ماہنامہ ورلڈ اسلامک مشن، کراچی
۴۱- ماہنامہ الاشرف، کراچی
۴۲- ماہنامہ دور جدید، کراچی
۴۳- ماہنامہ تبیان، کراچی
۴۴- ماہنامہ دی میج انٹر نیشنل، کراچی
۴۵- ماہنامہ ساحل، کراچی
۴۶- ماہنامہ الزبیر، بہاولپور
۴۷- ماہنامہ انوار الصوفیہ، قصور
۴۸- ماہنامہ امیر ملت، لاہور
۴۹- ماہنامہ الجامعہ، محمدی شریف، جھنگ
۵۰- انجمن، آزاد کشمیر
۵۱- ماہنامہ ارتعاش، آزاد کشمیر
۵۲- ماہنامہ انوار الفرید، ساہیوال
۵۳- ماہنامہ نور الحبیب، بصیر پور ضلع اوکاڑہ
۵۴- ماہنامہ نور اسلام، شرقپور شریف
۵۵- ماہنامہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ
۵۶- ماہنامہ دعوت تنظیم الاسلام، گوجرانوالہ
۵۷- ماہنامہ اسریٰ، حیدر آباد، سندھ
۵۸- ماہنامہ روشنی، میرپور خاص
۵۹- ماہنامہ نوائے جوہر، جوہر آباد
۶۰- ماہنامہ زجاج، گجرات
۶۱- ماہنامہ فیضانِ مدینہ، خانیوال
۶۲- ماہنامہ جام عرفان، ہری پور ہزارہ
۶۳- ماہنامہ آستانہ، کراچی
۶۴- ماہنامہ سبیل الرشاد، لاہور
۶۵- ماہنامہ السیف الصارم، لاہور

پندرہ روزہ رسائل

۶۶- پندرہ روزہ الحسن، پشاور
۶۷- پندرہ روزہ ندائے اہل سنت، لاہور

۲۹- ماہنامہ صبح نور، سیالکوٹ
۳۰- ماہنامہ ماہ طیبہ، سیالکوٹ
۳۱- ماہنامہ انوار الاثانی، نارووال
۳۲- ماہنامہ السیف، اسلام آباد
۳۳- ماہنامہ فاران، کراچی
۳۴- ماہنامہ اردو، کراچی
۳۵- ماہنامہ اظہار، کراچی
۳۶- ماہنامہ المظہر، کراچی
۳۷- ماہنامہ اقبال، ریویو، کراچی
۳۸- ماہنامہ قومی زبان، کراچی
۳۹- ماہنامہ ترجمان اہل سنت، کراچی
۴۰- ماہنامہ ورلڈ اسلامک مشن، کراچی
۴۱- ماہنامہ الاشرف، کراچی
۴۲- ماہنامہ دور جدید، کراچی
۴۳- ماہنامہ تبیان، کراچی
۴۴- ماہنامہ دی مسیج انٹرنیشنل، کراچی
۴۵- ماہنامہ ساحل، کراچی
۴۶- ماہنامہ الزبیر، بہاولپور
۴۷- ماہنامہ انوار الصوفیہ، قصور
۴۸- ماہنامہ امیر ملت، لاہور
۴۹- ماہنامہ الجامعہ، محمدی شریف، جھنگ
۵۰- انجمن، آزاد کشمیر
۵۱- ماہنامہ ارتعاش، آزاد کشمیر
۵۲- ماہنامہ انوار الفرید، ساہیوال
۵۳- ماہنامہ نور الحبیب، بصیر پور ضلع اوکاڑہ
۵۴- ماہنامہ نور اسلام، شرقپور شریف
۵۵- ماہنامہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ
۵۶- ماہنامہ دعوت تنظیم الاسلام، گوجرانوالہ
۵۷- ماہنامہ اسریٰ، حیدر آباد، سندھ
۵۸- ماہنامہ روشنی، میرپور خاص
۵۹- ماہنامہ نوائے جوہر، جوہر آباد
۶۰- ماہنامہ زجاج، گجرات
۶۱- ماہنامہ فیضان مدینہ، خانیوال
۶۲- ماہنامہ جام عرفان، ہری پور ہزارہ
۶۳- ماہنامہ آستانہ، کراچی
۶۴- ماہنامہ سبیل الرشاد، لاہور
۶۵- ماہنامہ السیف الصارم، لاہور

پندرہ روزہ رسائل

۶۶- پندرہ روزہ الحسن، پشاور
۶۷- پندرہ روزہ ندائے اہل سنت، لاہور

ہفت روزہ رسائل

۶۸- ہفت روزہ الہام، بہاولپور
۶۹- ہفت روزہ افق، کراچی
۷۰- ہفت روزہ اخبار جہاں، کراچی
۷۱- ہفت روزہ المنبر، فیصل آباد
۷۲- ہفت روزہ ہلال، روالپنڈی
۷۳- ہفت روزہ ایشیاء، لاہور

روزنامہ اخبارات

۷۴- روزنامہ سعادت، فیصل آباد
۷۵- روزنامہ نعرۂ حق، کوئٹہ
۷۶- روزنامہ آفاق، لاہور
۷۷- روزنامہ جنگ، کراچی
۷۸- روزنامہ امن، کراچی
۷۹- روزنامہ حریت، کراچی
۸۰- روزنامہ صدائے اسلام، حیدر آباد، سندھ

بیرونِ ملک کے ناشر رسائل

سہ ماہی رسائل

۸۰- سہ ماہی الکوثر، سہسرام صوبہ بہار
۸۱- سہ ماہی افکار رضا، ممبئی

ماہنامہ رسائل

۸۲- ماہنامہ نوائے ادب، ممبئی
۸۳- ماہنامہ مسلم ٹائمز، ممبئی
۸۴- ماہنامہ المیزان، ممبئی
۸۵- ماہنامہ برھان، دہلی
۸۶- ماہنامہ قومی آواز، دہلی
۸۷- ماہنامہ حجاز جدید، دہلی
۸۸- ماہنامہ قاری، دہلی
۸۹- ماہنامہ ھدیٰ، دہلی
۹۰- ماہنامہ الاسلام، دہلی
۹۱- ماہنامہ الفرقان، لکھنو
۹۲- ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ
۹۳- ماہنامہ استقامت، کانپور
۹۴- ماہنامہ فیض الرسول، براؤن شریف
۹۵- ماہنامہ سنی دنیا، بریلی شریف
۹۶- ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی شریف
۹۷- ماہنامہ نور مصطفیٰ، پٹنہ
۹۸- ماہنامہ رہنمائے دکن، حیدر آباد دکن
۹۹- ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور

۱۰۰- ماہنامہ سروش، نیو لین، انگلستان

۱۰۱- ماہنامہ ترجمان اہل سنت، چاٹگام، بنگلہ دیش

۱۰۲- دی اسلامک ٹائمز، یو۔کے

پندرہ روزہ رسائل

۱۰۳- پندرہ روزہ ادراک قلم، حیدر آباد دکن

ہفت روزہ رسائل

۱۰۴- ہفت روزہ نوری مجاہد، کلکتہ

۱۰۵- ہفت روزہ اخبار عالم، ممبئی

روزنامہ اخبارات

۱۰۶- روزنامہ پیام مشرق، دہلی

۱۰۷- روزنامہ المجاہد، کانپور

۱۰۸- روزنامہ اردو ٹائمز، ممبئی

۱۰۹- روزنامہ ہندوستان، ممبئی

۱۱۰- روزنامہ انقلاب، ممبئی

باب چہارم

ڈاکٹر مسعود احمد

ایک صاحب طرز انشاء پرداز

کی حیثیت سے

الرزق على الله

ڈاکٹر مسعود احمد کی انشاء پردازی کا اجمالی تعارف

ڈاکٹر مسعود احمد ایک بے مثل انشاء پرداز، تمثیل نگار، خاکہ نگار اور سیرت نگار ہیں ان کی طرز تحریر عدیم المثال ہے، انشاء میں علمی و تحقیقی شان پائی جاتی ہے ساتھ ہی ساتھ خوش مزاجی اور خوش مذاقی دونوں موجود ہیں مزاح کے ساتھ ان کے مضامین میں متانت اور سنجیدگی بھی موجود ہے مذہبیات میں کافی درک رکھتے ہیں-ان کو عربی، فارسی، ہندی، انگریزی وغیرہ زبانوں پر دسترس حاصل ہے اگر یہ کہا جائے کہ ڈاکٹر صاحب ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ زیر نظر باب جس کا عنوان ''ڈاکٹر مسعود احمد ایک صاحبِ طرز انشاء پرداز کی حیثیت سے'' ہم نے اس عنوان کے تحت ان کی انشاء پردازی کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے ویسے تو اردو ادب کے مختلف اسلوب ہیں لیکن ہم نے اس باب میں ان کی مضمون نگاری، انشائیہ نگاری، سوانح نگاری، انشاء پردازی، مرقع نگاری، جائزہ نگاری، مقدمہ نگاری وغیرہ کا ہی جائزہ لیا ہے[۱] جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے لیکن پہلے کچھ اردو زبان و ادب کے بارے میں اردو زبان ایک ایسی زبان ہے جو دنیا کے اکثر ملکوں اور خطوں میں لکھی، پڑھی اور بولی جاتی ہے وہ لوگ جن کی زبان اردو نہیں ہے وہ بھی اس کی شیرینی سے لطف اندوز ہوتے ہیں-

اردو کی تاریخ-اردو زبان عربی، فارسی، سنسکرت کے میل سے پیدا ہوئی بعد میں دنیا کی بہت سی زبانوں کے الفاظ اس میں شامل ہوگئے صاحب فرہنگ آصفیہ نے اس کو محبت کی زبان قرار دیا ہے---- یہاں پر میں ڈاکٹر مسعود احمد کے حوالے سے اردو کی تاریخ پیش کر دینا مناسب ہی نہیں بلکہ ضروری سمجھتا ہوں گرچہ یہ بات عنوان سے الگ ہے لیکن اردو سے متعلق ہے اور افادیت سے پر ہے اور ایک نئی تحقیق بھی ہے ڈاکٹر صاحب نے اردو ادب کی خدمت کرتے ہوئے اردو کی تاریخ مرتب کی ہے جو مقالے کی شکل میں ''نوائے ادب'' ممبئی کے شمارہ جولائی و اکتوبر ۱۹۶۶ء میں شائع ہو چکی ہے جس کا عنوان ہے ''اردو زبان کے مختلف نام اور ان کی تاریخ'' ان مقالوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ زبانوں کی تاریخ پر بھی ڈاکٹر مسعود احمد کی اچھی نگاہ ہے---- خصوصاً اردو زبان کا عہد بعہد تاریخی جائزہ انھوں نے بڑی دقت نظر سے لیا ہے مثال کے طور پر عبارت ذیل ملاحظہ ہو-

اس زبان (ہندی) کی قدامت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ قرآن عظیم میں

۱۔ مقالہ ہذا کی تکمیل کے بعد ڈاکٹر مسعود احمد کا ایک سفر نامہ بھی شائع ہوا ہے۔ عنوان ہے ''سفر نامۂ مثنی'' (مطبوعہ لاہور ۱۹۹۸ء)۔ راقم نے اس کے چند اوراق کا عکس اس باب کے آخر میں شامل کیا ہے۔ انجم

اس کے الفاظ ملتے ہیں مفسرین کرام نے قرآنی لفظیات (Etymslogy) کا جائزہ لیتے ہوئے (ہندی) الفاظ کی نشاندہی کی ہے چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ (۸۴۹ھ / ۹۱۱ھ) آیۂ کریمہ "طوبٰی لهم و حسن مآب" کے تحت تحریر فرماتے ہیں- اخرج ابن جرير ابوالشيخ من سعيد بن مسجوع قال طوبٰی اسم الجنة بالهندية (ترجمہ- ابن جریر نے سعید بن مسجوع سے روایت کی ہے کہ "طوبٰی" ہندی زبان میں جنت کو کہتے ہیں) اس طرح آیت کریمہ "سندس خضر" کی تفسیر میں صاحب کتاب برہان سے نقل فرماتے ہیں "السندس رقیق الدیباج بالهندیه" (ترجمہ --- سندس ہندی زبان میں ایک قسم کا مہین ریشمی کپڑا ہے)- ایک مقام پر آیت کریمہ "یاارض ابلعی ماء ك" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں اخرج ابوالشيخ عن جعفر بن محمد عن ابيه رضى الله تعالىٰ عنهمافى قول تعالىٰ يا ارض ابلعي ماء ك اشربى بلغة الهنديه- ان مثالوں سے ایک طرف تو ہندی زبان کے عربی زبان پر اثرات کا پتہ چلتا ہے اور دوسری طرف قبل اسلام عرب و ہند کے تعلقات پر روشنی پڑتی ہے-"[۱]

ڈاکٹر مسعود احمد ایک مقام پر اردو کے مختلف ناموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں-

"بہر کیف پیش نظر مقالے میں یہ بتانا مقصود ہے کہ مختلف ادوار میں اردو زبان کو کن کن ناموں سے پکارا جاتا رہا ہے سب سے پہلے ہم اس کے تین ناموں کا ذکر کریں گے یعنی ہندیہ- ہندوی اور ہندی ----- ابو عثمان عمر بن بحرین محبوب جاحظ بصری (۲۵۵ھ / ۸۶۴ء) نے خط ہندی کا ذکر کیا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے-

تیسری صدی ہجری :- اما الهند فوجد ناهم يقدمون فى النجوم والحساب ولهم الخط الهندى خاصة- (ترجمہ :- ہندوستان کے باشندوں کو ہم نے نجوم (جوتش) اور حساب میں بہت آگے پایا ہے- ان کا ایک خاص ہندی خط ہے)-

پھر اس خط ہندی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے ولهم خط جامع الحروف اللغات و خطو ط ايضاً كثرة ولهم شعر كثير و خطب طوال-

ترجمہ : ان کا ایک خاص خط ہے جو لغات کے تمام حروف کا جامع ہے اس کے علاوہ مختلف قسم کے خط ہیں ان کی شاعری اور تقریروں کا کافی ذخیرہ ہے[۲]-

---

۱- نوائے ادب، ممبئی، جولائی ۱۹۶۶ء، ص ۶۵

۱- نوائے ادب، ممبئی، جولائی ۱۹۶۶ء، ص ۶۵

چوتھی صدی ہجری :- چوتھی صدی ہجری میں ابن ندیم بغدادی فارسی نے تراجم کا ذکر کرتے ہوئے ہندی زبان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے۔

> **نقل من الهندی انی الفارسی**- ترجمہ : ہندی سے فارسی میں نقل لیا گیا---- یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ان عرب اور ایرانی سیاحوں نے "ہندی" کو سنسکرت کے لئے استعمال نہیں کیا- بلکہ ایک مستقل زندہ زبان کی حیثیت سے اس کا ذکر کیا ہے[۱]۔

پانچویں صدی ہجری :- پانچویں صدی ہجری کے سیاح ابوریحان البیرونی (۴۰۸ھ / ۴۲۰۹ھ) نے بھی ہندوپاک کی عام زبان کو "ہندیہ" کہہ کر پکارا ہے اور اس زبان کے کچھ لفظ بھی دیئے ہیں جس کے متعلق ڈاکٹر مسعود حسین لکھتے ہیں۔

> ہندوستانی زبان کے جو الفاظ بیرونی کی تحریروں کے ذریعہ ہم تک پہنچتے ہیں وہ سنسکرت کے نہیں بلکہ اس عام بول چال کی زبان کے الفاظ ہیں جو اس زمانے میں مغربی پنجاب سے لے کر ملتان اور سندھ تک رائج تھی۔
>
> ڈاکٹر مسعود حسین نے بیرونی کی کتاب "الصیدنه" سے جو الفاظ نقل کئے ہیں ان میں سے بیشتر اس وقت بھی اردو میں بولے جاتے ہیں مثلاً یہ الفاظ آملہ، پودنہ، دیوار، چاء، مرچ، لونگ، کیوڑہ، جیرہ (زیرہ) وغیرہ[۲]۔

چھٹی صدی ہجری :- چھٹی صدی ہجری میں خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ (۵۳۷ھ / ۱۱۴۲ء) (۶۳۳ھ / ۱۲۳۵ء) پرتھوی راج کے زمانے میں اجمیر شریف تشریف لائے خواجہ موصوف کے متعلق ملک محمد جائسی کی نظم "کھرونی" کا شارح لکھتا ہے۔

> **"گمان نه کنند که هیچ اولیاء الله بزبان هندی تکلم نه کرده زیراکه اول ازجمیع اولیاء الله قطب الاقطاب خواجه بزرك معین الحق و الملة والدین قدس الله سره بدیں زبان سخن فرموده"[۳]۔**

۱- نوائے ادب، ممبئی، جولائی ۱۹۶۶ء، ص ۲۷

۲- نوائے ادب، ممبئی، جولائی ۱۹۶۶ء، ص ۲۷

۳- نوائے ادب، ممبئی، جولائی ۱۹۶۶ء، ص ۴۷

ساتویں صدی ہجری :- ساتویں صدی ہجری میں قاضی سراج منہاج جو ۶۲۴ھ میں ہندوستان تشریف لائے---- خلیج فارس اور بحر ہند کے ذکر میں لکھتے ہیں---- "آب بحمتی گویند چوں بدریائے ہندوستان در آید اور ابہ بلغت ہندوی سمندر گویند" اس صدی کے مشہور بزرگ بابا فرید شکر گنج (۵۸۲ھ / ۱۱۸۶ء ۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء) کے متعلق سید مبارک میر خورد نے لکھا ہے--- شیخ شیوخ العالم قدس اللہ سرہ العزیز فرمودہ بزبان ہندی "پونوں کا چاند بھی بالا ہے"

مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر کلیری (۶۶۴ھ ۱۲۶۵ء) کے متعلق سیر الاقطاب ۱۰۵۶ھ ۱۶۴۶ء میں لکھا ہے- فارسی میں احمد اور ہندی میں صابر تخلص کرتے تھے موصوف کا یہ ہندی شعر کتنا صاف ہے-

اس طرح اس میں ڈوب اے صابر
کہ بجز ہو کے غیر ہو نہ رہے

آٹھویں صدی ہجری :- خلجی بادشاہوں کے عہد میں امیر خسرو نے ہندی زبان میں کمال پیدا کیا اور اس زبان میں بہت سی پہیلیاں اور مکریاں کہیں بلکہ خاص فارسی میں بھی ہندی کی چاشنی دی یعنی کچھ غزلیں اس صنعت کے ساتھ کہیں کہ بعض بیتوں میں ایک مصرع فارسی ہے اور ایک مصرع ہندی اور بعض مصرعوں میں آدھے الفاظ فارسی ہیں اور آدھے ہندی- حضرت امیر خسرو (۷۲۵ھ) نے خود اپنے فارسی کلام میں ہندی آمیزش کا اس طرح ذکر فرمایا ہے---- جزوے چند نظم ہندوی نیز نثر دوستاں کردہ شدہ است ایں جاہم بدیگرے بس کردم و نظرے بر نداشت کہ لفظ ہندوی دریارسی لطیف آوردن چنداں لطف دارد مگر بضرورت آں جا کہ ضرورت بودہ است آوردہ شد"[1]

نویں صدی ہجری :- نویں صدی ہجری میں شیخ احمد عبدالحق ردولوی (۸۳۷ھ) گزرے ہیں موصوف نے بھی زبان ہندی کا ذکر کیا ہے ایک بزرگ خاتون کی شفقتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں---- ایں فقیر را بہ لطف فرمودند بزبان "ہندی" پیٹا احمد آب گرم موجود است نہ باید کہ از آب سرد وضو کن-

اس صدی میں شمس العشاق شاہ میراں جی (م ۹۰۲ھ / ۱۴۹۶ء) اپنی کتاب شہادۃ

۱- نوائے ادب، بمبئی، جولائی ۱۹۶۶ء، ص ۵۷

الحقیق میں فرماتے ہیں۔

ہیں عربی بول کیرے، اور فارسی بہتیرے
یہ ہندی بولوں سب، اس ارتوں کے سبب
یہ بھاکا بھلبھوں بولی، پن اس کا بھاوت کھولی

اس صدی کے کبیر داس (م ۹۲۴ھ / ۱۵۱۸ء) اور گرونانک (۹۴۵ھ / ۱۵۳۸ء) کے پاس بھی عربی اور فارسی آمیز "ہندی" ملتی ہے[۱]۔

دسویں صدی ہجری: دسویں صدی ہجری میں شاہ محمد غوث گوالیاری (م ۹۷۰ھ) اپنی مشہور تصنیف جواہر خمسہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

> بندگی حضرت قطب الاقطاب حضرت شیخ فرید الدین شکر گنج قدس اللہ سرہ ذکر بزبان "ہند" وضع فرمودند۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام نے عربی سے ناآشنا ہندیوں کے لئے اوراد و ظائف بھی ہندی زبان میں وضع کئے تھے۔ اس صدی میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی (م ۹۴۵ھ / ۱۵۳۵ء) گزرے ہیں۔ موصوف "ہندی" کے اچھے شاعر تھے الکھ داس تخلص فرماتے تھے۔

محمد قاسم ہندو شاہ (فرشتہ) جو ابراہیم عادل شاہ ۹۸۸ھ / ۱۰۴۰ھ کا معاصر تھا اس کے حال میں لکھتا ہے۔

> فارسی خواں گردید و بوعے فارسی راخوب می گفت کہ تابہ "ہندوستانی" متکلم نمی شدہ۔ یہاں اس ہندی کو "ہندوستانی" سے تعبیر کیا گیا ہے[۲]۔

گیارہویں صدی ہجری: گیارہویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ خواجہ محمد معصوم اللہ علیہ (م ۱۰۷۹ھ / ۱۶۶۰ء) اپنے برادر بزرگ خواجہ محمد سعید (م ۱۰۷۰ھ / ۱۶۶۸ء) کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔ حالت سوختہ مشتاقاں را ایں مصراع "ہندی" بیاں می نماید۔
"چونے کی سی کانکری جب چھڑکوں تب آگ۔"

۱۔ نوائے ادب، مئی، جولائی ۱۹۶۶ء، ص ۷۹-۸۰

۲۔ نوائے ادب، مئی، جولائی ۱۹۶۶ء، ص ۸۰

اس صدی میں چندر بھان برہمن (۹۸۲ھ / ۱۰۷۳ھ) بھی ہوا ہے اس کی ہندی غزل اردو شاعری کے اولین نمونوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کی غزل کا مطلع کتنا صاف ہے۔

خدا جانے یہ کس شہر اندر ہمن کو لا کے ڈالا ہے
نہ دلبر ہے نہ ساقی ہے نہ شیشہ ہے نہ پیالا ہے[1]

بارہویں صدی ہجری: بارہویں صدی ہجری میں مراد اللہ انصاری سنبھلی نے پارۂ عم کی تفسیر "تفسیر مرادی" کے نام سے لکھی جس کا تاریخی نام "خدائی نعمت" (۸۵-۱۱۸۴ھ) ہے اس تفسیر کے خاتمے پر موصوف لکھتے ہیں۔ "حمد اور شکر کا سجدہ لائق ہے، سزاوار ہے، پاک پروردگار کے تئیں جس نے اپنے فضل و کرم سے عم کے سیپارے کی تفسیر "ہندی" زبان میں تمام کروادی۔"

اس صدی میں مولانا افضل جھنجھانوی (م ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۵ء) بھی ہیں موصوف نے زبان ہندی اور فارسی کو ملا کر امیر خسرو کی طرح تجربہ کیا تھا چنانچہ میر حسن لکھتے ہیں:۔

حسب حال خود بارہ ماسہ عرف بکٹ کہانی گفتہ کہ اکثر کھتریاں و کایناں مشتاق او می باشند نصفے "فارسی" و نصفے "ہندی" دارد لیکن قبولیت داد الٰہی است بر دلہا اثر می کند۔ موصوف کا ایک شعر ہے۔

مسافر سے جنھوں نے دل لگایا
انھوں نے سب جنم روتے گنوایا[2]

تیرہویں صدی ہجری: بارہویں اور تیرہوین صدی ہجری کے اردو شعراء کے تذکرہ نویسوں نے بھی اردو کو زبان "ہندی" سے تعبیر کیا ہے چنانچہ میری حسن (م ۱۲۰۱ھ) تذکرہ شعرائے اردو کے مقدمے میں لکھتے ہیں۔ اما بعد ایں پروردۂ آغوش رنج و محن...... میر غلام حسین را تمنائے آں باشد کہ تذکرۂ سخن آفریناں "ہندی زبان" را کہ چمن چمن گلہائے رنگین معانی...... در گریباں دیوانہار یختہ اند"

اسی طرح علی ابراہیم خان خلیل "تذکرہ گلزار ابراہیم میں" شاہ ولی اللہ اشتیاق کے حالات کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ کمتر شعر فارسی و بیشتر "ہندی" می گفت ۳۔

۱- نوائے ادب، بمبئی، جولائی ۱۹۶۶ء، ص ۵
۲- نوائے ادب، بمبئی، جولائی ۱۹۶۶ء، ص ۶
۳- نوائے ادب، بمبئی، جولائی ۱۹۶۶ء، ص ۸-۹

چودہویں صدی ہجری : موجودہ صدی یعنی چودہویں صدی ہجری میں بھی اردو کو "ہندی" کہا جاتا رہا ہے راقم کے پاس عربی خطبات کا ایک مجموعہ ہے جو ۱۳۰۸ھ / ۱۹۰۱ء میں مطبع محمدی (بمبئی) میں چھپا تھا بین السطور میں اردو ترجمہ بھی دیا ہوا ہے لیکن سرورق پر اردو کو "ہندی" سے تعبیر کیا ہے اور لکھا ہے۔

مجموعۂ خطبات مترجم بزبان "ہندی" - اقبال (م ۱۹۳۸ء) نے اپنے ایک شعر میں اردو کو "ہندی" کہا ہے، کہتے ہیں۔

گرچہ ہندی در عزوبت شکر است
طرز گفتار دری شیریں تر است

غیر ملکی بھی اردو کو ہندی سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ ایران کے فاضل مجتبٰی مینوی نے جہاں اقبال کی تصانیف کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے۔ "ولابد چند برابر بر آں ہم کتب بہ ہندی تالیف شدہ است ۲"

ڈاکٹر صاحب نے صدی بصدی اردو کی تاریخ بیان کرتے ہوئے مختلف دلائل اور بہت سے تاریخی آثار شواہد کا ذکر کیا ہے جو قابلِ مطالعہ ہے طوالت سے بچنے کے لئے میں نے صرف جائزہ کے طور پر کچھ ضروری چیزیں بیان کی ہیں آگے باقی ناموں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب اسی مقالے میں لکھتے ہیں۔

دہلوی : بعض محققین کا خیال ہے کہ "اردو" کو "دہلوی" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ (م ۷۲۵ھ) نے اپنی مثنوی نُہہ سپہر (۷۱۸ھ) میں ہندوستان کی صوبائی زبانوں میں "دہلوی" کا بھی ذکر کیا ہے۔

ہندوستانی : انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا میں لکھا ہے کہ یورپی لوگوں نے ہندوستانی نام دیا ہے چنانچہ اس میں لکھا ہے۔

Hindustani Language...... The name given by Europeans to an Indo Aryan dialect............ which owing to Political causes has become great the Lingua Franca of Modern India..........

اسی طرح دکن کے مشہور مصنف ملا وجہی نے اپنی کتاب "سب رس" (۱۰۴۵ھ) میں اردو کو ہندوستانی سے تعبیر کیا ہے اور عنوان قائم کیا ہے۔

آغازِ داستان زباں "ہندوستانی"[۱]

ریختہ : — ابتداء میں اس خاص "ہندی" کو جس میں فارسی و عربی الفاظ کی آمیزش نسبتاً زیادہ ہوتی تھی اور جو شاعری کے لئے مخصوص تھی اس کو "ریختہ" کہا جاتا تھا گویا شستہ اردو کا نام "ریختہ" تھا---- امیر خسرو اور عبدالرحیم خان خاناں نے لفظ ریختہ کو فن موسیقی کی ایک اصطلاح کے بطور استعمال کیا ہے----- میر فتح علی گردیزی نے اردو کو تین ناموں سے یاد کیا ہے-۱- زبان اردوئے معلٰی-۲-ہندی-۳-زبان ریختہ

جہانگیر سے بہت پہلے اکبر کے عہد میں شیخ مخدوم سعدی کاکوروی (م ۱۰۰۲ھ / ۱۵۹۳ء) نے غزل کی زبان کو ریختہ کہا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں-

"سعدی کہ گفتہ ریختہ در ریختہ در ریختہ"[۲]

مورس : — اردو زبان کو مغربی مصنّفین نے مورس (Moors) بھی لکھا ہے جس کے معنی ہیں (مسلمانوں کی زبان) مشہور مستشرق لبروک جب ہندوستان پہنچا تو اس نے ایک خط میں اپنے والد کو لکھا-

آپ فرماتے ہیں کہ میں یہاں کی زبانوں کو سیکھنے میں کوشش کروں میرا بھی یہی خیال ہے لیکن اس بات کا اندیشہ نہیں کہ مجھے ان کی تحصیل میں غیر معمولی محنت کرنی پڑے گی ان میں سے ایک "مورس" بے حد ضروری ہے لیکن وہ لکھی نہیں جاتی اس لئے اس پر پوری توجہ درکار نہیں-"

معلوم ہوتا ہے کہ یہ مستشرق اس زمانے میں آیا ہے جبکہ اردو نثر کا عام چرچا نہ تھا اور فارسی نگاری کی طرف عام رجحان نہ تھا جس طرح لبروک نے اردو کو "مورس" لکھا ہے اسی طرح "برج بھاشا" کو عبدالحمید لاہوری نے "زبان ہنود" لکھا ہے[۳]-

---

۱- نوائے ادب، ممبئی اکتوبر ۱۹۶۶ء، ص ۱۲-۱۳ ۲- نوائے ادب، ممبئی اکتوبر ۱۹۶۶ء، ص ۱۴

۳- نوائے ادب، ممبئی اکتوبر ۱۹۶۶ء، ص ۱۷

زبان اردوئے معلیٰ :- دہلی کا لال قلعہ بقول محمد صالح کنبو ۱۰۵۸ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا اور سنہ مذکور میں چوبیس ربیع الاول کو شاہ جہاں بادشاہ اس میں داخل ہوا اس قلعہ کے مغربی جانب ایک مسقف بازار بنایا تھا جس کا آنکھوں دیکھا حال محمد صالح نے اس طرح بیان کیا ہے - از جانب غرب تا دروازۂ قلعہ بازار مسقف دو طبقہ بنہایت زیبائی ---- کہ مردم ہندوستان اصلاً نہ دیدہ بودند اختراع تازہ است کہ بیمن توجہ و عمارت گرمی یگانہ خدیو لغت کشور بروئے کار آمدہ جس بازار کا محمد صالح کنبو یہ نقشہ پیش کیا ہے اس کو شاہی قلعہ سے تعلق کی وجہ سے "اردوئے معلیٰ" کہا کرتے تھے چنانچہ صاحب ظہر الانشاء نے لکھا ہے چوں بازار را در ترکی و فارسی اردو گویند ضرورت استعمال ایں زبان مرکب وجہ تسمیہ در بازار باضرور ترشد خصوصاً در بازار خاص بادشاہی کہ بہ تعظیم تام بازار خاص "اردوئے معلیٰ" بود لہٰذا نامزد تازہ مرکب اردوئے معلیٰ قرار یافت[1]-

کھڑی بولی :- اردو زبان کو کھڑی بولی بھی کہا جاتا ہے اس نام کے متعلق ڈاکٹر شوکت سبزواری کا خیال ہے کہ ---- اس زبان کا نام "کھڑی" ہندی ادیبوں کا دیا ہوا ہے پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی نے سبزواری سے بہت پہلے اس طرف اشارہ کیا تھا انھوں نے لکھا تھا-

اردو کا ہندی مصنفین نے کھڑی بولی نام رکھا ہے دوسری بولیاں اس کے مقابلے میں پڑی کہلائیں (ملخصاً) موصوف ایک جگہ اس دائرہ عمل پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں ---- کھڑی بولی کا میدان میرٹھ اور اس کے گرد اگرد کا وسیع علاقہ بتایا گیا ہے اور اس بولی کا پہلا شاعر امیر خسرو کو مانا ہے ..... یہ بولی شورسینی پراکرت کی ایک اپ بھرنش بھاشا تھی اس کے بعد کو ہندی بنی ---- ایک جگہ اور لکھتے ہیں -

"اردو ہندوستان یا کھڑی قدیم ویدک بولیوں میں سے ایک بولی ہے جو ترقی کرتے کرتے پایوں کہیئے کہ ادلتے بدلتے پاس پڑوس کی بولیوں کو کچھ دیتے اور ان سے

۱- نوائے ادب، ممبئی، ۱۹۶۶ء، ص ۱۷-۱۸

لیتے اس حالت کو پہنچی جس میں آج ہم اسے دیکھتے ہیں قیاس کیا جاتا ہے کہ میرٹھ
اور اس کے نواح میں بولی جاتی تھی[1]-

ڈاکٹر صاحب نے اردو کے ناموں سے متعلق یہ پہلی مرتبہ اتنی مفصل تحقیق پیش کی ہے
موصوف نے اپنی بات کو مدلل اور معتبر بنانے کے لئے علمائے لسانیات کی تحریروں سے کافی حوالے
بھی دیئے ہیں آخر میں انھوں نے ''ہندی اردو کا جھگڑا'' عنوان دے کر قارئین کو یہ تاثر دینے کی
کوشش کی ہے کہ یہ لفظی نزاع ہے در حقیقت ''اردو''، ''ہندی'' ایک ہی شئی کے دو نام ہیں-
ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :-

ہندی اردو کا جھگڑا :- اردو کے مختلف ناموں کے سلسلے میں اوپر جو
مفصل جائزہ لیا گیا اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اردو کے ناموں میں
''ہندی'' نام ابتداء سے اب تک موجود ہے متاخرین نے بھی اردو کو ہندی ہی
کہا ہے پھر نہ معلوم ہندی اردو کا جھگڑا کیوں پیدا ہوا جب یہ دونوں ایک
حقیقت کے دو نام ہیں-

اس اختلاف کا خلاصہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب رقمطراز ہیں-

بات یہ ہے کہ مختلف شخصی، سیاسی، مذہبی اور جغرافیائی عوامل کے تحت اردو میں
ایک طبقے کی طرف سے عربی و فارسی کی آمیزش کا سلسلہ جاری رہا اور دوسرے
طبقے کی طرف سے سنسکرت الفاظ کی آمیزش کا سلسلہ جاری رہا اس طرح اصل
اردو کے دو روپ ہو گئے اول الذکر کا نام اردو رکھا گیا اور ثانی الذکر کو ہندی کہا گیا-
یہ تقسیم بالکل جدید ہے قدامت سے اس کا کوئی تعلق نہیں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا
میں اردو کی وضاحت اس طرح کی ہے-

---- The Name of the variety of Hindostani which borrows a great part of its vocabulary from Persian and Arabic, as constransted with "Hindi" the uariety wich eschews such words, but borrows from Sanskrit instead. It is spoken by Moslems and those Hindus who Have come under Muslem Influance and has a considerable literaure.

۱- نوائے ادب بمبئی شمارہ اکتوبر ۱۹۶۶ء، ص ۲۵

گویا مقالہ نگار نے اصل اردو کو ہندوستانی سے تعبیر کیا ہے پھر اس کی تقسیم کردی
اگر ہندوستانی میں عربی و فارسی کے الفاظ زیادہ ہوں گے تو وہ اردو کہلائے گی اور
سنسکرت الفاظ زیادہ ہوں گے تو وہ ہندی کہلائے گی ا۔

مجھے اس بات کا احساس ہے اقتباس کافی طویل ہو گیا ہے لیکن موضوع کی گرانمایگی کے پیش نظر اس کا نقل کرنا ناگزیر تھا اس مقالے میں بعض ایسے مسائل زیر بحث آگئے ہیں جو عام نگاہوں سے اب تک اوجھل تھے۔

ڈاکٹر مسعود احمد کی انشا پردازانہ خصوصیات پر کچھ لکھنے سے پہلے پس منظر کے طور پر اردو نثر کے چند اہم معماروں اور خدمت گزاروں کا مختصر تعارف کرا دینا مناسب سمجھتا ہوں اس سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ جب ڈاکٹر مسعود احمد نے حیثیت انشا پردازانہ اردو نثر کے میدان میں قدم رکھا اس وقت کیا صورتحال تھی۔ یہ تو مسلم ہے کہ اردو نثر کو اولی حیثیت پندرھویں صدی عیسوی سے حاصل ہوئی اردو نثر کی ابتدائی تصانیف شیخ عین الدین "گنج العلم" کے رسالے سب سے قدیم مانے جاتے ہیں مگر اردو کی سب سے پہلی تصنیف "معراج العاشقین" ہے جو حضرت سید مخدوم حسینی سے منسوب ہے یہ ایک مذہبی رسالہ ہے---- معراج العاشقین کی زبان سادہ ہے مگر ہندی اور عربی کے الفاظ کی آمیزش اور دکنی الفاظ زیادہ ہیں جس کے سبب کہیں کہیں اس میں مشکل پسندی اور اس کے مطلب گہرے ہو جاتے ہیں۔

خواجہ صاحب کے نواسے سید محمد عبداللہ حسینی کا نام بھی اسی عہد کے نثر نگاروں میں آتا ہے ان کے قلم سے متعدد تصانیف شہرت حاصل کر چکی ہیں۔ سولھویں صدی و سترھویں صدی عیسوی میں دکنی اردو کے بعض اچھے نمونے ملتے ہیں---- بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد دکن میں جو پانچ ریاستیں قائم ہوئیں ان کے ذریعہ اردو نظم و نثر کو بہت ترقی ہوئی زبان و ادب کی طرف رجحان پیدا ہوا اس دور میں ملا وجہی خاص اہمیت رکھتے ہیں ان کی تصنیف "سب رس" میں اردو نثر کی جملہ خصوصیات موجود ہیں "سب رس" کا قصہ نہایت دلکش و دلفریب ہے، زبان نہایت شستہ و موزوں ہے عبارت مسجع اور مقفی ہے اس میں سماج اور ماحول کی عکاسی ملتی ہے......

پندرہویں صدی میں "طوطی نامہ" مرتب ہوا "سب رس" کے بعد "اسرار توحید" کو خاص شہرت حاصل ہے جس کی زبان قدرے سلیس اور صاف ہے یہ معرفت اور تصوف کے موضوع پر ایک عمدہ رسالہ ہے ۱۸۷۵ء میں سید حسین خاں نے "نو طرز مرصع" تصنیف کی۔ یہ اولی تصنیف

ا۔ نوائے ادب، بمبئی، شمارہ اکتوبر ۱۹۶۶ء، ص ۲۵

ہے جو فارسی کے قصہ چہار درویش پر لکھی گئی ہے۔ سودا نے میر کی مثنوی کو نثر میں لکھا۔ مگر دستیاب نہیں ہے اسی زمانے میں دینیات کی بہت سی کتب کے ترجمے اردو میں ہوئے ۱۔

انیسویں صدی کے وسط میں خطوط غالب نے اردو نثر میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ نذیر احمد نے اردو ناول نگاری کی داغ بیل ڈالی، آزاد نے تذکرہ، حالی نے تنقید و سوانح نگاری، شبلی نے تاریخ و فلسفہ کو سنبھالا، سرشار اور شرر کے تاریخی ناول ادب میں خاص اہمیت رکھتے ہیں عبدالحلیم شرر تاریخی ناول، ذکاء اللہ کی مختلف موضوعات پر تصانیف نے اردو نثر کو زندگی بخشی اور تیز رفتاری سے اردو نثر کی اہمیت و مقبولیت میں اضافہ ہوتا رہا۔

بیسویں صدی کے آغاز میں مرزا رسوا، راشد الخیری، حسن نظامی، ابوالکلام آزاد، چکبست، پریم چند، عبدالماجد دریا آبادی، نیاز فتحپوری، فرحت اللہ بیگ، پطرس بخاری، ڈاکٹر محمد سید عبداللہ حسینی، شوکت تھانوی، فراق گورکھپوری ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ڈاکٹر عابد حسین، ڈاکٹر اعجاز حسین، علی عباس حسینی وغیرہ اردو ادب کی تاریخ میں ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں اس دور میں مختلف نثری اصناف نے خوب خوب ترقی کی ۱۹۳۶ء میں اردو میں ترقی پسند تحریک کی بنیاد پڑی۔ اس کی پہلی کانفرنس لکھنؤ میں ہوئی جس کی صدارت پریم چند نے کی۔ سید سجاد ظہیر اس تحریک کے روح رواں تھے۔ اردو کے تمام بزرگان ادب نے بھی اس تحریک کو اردو ادب کے لئے نیک فال قرار دیا چنانچہ اس تحریک نے اردو ادب پر ہمہ گیر اثر ڈالا اور تقریباً ہر شعبہ ادب میں صحت مند انقلاب برپا کیا۔

مجنوں گورکھپوری، احتشام حسین، آل احمد سرور، کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، اپندر ناتھ اشک، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، کنہیا لال کپور، وقار عظیم، خواجہ احمد عباس، احمد ندیم قاسمی وغیرہ کا شمار اس تحریک کے معماروں اور علم برداروں میں ہوتا ہے ان ادیبوں نے ترقی پسند ادب کی تعمیر و تشکیل میں جو نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں انہیں تاریخ ادب اردو نے اپنے سینے میں محفوظ کر لیا ہے ان ادیبوں کے بعد جو نئی نسل سامنے آئی ان میں ایک اہم اور مشہور نام ڈاکٹر مسعود احمد کا بھی ہے، جو تقریباً چھیالیس، سینتالیس سال سے مذہب، تصوف، اخلاق، تعلیم، سوانح، تاریخ، تنقید، سیاست، فلسفہ اور شعر و ادب وغیرہ موضوعات پر نثر اردو کو نئی نئی جہتوں اور سمتوں سے آشنا کراتے ہوئے اپنے قلم کا جوہر دکھانے میں مصروف ہیں---ڈاکٹر مسعود احمد کی نثری خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے ان کی نگارشات پر نظر ڈالنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم نگار خانہ نثر کی سیر کر رہے ہیں---ڈاکٹر صاحب نے اردو ادب کے تمام اصناف پر قلم اٹھایا ہے ان کا اسلوب نفس مضمون کے

۱۔ مضر راہ کرنٹ اردو یہ ص ۱۹ از خوشحال زیدی

اعتبار سے بھی اور موقع محل کی مناسبت سے بھی تبدیل ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کے باوجود ان کے تمام اسالیب میں ایک قدرے مشترک باقی رہتی ہے اور وہ Readability جسے ہم حسن تحریر اور لطف مطالعہ کی کیفیت بھی کہہ سکتے ہیں یعنی دل کشی - یوں تو ڈاکٹر صاحب کے ہر رنگ پر رنگ مذہب غالب ہے اور در حقیقت یہی فطری حسن اور سچائی کا رنگ ہے جس نے مسعود احمد کی تحریروں میں مولویانہ خشکی کے بجائے حقیقت پسندانہ طراوت اور جمالیاتی رنگ ہر سمت پھیلا ہوا ہے -

زیر نظر باب میں ڈاکٹر مسعود احمد کے مقالات و مضامین اور کتب و رسائل وغیرہ کے حوالے سے ان کی نثر نگاری کا جائزہ لیا جا رہا ہے -

ڈاکٹر مسعود احمد نے مقالات و مضامین، تقدیمات و تقریظات بھی رقم کئے ہیں اور یہ تحریریں مختلف موضوعات سے متعلق ہیں یعنی ڈاکٹر صاحب کے مقالات و مضامین مذہبی، ادبی، علمی، تحقیقی سب ہی رنگ کے ہیں - یکتا دہلوی، غمگین دہلوی، غالب، جگر، ولی، خواجہ خورد، امام احمد رضا، اقبال وغیرہ کی شاعری اور ان کے افکار و نظریات پر بھی انھوں نے قلم اٹھایا ہے اور اردو زبان و ادب کی تاریخ، فارسی کے اردو پر اثرات، اردو کی ترقی پر تقسیم ہند کے اثرات اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل و فضائل اور سیرت نیز صحابہ، اولیاء، صوفیاء، علماء، شعراء وغیرہ کی سوانح نگاری کا فریضہ بھی انجام دیا ہے ---- سوانح حیات میں حضرت مجدد الف ثانی، امام احمد رضا فاضل بریلوی، مفتی اعظم مظہر اللہ دہلوی، شاہ محمد غوث گوالیاری، علامہ عبدالعلیم میرٹھی وغیرہ کی سیرت اور کارناموں پر خصوصیات کے ساتھ علم و قلم کا زور دکھایا ہے -

مقالات کا اندازِ تحریر : - ڈاکٹر مسعود احمد کا کوئی بھی مقالہ چاہے وہ کسی بھی موضوع پر ہو اس میں مندرجہ ذیل خصوصیات نظر آتی ہیں -

حسن ترتیب و سلیقہ مندی، وضاحت، استدلال، فراست و متانت، ایجاز و بلاغت - ڈاکٹر صاحب بہت ہی پڑھے لکھے اور عالم و فاضل شخص ہیں لیکن ان کا انداز بیان ان علماء و محققین سے جداگانہ ہے جو اپنی تحریروں میں اپنے علم کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں، علم ان کے یہاں آکر تحلیل ہو جاتا ہے اور ان کے اسلوب اور انداز بیان کا جزو بن کر نمودار ہوتا ہے - گہرے علمی اور تحقیقی مسائل کے بیان میں بھی ان کی تحریر کی دلکشی برقرار رہتی ہے جو قاری کے دل و دماغ کو متاثر کرتی چلی جاتی ہے ----

---

ا - مولانا احمد رضا خان بریلوی پر لکھی جانے والی کتابوں پر جو ڈاکٹر صاحب نے تقریظات اور مقدمے لکھے ہیں وہ "آئینہ رضویات" کے نام سے تین جلدوں میں کراچی سے شائع ہو چکے ہیں - چوتھی جلد بھی محمد عبدالستار طاہر صاحب مرتب کر رہے ہیں - [illegible]

مدیر سہ ماہی "الکوثر" (سہسرام) لکھتے ہیں :-

"ڈاکٹر محمد مسعود احمد اپنی اچھوتی نگارش تحریر کی بنیاد پر بین الاقوامی سطح پر ہر طبقۂ خیال میں محبوب قلم کار کی حیثیت سے اپنی پہچان رکھتے ہیں- خالص علمی، تحقیقی مضمون کو ایسا نرالا انداز عطا فرماتے ہیں کہ بس پڑھتے رہیئے-"

(سہسرام- بہار- انڈیا، شمارہ جولائی تا ستمبر ۱۹۹۹ء، ص ۷)

ڈاکٹر صاحب اپنے موضوع کا واضح تصوّر رکھتے ہیں للٰذا ان کی عبارت میں خود بخود سادگی پیدا ہو جاتی ہے ان کے ابلاغ کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے موضوع پر جو کچھ سوچتے ہیں اسے قاری تک اس طرح پہنچا دیتے ہیں کہ اس کے ذہن میں موضوع سے متعلق کوئی الجھاؤ اور اشکال باقی نہیں رہتا---

ڈاکٹر اقبال نے "بال جبریل" کی ایک نظم میں حضرت شیخ احمد سرہندی کو شیخ مجدد کہا ہے ڈاکٹر مسعود احمد نے ڈاکٹر اقبال کے اس خطاب کو تحقیق کی روشنی میں ثابت کیا ہے اور بہت ہی سادہ زبان اور اختصار کے ساتھ لکھتے ہیں-

"اقبال نے اس نظم میں حضرت شیخ احمد سرہندی کو شیخ مجدد کہا ہے غیر متعلق ہوگا اگر یہاں یہ بتا تا چلوں کہ مجدد الف ثانی کا خطاب سرزمین سیالکوٹ کے ایک مایہ ناز عالم علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی[۱] (م ۱۰۶۷ھ / ۱۶۵۶ء) نے دیا تھا سب سے پہلے موصوف نے اپنے ایک مکتوب میں حضرت شیخ احمد سرہندی کو مجدد الف ثانی تحریر فرمایا پھر یہ خطاب دور ونزدیک پھیل گیا اور آج آپ اسی خطاب سے جانے پہچانے جاتے ہیں اور حسن اتفاق کہ اسی سرزمین سے اقبال پیدا ہوا جس نے تعلیمات مجددیہ کو از سر نو زندہ کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ واقعی آپ الف ثانی کے مجدد ہیں[۲]"

ڈاکٹر صاحب نے علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کے مکتوب کے لئے محمد ہاشم کشمی کی کتاب زبدۃ المقامات مطبوعہ کانپور ۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء کا حوالہ بھی دیا ہے- ڈاکٹر صاحب اپنے مقالات اور علمی تصانیف میں حوالہ جات اور دلائل کے انبار لگا دیتے ہیں اور ایک قابل وکیل کی طرح جرح و بحث کرتے ہیں ان کے مقالات ان کے توضیحی اور بیانیہ نثر کے عمدہ نمونے ہوتے ہیں-

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی پر مخالفین نے انگریز نوازی کا بیجا بہتان عائد کر رکھا تھا ڈاکٹر مسعود احمد نے مخالفین کے بے ہودہ و بے بنیاد الزام کو تحقیق کی روشنی میں غلط ہی نہیں ثابت کیا

۱- حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال، ص ۴۰، از ڈاکٹر مسعود احمد

۲- علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی، حضرت مفتی ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ کے اجداد میں تھے-

بلکہ خود مخالفین کو ان کی انگریز نوازی اور فرنگ دوستی کا آئینہ بھی دکھایا ہے ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلے میں ایک مکمل کتاب رقم فرمادی جس کا نام ہے "گناہ بے گناہی" کتاب کا نام خود موضوع کا مفہوم ظاہر کر دیتا ہے - ڈاکٹر صاحب کے خیال کی نزاکت اور ان کی بلاغت کا یہ بھی ایک خوبصورت نمونہ اور انداز ہے اس کتاب میں ڈاکٹر مسعود احمد نے تاریخ اور سیاست کی روشنی میں بحث کی ہے ابتداء اس طرح کرتے ہیں -

"جب کسی قوم سے محبت ہوتی ہے اس کی ہر چیز سے محبت ہوتی ہے اس کے مذہب سے محبت، اس کی معاشرت سے محبت، اس کی حکومت سے محبت، اس کی عدالت سے محبت، اس کی تعلیم سے محبت، اس کے نظام تعلیم سے محبت، اس کی تہذیب و تمدن سے محبت، اس کے افکار و خیالات سے محبت، اس کے پروردوں سے محبت، اس کے مقلدوں سے محبت، اس کے مددگاروں سے محبت، اس کے چاہنے والوں سے محبت، اس کی شکل وصورت سے محبت ---- کہا جاتا ہے کہ امام احمد رضا انگریز کو چاہتے تھے اس سے محبت کرتے تھے اس کے اشاروں پر چلتے تھے مگر شواہد کو کھنگالا گیا اور حقائق کا مشاہدہ کیا گیا تو اس چاہت اور محبت کا دور دور تک پتہ نہ چلا ہاں جس نے الزام لگایا اس کا دامن داغدار نظر آیا اور جس پر الزام لگایا گیا وہ بے داغ نظر آیا یہ وہ مقام ہے جہاں حیرت کو حیرت ہے -"[۱]

اس ابتداء کے بعد ڈاکٹر صاحب امام احمد رضا کے کتب و رسائل اور ان کے طرز عمل سے انگریزوں سے نفرت کو ثابت کرتے ہوئے دیگر مصنفین و مورخین کی کتابوں اور شواہد وغیرہ کے حوالے پر حوالے پیش کرتے چلے جاتے ہیں امام احمد رضا ملکہ وکٹوریہ، ایڈورڈ ہفتم اور جارج پنجم وغیرہ کی تصویروں والے ڈاک ٹکٹ کو لفافے پر ہمیشہ الٹا لگاتے تھے تاکہ سر نیچے رہے اس طرح انگریزوں سے نفرت و بیزاری کا اظہار کرتے تھے اور وہ کبھی انگریزی کورٹ میں نہیں گئے حالانکہ ان پر مقدمے قائم ہوئے -

ڈاکٹر مسعود احمد نے سید الطاف بریلوی، اشتیاق حسین قریشی جیسے مورخین اور کتب و رسائل اور اخبارات وغیرہ کے مستند حوالوں سے امام احمد رضا کو انگریز نوازی کے الزام سے بری کیا ہے اور پھر تاریخی شواہد سے مخالفین کو زلف فرنگ کا اسیر ثابت کر دیا ہے لکھتے ہیں -

---

۱- گناہ بے گناہی، ص ۱۱، از ڈاکٹر محمد مسعود احمد -

امام احمد رضا انگریزی عدالت ہی سے نہیں انگریزی حکومت سے بھی نفرت کرتے تھے وہ تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے زمانے میں گورنمنٹ برطانیہ کو فوجی امداد دینے کے خلاف تھے حالانکہ خود ترک موالات کے بعض لیڈروں نے چند سال قبل ترکوں کے مقابلے میں انگریزوں کی حمایت میں مسلمان فوجی بھیجے تھے۔

امام احمد رضا کو نہ صرف انگریزی حکومت بلکہ انگریز بادشاہوں سے بھی نفرت تھی چنانچہ عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ وہ لفافے پر ٹکٹ بھی الٹا لگایا کرتے تھے [۱]۔

ڈاکٹر مسعود احمد کے مقالات میں زبان وبیان دونوں کا انداز موجود ہے یعنی فصاحت وبلاغت ایجاز و شگفتگی ودلکشی----ابتدا میں جو انھوں نے فضاء بندی کی ہے وہ قابل دید ہے لکھتے ہیں----"جب کسی قوم سے محبت ہوتی ہے-----حیرت کو حیرت ہے" عبارت میں محبت لفظ کی تکرار، معاشرت، حکومت، عدالت وغیرہ لفظوں کا ہم وزن اور آہنگ باقی ہے خطیبانہ انداز ہے مگر گھن گرج سے دور، مدہم مدہم مگر توانا لہجے میں عبارت میں کس قدر روانی اور زور ہے اور کیسا جمالیاتی اظہار ہے موضوع خشک ہو یا تر موضوع کے اعتبار سے اسلوب اختیار کرنے کے باوجود ڈاکٹر مسعود احمد شگفتگی، لطف؛ مطالعہ کی کیفیت اور حسن تحریر کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے شعریت کے باوجود ڈاکٹر صاحب کی نثر ابہام سے پاک ہے اور یہ بہت بڑا وصف ہے ان کے یہاں خیالات کا بہاؤ اس قدر حسین اور نورانیت کا حامل ہے کہ الفاظ کی تراش خراش اور صناعی کے باوجود جوبن امڈ پڑتا ہے اور اسی حسن سادہ پر بانکپن کو قربان کردیا جاتا ہے۔

ایک ادیب ضرورت کے لحاظ سے تاریخ سے استفادہ کرتا ہے لیکن اس کا طریقہ کار مؤرخ سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ صرف واقعات کے بیان پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ ماضی کے واقعات کا جائزہ اسباب ونتائج کی روشنی میں بھی لیتا ہے ایک ماہر انشاء پرداز اس دشواری پر بڑی خوبی سے قابو پالیتا ہے، ڈاکٹر مسعود احمد کا ایک تحقیقی مقالہ "فاضل بریلوی اور ترک موالات" سے بطور مثال ایک اقتباس پیش کیا جارہا ہے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد تقریباً ۱۹۱۹ء میں ترکوں پر انگریزوں کے ظلم واستبداد کے خلاف تحریک خلافت کا آغاز ہوا اور پورے ملک میں انگریز حاکموں کے خلاف

۱- گناہ بے گناہی، ص ۳۱، از ڈاکٹر مسعود احمد

ایک شورش برپا ہو گئی --- ممکن ہے کہ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اور مسلمانوں کی فطری جذباتیت کے پیش نظر مسٹر گاندھی نے کانگریس کی طرف سے ۱۹۲۰ء میں ترک موالات کا اعلان کیا ہو - تحریک خلافت اور ترک موالات دونوں کی مشترکہ اساس انگریزوں کی مخالفت و مقاطعت تھی چنانچہ اس متحدہ مشترکہ مقصد کی وجہ سے یہ دونوں تحریکیں ایک دوسرے کے قریب آگئیں اور ایک دوسری صورت پیدا ہو گئی یعنی انگریزوں کے خلاف ہندو مسلم اتحاد اس اتحاد نے مسئلے کو شرعی حیثیت سے زیادہ نازک بنادیا کیونکہ ایک طرف افراط کا یہ عالم تھا کہ انگریزوں سے مجرد معاملات بھی ترک کر دی گئی تھی اور دوسری طرف کفار و مشرکین سے معاملت موالات اور دوستی قائم کرلی گئی تھی چنانچہ تحریک خلافت اور تحریک موالات کے اس اتحاد کے خلاف متدین علماء نے فتوے دیئے اور بروقت انتباہ فرمایا جن کو بعض سطحی نظر رکھنے والے حضرات نے انگریز دوستی پر محمول کیا مگر جو سیاست ہند اور علوم شرعیہ پر گہری نظر رکھتے تھے ان کے نزدیک یہ مخالفت دین اسلام اور خود مسلمانوں کی حفاظت و عظمت کے لئے ناگزیر تھی ترک موالات کا معاملہ اگر صرف انگریز حاکموں اور مسلمان محکوموں کے درمیان ہوتا تو اس کی نوعیت قطعاً مختلف ہوتی مگر ترک موالات کے نتیجے میں فوراً ہی بعد اور حصول آزادی کے بعد زندگی کے ہر شعبہ میں جو عدم توازن متوقع تھا عث اسی سے تھی اور اسی بناء پر اس کی شدید مخالفت کی گئی جن متدین علماء نے مخالفت کی ان میں سر فہرست اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی نظر آتا ہے [1]-

اس اقتباس میں امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کے عہد کی سیاسی حالت بیان کی گئی ہے اور پہلی جنگ عظیم کے بعد کے تمام واقعات مع اسباب و نتائج ایسی وضاحت اور جامعیت سے پیش کیے گئے ہیں کہ قاری کو اس عہد کے سیاسی ماحول کو سمجھنے میں کوئی شبہ یا اشکال باقی نہیں رہتا-

اس مختصر سے اقتباس میں ترکوں پر انگریزوں کے مظالم اس کے رد عمل میں تحریک خلافت کے آغاز پورے ملک میں انگریزوں کے خلاف شورش، ہندو مسلم اتحاد اس نتیجہ میں شریعت اسلامیہ پر لاشعوری طور سے ضرب کاری اور تحفظ شریعت کے علم برداروں سچے علماء خصوصاً امام احمد رضا کے

۱- فاضل بریلوی اور ترک موالات، ص ۲، از ڈاکٹر مسعود احمد

خلاف غلط فہمی کا پیدا ہونا وغیرہ متعدد سیاسی واقعات مذہبی نزاکت وغیرہ بہت ہی نفسیاتی اور ساتھ ہی ساتھ منطقی انداز میں بیان کئے گئے ہیں اور واقعات کے اسباب و نتائج کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ہے اس تجزیئے سے ظاہر کرنا ہے کہ ایک ماہر انشاء پرداز کفایت الفاظ کے باوجود اپنے خیال کی وضاحت جس خوبی سے کر سکتا ہے وہ صرف ڈاکٹر مسعود احمد ہی کا حصہ ہے دوسرے کے بس کی بات نہیں۔

ڈاکٹر مسعود احمد نے ایک ماہر انشاء پرداز کی حیثیت سے ایجاز و اختصار کے ساتھ اپنے خیال کو جس خوبی سے واضح کیا ہے وہ لائق تحسین ہے اور قابل دید ہے تحریر کی سلاست اور بلاغت کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو انشاء پردازی میں مکمل دسترس حاصل ہے۔

مضمون نگاری :- ڈاکٹر مسعود احمد نے سیاست، سماج، مذہب، ادب اور نہ جانے کن کن موضوعات پر مضامین قلمبند کئے ہیں اور ہر مضمون میں وضاحت، صفائی، استدلال اور سلیقہ مندی کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کی خوبیاں موجود ہیں یہاں پر مضمون نگاری سے مراد یہ ہے کہ بات میں بات پیدا کرنا یا کسی موضوع پر مضمون نگاری کے جلوے دکھانا ہے حالانکہ اس طرح کی مضمون نگاری میں پھیلاؤ اور عبارت آرائی ناگزیر ہے مگر ڈاکٹر صاحب ایسے موقع پر ایجاز و بلاغت کو مد نظر رکھتے ہیں وہ مضمون کو پھیلاتے ہیں مگر سلیقہ مندی، استدلال اور منطقی انداز کو برقرار رکھتے ہیں اور تحریر کی دلکشی و نورانیت کی ایسی لہریں اور کرنیں پھیلاتے اور بکھیرتے چلے جاتے ہیں کہ شبہات کی تیرگی کٹتی چلی جاتی ہے اور ذہن و دماغ میں خیال اپنی روشنی لے کر اترتا جاتا ہے۔

ڈاکٹر مسعود احمد نے داڑھی جیسے خشک موضوع پر "محبت کی نشانی" کے نام سے پوری کتاب مرتب کر دی ہے اور داڑھی کے ساتھ پنڈلی سے نیچے تہہ بند اور پاجامہ کے استعمال پر بھی شرعی نقطہ نظر کو اس قدر ادیبانہ اور ساتھ ہی ساتھ منطقیانہ انداز میں پیش کیا ہے کہ قاری لطف مطالعہ کے ساتھ ساتھ شریعت کی اہمیت کو بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اسی انداز کو جمالیاتی اظہار کے ساتھ ادب برائے زندگی کہتے ہیں۔ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی صاحب اس انداز کو واضح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں ملاحظہ کیجئے "انداز مسعود" محبت حیرت انگیز اثر رکھتی ہے اور جب وہ انسان کے فکر و شعور پر چھا جاتی ہے تو محبوب کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

آئی جو ان کی یاد تو آتی چلی گئی
ہر نقش ماسوا کو مٹاتی چلی گئی

اس کے بعد قرآن واحادیث اور اقوال ائمہ سے سرکار کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، اطاعت، اتباع وغیرہ کے دلائل و شواہد پیش کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اہمیت و عظمت اور دو عالم کے حبیب کی اپنے چاہنے والوں سے محبت و کرم نوازی اور رحمت للعالمین کا دلکش انداز میں نقشہ کھینچتے ہیں۔

(الف) وہ بڑا غیور تھا محبت اور غیرت کا چولی دامن کا ساتھ ہے ہاں وہ بہت ہی غیور تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے چاہنے والے اس کی روش کو چھوڑ دیں اور پھر بھی اس کی محبت کا دم بھریں۔

(ب) کیا میری روش تیرے لئے نمونہ نہیں؟

فضا میں ایک لرزش سی پیدا ہوئی یہ الفاظ کیا ارشاد ہوئے بجلی سی کوند گئی، اللہ اکبر عشاق کے ایک ایک ادا کی نگرانی تھی۔ ہر عاشق محبوب کی بے اعتنائی کا شکوہ کرتا نظر آتا ہے مگر یہاں حریم جاناں میں توجہ سے کوئی محروم نہیں مقصد توحید اتباع خدا اور رسول ہے ---- جب داڑھی رکھو تو اس نسبت سے رکھو کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانی ہے داڑھی منڈانا جرم شریعت ہی نہیں جرم محبت بھی ہے داڑھی غازۂ روئے حیات، ارشاد خالق حیات اور آرزوئے جمال حیات ہے''

(متفرق صفحات محبت کی نشانی[۱])

داڑھی کے بارے میں کس طرح جمالیاتی پہلو کا اظہار کیا ہے ڈاکٹر مسعود احمد کے اس پہلو کو واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

''داڑھی منڈانا جرم شریعت ہی نہیں جرم محبت بھی ہے'' داڑھی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی نشانی ہے داڑھی غازۂ روئے حیات، ارشاد خالق اور آرزوئے جمال حیات کہنے میں کس قدر شاعرانہ نازک خیالی اور ندرت ہے نثر میں شعریت کا یہ ابہام اور مبالغہ سے پاک انداز، نثر نگار کے زبان و بیان پر عبور، خیال کی لطافت اور پاکیزگی کا غماز ہے اور اس کی انشاء

۱۔ قلمی مضمون غیر مطبوعہ، از ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

پردازی کا اعلیٰ نمونہ ہے ''غازۂ روئے حیات'' اور ''آرزوئے جمال حیات'' کی
ترکیبیں بھی کس قدر تازہ کار حسین اور معنی آفرین ہیں۔[۱]''

(۲) امام احمد رضا کے وصایا شریف پر مخالفین نے خوب واویلا مچایا اس لئے کہ انہوں نے اپنی فاتحہ کے کھانے کے سلسلے میں اچھے اچھے پکوان کی وصیت یہ کہہ کر کی تھی کہ انہیں اغنیاء کو نہ کھلایا جائے بلکہ غریبوں کو کھلایا جائے وہ بھی جھڑک کر نہیں بلکہ ادب و احترام کے ساتھ اور باقاعدہ سنت طریقے سے ---ڈاکٹر مسعود احمد نے ان وصایا پر مضمون نگاری کا حق ادا کردیا ہے انھوں نے امام احمد رضا کو سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا پیرو اور غریبوں کا غمخوار ثابت کیا ہے اور آخر میں اس طرح عقیدت کا خراج امام احمد رضا کو پیش کیا ہے۔

''اے احمد رضا اے غریبوں کے غمخوار، اے مسکینوں کے دلدار، اے مظلوموں کے دادرس اے بیکسوں کے فریادرس تجھ پر ہزارہا سلام، ہاں روح انسانیت تجھ کو سلام کرتی ہے، دل دردمند تجھ کو سلام کرتا ہے، چشم اشکبار تجھ کو سلام کرتی ہے، غریبوں کی فریادیں تجھ کو سلام کرتی ہیں۔ تو عاشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، تو محبوب مرتضیٰ (کرم اللہ وجہہ الکریم) ہے تو نائب غوث الوریٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہے...... تجھ پر سلام...... ہزارہا سلام۔[۲]''

عبارت میں کیف و سرمستی کی کیسی فضا پیدا کردی ہے عبارت گو کہ مقفّی ہے لیکن خیال نے بھی عبارت میں دلکشی پیدا کردی ہے عبارت صوتی آہنگ سے پر ہے جو قاری کی ذہنی مسرت کی موجب ہے۔

انشائیہ نگاری: --انشائیہ کا ایک خاص اور جدا اسلوب ہوتا ہے انشائیہ اس مضمون کو کہتے ہیں جس میں غنائیت، رنگینی، جذباتیت، فصاحت، شگفتگی اور موسیقی موجود ہو جس میں تخلیقی صلاحیتوں کا گوناگوں اظہار ہو جذبات و احساسات کی عکاسی ہو---انشائیہ میں انشائیہ نگار شگفتہ بیان کے ساتھ ساتھ طنز و مزاح کے ہلکے ہلکے نشتر بھی چلاتا ہو، انشائیہ نگار کی پہنچ ادب اور حیات کے ہر گوشے میں ہو سکتی ہے بقول ڈاکٹر وزیر آغا۔

''انشائیہ اس صنف کا نام ہے جس میں انشائیہ نگار اسلوب کی تازہ کاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اشیائے مظاہر کے مخفی مفاہیم کو کچھ اس طور پر گرفت میں لیتا ہے

۱۔ قلمی مضمون غیر مطبوعہ، از ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی ۲۔ غریبوں کے غمخوار، ص ۱۶، از ڈاکٹر مسعود احمد

کہ انسانی شعور اپنے مدار سے ایک قدم باہر ایک نئے مدار کے وجود میں لانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔"

روز مرہ اور گرد و پیش کی زندگی سے ڈاکٹر مسعود احمد نے فن انشائیہ کو آراستہ کیا ہے ان سے انشائیوں میں زندگی اور سماج کی تنقید ایک غالب رجحان کی حیثیت رکھتی ہے ان کے یہاں مزاح کی کمی ہے البتہ طنز کا بڑا لطیف انداز موجود ہے، ان کے انشائیے دھنک رنگ ہوتے ہیں اور خوبی یہ ہے کہ ابتداء سے انتہا تک قاری کی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ ان کے فن میں بڑی پختگی ہے، کتاب "موج خیال" ڈاکٹر مسعود احمد کی نثر اور ان کے خیال کا ایک نگار خانہ ہے، بھانت بھانت کے سیاسی، سماجی، اخلاقی مضامین و موضوعات کو جس طرح ڈاکٹر مسعود احمد نے پیش کیا ہے۔ وہ ان کی مفکرانہ شان کا غماز ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر مسعود احمد کی نثر نگاری خصوصاً ان کی انشائیہ نگاری کا بہت ہی اچھا نمونہ ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ کیجئے ڈاکٹر صاحب "موج خیال" میں رقمطراز ہیں۔

(۱) "۲۶-۲۷ سال پہلے کی بات ہے ریاست الور کے ایک دیہات میں جانا ہوا ایک مسلمان میواتی سے پوچھا کلمہ جانتے ہو؟ کہا نہیں۔ دریافت کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے ہو؟ جواب ملا کہ محمد رسول اللہ کو تو نہیں جانتے ہم مسلمان ضرور ہیں...... سبحان اللہ! دیکھا آپ نے شان ایمان۔ عمارت موجود ہے بنیاد غائب...... ایسی حیرت انگیز تعمیر تو شاید کسی نے نہ دیکھی ہو گی۔ آج ہم اپنے ماحول کا جائزہ لیتے ہیں تو دیکھ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے آمنّا والی بات تو بڑی بات ہے اَسلَمنا والی بات بھی پیدا نہیں ہوتی ہے، کچھ اس میواتی کا سا حال ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ جانتے ہوئے بھی خود کو مسلمان سمجھتا تھا...... خدا اور رسول کی کوئی بات بھی اچھی نہیں لگتی...... نماز روزے سے جی چراتے ہیں، دام اغیار میں گرفتار ہیں اور خوش ہیں، کوئی ایسا گرفتار نہ دیکھا جو اتنا خوش و خرم ہو۔" (ایمان اور اسلام۔ کتاب موج خیال ص ۵۷-۵۸)

(۲) جس طرح جسمانی بلوغ ایک حقیقت ہے اسی طرح فکری بلوغ بھی ایک حقیقت ہے جسمانی بلوغ کے بعد کی کیفیات واردات کو ایک نابالغ کے سامنے بیان کرنا قطعاً ناممکن ہے اسی طرح فکری بلوغ کے بعد جو کیفیات وارادات پیش آتی ہیں ان کا بیان کرنا بھی اس شخص کے سامنے تقریباً ناممکن ہے جو فکری بلوغ تک نہیں

پہنچا اور اس کے لئے کسی عمر کی قید نہیں بوڑھے بالغ نہیں ہوتے اور کبھی نو عمر بالغ ہو جاتے ہیں اور ان کی فکر رسا کی جولانیاں بوڑھوں کو حیرت میں ڈال دیتی ہے۔
سخن فہمی کے لئے ضروری ہے کہ پڑھانے والا اور پڑھنے والا دونوں اس کی فکری رفعت تک جا پہنچیں جہاں شاعر یا ناثر پرواز کر رہا ہے یا کم از کم اس رفعت کو چھو لیں ورنہ عجیب عجیب گل کھلتے ہیں ایک لطیفہ یاد آیا آپ بھی سنئے :

غالبؔ کے اس شعر کا مفہوم کسی فاضل سے دریافت کیا گیا۔

آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک

ارشاد فرمایا۔ شاعر کہتا ہے کہ ہماری آہ شعلہ بار ایک عرصہ بعد اپنا اثر دکھائے گی محبوب! تیری زلف گرہ گیر جل کر خاکستر ہو جائے گی چندیا نکل آئے گی (ملاحظہ ہو زلف کے سر ہونے کی کیسی بلیغ تشریح فرمائی) مگر یہ عبرتناک منظر دیکھنے کے لئے ہم کہاں ہوں گے ہم تو مر چکے ہوں گے کاش ہم جیتے رہتے اور اپنی آنکھوں سے حسن جاناں کی یہ درگت بنتی دیکھتے --- حضرت شارح فضائے شعر میں نہ پہنچ سکے اور اس پر مستزاد یہ کہ التباس لفظی کا شکار ہو گئے تحقیق کی اس لئے ضرورت پیش نہ آئی کہ اس ترقی یافتہ دور میں ناک کان کاٹ دینا اور چوٹی اڑا دینا ایک ادنیٰ کرشمہ عاشقی ہے۔" (سخن فہمی و سخن سنجی۔ موج خیال ص ۵۰-۵۱)

(۳) یہ بات اس وقت کی ہے جب پاکستان کی تحریک زوروں پر تھی خدا سے وعدے کئے جا رہے تھے لیکن اب جب وعدہ پورا ہو چکا ہے اپنے عہد سے پھر گئے بد عہدی پر اتر آئے اور وہ کچھ کیا کہ دنیا کے کسی عہد شکن نے نہ کیا ہوگا برقع پھینک دیئے دوپٹے اتار دیئے انا للہ وانا الیہ راجعون سڑکوں اور بازاروں میں بے حجابانہ چلتی ہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ دام حیا سے مرغ اسیر نکل بھاگا ہے اور پھر ٹی وی ملاحظہ فرمائیں تو عجیب بہار نظر آتی ہے شرم و ندامت سے سر جھک جاتا ہے اللہ اللہ اگر ہمارے اکابرین و اسلاف تھوڑی دیر کے لئے پھر زندہ کر دیئے جائیں اور یہ مناظر دیکھیں تو دل دھک سے ہو جائے ایسی آہ نکلے کہ کلیجہ پکڑ کر رہ جائیں اور پھر اٹھ نہ پائیں۔ (حجاب و بے حجابی -- موج خیال ص ۹۵-۹۶)

(۴) اور برقع اتارنے والی بات تو پرانی ہو چلی کپڑوں سے اڑے پڑ گئے شرم، حیاء فیشن کی نذر ہو گئی وہ لباس اختیار کئے گئے جن سے روح حیاء کانپتی ہے--- دوپٹے سکڑ سکڑا کر گلے میں آ گئے اور بعض اہل ہمت نے یہ پھندا بھی نکال پھینک دیا اور کپڑے سمٹ سمٹائے بدن سے جا لگے---- اب تو محفلوں، مجلسوں میں کلبوں میں ہر جگہ اس بے حجاب کو مردوں کے دوش بدوش دیکھئے۔

(احتساب - موج خیال ص ۱۰۷ - ۱۰۸)

مندرجہ بالا اقتباسات ڈاکٹر مسعود احمد کے انسانی نفسیات کے گہرے مطالعہ اور سماج، قوم کی زیست اور ان کے حالات اور اعمال کے مشاہدے کے غماز ہیں ڈاکٹر مسعود احمد کے ملے جلے طنز میں تڑپ، درد اور سوز بھی ہے اور عبرت و نصیحت بھی! ان کا ایک ایک جملہ ایک ایک فقرہ ان کی فنکارانہ صلاحیت اور اظہار بیان پر قدرت کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی دوررس نگاہ زندگی کے حسن و قبح دونوں پہلوؤں پر ہے ان کا نقطہ نظر تعمیری اور اصلاحی ہے زندگی، سماج اور قوم کے گرد و پیش کا آئینہ دکھاتے ہوئے ڈاکٹر مسعود احمد نے ۱۲۳ عنوانات کے ان بھانت بھانت رنگوں اور خوشبوؤں کے لہلہاتے ہوئے گلوں کو یکجا کر کے "موج خیال" نامی ایک کتاب مرتب کر دی ہے جسے ان گلہائے مضامین کا گلدستہ بھی کہہ سکتے ہیں اور چمن زار بھی۔ اس میں ڈاکٹر صاحب کی انشائیہ نگاری کے اعلیٰ نمونے ہیں جن سے چند پیش کئے گئے۔

مذہبیات میں اسلوب

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ڈاکٹر مسعود احمد کا اسلوب اور انداز بیان موضوع اور موقع محل کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے لیکن جو بات قدر مشترک رہتی ہے وہ لطف مطالعہ کی کیفیت اور تحریر کی دلکشی---- لہٰذا وہ فقہ، تفسیر، حدیث اور قرآن وغیرہ سے متعلق موضوعات و مضامین پر قلم اٹھاتے ہیں تو ہر موضوع کا فطری اسلوب اپناتے ہیں لیکن جہاں خیالات کے اظہار کا موقع میسر آتا ہے وہاں تحریر کی دلکشی چمک اٹھتی ہے اور ادب و انشاء کے جلوے دکھانے سے باز نہیں آتے اس خوبی کی منظر نگاری ڈاکٹر صاحب کی تحریر میں ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) فقہ سے متعلق ڈاکٹر مسعود احمد کا طرز تحریر ملاحظہ کریں۔

فقہ اسلامی میں افتاء، استفتاء، فتویٰ اور مفتی کی اصلاحیں بہت قدیم ہیں عربی لغتوں میں اس کا مادہ ف، ت، و دیا جاتا ہے اور اس مادے سے فتی اور فتوت کے

الفاظ بھی دیئے جاتے ہیں جن کے معنی نوجواں، جواں مرد اور جواں مردی کے ہوتے ہیں نیز فیاضی و شرافت کے-لوئس معلوف نے المنجد میں فتوہ کے معنی کرم وسخا، زیرکی اور شباب کے بھی لکھے ہیں اور اسی کے ذیل میں لکھا ہے الفتوة تفاتوالیٰ العالم! تحاکمو الیه فی الفتویٰ(عالم سے شرعی فیصلہ طلب کرو، شرعی فیصلے کے لئے اس کی طرف رجوع کرو)

لغات سے لفظ فتویٰ کے معانی اور تعریفات اور پھر ان کی مطابقت قرآن و حدیث سے کرتے ہوئے فتویٰ کی اصل تعریف سے قاری کو آگاہ کرتے ہیں اور بعدہ فتویٰ نویسی کی تاریخ بیان کرتے ہیں :-

(۲) حدیث، تفسیر اور دیگر مذہبی موضوعات میں ڈاکٹر مسعود احمد کا انداز بیان موضوع سے متعلق ہوتا ہے-توضیحی اور بیانیہ دونوں نثروں کے عمدہ نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں البتہ جب ان مضامین سے متعلق کسی موضوع یا مضمون پر کوئی تشریح کرتے ہیں یا موضوع سے متعلق وضاحت کرنا چاہتے ہیں تو کھل کر خیال کا اظہار کرتے ہیں خیال عبارت میں ایک خاص قسم کی دلکشی پیدا کر دیتا ہے-

امام احمد رضا بریلوی کے والد ماجد مولانا محمد نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر "تفسیر الم نشرح" میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی سو القابات مرقوع ہیں ڈاکٹر مسعود احمد نے ان سب کو تلاش کے بعد یکجا کیا ہے اور عربی وار دو القابات کو علیحدہ علیحدہ پیش فرمایا ہے اس سلسلے میں انھوں نے "عشق ہی عشق" نام سے ایک رسالہ مرتب کر دیا ہے ابتدا اس طرح کرتے ہیں-

> تفسیر میں ایک طرف مفسر کے عشق و محبت کا عالم نظر آتا ہے تو دوسری طرف ان کے علم و فضل کی شان نظر آتی ہے----انھوں نے علم کو عشق کی چوکھٹ پہ جھکا کر بتادیا کہ حاصل علم، عشق و محبت کے سوا کچھ نہیں----نام نامی اسم گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم فکر و خیال کے افق پر طلوع ہوا تو جھوم جھوم گئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سراپائے اقدس سامنے آگیا ہو
>
> ع کھنچی ہے سامنے تصویر یار کیا کہنا!
>
> مدح و ثنا میں زبان فیض ترجمان ایسی کھلی کہ الفاظ و حروف کا ایک سیلاب امنڈ نے لگا----ہاں ذرا آنکھیں کھولئے عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہاریں دیکھئے---- حسن و جمال کی سحر آفرینیاں دیکھئے----ہاں
>
> ن حریم حسن کے پردے اٹھے ہوئے ہیں جگر

معقولات میں اسلوب :۔ڈاکٹر مسعود احمد کے افکار و نظریات پر ان کے والد ماجد مفتی مظہر اللہ صاحب، شیخ سرہندی، امام احمد رضا بریلوی، ڈاکٹر اقبال اور استاد ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحب کا اثر گہرا ہے اور ان ہی اثرات نے ان کے طرز تحریر کو جداگانہ رنگ عطا کیا ہے علمی اور تحقیقی مضامین میں تشریح و توضیح اور استدلال کا انداز امام احمد رضا سے ملتا ہے تو متصوفانہ مضامین میں طرز تحریر پر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ سے متاثر نظر آتا ہے اور اس میں مستی و کیف شیخ سرہندی کے تصوف کی ہوتی ہے اور بلاغت و معنی آفرینی اقبال کے طرز کی اور تدبر و وقار مفتی محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کا ہوتا ہے جو روح کی طرح ان کی نگارشات میں سمایا ہوا ہے لیکن ان کا اولی انداز خود ان کا اپنا مخصوص انداز ہے----ڈاکٹر صاحب نے فلسفہ و سائنس وغیرہ پر وقیع مقالات رقم کئے ہیں دو اقتباسات ملاحظہ فرمائیں :

(۱) امام احمد رضا نے علوم عقلیہ جدیدہ و قدیمہ میں مستقل تصانیف چھوڑی ہیں اور علوم نقلیہ سے متعلق تصانیف میں بہت سے عقلی مباحث ہیں جن کو پڑھ کر اہل علم متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے چنانچہ امام احمد رضا کی عربی تصنیف الدولۃ المکیہ باالمادۃ الغیبیہ (۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) کو پڑھ کر پروفیسر ابرار حسین نے ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔

"اعلیٰحضرت بہت بلند پایہ کے ریاضی داں تھے "الدولۃ المکیہ" پڑھنے سے (جو میری سمجھ سے بہت بلند ہے) اس کی تصدیق ہوئی کیونکہ انھوں نے وہاں کچھ دلائل ریاضی کے نظریات پر مبنی دیئے ہیں اور یہ نظریات وہ ہیں جو آج کل ٹاپالوجی (Topalogy) کے زمرے میں آتے ہیں۔

(امام احمد رضا اور علوم جدیدہ و قدیمہ)

(۲) "مولانا احمد رضا خاں نے نیوٹن اور آئن شائن کے نظریات کا تعاقب کیا ہے اور اپنے منطقی دلائل دیئے ہیں اس مخالفت میں وہ تنہا نہیں بلکہ اور سائنس داں بھی ہیں ۱۹۸۲ء میں رائچور (صوبہ کرناٹک بھارت) میں ہندوستانی سائنسدانوں کی ایک دو روزہ کانفرنس ہوئی جس میں بعض سائنسدانوں نے اپنے ۲۳ر سالہ تجربے اور مشاہدے کی بنیاد پر نیوٹن کے نظریہ کشش ثقل کو رد کیا اور دوسرے سائنسدانوں کو دعوت غور و فکر دی۔ اس طرح مسٹر برنٹ (Barnett) نے اپنی

کتاب (The Universe) میں آئن اسٹائن کے نظریہ اضافت کے حوالے سے لکھا ہے کہ آئن اسٹائن کی نظر میں دنیا میں کوئی ایسا متعین ضابطہ اور معیار نظر نہیں آتا جس سے انسان حتمی طور پر زمین کی حرکت کا اندازہ کر سکے یا دوسرا کوئی متحرک نظام معلوم کر سکے نہ کوئی ایسا طبیعیاتی تجربہ کبھی ہوا جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ واقعی زمین حرکت کر رہی ہے نیوٹن اور آئن سٹائن کے نظریات جب زیرِ بحث آرہے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تعاقبات اور تنقیدات کا مطالعہ نہ کیا جائے اور ان کو توجہ سے نہ پڑھا جائے مولانا بریلوی آئن سٹائن کے معاصرین میں تھے اور انھوں نے خود اس کے عہد میں اس پر تنقید کی ہے۔" (مقالہ پیش گفتار فوز مبین)

حقیقت تو یہ ہے کہ ہر علم کا اپنا ایک فلسفہ ہوتا ہے لہٰذا ڈاکٹر مسعود احمد اپنی سبھی تصانیف میں محقق ہونے کے ساتھ ساتھ ایک فلسفی، معقولی اور منطقی کی حیثیت سے بھی ہمارے سامنے آتے ہیں----ان دونوں اقتباسات میں تشریح و توضیح کا جو صاف اور سادہ مگر مؤثر طریقہ نظر آتا ہے وہ ان کے معاصرین میں کم ہی مصنّفین کے یہاں دیکھنے کو ملتا ہے دونوں اقتباسات فلسفیانہ نثر کے بہترین نمونے ہیں[1]۔

متصوفانہ انداز تحریر: - تصوّف اور مذہب کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور تصوف پر رنگ عشق غالب ہے ڈاکٹر مسعود احمد تصوّف سے خود بھی بہت متاثر ہیں خصوصاً حضرت مجدد الف ثانی کے تصوف سے ان سب پر مستزاد ان کا پاکیزہ ماحول، پاکیزہ زندگی، مزاج کی نفاست، خلوص واخلاق، لطافت خیال اور علمی تبحر نے تصوف کے موضوع پر ان سے جب بھی لکھوایا ہے حقیقتاً نور ونکہت کی عبارات، حسن کے ابواب اور عشق کی کتاب لکھوائی ہیں یاد نسیم کے مانند اٹکھیلیاں کرتے ہوئے جملے اور فقرات شمع کی روشنی کی طرح لپکتے ہوئے خیالات دیدہ دل بھی معطر و منور کر دیتے ہیں۔

تصوّف کے موضوع پر ڈاکٹر صاحب کے کئی مقالات و مضامین اور مستقل کتب و رسائل شائع ہو چکے ہیں یہ مضامین و مقالات صوفیاء کے حالات و افکار و نظریات سے متعلق ہیں شاہ محمد غوث گوالیاری، سیرت مجدد الف ثانی، حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال، غالب کے متصوفانہ خیالات، شاعر محبت، وغیرہ تصانیف و مقالات صوفیاء کی سوانح و افکار اور

۱۔ قلمی مضمون غیر مطبوعہ از ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

شعراء کے افکار و نظریات کے حوالے سے ادب و تصوف دونوں سے متعلق ہیں چند اقتباسات ملاحظہ کریں۔

(۱) پروانے کو دیکھئے جمال شمع میں ایسا کھو گیا کہ اپنا بھی ہوش نہ رہا جل بجھا آواز تک نہ آئی۔

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز کاں سوختہ را جاں شدہ آواز نیامد

اور چکور کو دیکھئے حسن ماہتاب پر ہزار جاں سے فدا مگر جان سلامت، معشوق بھی موجود، عاشق بھی موجود، عشق بھی موجود۔ایک وجودی ہے...... دوسرا شہودی ایک نے زندگی کھونے میں پائی دوسرے نے زندگی پانے میں پائی"[۱]۔

(۲) اللہ کے دوستوں کی خانقاہیں طاقت و قوت کا سرچشمہ رہی ہیں .... تاریخ میں انہوں نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ معاشرے کو سنوارا ہے۔ سلطنتوں کو بنایا ہے۔ زمانے کا رخ پلٹ دیا ہے۔ انہوں نے دلوں پر حکومت کی ہے۔ کاش اللہ کے دوستوں سے کوئی دلوں کو جیتنا سیکھے، کوئی دوسروں کے لئے مٹنا سیکھے۔اللہ کو اپنے دوست ایسے محبوب ہیں کہ جو ان سے پیٹھ پھیرتا ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم و مردود ہو جاتا ہے۔ آدم و ابلیس کے واقعہ میں اسی راز کو کھولا گیا ہے۔(علم کے موتی)

"دین کی باتیں عقل کے ذریعہ سمجھ میں آسکتی ہیں مگر برسوں میں صدیوں میں کیونکہ عقل کی رفتار بہت سست ہے۔وحی کی رفتار اور فکرِ مصطفےٰ ﷺ کی رفتار بہت تیز ہے ان کی تیزی کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔"

(شجرہ شریف کراچی ۱۹۸۸ء)

اقبال جسمانی رقص کے قائل نہیں بلکہ روح کو رقص کرتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔اس میں ان کو شاہی نظر آتی ہے۔وہ اس سرور کے قائل ہیں جس کی گرمی سے ستارے پگھل جائیں جو دنیا سے بے نیاز بنا کر صرف اور صرف اللہ کا نیاز مند بنا دے لیکن یہ سرور ہے کہاں ؟

منتظر ہے کسی مطرب کا ابھی تک یہ سرود

اقبال نے ادبیات و فنونِ لطیفہ کا عنوان سے جو منظومات لکھی ہیں ان میں ایک نظم کا عنوان ہے

۱۔ حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال، ص ۲۴، از ڈاکٹر مسعود احمد

''مردِ بزرگ''اس نظم میں ایسے انسان کی شبیہ ملتی ہے جو شریعت و طریقت کے امتزاج کا نمونہ کامل ہے ۱۔''

مذکورہ بالا اقتباسات کے سلسلے میں ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی رقم طراز ہیں کہ ان اقتباسات میں توضیحی اور بیانیہ نثر کی خوبیاں کس قدر واضح ہیں اور مشکل ترین مسئلہ تصوف کو کس قدر وضاحت و تشریح کے ساتھ بیان کیا گیا ہے استدلال کا طرز اور قوت متانت و فراست بھی عیاں ہے کیسی علمی و تحقیقی تحریرات ہیں۔ اقتباس نمبر ۱ اور نمبر ۲ میں لفظوں کے پیچ و خم اور جملوں و فقروں کی درستگی اور خیالات کے پھیلاؤ اور بہاؤ کو ملاحظہ کریں رومانیت اور شریعت کے عناصر کوٹ کوٹ کر بھر دیئے گئے ہیں ۲۔

سوانح نگاری : سوانح نگاری بڑا مشکل فن ہے۔ سوانح نگار قاری کا رشتہ ماضی سے بھی جوڑتا ہے اور اسلاف سے بھی جوڑتا ہے۔ ماضی سے کٹ کر قومیں گمراہ، بے وقار اور بے نام و نشان ہو گئیں۔ اسلام اپنے پیروؤں کو ماضی سے کاٹتا نہیں جوڑتا ہے۔ وہ محبت و عقیدت اور نیاز کیشی کی تعلیم دیتا ہے۔ ڈاکٹر مسعود احمد کے لئے اگر کہا جائے کہ ان کی تحریریں اور تصنیفی زندگی اور اس کی رونقیں اسلام اور سوانح نگاری کے بغیر بے کار اور بے لطف ہیں تو بے جا نہ ہو گا۔ اسلام اور اسلاف کے کارناموں کے بغیر ان کا قلم اٹھتا ہی نہیں۔

ڈاکٹر مسعود احمد نے سرورِ کونین ﷺ کی سیرت مبارکہ بھی لکھی ہے۔ صوفیاء اور اولیاء کے سوانح اور ان کی کارناموں کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ شعراء و ادباء کے حالات و کوائف کو بھی بیان کیا ہے۔

مقصدیت : ڈاکٹر مسعود احمد نے جتنی بھی سوانح عمریاں لکھی ہیں کسی نہ کسی مقصد کے پیشِ نظر لکھی ہیں۔ اگر انہیں کسی بزرگ یا شخصیت سے قلبی لگاؤ اور عقیدت رہی ہے تو وہ اس کی عظمتوں کے سبب ہی رہی ہے اگر کسی سے بعد میں وابستگی ہوئی تو انہوں نے اسے پرکھا اور جانچا تب اس کی عظمتوں کو دیکھ کر اس کے قریب ہوئے، امام احمد رضا کی شخصیت اور ان کے علم و فضل پر تحقیق کی ان پر جو مظالم کئے گئے اور جس طرح تعصب و تنگ نظری کا شکار انہیں بنایا گیا۔ اسے دیکھ کر ڈاکٹر صاحب جو محقق

۱۔ حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال، ص ۸۸، از ڈاکٹر مسعود احمد ۱۔ قلمی مضمون غیر مطبوعہ، از ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

ہیں یعنی حق کے متلاشی اور حق کو پیش کرنے والے ہیں وہ خاموش نہ رہ سکے اور اپنے نوک قلم سے معاندین و مخالفین کے بچھائے ہوئے جال کو تار تار کر ڈالا۔ وہ خود رقم طراز ہیں۔

> امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ عالم اسلام کے عظیم دانائے راز تھے۔ ان کی مومنانہ فراست و بصیرت اپنے زمانے سے آگے دیکھتی تھی۔ انہوں نے جو کچھ کہا مستقبل نے اس کی تصدیق کی ۲۲ سال مسلسل مطالعہ کے بعد یہ راز کھلا کہ وہ علم و دانش کے ایک سمندر تھے ہم ابھی تک اس سمندر کے ساحل تک بھی نہ پہنچ سکے۔ تاریخ و ادب کی کتابوں میں نہ جانے کیوں اس عظیم الشان شخصیت کو نظر انداز کیا گیا ارباب علم و دانش حیران ہیں۔ امام احمد رضا کی شخصیت و فکر سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے بعض اہل علم نے ان سے غلط باتیں منسوب کر دی ہیں۔ امام احمد رضا پر روز بروز نئی معلومات سامنے آتی جاتی ہیں۔ امام احمد رضا کی شخصیت و فکر پر جو پردے پڑے ہوئے تھے ان کو اٹھانے کے لئے راقم نے ۱۹۷۰ء سے امام احمد رضا کو موضوع تحقیق بنایا اور امام احمد رضا کی تلاش میں چل پڑا۔ امام احمد رضا پر تحقیق کی ضرورت اس لئے محسوس کی جا رہی ہے کہ وہ سواد اعظم اہلسنت کے علم بردار ہیں[1]۔ (محدث بریلوی، مطبوعہ کراچی، ص ۲۰)

جانچ پرکھ : ڈاکٹر مسعود احمد سوانح نگاری کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ روایت کے ساتھ درایت سے بھی واقعہ کی جانچ پڑتال کرتے ہیں۔ امام احمد رضا کی سوانح نگاری میں انہوں نے اس امر کو خصوصیت کے ساتھ ملحوظ رکھا ہے۔ حضرت فاروق اعظم کی سیرت نگاری میں ڈاکٹر صاحب نے سیدنا فاروق اعظم کے خلاف غیر مسلموں سے غیر عادلانہ سلوک کے الزام اور دوسری روایتوں کو تحقیق کے ساتھ غلط ثابت کیا ہے اور ایک کتابچہ بنام "فاروق اعظم کا غیر مسلموں سے حسن سلوک" مرتب کر دیا ہے۔

پس منظر و پیش منظر : ڈاکٹر مسعود احمد سوانح نگاری میں سیاسی، تاریخی واقعات و حالات اور تمدنی حالات اور ان کے اسباب و علل پر بھی بحث کرتے ہیں۔ موضوع سے وابستگی، محنت، لگن، جستجو اور عالمانہ تفتیش و تحقیق ڈاکٹر صاحب کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔

ایجاز و اعتدال : ڈاکٹر مسعود احمد کے یہاں ایجاز و اعتدال بدرجہ اتم موجود ہے البتہ وضاحت یا

۱۔ محدث بریلوی، ص ۱۱ تا ۲۰، ملخصاً، از ڈاکٹر مسعود احمد

برأت اور تعریض کے وقت موضوع کو تھوڑا سا پھیلا ضرور دیتے ہیں اور شاعرانہ رنگ بھی بھر دیتے ہیں۔

انشاء پردازی: ادبی تصانیف میں لطف انشاء اور حسنِ تحریر پیدا کرنا آسان ہے لیکن سوانح عمری اور تاریخی واقعات میں اس لطف اور حسن کا برقرار رکھنا سخت مشکل کام ہے، ڈاکٹر مسعود احمد نے سوانح نگاری میں حسنِ تحریر اور انشاء کا لطف پیدا کیا ہے اور مرقع نگاری بھی کی ہے۔ذیل میں چند اقتباسات ملاحظہ کریں۔

(۱) یہ آفتاب ولایت اپنے پیر بزرگوار (خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ) کی طرح ۱۷۹۱ھ میں طلوع ہوا۔(سیرت مجدد الف ثانی، کراچی ۱۹۷۶ء ص ۶۰)

(۲) آؤ آؤ اس خورشید جہاں تاب کا نظارہ کریں، اس کی ضوفشانیوں سے اپنے دل کو منور کرلیں جس کے متعلق حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت شاہ کرامت اللہ خان صاحب دہلوی علیہ الرحمہ یہ پیش گوئی فرمارہے ہیں۔ میرے بعد اگر کوئی چراغ روشن ہوگا تو وہ مولانا مظہر اللہ ہوں گے۔

(حیات مظہری، ص ۱۲)

(۳) حضرت مجدد نے اسلام کے اس ازلی نظریہ کو حیات نو بخشی اور یہ واضح کردیا کہ کفر و اسلام دو متضاد حقیقتیں ہیں دونوں کا مزاج الگ الگ ہے۔ اس لئے یہ دونوں سیاست و خلافت میں ایک دوسرے کے شریک نہیں ہوسکتے اللہ اکبر سرہند سے اٹھنے والی وہ روشنی جس کا مشاہدہ خوجہ باقی باللہ نے کیا تھا کہاں کہاں پہنچی اور کس کس کو منور کرگئی۔"

(حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال، ص ۱۲-۱۳)

اقتباس نمبر ۱ میں مجدد الف ثانی کو "آفتاب ولایت"

اقتباس نمبر ۲ میں مفتی مظہر اللہ کو "خورشید جہاں تاب"

اقتباس نمبر ۳ میں مجدد صاحب کے لئے "وہ روشنی" کہنا استعارہ سازی کا عمدہ نمونہ ہے۔"

نثر میں شعریت کا حسن پیدا کرکے لطف انشاء اور حسن تحریر پیدا کرنا خامہ مسعود

کا کمال ہے ڈاکٹر صاحب کی نثر میں یہ شعریت انشاء پردازی کا اعلیٰ نمونہ ہے ا۔

مرقع نگاری : مرقع نگاری ایک ایسا فن ہے جس میں تاریخی واقفیت سے زیادہ شخصی تاثر کی دھوپ چھاؤں کو اسیر کرنا پڑتا ہے یعنی کسی شخص کے محاسن و عیوب کو مکمل طور پر بیان کیا جاتا ہے اور پوری شخصیت کو اجاگر کرنے کے لئے چند اہم اور خیال افزاء اشاروں کے نمایاں اور نمائندہ نقوش نقوش کا انتخاب کرنا پڑتا ہے تاکہ شخصیت کے واضح نقوش پوری طرح ابھر سکیں۔ مرقع نگاری سوانح کی ہی ایک شاخ ہے۔ ڈاکٹر مسعود احمد کی سوانح نگاری میں مرقع نگاری بدرجۂ اتم موجود ہے۔ یہ فن نثر میں غزل کا فن ہے اور ڈاکٹر صاحب نثر میں شعریت کا جو حسن اور رچاؤ بھرتے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے اور وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) شیخ سرہندی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت کے سلسلے میں مرقع نگاری ملاحظہ کریں۔

> ''خاکِ ہند سے حضرت مجدد الف ثانی جیسا انقلاب انگیز موتی پیدا نہیں ہوا آپ نے عجمیت کے رنگ میں رنگی ہوئی فضا کو حجازی رنگ میں رنگا، مسلم کافر نما کو مسلم بنایا۔ حضرت مجدد الف ثانی نے علم کو عشق سے آشنا کیا اسی کے سہارے دلوں پر حکمرانی کی اور باطل کی قوتوں کا مقابلہ کیا۔''
>
> (حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال، ص ۴۴ و ۴۵)

(۲) ڈاکٹر محمد اقبال کے بارے میں کس طرح مرقع نگاری کا جلوہ دکھایا ہے۔

> ''اقبال نے عشق کو عقل پر ترجیح دی اور انسان کی عظمت کو اس انداز سے بیان کیا:
>
> شکست سے یہ کبھی آشنا نہیں ہوتا — نظر سے چھپتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا
>
> وہ عجمیت کے نہیں حجازیت کے عاشق تھے اور جہاں جہاں ان کو حجازیت کے آثار نظر آتے تھے وہ بسر و چشم اور بصد شوق و ذوق اس طرف جاتے تھے، ان کے نزدیک عجمیت سکونی ہے اور حجازیت حرکی ہے''۔
>
> (حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال، ص ۲۲-۲۳)

جائزہ نگاری : جائزہ نگاری کے ضمن میں شعر و ادب، شخصیت و مذہب، عقائد، سیاسی

ا۔ قلمی مضمون غیر مطبوعہ، از ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

نظریات وغیرہ سبھی کے جائزے آسکتے ہیں یہاں جائزہ نگاری کے ضمن میں ڈاکٹر مسعود احمد کی شعری وادبی جائزہ نگاری کتب ورسائل پر تبصرے تقریظات وتقدیمات اور شخصیاتی جائزہ وتنقیدات شامل کی جارہی ہیں- جائزہ نگاری کا فن بڑا مشکل فن ہے- زبان وادب کا ادبی اور تاریخی جائزہ بھی لیا ہے- مختلف عہد کے مذہبی عقائد اور شخصیات نیز سیاسی وتاریخی حالات پر بھی قلم اٹھایا ہے-

مقدمہ نگاری : کتابیں مختلف علوم وفنون پر لکھی جاتی ہیں اور ان پر مقدمہ نگاری کے لئے مختلف علوم وفنون سے واقفیت بھی ضروری ہے گویا مقدمہ نگاری کے لئے صرف زبان وبیان پر قدرت یا قلم کاری میں مہارت ہی کافی نہیں ہے- علم وفضل بھی لازمی ہے-

''آئینہ رضویات'' نام سے موسوم کتاب میں ڈاکٹر مسعود احمد کے رضویات سے متعلق مقدمات اور تاثرات کو جناب وجاہت رسول قادری اور پروفیسر مجید اللہ صاحبان نے یکجا کردیا ہے- اس میں حالات وافکار، فقہ، سیاست، فلسفہ وسائنس اور شعروادب سے متعلق کتب ورسائل پر مسعود احمد کی تحریریں موجود ہیں- ان تقدیمات کے علاوہ مقدمہ نگاری کے اور بھی نمونے ملتے ہیں- ان کے مقدمہ نگاری کی خوبی یہ ہے کہ وہ مصنف کے مختصر تعارف کے ساتھ ساتھ کتاب کے موضوع کی وضاحت بھی کردیتے ہیں- پھر کتاب کی تصنیف کے مقصد اس کی افادیت اور حسن وخوبی کو واضح کرتے ہیں- ان کے مقدمات توضیحی اور بیانیہ نثر کے نمونے ہوتے ہیں- ڈاکٹر مسعود احمد کے تاثرات اور اظہارِ خیال میں صرف جذباتیت یا تاثراتی اندازبیان نہیں ہو تابلکہ استدلال کے ساتھ تاثراتی نثر کا نمونہ ملتا ہے ایسے مواقع پر بھی ان کا تحقیقی مزاج قلم کار فرمارہتا ہے-

ادبی جائزے اور تنقیدات : ڈاکٹر مسعود احمد نے زبان اردو کا تاریخی جائزہ بھی لیا ہے اور مختلف شعراء غالب، اقبال، امام احمد وغیرہ کی شاعری پر جائزہ نگاری ارو تنقید وتبصرہ کا فریضہ بھی انجام دیا ہے- ان نامور شعراء کے علاوہ مفتی خلیل احمد برکاتی اور پروفیسر غیاث الدین قریشی کے نعتیہ دیوان پر تبصرہ بھی رقم کیا ہے- ڈاکٹر صاحب اقبال شناسی کے ساتھ ساتھ غالب شناسی میں بھی درک رکھتے ہیں-

غالبیات پر ڈاکٹر مسعود کے مندرجہ ذیل مقالات قابل ذکر ہیں- حضرت غمگین غالب کی نظر میں، حضرت غمگین اور مرزا غالب کے جواب میں ان کا ایک غیر مطبوعہ مکتوب، غالب کے متصوفانہ خیالات، مکاتیب غالب وغیرہ، غالب کے ایک شعر پر ڈاکٹر صاحب کا تبصرہ ملاحظہ کریں-

غالبؔ نے خوب کہا ہے ؎

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن!

دل کو خوش رکھنے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

بڑے پتے کی بات کہہ دی رازِ محبت کو کھول کر رکھ دیا ہے۔ سچ ہے کہ عاشق کو محبوب، مطلوب کے سوا کچھ نہیں چاہئے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو ؎ عجب چیز ہے لذت آشنائی

اس کے لئے محبوب کا وصال ہی جنت ہے، اس کو کوئی اور جنت نہیں چاہئے۔

تیرا ملنا ترا نہیں ملنا ؎ اور جنت ہے کیا جہنم کیا

یہ کیسی محبت ہے کہ دعویٰ محبت اور نگاہیں غیر کی جانب! کسی عاشق نے کیا خوب کہا ہے۔

تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ سبھی کچھ مل جائے

سو سوالوں سے یہی اک سوال اچھا ہے

بیشک محبوب ہی عاشق کی زیست ہے اور محبوب ہی عاشق کی جنت۔ وہ نہ ملے تو جنت بھی جنت نہیں ہے۔ ایک خیال ہے ایک تصور ہے۔

جنت کی حقیقت یہی تو ہے نا کہ حور و غلماں ہوں گے۔ شاندار محلات ہوں گے شیر و شہد کی نہریں ہوں گی۔ خورد و نوش کے سامان ہوں گے ...... یہ ہوگا وہ ہوگا...... ہاں اے واعظ بتا تو سہی وہ جانِ جاناں بھی وہاں ہوگا؟...... وہ قرار دل مضطر بھی وہاں ہوگا؟...... وہ رشک ہزار جنت بھی وہاں ہوگا؟...... وہ میری تاریک راتوں کا اجالا بھی وہاں ہوگا؟...... وہ میری آنکھ کا تارا بھی وہاں ہوگا؟ وہ جہان آرزو کا بادشاہ بھی وہاں ہوگا؟...... اگر نہیں ہوگا تو پھر مجھے کہنے دے......

ع دل کو خوش رکھنے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

بیشک خاصان خدا جنت پر نظر نہیں رکھتے، ان کی نظر تو اسی پر لگی رہتی ہے، ایک آن نہیں ہٹتی، ان کی زیست بھی وہی ہے ان کی جنت بھی وہی ہے۔ یہ کیسا ظلم کیا کہ بعض شارحین نے غالبؔ کے اس شعر کو ظریفانہ کہہ کر ٹال دیا...... جس غزل کا مزاج عارفانہ و عاشقانہ ہو اس کا مقطع ظریفانہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ محبت کی توہین ہے، یہ عشق کی تذلیل ہے۔ اس غزل کے ذرا یہ شعر تو ملاحظہ کریں۔

حسن مہ گرچہ بہ ہنگام کمال اچھا ہے
اس سے یہ مرامہ خورشید جمال اچھا ہے

ہاں اب بتایئے ایسی غزل کا مقطع ظریفانہ ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں کوئی عاشقانہ اور عارفانہ ہی ہونا چاہئے (موجِ خیال ص۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳) اب اسے ادباء اور ناقدین تخلیقی تنقید کہیں یا تاثراتی---- بہر حال اس سے ڈاکٹر صاحب کے تحقیقی ذہن، شاعرانہ طبیعت، تنقیدی نظر اور ان کے لطیف و پاکیزہ ذوق اور فکر کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے-

کچھ ناقدین اور جائزہ نگاروں کا خیال ہے کہ غالبؔ غمگینؔ سے قطعاً متاثر نہیں تھے---- شبلی نعمانی بھی اسی گروپ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ڈاکٹر مسعود احمد نے تحقیقی جائزے سے یہ بات ثابت کردی ہے کہ مرزا غالبؔ حضرت غمگین سے بے حد متاثر تھا- (غالب نام آور، کراچی ۱۹٦۹ء ص ۱۹۲)

طنز و ظرافت اور مزاح نگاری : اردو ادب میں مزاح نگاری اور ظرافت کو ایک خاص مقام حاصل ہے- دنیا کے ہر ترقی یافتہ ادب میں طنز و ظرافت و شوخی کا عنصر کسی نہ کسی صورت میں پایا جاتا ہے آج کا ادیب اپنی تخلیق میں مجملہ خوبیوں کے ساتھ مزاح کا بھی پوری طرح خیال رکھنا چاہتا ہے مضمون میں فلسفیانہ بحث، خشک اور روکھی عبارت، بھری ہوئی مجهول گفتگو پڑھنے والوں کو جلد اکتا دیتی ہے اس لئے ادیب حضرات ظرافت اور مزاح کی لطافت سے غم والم کی آگ پر شبنم کی پھوار برسانے کی کوشش کرتے ہیں یہ بات بھی سچ ہے کہ ہمارے عام غموں میں خوشی مضمر ہے اور خوشی میں غم کے آنسو گھلے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے ادب میں مزاح کا ہونا اشد ضروری ہے تاکہ معاشرے کی بکھری ہوئی خرابیوں کو ہنستے ہنساتے پیش کر کے عوام کو ان کی اصلاح اور سدھار کا احساس دلایا جاسکے اردو ادب کے بیشتر ادیبوں نے طنز و مزاح کی چاشنی دے کر اردو ادب کو مالا مال کر دیا ہے اس کوشش میں ادیبوں کی دوش بدوش صدہا نام شعرائے کرام کے بھی پائے جاتے ہیں اردو میں مزاح نگاری کی ابتدا مغربی انسانوں کی تقلید سے

شروع ہوئی ہے فن مزاح نگاری انیسویں صدی کی دین ہے۔

اردو میں مزاح وظرافت کا سب سے بڑا اور پہلا امام غالبؔ ہے غالب کا خط کسی عنوان کا ہو کسی شخصیت کے نام ہو مزاح وظرافت اس میں یکساں درجہ کی پائی جاتی ہے غالبؔ اگر ماتم پرسی بھی کرتے ہیں تو اس میں ظرافت اور شوخی کی چاشنی اس طرح بو دیتے ہیں کہ طبیعت کا غبار اور غم کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سے مولوی نذیر احمد، منشی سجاد حسین، رتن ناتھ سرشار، عظیم بیگ چغتائی وغیرہ حضرات مزاح وظرافت کے میدان کے شہسوار ہیں--- موجودہ دور میں اس سے علم بردار ڈاکٹر مسعود احمد ہیں جنھوں نے مزاح وظرافت کے ذریعہ اردو ادب کی بہترین خدمت انجام دی ہے مزاح وظرافت کے چند نمونے پیش کر رہا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

۱) کسی دیہات میں تبلیغِ دین کے لئے ایک مولوی صاحب تشریف لے گئے مسلمانوں کو نماز کی تلقین کی، نماز کسی کو نہ آتی تھی، پڑھتا کون؟ مجبوراً مولوی صاحب نے فرمایا "میں نماز پڑھتا ہوں، جو کرتا جاؤں، تم بھی کرتے جاؤ" مولوی صاحب امام بنے، نیت باندھی، کھڑے ہو گئے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ جب رکوع میں گئے تو نکسیر پھوٹ گئی۔ دیہاتی مسجد تھی، اندر پانی کا انتظام نہ تھا، باہر کنواں تھا۔ مولوی صاحب ناک پر ہاتھ رکھے محراب مسجد سے باہر نکل کھڑے ہوئے۔ سب دیہاتی ان کے پیچھے پیچھے مسجد کے باہر جو نکلے تو امام صاحب ٹھوکر کھا کر گر پڑے، ان کی پیروی میں سب کو گرنا پڑا، سب کے چوٹیں آئیں، لیکن ان دیہاتیوں نے یہیں بس کی اور ایک زبان ہو کر بولے "مولوی صاحب یہ نماز تم کو مبارک ہو"، یہ کہہ کر یہ جاوہ جا۔ اللہ اللہ یہ دیہاتی ہم سے زیادہ دانا و بینا نکلے، ٹھوکر کھا کر سنبھل گئے۔ ہمارا عالم یہ ہے کہ ٹھوکروں پہ ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور سنبھلنے کا نام نہیں![1]

۲) **مریض و حکیم**:- "ہونا تو یہ چاہئے کہ مریض، حکیم کے کہے پر چلے لیکن ہوتا یہ ہے کہ حکیم مریض کے کہے پر چلتے ہیں اور پھر مریض کا کیا حال ہوتا ہے۔"

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

ایک حکیم حاذق کے پاس مریضہ آئی حکیم صاحب نے نبض دیکھی اور نسخہ لکھنے

۱- موجِ خیال ص ۳۴ از ڈاکٹر مسعود احمد

لگے، مریضہ بولیں "حکیم صاحب اس میں عناب بھی لکھنا"، پھر تھوڑی دیر بعد بولیں "اور سونف بھی لکھنا"، کچھ دیر نہ گزری تھی کہ پھر بولیں "اور ملٹھی بھی لکھنا"، حکیم صاحب سے رہا نہ گیا انہوں نے کاغذ قلم اس کے آگے رکھتے ہوئے فرمایا "پھر تم خود ہی نسخہ لکھ لو۔" دانا و بینا حکیم یہی کیا کرتے ہیں لیکن ہمارے معاشرے کے حکیم یعنی ادیب و شاعر اور صحافی یہ نہیں کرتے!

طنز و تعریض: ڈاکٹر مسعود احمد نے شخصیات افکار و نظریات وغیرہ پر بھی تنقید کی ہے یعنی رد اور تعریض میں قلم اٹھایا ہے لیکن ان کا انداز مناظرانہ جوش و ہیجان اور تلخ بیانی سے جدا ایک علیحدہ انداز ہے وہ رد بھی کرتے ہیں۔ تنقید و تعاقب بھی کرتے ہیں لیکن قوت استدلال اور نفسیاتی طریقۂ کار سے بیان میں زور ہوتا ہے۔ لیکن تندی نہیں ہوتی ویسے تو ان کے یہاں طنز زیادہ نہیں ہے اور جہاں طنزیہ پہلو نظر آتا ہے۔ وہاں بھی لطافت موجود رہتی ہے۔ اس پہلو کو اجاگر کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی لکھتے ہیں :۔

> ڈاکٹر مسعود احمد پھول کی پتی سے ہیرے کا جگر کاٹنے میں ملکۂ تام رکھتے ہیں البتہ نادانی اور جہالت کا معاملہ ہی اور ہے۔ وہاں تو کسی بھی شرافت اور علمیت کے لئے مقام ہی نہیں۔ لہٰذا وہ ایسے جہل کو کاٹنے کے لئے کلام و الفاظ کے شمشیر و سنان اٹھانے کے بجائے حتی الامکان علم و تحقیق کی نورانیت سے تیرگی مٹانے کی سعی کرتے ہیں۔ مخالف و معترض کو وہ نفسیاتی طریقۂ کار اور طرزِ استدلال سے پانی پانی کر دیتے ہیں۔ وہ کذب و جہل اور غلط فہمی کے بھول بھلیوں میں بھٹکنے والوں کے لئے غور و فکر کی شمعیں روشن کرتے ہیں اور صراطِ مستقیم پر آنے اور چلنے کی دعوت بھی دیتے ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی کی بچی چاندنی جیسی شخصیت اور ان کے کھرے کارناموں کی مخالفین پر چھاپ ڈالنے کے سلسلے میں انہوں نے یہی طریقۂ کار اپنایا ہے اور اس میں بڑی کامیابی حاصل کی ہے صرف چند مثالوں سے ان کے طنز و تعریض اور رد کے انداز کو واضح کیا جا رہا ہے۔

(۱) مجاز پرستی کے اس دور میں توحید خالص کا اس طرح پرچار کرنا کہ اللہ کے برگزیدہ بندوں، رسولوں، نبیوں اور ولیوں کو محتاج محض اور عاجز مخلوق قرار دے

۱۔ موج خیال، ص ۱۹، از ڈاکٹر مسعود احمد

کر عام انسانوں کی صف میں کھڑا کر دیا جائے نہایت ہی خطرناک خصوصاً اس دور میں جو نبیوں، رسولوں اور ولیوں سے پھوٹا وہ خدا سے پھوٹا اس کا مسلمان نظر آنا تو ممکن ہے مگر مسلمان رہنا مشکل ہے۔

جو تیرے در سے یار پھرتے ہیں
در بدر یوں ہی خار پھرتے ہیں

(نور و نار، ص ۱۸)

(۲) اپنی کتاب ''نور و نار'' میں ڈاکٹر مسعود احمد نے اسمٰعیل دہلوی کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' کی سولہ عبارتیں بڑے علمی انداز میں رد کرتے ہیں اور یہ رد کے ساتھ ساتھ حضور نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ادیبانہ مگر محققانہ انداز میں پیش کرتے ہیں اور پھر آخر میں ''تاثرات و تمیزات'' کے عنوان سے قوم کو مخاطب کرتے ہوئے اسمٰعیل دہلوی کی گستاخانہ عبارتوں سے واقف کراتے چلے جاتے ہیں اس طرح بڑے ہی بلیغ انداز میں اسمٰعیل دہلوی کے افکار و اعمال کا جائزہ لیتے ہیں اور تذلیل کا سامان فراہم کر دیتے ہیں---کیا انداز ہے--- ''آپ سن چکے، کہنے والے نے دبے لفظوں میں یہ کہا کہ''---- اس کے بعد لکھتے ہیں--- ''آپ نے اہانت و گستاخی کے خارزاروں کو دیکھا جہاں اہل محبت کے قدم لڑکھڑاتے ہیں جہاں الفاظ کی پکاروں اور معانی کی آہوں سے کلیجہ منہ کو آتا ہے اور سینے شق ہو جاتے ہیں۔''

''اللہ اللہ کیسی کیسی باتیں کہہ دیں، حریم عشق میں کہرام مچا ہوا ہے، آنکھیں اشکبار ہیں، دل فگار ہیں، کوئی تو ان محبت کے ماروں کی خبر لے! کوئی تو ان کی آہیں سنے! کوئی تو ان کے نالے سنے! ہاں یہ کس نے قیامت ڈھائی ہے! ہاں یہ کس نے دل دکھایا ہے! ہاں یہ کس نے چرکہ لگایا ہے!......ہاں کسی کا نام نہ لو ع

آہوں سے شرارے اٹھتے ہیں آنکھوں سے دریا بہتے ہیں

حریم عشق میں آگ لگائی تھی، جھانے والوں نے جھادی تھی مگر پھر لگائی جارہی ہے محبت والو! گھر کی خبر لو، ہاں اس کو اجڑنے نہ دینا یہ اجڑ گیا تو جہاں اجڑ گیا۔

رونق ہستی ہے عشق خانہ ویراں ساز سے
انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن میں نہیں

(نورونار-ص ۷۹-۸۰)

(۳) شعرائے اردو کے تذکرے چھوٹے موٹے شاعروں سے بھرے پڑے ہیں مگر جس کا ذکر کیا جانا چاہئے تھا نہ کیا گیا--- شاعروں نے اس لئے چھوڑا کہ وہ عاشق صادق تھا وہ کسی کا شاگرد نہ تھا---- علماء نے اس لئے چھوڑا کہ وہ سچی محبت کی بات کرتا تھا- (عاشق رسول ص ۵)

(۴) مؤرخ کی نظر شش جہات میں ہونی چاہئے وہ ساحل پر پڑے ہوئے گھونگوں سے سروکار نہیں رکھتا، قعر دریا میں غوطہ زن ہوکر گوہر آبدار نکالتا ہے مگر بعض مؤرخوں نے گھونگوں کو موتی سمجھ کر تاریخ کو سجایا، حقائق سے منہ موڑا اب حقائق و شواہد خود بخود نکلے چلے آتے ہیں، مؤرخ و محقق حیران ہیں پشیمان ہیں کہ ہم نے کیا کیا، تاریخ کو کیا سے کیا بنادیا- (اجالا ص ۵۲)

ان اقتباسات سے ڈاکٹر مسعود احمد کے طنز و تعریض کا شائستہ انداز واضح ہے طنز کے لطیف اور چبھتے ہوئے نشتر ڈاکٹر مسعود احمد کے خطیبانہ اسلوب کی غمازی کررہے ہیں اس اسلوب میں موازنہ نگاری بھی موجود ہے اور استفہام بھی ہے لیکن سب کے باوجود وضاحت، استدلال، ایجاز اور بلاغت کے اوصاف بھی واضح ہیں[۱]-

سلاست وروانی :-ڈاکٹر مسعود احمد کے مضامین و مقالات میں سلاست وروانی کا عنصر بدرجہ اتم پایا جاتا ہے عبارت میں ذرا بھی ایچ پیچ نہیں ان کا ایک ایک جملہ اور فقرہ نہایت شستہ اور پاکیزہ معلوم ہوتا ہے ذیل میں ڈاکٹر صاحب کی اس خوبی کو ملاحظہ فرمائیں-

"اس کے حسن دل افروز کو شعروں میں ڈھالتے ہیں تو یہ محسوس ہوتا ہے جیسے دل مچل رہے ہوں، جیسے آنکھیں برس رہی ہوں، جیسے سینے لہک رہے ہوں، جیسے چشمے ابل رہے ہوں، جیسے فوارے چل رہے ہوں، جیسے گھٹائیں چھارہی ہوں،

۱- قلمی مضمون غیر مطبوعہ ،از ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

جیسے پھوار پڑ رہی ہو، جیسے مینہ برس رہا ہو، جیسے جھرنے چل رہے ہوں، جیسے دریا بہہ رہے ہوں، جیسے صبا چل رہی ہو، جیسے پھول کھل رہے ہوں، جیسے خوشبو مہک رہی ہو، جیسے تارے چمک رہے ہوں، جیسے کہکشاں دمک رہی ہو، جیسے آفاق پھیل رہے ہوں، جیسے دنیا سمٹ رہی ہو، جیسے زمین سے اٹھ رہے ہوں، جیسے فضاؤں میں بلند ہو رہے ہوں، جیسے آسمانوں میں پھیل رہے ہوں، جیسے دروازے کھل رہے ہوں، جیسے ایک نئے جہاں میں جھانک رہے ہوں، جیسے قدسیوں سے باتیں کر رہے ہوں، جیسے حوروں سے سرگوشیاں کر رہے ہوں، جیسے باغ جنت کی سیر کر رہے ہوں، جیسے کوثر و تسنیم سے سیراب ہو رہے ہوں، جیسے سینوں میں وسعت کونین سما رہی ہو، جیسے جلوۂ یار کو آمنے سامنے دیکھ رہے ہوں، جیسے وہ آ رہے ہوں، جیسے وہ جا رہے ہوں، جیسے وہ ہنس رہے ہوں، جیسے وہ رو رہے ہوں، جیسے وہ بول رہے ہوں، جیسے وہ مسکرا مسکرا کر دل کی کلیاں کھلا رہے ہوں، جیسے ہم ان کو دیکھ دیکھ کر مر رہے ہوں، جی رہے ہوں، جیسے ان کے نور کی خیرات لوٹ رہے ہوں، جیسے ان کے کرم کی بہاریں دیکھ رہے ہوں۔ رضا بریلوی کے نعتیہ نغموں کی کیا بات ایک ایک حرف چمک رہا ہے ایک ایک لفظ دمک رہا ہے ایک ایک مصرعہ چمک رہا ہے، ایک ایک شعر میں جہان معنی آباد ہیں۔"[1]

فصاحت وبلاغت :- ڈاکٹر مسعود احمد کے مضامین و مقالات میں بھی یہ عنصر کافی حد تک پایا جاتا ہے ڈاکٹر صاحب اپنے انداز تحریر میں اس بات کا مکمل لحاظ رکھتے ہیں کہ میرا مخاطب کون ہے اور میں یہ مقالہ یا مضمون کس معیار کے لوگوں کے لئے لکھ رہا ہوں اس پیرائے کو ملحوظ خاطر رکھ کر جو مقتضائے حال کے مطابق انداز تخاطب یا انداز تحریر استعمال کرتا ہے اسے فصیح و بلیغ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جب ہم اس زاویئے نظر سے ان کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ عنصر بھی ہمیں مل جاتا ہے برائے استشہاد ذیل کا پیراگراف ملاحظہ کریں۔

رضا بریلوی کی شاعرانہ خوبیوں کی کیا بات کی جائے کون سی خوبی ہے جو یہاں نہیں ان کی شاعری پیکر حسن و جمال ہے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ معانی و بیان کی دل آویزیاں صنائع و بدائع کی جلوہ ریزیاں، تشبیہات و استعارات کی سحر انگیزیاں الفاظ و

۱۔ انتخاب حدائق بخشش، ص ۱۰-۱۱-۱۲، از ڈاکٹر مسعود احمد

حروف کی حیرت انگیز صف بندیاں محاوروں کا حسین امتزاج، روز مرہ کا دل آویز استعمال- طرز ادا کی رنگینی و بانکپن، سادگی و پرکاری، ندرت فکر و خیال، بے ساختگی و برجستگی، موسیقیت و نغمگی، رفعت مضامین، نکھرے ستھرے پاکیزہ اشعار، سراپا انتخاب، فکر و خیال کو جس سانچے میں ڈھالتے ہیں حسین سے حسین نظر آتا ہے غزل کو اتنا بلند کیا کہ لغت بنا دیا اور نغمہ نعت کو اس بلند آہنگی سے چھیڑا کہ زمین و آسمان گونجنے لگے [1]-

ان کے اسلوب تحریر کے امتیازات پر ایک مجموعی تأثر

مختلف موضوعات اور فنون میں ڈاکٹر مسعود احمد کے نثری اسلوب کا جائزہ لیا گیا انہوں نے ہر موضوع اور ہر فن میں طبع آزمائی کی ہے---- موضوع اور فن کے اعتبار سے اسلوب اختیار کیا ہے اور خوبی یہ ہے کہ خشک سے خشک موضوع اور تحقیق سے متعلق مضامین و علمی فنون میں بھی انہوں نے مقالہ تحریر کیا ہے دلکشی شگفتگی اور حسن کو برقرار رکھا ہے ڈاکٹر صاحب کی تحریر میں علمی و تحقیقی صداقت اور لطف انشاء و حسن تحریر کا لاجواب امتزاج ہے ظرافت و مزاح نہیں کے برابر ہے طنز و تعریض بھی تیزابیت، تندی اور اشتعال سے مبرا ہے البتہ ان کے طنز میں لطافت، کسک، کھٹک اور رس ضرور ہے اور اس میں پانی پانی کر دینے والا جوہر ہے ان کا طنز اصلاحی اور تعمیری انداز کا حامل ہے طنز کے اس طرز نے نثر کو ایک نمک آگیں حسن یعنی حسن ملیح یا سلونا پن عطا کر دیا ہے- مطالب و مفاہیم کے اعتبار سے توضیحی، بیانیہ، شخصی اور تاثراتی نثر کی تمام قسمیں ان کی تحریر میں پائی جاتی ہیں--- روانی، برجستگی، شگفتگی، زور بیان، خیالات کا بہاؤ اور اس بہاؤ کا اسلوب کی تشکیل میں نمایاں رول، ترتیب، سلیقہ مندی، شائستگی، وقار، متانت، فراست، استدلال، چمک، مہک، تڑپ اور ایجاز و اختصار وغیرہ ان کے طرز تحریر کی خصوصیات ہیں ان کے یہاں شاعرانہ فضا کا اہتمام، فضا بندی، منظر نگاری، نثر میں شعریت اور تخیل کا عنصر بدرجہ اتم موجود ہیں تشبیہات، استعارات، کنایات وغیرہ کا استعمال گو کم ہے لیکن صنعت تجنیس، صنعت اشتقاق و اقسام، مراعات النظیر جنہیں ہم رعایات لفظی کے تحت تحریر کر چکے ہیں، صنعت تضاد، صنعت عکس الفاظ کی تکرار وغیرہ ان کی تحریروں میں ضرور پائے جاتے ہیں محاورات اور کہاوتوں کا استعمال بھی بہت کم ہے ان کی اردو ٹھیٹھ یا خالص اردو ہے فارسی تراکیب ہیں لیکن آسان اور جمالیاتی پہلو سے مزین، عربی و فارسی زبانوں کا رچاؤ اور ان کی آمیزش بھی

۱- انتخاب حدائق بخشش، ۱۳- ۱۴، از ڈاکٹر مسعود احمد

بہت کم ہے زبان بہت ہی پاکیزہ صاف ستھری، دھلی دھلائی ہے لیکن دہلی کی تمام تر لطافت اور تہذیب کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر مسعود احمد۔ دہلوی زبان کو بھی ارض پاک پر لے کر گئے اور اپنے خاندانی ماحول کی تمام تر خوبیوں اپنی زندگی کی تمام تر لطافتوں، نفاستوں، تقدیس اور زبان دہلوی کو وہاں مکمل طور سے فروغ بخشا اور مزید پھیلانے میں مصروف ہیں چھوٹے چھوٹے جملوں اور فقروں میں بڑی بڑی باتیں کہہ جانا اور بلاغت و معنی کا تہہ در تہہ جلوہ دکھانا ڈاکٹر مسعود احمد کے قلم کا کمال ہے ان کے رواں دواں عبارت کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے فضاء میں راج ہنس پرواز کرتے چلے جارہے ہوں یا ہری بھری وادیوں سے گنگناتا ہوا آبشار گر رہا ہو اور شیریں و خنک پانیوں کو دور دور تک پھیلا کر سیراب خطوں کو سیراب تر اور خشک زمینوں کو سیراب اور سرسبز و شاداب کر رہا ہو۔

ڈاکٹر مسعود احمد کی مختلف تصانیف اور مضامین سے چند اقتباسات پیش کئے جارہے ہیں ان میں افسانوی، شاعرانہ فضا اور شعریت، امیجری اور خیالات کی نزاکت و بلاغت اور پھیلاؤ بہاؤ کا مکمل جائزہ لیا گیا ہے۔

(۱) صورتیں نہیں سیرتیں چمکتی ہیں اور جب سیرتیں چمکتی ہیں تو صورتیں بھی چمکنے لگتی ہیں، آفتاب چمکتا ہے تو ماہتاب چمکتا ہے آفتاب نہ چمکے تو ماہتاب کہاں سے آئے، ظاہری سج دھج میں کیا رکھا ہے، کچھ بھی نہیں، ایک حادثۂ عظیم رونما ہونے والا ہے، سب نقش و نگار مٹ کر رہ جائیں گے اللہ اللہ!

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

(مرادرسول، ص ۹)

(۲) وہ باکمال سیرتیں غضب کا اثر رکھتی ہیں، کمال نہیں اثر نہیں۔ خلعت شاہی کے گل بوٹوں میں وہ جذب و کشش نہیں جو خرقۂ درویشی کے پیوندوں میں ہے، ایک ایک پیوند لخت جگر و پارۂ دل بنا ہوا ہے۔

(مرادرسول، ص ۹)

ہر دو اقتباس میں بلاغت کا جلوہ آشکارا ہے۔

(۳) سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں!

جب ہم ماضی کی طرف پلٹ کر دیکھتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک قیامت

گذر گئی اللہ اکبر! کیسی کیسی عظیم ہستیاں اٹھ گئیں- ماحول خالی خالی سا نظر آتا ہے، فضائیں بے کیف سی معلوم ہوتی ہیں، رنگ محفل پھیکا پھیکا ساد کھائی دیتا ہے- اس میں شک نہیں مثالی شخصیتوں کا اٹھ جانا ملت اسلامیہ کے لئے ایک بڑا المیہ ہے، ایک نہایت کربناک وغمناک حادثہ ہے-

(مضمون- علامہ مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی مارہروی ص ۱)

(۴) کارواں تو ہے میر کارواں نہیں، ایک ایک کا منہ تکتا ہے دم خود رہ جاتا ہے، تاریکیاں بڑھ رہی ہیں، ظلمتیں چھارہی ہیں، دل ویران ہو رہے ہیں، دماغ پریشان ہو رہے ہیں، کارواں منزل کی طرف رواں دواں تھا وہ جو نہیں تو کیا کرے اور کہاں جائے! وہ ایک چراغ تھے جو بجھ گیا، وہ ایک آفتاب تھے غروب ہو گیا- اِنَّ لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون

(علامہ احمد سعید کاظمی- تأثرات ومشاہدات ص ۱۰)

(۵) بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ انگریزی ادب پڑھانے والا اور ناولوں ڈراموں سے دلچسپی رکھنے والا عشق رسول علیہ التحیہ والتسلیم سے بیگانہ ہوگا مگر نہیں یہاں کیفیت یہ ہے-

ع بیگانگی میں حالی یہ رنگ آشنائی

جہاں سے چلے تھے بہت آگے بڑھ گئے، عشق رسول نے ان کو ایک عاشق رسول کے قدموں تک پہنچادیا- (تقدیم بر دیوان- "تجلیوں کا شجر" از پروفیسر غیاث الدین قریشی، ص ۱)

(۶) حضرت علامہ مولانا تقدس علی خان علیہ الرحمہ نے ساٹھ سال تک تدریس کے فرائض انجام دیئے اور ایک عالم کو سیراب کیا، حق یہ ہے کہ جس نے اتنے طویل عرصے دین کی خدمت کی اس نے دنیا اور آخرت میں سب کچھ کمالیا اور ایک ایسی کھیتی لگادی جو ہمیشہ ہری بھری رہے گی اور اس کے ثمرات سے لوگ مستفید ہوتے رہیں گے-

(حضرت مفتی تقدس علی خان علیہ الرحمہ، ص ۱)

ان پیش کردہ اقتباسات میں فضابندی، منظر کشی اور امیجری وغیرہ واضح ہیں اور شاعرانہ فضا کے

اہتمام کی بابت جو عرض کیا ہے وہ پہلے بھی مختلف مثالوں میں مختلف مقامات پر ملاحظہ کر چکے ہیں علاوہ ان کے اقتباس نمبر ا اور نمبر ۳ میں یہ اہتمام صاف نظر آتا ہے نمبر ا میں عبارت کے آخر میں شعر پیش کیا گیا ہے اور نمبر ۳ میں ابتداء ہی شعر سے ہوئی ہے اسی طرح کہیں شروع، آخر یا بیچ میں شعر یا مصرعہ التزاماً شامل کر کے ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحریر میں شاعرانہ فضا کا اہتمام کیا ہے۔

ڈاکٹر مسعود احمد کی نثر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فکری قوت منطقی توانائی اور تحقیقی تابانی کے ساتھ ساتھ لطف اور اثر بھی پایا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فکر کے خاکوں میں تخیل کا رنگ بھرنے کی کوشش کرتے ہیں ڈاکٹر مسعود احمد استعاراتی اور علاماتی انداز نیز صنائع وغیرہ سے نثر کو شعریت کا رنگ دے کر دیتے ہیں اور خیالات کے بہاؤ سے رواں دواں نثر کو موسیقیت سے بھر دیتے ہیں۔

الف :- ''ایک ایک پیوند لخت جگر و پارۂ دل بنا ہوا ہے'' میں مبالغہ کا انداز دیکھیں۔

ب :- ''ایک ایک کا منہ تکتا ہے دم بخود رہ جاتا ہے'' میں محاورہ بندی کی بہار ملاحظہ کریں۔

ج :- ''وہ ایک چراغ تھے جو بجھ گیا وہ ایک آفتاب تھے کہ غروب ہو گیا۔'' میں استعارہ سازی ملاحظہ کریں۔

اس طرح کا تخیلاتی انداز بیان ڈاکٹر صاحب کے یہاں کثرت سے ملے گا۔

''محدث بریلوی کے دو صاحبزادے تھے علامہ محمد حامد رضا خاں اور مفتی اعظم محمد مصطفےٰ رضا خاں، دونوں آفتاب و ماہتاب تھے'' اس پیراگراف میں تشبیہات کا جلوہ دیکھیں۔(محدث بریلوی، ص ۳۳)

ڈاکٹر صاحب کے یہاں جو فضا بندی اور منظر نگاری ہے وہ نثر میں شعریت کی عمدہ مثال ہے ایسی مثالیں شبلی نعمانی کے یہاں بھی خوب ملتی ہیں چند مثالیں اور دیکھیں۔

دنیا میں ہر ابتداء کی انتہا ہے اور ہر انتہا کی ابتداء ہے ہر آغاز کا انجام ہے اور ہر انجام کا آغاز...... (قیامت، ص ۵)

چاند چمک رہا ہے، ستارے کھل رہے ہیں، نور کی پھوار پڑ رہی ہے جدھر دیکھو نور ہی نور، جدھر دیکھو بہار ہی بہار، تازگی انگڑائیاں لے رہی ہیں، مسرتیں پھوٹ رہی ہیں، رنگینیاں اپنا رنگ دکھا رہی ہیں۔ سارا عالم نہایا ہوا ہے----ذرے ذرے پہ مستی چھائی ہوئی ہے----اجلا اجلا سا سماں----یہ مہکی مہکی سی فضائیں----یہ مست مست ہوائیں جھوم جھوم کر جشن بہاراں کے گیت گا رہی ہیں۔ (جشن بہاراں، ص ۹-۱۰)

مذکورہ اقتباس میں صنعت عکس صنعت تضاد کا استعمال بھی نمایاں ہے ڈاکٹر مسعود احمد کی نثر میں بیان کے زور کے ساتھ ساتھ گو لہجہ کا مٹھاس نرمی اور گھلاوٹ ہے لیکن علمی موضوعات و سیرت کے موضوع میں کہیں کہیں وقار و شکوہ کا جلوہ بھی خوب نظر آتا ہے۔

اسلامی تاریخ و سیاست کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ عشق رسول سے ملت اسلامیہ میں جہانگیری کی قوت پیدا ہوئی اور اتباع رسول سے جہانبانی و جہاں آرائی کا سلیقہ آیا جس ملت میں جہانگیری و جہاں بانی اور جہاں آرائی کا جوہر نہ ہو وہ حکومت نہیں کر سکتی اس کی قسمت میں غلامی لکھ دی جاتی ہے۔

(جان جاناں، ص ۴۳)

"قرآن کی ایک ایک آیت میں دانش و حکمت کے سیکڑوں جہاں پنہاں ہیں، نیک و بد کی اس دنیا میں، خیر و شر کے اس عالم میں، ہم قطعی طور پر نہیں جان سکتے کہ کون سی بات اور کون سا عمل مفید ہے اور کون سا عمل مہلک"۔۔۔۔

(دعائے خلیل، ص ۱۶)

ڈاکٹر مسعود احمد کی نثر میں جب خطابت کا انداز ظاہر ہوتا ہے اس وقت مترادفات کے ساتھ ساتھ صنعتوں کا جلوہ بھی لہریں لینے لگتا ہے، فقرات کے دروبست میں تضاد و توازن وغیرہ کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔مذکورہ بالا اقتباسات پڑھنے کے بعد اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ڈاکٹر مسعود احمد الفاظ اور تراکیب کی بندش ساتھ ساتھ تشبیہات، استعارات، تلمیحات وغیرہ صنعتوں پر مکمل دسترس رکھتے ہیں کیونکہ جب ہم ان کی تصنیفات و تالیفات، مقالات و مضامین کا بہ نظر غائر مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ان میں تشبیہات و استعارات اور تلمیحات، مترادفات کا چمن زار نظر آتا ہے۔۔۔ ان کی تحریروں میں تخیل کی رومانیت جمالیاتی احساس کے علاوہ اظہار بیان میں انشاء پردازی کی وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ادب لطیف کے لئے لازمی عنصر کی حیثیت رکھتی ہے۔

میں یہاں علامہ احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ (ملتان-پاکستان) کے وصال پر ڈاکٹر مسعود احمد کا ایک تاثراتی غم نامہ پیش کرتا ہوں۔جس میں ان کی تحریر کی مختلف خوبیاں ظاہر ہو رہی ہیں اور محسوس ہوتا ہے کہ انشاء پردازی میں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

بسمہ اللہ الرحمن الرحیم

علامہ احمد سعید کاظمی --- تاثرات و مشاہدات

از

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

O

ان کی یاد آتی ہے تو آنسو رواں ہو جاتے ہیں، ہاں ؎

می روی وگریہ می آید مراد ساعتے بنشیں کہ باراں بگزرد

وہ دلوں میں بسے ہوئے ہیں ---- وہ نظروں میں سمائے ہوئے ہیں ؎

نظر ہے وقف غم انتظار کیا کہنا!
کھنچی ہے سامنے تصویر یار کیا کہنا!

کل وہ ہمارے درمیان تھے ---- آج وہاں ہیں جہاں ہم میں سے کوئی جیتے جی نہیں جاسکتا ---- وہ آسکتے ہیں، وہ مل سکتے ہیں، وہ دیکھ سکتے ہیں --- ہم وہ نظریں کہاں سے لائیں جو ان کو دیکھ پائیں؟ --- آنکھیں ڈھونڈتی ہیں، دل ڈھونڈتا ہے --- وہ لمحے کہاں سے لائیں، وہ ساعتیں کہاں سے لائیں، وہ صبحیں کہاں سے لائیں، وہ شامیں کہاں سے لائیں، وہ راتیں کہاں سے لائیں؟ --- کیسے پر کیف تھے وہ لمحے جب وہ باتیں کرتے تھے! ---- کیسی پر بہار تھیں وہ ساعتیں جب وہ ہنستے تھے! ---- کیسی جاں نواز تھیں وہ صبحیں جب وہ درس دیا کرتے تھے! ---- کیسی جاں نواز تھیں وہ راتیں جب وہ اپنی تقریروں سے دلوں کو گرمایا کرتے تھے! ---- ہاں ؎

جام پہ جام لائے جا، شان کرم دکھائے جا
پیاس مری بڑھائے جا، روز نئی پلائے جا

حیف دیکھتے ہی دیکھتے یہ کیا ہوا؟ ---- ؎

یاد ایام وصل یار افسوس
دھر کے انقلاب نے مارا

کارواں تو ہے میر کارواں نہیں ---- ایک کا ایک منہ تکتا ہے، دم بخود رہ جاتا ہے --- تاریکیاں بڑھ

رہی ہیں---- ظلمتیں چھارہی ہیں--- دل ویران ہورہے ہیں---- دماغ پریشان ہورہے ہیں---کارواں منزل کی طرف رواں دواں تھاوہ جو نہیں تو کیا کرے اور کہاں جائے ؟وہ ایک چراغ تھے جو بجھ گیا---وہ ایک آفتاب تھے جو غروب ہو گیا---اناللہ وانا الیہ رجعون!

وہ معصومانہ بھولپن---وہ پدرانہ شفقت---وہ عالمانہ وقار---وہ عارفانہ کلام!---

کیا کہوں تجھ سے کہ کیا دیکھا ہے تجھ میں میں نے

وہ بھلائے نہیں بھولتے----وہ جو نہیں، توباد صبا روٹھی روٹھی سی، اور بہار پھیکی پھیکی سی معلوم ہوتی ہے----ہاں ؎

ازما رمیدۂ بہ لحد آرمیدۂ
خواب تو خوش کلفت یاراں ندیدۂ

O

۱۹۵۲ء کے لگ بھگ کچھ عرصے کے لئے بہاول پور میں قیام تھا---- طالب علمی کا زمانہ تھا----احقر کے بہنوئی حضرت سید قاری الحاج محمد حفیظ الرحمٰن نقشبندی مجددی چشتی علیہ الرحمہ انوار العلوم کے جلسۂ تقسیم اسناد میں شرکت کرنے کے لئے ملتان جارہے تھے، احقر کو بھی ساتھ لے لیا--- علماء حق کی خدمت میں حاضری اور مزارات اہل اللہ کی زیارت حضرت قاری صاحب کی زندگی کے محبوب مشغلے تھے---وہ خوب جانتے تھے :۔

دربار شہنشہی سے خوش تر
مردان خدا کا آستانہ

بادشاہوں کے دربار میں دل ڈوبتے ہیں اور اہل اللہ کی چوکھٹ پر دل زندہ ہوتے ہیں---- حضرت قاری صاحب کا دل زندہ تھا----حیف وہ بھی ہم سے جدا ہو گئے!---وہی سب سے پہلے حضرت علامہ کی خدمت میں لے گئے تھے--- حضرت علامہ بھی نہ رہے اور ہم بھی کچھ دن کو ہیں پھر......

کہیں ڈھونڈا بھی نہ پائے گا

----اللہ اللہ فقیر کہاں نکل گیا؟---- یہ تو شہر خموشاں ہے!--- آیئے دربار محبوب کی طرف چلیں--- عرض کر رہا تھا پہلی بار حضرت قاری صاحب کے ہمراہ حضرت علامہ کی خدمت میں حاضر ہوا---- ملاقات کا نقشہ ذہن میں محفوظ نہ رہا---- ۳۴ سال پرانی بات ہے، ہاں اتنا یاد ہے ؎

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی
دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی

یہیں پر ۱۹۴۷ء سے قبل کے ایک بچھڑے ہوئے کرم فرما مولانا حکیم مختار احمد اشرفی سے اچانک ملاقات ہوگئی- یوں محسوس ہوا کہ جنت میں دو مرحومین ملے--- کتنی خوشی ہوئی پتہ نہ پوچھئے!---وہ سنبھل کے رہنے والے تھے، گجرات ہجرت کر کے آباد ہو گئے تھے---حیف وہ بھی اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو چکے!---ہاں تو تذکرہ تھا حضرت علامہ کی خدمت میں حاضری کا---تین روز تک پر رونق جلسے ہوتے رہے---شرکت کی سعادت حاصل ہوتی رہی-----پھر ایک عرصے کے بعد ۱۹۶۶ء کے لگ بھگ حضرت علامہ سے بہاول پور میں اس وقت ملاقات ہوئی جب وہ جامعہ اسلامیہ، بہاول پور میں شیخ الحدیث کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے---- یہ ملاقات بھی حضرت قاری صاحب کی معیّت میں ہوئی--- حضرت علامہ نے بڑی محبت و شفقت سے نوازا، کھانے پر مدعو کیا، خوب پکایا اور خوب کھلایا---ضیافت کا ڈھنگ کوئی ان سے سیکھتا، مہمان نوازی کا سلیقہ کوئی ان سے سیکھتا- جاتے وقت اپنا ذاتی تانگہ تیار کرایا اور اسی میں بھجوایا--جب تک تانگہ روانہ نہ ہو گیا باہر کھڑے رہے اور فقیر کو شرمسار کرتے رہے---- حیف اب صرف ان کی یاد رہ گئی ہے، وہ نہ رہے-اناللہ وانا الیہ رجعون!

دانی کہ چہ مدتیست اے دلبرما
بایں جہتے نرفتہ از برما
خود کس نفرستی و نپرسی ہرگز
تا بے تو چہامی گزرد برسرما

O

۱۹۷۰ء میں فقیر نے ایک مقالہ "فاضل بریلوی اور ترک موالات" قلم بند کیا جو ۱۹۷۱ء میں مرکزی مجلس رضا، لاہور نے شائع کیا اور جس کے اب تک تقریباً چھ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں--- یہ مقالہ کوئی اتنا وقیع نہ تھا---- سنہ مذکور کے بعد جب فقیر بھاول پور حاضر ہوا تو حضرت علامہ سے جامعہ اسلامیہ، بھاولپور میں شرف نیاز حاصل کیا--- بہت خوش ہوئے، دعاؤں سے نوازا اور فقیر کے مقالے کے بارے میں جو اظہار خیال فرمایا اس سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے چھوٹوں کی کیسی دلداری فرماتے تھے اور کس طرح حوصلے بڑھاتے تھے-----آپ نے فرمایا:-
"سچ تو یہ ہے کہ ایسا مقالہ لکھنا ہمارے بس کی بات نہ تھی"

اس فراخدلانہ اظہار خیال نے شرمسار بھی کیا اور سرفراز بھی---اللہ اکبر! حضرت علامہ کی شفقت کا یہ عالم کہ وہ اپنے چھوٹوں کا دل بڑھانے کے لئے اپنی ہستی کو مٹا دیا کرتے تھے----سچ تو یہ ہے کہ جو خود کو مٹاتا ہے وہ ہرگز نہیں مٹتا----اعلیٰ حضرت بریلوی نے کیا خوب فرمایا ؎

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں
مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

اللہ اللہ ''فنا'' چاہنے والوں کو ''بقا'' مل رہی ہے!----یہ اس کا کرم ہے----یہ اس کی عطا ہے----جسے چاہے نواز تا ہے---سمجھ میں بات نہیں آتی کہ مٹانے سے ابھر تا کیوں ہے؟----شاید ہم روز روز کے مشاہدات کو بھول جاتے ہیں----ننھا سا بیج مٹی میں دفن کر دیجئے----مٹا دیجئے، فنا کر دیجئے----مگر وہ نئی آن کے ساتھ ابھرتا ہے---اپنے جلو میں ہزاروں پھول، پتے لئے---تنہا جاتا ہے، ایک جلوس کے ساتھ آتا ہے---سبحان اللہ! یہ ہے بقا بعد الفناء!----حضرت علامہ نے عاجزی وانکساری کی انتہا کر دی، خود کو مٹا دیا، اللہ نے ان کو زندہ جاوید کر دیا---وہ ہمارے دلوں میں بسے ہوئے ہیں، وہ ہماری آنکھوں میں سمائے ہوئے ہیں ؎

خیالک فی عینی و ذکرک فی فمی
وحبک فی قلبی فکیف تغیب؟

O

بھاولپور سے جب حضرت علامہ ملتان تشریف لائے تو یہاں بھی بارہا شرف نیاز حاصل ہوا---فقیر کے محترم بزرگ حکیم سید شوکت علی زید عنایۃ کے ہاں جب بھی جانا ہوتا، حضرت علامہ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا کہ ؎

بے وہاں جائے بھلا ہم سے رہا جائے کہاں
دل سے اس بزم میں جانے کا مزا جائے کہاں!

جب حاضر ہوتا بڑی شفقت و محبت فرماتے----اپنے پاس بٹھاتے، شاندار ناشتے کا اہتمام فرماتے، اپنے ہاتھ سے اٹھا اٹھا کر کھلاتے اور فرماتے جاتے----''حضرت یہ نوش فرمایئے، یہ لیجئے، وہ لیجئے''----اللہ اللہ اب یہ مہمان نوازیاں کہاں دیکھیں اور کہاں ڈھونڈیں!----وہ سراپا پیکر اخلاص تھے

حیف و رچشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

○

ایک بار جانا ہوا، اپنے مخصوص کمرے میں تشریف فرما تھے --- کتابیں پھیلی ہوئی تھیں اور تفسیر قرآن قلم بند فرمارہے تھے --- دیکھ کر بہت خوش ہوئے، گرمجوشی سے بغل گیر فرمایا --- مختلف امور پر باتیں ہوتی رہیں --- ناشتہ آیا، خوب کھلایا --- دو تین گھنٹے بیٹھنا ہوا --- اس دوران یہ دیکھتا رہا کہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد خادم آکر اطلاع دیتا کہ فلاں شہر سے پچھ لوگ دعا کے لئے حاضر ہوئے ہیں --- حضرت علامہ باہر تشریف لے جاتے، دعا فرماتے اور واپس آکر اپنے علمی مشاغل میں مشغول ہو جاتے --- جب تک فقیر بیٹھا رہا عقیدت مندوں کے آنے جانے کا یہی سلسلہ جاری رہا --- لکھنے پڑھنے کا کام یکسوئی سے ہوتا ہے، بار بار مداخلت سے تسلسل ٹوٹ جاتا ہے اور کام کی رفتار سست پڑ جاتی ہے --- فقیر نے ادب سے عرض کیا --- ''حضرت اوقات مقرر فرمالیں، اگر یہی سلسلہ جاری رہا تو تفسیر کا پورا کرنا مشکل ہو جائے گا'' --- فقیر کی معروضات سر جھکائے سنتے رہے --- پھر ذرا توقف کے بعد اپنے مخصوص انداز میں فرمایا --- ''حضرت یہ بہت مشکل ہے'' --- اللہ اکبر! اللہ کی مخلوق پر یہ شفقت و کرم کہ اپنا آرام و آسائش اور ... سب کچھ قربان کردیا --- اللہ اکبر! ... ایک وہ ہیں جو دوسروں کا حق چھین لیتے ہیں ... اپنا حق بھی دوسروں کو دے رہے ہیں! --- جب سے اللہ کے بندوں کی مدد ... ختم ہوئی ہے اور ایثار و قربانی عنقا ہوئی ہے سارا عالم فتنہ و فساد میں مبتلا ہو گیا ہے --- ... ہوئے معلوم ہوتا ہے کچھ بھی نہیں --- عجب جنون و دیوانگی کا عالم --- ... انسان کی قدر نہیں --- نفسی نفسی کا عالم ہے --- خود غرضی و خود پرستی ... حضرت علامہ کا وجود مسعود ایک اجالا تھا --- ایک نور تھا --- ایک ماہتاب تھا --- ...

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا

نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

حدیث میں آتا ہے جب کسی بندے کو اللہ اپنا محبوب بناتا ہے تو فرشتوں کو حکم دیتا ہے ... عالم میں یہ اعلان کر آؤ کہ یہ اللہ کا محبوب ہے'' --- پس پھر کیا ہے ... لوگ دوڑے چلے آتے ہیں --- شاید حضرت علامہ نے یہ خیال فرمایا ... اپنے بندوں ... پاس بھیجے اور میں پابندیاں لگا کر ان کو روک دوں --- یہ تو ... کی ہوئی --- اللہ ... اللہ کے لیے ... تھے --- ان کا وجود ... رحمت تھا ... سے ... تھے --- ان ... محبوبیت ... علامہ ...

لوگ ہیں کہ چلے آرہے ہیں----زندگی میں بھی اور دنیا سے پردہ کر جانے کے بعد بھی----اور ایک وہ ہیں کہ ذرائع ابلاغ جن کو سربلند کرنے میں ہمہ تن مصروف ہیں پھر بھی وہ بات نہیں جو یہاں ہے----بلکہ وہ اس وقت تک زندہ رہتے ہیں جب تک اخبار، ریڈیو، ٹی-وی میں ان کے ذکر اذکار رہتے ہیں- پھر ایسے مرتے ہیں اور ایسے بھلائے جاتے ہیں جیسے تھے ہی نہیں---ان کی زندگی عبرت بن کر رہ جاتی ہے مگر حضرات اہل اللہ کو کسی سہاروں کی ضرورت نہیں-وہ دنیا کے سہارے کے بغیر زندہ ہیں اور ایسے زندہ کہ خود زندگی ان پر ناز کرتی ہے-

قسمت نگر کہ کشتۂ شمشیر عشق یافت
مرگے کہ زندگاں بدعا آرزو کنند

سچ فرمایا، "جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوگئے ان کو مردہ نہ کہنا، وہ زندہ ہیں مگر تمہیں شعورِ زندگی نہیں"----تم کیا جانو!----"جہادِ اصغر میں شہید ہونے والا زندہ ہے تو جہادِ اکبر میں شہید ہونے والا کیوں نہ زندہ ہو!-----" بے شک وہ بھی زندہ رہے گا کہ زندگی بھر اس نے اپنے نفس سے جہاد کیا، اس کو غالب نہ آنے دیا، خود غالب رہا، ہاں ؎

ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

O

ہاں تو ذکر کر رہا تھا حضرت علامہ کا---انہوں نے اللہ کی مخلوق کو اپنے اوقات کا پابند کرنا گوارا نہ کیا!----قربان جائے اس شفقت کے!

تفسیر کے سلسلے میں احقر نے عرض کیا----"جہاں کہیں مخالفین کا تعاقب فرمائیں زبان اور لہجہ نرم رکھیں تو مناسب ہے تاکہ مخالف بات سن سکے اور خود کو مجروح محسوس نہ کرے"----فقیر کی بات کو دل میں جگہ دی اور فرمایا، "انشاأللہ ایسا ہی کیا جائے گا"----پھر جب آخری بار حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ درس حدیث دے رہے ہیں----دولت کدے پر درس حدیث ایک معما سا بن گیا----اور ہم سب استادوں کو ایک نصیحت دے گیا---فقیر اندر نہ گیا باہر ہی ایک طرف دالان میں بیٹھ گیا، درسِ حدیث سے جب فارغ ہوئے تو حاضر ہوا----بہت خوش ہوئے مصافحہ اور معانقہ سے نوازا---چہرے پر تھکن اور کرب کے آثار نمایاں تھے، بار بار دل پر ہاتھ رکھتے----فرمایا، "حضرت عارضۂ قلب میں مبتلا ہوں، دل کا دورہ پڑا، اس قابل نہ تھا کہ انوار العلوم جا کر درسِ حدیث دے سکوں اس لئے طلبہ کو یہیں بلا لیا۔"

اللہ اکبر! شوق تدریس دیکھئے!---عارضۂ قلب میں تدریس!---جب کہ اس مرض میں باتیں

سننے کی بھی ممانعت ہے چہ جائیکہ تدریس و تقریر! ---- کالجوں اور یونیورسٹیوں میں وہ رنگ نظر نہیں آتا جو یہاں نظر آتا ہے۔ طالبِ علم استاد سے بیگانہ، استاد طالب علم سے بیگانہ۔ استاد بیگانہ نہ ہوتا تو طالب علم ہرگز بیگانہ نہ ہوتا ---- شفقت کی پھوار پڑے تو خود بخود محبت کے گل بوٹے کھلنے لگتے ہیں اور ایک عجب بہار نظر آتی ہے۔ اب ہم بہاروں کو ترس رہے ہیں ؎

بہر بہار گل از زیر گل بر آرد سر
گلے برفت کہ ناید بصد بہار دگر

بات سے بات نکلتی چلی جاتی ہے ---- ذکر تھا حضرت علامہ کی خدمت میں حاضری کا ---- ایک صاحب سے فرمایا، "تفسیر کے اوراق ڈاکٹر صاحب کو پڑھ کر سنایئے" ---- فقیر کو اپنی معروضات یاد آگئیں ---- تفسیر کا جو حصہ پڑھ کر سنایا گیا وہاں ایک مشہور مخالف اہل سنت کی تفسیر کا تعاقب فرمایا تھا، اور اتنی احتیاط کہ نہ مصنف کا نام لکھا اور نہ تفسیر کا ---- زبان نہایت شستہ و شائستہ ---- چوں کہ مخالف کی تفسیر کا یہ مقام فقیر کی نظر سے نہیں گزرا تھا اس لئے فقیر نہ سمجھ سکا کہ کس کا تعاقب فرما رہے ہیں ---- جب بتایا، اس وقت معلوم ہوا اس لئے فقیر نے عرض کیا کہ مناسب یہ ہے کہ جب بحث ختم فرمائیں تو آخر میں مآخذ کی فہرست دے دیں تاکہ قاری کو اندازہ ہو جائے کہ کس کی بات ہو رہی ہے ---- فرمایا، "انشاء اللہ ایسا ہی کیا جائے گا" ---- وہ اپنے چھوٹوں کے مشوروں کو کتنا وزن دیتے تھے! ---- ان کا دل کتنا پاک و صاف اور بے غبار تھا! ---- مخالف کی مخالفت ان کا مقصود نہ ہوتا بلکہ احقاق حق ان کا مطلوب ہوتا ؎

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

O

آخری بار جب حاضر ہوا تو حضرت علامہ نے فرمایا، "حضرت آپ ترجمہ پر مقدمہ لکھ دیں" ---- فقیر اس لائق کہاں مگر حضرت علامہ کے ارشاد نے مجبور کیا کہ الامر فوق الادب ---- جب واپس ٹھٹھہ پہنچا تو حضرت علامہ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا اور درخواست کی کہ ترجمے کی خصوصیات تحریر فرما دیں تاکہ ان کو مقدمہ میں شامل کر لیا جائے ---- حضرت علامہ نے جواباً گرامی نامہ کے ساتھ ترجمے کی خصوصیات لکھوا کر ارسال فرما دیں اس میں شک نہیں کہ علامہ کا ترجمہ قرآن امتیازی شان رکھتا ہے اور تفسیر قرآن بھی اپنی مثال آپ ہے مگر افسوس وہ مکمل نہ ہو سکی ---- مکتوب گرامی پڑھ کر یہ اندازہ ہوا کہ حضرت علامہ نے صرف ترجمے پر مقدمہ لکھوانا

مناسب خیال نہ فرمایا بلکہ مناسب یہ سمجھا کہ تفسیری حواشی کا اچھا خاصا کام ہو جائے تو پھر مقدمہ لکھوایا جائے ---- آپ نے تحریر فرمایا :-

صرف ترجمہ کے لئے آپ کو زحمت دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا حواشی معتد بہ حد تک ہو جائیں تو آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ مختصر مقدمہ تحریر فرمادیں۔

(مکتوب محررہ ۵ / اگست ۱۹۸۵ء از ملتان)

حضرت علامہ کے ارشاد کے مطابق مقدمہ ملتوی کر دیا گیا مگر کیا خبر تھی کہ تفسیر لکھنے والا اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہونے والا ہے اور وہ وقت آنے والا ہے کہ ہم اس کے ارشادات کو ترستے رہیں گے ----

نہ پیوستم دریں بستاں سرا دل
زبند این و آں آزادہ رفتم
چو باد صبح گردیدم دے چند
گلاں را آب ورنگے دادہ رفتم

O

اللہ اللہ یہ وہ نفوس قدسیہ تھے رونقیں جن کے دم کے ساتھ چلتی تھیں ---- جہاں جاتے ویرانے آباد ہو جاتے --- جہاں سے چلے جاتے آبادیاں ویران معلوم ہوتیں ---- وہ کیا گئے سینوں سے دل نکل گئے..... اناللہ وانا الیہ راجعون ! ---- سکون و چین ان کے ساتھ تھا ---- ان حضرات عالیہ کی تاثیر کا تو یہ عالم ہے کہ جو شے ان سے مس ہو جائے وہ ان کے رنگ میں رنگ جائے --- پیرہن یوسف کی یہ شان کہ بے نور آنکھیں روشن ہو رہی ہیں ---- پیرہن موسیٰ اور عمامۂ ہارون کی یہ شان کہ جس صندوق میں وہ رکھے ہیں طمانیت و سکون بھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں ---- وہ ہزاروں لاکھوں انسانوں کے لئے وجہ سکون ہیں ---- اُن کے طفیل نامراد بامراد ہو رہے ہیں ---- ہزاروں کا لشکر، لاکھوں پر غالب آ رہا ہے ---- جب اُن کے آثار کی یہ شان ہے تو خود ان کی کیا شان ہو گی ! ---- اور اس آقا کی تو شان ہی نرالی ہے جس کا انتظار صبح ازل سے ہو رہا تھا، ان کے غلاموں کی یہ شان ہے کہ سراپا طمانیت و سکون بنے ہوئے ہیں ----

قدسیوں کو بھی رشک اس جمعیت خاطر پہ ہے
کچھ نہیں کھلتا کہ میں کس کے پریشانوں میں ہوں ؟

وہ رونق محفل ہوتے تو محفل کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا ---- اب وہ رونق محفل نہیں ---- ان کے نور نظر، لخت جگر پروفیسر مظہر سعید صاحب ان کے جانشین ہیں اللہ تعالیٰ ان کے دم سے یہ رونقیں قائم و دائم رکھے۔ آمین! ---- حضرت علامہ کا عکس جمیل ان کے اندر نظر آتا ہے ---- وہی اخلاص، وہی انکساری، وہی عاجزی، وہی مہمان نوازی، وہی سادگی، وہی بندہ نوازی ---- اللہ تعالیٰ ان کا مبارک سایہ قائم رکھے اور ان کے فیوض و برکات کو جاری و ساری رکھے۔ آمین!

ہوا عبیر فشاں ست و ابر گوہر بار
جلوس گل بہ سریر چمن مبارک باد!

احقر محمد مسعود احمد
۲۱ محرم الحرام ۱۴۰۷ھ
۲۷ ستمبر ۱۹۸۶ء
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج، ٹھٹھہ
(سندھ)

بر خلقِ خدا بجز نکوئی
مردانِ خدا نمی پسندند

کتبہ خورشید گوہر قلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

تقدیم

(پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد)

نہ پیوستم دریں بستاں سرا دل
زبند این و آں آزادہ رفتم
چو باد صبح گردیدم دمے چند
گلاں را آب ورنگے دادہ رفتم

زندگی وہی زندگی ہے جو محبوب کے قدموں پر قربان کردی جائے------ سلام ان پر جو قربان ہو گئے------ سلام ان پر جو فدا ہو گئے!------ سلام ان پر جو نثار ہو گئے------ سلام ان پر جو جینے کا سلیقہ سکھا گئے!------ سلام ان پر بلندیاں جن پر رشک کرتی ہیں------ سلام ان پر روشنیاں جن پر نچھاور ہوتی ہیں!------ سلام ان پر فردوس بریں جن پر ناز کرتی ہے۔

ہاں چودہ سو برس پہلے چشم فلک نے شہیدوں کے سردار' جاں نثاروں کے سرتاج حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا تھا جو تاجدار دو عالم ﷺ کے پیارے چچا اور رضاعی بھائی تھے------ غیور' نڈر' بہادر' سخی' خوش اخلاق ودل نواز------ اعلان نبوت سے قبل ۶۱۱ء (یا ۶۱۵) میں مشرف باسلام ہوئے' دین کو تقویت ملی' دشمنان اسلام سہم گئے------ آپ نے گستاخان رسول کے منہ میں لگام دی------ گستاخ رسول ابوجہل نے جب گستاخی کی تو اس کے سر پر اس زور سے کمان ماری کہ سر پھٹ گیا۔

آپ نے اپنے عمل سے بتایا کہ گستاخ رسول خواہ سگا بھائی ہی کیوں نہ ہو کسی رعایت کا مستحق نہیں بلکہ عبرت ناک سزا کا مستحق ہے------ حضور انور ﷺ نے ۲ھ

(۶۲۳ء) میں آپ کو اسلام کا پہلا جھنڈا عطا فرماکر سیف البحر کی طرف روانہ کیا------ آپ پہلے مجاہد ہیں جنھوں نے سرور عالم ﷺ کے حکم پر دشمنان اسلام کے خلاف تلوار چلائی۔

مدینہ منورہ ہجرت کے بعد ابھی مہاجرین نے قدم نہ جمائے تھے کہ دشمن ۲ھ (۶۲۴ء) میں مکہ معظمہ سے دوردراز کا سفر طے کرکے مدینہ منورہ سے کچھ فاصلے پر مقام بدر پہنچ گیا اور عظیم معرکہ پیش آیا جس میں صحابہ نے بہادری کے جوہر دکھائے' حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بے جگری سے لڑے' ان کے فرق اقدس پر شتر مرغ کا پر لگا ہوا تھا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے دودھاری تلوار سے دشمنان اسلام کو جہنم رسید کر رہے تھے۔ غزوہ بدر میں ابوجہل مارا گیا' حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ھند (زوجہ ابوسفیان) کا باپ عتبہ اور جبیر بن مطعم کا چچا مارے گئے' مسلمانوں کو حیرت ناک کامیابی نصیب ہوئی' دشمن نامراد واپس لوٹا مگر اب جذبہ انتقام اور بھڑک اٹھا چنانچہ دوسرے ہی سال ۳ھ/۶۲۵ء میں دشمن تیاری کرکے مدینہ منورہ کے بالکل قریب میدان احد آن پہنچا اور غزوہ احد کا عظیم معرکہ پیش آیا۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بڑی بہادری سے لڑے' ۳۱ دشمنان رسول کو واصل جہنم کیا۔ ابوجہل کا بیٹا عکرمہ' ھند (زوجہ ابوسفیان) اور جبیر بن مطعم نے جوش انتقام میں اپنے حبشی غلام وحشی کو لالچ دے کر حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل پر آمادہ کیا' وحشی نیزہ بازی میں بہت ماہر تھا' چھپ چھپا کر حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے قریب پہنچ گیا اور ان کے پیٹ پر تاک کر اس زور سے نیزا مارا کہ آرپار ہوگیا پھر بھی آپ وحشی کی طرف شیر کی طرح جھپٹے مگر زخموں سے نڈھال' گر پڑے اور جان عزیز جاں آفریں کے سپرد کردی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!------

یہ المناک حادثہ ماہ شوال ۳ھ/۶۲۵ء (یا ۴ھ/۶۲۶) میں پیش آیا۔

وحشی غلام' حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے قریب آیا' آپ کا پیٹ چاک کیا' کلیجہ نکالا اور ہند کے آگے لاکر رکھ دیا اس نے جوش انتقام میں دانتوں سے چبا ڈالا' نگل نہ سکی اگل دیا' پھر نعش مبارک کے قریب آکر سخت بے حرمتی کی۔ اناللہ وانا الیہ

راجعون!------- یہ وہی ھند ہے جس کو میدان احد میں حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے اس لیے قتل نہ کیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ تلوار سے لڑ رہے تھے اور اس تلوار کی شان کے لائق نہ تھا کہ وہ ایک عورت کے خون سے آلودہ ہوتی' اس کے سر پر تلوار رکھ کر آپ نے ہٹالی مگر کیا معلوم تھا کہ یہی عورت' حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایسا دردناک سلوک کرے گی------- اللہ اکبر! خاندان نبوت نے اسلام کی راہ میں کیسے کیسے ظلم و ستم سہے اور عظیم قربانیاں پیش کیں۔ مولیٰ تعالیٰ نے اپنے محبوبوں کو بھی رنج و محن کی راہ سے گزارا تاکہ یہ سونا تپ کر اور نکھر جائے' چمک جائے اور سارے عالم کو چمکا دے!

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا زخموں سے چور جسم نازنیں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لاکر رکھا گیا' اللہ اللہ کیسا جگر خراش منظر ہوگا:۔

اے دل! بہوس بر سر کارے نہ رسی
تا غم نخوری بغمگسارے نہ رسی
تا سودہ نہ گردی چو حنا در تہہ سنگ
ہرگز بکف پائے نگارے نہ رسی

یہ دل گداز منظر دیکھ کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے ابل پڑے' خوب آنسو بہائے:۔

کسی صورت سے بھولتا ہی نہیں
آہ! یہ کس کی یادگاری ہے!
کیا کہوں "ان کی" بیقراری کی
بیقراری سی بیقراری ہے!

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک سامنے رکھی ہے اور تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم شدت غم سے فرما رہے ہیں:

اے رسول اللہ کے چچا!

اے اللہ اور رسول اللہ کے شیر!

اے حمزہ!

اے نیک کام کرنے والے!

اے حمزہ!

اے مصیبتوں کو دور کرنے والے!

اے حمزہ!

اے رسول اللہ کا دفاع کرنے والے!

اور صحابی رسول حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں:۔

''حمزہ کی جدائی سے جگر کانپ اٹھے ------- ایسا صدمہ کوہ حرا کو بھی پہنچتا تو اس کی چٹانیں لرز اٹھتیں ------ جنگ کے دن جب نیزے ٹوٹ رہے ہوں ------- وہ اپنے حریف کو موت کے گھاٹ اتارتے تھے ------- تو جب ان کو ہتھیار لگائے فخر سے چلتا ہوا دیکھتا تو ایسا معلوم ہوتا جیسے خاکستری رنگ اور مضبوط پنجوں والا ایال دار شیر چلا آرہا ہے ------- جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور برگزیدہ اصحاب میں سے ہیں ------- انہوں نے موت کے منہ میں چھلانگ لگائی ------- انہوں نے جب موت کو گلے لگایا تو ان کے فرق اقدس پر شترمرغ کے پر کا نشان لگا ہوا تھا ------- وہ مجاہدین کی اس جماعت میں تھے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا اور جان کی بازی لگا دی۔''

ہاں' امیر حمزہ' سینہ چاک' دل فگار اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہوگئے ------- پیمان وفا پورا کیا' محبت کا حق ادا کیا ------- جان جاناں کے قدموں پر جاں عزیز قربان کردی اور جاتے جاتے عاشقوں کو یہ پیغام دے گئے ------- دیکھنا! جب خلوص و محبت سے اسلام کا پیغام لے کر آگے بڑھو تو ڈرنا نہیں' بڑھتے چلے جانا ------- دیکھنا! کوئی

گستاخ رسول شان رسالت مآب ﷺ میں زباں دارزی کرے تو اس کا سر پھوڑ دینا یہ سر اسی لائق ہے------دیکھنا! کوئی گستاخ رسول' دامن رسالت مآب ﷺ تار تار کرنے آگے بڑھے' مرجانا' ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا مگر دامن مصطفیٰ ﷺ پر آنچ نہ آنے دینا------

آج بھی یہ صدائیں گونج رہی ہیں' سننے والے کان سن رہے ہیں!

جب میدان احد سے سرور عالم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم مدینہ منورہ تشریف لائے تو کہرام مچا ہوا تھا' انصار کی خواتین اپنے اپنے شہیدوں پر آنسو بہا رہی تھیں مگر اس جاں نثار' وفا شعار پر صرف وہ کریم آنسو بہا رہا تھا جو راتوں کو اٹھ اٹھ کر گناہ گار امیوں کے لیے دعائیں کیا کرتا تھا------ اچانک یہ آواز آئی "کیا حمزہ کا کوئی رونے والا نہیں؟"------ یہ آواز بجلی بن کر سب دلوں پر گری اور رونے والے امیر حمزہ پر بھی خوب روئے------ پھر جب کوئی جاں بحق ہوتا تو پہلے امیر حمزہ کی یاد میں آنسو بہائے جاتے پھر جانے والے کا غم کیا جاتا:۔

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر ترا وقت سفر یاد آیا

غزوہ احد میں شہید ہونے والوں کی شہادت قبول ہوئی' اللہ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں جگہ عطا فرمائی' وہ جنت کی نہروں میں اترتے ہیں' جنت کے پھل کھاتے ہیں' عرش کے سایے میں معلق قندیلوں میں بسیرا کرتے ہیں۔

قسمت نگر کہ کشتہ شمشیر عشق یافت
مرگے کہ زندگاں بدعا آروز کنند

حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک الگ ٹیلے پر دفن کیا گیا------ ۵۹۰ھ / ۱۱۹۳ء میں اس پر ایک عظیم گنبد بنا دیا گیا تھا جو بارہویں صدی ہجری تک موجود رہا------ حضور انور ﷺ ہر سال امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور دیگر شہداء احد کے ایصال ثواب کے لیے یہاں تشریف لاتے تھے------ ہاں' رے شہید ہونے والو! تم کو مبارک ہو کہ

سرور عالم ﷺ تمہارے لیے دعا فرما رہے ہیں------- **وصل علیھم ان صلوتک سکن لھم**------- برسوں اہل مدینہ کا معمول رہا کہ پیروی سنت میں ماہ رجب المرجب میں ہر سال حاضر ہوتے تھے' اب تو ہر وقت زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔

شام شب فرقت میں بھی انوار سحر ہیں

غزوہ احد میں فتح و نصرت نے قدم چوم لیے تھے' دشمن فرار ہو چکا تھا' مال غنیمت جمع کیا جا رہا تھا' لشکر کی پشت پر جبل احد کے درے پر رسالت مآب ﷺ کی طرف سے متعین کیے جانے والے تیر اندازوں نے یہ خیال کیا کہ شاید ان کا فرض پورا ہو گیا دوسرے حکم کا انتظار نہ کیا' وہ بھی مال غنیمت کے شوق میں نیچے اتر آئے۔

خالد بن ولید جو اس وقت دشمن کی فوج کی کمان کر رہے تھے ایک دستہ لے کر اچانک عقب سے حملہ آور ہوئے' افراتفری پھیل گئی' کشت و خون کا بازار گرم ہو گیا' اور دیکھتے دیکھتے فتح و نصرت' شکست میں بدل گئی------- غور فرمائیں ارشاد نبوی کی تعمیل کی تکمیل میں ذرا سی غفلت سے کامیابیاں' ناکامیوں سے بدل کر رہ گئیں------- بیشک ہماری کامیابی کا راز عشق مصطفےٰ اور اطاعت نبوی ﷺ میں ہے' صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے جو کچھ پایا محبت و اطاعت سے پایا------- حضور انور ﷺ کی محیرالعقول استقامت اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے حیرت انگیز عزم و حوصلے نے اللہ کے فضل و کرم سے قلیل وسائل کے باوجود شاندار کامیابیوں سے ہم کنار کیا اور دشمن یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اسلام سچا مذہب ہے اور تاجدار دو عالم ﷺ اللہ کے سچے اور آخری نبی ہیں چنانچہ ابو سفیان جن کی سرکردگی میں میدان احد میں دشمن کا لشکر حملہ آور ہوا' مشرف بہ اسلام ہوئے------- خالد بن ولید جنھوں نے اچانک حملہ کر کے کشت و خون کا بازار گرم کیا' مشرف با اسلام ہوئے------- ھند جس نے امیر حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا' مشرف بہ اسلام ہوئیں------- وحشی غلام جس نے امیر حمزہ کو شہید کیا تھا اور ان کا شکم اطہر چاک کیا تھا' مشرف با اسلام ہوئے------- غزوہ احد میں بظاہر شکست نظر آ رہی ہے لیکن بالآخر جانی دشمنوں نے سر جھکا دیا' پھر جو جان لیتے تھے

وہ جان دینے لگے۔ تاریخ عالم نے یہ حیرت انگیز انقلاب نہیں دیکھا۔

از خیال حضرت جاناں زخود بیزار باش
بے خبر ازخویش باش و باخبر از یار باش

۱۹ شوال المکرم ۱۴۱۶ھ
۱۰ مارچ ۱۹۹۶ء

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ
کراچی (سندھ' پاکستان)

ومن يتوكل على الله فهو حسبه

واپس لوٹا پہنچے اور جب سندھ کو کوچ کر دیا تو بار بار لپٹ کر ملتے اور انتہا تو یہ کہ
— رو رو کر ، بار بار اس بات پہ کہ ان لوگوں میں جلوا — شور شور ، یہ کہہ
آواز آ رہی تھی! :—

وانهم وجدوا صاحب النبي (صلى الله عليه وآله وسلم)
عمر ابن الخطاب وصف لهم تواضعه وانه كان
يلبس مرقعة ويبيت في المساجد - فتواضعهم
لاجل ما حكاهم ذلك الغلام ولبسهم الثياب المرقعة
لما ذكره من لبس عمر المرقعة وتحببهم للمسلمين
وميلهم اليهم لما في قلوبهم مما حكاه ذلك
الغلام عن عمر[1] —— .

(ترجمہ) اور وہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابی عمر بن الخطاب سے
ملے — ان کی تواضع کا یہ عالم ہے کہ پیوند لگے کپڑے پہنتے ہیں
اور مسجد میں راتیں گزار دیتے ہیں — یہ سن کر وہاں کے لوگ انکسار
خاکسار ہو گئے پیوند لگے کپڑے پہننے لگے کہ عمر بھی تو پیوند لگے
کپڑے پہنتے ہیں — مسلمانوں سے ان کو الفت ہو گئی
اور اس غلام نے حضرت عمر کی جو باتیں سنائی تھیں ان کو سن کر
مسلمانوں کی طرف ان کا دل کھنچنے لگا —— .

---

[1] تیسری صدی ہجری کے ایرانی جغرافیہ دان بزرگ بن شہریار نے اپنی تالیف عجائب الہند
میں یہ روایت نقل کی ہے — یہ کتاب ۱۸۸۶ء میں لیڈن (ہالینڈ) سے شائع ہوئی تھی —
مولوی مسعود عالم ندوی نے اپنی تالیف "ہندوستان عربوں کی نظر میں" (مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۶۰ء، ص ۲۱۵)
میں عجائب الہند سے یہ روایت نقل کی ہے —
مسعود

۸) محبت دل کا گداز کرتا ہے تو محبوب کی سی صورت بناتا اور محبوب کا سا لباس پہن کر
جیا جاتا ہے اور سیرت میں مزہ آتا ہے ——— اولیاء اللہ کا فنا فی الشیخ ہونا کہیں اسی محبت
سے وابستہ ہے ——— ہم مرید بہم تیرے جیسے باصفا ہی سے لگے ہیں ———
عشق کا دم بھرتے ہیں لیکن محبوب کی سی صورت بناتے اور محبوب کا سا لباس پہنتے شرم
آتا ہے ——— تو یہ عشق و محبت کا دعویٰ ہی کیا ہوا ——— میں نے ایک
بزرگ کو نہ دیکھا ——— کہ صورت پسند اور لباس بھی صورت پسند ہو
——— ملا کر مزار شریف سے معتقد ہو کر حضرت عشق میں ہے بیرون شہر جا کر
گزار لے سو

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی
دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی

احقر محمد مسعود احمد
5. 2. 76
گورنمنٹ کالج، ٹنڈو الہ یار (سندھ)

واستغفروا الله إن الله غفور رحيم

باب پنجم

ڈاکٹر محمد مسعود احمد

کی

دینی و ادبی خدمات

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

اردو نثر کی ابتداء مذہبی تحریروں سے ہوئی اس کے بعد قصے کہانیاں اور داستانوں کا دور شروع ہوا مقفی، مسجع اور دقیق ورنگین طرز تحریر کا رواج تھا۔لیکن غالب نے اپنے خطوط کے حوالے سے اردو کو پہلی بار ایک سادہ و سلیس اور شگفتہ و شاداب اسلوب دیا یہ انداز اردو نثاروں کو بہت پسند آیا سر سید نے اس انداز کو اپنایا اور اس میں مزید ترقی دیتے ہوئے اردو کو سلیس و رواں مگر خوبصورت اور دل نشیں اسلوب عطا کیا سر سید کی تحریک نے اردو کو زمینی مسائل سے جوڑا سر سید کے رفقاء حالی، نذیر احمد، محمد حسین آزاد، شبلی نعمانی، نیز دوسرے نثاروں نے اردو میں تذکرہ۔ تاریخ۔ تنقید۔ مذہبیات۔ و عقلی علوم پر لکھنا شروع کیا پھر ناول نگاری کا آغاز ہوا اور اس طرح اردو علم وادب کے ہر شعبہ میں اپنا اثر ڈالتی اور حلقہ وسیع کرتی چلی گئی۔

مولانا احمد رضا نے تنہا مذہبیات ہی کے حوالے سے فقہ، حدیث، روحانیت، تصوف، مابعد الطبیعات اور دیگر دینی علوم کے علاوہ سائنس، ریاضی، فلسفہ، منطق، نجوم، ہیئت، عمرانیات، سیاسیات وغیرہ دوسرے عقلی علوم وفنون اور ان کے متنوع اسالیب سے اردو کو مالا مال کیا۔

سر سید اور ان کے رفقاء و نیز دوسرے ہم عصر نثاروں کے علاوہ بیسویں صدی میں ابوالکلام آزاد نے اردو کو جوش و جلال سے پر اثر بنادیا اور "غبارِ خاطر" کے توسط سے مکتوب نگاری کو ایک نیا رنگ و روپ بخشنے کے ساتھ ساتھ اردو کو سادگی مگر پرکاری اور نئے لب ولہجہ سے آشنا کیا اسی صدی میں بہت سے نثر نگار حضرات نے تنقید و تبصرہ، تحقیق و تدقیق ناول وافسانہ وغیرہ کے ذریعے اردو کو ترقی سے ہمکنار کیا۔

تقسیم ہند کے بعد گو بھارت میں اردو مخالفین نے اردو کی ترقی میں رکاوٹیں ڈالیں مگر اردو کے شیدائی بہر حال اپنی کوشش میں لگے رہے اور جدو جہد کرتے رہے مثلاً

رشید احمد صدیقی، آل احمد سرور، قاضی عبدالستار، کرشن چندر، علی عباس حسینی، حیات اللہ انصاری، عصمت چغتائی، قاضی عبدالودود، مختار الدین آرزو وغیرہ...... ادھر پاکستان میں ہندوستان سے ہجرت کر جانے والے اردو نثار ادباء، فرمان فتح پوری، ڈاکٹر جمیل جالبی، انور سدید، وزیر آغا وغیرہ۔اردو کو نئے نئے انداز عطا کر رہے ہیں۔ ۱۹۴۷ء کے بعد جو نگاران اردو ہندوپاک میں ابھر کر سامنے آئے نہیں میں سے ایک ڈاکٹر مسعود احمد بھی ہیں۔ڈاکٹر صاحب بیک وقت دینی، علمی اور ادبی

شخصیت کے مالک ہیں- موصوف کی حیات و شخصیت اور ان کے خاندانی حالات سے یہ حقیقت آشکارا ہے کہ وہ ایک ایسے دینی و علمی اور مقدس خانوادے کے چشم و چراغ ہیں، جہاں کا ماحول صدیوں سے دینی و علمی رہا ہے-ان کے والد اور جد امجد اور دوسرے بزرگ اپنے زمانے کے مشاہیر علماء و مفتیان کرام میں تھے اور عوام و خواص میں ان کی بڑی ہی عزت و تکریم تھی- آج بھی دہلی کی شاہی مسجد فتح پوری کی امامت و خطابت انہیں کے گھرانے میں برقرار ہے-

ڈاکٹر مسعود احمد کی پرورش اور تعلیم و تربیت دینی اور پاکیزہ ماحول میں ہوئی جیسا کہ باب اول میں بیان کیا گیا ہے-وہ عالم و فاضل بھی ہیں اور اسکالر بھی-انہوں نے کالج اور یونی ورسٹی میں تعلیم پائی- پھر حصولِ تعلیم کے بعد کالجوں کے پروفیسر اور پرنسپل رہے اور صوبہ سندھ پاکستان میں ڈپٹی ڈائریکٹر تعلیمات کے عہدے پر بھی فائز رہے، لیکن انہوں نے ہر جگہ اور ہر ماحول میں اپنا دینی وقار حال رکھا وہ اپنے والد مفتی مظہر اللہ کے جانشین و صاحب سجادہ بھی ہیں اور پیر طریقت بھی وہ اپنے مریدین کی باقاعدہ تربیت بھی کرتے ہیں البتہ وہ عصر حاضر کے بیشتر متعصب اور تنگ نظر علماء و پیران طریقت کی طرح لکیر کے فقیر پیشہ ور اور ضدی نہیں ہیں انہوں نے دینیات میں فاضل کا کورس مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ دینیات و اسلامیات کا عمیق مطالعہ کیا اور اسلام کو دین فطرت کی حیثیت سے عام کرنے کی کوشش کی ہے- مگر جدید اور سائنٹیفک طرز پر وہ صحیح معنی میں محقق ہیں اور ہر بات کو تحقیق کی روشنی میں پیش کرتے ہیں اور ہر اصول و نظریہ کو قرآن و حدیث نیز اسلاف کی تعلیمات و نظریات کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں-

وہ نقشبندی سلسلے سے وابستہ ہیں انہوں نے مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے تجدیدی کارناموں پر بھی لکھا ہے- اپنے والد اور دادا کے فتاویٰ و ملفوظات و مکتوبات کو بھی مرتب کیا ہے علاوہ اس کے اسلام کے عقائد و اعمال پر بھی قلم اٹھایا ہے ذیل میں ان کی دینی و ادبی خدمات کا مختصر جائزہ پیش ہے-

دینی خدمات[1]

دینی خدمت کے وسائل و ذرائع بہت وسیع ہیں ایک شخص کسی کو منکر سے روک کر یا امر بالمعروف پر عمل کرا کر بھی دینی خدمت کا چھوٹا سا فریضہ انجام دے سکتا ہے اسی طرح دینی تعلیم و تدریس کے ذریعے وعظ و تبلیغ کے ذریعے فی زمانہ قلم کا زمانہ ہے اور صالح لٹریچر کے توسط سے صرف محدود پیمانے پر ہی نہیں عالمی پیمانے پر دینی خدمات کا فریضہ انجام دیا جا سکتا ہے جیسا کہ بزرگوں کا شیوہ

ا- نبیلہ اسحاق چودھری (جامعہ ازہر شریف، قاہرہ) ''مسعود ملت کی دینی خدمات'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے جو ابھی چھپی نہیں-
انجم

رہا ہے- اور بالخصوص چودھویں صدی ہجری میں جس قلمی و تحریری ذریعہ سے امام احمد رضا نے زبردست دینی خدمات کا فریضہ انجام دیا اور اسی دینی خدمت کے حوالے سے زبان وادب اور علوم، فنون کی تحقیق کو نئی جہتوں سے آشنا کیا جیسا کہ بتایا جاچکا ہے کہ ڈاکٹر مسعود احمد ایک خالص دینی، تقدیسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں لہٰذا وہ جہاں بیعت وارشاد وعظ و نصائح کے ذریعے دینی خدمات کا فریضہ انجام دے رہے ہیں وہیں پر انہوں نے سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر تفصیل سے روشنی ڈال کر دینی خدمت کا فریضہ انجام دیا ہے ذیل میں ہم ان کی سیرت نگاری کا مختصر جائزہ پیش کر رہے ہیں-

ڈاکٹر مسعود احمد نے جب سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر قلم چلانا شروع کیا تو سب سے پہلا مضمون ''نقطۂ کمال'' تحریر کیا، یہ سیرت مصطفوی پر بھی پہلا مضمون تھا جو اپریل سنہ ۱۹۵۰ء میں لاہور سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''معمار حرم'' کی زینت بنا پھر جو سلسلہ چلا تو اب تک قائم ہے بلکہ اب تو قلم کی جولانگاہ سیرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے----۱۹۹۱ء میں زیارت حرمین شریفین کے موقع پر مدینہ منورہ میں قیام کے دوران اللہ نے جو عزت دی وہ دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مقبولیت کی دلیل ہے----۱۹۹۲ء میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مختصر اور جامع دو ورقہ کتابچہ ''عیدوں کی عید'' [۱] لکھا یہ اتنا مقبول ہوا کہ ساری دنیا میں اس کی پذیرائی ہوئی اردو، انگریزی فرانسیسی، ڈچ، ہندی، سندھی وغیرہ میں ایک سال کے اندر اندر اس کی ایک لاکھ سے زیادہ کاپیاں شائع ہوئیں اور برابر شائع ہو رہی ہیں [۲]-

سیرت مبارکہ اور فضائل و کمالات پر نگارشات

برادرم محمد عبدالستار طاہر (لاہور) نے ڈاکٹر مسعود احمد کے سیرت پر مقالات و مضامین کو ایک ضخیم جلد میں جمع کیا ہے، میں یہاں سیرت پر صرف چند اہم کتب و رسائل کا ذکر کروں گا:-

۱-	محبت کی نشانی	کراچی	۱۹۷۹ء
۲-	نظام مصطفیٰ	لاہور	۱۹۸۴ء
۳-	جشن بہاراں	لاہور	۱۹۸۸ء
۴-	جان ایمان	لاہور	۱۹۸۹ء

۱- ترجمہ بزبان انگریزی، فیسٹیول آف فیسٹیولز، از ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

۲- تصریحات حضرت مسعود ملت، ص ۳۴، از مولانا عبدالستار طاہر

۵-	جانِ جاناں	کراچی	۱۹۸۹ء
۶-	دعائے خلیل	لاہور	۱۹۹۰ء
۷-	رحمتہ للعالمین	لاہور	۱۹۹۱ء
۸-	عشق ہی عشق	لاہور	۱۹۹۱ء
۹-	عیدوں کی عید	کراچی	۱۹۹۲ء
۱۰-	جانِ جاں	کراچی	۱۹۹۳ء
۱۱-	علم غیب	کراچی	۱۹۹۳ء
۱۲-	جشن ولادت	لاہور	۱۹۹۴ء
۱۳-	تعظیم وتوقیر	کراچی	۱۹۹۴ء
۱۴-	قبلہ	کراچی	۱۹۹۵ء
۱۵-	سلام وقیام	کراچی	۱۹۹۵ء
۱۶-	انتخاب حدائق بخشش	کراچی	۱۹۹۵ء
۱۷-	جشن عید میلادالنبی	حیدر آباد (دکن)	۱۹۹۶ء
۱۸-	مصطفوی نظام معیشت	کراچی	۱۹۹۶ء
۱۹-	عید کونین	کراچی	۱۹۹۹ء

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تصنیفات کے ذریعہ زبردست دینی خدمات انجام دی ہیں ویسے تو انہوں نے اپنی تصنیفات میں بہت سے بزرگوں کے کارنامے اور حیات پر روشنی ڈالی ہے لیکن جس طرح سے انہوں نے اعلٰحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات کو عام سے عام ترکرنے کی کوشش کی ہے یہ صرف ان ہی کا حصہ ہے یہی وجہ ہے کہ آج دنیا انہیں ماہر رضویات کے نام سے جانتی پہچانتی ہے-ذیل میں ہم چند کتابوں کے نام پیش کررہے ہیں-

فاضل بریلوی پر لکھی گئی کتابیں

۱- فاضل بریلوی اور ترک موالات ۱۹۷۰ء

۲- فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں ۱۹۷۳ء

۳- عاشق رسول ۱۹۷۶

۴- Neglected Genius of the East ۱۹۷۸ء

۵- تنقیدات و تعاقبات امام احمد رضا ۱۹۷۸ء

۶- حیات فاضل بریلوی ۱۹۷۸ء

۷- حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی ۱۹۸۱ء

۸- گناہ بے گناہی ۱۹۸۱ء

۹- امام اہلسنت ۱۹۸۲ء

۱۰- حیات مبارک امام اہلسنت ۱۹۸۳ء

۱۱- اجالا ۱۹۸۳ء

۱۲- دائرہ معارف امام احمد رضا ۱۹۸۴ء

۱۳- رہبر و رہنما ۱۹۸۶ء

۱۴- آئینہ رضویات اول ۱۹۸۹ء

۱۵- امام احمد رضا اور عالمی جامعات ۱۹۹۰ء

۱۶- محدث بریلوی ۱۹۹۳ء

۱۷- آئینۂ رضویات دوم ۱۹۹۳ء

۱۸- آئینۂ رضویات سوم ۱۹۹۷ء[۱]

تالیفات:

۱- اکرام امام احمد رضا ۱۹۸۱ء

۲- امام احمد رضا اور عالم اسلام ۱۹۸۳ء

۱- محمد عبدالستار طاہر (لاہور) اور نبیلہ اسحاق چودھری (ازہر یونیورسٹی، قاہرہ) نے اپنی کتابوں میں فاضل بریلوی پر ناظر صاحب کی نگارشات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے ان کتابوں کا حوالہ پیچھے کہیں دے دیا گیا ہے۔ انجم

۳- سیرت اعلحضرت ۱۹۸۳ء

۴- گویادبستان کھل گیا ۱۹۸۹ء

۵- ارمغان رضا ۱۹۹۴ء

۶- انتخاب حدائق بخشش ۱۹۹۵ء

قرآن فہمی :

ڈاکٹر مسعود احمد نے اعلحضرت فاضل بریلوی کی شخصیت کے مختلف گوشوں پر مختلف جہتوں سے بڑے تحقیقی، تاریخی اور غیر جانبدارانہ انداز میں کام کیا ہے آپ نے اعلحضرت کی فقاہت پر بھی لکھا ہے اور شاعری پر بھی ساتھ ہی ساتھ قرآن پاک- کنزالایمان پر بھی گاہے گاہے رائے کا اظہار فرمایا اور اعلحضرت علیہ الرحمہ پر الزامات لگانے والوں کا تعاقب بھی کیا ہے کنزالایمان سے متعلق اپنا تاثر اس طرح پیش کرتے ہیں-

> ''امام احمد رضا خان کا ترجمۂ قرآن کنزالایمان اپنی مثال آپ ہے کسی کتاب کا ترجمہ اتنا آسان نہیں جتنا آسان سمجھا جاتا ہے حقیقت میں ترجمہ کرنا ایک سینے سے دل نکال کر دوسرے سینے میں رکھنا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کام آسان نہیں پھر قرآن جیسی عظیم کتاب کا ترجمہ کرنا اور بھی مشکل ہے ہر ترجمے کے لئے ضروری ہے کہ مترجم جس زبان کی کتاب کا ترجمہ کر رہا ہے اور جس زبان میں کر رہا ہے دونوں زبانوں کے نشیب و فراز سے باخبر ہو اگر وہ کتاب مترجم کے عہد سے بہت پہلے کی ہے تو پھر الفاظ کے ان معانی کا جاننا بھی بہت ضروری ہے جو اس عہد میں لئے جاتے تھے- جس عہد میں کتاب سامنے آئی کیونکہ زمانہ گزرنے کے ساتھ الفاظ کے تلفظ اور معانی میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں- بعض الفاظ سفر کر کے دوسری زبانوں سے بھی آجاتے ہیں اس لئے جب قومیں آپس میں ملتی ہیں تو ان کی زبان اور تہذیب و تمدن ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ایک زبان کے الفاظ دوسری زبان میں داخل ہو جاتے ہیں کبھی ہو بہو قبول کر لئے جاتے ہیں اور کبھی الفاظ و معانی میں کچھ تغیر کے ساتھ مترجم کو زبان پر کامل عبور اور اہل زبان کے اسرار و رموز کے ساتھ ان تمام حقائق کا جاننا بھی

ضروری ہے اس کے ساتھ ساتھ سباقیات و سیاقیات اور ان علوم و فنون پر اس کی نگاہ ہونی چاہئے جس سے وہ کتاب بحث کر رہی ہے کیونکہ علمی و فنی کتاب کے ترجمے کے لئے صرف زبان دانی کافی نہیں۔

قرآن حکیم میں بعض مقامات ایسے ہیں جن کا تعلق علوم جدیدہ سے ہے ایسے مقامات کا ترجمہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ان علوم پر بصیرت حاصل نہ ہو الفاظ کے معنی کا صحیح تعین متکلم کے تیور اور چہرے کا اتار چڑھاؤ انداز بیان کے نشیب و فراز اور اسلوب خطابت سے ہوتا ہے لیکن کتاب میں الفاظ تنہا رہ جاتے ہیں۔ اس تنہائی میں ان کے معانی کا صحیح ادراک ایک مشکل کام ہے۔ اس لئے مترجم کے لئے ضروری ہے کہ کتاب اور صاحب کتاب کی معرفت رکھتا ہو۔ کتاب اللہ کا ترجمہ اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک معرفت الٰہی کے ساتھ ساتھ معرفت رسول علیہ التحیۃ والتسلیم بھی حاصل ہو۔ جس کو یہ معرفت حاصل نہیں وہ ترجمہ کا حق ادا نہیں کر سکتا ----- امام احمد رضا کی ذہنی و فکری وسعت کا اندازہ ترجمہ، کنزالایمان کے مطالعہ سے ہوتا ہے کہ جب ایک صاحب علم و فضل ترجمہ کرتا ہے تو برسوں کے مطالعات و مشاہدات اس کے دل میں آتے چلے جاتے ہیں اور جو کچھ وہ بتاتا یا لکھواتا ہے وہ برسوں کی محنت کا نچوڑ ہوتا ہے اس کو سرسری نگاہ سے نہ دیکھنا چاہئے، بلکہ مترجم کے فکری اور علمی پس منظر میں اس ترجمہ کو دیکھنا اور پرکھنا چاہئے ----- اردو میں قرآن حکیم کے مکمل اور جزوی تراجم کی تعداد کچھ کم نہیں ہمارے اندازے کے مطابق مکمل اور جزوی تراجم کی تعداد ۱۲۳ ہے ان تمام تراجم کی موجودگی میں فاضل بریلوی کا ترجمہ اردو بعض لوگوں کی نظر میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا خصوصاً جبکہ اس سے قبل کئی ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ مثلاً

ترجمہ قرآن	حکیم محمد شریف خاں	۱۲۱۶ھ	۱۸۰۱ء
ترجمہ قرآن	مولوی امانت اللہ	۱۲۱۹ھ	۱۸۰۴ء
ترجمہ قرآن	نواب صدیق حسن خاں	۱۳۰۸ھ	۱۸۹۰ء
ترجمہ قرآن	مولوی نذیر احمد دہلوی	۱۳۱۳ھ	۱۸۹۵ء
ترجمہ قرآن	محمود حسن	۱۳۳۵ھ	۱۹۱۶ء

لیکن جہاں تک ہماری معلومات اور مطالعہ کا تعلق ہے یہ ترجمہ اس حیثیت سے جملہ تراجم میں ممتاز نظر آتا ہے کہ جن آیاتِ قرآنی کے ترجمے میں ذرا بے احتیاطی سے حق جل مجدہٗ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بے ادبی کا شائبہ نظر آتا ہے- فاضل بریلوی نے ایسی آیات کا ترجمہ ایسی احتیاط اور کامیابی کے ساتھ کیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے مندرجہ ذیل تقابلی مطالعہ سے اس حقیقت کا اندازہ ہو سکے گا- خط کشیدہ الفاظ قابل توجہ ہیں-

۱- اَللّٰہُ یَسْتَھْزِئُ بِھِمْ　(سورۂ بقرہ، پارہ ایک، رکوع ۲)

اللہ ان سے ٹھٹھا کرتا ہے- (سر سید احمد خان تفسیر القرآن بقرہ / خطوط ۱۵)

اللہ ان سے استہزا فرماتا ہے (کنزالایمان)

۲- وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ　(سورۂ آل عمران، پارہ ۳، رکوع ۱۴)

اللہ اپنا داؤ کر رہا تھا (مولوی نذیر احمد دھلوی، انفال ۳۰)

اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا- (کنزالایمان)

۳- (اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ (سورۂ نساء، پارہ ۵، رکوع ۱۸)

دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا (مولوی محمود حسن- نساء ۱۴۲)

اللہ کو فریب دینا چاہتے ہیں اور وہی انہیں غافل کر کے مارے گا (کنزالایمان)

۴- وَعَصٰی آدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی ○ (سورۂ طٰہٰ پارہ ۱۶، رکوع ۱۶)

اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہو گیا تو غلطی میں پڑ گئے
(مولوی اشرف علی تھانوی بیان القران، طہ ۲۲)

اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا اس کی راہ نہ پائی (کنزالایمان)

۵- ووجدک ضآلاً فھدٰی ○ (سورۂ ضحیٰ، پارہ ۳۰)

اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ بجھائی (مولوی محمد حسن ترجمہ قرآن ضحیٰ)
اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی (کنزالایمان)
فاضل بریلوی نے قرآن کریم کا جس نظر سے مطالعہ کیا اس کا اندازہ ان کے اس مصرعے سے ہوتا ہے ع

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی

(حدائق بخشش، حصہ دوم، ص ۱۹۹)[1]

اس ترجمہ نے عقیدوں کو سنبھالا، عاشقوں کے جذبات کو سنبھالا، شان الوھیت (جل جلالہ) اور شان رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر حرف نہ آنے دیا--- گستاخیوں اور بے ادبیوں کے سارے راستے بند کر دیئے---- انہوں نے آفاق والنفس سے متعلق رازہائے سربستہ کو اپنے ترجمہ میں اس طرح محفوظ کر دیا کہ دنیا کا کوئی سائنس داں قرآن پاک کو چیلنج نہیں کر سکتا۔[۲]"

ڈاکٹر مسعود احمد نے اعلیٰحضرت کے حوالے سے جو قرآن فہمی کا تذکرہ کیا ہے وہ اپنی جگہ ہے لیکن اس کے علاوہ خود ڈاکٹر صاحب کا قرآن حکیم سے جو تعلق رہا ہے وہ بھی قابلِ ذکر ہے ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۶۳ء میں سندھ یونیورسٹی حیدر آباد سندھ میں منعقدہ آل پاکستان اسلامک اسٹڈیز کانفرنس میں شرکت کی اور بارھویں صدی ہجری کے اردو قرآنی تراجم پر مقالہ پڑھا۔ یہ مقالہ بعد میں انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹیٹیوٹ بمبئی کے سہ ماہی مجلے نوائے ادب شمارہ ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا۔

مدینہ قرآن کمیٹی لاہور نے "عجائب القرآن کے عنوان سے قرآن حکیم کا ایک ایسا نادر نسخہ تیار کروایا جسے پاکستان کے بین الاقوامی شہرت یافتہ خطاط خورشید عالم گوہر رقم نے کتابت کیا یہ قرآن حکیم آج کل فیصل مسجد اسلام آباد میں زائرین کے لئے رکھا ہوا ہے[۳]۔

اس نسخہ کی اشاعت پر خواجہ محمد عبداللہ جان نقشبندی مجددی نے ڈاکٹر صاحب سے مبسوط مقدمہ قلم بند کرنے کی فرمائش کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے مقدمہ تحریر کرنے کے لئے قرآن حکیم کا خصوصیت سے مطالعہ کیا قرآن سے قرآن کے تعارف کے لئے آیات کو یکجا کیا اس کے بعد کتب

۱۔ تخصصات حضرت مسعود ملت اور رضویات، ص ۱۳ تا ۱۷، از مولانا عبدالستار طاہر
۲۔ تخصصات حضرت مسعود ملت اور رضویات، ص ۱۲۳، مولانا عبدالستار طاہر
۳۔ تخصصات حضرت مسعود ملت، ص ۲۱، از مولانا عبدالستار طاہر

احادیث و تفاسیر اور دوسری بہت سی کتابوں سے مواد اکٹھا کیا انہوں نے کوشش یہ کی ہے کہ قرآن حکیم کے تمام ضروری پہلو مقدمہ میں آجائیں، یہ مقدمہ ۱۹۸۶ء میں آخری پیغام کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع ہوا، پاکستان کے مشہور عالم علامہ منتخب الحق علیہ الرحمہ (سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ کراچی یونیورسٹی کراچی) نے اس کتاب کو قرآنیات پر بہترین کتاب قرار دیا[1]۔

قرآن حکیم میں قیامت کے بارے میں جو احوال و کوائف بیان کئے گئے ہیں ان کو ڈاکٹر صاحب نے مربوط انداز میں کتابی صورت میں بعنوان "قیامت" مرتب کیا ہے جس کو انٹرنیشنل پبلی کیشنز حیدر آباد سندھ نے شائع کیا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالواحد ہالی پوتہ (سابق چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل و سابق صدر علوم اسلامیہ سندھ یونیورسٹی حیدر آباد سندھ) نے اس کتاب کو اپنے موضوع پر بہترین کتاب قرار دیا ہے[2]۔

آج کل قرآن حکیم ہی ڈاکٹر مسعود احمد کا محور فکر ہے قرآنی آیات پر سال میں تقریباً بیس تقریریں بھی ہوتی ہیں[3] جو اب کیسٹوں میں محفوظ کی جارہی ہیں۔

فقہی بصیرت:

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی فقاہت اور تبحر علمی کا اعتراف اور دنیائے اسلام کو ان سے متعارف کراتے ہوئے ڈاکٹر مسعود احمد رقمطراز ہیں۔

> "امام احمد رضا دورِ آخر کے ایک عظیم فقیہ تھے۔ ان کی تحقیقات کے سامنے ان کے معاصر مفتیوں کے فتوے پھیکے معلوم ہوتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ ان کی علمی تحقیقات دیکھنے اور دکھانے کے لائق ہیں ان کا مجموعہ فتاویٰ فقہی مسائل پر ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا ہے اس خصوص میں وہ تنہا اپنے عصر پر بھاری معلوم ہوتے ہیں۔ پاک و ہند حتیٰ کہ مشرقی اور مغربی ممالک کے لوگ بھی ان سے استفادہ کرتے تھے۔ ڈاکٹر اقبال ان کی فقاہت کے دل سے قائل تھے ان کے مخالفین بھی فقہ پر ان کی مہارت تسلیم کرتے تھے مثلاً مفتی محمد کفایت اللہ، حکیم عبدالحیٔ رائے

۱۔ تخصصات حضرت مسعود ملت ص ۲۲ از مولانا عبدالستار طاہر

۲۔ تخصصات حضرت مسعود ملت ص ۲۳ از مولانا عبدالستار طاہر

۳۔ ان آیات کی تفصیل ضمیمہ...

بریلوی، مولانا محمد ذکریا پشاوری دیوبندی وغیرہ علماء امام احمد رضا کی فقاہت کے قائل تھے۔ علماء عرب و عجم کا تو ذکر ہی کیا ایک نہیں سینکڑوں امام احمد رضا کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں فقہ پر جس قدر عبور ہو گا بدعات، منکرات سے اسی قدر تنفر ہو گا۔

احقر نے متعدد فتاوے مطالعہ کئے بعض فتوے تو اعلیٰ ترین تحقیقی مقالات کہے جا سکتے ہیں جن میں بیک وقت ڈیڑھ ڈیڑھ سو مآخذ سے رجوع کیا گیا ہے---- فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ سے مولانا احمد رضا خان بریلوی کی حیرت انگیز قوت مطالعہ، قوت حافظہ، قوت استدلال و استخراج اور قوت بیان وغیرہ کا اندازہ ہوتا ہے جس کا اعتراف علماء حرمین شریفین نے بھی کیا ہے---- امام احمد رضا کے ہاں سارے دنیا سے استفتاء اس قدر آتے کہ کسی ایک مفتی کے پاس اتنی تعداد میں فتوے آتے نہ سنے ایک وقت میں پانچ سو استفتاء جمع ہو جایا کرتے----- اللہ تعالیٰ نے اسی برصغیر میں اس مسلک کے احیاء اور حفاظت کے لئے امام احمد رضا جیسے محدث اور فقیہ کو پیدا فرمایا جن کے متعلق عرب و عجم کے علماء و فضلاء کا خیال ہے کہ آپ اپنے وقت کے ابو حنیفہ ثانی تھے۔

فتاویٰ رضویہ کی خصوصیات :

۱۔ پہلے کتاب و سنت سے استدلال پھر کتب فقہ سے۔

۲۔ دلائل و استشہادات کی کثرت بعض فتاویٰ میں مصادر کی تعداد دو سو سے تجاوز کر گئی ہے۔

۳۔ سوال کے ہر پہلو پر تنقیح، فقہاء و علماء کا اختلاف ہے تو قول راجح کا ذکر۔

۴۔ قرآنی تراجم و تفاسیر کتب حدیث و فقہ کا بھر پور علم۔

۵۔ نادر و نایاب حوالوں کا ذکر۔

۶۔ فقہی کلیات و جزئیات کا استحضار۔

۷۔ بعض مسائل پر جدید و قدیم علوم کی روشنی میں بحث۔

حضرت محمد مسعود شاہ محدث دہلوی

ڈاکٹر مسعود احمد نے اپنے جد امجد حضرت محمد مسعود شاہ کے فتاوے کو یکجا کر کے اپنی خدمت کا ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے- موصوف نے تمام فتاوے کو بعد مطالعہ باب درباب ترتیب دے کر قارئین کے لئے مسائل کا استخراج آسان کر دیا ہے ساتھ ہی ساتھ کتاب کے شروع میں بطور مقدمہ حیات مسعودی تحریر فرما کر صاحب فتویٰ کی مکمل تصویر چھاپ دی- پوری کتاب ۶۴۰ صفحات پر مشتمل ہے کہاں سے کس بات کی نشاندہی کروں یہ بڑا مشکل کام ہے اور ترجیح بلا مرجح بھی البتہ ڈاکٹر صاحب نے جو حیات مسعودی میں ان سے متعلق دینی خدمات اور تبلیغ وارشاد کا ذکر کیا ہے اس کے چند اقتباسات پیش کر رہا ہوں، ڈاکٹر صاحب رقمطراز ہیں-

مقام طریقت :

حضرت فقیہہ الھند نے جس سرعت سے روحانی ترقی فرمائی وہ آپ کی فطرت لیاقت وصلاحیت پر دلالت کرتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ مادر زاد ولی تھے- عالم جوانی میں یہ ترقی بہت کم دیکھنے میں آتی ہے اس ترقی کا حال اس سند اجازت سے ملتا ہے- جو شیخ طریقت حضرت سید امام علی شاہ صاحب نے آپ کو مرحمت فرمائی-

حضرت امام علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی ہدایت کے بموجب حضرت فقیہ الہند دہلی تشریف لائے اور یہاں فیض علمی وعرفانی جاری فرمایا- دور و نزدیک سے لوگ چلے آتے تھے- جن میں عالم و عامی حاکم و محکوم اور فقیر و غنی سبھی تھے- نہ صرف حیات مبارکہ میں بلکہ وصال کے بعد تصرفات روحانیہ کا یہ عالم تھا کہ اپنے خلفاء و مریدین کے احوال باطنیہ کی اصلاح فرماتے-

امامت و خطابت :

جب ۱۲۸۵ھ کے بعد حضرت فقیہ الھند مکان شریف سے دہلی تشریف لائے تو نسبی تعلق اور کامل اہلیت کی بناء پر منصب امامت وخطابت آپ کو تفویض کیا گیا آپ آخر تک اس عہدِ جلیلہ پر فائز رہے-

دار الافتاء :

حضرت فقیہ الھند نے خطابت وامامت اور خانقاہ مسعودیہ کے قیام کے علاوہ مسجد فتح پوری میں دار الافتاء بھی قائم کیا جہاں پاک وہند کے طول وعرض سے استفتاء آتے تھے-

سیاست :

حضرت مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ اور آپ کے اجداد کرام نے ہر نازک دور میں ملک و ملت کی خدمت کی- چنانچہ حضرت کے والد ماجد مولانا مفتی محمد سعید کے عم محترم حضرت مولانا قاری محمد مصطفےٰ علیہ الرحمہ نے (جو انقلاب ۱۸۵۷ء کے وقت مسجد فتحپوری میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دے رہے تھے) دہلی پر انگریزوں کے حملے کے وقت فتویٰ جہاد پر دستخط ثبت فرمائے یہ فتویٰ بہادر شاہ ظفر کے حکم سے دہلی کے تمام مطبعوں میں چھپا اور اس نے مجاہدین آزادی میں آزادی کی ایک نئی روح پھونک دی-

حضرت مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ بھی تحریک آزادی ہند سے الگ تھلگ نہیں رہے- البتہ سیاسی معاملات میں ہمیشہ شریعت کو پیش نظر رکھا تحریک خلافت کے آغاز میں ۱۹۱۹ء میں کچھ عرصہ شریک رہے، لیکن جب تحریک ترک موالات ۱۹۲۰ء کا آغاز ہوا تو اس سے علیحدہ ہو گئے اور ہندو مسلم اتحاد کے خلاف فتویٰ دیا اس فتوے کی بنیاد سیاسی نہ تھی بلکہ خالصتہً شرعی تھی[۱]-

یہ جو کچھ بیان کیا گیا یہ وہ خدمات دینی تھے جو ڈاکٹر صاحب نے مشہور و معروف شخصیات کی حیات و خدمت کو قلم بند کر کے اس سے عوام کو روشناس کرایا ہے جسے پڑھ کر عوام کے اندر ملی بیداری پیدا ہوئی ہے- اس سلسلے میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے طریقے کار کو لوگوں نے ہر طرح سے سراہا، اور موجودہ دور کے قلم کار حضرات نے اس روش کو اپنے لئے مشعلِ راہ تصور کیا- کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان سے پہلے سنی لٹریچر (تصنیف و تالیف) مارکیٹ میں نہیں کے برابر تھا- لیکن آج اہلسنت کے لٹریچر کی بھرمار ہے اوروں کی دوکان پھیکی معلوم ہو رہی ہے-

اس سلسلے سے متعلق ڈاکٹر صاحب کی جتنی بھی تعریف کی جائے وہ کم ہے ذیل میں ہم ان کی اہم دینی و ملی تصنیفات تالیفات کی فہرست پیش کر رہے ہیں بعض کا نگارشات کے باب میں مختصر تبصرے کے ساتھ ذکر بھی کر دیا گیا ہے-

---

۱- حیات مظہری، ص ۲۹، از ڈاکٹر مسعود احمد

۱- مظہر الاخلاق	کراچی	۱۹۶۱ء
۲- ارکان دین	کراچی	۱۹۶۱ء
۳- مواعظ مظہری	کراچی	۱۹۶۹ء
۴- سیرت مجدد الف ثانی	کراچی	۱۹۷۲ء
۵- مظہر العقائد	سیال کوٹ	۱۹۷۲ء
۶- حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال	سیال کوٹ	۱۹۷۲ء
۷- ادب بے ادبی	کراچی، لاہور	۱۹۸۴ء
۸- آخری پیغام	کراچی	۱۹۸۶ء
۹- فتاویٰ مسعودیہ	کراچی	۱۹۸۷ء
۱۰- مکتوبات قاضی احمد دمائی	کراچی	۱۹۹۱ء
۱۱- قیامت	کراچی	۱۹۹۲ء
۱۲- نسبتوں کی بہاریں	کراچی	۱۹۹۴ء
۱۳- رسم ورواج	لاہور	۱۹۹۴ء
۱۴- حضرت مجدد الف ثانی، حالات وافکار وخدمات	کراچی	۱۹۹۰ء
۱۵- نئی نئی باتیں	کراچی	۱۹۹۰ء
۱۶- عورت اور پردہ	کراچی	۱۹۹۰ء
۱۷- مصطفوی نظام معیشت	کراچی	۱۹۹۶ء
۱۸- فاروق اعظم کا غیر مسلموں سے حسنِ سلوک	کراچی	۱۹۹۷ء
۱۹- مجدد ہزارہ دوم	کراچی	۱۹۹۷ء
۲۰- فتاویٰ خیریہ	کراچی	۱۹۹۸ء
۲۱- روح اسلام	کراچی	۱۹۹۸ء
۲۲- صراط مستقیم	کراچی	۱۹۹۸ء
۲۳- فتاویٰ مظہریہ (جدید ایڈیشن)	کراچی	۱۹۹۹ء
۲۴- تقلید (بسیط)	کراچی	۲۰۰۰ء

حبیب بینک پاکستان کی ڈائری (۱۹۸۸ء / ۱۴۰۸ھ پر تقدیم)

ڈاکٹر مسعود احمد نے دینی خدمات انجام دینے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی ہے جب بھی اور جہاں کہیں بھی انہیں موقع میسر آیا ہے تو انہوں نے دین کی باتیں عام سے عام تر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی حبیب بینک (پاکستان) کی ڈائری ہے۔ بینک منیجر نے ۱۹۸۸ء میں سالانہ ڈائری شائع کرنے کا پروگرام بنایا۔ اور اس کو اہل اللہ سے مخصوص کیا۔ ڈاکٹر صاحب سے معروف اہل اللہ کے حالات لکھوا کر اردو اور انگریزی میں شامل کیے۔ اس میں ''اللہ کے دوست'' کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب کا پیش لفظ بھی ہے۔ یہ ڈائری دو لاکھ کی تعداد میں چھپ کر پوری دنیا میں پھیل گئی۔ پیش لفظ ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ کے دوست

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝

سن لو، بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم (پارہ ۱۱، ۱۲- آیت ۶۲)

اللہ کے دوستوں کو نہ ماضی کا غم ہے اور نہ مستقبل کا اندیشہ۔ ان کے دل میں چین ہی چین ہے، سکون ہی سکون ہے۔ وہ اللہ سے راضی اور اللہ ان سے راضی۔ دنیا میں بھی سرخرو اور آخرت میں بھی سرفراز۔ ان کے نورانی چہروں کو دیکھ کر اللہ یاد آتا ہے۔ ان کی زندگی جیتا جاگتا قرآن ہے۔ ان کی سیرتوں کو پڑھ کر قرآن کی عظمت کا احساس ہوتا ہے۔

وہ اللہ اور رسول ﷺ کی محبت کے پاسدار ہیں۔۔ وہ محبت جو دونوں عالم سے بے نیاز کر دیا کرتی ہے۔ وہ محبت اللہ اور رسول ﷺ کی مطلوب ہے وہ محبت جو قرآن کا مقصود ہے۔ وہ محبت جو ماں باپ، بہن بھائی، اولاد و اقارب، دوست و تجارت اور مکانات و محلات کی چاہت سے بڑھ چڑھ کر ہے۔

اللہ کے دوست اپنی ساری توانائیاں اللہ اور رسول ﷺ کے لئے صرف کرتے ہیں اور ہم ساری توانائیاں اپنے نفس کی خوشنودی کے لئے صرف کرتے ہیں۔ وہ بلندیوں کی بات کرتے ہیں اور ہم پستیوں کی۔ ہم دنیا کے پیچھے بھاگتے ہیں دنیا ہاتھ نہیں آتی۔ انکے پیچھے دنیا بھاگتی ہے وہ دنیا

سے ہاتھ نہیں آتے-ان کے دلوں میں کھوٹ نہیں، صاف ستھرے سینے لئے بیٹھے ہیں-ان سے ہاں حرف "محبت" کے علاوہ کوئی بات سنی نہیں جاتی-وہ مر کے بھی زندہ رہتے ہیں اور ہم زندہ ہو کر بھی ایسے ہیں جیسے بے جان ہوں- جسم، دماغ اور روح اپنی اپنی جگہ اہم ہیں- جسم کی تربیت والدین کرتے، دماغ کی تربیت استاد کرتے ہیں اور روح کی تربیت اللہ کے دوست کرتے ہیں-

اللہ کے دوستوں کی خانقاہیں طاقت و قوت کا سرچشمہ رہی ہیں- تاریخ میں انہوں نے ایک اہم کردار ادا کیا ہے- معاشرے کو سنوارا ہے- سلطنتوں کو بنایا ہے-زمانے کا رخ پلٹ دیا ہے-انہوں نے دلوں پر حکومت کی ہے- کاش اللہ کے دوستوں سے کوئی دلوں کو جیتنا سیکھے- کوئی دوسروں کے لئے مٹنا سیکھے-اللہ کو اپنے دوست ایسے محبوب ہیں کہ جو ان سے پیٹھ پھیرتا ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم و مردود ہو جاتا ہے- آدم و ابلیس کے واقعے میں اسی راز کو کھولا گیا ہے-اللہ نے اپنے دوستوں کے نشانِ قدم کو صراط مستقیم قرار دیا-ان کے آثار کو وسیلۂ ظفر بنایا-ان کے نام کو ذریعہ نجات بنایا-اللہ کے دوست جہاں گئے اسلام کی روشنی لے کر گئے- جہاں گئے اخلاق محمدی ﷺ کی خوشبوئیں لے کر گئے- جہاں گئے ماحول کو جگمگا دیا، جہاں گئے، فضا کو مہکا دیا اور ہماری پستیوں اور ہماری محرومیوں کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ اللہ کے دوستوں کو ہم نے اپنے جیسا انسان سمجھ کر ان سے منہ پھیر لیا اور ان کے نشانِ قدم کو چھوڑ دیا- آیئے- پھر ان کی محبت سے دلوں کو آباد کریں-اس لئے کہ بقول عارف رومی :

یک زمانہ صحبتے با اولیاء — بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ہر کہ شد دور از حضور اولیاء — در حقیقت دور گشتہ از خدا

O

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کا ایک غیر مطبوعہ مقالہ یہاں پیش کیا جاتا ہے جس سے اسلامی تہذیب و تمدن سے ان کے قلبی لگاؤ کا اندازہ ہوتا ہے-اسلامی تہذیب و تمدن کی محبت کو دل میں بسانا، دین اسلام کی بڑی خدمت ہے...... ملاحظہ فرمائیں-

غیر مسلموں کے مذہبی اور قومی شعائر :

انسانی معاشرے میں تبدیلیاں آتی رہتی ہیں- بعض لوگ ان تبدیلیوں کو پسند کرتے ہیں اور بعض لوگ ناپسند کرتے ہیں، جو پسند نہیں کرتے ہیں وہ بھی رفتہ رفتہ پسند کرنے لگتے ہیں پھر

تبدیلیاں آئی گئی باتیں ہو جاتی ہیں---لیکن اسلام کے فدائی اور قوم کے شیدائی ان تبدیلیوں پر نظر رکھتے ہیں اور ان کو حدود سے باہر نہیں نکلنے دیتے، ایسے حضرات اللہ کی رحمت اور ملت اسلامیہ کے لئے بڑی نعمت ہیں-

غیر منقسم ہندوستان میں انگریزوں کے اقتدار کے بعد یہاں کے باشندے ان کے مذہبی اور قومی شعار اپنانے لگے اور رفتہ رفتہ یہ شعائر معاشرے میں رواج پاگئے---فطری طور پر محکوم، حاکم کے شعار کو اپناتے ہیں اور اس میں فخر محسوس کرتے ہیں مگر مذہبی اور قومی نقطۂ نظر سے یہ رجحان صحت مند اور پسندیدہ نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ اس روش سے محکوم کی اپنی مذہبی اور قومی انفرادیت ختم ہو جاتی ہے- غالباً اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذمی رعایا کو ان کا اپنا قومی لباس پہننے کا پابند بنایا تھا تاکہ ایک طرف وہ احساس کمتری میں مبتلا ہو کر اپنی قومی انفرادیت ختم نہ کریں اور دوسری طرف مسلمان ان کا تشبہ اختیار نہ کر کے اپنی انفرادیت قائم رکھیں-(کتاب الخراج، ص ۲۹۱)

غیر منقسم ہندوستان میں انگریزوں کے دیکھا دیکھی ٹائی اور کوٹ پتلون کا رواج ہو گیا اور مسلم و غیر مسلم سب نے اس کو اپنانا شروع کر دیا--ایک سو برس سے زیادہ عرصہ ہو گیا کہ ہمارے معاشرے میں ان کا رواج ہے چونکہ محکومیت کی وجہ سے عوام میں مذہبی اور قومی شعور کا فقدان تھا اس لئے اس طرز عمل کے نقصانات اور خرابیوں کا اندازہ نہ ہو سکا لیکن درد مند علماء برابر تنبیہ فرماتے رہے اور ہشیار کرتے رہے-

جہاں تک ٹائی کا تعلق ہے یہ نصاریٰ کا مذہبی شعار ہے اور اس کی بنیاد کراس ہے---گویا ٹائی باندھنے والا مسلمان غیر شعوری طور پر عملاً اس عقیدے کی تصدیق کرتا ہے کہ معاذاللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا گیا جب کہ قرآن حکیم میں صاف صاف فرمادیا :-

نہ ان کو قتل کیا گیا، نہ ان کو سولی پر چڑھا دیا گیا، بلکہ ان کو اللہ نے اپنی طرف (زندہ) اٹھالیا"-

(سورہ نساء، آیت ۱۵۷)

اسلامی نقطۂ نظر سے کسی بھی مذہب کے مذہبی شعار کو من کی چاہت سے اختیار کرنا ہرگز جائز نہیں - غالباً اسی لئے تحریکِ خلافت اور تحریک ترک موالات کے زمانے میں (۱۹۱۹ء/۱۹۲۱ء) میں بعض مسلمانوں نے اپنی پیشانیوں پر قشقہ لگوایا تو علماء خصوصاً امام احمد رضا بریلوی نے ان کا شدید تعاقب کیا اور مسلمانوں کو اس عمل قبیح سے روکا (تحقیقات قادریہ، ص

۳۶)--امام احمد رضا نے تو پتلون پہن کر نماز پڑھنے والے کو بھی نماز لوٹانے کا حکم دیا ہے-

(فتاوی رضویہ، ج ۳، ص ۴۴۲)

دین کے معاملے میں قرآن حکیم نے بہت اچھا اصول اور ضابطہ عطا فرمایا--- حضور انور ﷺ کی زبانی ان لوگوں سے خطاب فرمایا جنہوں نے اپنی اصلی اور فطری قابلیت واستعداد ے انوار و نفس کی صفات ذمیمہ میں چھپالیا اور غیر میں ایسے منہمک ہو گئے کہ عین نظروں سے اوجھل ہو گیا اور یہ واضح کر دیا کہ بینا اور نابینا انسانوں کے مذہبی، تہذیبی اور تمدنی رستے الگ الگ ہونے چاہئیں---

لکم دینکم ولی دین

تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین

(سورہ کافرون، آیت نمبر ۶)

مشرکین وکفار قریش سے فرمایا کہ تمہارے لئے تمہارے مذہبی شعائر اور ہمارے لئے ہمارے مذہبی شعائر--- مذہب اسلام اور غیر اسلامی مذاہب کے راستے الگ الگ ہیں--- دین ومذہب میں سستی وکاہلی اور نامعقول رواداری سے مذہبی اور قومی وقار مجروح ہوتا ہے اور ملی انفرادیت ختم ہونے لگتی ہے حتیٰ کہ کوئی پہچان باقی نہیں رہتی---

قرآن حکیم نے دوسرا اصول اور ضابطہ یہ عطا فرمایا---

لا اکراہ فی الدین

دین میں کچھ زبردستی نہیں (سورہ بقرہ، آیت نمبر ۲۵۶)

یعنی مذہب والا اپنے مذہب یا مذہبی عقائد و شعائر کو دوسرے مذہب والے پر تھوپنے کی کوشش نہ کرے- مذہب کا اختیار کرنا انسان کی اپنی پسند پر منحصر ہے اس میں کوئی جبر و کراہ نہ ہونا چاہئے--اگر ہر قوم ان دو قرآنی اصولوں پر کاربند رہے تو کوئی فتنہ و فساد پیدا نہ ہو--اسلام امن کے لئے آیا ہے، فتنہ وفساد کے لئے نہیں اسی لئے وہ مسلم قوم کو دوسری اقوام سے منفرد رکھنا چاہتا ہے--اور ان کے مذہبی شعائر اپنانے سے روکتا ہے-

اگر غور کیا جائے تو ٹائی نصاریٰ کا تہذیبی نہیں، مذہبی شعار ہے اس کے علاوہ بھی اس میں بہت سی خرابیاں ہیں- مثلاً

۱- ایک خرابی یہ ہے کہ یہ لباس کا ایک فضول حصہ ہے اور سراسر اسراف ہے اور

اسراف کو حضور انور ﷺ نے پسند نہیں فرمایا- ایک صحابی تہبند باندھے ہوئے جارہے تھے جو ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا تھا، حضور انور ﷺ پیچھے تشریف لارہے تھے آپ نے آواز دے کر فرمایا--- "اپنا تہبند اونچا کرو"--- پھر جو کچھ فرمایا وہ ہمارے معاشیات کے ماہرین اور عدالت کے ججوں کے لئے ایک عظیم نکتہ ہے- آپ نے فرمایا، "تہبند کا ٹخنوں پر کوئی حق نہیں" (شمائل ترمذی، لاہور، ص ۱۷۵)- یعنی جس طرح انسان کے انسان پر حقوق ہیں اسی طرح انسان کے اپنے اعضاء پر بھی حقوق ہیں کسی عضو کو اس کے حق سے زیادہ نہ دینا چاہئے--- عدل کا یہ عظیم تصور کہیں نہ ملے گا--- کہ جس طرح ٹخنے کو فضول کپڑے کی ضرورت نہیں اسی طرح گلے کو بھی فضول کپڑے کی ضرورت نہیں، ٹائی ایک فضول کپڑا ہے-

۲- دوسری بات یہ ہے کہ ٹائی گلے میں ایک لنگوٹ سی معلوم ہوتی ہے جس میں نہ کوئی حسن ہے نہ معقولیت- یہ الگ بات ہے کہ غلامی میں قوموں کا ضمیر بدل جاتا ہے، ہر نامعقول بات معقول اور ہر معقول بات نامعقول نظر آنے لگے-

۳- تیسری بات یہ ہے کہ اس سے نصرانیت کا کافرانہ غرور پیدا ہوتا ہے جو اسلامی تقاضوں کے منافی ہے- قرآن حکیم نے سچے مسلمانوں کی یہ نشانی بتائی کہ وہ زمین پر سر جھکائے چلتا ہے-(سورہ فرقان، آیت نمبر ۶۳) مگر ٹائی باندھنے والا ہمیشہ سر اٹھائے چلتا ہے اور اکثر سینہ تان کر چلتا ہے، اللہ تعالیٰ کو ایسی چال سخت ناپسند ہے جس کی قرآن حکیم میں ممانعت کی گئی ہے (سورہ اسراء، آیت نمبر ۳۷)

یہاں تک تو ٹائی کی بحث تھی--- جہاں تک کوٹ پتلون اور غیر مسلموں کے دیگر ملبوسات کا تعلق ہے تو اس کے لئے شریعت نے ضابطے مقرر کر رکھے ہیں، مثلاً

۱- لباس حلال ہو، حرام نہ ہو-

۲- لباس کا مقصد ستر پوشی ہے یعنی اس سے جسم کے وہ حصے ڈھک جائیں جن کو شریعت نے ڈھانکنے کا حکم دیا ہے-

۳- کافروں اور فاسقوں کے وضع کا لباس نہ ہو-

(فتاویٰ رضویہ، ج ۱۰، نصف آخر، ص ۱۹۰ ملخصاً)

اگر کوٹ پتلون کو ان ضابطوں کی روشنی میں پرکھا جائے تو اس میں تیسری شق نہیں پائی جاتی،

یہ لباس نصارو یہود کا قومی لباس ہے۔ گو کہ اب بین الاقوامی لباس ہو گیا لیکن اب ایسا لباس پہننا جو غیر مسلموں کا تہذیبی شعائر ہو یا جس کے پہننے سے کافر و مسلمان میں فرق نہ رہے، شرعاً حرام ہے۔۔۔ ہاں ایسا قومی یا تہذیبی شعار جو بدلتے بدلتے مسلمانوں کا قومی یا تہذیبی شعار بن گیا ہو اور غیر مسلموں کا شعار نہ رہا ہو اس کا حکم یہ نہ ہوگا کیونکہ شریعت کا جو حکم کسی علت سے وابستہ ہوتا ہے وہ علت کے ختم ہو جانے سے خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مال غنیمت میں ملنے والے غیر مسلموں کے ملبوسات کا حکم بھی الگ ہوگا۔۔ کسی بھی غیر مسلم کے قومی یا تہذیبی شعار کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھنا اور اختیار کرنا جائز نہیں، ایسے قومی شعار کے لئے امام احمد رضا نے یہ فیصلہ فرمایا ہے۔

جو بات کفار۔۔۔ یا۔۔ بد مذہب اشرار۔۔۔ یا فساق و فجار کا شعار ہو، بغیر کسی حاجت صحیحہ شرعیہ کے برغبت نفس اس کا اختیار کرنا مطلقاً ممنوع ناجائز و گناہ ہے، اگرچہ وہ ایک ہی ہو۔"

(فتاویٰ رضویہ، ج ۱۰، نصف آخر، ص ۹۱ ۱۴ مخلصاً)

فقہاء نے فساق کے کپڑے تک سینے سے منع فرمایا ہے کہ اس سے ان کے فیشن کو پھیلانے میں اعانت ہوتی ہے کہ گناہ گار کا مددگار بھی گناہ گار ہوتا ہے۔۔۔ یہاں ضمناً ایک اور فیشن کی طرف اشارہ کرتا چلوں جو پاک و ہند اور بنگلہ دیش میں کوٹ پتلون کے ساتھ آیا ہے اور اس کے لوازمات میں سمجھا جاتا ہے اور وہ ہے بیڑی، سگریٹ، سگار، پائپ کا استعمال ہے۔۔ یہ بھی نصاریٰ کا تہذیبی شعار ہے۔۔۔ برصغیر میں انگریزوں کے آنے سے قبل یہ چیزیں رائج نہ تھیں۔۔۔ انگریزوں کے آنے کے بعد رواج ہوا ہے۔۔۔ بیڑی اور سگریٹ وغیرہ میں کئی قباحتیں ہیں، مثلاً

۱- پہلی قباحت یہ ہے کہ یہ نصاریٰ کا تہذیبی شعار ہے جو اب عام ہو چلا ہے۔

۲- دوسری قباحت یہ ہے کہ یہ انسان کے لئے سخت مضر ہے۔ سرطان، ضیق النفس، ٹی بی وغیرہ قسم کے خطرناک امراض اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ اب سگریٹ وغیرہ کے اشتہارات کے ساتھ ہی ان کے نقصانات کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

۳- تیسری قباحت یہ ہے کہ فساق و فجار کا فیشن ہے۔

۴- چوتھی قباحت یہ ہے کہ سراسر اسراف اور مال کا ضیاع ہے جو شرعاً حرام ہے۔

اگر یہ قباحتیں سامنے رکھی جائیں تو شرعاً اس کے مذموم ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا، البتہ حقے کا حکم کچھ مختلف ہے۔

فقیر کے جد امجد صاحب فتاویٰ مسعودی حضرت شاہ محمد مسعود محدث شاہ دہلوی نے حقے کے بارے میں جو فتویٰ جاری فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے :-

۱- نافع ہو تو حقہ کشی حلال ہے-

۲- نقصان دہ ہو تو مکروہ تحریمی-

۳- منہ میں بدبو پیدا کرے تو مکروہ تنزیہی-

۴- بدبو پیدا نہ کرے تو مباح ہے- (فتاویٰ مسعودی، کراچی ص ۶۰۰)

فقیر کے خیال میں چوں کہ سگریٹ اور حقہ فساق و فجار کا شعار رہا ہے اس لئے علماء و مشائخ اس سے اجتناب فرمائیں تو بہت ہی مناسب ہے--- بہر حال یہ بحث ضمناً آگئی-- سر سید احمد خان نے نصاریٰ کی مذہبی اور قومی شعار کو مسلمانوں میں عام کرنے کے لئے اپنے رسالے تہذیب الاخلاق کے ذریعہ بہت کوشش کی اس لئے مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے فارغ ہونے والے طلباء نصاریٰ کے مذہبی قومی اور تہذیبی شعائر سے زیادہ متاثر نظر آتے تھے لیکن سر سید کو اس روش کے انجام کا اندازہ نہ تھا جب انہوں نے اس کا انجام خود ملاحظہ کیا تو سخت نادم ہوئے اور اپنے نجی خطوط میں اظہار افسوس بھی کیا--- عبدالماجد دریا آبادی جیسے مفسر قرآن مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں طالب علمی کے زمانے میں دین سے بیگانہ ہو کر عقلیت پرست ہو گئے تھے--- یہ تھا نصاریٰ کے مذہبی و قومی شعائر کے لئے دل میں نرم گوشہ رکھنے کا انجام---؟

غیر مسلموں کے مذہبی اور قومی شعائر اپنانا بظاہر معمولی بات معلوم ہوتی ہے مگر اس کے دور رس اور مذہبی اور قومی نتائج بر آمد ہوتے ہیں- ہنود ہند ایک ہزار سے زیادہ عرصہ تک مسلمانوں کے زیرِ دست رہے، پھر انگریزوں کے زیرِ دست رہے مگر اپنے مذہبی و قومی شعائر جنیو، دھوتی وغیرہ سے لپٹے رہے---- بابر بادشاہ کو دھوتی ایک عجیب و غریب لباس معلوم ہوا مگر بہر حال یہ ہندوؤں کا اپنا قومی لباس تھا---- انہوں نے اس کو زندہ رکھا اور خود زندہ رہے-- ہم صرف ایک سو برس نصاریٰ کے زیر دست رہے اور خود کو بالکل بدل ڈالا-- اپنے مذہبی اور قومی شعائر کی حفاظت نہ کی اور اس کو بہت ہلکا جانا- ہزار سال گزر جانے کے باوجود آج ہندوستان میں ھندوؤں کی مذہبی اور قومی شناخت باقی ہے- فرانس کے مشہور مؤرخ ڈاکٹر گستاؤلی بان نے اس امر پر حیرت کا اظہار کیا کہ مسلمانوں نے جس طرح جزیرہ عرب وغیرہ میں تہذیبی انقلاب برپا کیا اور مفتوحہ علاقوں کے تہذیب و تمدن کو یکسر بدل ڈالا ہندوستان میں ایسا نہ ہو سکا-

(تمدن ہند، کراچی، ص ۳۰۷)

یقیناً اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اپنا مذہبی و قومی شعور کو بیدار رکھا اور اپنے شعار کو کسی قیمت پر نہ چھوڑا---اس میں شک نہیں کہ مذہبی و قومی اور تہذیبی شعائر سے وابستگی قوم کی بقاء اور ان کی باوقار زندگی کے لئے لازمی ہے---چنانچہ حضور انور ﷺ نے عمامے کے لئے جو یہ فرمایا:-

"عربوں کے سروں سے جب عمامے اتر جائیں گے ان کی عزت نہ رہے گی"

(اسلام اور عصری ایجادات، لاہور)

اس حدیث میں ایک عظیم تہذیبی و تمدنی حقیقت کو بیان کی گیا ہے جس کو آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں- جہاں سے ہم کو عمامہ ملا وہاں اس کی جگہ 'عقال' ایجاد کیا گیا ہے جس نے جزیرۂ عرب میں علماء کو مٹادیا جو چیز سنت کو مٹادے اس کو بدعت سئیہ کہا جا سکتا ہے- غالباً اسی لئے امام احمد رضا نے رومال باندھ کر نماز پڑھانے سے منع فرمایا ہے جب کہ ٹوپی پہن کر نماز پڑھانے کو جائز فرمایا ہے اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ رومال عمامہ کا قائمقام ہے، ٹوپی قائم مقام نہیں اور جس چیز سے سنت کے مٹنے کا خوف ہو اس کو مٹانا ضروری ہے-

زبان بھی قومی شعار ہے اسی لئے غیر منقسم ہندوستان کے بعض علماء انگریزی پڑھنے پڑھانے کے مخالف تھے- حقیقت یہ ہے کہ زبان و ادب اپنے اندر افکار و خیالات کا ایک جہاں رکھتے ہیں جو پڑھنے والے کو متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتے، یہ وہ حقیقت ہے جس کو ہم بھلا دیتے ہیں- اگر ایسا نہ ہوتا تو آج بہت سے انگریزی اور ہندو مدارس عربیہ میں درس نظامیہ پڑھ رہے ہوتے مگر ان کو اس حقیقت کا شعور ہے- عربی و فارسی پڑھنا تو دور کی بات ہے وہ عربی و فارسی رسم الخط کو ختم کرنا چاہتے ہیں کہ یہ رسم الخط ملت اسلامیہ کی بڑی شناخت ہے- چنانچہ ترکی میں کمال اتاترک سے بھی یہ کام کروادیا، انھوں نے فارسی رسم الخط کو ختم کر کے انگریزی رسم الخط کو رائج کیا اور اس طرح ترک قوم کو ماضی سے بے تعلق کر کے رکھدیا--- وہ اپنے علمی اثاثے سے بے خبر ہو گئے---- عربی و فارسی کتابوں کا عظیم ذخیرہ ترک قوم کے لئے بے معنی ہو کر رہ گیا---اس زمانے میں ہندوستان میں مسٹر گاندھی نے اردو رسم الخط کی جگہ ہندو رسم الخط رائج کرنے کی بات کی تھی جس کی ابوالکلام آزاد نے تائید بھی کی تھی لیکن دیدہ ور مدبرین نے اس خیال کی سخت مزاحمت کی ورنہ اگر ایسا ہو جاتا تو آج پوری دنیا میں اردو زبان میں مختلف علوم کے ذخیرے مسلمانان ہند کے لئے بے معنی ہو کر رہ جاتے- بہر حال تقسیم ہند کے بعد مسٹر گاندھی کی تجویز پر عمل ہو رہا ہے،

ھندرسم الخط میں اردو اخبارات شائع ہورہے ہیں، رسائل و کتابیں بھی شائع ہورہی ہیں۔ بعض علاقوں میں لوگ اردو بولتے اور پڑھتے نظر آتے ہیں مگر اردو رسم الخط کی جھلک تک نظر نہیں آتی اس طرح رفتہ رفتہ مسلمانوں کا قومی مزاج بدلا جارہا ہے اور ان کو اپنے ماضی سے دور کیا جارہا ہے ---- بہر حال اردو کے خیر خواہ اس طرزِ تعلیم کی مزاحمت کررہے ہیں اور اپنی سی کوشش میں لگے ہوے ہیں تاکہ اردو زبان اور رسم الخط زندہ رہے، اردو زبان ھندوستانی اقوام کے میل جول اور محبت والفت کی نشانی ہے ---- جب سینوں میں محبت جلوہ ہوگی تو یہ حقیقت آشکار ہو جائے گی۔

شریعت نے غیر مسلم قوم کے مذہبی و قومی شعائر اپنانے پر جو پابندی لگائی ہے۔ اس میں عظیم حکمت یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کی انفرادیت قائم رہے اور اس پر کوئی دوسری چھاپ نہ لگے ---- لیکن اس کے باوجود اس امر پر غور کیا جاسکتا ہے کہ کن حالات میں غیر مسلموں کے مذہبی، قومی اور تہذیبی شعائر اپنانے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

۱۔ ایک صورت یہ ہے کہ تن ڈھانکنے کے لئے کوئی لباس نہ ہو۔ ایسی صورت میں بدن چھپانے کے لئے ممنوعہ لباس کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ پہننے والے کا دل اس پر راضی نہ ہو اور وہ اس کو ناپسندیدہ سمجھے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اتنا مسکین ہو کہ نئے کپڑے خریدنا ممکن نہ ہو۔ ایسی صورت میں پرانا ممنوعہ لباس پہنا جاسکتا ہے جب تک کہ وہ مسکین ہے، اس کے بعد نہیں۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مذہبی یا نسلی فسادات میں جان کا خوف ہو اور ایسا ممنوعہ لباس استعمال کئے بغیر جان بچانی مشکل ہو تو جب تک جان کا خطرہ ہو ایسا لباس استعمال کرسکتا ہے۔

۴۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ وہ کسی غیر مسلم ملک میں جاسوسی کے لئے بھیجا گیا ہے تو اپنی شناخت چھپانے کے لئے جب تک یہ فرض ادا کر رہا ہے ممنوعہ لباس پہن سکتا ہے اور ان کے شعائر اپنا سکتا ہے۔

۵۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ کسی غیر مسلم ملک میں قیدی تھا قید سے فرار ہو کر اپنے ملک پہنچنا چاہتا ہے تو جب تک دشمن کے ملک میں ہے اپنی شناخت چھپانے کے لئے ممنوعہ لباس پہن سکتا ہے اور ان کے شعائر اپنا سکتا ہے۔

۶۔ چھٹی صورت یہ ہے کہ اپنے ہی ملک میں ظلماً قید کیا گیا پھر کسی خفیہ تدبیر سے رہائی حاصل

کی۔اب حاکم کی گرفت سے چھپنے کے لئے اپنا حلیہ تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ایسی صورت میں ممنوعہ لباس اور شعائر کو خطرے سے باہر ہونے تک اختیار کر سکتا ہے۔

۷۔ ساتویں صورت یہ ہے کہ غیر مسلموں کے ملک میں ہے اور ممنوعہ لباس پہنے بغیر ملازمت نہیں ملتی اور کوئی اور کام کر نہیں سکتا، اندیشہ یہ ہے کہ ملازمت نہ کی تو بیوی بچے بھوکے مر جائیں گے یا ایسے قرض میں مبتلا ہو گا جس کا اتارنا ناممکن ہو گا تو ایسی صورت میں جب تک کوئی متبادل ملازمت نہیں مل جاتی ایسی ملازمت کر سکتا ہے جس میں دوسری قوم کے مذہبی یا قومی شعائر اپنانے پر مجبور ہو مگر کسی حالت میں اس پر دل راضی نہ ہوتا ہو۔

۸۔ آٹھویں صورت یہ ہے کہ اسلام کی خاموش تبلیغ کے لئے کسی دشمن کے ملک میں گیا ہے نفس کی ادنیٰ رضا کے بغیر دشمن کا لباس پہن کر اور ان کے شعائر اپنا کر اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتا ہے جب تک وہ تبلیغ کا فرض ادا کر رہا ہے اس کی اجازت دی جا سکتی ہے کیونکہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

۹۔ بعض حضرات سرکاری ملازمت کو بہانہ بنا کر ٹائی اور پتلون پہننے کا جواز تلاش کرتے ہیں یہ ہرگز مناسب نہیں۔راقم کا تو یہ تجربہ ہے کہ ملازمت کے دوران اپنے مذہبی اور قومی شعائر اپنانے سے عزت و وقار گھٹتا نہیں بڑھتا ہی ہے۔ہاں اگر ملازمت کیلئے کسی لباس کو مخصوص کر دیا جاتا ہے اور اسکے بغیر ملازمت ملنا ممکن نہ ہو تو اسکی وضاحت شق نمبر ے میں کر دی گئی ہے۔

نصاریٰ نے ممالک اسلامیہ پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد پوری پوری کوشش کی کہ مسلمانوں میں کسی نہ کسی طرح اپنے شعائر رائج کریں، ہر غالب قوم اسی انداز سے سوچتی ہے۔۔۔۔اکثریت اور حاکمیت کی یہ فطرت ہوتی ہے کہ وہ محکوم اقلیت یا محکوم پر چھانے کی کوشش کرتی ہے۔۔۔۔ نصاریٰ نے برصغیر میں غلبہ حاصل کر کے ہمیں ایسی ڈگر پر چلایا کہ رفتہ رفتہ خود ہمارے ہی ہاتھوں ہمارے مذہبی اور قومی و تہذیبی شعائر کو مٹا دیا اور ہم کو احساس تک نہیں ہوا۔۔۔۔ذرا غور فرمائیں ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔۔۔۔

۱۔ داڑھی رکھنا سنت ہے ہم داڑھی رکھتے تھے۔۔رفتہ رفتہ ہمارے ہاتھوں، ہماری داڑھیاں صاف کرادیں اور یہ روزانہ کا معمول بن کر رہ گیا اور داڑھی رکھنا معیوب ہو گیا۔

۲۔ ٹوپی اوڑھنا سنت ہے، ہم ٹوپی اوڑھا کرتے تھے۔رفتہ رفتہ ٹوپی اتروا کر ننگے سر کر دیا اور ٹوپی اوڑھنا معیوب ٹھہرا۔

۳- حضورِ انور ﷺ نے کرتا پہنا اور پاجامہ کو پسندیدہ فرمایا، ہم کرتا پاجامہ پہنتے تھے، پھر ہم قمیض و شرٹ اور کوٹ پتلون پہننے لگے، کرتے پاجامے سے شرمانے لگے مگر (پاکستان میں) اب حالات بدل گئے ہیں۔

۴- مسواک کرنا سنت ہے ہم مسواک کرتے تھے پھر برش کرنے لگے (جس میں خنزیر کے بال بھی استعمال ہوتے ہیں) اور مسواک رفتہ رفتہ چھوٹ گئی۔

۵- فرش پر بیٹھنا سنت ہے۔ ہم صدیوں فرش پر بیٹھتے رہے، ہماری ساری تاریخ اسی فرش پر بنی ہے، پھر ہم کرسیوں اور صوفوں پر بیٹھ کر اسی فرش کو اپنی جوتیوں سے روندنے لگے اور ہم کو احساس تک نہیں ہوا۔

۶- زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت ہے، ہم صدیوں انسانوں کی طرح زمین پر بیٹھ کر کھاتے رہے، پھر کرسی میز پر کھانا شروع کیا پھر تہذیب کے جس ابتدائی دور سے چلے تھے وہیں پر آگئے اور جانوروں کی طرح کھڑے ہو کر کھانے لگے، ہر جانور کھڑے ہو کر کھاتا ہے ہم بھی کھانے لگے اور احساس تک نہ ہوا کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔

۷- حضورِ انور ﷺ زیریں لباس ٹخنے سے اوپر کرنے کی ہدایت کی، ہم ہر لباس ٹخنوں سے نیچے پہننے لگے -- بڑھے تو اتنے بڑھے اور گھٹے تو اتنے گھٹے کہ پتلون، نیکر بن کر رہ گیا اور اب نیکر کا جانگیہ بن کر رہ گیا ہے ---- مگر اس دیوانہ پن کا ہم کو کوئی شعور نہیں۔

۸- سگریٹ و سگار سنت نہیں، مگر اب عالم و عامی، شیخ و رند جس کے منہ میں دیکھئے سگریٹ لگی ہے --- جنت کی آرزو ہے اور آگ سے پیار ہے۔

اللہ اللہ ہم کو سنتوں سے کتنا دور کر دیا گیا ہے، ہم سنت سے کتنے دور ہو گئے بلکہ سنتوں کے خلاف صف آراء ہو گئے -انا للہ و انا الیہ رجعون!--- غیرت و حمیت کا یہ تقاضا ہے کہ ہم دشمنانِ اسلام کے مذہبی، قومی، تہذیبی شعائر کو اپنے معاشرے سے مٹا ڈالیں اور سنت کو زندہ کر کے یک رنگ ہو جائیں۔

یک رنگی و آزادی اے ہمتِ مردانہ!

۷ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ (کراچی، سندھ)

۲ مارچ ۱۹۹۳ء

ادبی خدمات :۔

ڈاکٹر مسعود احمد کی تصنیفات و تالیفات، مذہبیات، رضویات، شخصیات شعری و ادبی تذکرے، تبصرے، تقریظات، تقدیمات مکتوبات، عمرانیات وغیرہ پر مشتمل ہیں اور ان کے حوالے سے انہوں نے مختلف جہت سے اردو ادب کی خدمت کا فریضہ انجام دیا ہے۔ دینی خدمات پر پچھلے اوراق میں روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ اب ادبی خدمات کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

شخصیات :

ڈاکٹر مسعود احمد نے پچاس سے زیادہ شخصیات پر لکھا ہے مثلاً (۱) حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (۲) حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام ابو حنیفہ (۴) سید علی ہمدانی (۵) شاہ محمد غوث گوالیاری (۶) جمال الدین ہانسوی الخطیب (۷) شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (۸) خواجہ عبید اللہ (۹) خواجہ عبد اللہ (۱۰) شاہ عبد اللطیف بھٹائی (۱۱) قاضی احمد دمائی (۱۲) سید امام علی شاہ (۱۳) سید صادق علی شاہ (۱۴) شاہ محمد مسعود دہلوی علامہ فضل حق خیر آبادی (۱۵) پیر مہر علی شاہ گولڑوی (۱۶) آقائے سرہندی (۱۷) میر سید علی غمگین (۱۸) امام احمد رضا محدث بریلوی (۱۹) شاہ محمد رکن الدین الوری (۲۰) مولانا عبد القادر بدایونی (۲۱) شاہ ابو الخیر دہلوی (۲۲) پیر جماعت علی شاہ (۲۳) مولانا عبد القدیر بدایونی (۲۴) مولانا محمد عبد العلیم صدیقی (۲۵) مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی (۲۶) مفتی محمد برہان الحق جبل پوری (۲۷) محمد ظفر الدین رضوی (۲۸) مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی (۲۹) علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی (۳۰) علامہ غلام جیلانی میرٹھی (۳۱) علامہ محمد شفیع اوکاڑوی (۳۲) مفتی محمد خلیل خاں برکاتی (۳۳) مفتی تقدس علی خاں (۳۴) مفتی محمد محمود الوری (۳۵) ڈاکٹر محمد اقبال (۳۶) بابائے اردو مولوی عبد الحق (۳۷) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں (۳۸) عبد الماجد دریابادی مجیدی (۳۹) عبد الواحد یکتا دہلوی (۴۰) عبد الرشید خاں الاتق (۴۱) علامہ شمس بریلوی (۴۲) مولانا منور احمد (۴۳) مولانا منظور احمد وغیرہ وغیرہ۔

شخصیت نگاری کی حیثیت سے ڈاکٹر محمد مسعود نے اردو ادب کی بڑی خدمت کی ہے۔ اس پہلو پر لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے بلکہ جناب محمد عبد الستار (لاہور) نے کئی جلدیں مرتب بھی کر لی ہیں۔ اس وقت شخصیات، شعری و ادبی تذکرے، تنقید و تبصرہ، تقدیم نگاری اور مکتوب نگاری پر اجمالاً روشنی ڈالی جاتی ہے اور ڈاکٹر مسعود احمد کی نگارشات سے اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔ کئی شخصیات کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ شخصیات کے سلسلے میں یہاں صرف چند شخصیات کے بارے میں ڈاکٹر مسعود احمد کے اصل مقالات اور ان کے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

باسم ربِّ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

اللہ کے نزدیک دین ایک اور صرف ایک ہے اور وہ اسلام ہے[1]، اسی کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے پسند فرمایا[2] ـــــ اس دین کے علاوہ اللہ کے دربار میں کوئی دین مقبول نہیں[3] ـــــ اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے، اسلام کے لیے اس کا سینہ کھول دیتا ہے[4] ـــــ اللہ نے اپنے کرم سے ہمارا نام مسلمان رکھا[5] اور دین ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا اور اس کو مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا[6] سے تعبیر فرمایا یعنی ابراہیم (علیہ السلام) کا دین جو ہر باطل سے جُدا ہے ـــــ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حَنِيْفًا مُّسْلِمًا[7] فرمایا یعنی ہر باطل سے جُدا مسلمان ـــــ اور فرمایا کہ اس سے بہتر کس کا دین ہے جو ابراہیم کے دین پہ چلا جو ہر باطل سے جدا ہے، مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا[8] ـــــ ہر باطل سے جُدا اس دین پہ چلنے کی سرکارِ دو عالم ﷺ کو ہدایت فرمائی[9] ـــــ اور فرمایا کہ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا کی پیروی کریں[10] ـــــ حضورِ انور ﷺ نے اسی دینِ حنیف 'اسلام' کی تکمیل فرمائی اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اسی دینِ حنیف 'اسلام' کو زمانے کی شکست و ریخت سے محفوظ رکھا اور ہر باطل سے جُدا فرمایا اور اسی دینِ حنیف کے ماننے والوں کو آج "حنفی" کہا جاتا ہے ـــــ

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی نعمان تھا۔ کنیت ابوحنیفہ اور لقب امام اعظم ـــ والد ماجد کا نام ثابت تھا ـــــ جب حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اپنے والدِ گرامی کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خدمت میں دُعا کے لیے حاضر ہوئے تو آپ نے دونوں کی اولاد کے لیے دُعا فرمائی۔

---

[1] قرآن حکیم: سورۃ آل عمران، ۱۹ [2] سورۃ مائدہ ۳ [3] سورۃ آل عمران، ۸۵ [4] سورۃ انعام ۱۲۵ [5] سورۃ حج، ۷۸ [6] سورۃ بقرہ، ۱۳۵ [7] سورۃ آل عمران، ۶۷ [8] سورۃ نساء، ۱۲۵ [9] سورۃ انعام ۱۶۱ [10] سورۃ نحل، ۱۲۳

اس طرح حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی دعاؤں سے سرفراز ہوئے پھر کیوں نہ ان کے سینے سے اسرار و معارف کے چشمے اُبلتے؟ — حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا تعلق فارس کے اس جنگجو اور بہادر قبیلے سے تھا جو ہندوستان سے آکر وہاں بس گیا تھا — آپ ۸۰ھ/۶۹۹ء میں عراق کے شہر کوفہ میں پیدا ہوئے جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آباد کیا تھا — آپ ۸۰ھ/۶۹۹ء میں عراق کے شہر کوفہ میں پیدا ہوئے جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آباد کیا تھا — وقت کے جابروں نے قاضی القضاۃ کا اہم عہدہ پیش کر کے اس پردے میں آپ کے علم خداداد اور عدلِ بے مثال کا سودا کرنا چاہا مگر آپ نے عزیمت پر عمل کرتے ہوئے کتاب و سنت کے مقدس علم کو رسوا نہ ہونے دیا اور خوشی خوشی ۱۵۰ھ/۷۶۷ء میں جام شہادت نوش فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ! بلاشبہ

ع اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

— حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ستر برس کی عمر پائی — بغداد کے مقبرۂ خیزراں میں آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے فیض یافتہ تھے۔ اسی تعلق کی وجہ سے آپ کے صاحبزادے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے مزار اقدس پر بڑی عقیدت سے حاضر ہوتے اور جاروب کشی کرتے — بیشک محبوب کے محبوب سے محبت بھی محبت و عشق کی شرط اول ہے — اس راز سے قرآن کریم نے پردہ اٹھا دیا ہے[1]۔ کاش سمجھنے والے سمجھیں! — حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ حافظ قرآن تھے اور علم و دانش سے آراستہ و پیراستہ ہونے کے باوجود تجارت پیشہ تھے، ریشمی کپڑے کی تجارت کرتے تھے، آپ نے علم کو ذریعہ معاش نہیں بنایا — علم بہت ہی بلند ہے — کتاب و سنت کے دقائق کی معرفت میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا — ایک مسئلے کیلئے پورے قرآن اور ذخیرۂ احادیث سامنے رکھتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد ایسا وسیع النظر عالم نظر نہیں آتا — مسلم شریف کی یہ حدیث آپ پر صادق آتی ہے

"اگر علم ثریا کے پاس بھی ہو تو اہل فارس کا ایک شخص اس تک پہنچ جائے گا اور اس کو پا لے گا۔"[2]

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تابعی تھے، آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی — ایک روایت کے مطابق ان صحابہ کی زیارت سے مشرف ہوئے — حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن اوفی، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم — ائمہ مجتہدین میں حضرت امام مالک، حضرت امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رضی اللہ عنہم آپ کے استدلال کی تعریف کرتے تھے۔

---

[1] قرآن حکیم، سورۂ توبہ، ۲۴ [2] مسلم شریف بحوالہ سوانح امام اعظم از ابوالحسن زید فاروقی (دہلی، ص ۵۸/۵۹)

بالخصوص امام شافعی رضی اللہ عنہ کمالِ ارادت رکھتے تھے اور فرماتے تھے "تمام فقہاء ابو حنیفہ کی عیال ہیں"۔ [۱]

اکابر اہلِ سُنّت و جماعت میں حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی اور امام احمد رضا محدّث بریلوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے کمالات کا اعتراف کیا ہے ۔۔۔ حضرت عبدالحق محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ نے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اجتہادات کو عام مجتہدین کے اجتہادات سے مقدم رکھا ہے [۲] ۔۔۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے نزدیک آپ کا اجتہاد و استنباط اس اعلیٰ منزل پر فائز ہے جس کے سمجھنے سے لوگ قاصر ہیں [۳] ۔۔۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ مذہب حنفی ایک بہتر طریقہ ہے [۴] ۔۔۔ امام احمد رضا محدّث بریلوی کے نزدیک امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف علیہما الرحمہ ۔۔۔ سردارانِ اہلِ کشف و مشاہدہ ہیں [۵] ۔ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو علومِ نبوّت اور خاندانِ نبوّت سے خاص لگاؤ تھا ۔۔۔ مخدوم سید علی ہجویری داتا گنج بخش علیہ الرحمہ نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی خواب میں زیارت کی ۔۔۔ آپ نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق ایک عظیم خوشخبری سُنائی [۶] ۔۔۔ ایک خواب میں دیکھا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنے آغوش میں لیے تشریف لا رہے ہیں [۶] ۔۔۔ دربارِ رسالت مآب ﷺ میں محبوبیت کی وجہ سے ساری دنیا میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نقشِ قدم پر چلنے والے "حنفی" اس کثرت سے ہیں گویا یہ وہ سوادِ اعظم اور بڑی جماعت ہیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی پیروی کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا ○ "تم سوادِ اعظم کی پیروی کرو" [۷] ○ انسان تقلید کے بغیر ایک قدم آگے نہیں بڑھا سکتا ۔۔۔ وہ زندگی کے ہر شعبے میں تقلید کرتا ہے، تقلید اس کی عادتِ ثانیہ ہے ۔۔۔ اگر کوئی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید نہیں کرنا چاہتا تو ضرور بالضرور کسی نہ کسی عالم کی تقلید کریگا کیونکہ ایک عام مسلمان کیلئے ممکن نہیں کہ وہ کتاب و سنّت کے عظیم ذخیرے کا مطالعہ کرکے اپنی زندگی کیلئے لائحہ عمل تیار کرے ۔۔۔ تو کسی عام عالم کی پیروی کرنے سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ ایسے جلیل القدر امام کی پیروی کی جائے جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی اور جس کی عظمت پر اُمتِ مُسلمہ کے بکثرت اکابر کا اتفاق ہے ۔۔۔ عقل بھی یہی کہتی ہے، دل بھی یہی کہتا ہے ۔۔۔ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت وہی کر سکتا ہے جسکے دل میں نہ حضور انور ﷺ کی محبت ہو، نہ اہلِ بیت اطہار کی، نہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی گروہ یہ دعویٰ ضرور کرتا ہو کہ مجھے قرآن و حدیث سے محبت ہے الخ کا ہی ہوں ۔۔۔ ہاں وہ سعادت مند ضرور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت و حمایت کریگا جس کا دل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم، اہلِ بیتِ اطہار، ازواجِ مطہرات اور صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کی محبت سے معمور ہو ۔۔۔ اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کو اپنی سعادت سمجھتا ہو ۔۔۔ مولیٰ تعالیٰ ہم کو حق قبول کرنے اور حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ثم آمین !

احقر : محمد مسعود احمد ۔۔۔ کراچی (سندھ) پاکستان — یکم ذیقعدہ ۱۴۱۳ھ / ۲۴ اپریل ۱۹۹۳ء

---

[۱] حضرت مجدد الف ثانی: مکتوبات شریف، دفتر دوم، مکتوب نمبر ۵۵ [۲] شرح سفر السعادہ [۳] مکتوبات امام ربانی [۴] عقد الجید [۵] فتاویٰ رضویہ۔ [۶] کشف المحجوب، لاہور، ص ۵۰، ۱۵۱ [۷] سنن ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، کراچی، ص ۳۰

شاہ عبداللطیف بھٹائی

اے کہ تو کہ از نام تو می بارد عشق
از نامہ و پیغام تو می بارد عشق

عاشق شود آنچہ کہ بکویت گزرو
آرے زدرو بامِ تو می بارد عشق

(۱)

آنے والے آتے ہیں اور جاتے ہیں...... بہت سے جانے کے لیے آتے ہیں بہت سے آنے کے لیے آتے ہیں...... تو وہ آنے والا جو جانے کے لیے نہیں آیا' اس کا نام نامی عبداللطیف تھا (رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ) وہ خاندان سادات کا چشم و چراغ تھا...... اس کے اجداد ایران سے پاکستان آئے اور قومی شاہراہ پر واقع سندھ کے مشہور شہر ہالا کے مضافات میں آباد ہو گئے...... کچھ عرصے بعد یہ خاندان ہالا سے کچھ دور مٹیاری منتقل ہو گیا۔

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی علیہ الرحمہ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید حبیب اللہ شاہ تھا' جدامجد کا اسم شریف سید عبدالقدوس شاہ اور پردادا کا اسم مبارک سید جمال شاہ تھا جو شاہ عبدالکریم ا بلڑی ۲ والوں کے تیسرے بیٹے تھے۔ (علیہ الرحمتہ والرضوان)...... حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے والد ماجد مٹیاری چھوڑ کر تحصیل ہالا کے ایک قصبے میں آباد ہو گئے جو اب شاہ صاحب کی درگاہ شریف بھٹ شاہ سے ۹ میل دور ایک ویران قبہ ہے' اس قصبے میں شاہ صاحب ۱۱۰۲ھ / ۱۶۸۹ء میں عالمِ آب و گل میں تشریف لائے...... شاہ صاحب نے سندھ کی سیاسی تاریخ کے اہم دور میں اپنی زندگی گزاری' وہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمہ کی وفات کے وقت ۱۶ سال کے تھے۔

حضرت شاہ صاحب کے تحصیل علم ظاہر کے بارے میں کوئی شہادت نہیں ملتی صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد ماجد نے ایک عالم دین حضرت اخوند نور محمد بھٹو کے پاس پڑھنے بٹھایا مگر شاہ

ا۔ حضرت عبدالکریم علیہ الرحمہ سلسلہ قادریہ کے مشہور و معروف بزرگ تھے اور سندھی زبان کے صوفی شاعر۔ حضرت شاہ عبدالکریم علیہ الرحمہ کا دیوان (رسالو) مشہور ہے جو اکثر حضرت شاہ عبداللطیف علیہ الرحمہ کے پاس رہتا تھا۔ آپ کا مزار مبارک ضلع حیدر آباد سندھ کے شہر ٹنڈو محمد خاں سے کچھ فاصلے پر قصبہ بلڑی میں واقع ہے۔ مسعود

صاحب نے صرف ''الف'' پڑھا پھر آگے کچھ نہ پڑھا۔ البتہ ان کے کلام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ قرآن و حدیث اور تصوف کے اسرار و معارف سے پوری طرح آگاہ تھے بلکہ ان کے معاصر میر علی شیر قانع ٹھٹوی نے اپنی کتاب تحفتہ الکرام (۱۷۶۸ء) میں لکھا ہے۔

''شاہ صاحب کے قلب مبارک پر سارے عالم کا علم اس طرح لکھا ہوا تھا جیسے تختی پر لکھا ہوا ہو۔''

(بحوالہ کلیات اڈوانی: شاہ جو رسالو' کراچی' ص ۳)

بلاشبہ علم باطن ہاتھ آجائے تو انسان وہ کام کر جاتا ہے جو علماء ظاہر کے وہم و خیال میں بھی نہیں ہوتا۔ شاہ صاحب انہیں علماء باطن میں تھے جو اُمّی ہوتے ہوئے محیر العقول کام کر گئے۔ ان کا سندھی دیوان (رسالو) اسرار و معارف کا خزینہ ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر و حضر میں شاہ صاحب کے پاس قرآن کریم' مثنوی مولانا روم اور حضرت شاہ عبدالکریم علیہ الرحمہ کا دیوان رہتا تھا۔

(۲)

شاہ صاحب مجاز سے حقیقت تک پہنچے...... ابتدائی جوانی میں وہ سندھ کے ایک امیر مرزا مغل بیگ ارغوں کی لڑکی پر عاشق ہوگئے' مرزا ان کے والد ماجد کا معتقد تھا' ان کے پاس اس کا آنا جانا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی علیہ الرحمہ اس کے ہاں تشریف لے گئے اور محبوب کی ایک جھلک دیکھتے ہی وارفتہ ہوگئے۔

ایک ہی بار ہوئیں وجہ گرفتاریٔ دل
التفات ان کی نگاہوں نے دوبارہ نہ کیا

ایک مدت فراقِ محبوب میں بادیہ پیمائی کی...... سندھ' گجرات' راجستھان کے مختلف شہروں میں گھومتے رہے...... ایک عرصے بعد اسی لڑکی سے شاہ صاحب کی شادی ہوگئی لیکن اب وہ مجاز سے حقیقت تک پہنچ چکے تھے۔

گاہ حیلہ می برد گاہ بزوری کشد
عشق کی ابتداء عجب عشق کی انتہا عجب

عالم بیخودی سے عالم خودی میں قدم رکھا' رشد و ہدایت۔ کا سلسلہ جاری ہوا اور ہزاروں تشنہ کام سیراب ہوئے۔

حضرت شاہ صاحب کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ وہ ہر ایک دل والے کو اپنی اولاد سمجھتے تھے' ان کا ارشاد تھا اور کیسا پیارا ارشاد!

جن کے دل تیر عشق سے گھائل ہیں وہ سب کے سب ہماری اولاد ہیں۔

(کلیان اڈوانی: شاہ جو رسالو' ص ۵)

شاہ صاحب کا مستقل مستقر ایک ریت کا ٹیلہ (بھٹ) تھا شاہ صاحب طبعاً گرفتار مکان نہ تھے' ہمارا جہاں ان کا مکاں تھا۔

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر

ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا!

شاہ صاحب نے خانہ بدوشانہ زندگی بسر کی۔ جسم پر کفنی' سر پر ٹوپی' ہاتھ میں عصا اور ایک کشکول فقیری ...... یہ تھا شاہ صاحب کا سارا اثاثہ......

(۳)

معاصرین علماء و فقراء سے شاہ صاحب کے تعلقات تھے۔ ایام جوانی میں حضرت شاہ عنایت اللہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں جھوک شریف حاضر ہوتے رہے۔ حضرت شاہ عنایت کی شہادت کے وقت شاہ صاحب ۳۱ سال کے تھے...... اسی طرح سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے عالم و عارف حضرت خواجہ محمد زماں علیہ الرحمہ ا (لواری شریف سندھ) کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ شاہ صاحب آپ سے بہت متاثر تھے اور بڑی عقیدت رکھتے تھے چنانچہ آپ کی منقبت میں شاہ صاحب کا ایک شعر ملتا ہے جس کا ترجمہ ہے:

میں نے ان کو دیکھا ہے جنہوں نے محبوب کو دیکھا ہے'

میں ان کے متعلق کیا بتاؤں؟ کچھ نہیں بتا سکتا کہ

ان کی شان کیا ہے؟

(کلیان اڈوانی: شاہ جو رسالو' ص ۱۰)

سندھ کے مشہور عالم حضرت مخدوم محمد معین ٹھٹوی علیہ الرحمہ (ٹھٹھہ) سے شاہ صاحب کے تعلقات تھے۔ شاہ صاحب کی فرمائش پر موصوف نے رسالہ اویسیہ تصنیف فرمایا مخدوم دین محمد صدیقی علیہ الرحمہ (سیہون شریف) سے بھی شاہ صاحب کے گہرے مراسم تھے چنانچہ شاہ صاحب کئی بار

سیہون شریف حاضر ہوئے۔

(۴)

شاہ صاحب علیہ الرحمہ ۱۱۰۲ھ / ۱۶۸۹ء میں پیدا ہوئے اور ۱۴ صفر ۱۱۶۵ھ / ۱۷۵۲ء کو ۶۳ سال کی عمر میں حیدر آباد سندھ کے شمال میں تقریباً ۳۲۰ میل دور بھٹ شاہ میں وصال فرمایا۔ وہ سماع کے دلدادہ تھے، وصال سے قبل مسلسل تین روز تک سماع سے محظوظ ہوئے اور بالآخر اس عالم کیف و سرور میں محبوبِ حقیقی سے واصل ہوئے۔ قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز ؎

بہر بہار گُل از زیر گل بر آرد سر
گُلے برفت کہ ناید بصد بہار دگر

وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے لیکن دل سے اوجھل نہیں ہوئے۔ وہ دل میں بسے ہوئے ہیں اور دل ان کے عطر محبت میں بسا ہوا ہے' ان کی یاد تا قیامت دلوں کو گرماتی رہے گی' ہاں ؎

دل میں رہ دل میں کہ معمار قضا سے اب تک
ایسا "محبوب" مکاں بنایا نہ گیا!

شاہ صاحب کا مزار مبارک بھٹ شاہ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ میاں غلام شاہ کلہوڑہ نے ۱۷۵۴ء میں اس پر ایک شاندار گنبد بنوایا' بعد میں میر نصیر خاں نے مقبرہ اور مسجد کی ضروری مرمت کرائی' حکومت پاکستان نے بھی بہت سے قابل ذکر اضافے کیے ہیں۔ شاہ صاحب کا عرس مبارک سال میں دو مرتبہ ہوتا ہے۔ ۹ ذی الحجہ اور ۱۴ صفر کو یہ دونوں عرس تین دن جاری رہتے ہیں۔

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی علیہ الرحمہ نے نغمۂ عشق و محبت الاپا' ان کے اشعار اٹھائے گئے سینوں سے لگائے گئے' دلوں میں بٹھائے گئے۔ ان کا ہر شعر نشان عشق بن کر ان مٹ ہو گیا۔ بیشک

در معرکۂ دو کون فتح از عشق است

۱۔ راقم کا سلسلۂ طریقت حضرت خواجہ محمد زماں علیہ الرحمہ (م ۱۱۸۸ھ / ۱۸۰۸ء) سے ملتا ہے حضرت خواجہ موصوف کے خلیفہ حضرت حاجی احمد متقی علیہ الرحمہ (۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۸ء) تھے جن کا مزار مبارک سکرند سے ۱۵ میل مغرب کی جانب موضع قاضی احمد میں واقع ہے۔ آپ کے خلیفہ حضرت شاہ حسین علیہ الرحمہ (۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۶ء) تھے اور ان کے خلیفہ حضرت سید امام علی شاہ علیہ الرحمہ (۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء) حضرت سید صاحب موصوف علیہ الرحمہ کے جانشین و خلیفہ حضرت سید صادق علی شاہ علیہ الرحمہ (۱۳۱۷ھ / ۱۸۹۹ء) سے راقم کے والد ماجد اور مرشد طریقت حضرت مفتی اعظم ہند شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ (۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء) بیعت تھے۔ مسعود

شاہ محمد رکن الدین الوری

فاضل مصنف حضرت علامہ مولانا الحاج شاہ محمد رکن الدین الوری قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز اپنے وقت کے عارف کامل تھے' مسلکاً حنفی' مشرباً نقشبندی اور نسباً انصاری تھے۔ سلسلہ نسب متعدد واسطوں سے میزبان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ ولادت باسعادت نواح دہلی کے قصبہ کھیڑلہ (ضلع گڑ گانوہ) میں ہوئی۔ چھ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے تو گڑ گانوہ سے ترک وطن کر کے اپنے ماموں فاضل جلیل شیخ فرید الدین علیہ الرحمہ کے پاس الور (راجستھان) چلے آئے۔ ابتدائی تعلیم یہیں مکمل فرمائی' پھر معاصرین علماء سے مختلف علوم و فنون کی تحصیل فرمائی۔ حضرت شاہ محمد مسعود محدث دہلوی (م۔ ۱۳۰۹ء) کے درس میں بھی شریک رہے۔ حضرت شاہ صاحب کا سلسلۂ حدیث دو واسطوں سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ فن خطاطی میں خطاط وقت منشی رحیم اللہ صاحب علیہ الرحمہ سے استفادہ کیا۔ منشی صاحب موصوف کی خطاطی کے نمونے پاک وہند کے تقریباً تمام عجائب خانوں میں موجود ہیں۔

حضرت فاضل مصنف علیہ الرحمہ ۱۳۰۴ھ میں شیخ وقت حضرت مفتی اعظم شاہ محمد سعد نقشبندی مجددی محدث دہلوی (شاہی امام مسجد جامع فتح پوری دہلی) سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے' پانچ سال مجاہدات وریاضات کے بعد ۱۰ جمادی الآخر ۱۳۰۹ھ کو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے اور وہ کمال حاصل کیا جس کا خود شیخ طریقت نے سند اجازت میں اس طرح ذکر فرمایا ہے۔

"وتصرف تو بہ ایں قدر حاصل گشتہ کہ در صحبت او ہر کہ آمد ہدایت ابدی آمد۔"

حضرت فاضل مصنف علیہ الرحمہ کے تصرفات باطنیہ کا اندازہ شیخ طریقت کی اس پیش گوئی سے بھی لگایا جا سکتا ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے:

> جس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی سے اسلام کی اشاعت ہوئی ہے اسی طرح مولوی رکن الدین صاحب سے ہمارے سلسلے کو فروغ ہوگا۔ ۲

الحمد للہ نہ صرف ہندوستان بلکہ پاکستان میں بھی آپ کے بے شمار مریدین ومعتقدین ہیں۔ آپ کے شیخ طریقت کے تقریباً ۹ خلفاء تھے لیکن آج ماسوائے ایک دو کے کسی کے سلسلے کا پتا نہیں چلتا۔

جس طرح مہک سے پھول پہچانے جاتے ہیں اسی طرح ارادت مندوں سے شیوخ پہچانے جاتے ہیں' اسی راز معرفت کے رازدار حضرت مولانا ہدایت علی نقشبندی مجددی جے پوری علیہ الرحمہ اپنی تصنیف میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت مولوی مسعود صاحب کی کیا تعریف کی جائے کہ جن کے مرشد سید صاحب (حضرت امام علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ) جیسے ہوں اور ان کے خلیفہ اور طالب مولوی رکن الدین صاحب جیسے ہوں۔ ۳

نسبتِ نقشبندیہ کے علاوہ حضرت فاضل مصنف علیہ الرحمہ نے نسبتِ چشتیہ باطنی طور پر روح پاک حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ سے حاصل کی پھر جب حج بیت اللہ شریف کے لیے حاضر ہوئے تو بیت اللہ شریف میں ظاہری طور پر بھی حضرت خواجہ ضیاء معصوم قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز سے یہ نسبت حاصل کی اس کے علاوہ قادریہ' نقشبندیہ اور اویسیہ نسبتیں بھی حضرت خواجہ ممدوح سے حاصل کیں اور سندِ اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔

راقم السطور بچپن میں حضرت فاضل مصنف علیہ الرحمہ کی زیارت سے مشرف ہوا ہے۔ میانہ قد' کشادہ پیشانی' بڑی بڑی آنکھیں' گول چہرہ' گندمی رنگ' سادہ لباس' سادہ مزاج' سادہ گفتار' سادہ خرام' دل تھے کہ کھنچے جاتے تھے۔ آنکھیں تھیں کہ سیر نہ ہوتیں ۔

کس قیامت کی کشش اس جذبہ کامل میں ہے
تیر ان کے ہاتھ میں ہے پیکاں ہمارے دل میں ہے

ان کے دربار فیض بار میں غرباء بھی آتے امراء بھی آتے' فقراء بھی آتے علماء بھی آتے' افسران و حکام بھی آتے اور سب کچھ نہ کچھ لے کر ہی جاتے۔ ہزار ہا کفار و مشرکین آپ کے مواعظِ حسنہ اور نگاہِ فیض کے اثر سے مشرف باسلام ہوئے اور آن کی آن میں پستیوں سے بلندیوں پر جا پہنچے ۔

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
یہ اثر رکھتی ہے خاکسترِ پروانۂ دل!

اُن کی صحبت کیمیا اثر میں بے قراروں کو قرار اور بے چینوں کو چین ملتا...... اطمینان قلب ذکرِ الٰہی میں ہے' پھر جو سراپا ذکر ہو اس کی صحبت کیوں نہ جانِ طمانیت ہو!

وہ دنیا میں تشریف لائے' تبلیغ و ارشاد کا حق ادا کیا اور پھر یوم وصال کی تیاریاں شروع

ہوگئیں ۔ ماہ شعبان ۱۳۵۵ھ میں علالت کا آغاز ہوا' ماہ شوال میں مرض شدت اختیار کر گیا' وصال سے قبل آخری جمعہ مسجد شریف میں ادا فرمایا اور نماز کے بعد اعلان فرمایا:

''فقیر کا یہ آخری جمعہ ہے تمام دوست فقیر سے آخری مصافحہ کر لیں۔''۴

یہ آواز بجلی بن کر دلوں پر گری اور سب جان نثار' اشکبار و سینہ فگار لپک پڑے کہ ع

ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

رقت کا عجیب عالم تھا' محراب و منبر نوحہ کناں معلوم ہوتے تھے..... ۱۸ شوال کو موافق و مخالف سب کو جمع کیا۔ محبین کو صبر کی تلقین فرمائی اور مخالفین کو معاف فرمایا..... اور صاحب زادہ حضرت علامہ مفتی محمد محمود صاحب مدظلہ العالی کو اجازت و خلافت اور سجادہ نشینی سے سرفراز فرمایا ۲۱ شوال کو اچانک اعلان فرمایا:

''یہ فقیر کی آخری شب ہے۔''۵

سنتے ہی سب اہلِ خانہ حاضر ہوئے' سب کو شفقت و محبت کے ساتھ رخصت فرمایا پھر زائرین کو حاضری کی اجازت ملی' ایک ایک آتا اور دست بوس و پابوس ہوتا' اللہ اللہ ۔

بیانِ درد و زبان خموش و عرض نیاز

جبین شوق و کفِ پائے یار کیا کہنا!

الوداعی ملاقات کے بعد ارشاد فرمایا کہ قرآن پاک کی مختلف صورتیں تلاوت کی جائیں' تلاوت کی گئیں اور خود قبلہ رُخ مراقب ہوگئے..... آج قرآن کی آواز دلوں سے ٹکرا رہی تھی اور روح میں پیوست ہو رہی تھی' نزول وحی کا سماں بندھ گیا تھا..... رات ۲ بج کر ۱۵ منٹ پر بیدار ہوئے' تہجد کی نماز ادا فرمائی اور اچانک ذکر جہر شروع کر دیا' حالاں کہ اس سے پہلے (ذکر جہر) کبھی نہ کیا تھا استغراق کا عالم تھا اور زبان پر اللہ ہی اللہ تھا..... اللہ..... اللہ..... اللہ..... یہ آواز آہستہ آہستہ دھیمی ہوتی گئی اور پھر اچانک جان عزیز جاں آفریں کو نذر کر دی' اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیهِ رَاجِعُوْنَ

دل تو جاتا ہے اس کے کوچے میں

جا مری جاں' جا' خدا حافظ!

سبحان اللہ محبوبانِ خدا اس طرح جاتے ہیں کہ ان کا جانا معلوم ہی نہیں ہوتا..... وہ ''موت کے آئینے'' میں ''رُخ دوست'' دکھا کر ایسی لو لگا جاتے ہیں کہ زندگی کے چاہنے والے موت کے منتظر نظر

آتے ہیں کہ الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب

خانوادۂ مجددیہ کے چشم و چراغ فاضل جلیل عارف اجل حضرت مولانا محمد حسن جان سرہندی مجددی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے تعزیتی مکتوب میں کیا خوب فرمایا ہے :

مرد بود مردانہ وار رفت' ایں چنین ثباتِ قلب و قدم در چنیں حالتے کہ مزلۃ الاقدام است بغیر از اجازت حالات سلفِ صالح دیدہ بلکہ شنیدہ نہ شدہ۔ ۱

(ترجمہ) وہ مرد تھے' مردانہ وار گئے ایسی حالت میں جب کہ قدم لڑکھڑا جاتے ہیں اس قسم کی ثابت قدمی اور طمانیت قلب سوائے سلف صالحین کے کہیں نہ دیکھی گئی بلکہ سنی بھی نہ گئی۔

خبر وصال سن کر اطراف و اکناف کے لوگ اُمنڈ پڑے اور پھر ہزاروں لاکھوں جانثاروں کے جھرمٹ میں یہ جانِ جاں مکان شریف سے آخری آرام گاہ تک لایا گیا اور آغوش رحمت میں لٹا دیا گیا۔

مثل ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستان

مزار مبارک دہلی سے الور جاتے ہوئے الور اسٹیشن کے قریب زیارت گاہِ خلائق ہے ۔

شمع مزار او ہمہ نورِ غفور باد!
دلہائے زائرانِ درش غرق نور باد

ہر سال ۲۱ شوال المکرم کو حیدر آباد سندھ میں تزک و احتشام سے آپ کا عرس ہوتا ہے اور دور و نزدیک کے ہزاروں مریدین و معتقدین اور محبین و مخلصین جمع ہو کر فیض یاب ہوتے ہیں۔ ۱

۱۔ مفتی محمد محمود : مصباح السالکین' مطبوعہ دہلی ۱۳۵۵ھ' ص ۸۰ حوالہ سند اجازت محررہ ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۰۹ھ
۲۔ محمد مسعود احمد : تذکرہ مظہر مسعود حصہ اول مطبوعہ کراچی' ۱۳۸۸ھ' ص ۲۰۱
۳۔ محمد ہدایت علی' معیار السلوک' مطبوعہ کراچی' ص ۳۰۱
۴۔ مفتی محمد محمود : مصباح السالکین' ص ۵۲
۵۔ ایضاً' ص ۵۵
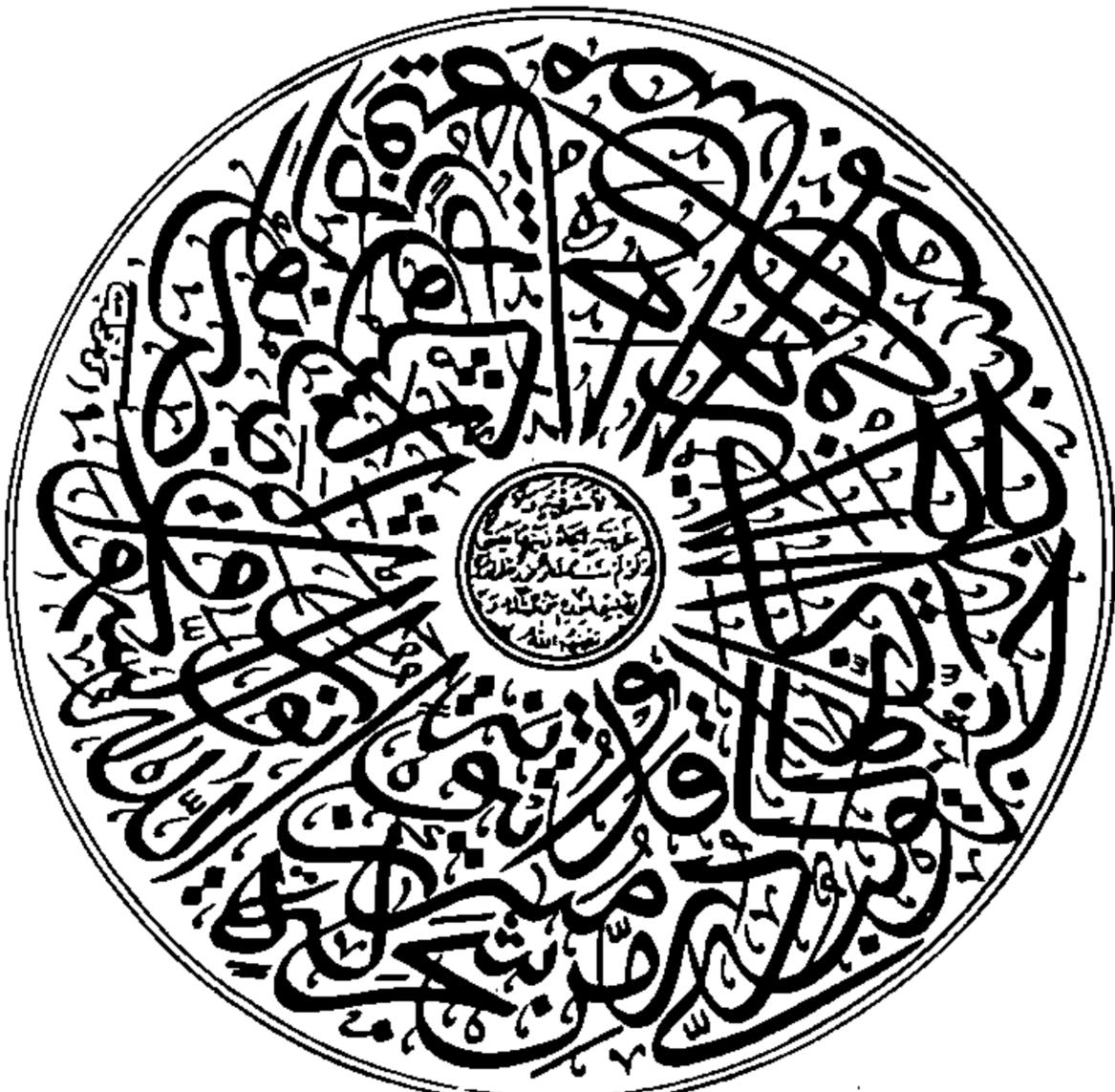
الأمثال للناس والله بكل شيء عليم

مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی

صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ کی ولادت ۲۱ صفر المظفر ۱۳۰۰ھ (یکم جنوری ۱۸۸۳ء) کو مراد آباد (یو۔پی۔ بھارت) میں ہوئی۔ ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۰ء میں مدرسہ امدادیہ (مراد آباد) سے دستار فضیلت حاصل کی۔ استاد گرامی مولانا شاہ محمد گل رحمتہ اللہ علیہ عارف کامل اور فاضل اجل تھے۔ فاضل ممدوح کے عشق و محبت اور علمیت و فقاہت کی ایک جھلک ان کی تالیف "ذخیرة العقبیٰ فی استحباب مجلس میلاد مصطفی" (۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء) میں نظر آتی ہے۔ آپ کا سلسلہ ء حدیث براہ راست حجاز مقدس سے مربوط ہے' برصغیر پاک و ہند کے دوسرے سلاسل حدیث کے مقابلے میں آپ کو یہ خصوصی امتیاز حاصل ہے۔

صدر الافاضل ایسے جلیل القدر استاد کے تلمیذ رشید تھے' وہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر تھے بالخصوص فن حدیث اور علم توقیت میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ علم طب میں بھی مہارت حاصل تھی اور حکیم شاہ فضل احمد امروہوی سے مشرف تلمذ تھا' شاعری میں اپنے والد ماجد استاذ الشعراء مولانا معین الدین نزہت سے فیض حاصل کیا اور نعیم تخلص فرماتے تھے۔ آپ کا دیوان ریاض نعیم شائع ہو چکا ہے۔

صدر الافاضل، حضرت شاہ محمد گل علیہ الرحمہ سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت تھے۔ بیعت کے بعد حضرت شاہ صاحب نے آپ کو حضرت شاہ علی حسین کچھوچھوی رحمتہ اللہ علیہ (م۔ ۱۳۵۵ھ) کے سپرد کر دیا۔ صدر الافاضل نے آپ سے استفاضہ کیا اور آپ ہی سے خلافت و اجازت حاصل کی' آپ ہی کی اجازت سے فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ (م۔ ۱۹۲۱ء) سے بھی خلافت و اجازت خاص کی۔ صدر الافاضل' فاضل بریلوی کے راز دار اور رمز شناس تھے۔ آپ نے ان کے مشن کو بڑی کامیابی کے ساتھ آگے بڑھایا اور مسلمانانِ ہند کی سیاسی اور مذہبی امور میں رہنمائی فرمائی۔

۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء میں مراد آباد میں آپ نے مدرسہ انجمن اہل سنت و جماعت کی بنیاد رکھی۔ بعد میں ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء میں اس مدرسہ کا نام جامعہ نعیمیہ قرار پایا۔ اس جامعہ کے فیض یافتہ اور صدر الافاضل کے تلامذہ پاک و ہند میں بہت سے جامعات کے بانی' بہت سی کتابوں کے مصنف اور بہت سے رسالوں کے مدیر ہیں۔

راقم الحروف ایام نو عمری میں صدر الافاضل کی زیارت سے مشرف ہوا ہے اور ان کی تقاریر سنی ہیں۔ صدر الافاضل ۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۴ء سے بہت قبل مسجد جامع فتح پوری' دہلی کی محفل

میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ۱۲ ربیع الاوّل کی شب کو ہر سال تقریر فرماتے تھے، پھر ۱۲ ربیع الاول کو بعد نماز ظہر بھی تقریر فرماتے تھے۔ اس محفل پاک کے بانی راقم کے والد ماجد حضرت مفتی اعظم ہند شاہ محمد مظہر اللہ رحمتہ اللہ علیہ (م ۱۳۸۶ھ / ۱۹۶۶ء) تھے۔ صدر الافاضل اور آپ کے درمیان نہایت ہی مخلصانہ تعلقات تھے۔ بارہویں شب مبارک کو محفل میلاد میں شرکت فرمانا ہی اس خصوصی تعلق و محبت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صدر الافاضل تبلیغ اسلام اور ناموس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت و حمایت میں ہمہ تن مصروف رہتے، اس سلسلے میں آپ نے عیسائیوں اور آریوں سے کامیاب مناظرے فرمائے۔ آپ نے اپنے رسالہ السواد الاعظم میں بھی ان لوگوں کا رد کیا مثلاً پنڈت دیانند سرسوتی کی کتاب ستیار تھ پرکاش کے اسلام اور شارع اسلام پر اعتراضات کے مسکت و مدلل جواب دیے مگر تحریر و تقریر میں کسی مقام پر تہذیب و شائستگی کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ اس جذباتی دور میں یہ خوبی نہایت ہی قابل تحسین ہے۔ آپ نے تبلیغ اسلام کے لیے الموڑہ، نینی تال، ہلدوانی وغیرہ کے پہاڑی علاقوں کا دورہ کیا، تبلیغ اسلام کے لیے وہاں قیام فرمایا اور ایک رسالہ "پراچین کال" تحریر فرمایا جو غالباً پہاڑی زبان میں ہے اور اس کا ترجمہ بھی ساتھ ہی ہے۔ اشاعت اسلام کے لیے آپ نے پھیری والوں کے روپ میں اپنے گماشتے بھیجے جنہوں نے گھر گھر جا کر اسلام کو پھیلایا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ علماء بالعموم تبلیغ اسلام سے بے خبر تھے بلکہ ہندو مسلم اتحاد کی باتیں کر رہے تھے۔

۱۹۱۹ء / ۱۳۳۸ھ اور ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء میں تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے جذباتی دور میں آپ نے تحریر و تقریر کے ذریعے مسلمانوں تک اسلام کے سچے پیغام کو پہنچایا اور صدر جمعیۃ العلماء ہند کو ہندو مسلم اتحاد کے خطرات سے آگاہ کر کے مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے سے روک دیا۔

گرو گوکل کی تحریک چلائی گئی تو صدر الافاضل نے اس کے مقابلے کے لیے اعاظم و اکابر اہل سنت کو مراد آباد میں جمع کیا جہاں ۱۹۲۵ء / ۱۳۴۴ھ میں آل انڈیا سنی کانفرنس (الجمیعة العالیة المرکزیة) کی بنیاد رکھی گئی جس کے ناظم اعلیٰ صدر الافاضل منتخب ہوئے اور مستقل صدر حضرت محدث علی پوری پیر سید جماعت علی شاہ علیہ الرحمہ (م ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۱ء)

۱۹۲۴ء / ۱۳۴۳ھ اور ۱۹۲۵ء / ۱۳۴۴ھ کے درمیان شدھی کی تحریک چلی تو اس کی مدافعت کے لیے صدر الافاضل نے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ [illegible] [illegible] کے تحت اس [illegible] کا مقابلہ کیا [illegible] صدر الافاضل [illegible]

اور بالآخر شردھانند کے اس فتنے کا خاتمہ ہو گیا۔

۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۸ء میں مراد آباد سے ماہنامہ السواد الاعظم جاری کیا اور اس کے ذریعے مذہبی اور سیاسی میدانوں میں مسلمانانِ ہند کی رہنمائی فرمائی۔ ۱۹۱۲ء اور ۱۹۱۴ء کے درمیان ابوالکلام آزاد کے البلاغ اور الہلال میں بھی مستقل مضامین لکھتے رہے۔ الہلال کے قلم کاروں میں شبلی نعمانی، حسرت موہانی اور سید سلیمان ندوی شامل تھے۔ اس شعر سے آپ کے عزم و حوصلہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ؎

پھر جنوں کہتا ہے خود کو پابہ جولاں دیکھیے
چلیے اُٹھیے، اب کے پھر وحشت میں زنداں دیکھیے

صدرالافاضل متبحر عالم اور صاحب بصیرت سیاستداں تھے۔ علمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے الطاری الداری کا مسودہ آپ کو دکھایا اور جب آپ نے بعض ترمیمات کی سفارش کی تو قبول کر لی گئیں۔ آپ نے بیس سال کی عمر میں الکلمة العلیالا علاء علم المصطفیٰ تصنیف فرمائی۔ ڈیڑھ درجن سے زیادہ کتب و رسائل آپ سے یادگار ہیں جن کی تفصیل یہ ہے :

تفسیر خزائن العرفان، اطیب البیان، مجموعۂ تبرکات صدرالفاضل، سوانح کربلا، کتاب العقائد، ابتدائی، اسواط العذاب، آداب الاخیار، فرائد النور، کشف الحجاب، التحقیقات لدفع التلبیسات، زاد الحرمین، ریاض نعیم، گلبن غریب نواز، پراچین کال، احقاق حق، ارشاد الانام فی محفل المولود والقیام وغیرہ وغیرہ۔

صدرالافاضل کی تصانیف مراد آباد سے بھی شائع ہوئیں اور ادارہ نعیمیہ رضویہ (لاہور) ازہر بک ڈپو (کراچی)، مکتبہ اہل سنت (کراچی) نوری کتب خانہ لاہور اور مکتبہ فریدیہ (کراچی) نے بھی بعض کتابیں شائع کی ہیں۔

الغرض صدرالافاضل چودھویں صدی ہجری کے ایک جلیل القدر عالم اور ماہر سیاست داں تھے، مذہب و سیاست پر ان کی بہت گہری نظر تھی پنجاب یونیورسٹی لاہور سے شائع ہونے والی تاریخ و ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند میں پروفیسر عبدالقیوم نے بجا طور پر صدرالافاضل کے لیے ان تاثرات کا اظہار کیا ہے۔

مولوی سید نعیم الدین مراد آبادی ایک جلیل القدر عالم دین اور نامور فاضل تھے اور ہزاروں لوگ آپ کے فیض سے بہرہ ور ہوئے، آپ نے خزائن العرفان کے نام سے قرآن کریم کی ایک عمدہ تفسیر لکھی ہے۔ (جلد دوم۔ ص ۴۲۳)۱

مآخذ و مراجع :

احمد رضا خاں ۔ الاستمداد ' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ' ص ۹۱
اقبال احمد فاروقی ۔ حواشی الاستمداد ' مطبوعہ لاہور ' ۱۹۷۶ء ' ص ۹۱ ' ۹۲
سید محمد محدث پچھوچھوی ۔ خطبہ صدارت جمہوریت اسلامیہ ' مطبوعہ بریلی ۱۹۴۶ء ' ص ۲۹
سید محمد جیلانی ۔ المیزان ' امام احمد رضا نمبر ' مطبوعہ بمبئی ۱۹۷۶ء ' ص ۲۹
سید محمد جیلانی ۔ المیزان ' امام احمد رضا نمبر ' مطبوعہ بمبئی ۱۹۷۶ء ' ص ۱۸۸
عبدالقیوم پروفیسر ۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند ' جلد دوم مطبوعہ لاہور ' ۱۹۷۲ء ' ص ۴۲۳
غلام معین الدین نعیمی ۔ حیات صدر الافاضل ' مطبوعہ لاہور
محمد صادق قصوری ۔ اکابر تحریک پاکستان ' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ' ص ۲۶۶ تا ۲۷۴
محمد عبدالحکیم شرف قادری ۔ تذکرہ اکابر اہل سنت ' مطبوعہ لاہور ' ۱۹۷۶ء
محمد مسعود احمد ۔ فاضل بریلوی اور ترک موالات ' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ' ص ۷۷ تا ۸۰
محمد مسعود احمد ۔ مقالہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (پنجاب یونیورسٹی ۔ لاہور) ' جلد دہم جز پنجم
محمد نعیم الدین مراد آبادی ۔ کتاب العقائد ' مطبوعہ کراچی
محمد نعیم الدین مراد آبادی ۔ سوانح کربلا ' مطبوعہ کراچی
محمود احمد قادری ۔ تذکرہ علمائے اہل سنت ' مطبوعہ کانپور ' ص ۲۵۳
السواد الاعظم (مراد آباد) ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۱ء ص ۹ تا ۵۶
السواد الاعظم (مراد آباد) ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۸ء
السواد الاعظم (مراد آباد) صفر المظفر ۱۳۵۲ھ / ۵۔ ۱۹۳۴ء ' ص ۱۳
الہام (بہاولپور) ۲۱ نومبر ۱۹۷۶ء ' ص ۵ ' ۶
ماخوذ از تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم مؤلفہ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد ، مطبوعہ ۱۹۷۹ء ، لاہور ، ص ۴۹ ۔ ۵۶

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ

مولانا محمد منظور احمد دہلوی

سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آداب فرزندی

تعلیم و تربیت: مولانا محمد منظور احمد علیہ الرحمۃ تقریباً ۱۹۲۷ء / ۱۳۴۶ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے، آپ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ قدس اللہ سرہ العزیز، خطیب شاہی مسجد جامع فتح پوری دہلی کے فرزند ارجمند تھے اور راقم الحروف کے برادر معظم، قرآن کریم اور عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم حضرت والد ماجد سے ہی حاصل کی اس کے بعد ۱۹۳۹ء / ۱۳۵۸ھ میں مدرسہ عالیہ مسجد جامع فتح پوری (دہلی) میں داخل ہو گئے اور یہاں سات سال علوم نقلیہ وعقلیہ کی تحصیل کی، بڑے ذہین و فطین اور طباع تھے، ہر امتحان میں اپنے ہم جماعتوں میں ہمیشہ اول رہے۔ مسلسل شاندار کامیابیوں کے ساتھ ۱۹۴۶ء / ۱۳۶۶ھ میں دورہ حدیث کی تکمیل کی اور اس مرتبہ پورے جامعہ میں اول آئے، اس وقت ان کی عمر صرف ۱۹ سال تھی اس سے ان کی ذکاوت و فطانت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ۱۹ سال کی عمر میں علوم عقلیہ ونقلیہ سے فارغ ہو جانا یقیناً کمالِ ذکاوت ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ آداب زندگی سے آراستہ و پیراستہ ہونا کمال بر کمال ہے۔

زندگی کچھ اور شئے ہے، علم ہے کچھ اور شئے
زندگی سوز جگر ہے علم ہے سوز دماغ

''سوز دماغ'' مدارس و مکاتب میں اہل دانش کی صحبت سے حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن ''سوز جگر'' کے لیے اہل نظر کی ضرورت ہے۔ وہ اہلِ نظر جو خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیا کرتے ہیں، الحمد للہ مولانائے مرحوم کو یہ سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت مفتی اعظم مدظلہ العالیٰ کی صحبت کیمیا اثر نے ان کو آداب زندگی اور آداب فرزندی سکھائے، ممدوح ہی کی صحبت کا یہ فیض ہے کہ اس چھوٹی عمر میں مرحوم کی زندگی اوروں کے لیے مثال بن گئی۔ کمالِ زندگی یہی ہے کہ مثالِ زندگی بن جائے۔

ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

تدوین تقویم: مولانائے مرحوم نے حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ العزیز سے علم توقیت کی تحصیل کی اور حضرت کی نگرانی میں کراچی کے لیے دائمی تقویم ۱۹۴۶ء / ۱۳۶۷ھ میں مدون کی، راقم نے بھی حضرت کی نگرانی میں لاہور کی دائمی تقویم مرتب کی تھی جو عرصہ ہوا شائع ہو چکی۔

حضرت کو علم توقیت پر کافی عبور حاصل تھا۔ حضرت کی طبع ایجاد پسند نے اس مشکل فن کو سہل ترین بنادیا' آپ نے جو قواعد و ضوابط مرتب فرمائے ہیں وہ اہل فن کے لیے حیرت واستعجاب کا باعث ہوں گے انشاء اللہ ان کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے گا۔

کانٹوں کا بھی کچھ حق ہے آخر

پاکستان ہجرت اور علالت : مولانائے مرحوم ۱۹۴۷ء / ۱۳۶۷ھ کے آخر میں پاکستان تشریف لائے لیکن کچھ عرصہ بعد صحت خراب ہوگئی چنانچہ بھاولپور سے جہاں اول اول اپنی ہمشیرہ محترمہ کے ہاں قیام کیا تھا حیدر آباد تشریف لے آئے اور یہاں عمہ محترمہ کے ہاں قیام کیا' جنہوں نے مادرانہ شفقت کے ساتھ تیمارداری کا حق ادا کیا' یہاں علاج شروع کیا گیا' لیکن مرض بڑھتا گیا حتی کہ زندگی کا آسرا بھی نہیں رہا، خود ڈاکٹر مایوس ہو چکا تھا لیکن خالق حیات و ممات نے حیات نو بخشی جو ڈاکٹروں کے لیے معجزے سے کم نہ تھی۔

جا مری جاں' جا' خدا حافظ

مرض الموت : صحت وعافیت کے ساتھ چند دن نہ گزرے ہوں گے کہ پھر علالت عود کر آئی اور اب کی مرتبہ بیماری کا اتنا شدید حملہ ہوا کہ پھر نہ اُٹھ سکے، تپ دق کے عارضہ میں مبتلا ہوئے۔ مرض الموت نے گھیر لیا مگر چہرے سے کبھی پریشانی یا اضطراب کے آثار نمایاں نہیں ہوئے اس زمانے میں اکثر یہ اشعار پڑھتے تھے :

جان دی' دی ہوئی اس کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

پشیمانیاں ہیں گناہوں پہ لیکن
بڑے ہی مزے کی پشیمانیاں ہیں

اس علالت کے دوران بڑے صبر آزما مرحلوں سے گزرنا پڑا مگر خوشا استقامت واستقلال کہ کبھی اُف تک نہ کی ۔

عشق خاموش کے مزے ہیں جگر
جوش فریاد وشور ماتم کیا

جن آہوں کو بیداریوں میں ضبط کیا جاتا تھا، سوتے وقت وہ کبھی کبھی بے ساختہ نکل آتی تھیں...... اللہ اللہ صبر و تحمل......!

ان ایام میں نماز کا خاص طور پر خیال رہتا تھا۔ آخر وقت تک جب کہ اُٹھنے بیٹھنے میں بھی تکلف ہوتا تھا، نماز ترک نہیں کی۔ یہ اہتمام ان نوجوانوں کے لیے درس عبرت ہے جو ایام عیش میں نمازیں ترک کر دیا کرتے ہیں۔

علالت کی کلفتوں کو سہتے رہے اور کاروان حیات منزل کے قریب آتا رہا حتی کہ وہ وقت آپہنچا کہ منزل سامنے نظر آنے لگی:

اے جاں بلب آمدہ ہشیار خبردار
وہ سامنے ہیں حضرت سلطان مدینہ

جاں کنی کا عالم ہے 'زبان خاموش' آنکھیں پر حسرت 'یہ بے کلی کیا ہے؟ یہ بے چینی کیا ہے؟ یہ کس کی تڑپ ہے؟...... ہاں:

ایک خلش ہوتی ہے محسوس رگ جاں کے قریب
آن پہنچے ہیں مگر منزل جاناں کے قریب

جب جاں کنی کا عالم طاری ہوا تو حضرت والد ماجد کو دہلی اطلاع دی گئی اور دعا کی درخواست کی گئی' عالم ہجر و فراق میں عزیز ترین فرزند کی جاں کنی کی خبر کتنی غمناک ہستی ہے، اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟...... اس خبر جاں کاہ کا رد عمل کیا ہو سکتا ہے؟...... عقل و خرد کی گم گشتگی...... مگر یہاں عالم اور ہی ہے...... جواباً مکتوب گرامی آیا اور اس میں ہدایت فرمائی گئی:

"اس میری جان سے کہہ دو کہ ہر وقت مولیٰ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہیں کہ ایک یہی دوا تریاق کا حکم رکھتی ہے۔" (۳۱ مئی ۱۹۴۹ء)

اللہ اللہ! محبت الٰہی کا یہ عالم ہے کہ عین اضطراب میں بھی پائے ثبات نہیں ڈگمگائے، یہی وہ کٹھن مرحلے ہیں جہاں قدرت کی طرف سے سیرتوں کو پرکھا جاتا ہے اور کھوٹا اور کھرا الگ کر دیا جاتا ہے۔

أولئك عليهم صلواة من ربهم و رحمة و واولئك هم المهتدونo

یہی نہیں وہ ساعت آپہنچی جس کے تصور سے روح انسانی کانپتی ہے اور منظور احمد منظور خدا ہو کر داعیٔ اجل کو لبیک کہتا ہوا اپنے خالق سے جا ملتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ حضرت والد ماجد

کی خدمت میں دوسرا مکتوب اس سانحہ ارتحال کے متعلق بھیجا گیا۔ دل پر کیا کچھ نہ گزری ہو گی مگر اللہ اللہ استقامت اور صبر و تحمل!

"ولا نقول الا بما یرضی ربنا"

ایک جملہ بھی رضائے مولیٰ کے خلاف نہ نکلا بلکہ جو کچھ تحریر فرمایا رضائے الٰہی میں ڈوب کر، چوں کہ یہ خط صبر و استقامت کی تاریخ میں ایک شاہکار ہے اس لیے اس کا ایک حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

جو غم ملا اسے غم جاناں بنا دیا

مکتوب حضرت مفتی اعظم:

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

للہ ما اعطی و لہ ما اخذ وعندہ اجل مسمی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ، مولیٰ تعالیٰ اس جان کاہ صدمہ پر تمہیں صبر عطا فرمائے اور اس پر اجر عظیم سے سرفراز کرے، مرحوم جن خوبیوں کے مالک تھے ان پر نظر رکھتے ہوئے امید قوی ہے کہ عطایائے عظیم سے ان کو نوازا گیا ہو گا۔ مولیٰ تعالیٰ اس سے بھی زائد درجات بلند فرمائے آمین!

تم نے ان کی بڑی خدمت کی اور اسمیں جن صائب و مشکلات کا تم کو سامنا کرنا پڑا اس کا میرے قلب پر گہرا اثر ہے، مولیٰ تعالیٰ قبول فرمائے اور اسکے ثواب کو ہمیشہ ہمیش بڑھاتا رہے، جو کچھ میں نے لکھا اگر وہ صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے تو رنج کا کوئی مقام نہیں کہ ان کو بھی فوائد عظیم ہوئے اور ان کے طفیل تمہیں بھی، اگر ان کے لیے ترقی درجات کی دعا کرتے رہیں تو تمہارے لیے اور بھی ترقی کا باعث ہو، میری طرف سے دوسری اعزہ اور احباب کی بھی اسی مضمون کے ہم معنی الفاظ میں تعزیت کر دیں کہ فرادی فرادی ہر ایک کے لیے تحریر میرے لیے اب دشوار ہے اور میرا کچھ خیال نہ کریں کہ میرا تو یہ حال ہے کہ

مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

(یکم جون ۱۹۴۹ء از دہلی)

زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے!

تاریخ وفات: مولانائے مرحوم نے یوم چہار شنبہ ۳ شعبان المعظم ۱۹۶۹ھ مطابق ۲۳ مئی

۱۹۴۹ء بوقت عصر داعی اجل کو لبیک کہا......**انا لله و انا الیه راجعون** ...... حضرت بیخود دہلوی کے شاگرد حضرت یکتا دہلوی نے مرحوم کے لیے قطعۂ تاریخ وفات لکھا تھا اور اس شعر سے مادۂ تاریخ نکالا تھا :

ملا کر الف یکتا اللہ کا لکھ
خدا کا ہے محبوب منظور احمد
(۱۹۴۹ء)

مرحوم کا مزار مبارک شہر حیدر آباد کے مشرقی جانب نہر پھلیلی کے کنارے واقع ہے ۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے !

(ماخوذ از دائمی تقویم مرتبہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مطبوعہ کوئٹہ، ۱۹۶۷ء، ص ۵۔ ۱۲)

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم

علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ اکابرِ علماء اہلسنت میں تھے۔ بارہ ربیع الاول شریف کی محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت والد ماجد مفتیٔ اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ آپ کو یاد فرماتے تھے۔ ۱۹۴۰ء اور ۱۹۴۶ء کے درمیان نو عمری میں فقیر نے کئی بار ان کی زیارت کی ہے۔ چھریرہ بدن' گندمی رنگ، سر پر عمامہ' شیروانی زیب تن' بہت وجیہ اور شکیل معلوم ہوتے تھے' تقریر کرتے تو آبِ رواں کی روانی یاد آتی۔ حدیث کے متون ایسے ازبر کہ سننے والا حیران رہ جاتا۔ ان کے علمی فیض سے نہ معلوم کتنے طالبانِ علم مستفید ہوئے ہوں گے۔ وہ علم و دانش کا ایک سرچشمہ تھے بقول مفتی محمود اختر القادری وہ بہت ذہین و فطین' طباع و حاضر جواب' خوش خلق' خوش آواز اور خوش پوشاک تھے۔ حق بات کہنے میں کسی کی پرواہ نہ کرتے۔ وہ اس شعر کا مصداق تھے:

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی کے والدِ ماجد کا اسمِ گرامی سید غلام فخر الدین علیہ الرحمہ (م۔ ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۵ء) تھا اور جد امجد کا نام نامی سید سخاوت حسین علیہ الرحمہ تھا جو جید عالم اور صرف و نحو کے ماہر استاد تھے اور عم محترم مشہور و معروف فاضل مولانا سید قطب الدین برہم چاری علیہ الرحمہ (م۔ ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۲ء) مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے شاگرد رشید تھے۔

حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی کی ولادتِ باسعادت ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء میں ریاست داؤوں' (ضلع علی گڑھ' یوپی' بھارت) میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم ایک مکتب

میں حاصل کی پھر پرائمری اسکول میں درجۂ چہارم کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ کے عم محترم مولانا سید غلام قطب الدین برہم چاری نے مدرسۂ انجمن اہلسنت ضلع مراد آباد (جو بعد میں جامعہ نعیمیہ کے نام سے مشہور ہوا) میں داخل کرادیا جہاں مولانا عبدالعزیز فتح پوری اور صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ سے اکتسابِ فیض کیا پھر ۱۹۲۳ء میں دارالعلوم معینیہ عثمانیہ، اجمیر شریف میں حاضر ہوئے اور ان اکابر علمائے اہلسنت سے منقولات و معقولات کی تحصیل کی۔

۱۔ صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ

۲۔ حضرت علامہ عبدالمجید علیہ الرحمہ (عم محترم مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی علیہ الرحمہ)

۳۔ حضرت مولانا عبدالحئی افغانی علیہ الرحمہ

۴۔ حضرت مولانا عبداللہ افغانی علیہ الرحمہ

۵۔ حضرت مولانا میر احمد پنجابی علیہ الرحمہ

۶۔ حضرت مولانا امتیاز احمد امیٹھوی علیہ الرحمہ

حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کی غیر معمولی ذہانت و فطانت کا یہ عالم تھا کہ کبھی کبھی آپ کے اساتذہ بھی عبارت کا مفہوم بیان کرنے کا آپ کو حکم دیتے اور آپ بیان فرمادیتے۔ قیام اجمیر شریف کے زمانے میں آگرے کے مضافات میں راجپوتوں کے اندر فتنۂ ارتداد کا طوفان اُٹھا تو بریلی شریف سے جماعت رضائے مصطفیٰ کا ایک وفد پہنچا جس نے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے اپنا دفتر قائم کیا۔ حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی بھی کبھی کبھی اس فتنے کی سرکوبی کے لیے تشریف لے جاتے۔ مولانا عبدالعزیز فتح پوری اور مولانا محمد اجمل شاہ سنبھلی بھی آپ کے ساتھ ہوتے۔

۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء میں صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف سے دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف آگئے۔ بہت سے طلبہ کے ساتھ حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی بھی دارالعلوم منظر اسلام آگئے اور دوسرے سال ۱۹۵۲ھ / ۱۹۳۳ء میں حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان علیہ الرحمہ نے آپ کی دستار بندی فرمائی۔

حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی کا سلسلۂ حدیث مندرجہ ذیل تین واسطوں سے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ سے ملتا ہے۔

۱۔ صدرالشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی

۲۔ مجدد اسلام اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ

۳۔ حضرت شاہ آل رسول مارہروی علیہ الرحمہ

۴۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ

معقولات کا سلسلہ مولانا ہدایت اللہ جونپوری سے ملتا ہے۔ فن تجوید و قرأت استاذ القراء حضرت قاری غلام نبی ٹونکی سے حاصل کیا۔ بقول مفتی شفیق احمد شریفی حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ اردو، فارسی، عربی، انگریزی زبانوں کے علاوہ سنسکرت کے بھی عالم تھے۔ آپ نے علم نحو پر زیادہ زور دیا۔ اس لیے کہ اس کے بغیر کتاب و سنت کا مفہوم سمجھنا مشکل ہے۔ آپ نے کافیہ زبانی یاد کیا۔ آپ کے جد امجد مولانا سید سخاوت حسین علیہ الرحمہ صرف و نحو میں یگانۂ روزگار تھے۔ مندرجہ ذیل اکابر اہلسنت آپ کے ہم درس رہے۔

۱۔ محدثِ اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد علیہ الرحمہ

۲۔ حضرت مولانا حبیب الرحمان علیہ الرحمہ

۳۔ حضرت مولانا رفاقت حسین علیہ الرحمہ

۴۔ حضرت مولانا عبدالعزیز علیہ الرحمہ

۵۔ حضرت مولانا قاضی شمس الدین جونپوری علیہ الرحمہ

منقولات و معقولات سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ نے مختلف مدارس عربیہ میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیے جس کا آغاز مدرسہ محمدیہ، قصبہ جائس، (ضلع رائے بریلی، یوپی، بھارت) سے کیا۔ پھر صدر یار جنگ نواب حبیب الرحمان شیروانی کی دعوت پر دارالعلوم عظمت نشاں، کرنال میں حیثیت صدر المدرسین تشریف لے گئے۔ اس کے بعد مدرسۂ احسن المدارس قدیم کانپور کے صدر مدرس ہوئے۔ ۱۹۳۵ء میں حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کے حکم پر مدرسۂ اسلامیہ عربیہ، اندر کوٹ، میرٹھ تشریف لے گئے اور صدر المدرسین کے عہدۂ جلیلہ کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ جہاں پہلے مولوی بدر عالم (جامع فیض الباری) کے مرشد قاری اسحاق صدر المدرسین تھے۔ یہ بات مولوی بدر عالم کو ناگوار گزری اور انہوں نے حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی کا علمی تعاقب کیا چنانچہ آپ نے بھی فیض الباری کی فاحش علمی اور فنی غلطیوں کی گرفت کی۔ یہ تنقیدات بشیر القاری شرح صحیح البخاری میں شامل ہیں۔ شعبۂ سنی دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے صدر ڈاکٹر رضوان اللہ مرحوم نے انور شاہ کشمیری پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کیا تھا جب اُن کو ان تنقیدات کا علم ہوا تو انہوں نے پاکستان کے ایک فاضل کو اس مقالے کی کاپی اس خواہش کے ساتھ دی کہ اس مقالے کے ساتھ ساری تنقیدات

شائع کر دی جائیں۔ علامہ مفتی نور اللہ بصیر پوری علیہ الرحمہ نے بھی غالبًا فتاویٰ نوریہ میں انور شاہ کشمیری کا تعاقب کیا ہے۔ اہلسنت و جماعت میں جوہرِ قابل کی کمی نہیں، پروپیگنڈے کے ذریعے علمی دنیا میں کسی کو بہت آگے کر دیا جاتا ہے، کسی کو بہت پیچھے، یہ طرزِ عمل غیر علمی بھی ہے اور افسوس ناک بھی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے ساتھ بھی یہی کچھ کیا گیا۔ گزشتہ تیس سال میں ملک و بیرون ملک اُن پر جو تحقیقی کام ہوا تو محسوس ہوا کہ وہ اپنے معاصرین پر چھائے ہوئے ہیں اور اسلام کا آفتاب و ماہتاب ہیں۔

حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ فنِ حدیث میں اپنی مثال آپ تھے ان کا درسِ حدیث بھی رسمی نہ ہوتا جیسا کہ آجکل ریڈنگ کرا دی جاتی ہے اور بس۔ علامۂ موصوف ایک ایک حدیث پر ایک ایک ہفتے گفتگو فرماتے۔ کبھی صرف و نحو پر کبھی بلاغت اور معانی و بدیع پر، کبھی راویانِ حدیث پر جرح و تعدیل، کبھی مسائل فقہیہ پر مفصل تقریر اور ساتھ ساتھ مذہبِ امام اعظم کی اولیت اور اولویت ثابت کرتے جاتے۔ ہر علمی ذوق کا طالب علم یہاں آکر فیض یاب ہوتا۔

تعلیم و تدریس میں حضرت علامہ علیہ الرحمہ وقت کی پابندی کا خاص خیال رکھتے اور طلبہ کو ذوق و شوق سے پڑھاتے۔ ان حقائق کا علم حضرت شاہ احمد نورانی زید عنایۃ' کی گفتگو سے ہوا جو ان کے تلمیذِ رشید ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

۱۔ حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ مدرسۂ اسلامیہ عربیہ میرٹھ میں تقریباً چالیس سال رہے۔

۲۔ وقت کے بہت پابند تھے۔ مدرسہ میں وقت پر تشریف لاتے۔

۳۔ پڑھانے میں بہت ہی مستعد تھے حتیٰ کہ غیر نصابی کتابیں اپنے شوق سے پڑھاتے اور طلبہ کو پڑھنے کی ترغیب دیتے۔

۴۔ صبح سے دوپہر تک پڑھاتے پھر عصر سے مغرب تک پھر مغرب سے رات گئے تک۔

اس خصوص میں آپ دورِ جدید کے یونیورسٹی اور کالج کے اساتذہ سے کتنے بلند نظر آتے ہیں۔

کبھی کبھی کتابیں خریدنے دہلی تشریف لے جاتے۔ حضرت شاہ احمد نورانی بھی ساتھ ساتھ ہوتے جو جمعے کو مسجد فتح پوری دہلی میں حضرت مفتیٔ اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کی محفل میں شریک ہوتے کہ آپ کے والد ماجد حضرت علامہ محمد عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمہ کی یہی ہدایت تھی۔

حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ ۱۹۳۵ء میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ میں میرٹھ

تشریف لائے اور آخر عمر تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔

حضرت علامہ موصوف ایام جوانی میں ۱۹۲۲ء میں بریلی شریف میں عرس رضوی کے مبارک موقع پر حضرت شاہ علی حسین اشرفی نے سلسلہ عالیہ چشتیہ میں اجازت مرحمت فرمائی اور ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۲ء میں دارالخیر اجمیر شریف میں حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ نے سلاسل اربعہ کی اجازت کے ساتھ ساتھ سلسلۂ منوریہ کی بھی اجازت عطا فرمائی جس میں حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ تک صرف پانچ واسطے ہیں۔(حوالہ مفتی شفیق احمد شریفی)

۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء میں حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔

۲۹ جمادی الاولی ۱۳۹۸ھ / ۸ مئی ۱۹۷۸ء بروز پیر آپ نے وصال فرمایا۔انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

مثل ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

آمین

حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ کے تلامیذ کی ایک طویل فہرست ہے یہاں چند تلامذہ کے نام پیش کیے جاتے ہیں۔

۱۔ علامہ عبدالعزیز مبارکپوری علیہ الرحمہ
۲۔ علامہ مولانا محمد نظام الدین علیہ الرحمہ
۳۔ علامہ مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ
۴۔ علامہ محمد نعیم اللہ
۵۔ ریحانِ ملت علامہ ریحان رضا خاں علیہ الرحمہ
۶۔ قاری احمد حسین اشرفی علیہ الرحمہ
۷۔ مولانا شاہ عارف اللہ میرٹھی
۸۔ علامہ شاہ احمد نورانی
۹۔ حضرت ابوالفتح علامہ مفتی محمد نصر اللہ افغانی

حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ ۱۹۳۳ء سے ۱۹۷۸ء تک مسلسل چالیس بیالیس سال درس و تدریس میں مصروف رہے لیکن اس کے باوجود تصنیف و تالیف کے لیے بھی وقت نکالا

چنانچہ چند کتب ورسائل آپ سے یادگار ہیں جو علوم وفنون میں آپ کی مہارت اور وسعت علم پر شاہد ہیں۔

۱۔ بشیر القاری بشرح صحیح البخاری
۲۔ البشیر الکامل (شرح مأۃ عامل)
۳۔ بشیر الناجیہ (شرح کافیہ)
۴۔ البشیر بشرح نحو میر
۵۔ نظامِ شریعت
۶۔ مصرفِ چرم قربانی
۷۔ تشکیل المذہبین فی حکم رفع یدین۔

الغرض فاضل جلیل حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی علیہ الرحمہ اپنے وقت کے جلیل القدر عالم تھے۔ آپ کو اجمیر شریف اور کچھوچھہ شریف سے بھی فیض ملا تھا اور بریلی شریف سے بھی مجمع البحرین تھے۔ آپ کا اٹھ جانا ایک جہاں کا اٹھ جانا ہے۔ آپ نے علم ودانش کے جو چراغ روشن کیے انشاء اللہ وہ روشن رہیں گے' اندھیریاں چھٹتی رہیں گی اور روشنیاں پھیلتی رہیں گے۔ بہاریں آتی رہیں گی' پھول کھلتے رہیں گے۔

نہ پیوستم دریں بُستاں سرا دل
زبند این و آں آزادہ رفتم
چو باد صبح گردیدم دمے چند
گلاں راں آب و رنگ دادہ رفتم

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ
۸ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ / ۱۰ جولائی ۲۰۰۱ء
(کراچی پاکستان)

نوٹ: اس مقالے کی تیاری میں ذاتی یادداشتوں، علمائے عصر کے ملفوظات اور مندرجہ ذیل کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔
۱۔ مولانا محمود احمد قادری تذکرۂ علمائے اہل سنت، کانپور ۱۹۱۲ء، ص ۲۰۳۔
۲۔ مفتی شفیق احمد شریفی تذکرہ اکابر اہل سنت، الٰہ آباد، ص ۳۱۲۔۳۳۵
۳۔ مفتی محمود اختر القادری، صدر العلماء حضرت علامہ سید شاہ غلام جیلانی میرٹھی، ص ۴۴۸۔۴۳۲

شعری وادبی تذکرے :

ڈاکٹر مسعود احمد نے اس جہت سے بھی اردو ادب کی خدمت کا فریضہ انجام دیا ہے اس سلسلے میں ہم کچھ اقتباسات پیش کر کے اس خوبی کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں- شعری وادبی تذکرے کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب رقمطراز ہیں----

"حضرت غمگین اور مرزا غالب کے باہمی مراسلت ۱۲۵۳ھ اور ۱۲۵۶ھ کے درمیانی عرصے میں ہوئی- حضرت غمگین کے خلیفہ سید ہدایت النبی علیہ الرحمہ نے ۱۲۵۷ھ میں حضرت غمگین کی حیات ہی میں ایک مجموعے کی شکل میں ان تمام خطوط کو مرتب کرلیا تھا- یہ قلمی مجموعہ کتب خانہ فقیر منزل گوالیار میں موجود ہے-

۱۹۶۳ء میں اس مجموعے کی نقل غمگین اکیڈمی گوالیار کے ڈائریکٹر جناب رضا محمد حضرت جی صاحب نے ازراہِ کرم راقم کو بھیجی تھی اور ترتیب و تحشیہ کے بعد اشاعت کی فرمائش کی تھی چونکہ راقم دیگر علمی کاموں میں مصروف تھا- اس لئے بخوف تعویق محترم ڈاکٹر سید محمد عبداللہ صاحب کو ان کی فرمائش پر وہ نقل بھیج دی گئی- جو انہوں نے اورینٹل کالج میگزین کے شمارہ فروری ۱۹۶۴ء میں شائع کردی..اس وقت راقم بھی اِنہی مکاتیب کی روشنی میں حضرت غمگین اور مرزا غالب کے باہمی تعلقات پر خامہ فرسائی کررہا ہے-

ان مکاتیب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غالب بچپن میں قیام دھلی کے زمانے میں حضرت غمگین سے ملے ہیں جس کا انہوں نے اس طرح ذکر کیا ہے-

"قبلہ و کعبہ را خاطر نشان باد کہ ہر چند ہم دریں بقعہ کہ دھلی نام دارد شبے مشرف پابوس دریافتہ ام و آن را ذریعہ رستگاری خویش می دانم لیکن اینک بر خود حیف می کنم کہ دران ہنگام گوش ہوش شنواد چشم ادراک بینانہ بود تا ازاں چہ اکنوں بدل می خلد واندیشہ بداں آویختہ است سخنے چند پرسیدمے وکار آگہی ببالا بردمے-"
(محررہ ۲۰ ذی الحجہ ۱۲۵۵ھ بوقت شب)

جس زمانے میں حضرت غمگین ترک سکونت کر کے دہلی سے گوالیار تشریف لے گئے ہیں اس وقت غالب کی عمر تیرہ چودہ سال سے زیادہ نہ ہوگی ظاہر ہے کہ اس عمر میں "گوش ہوش" میں قوت سماعت اور چشم بینا میں قوت بصارت کہاں پیدا ہو سکتی تھی۔ حضرت غمگین کے گوالیار آنے کے فوراً ہی بعد سلسلہ مراسلت شروع ہوئی یا نہیں اس کے متعلق کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ پیش نظر خطوط سے اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ دہلی میں پہلی ملاقات کے ایک عرصے بعد سلسلۂ مراسلت کا آغاز ہوا۔۔۔۔ مرزا غالب اور حضرت غمگین کے مابین مراسلت نے شدت کے ساتھ دونوں جانب شوق مواصلت پیدا کر دیا تھا جس کا اظہار حضرت غمگین ایک جگہ اس طرح فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالےٰ بایں جودت طبع و سخن رندانہ ملاقات جسمانی کناد"

اور مرزا غالب نے تو کئی جگہ اس ذوق و شوق کا اظہار کیا ہے چنانچہ ایک مکتوب میں تحریر کرتے ہیں:

"مرا در عزم سفر تابستاں مانع نیست بے سر انجامی مانع نیست خرقہ بہ تن افگنم و رواں گردم لیکن مقدمۂ من بولایت رفتہ ودو سال کامل شدہ است امیدوارم کہ امروز یا فردا، ہفتہ دو ہفتہ، یک ماہ و دو ماہ حکم آں از ولایت بر سد رسیدن مقدمہ از ولایت ہماں دپوئیدن من سوئے گوالیار ہماں پیر و مرشد غلامے خریدہ آزادش نخواہند کرد کہ غلامے وفادار است"

اس روحانی تعلق اور عقیدت کے علاوہ ادبی تعلق بھی تھا حضرت غمگین داد و تحسین کے لئے اپنا کلام ارسال فرماتے اور مرزا غالب نقد و اصلاح کے لئے اپنا کلام بھیجتے۔ ایک مرتبہ حضرت غمگین نے ایک رباعی بھیجی اور لکھا.................................(مشفق من مضمون تازہ گفتہ شد برائے داد خدمت سامی فرستادہ اند۔)

(رباعی)

کر ظن نہ کچھ اس شراب رمانی پر
مت کبر کر اپنے زہد نفسانی پر
گر کفر دوئی نہیں تجھے اے زاہد
قشقہ یہ کبود کیوں ہے پیشانی پر ؟

اس کے جواب میں مرزا غالب لکھتے ہیں :

''تازگی مضمون رباعی از خود م ربود واللہ اندیشہ ہیچ سخن ور بدین نکتہ نہ رسیدہ ہیچ کس بریں مضمون دست نہ یافتہ داغ پیشانی زہاد را بہ قشقہ کبود تشبیہ پائیزہ و تازہ دل پذیر است''

(محررہ ۱۸ ربیع الاول ۱۲۵۵ھ)

مرزا غالب نے مادۂ تاریخ کی تعریف کرتے ہوئے حضرت غمگین کو لکھا۔

''مادۂ تاریخ مکان جان صاحب قلندر کہ حضرت اندیشیدہ اند چہ گویم کہ چہ قدر خوب است و خوبی دیگر آں کہ نمک گفتگوئے درویشانہ موجود و در تاریخ گنجائش ایں ہا دشواری دارد''

(محررہ ۲۸ ربیع الاول ۱۲۵۵ء)

مرزا غالب نے ایک فارسی غزل لکھی تو نقد و اصلاح کے لئے حضرت غمگین کی خدمت میں ارسال کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''دریں روز ہا غزل در میان احباب طرح شدہ دراں زمیں دہ بیت گفتہ شدہ بود بہ چشمہ داشت اصلاح دریں ورق نگارش می پذیرد''

(غزل)

در وصل دل آزادیٔ اغیار ندانم
دانند کہ من دیدہ زدیدار ندانم

(محررہ ۱۸ رجب ۱۲۵۵ / الآخرہ ۱۸۴۰ء)

مرزا غالب حضرت غمگین کے کلام سے بے حد متاثر تھے۔ تاریخی شواہد سے ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غالب نے حضرت غمگین کی غزلوں پر غزلیں لکھی ہیں مثلاً حضرت غمگین کے ایک استاد کی ایک غزل مجالس رنگین میں ملتی ہے اس کا مطلع ہے ۔

رقیبوں سے اسکو بہم دیکھتے ہیں
یہ ظلم اپنی آنکھوں سے ہم دیکھتے ہیں

اس پر حضرت غمگین نے جو غزل کہی اس کا مطلع ہے۔

دوئی دور کر کے جو ہم دیکھتے ہیں
تو ہے ایک دیر و حرم دیکھتے ہیں

اس غزل پر مرزا غالب نے جو غزل کہی ہے اس کا مطلع ہے۔

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

مجالس رنگین، مرزا غالب کے بچپن میں ۱۲۱۵ھ کے کچھ ہی بعد تالیف ہوئی ہے اور اس میں غمگین کی محولہ بالا غزل کا پتہ چلتا ہے جو غالباً دیوان اول میں بھی شامل ہو گی۔ مرزا غالب نے ایک عرصے بعد متذکرہ بالا غزل کہی دونوں غزلوں کے تقابلی مطالعے سے بھی غمگین کی اولیت مترشح ہے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں :

حضرت غمگین

خدا کے کرم سے سمجھتے ہیں بہتر -- صنم تجھ سے جو ہم ستم دیکھتے ہیں
کسی کو نہیں دیکھتے ہم جہاں میں -- اسی کو خدا کی قسم دیکھتے ہیں
جنہیں دو گھڑی وصل ہوتا ہے حاصل -- وہ اک عمر ہجراں کے غم دیکھتے ہیں
سر ان کا دو عالم سے گزرے ہے پیارے -- جو اک بار تیرے قدم دیکھتے ہیں

مرزا غالب

دل آشفتگاں خال کنج دھن کے -- سویدا میں سیر عدم دیکھتے ہیں
ترے سرو قامت سے قد آدم -- قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں
تماشا کر اے محو آئینہ داری -- تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں
سراغ تف نالہ لے داغ دل سے -- کہ شب رو کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں

حضرت غمگین کی ایک غزل ہے جس کا مطلع ہے :۔

نہ مغنی ہوں میں نہ مطرب ساز
ہے در پردہ اور کی آواز

اس پر مرزا غالب نے جو غزل کہی اس کا مطلع ہے :۔

نہ گل نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز

اس غزل میں بھی وہی کیفیت ہے جو اس سے پہلے والی غزل میں ہم دیکھ چکے ہیں یعنی مضامین، قوافی کی یک رنگی۔ ایک دو جگہ تو آورد کا بھی گمان ہوتا ہے ا۔

مرزا غالب اور غمگین دہلوی کے شعری و ادبی تذکرے سے ڈاکٹر مسعود احمد نے قارئین کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ مؤرخین نے مرزا غالب کی سوانح اور حالات زندگی سے حضرت غمگین کا نام یک محذوف کر دیا ہے حتیٰ کہ مولانا حالی نے بھی اپنی کتاب ''یادگار غالب'' میں کسی حیثیت سے حضرت غمگین کا نام تحریر نہیں کیا ہے۔ جبکہ تاریخی شواہد سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مرزا غالب غمگین دہلوی سے اپنے کلام کی اصلاح کرایا کرتے تھے مگر یہ امر باعث حیرت ہے کہ جن ایام میں دونوں کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا اس کا غالب نے کہیں تذکرہ نہیں کیا۔ اس اخفاء راز کے سلسلے میں ڈاکٹر مسعود احمد رقم طراز ہیں :

در اصل بات یہ ہے کہ حضرت غمگین نے خود ہی غالب کو ہدایت کر دی تھی کہ

''زمانے خواہد کہ رازایں رباعیات ہم افشاء خواہد شد حالا ہمیں طور بدارید''

اس کے جواب میں غالب نے لکھا تھا :۔

''فرمان چناں است کہ آں نوشتہ رااز نظر اغیار نہاں دارم ہمچنیں خواہم کرد''

اس قسم کی نصیحت اس دیوان رباعیات پر بھی مرقوم ہے جو کتب خانہ فقیر منزل گوالیار میں محفوظ ہے۔ لکھتے ہیں :

اگر ایں دیوان رباعیات بدست کسے بزرگ افتد امید کہ از نظر اغیار نگاہ دارند کہ سنت بزرگاں متقدمین و متاخرین ہمیں نہج جاری است کہ اسرار باطنی رااز مردمان ظاہر بیں می پوشند پس مارا ہم اتباع اوشاں واجب است والا مردہ بدست زندہ ۲۔

۱۔ غالب نادر، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۹ء، ملخصاً ۱۹۳

۲۔ برہان دہلی، ص ۵۳، شمارہ جولائی ۱۹۶۰ء

مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوا کہ حضرت غمگین کی یہ خواہش تھی کہ ان کی شعر گوئی کا چرچا عام طور پر نہ ہو----اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ مرزا غالب کے مسلک خودی کے منافی تھا کہ وہ علی الاعلان کسی کے احسان کو بتائیں یہی وجہ ہے کہ ایک جگہ لکھتے ہیں :

مجھ کو مبدا ٔ فیاض کے سوا کسی سے تلمذ نہیں عبدالصمد محض ایک فرضی نام ہے چونکہ لوگ مجھ کو ''بے استادا'' کہتے تھے ان کا منہ بند کرنے کو ایک فرضی استاد گھڑ لیا[۱]۔

مرزا غالب اور غمگین دہلوی کے کلام کے موازنہ سے یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے کہ غالب نے غمگین دہلوی سے قوافی - ردیف - اوزان وغیرہ مستعار لئے ہیں- میری اس بات سے مرزا غالب کے شیدائیوں پر سکتہ کی کیفیت طاری ہو سکتی ہے کہ یہ کیسی نئی تحقیق سامنے آئی-اس کے جواب میں میں صرف یہ کہنا چاہوں گا کہ کوئی کتنا ہی تاریخی شواہد پر پردہ ڈالنا چاہے وہ انہیں وقتی طور پر چھپا تو سکتے ہیں لیکن حرف غلط کی طرح مٹا نہیں سکتے یہی وجہ ہے کہ تلاش و جستجو کرنے والے حضرات حقائق کا پتہ لگا لیتے ہیں۔اس طرح کی بہت سی نظیریں تاریخ کے صفحات پر موجود ہیں-

اقبال :

ڈاکٹر محمد اقبال کشمیری برہمنوں کے ایک قدیم خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ان کے جد اعلیٰ تقریباً ڈھائی سو برس پہلے مشرف با سلام ہو کر سیالکوٹ میں آباد ہو گئے اقبال نے اس شعر میں اپنا خاندانی پس منظر بیان کیا ہے۔

میں اصل کا خاص سومناتی　　آبا میرے لاتی و مناتی

جدید تحقیق کے مطابق اقبال ۹ر نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے ان کے والد صاحب علم و عمل تھے تصوف کا خاص ذوق رکھتے تھے اور سلسلہ قادریہ میں قاضی سلطان احمد (آوان شریف ضلع گجرات پاکستان) سے بیعت تھے اور غالباً اقبال کو بھی انہیں سے بیعت کروایا تھا اور تربیت خود فرمائی گھر کے اس صوفیانہ ماحول کا ذکر کرتے ہوئے اپنے بیٹے جاوید سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں -

جس گھر کا مگر چراغ ہے تو　　ہے اس کا مذاق عارفانہ

اقبال نے کتابوں سے زیادہ نگاہوں سے سیکھا خود کہتے ہیں ۔

تجھے یاد کیا نہیں مرے دل کا وہ زمانہ　　وہ ادب گہ محبت وہ نگہ کا تازیانہ

اس عارفانہ ماحول میں اقبال کی پرورش ہوئی تلاوت کلام پاک صبح کا معمول تھا والد کی ہدایت تھی کہ قرآن اس سوز و گداز سے پڑھو یوں محسوس ہو کہ تم پر نازل ہو رہا ہے۔اس شعر میں اس نصیحت کی طرف اشارہ ہے۔

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب　　گرہ کشا ہیں نہ رازی نہ صاحب کشاف

اقبال کی والدہ بھی عابدہ و زاہدہ تھیں ان کے فیض تربیت نے اقبال کو اور جلا بخشی----اقبال نے ابتدائی تعلیم قدیم طرز کے مکتب میں حاصل کی پھر سیالکوٹ کے مشن اسکول میں داخل ہو گئے جہاں مولوی میر حسن جیسا فاضل استاد ملا ان کے فیض تربیت نے اقبال میں عربی، فارسی زبان دانی کا شوق پیدا کیا اور ادبیت کا ذوق اور نکھر کر سامنے آیا---- تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اقبال اورینٹل کالج لاہور میں بحیثیت استاذ فلسفہ و تاریخ ملازم ہو گئے مگر بالآخر جستجوئے علم ان کو انگلستان لے گئی وہ ۱۹۰۵ء میں انگلستان پہنچے یہاں کیمبرج یونیورسٹی میں داخل ہو گئے اور فلسفہ اخلاق پر ڈگری حاصل کی اس کے علاوہ بیرسٹری کا امتحان بھی پاس کر لیا[1]۔

۱۔ حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال، ص ۱۷۔۱۸۔۱۹، از ڈاکٹر مسعود احمد

عبدالواحد یکتا دہلوی

دنیائے ادب کا یہ المیہ ہے کہ جلوت پسندوں کو یاد رکھا جاتا ہے، خلوت گزینوں کو فراموش کر دیا جاتا ہے، کاش ماضی کے دھندلکوں میں ان کی صورتیں دیکھ پائیں جن کی ضیاپاشیوں نے شمع محفل کی طرح فضاؤں کو منور کیا تھا مگر افسوس ان کے ارد گرد اندھیرا ہی رہا۔ ان اندھیروں سے نکل کر اُجالوں میں آئیں۔ انجانی صورتوں کا تعارف کرائیں۔ یہ کام ان نوجوان ادیبوں کا ہے جو فکر امروز اور غم فردا میں گھلے جا رہے ہیں مگر تعمیر مستقبل کے لیے یاد ماضی بھی عجب شے ہے۔

آج جس عظیم شاعر کا تعارف کرایا جا رہا ہے اس کو دنیا سے گئے بیس برس بیت چکے ہیں، وہ نسیم سحری کی طرح اس عالم رنگ و بو میں آیا، کلیاں مسکرائیں، گلشن میں ذرا چہل پہل نظر آئی، چل دیا۔ اس کا آنا، آنا نہ تھا، تمہید فراق تھی۔ اب ہم کہاں اور وہ کہاں!

کان میں آتی نہیں یکتؔا کی اب مستانہ لے
ہو گیا رخصت وہ سودائی بھی ویرانے سے کیا؟

حضرت عبدالواحد یکتا، دلّی...... آہ دلّی! ع

دلّی کہتے ہیں جسے وہ تو ہمارا دل تھا

ہاں اسی دلّی کے ایک نامی گرامی خاندان کے چشم و چراغ تھے، ان کے خاندانی حالات خود ان کی زبانی سنیئے۔ چند اوراق پریشاں ان کی یادگار رہ گئے ہیں۔ وہی پیش کیے جاتے ہیں۔

''دادی صاحبہ مرحومہ کی عمر پچانوے سال کی تھی اور میری عمر اس وقت پانچ برس کی، ان کی زبانی سنا تھا۔ ساٹھا پاٹھا، میں عمر کی ساٹھ منزلیں طے کر چکا، بال سپید ہیں، بصارت کمزور، دو دانت رخصت ہو چکے، دو جھولا جھول رہے ہیں۔ کبھی کبھی بوقت تحریر ہاتھ میں رعشہ، موت سامنے نظر آتی ہے، گناہوں کے خوف سے لرزہ براندام رہتا ہوں اور دست بدعا کہ اللہ انجام بخیر کرے، عمر بڑھتی ہے، حافظہ گھٹتا جاتا ہے اس لیے یہ کوشش ہے کہ جو واقعات اب تک دل و دماغ میں محفوظ ہیں، کاغذ پر لکھ دوں، ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔''

''میرے پردادا شیخ امان اللہ صاحب مرحوم شاہی فوج میں ذمہ دار عہدے پر مامور تھے، اس وقت (انقلاب ۱۸۵۷ء) ان کا بڑھاپا تھا مگر خون میں جوانوں سے بڑھ کر جوش تھا۔ حق نمک ادا کرنے میدان کارزار میں تشریف لے گئے اور جامِ شہادت نوش فرمایا۔''

دادا صاحب شیخ محمد بخش صاحب مرحوم اور میرے تایا صاحب حافظ عبدالرحمن صاحب مرحوم دونوں کشمیری دروازے پر اپنے اپنے فرائض منصبی انجام دے رہے تھے۔ انگریزی فوجیں تھوڑے تھوڑے وقفے سے حملے کر رہی تھیں، پورے تو پوں اور بندوقوں سے تمام رات جواب دے دے کر ان کو پسپا کرتے رہے۔ میرے دادا صاحب اور تایا صاحب آخری دم تک مصروف پیکار، آخر ہار کر، عنان حکومت انگریزوں کے ہاتھ میں جاتی ہوئی دیکھ کر، گھوڑوں کی باگیں واپس موڑیں، گھروں کا رُخ کیا، کمپنی باغ میں جہاں اب ٹاؤن ہال ہے، اس کے قریب میرے بزرگوں کے مکانات تھے، باغ کے دروازے بند پائے، گھوڑوں سے گلے ملے۔ ان غازیوں کو آزاد کیا۔ کمندیں ڈال کر اوپر چڑھے، گھر پہنچے، سامان اور مکان کو الوداع کہہ کر بازار بلی ماراں میں شریف منزل میں حکیم محمود خاں صاحب کے مکان میں چندے قیام کیا۔ میرے دادا صاحب حکیم محمود خاں کے ہم عصر تھے، پڑوسی تھے۔ حکیم صاحب موصوف حکمت میں یکتائے زماں تھے، خدا ترس اور فرشتہ خصال انسان تھے، مہاراجہ پٹیالہ کے خاص معالج، اس لیے ایام غدر میں مہاراجہ پٹیالہ کی فوج کا دستہ شریف منزل کی محافظت کے لیے خاص طور پر مامور تھا۔"

حضرت یکتا کے کچھ خاندانی حالات اس مکتوب سے بھی ملتے ہیں جو مرحوم نے ۴ نومبر ۱۹۴۳ء کو قصر الشفا (طبیہ کالج، دلی) سے اپنی صاحب زادی شاہ جہاں بیگم فیضی کو تحریر فرمایا تھا، غالباً صاحب زادی موصوفہ کے سامنے کسی نے ان کے خاندان کے متعلق ناشائستہ جملے استعمال کیے تھے جو موصوفہ نے حضرت یکتا کو لکھ دیے، حضرت یکتا نے ان الزام تراشیوں کا مفصل جواب تحریر فرمایا جس کا لہجہ اگرچہ سنجیدہ ہے مگر ذرا تلخ ہے ہم اسی مکتوب سے متعلقہ اقتباس پیش کرتے ہیں:

"آج سے دو سو برس پہلے دنیا کی تاریخ کے ورق اُلٹ دیے جائیں تو کہنے والوں کو معلوم ہو کہ تمہارے بزرگ اعلیٰ طبقے کے تھے یا ادنیٰ؟...... تمہارے باپ کی دادی، ریاست بیکانیر کے قاضی کی بیٹی بہادر شاہ کے وزیر کی استانی۔ آج زندہ ہوتیں تو ان کی زبان سے اس بہتان کا جواب تمہارے کان سنتے اور مزا آتا جو وزیر کو کہنے میں بھی نہ چوکتی تھیں اور شاید ان کا بڑا بول اللہ پاک کو ناپسند ہوا ہو جو آج ایسے افراد پیدا ہو گئے کہ ان کے خاندان کو ادنیٰ طبقے کا بتاتے ہیں، تمہارے ادنیٰ باپ کے پردادا مرحوم آج حیات ہوتے اور فوج کے رسالے کی کمان پر نظر آتے تو شاید اس وقت کے کہنے والوں کا پیشاب خطا ہو جاتا۔ ان کے عالی شان مکانات، دلی کے ملکہ کے باغ میں جہاں ٹاؤن ہال کی عالی شان عمارت کھڑی ہے، نظر آتے تو کہنے والوں کو پتا چلتا کہ ان عالی شان حویلیوں کے

حویلیوں عالی مرتبت ہیں یا کیسے ؟ مگر وہ لوگ شریف تھے۔ ان لوگوں میں خون شرافت تھا۔ جاں نثار تھے۔ نمک حلال تھے۔ حق نمک ادا کیا خود فنا ہوئے اور ان کے ساتھ ساتھ ان کے مکان منہدم ہوئے، ان کے خاندانی شجرۂ نسب ان کے ساتھ دفن ہو گئے۔ اب کہنے والے کچھ ہی کہتے رہیں۔ فاعتبر وایا اولی الابصار!"

"مجھے یاد ہے اور مرتے دم تک یاد رہے گا کہ میرے بڑے ابا صاحب مرحوم جن کو آدھی دلّی جانتی تھی اور "پیر بابا" کہہ کر پکارتی تھی، جب وہ مجھ کو صبح بعد نماز فجر باغ کی سیر کو لے جایا کرتے، بتایا کرتے تھے کہ یہاں ہمارے مکانات تھے تو ان کی آنکھیں ڈبڈبا آتی تھیں، ان کی عمر غدر میں آٹھ دس برس کی تھی۔ فرماتے تھے کہ دادا صاحب مرحوم یعنی میرے پر دادا اور تمہارے سکڑ دادا میدان جنگ میں شہید ہوئے، دادا صاحب اور بڑے ابا صاحب واپس آئے تو کمپنی باغ کے دروازے بند پائے، گھوڑوں کو وہی چھوڑا۔ کمندیں ڈال کر اوپر چڑھے، گھر پہنچے اور دیوار پر حسرت و یاس کی نظر ڈالی اور ان سر بفلک حویلیوں کو الوداعی سلام کر کے اہل و عیال کو لے کر پٹیالہ پہنچے، مدت بعد دلّی واپس آئے تو شاہی باغیوں کی صف میں گرفتار تھے۔ زندگی تھی جو بچ گئے، اس پر آشوب زمانے میں کہاں کی عزت اور کس کی ذات، کیسی بڑائی اور کیسی چھٹائی، جس نے ذریعۂ معاش اختیار کیا وہی کہلایا اور جس کا جدھر سینگ سمایا ادھر گیا۔ یہ لٹے پٹے، اجڑے اجڑائے تمہارے پر دادا صاحب مرحوم چاندنی چوک کے وسط، شہر کے مرکز جوہری بازار میں ایک دکان لے بیٹھے۔ رہیں جھونپڑی میں خواب دیکھیں محلوں کے، تھے تو "ادنیٰ طبقے" کے مگر نگاہیں قلعہ کی شاہی صحبتوں میں رہتے ہوئے ہیرے جواہرات پر پڑتی تھیں، یہی پیشہ اختیار کیا، پیشہ ور کہلائے، یا جوہری یا نگینہ گر، کچھ ہی کہہ لو۔"

O

حضرت یکتا اسی خزاں رسیدہ گلشن کی بہار تھے، ۱۸۸۷ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ۱۹ فروری ۱۹۴۵ء کے ایک مکتوب میں اپنے فرزند نسبتی حضرت مخفیؔ کو تحریر فرماتے ہیں۔

"۵۸ سال کی عمر ہے، غلامی سے اب بھی نجات حاصل نہیں ہوئی۔

ماحول ایسا کہ دل ہی خوب جانتا ہے۔"

اس بیان کی روشنی میں سن ولادت ۱۸۸۷ء نکلتا ہے۔

حضرت یکتا کی تعلیم کے بارے میں کچھ معلومات نہیں مگر ان کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے

کہ وہ عربی، فارسی، انگریزی اور اردو کی اچھی لیاقت رکھتے تھے۔ باکمال شاعر اور صاحب طرز ادیب تھے مگر اس کو ذریعہ معاش نہیں بنایا بلکہ مختلف محکموں میں ملازمت کی چنانچہ ان کے نیم مطبوعہ مکاتیب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملازمت کے سلسلے میں وہ مختلف مقامات پر رہے۔ مثلاً دہلی، جالندھر، پلہ (بھاول پور)، لاہور وغیرہ۔ تقریباً ۱۹۳۷ء کی بات ہے کہ وہ جالندھر میں پی۔ ڈبلیو۔ ڈی میں ہیڈ کلرک تھے، چنانچہ خان غلام محمد خان نیازی ۱۹ فروری ۱۹۵۰ء کے آفاق (لاہور) میں لکھتے ہیں:

''آج سے بارہ تیرہ سال پیشتر جالندھر شہر میں مجھے مرحوم و مغفور مولانا محمد عبدالواحد یکتا دہلوی سے تعاون کی سعادت نصیب ہوئی ان دنوں ماہنامہ جہانگیر کی ادارت میرے سپرد تھی اور حضرت یکتاؔ، پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کے دفتر میں ہیڈ کلرک تھے، چونکہ تقریباً دو سال تک ہمیں ایک ہی مکان کے دو حصوں میں رہنے کا اتفاق ہوا اس لیے مجھے مرحوم کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔'' (ص۔ ۱۰)

تقسیم ہند کے وقت حضرت یکتاؔ، دہلی میں ملازم تھے اور طبیہ کالج دلّی کے احاطہ میں قصر الشفا میں ان کا قیام تھا لیکن دہلی کے ۱۹۴۷ء کے فسادات نے وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا چنانچہ آپ ترک وطن کر کے لائل پور آ گئے۔ دلّی سے ہجرت کی کیفیت حضرت مخفی نے اپنے مکتوب محررہ ۶ ستمبر ۱۹۶۸ء میں اس طرح تحریر کی ہے۔

''دہلی کے ایک معزز ہندو خاندان کے سر شنکر لعل سے یکتا صاحب مرحوم کو اپنے ساتھ ہوائی جہاز میں لائل پور لے آئے اور یکتا صاحب مرحوم کو اکاؤنٹنٹ (اور اسٹور آفیسر) بنا کر اپنی فرم ''لائل پور کاٹن ملز'' میں چار سو روپے ماہوار پر ملازم رکھ لیا۔ سر شنکر لعل کے بھتیجے مرلی دھر اس مل کے جنرل منیجر اور مالک رہے، حقیقت میں چچا بھتیجے دونوں کے تعلقات شاعری کے سلسلے میں تھے، یہ مل کی ملازمت تو یکتا صاحب کو اپنے ساتھ رکھنے کی غرض سے دی تھی۔ اس مل میں سالانہ میلے کے موقعہ پر مشاعرے بھی ہوتے تھے جس میں بیخود صاحب مرحوم اور دیگر شعراء، عظام ہندوستان سے شرکت کے لیے آتے تھے۔''

O

راقم الحروف نے اپنی نو عمری کے زمانے میں دلّی میں حضرت یکتا مرحوم کو دیکھا ہے۔ ان سے ملاقاتیں رہی ہیں۔ نیک صورت، نیک سیرت بلکہ فرشتہ سیرت، عبادت گزار، اطاعت شعار، شراب و کباب کا تو ان کے تصور میں بھی کھٹکا نہیں تھا، پینا اور کھلانا تو بڑی چیز ہے، ان کی سیرت کی

طرح ان کے افکار و خیالات بھی آلائش منکرات سے پاک صاف تھے، وہ شعر کہتے تھے اور ڈوب کر کہتے تھے۔ کبھی کبھی راقم کے سامنے کیف و سرور میں اشعار پڑھتے مگر افسوس اس وقت نہ گوش ہوش میں قوت سماعت تھی اور نہ چشم بینا میں قوت بصارت۔ سمجھ میں آتا تو کیا آتا مگر

ع دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

شاید بیس بائیس سال پہلے کی صحبتوں کا اثر ہے کہ آج فکر پابہ گل ان کی یاد میں جولانیاں دکھا رہا ہے۔

خان غلام محمد خاں نیازی چونکہ دو سال تک حضرت یکتا کے ساتھ رہے، انہوں نے بہت قریب سے اور دل کی آنکھوں سے دیکھا اور پرکھا ہے اس لیے حضرت یکتا کے متعلق ان کے تأثرات وزن رکھتے ہیں، ہم ان کے قلبی تأثرات کو ان ہی کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"مرحوم پاکیزگی کا مجسمہ تھے، پاکیزہ صورت، پاکیزہ اطوار، پاکیزہ ذوق نمایاں تھا، کھلتا ہوا گندمی رنگ، کشادہ پیشانی سفید ریش، متبسم نورانی چہرہ، اس قدر پرکشش تھا کہ پہلی ہی نظر میں ملاقاتی کے دل میں جذبۂ عقیدت پیدا کرنے کے لیے کافی تھا۔ وہ ایک باعمل مسلمان تھے، خود شعائر اسلامی کے والہانہ طور پر پابند ہونے کے علاوہ بچوں میں بھی صحیح اسلامی جذبہ وروح پیدا کرنے میں ہمیشہ مصروف رہتے تھے، بلاناغہ خود درس قرآن و حدیث میں شامل ہوتے، پھر گھر آکر چند منٹ بچوں کو درس دیتے، اس کے بعد غسل، ناشتہ اور دفتر کی تیاری، دفتر سے واپسی پر پھر درس اور مسجد۔ یہ روزانہ معمول تھا جس میں موسمی تغیرات بھی خلل انداز نہ ہوتے۔"

(آفاق۔ لاہور، ۱۹ فروری ۱۹۵۰ء ص۔ ۱۰)

حضرت یکتا اخلاص و محبت کا پیکر تھے۔ یہ وہ متاع گراں مایہ ہے جو کبھی پایاب تھی، اب نایاب ہوتی جارہی ہے۔ غالب جیسا عظیم شاعر اس کی نایابی پر ماتم کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

خاک میں ناموس پیمان محبت مل گئی

اٹھ گئی دنیا سے رہ و رسم یاری ہائے ہائے

اور داغ عالم حیرت میں کہہ رہا ہے۔

اُٹھ گئی یوں وفا زمانے سے
کبھی گویا کسی میں تھی ہی نہیں

حضرت یکتا کا دل محبت سے داغدار تھا۔ وہ رضواں کو بھی داغ ہائے محبت کے پھولوں کا گلدستہ پیش کرتے نظر آرہے ہیں۔

واسطے رضواں کے اک داغ محبت کے سوا
سوچتا ہوں لے چلوں سوغات ویرانے سے کیا

ان کو یہ احساس تھا اور بجا طور پر احساس تھا کہ ان کی موت محبت کی موت ہے۔ ان کی موت وفاؤں کی موت ہے، وہ کہتے ہیں اور کس حسرت سے کہتے ہیں ؂

وفاؤں کو مری روئے گی دنیا
گھڑی وہ آرہی ہے، آرہی ہے

دوسری جگہ یوں فرماتے ہیں ؂

روئے گا تیری وفاؤں کو زمانہ یکتا
اب تو دنیا ترے رونے پہ ہنسا کرتی ہے

حضرت یکتا خود دین دار تھے اور عبادت گزار تھے اور ہمیشہ دین داروں کی تلاش میں رہتے تھے۔ دولت و ثروت کی عارضی چمک نے ان کی نگاہوں کو خیرہ نہیں کیا۔ انہوں نے خاک مدینہ کو آنکھوں سے لگایا تھا۔ حضرت یکتا کی زندگی کے ایک واقعہ سے ان کی اس صفت خاص کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

دستور زمانہ ہے کہ لوگ اپنے لڑکوں کی نسبت کے لیے ایسے گھرانے تلاش کرتے ہیں جو رفیقۂ حیات کے ساتھ ساتھ وہ سب کچھ دے دے جس کے پیچھے اہلِ دنیا دیوانہ وار دوڑ رہے ہیں۔

نہ ابتداء کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

مگر جب حضرت یکتا نے اپنے فرزند رشید کے لیے رشتہ تلاش کیا تو ان کی نظر دہلی کے ایک گوشہ نشین عابد پر پڑی جس کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے سامنے جبروتی اور طاغوتی طاقتوں نے گھٹنے ٹیک دیے تھے یعنی حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ رحمتہ اللہ علیہ، خطیب شاہی مسجد جامع فتح پوری، دہلی...... نہ صرف یہ کہ حضرت یکتا اس گھرانے میں نسبت ہونے پر خوش تھے بلکہ اُن کو فخر تھا اور بجا طور پر فخر تھا، چنانچہ ایک مکتوب (محررہ ۴ نومبر ۱۹۴۳ء) میں اپنی صاحب زادی شاہ جہاں بیگم فیضی کو تحریر فرماتے ہیں :-

''مجھ کو ایسے چار چاند لگے کہ بہو آئی تو مرشد زادی، اس عالم، مفتی، شاہی امام اور قطب وقت کی بیٹی جس کی دست بوسی کیا، قدم بوسی کے لیے ہر روز صبح سے شام تک ہزارہا خاص و عام کھنچے چلے آتے ہیں اور ان بزرگ کی زبان سے تمہارے ناچیز باپ کے لیے یہ کلمہ زبان سے نکلتا ہے'' میں آپ

سے بہت خوش ہوں...... "جیسے میرے اعمال ہیں، من دانم کہ من آنم۔ اللہ بہتر علیم ہے، میں اب یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان جیسے بزرگان دین کے طفیل عاقبت سنور جائے۔"

اس قسم کے واقعات سے ہم سرسری گزر جاتے ہیں حالاں کہ یہی وہ دریچے ہیں جہاں سے ہم شخصیت کی سیر کرتے ہیں، اس کی دل کی گہرائیوں میں اترتے ہیں، اور ان جواہر کو پالیتے ہیں جو آئینہ سیرت کے پیچھے جھلملاتے رہتے ہیں۔

O

حضرت یکتا یادِ الٰہی میں محو نظر آتے ہیں، بیشک سچا بندہ تو وہی ہے جس کو اپنے مولیٰ سے اس کمال کا تعلق ہو کہ اس کے سوا نظروں میں کوئی جچے ہی نہیں، جس پر نظر پڑے اسی کے تعلق سے کہ یہ نظر، نظر ہے۔ جب یہ بات پیدا ہو جاتی ہے تو پھر محبت، محبت ہوتی ہے، پس ماسوا اللہ سے قطع تعلق کر کے اس کی یاد سے اجڑے دل کو بسانا بڑی دانائی ہے۔ حضرت یکتا نے یاد جاناں سے اپنے خانۂ ویراں کو بسایا ہے وہ کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں ۔

تعلق ماسوا اللہ سے قطع ہو کر یاد ہے ان کی
ہمارا دل اجڑ کے ہجر میں آباد رہتا ہے

جب تعلق میں کمال پیدا ہو جاتا ہے تو انسان مقام رضا پر پہنچ جاتا ہے، یہ چیز میسر آجائے تو پھر غم، غم ہی نہیں رہتا۔

تیری مرضی جو دیکھ پائی ہے
خلش درد کی بن آئی ہے

رضا کمال یقین کا ثمر شیریں ہے جو یقین سے محروم ہے، وہ محبت سے محروم ہے اور جو محبت سے محروم ہے وہ حقیقت رضا سے ناآشنا ہے۔ حضرت یکتا مقام رضا پر فائز ہیں، وہ غم روزگار کے ساتھ غم جاناں سینے سے لگائے ہوئے ہیں، ان کی زبان شکوہ آلود نہیں، وہ راضی برضائے الٰہی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ۔

بشر کی پائی ہے صورت مگر سیرت فرشتوں کی
ترا ناشاد یکتا، دکھ میں سکھ میں شاد رہتا ہے

محبت الٰہی کی اس وقت تکمیل نہیں ہو سکتی جب تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت نہ ہو۔ ایسی محبت وجو محبت الٰہی سے کسی طرح کم نہ ہو، یہ بات خدا خود چاہتا ہے، جہاں اپنی

محبت کی شرط اولین یہ بتائی گئی کہ کائنات اور خود اپنی جان سے بے نیاز ہو کر اس کے ہو جائیں۔ وہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق و محبت کے لیے بھی یہی پہلی شرط ہے۔ اس لیے جب محبت و عشق کے زاویۂ نگاہ سے سیرتوں کو پرکھنا ہو تو دیکھو کہ دونوں محبتوں سے دل معمور ہے یا نہیں۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے بہت خوب کہا ہے ؎

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو، تو مرد مسلماں بھی کافر و زندیق

آیئے حضرت یکتا کی پاکیزہ سیرت کا اسی نقطہ نظر سے جائزہ لیں۔ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کس کمال کی محبت تھی اس کا اندازہ کچھ اس تحریر سے ہوگا۔

"دعا مانگتا ہوں کہ الٰہی تمام سفروں کے بدلے...... سفر عدم سے پہلے...... سفر حج بیت اللہ شریف اور زیارت مدینہ منورہ کرادے کہ حضور پرنور، سرور کائنات، فخر موجودات، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی اپنی پلکوں سے جاروب کشی کروں۔ آمین ثم آمین! ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!" (بنام حضرت مخفی، محررہ ۱۸ مارچ ۱۹۴۴ء)
قصر الشفا۔ دلّی

محبت و عشق کی یہ کرشمہ سازیاں ہیں کہ عالم خیال میں مکہ معظمہ پہنچ گئے ہیں، مدینہ منورہ کی لگن نے دل کو تڑپا رکھا ہے، بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے ؎

زم زم کی ہے صراحی بغل میں دبی ہوئی!
بجھتی نہیں وہ آگ ہے دل میں لگی ہوئی

حضرت یکتا کے کلام میں بعض چبھتے ہوئے نعتیہ اشعار بھی ملتے ہیں مثلاً

دوہائی ہے شہنشاہ دو عالم!!
ہوا ہے خوں شہیدانِ وفا کا

....

چومتا ہوں، کبھی آنکھوں سے لگاتا ہوں اسے
مجھ کو مل جاتا ہے جب نقش کف پا ان کا!

....

مسیح و خضر کیا روح الامیں بھی تم پہ مرتے ہیں
رہو دل میں ہمارے دردِ دل کی تم دوا ہو کر

....

شہیدِ عشق ہوں، اس کو حیات جاوداں سمجھوں
تمہاری یاد آجائے اگر میری قضا ہو کر

....

مثال نبیوں میں ختم رسل کی یوں سمجھو!
کھلا ہوا ہو کوئی پھول جیسے کلیوں میں

....

جگر کے خون سے جب تک وضو نہ ہو اے دل
قدم نہ رکھنا مدینے کی پاک گلیوں میں!

....

نبی کے روضے پہ اے دل لہو کے اشک بہا
تمام عمر گنوائی ہے رنگ رلیوں میں!

اللہ کی محبت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، عظیم صداقتوں کی محبت ہے۔ صداقت و حسن کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جان کیٹس نے کیسی دل لگتی بات کہہ دی "حسن، صداقت ہے اور صداقت، حسن ہے۔" انسان صداقت آشنا ہو تو پھر احساس حسن پیدا ہو جاتا ہے اور پھر خیال واظہارِ خیال دونوں حسین سے حسین تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ حضرت یکتا قدر دان حسن تھے چنانچہ حضرت مخفی کے نام ایک مکتوب (محررہ ۱۴ ستمبر ۱۹۴۱ء) میں تحریر فرماتے ہیں۔

شعراء عموماً حسن پرست ہوتے ہیں، یکتا بھی اس سے بری نہیں۔"

حضرت یکتا حسن حقیقی کے مداح و پرستار ہیں، وہ حسن مجازی کو حسن حقیقی کی ایک عارضی جھلک تصور کرتے ہیں جس کو بقا نہیں چنانچہ مندرجہ ذیل تین اشعار میں حسن مجازی کے متعلق حضرت یکتا کا تدریجی نقطۂ نظر ملاحظہ کیجئے ۔

بنا دیا ہے بیابان عشق کو جنت
بہار حسن و بہار شباب کے صدقے!

بہار حسن کو اپنی خزاں سمجھا نہ تھا پہلے
جوانی تو ملی تھی خاک میں، دل بھی متا مریا

ترے شباب سے دو دن کے بعد پوچھیں گے
کہ بوئے گل کی طرح اُڑ گئی بہار کہاں؟

مگر حسن مجازی کی فنا سامانیوں کے ساتھ حسن حقیقی کی حسرت سامانیاں بھی ان کے سامنے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

نرگس کو، آئینے کو، پرستار حسن کو
دیکھا تھا کس نظر سے کہ حیران بنا دیا

یہی احساس حسن ہے جو انسان کو "زبان" سے سچی محبت کرنا سکھاتا ہے۔ قرآن حکیم نے زبان کے متعلق کہا ہے...... "اور تمہارے رنگوں اور زبانوں کی بوقلمونی اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، بلاشبہ اس تنوع و رنگارنگی میں اہل نظر اور اہلِ علم کے لیے پتے پتے کی باتیں ہیں۔"

گویا زبان بھی جلوۂ جاناں کی ایک جھلک ہے پھر اس سے محبت کیوں نہ ہو؟

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس زبان میں شاعر اپنے تجربات و مشاہدات و احساسات کو بیان کرنا چاہتا ہے اگر اس سے محبت اور والہانہ محبت نہیں تو وہ دوسروں کو وہ کچھ نہیں دکھا سکتا جو اس کی آنکھوں نے دیکھا ہے، ہاں اگر کمال محبت ہے تو پھر شاعر وہ کچھ دکھا سکتا ہے جو دوسروں نے دیکھ کر بھی نہیں دیکھا اور شاید اگر وہ نہ دکھاتا تو پھر حسن فطرت کی یہ مخفی بہاریں ان کی نگاہوں سے اوجھل رہتیں۔ پس ایک باکمال شاعر کے لیے ضروری ہے کہ جس زبان میں اپنی تخلیقات پیش کر رہا ہے اس سے عشق رکھتا ہو، ایسا عشق جو نہ صرف حسن آشنا ہو بلکہ حسن انگیز اور جادو طراز بھی۔

اس نظر سے جب ہم حضرت یکتا کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اردو زبان سے والہانہ

عشق و محبت ہے۔ اس کے ماضی سے باخبر ہیں، اس کے حال پر نظر ہے اور اس کے مستقبل سے کچھ پریشاں پریشاں نظر آتے ہیں، یہ پریشانی خود غماز محبت ہے وہ بڑے مایوسی کے عالم میں کہتے ہیں ۔

اسی غم میں رہا کرتا ہے دل یکتا پژمردہ
کہ اردو کے چمن کے پھول اب کمھلائے جاتے ہیں

O

تقسیم ہند کے بعد پاک و ہند میں اردو کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا شاید اس سے متاثر ہو کر حضرت یکتا نے ایک نظم لکھی تھی جو اردو کے متعلق ان کے دلی جذبات واحساسات کی ترجمان ہے ۔

اشک آنکھوں میں، جگر میں درد، دل میں ہے جلن
پھر بہار آئی، ہرا دل کا ہوا زخم کہن

تیری آنکھوں کے تصدق، ساقیٔ گل پیرہن!!
وہ پلاے، ہو نہ جس کا حشر تک نشہ ہرن

ہائے اردو کا پھلا پھولا گلستانِ سخن
ہو خزاں کی نذر، ہے منشائے یاران وطن!

اے بزرگان وطن، اور اے محبان چمن!
جو زبان زندہ ہے، پہناتے ہو اس کو کیوں کفن ؟

وہ زباں، اس وقت جو ہندوستان کی جان ہے
سادگی پر جس کے صدقے ہیں ہزاروں بانکپن

ہے فصاحت میں یہ یکتا ہے، بلاغت میں یہ فرد
شاہ اقلیم معانی، خسرو ملک سخن!!

ناز ہے، انداز ہے، اس میں حیا ہے، شرم ہے
ہے کہیں شوخی شرارت تو کہیں دیوانہ پن!

نشہ فارس ہے اس میں اور ہے ہندی خمار
سب پئیں جس کو، یہی وہ ہے مئے ناب سخن

میرؔ، سوداؔ، دردؔ، انشاءؔ، ناسخؔ، آتشؔ، مصحفیؔ
ذوقؔ، غالبؔ، نیرؔ، انورؔ، جن سے تھی شان سخن

داغؔ، امیرؔ، اکبرؔ، صفیؔ، ثاقبؔ، زلالیؔ، میر انیسؔ
شیفتہؔ، مرزا دبیرؔ، آشفتہؔ، شاہانِ سخن

یہ ہیں اقلیم معانی کے وہ یکتا تاج دار
مانتی ہے جن کا لوہا آج دنیائے سخن

حالیؔ و مجروحؔ سب نے خون دل سے سینچ کر
اس چمن کی خشک کلیوں کو بنایا گل بدن

حضرت اقبالؔ کا اقبال ہے، فیضؔ حفیظؔ!
بن گیا ہے گلشن پنجاب اردو کا چمن!

مٹ نہ جائے نام اردو، مٹ نہ جائے یہ زبان
ان کے دل پر ہے یہ صدمہ، روح فرسا، دل شکن

حضرت بیخؔود ہیں بیخؔود، شاعری شاعر کی ختم
حضرت سائل ہیں چپ، دل میں جگؔر کے ہے جلن

کوئی مانے یا نہ مانے، ان کا تو یہ ہی ہے قول
اے اسیران قفس، اے ہم صفیرانِ چمن

نغمہ بے سُر، راگنی بے وقت کی اچھی نہیں
اشک خوں روئیں گے سب، اجڑا جو یہ باغ سخن

بڑ ہے یہ مجذوب یکتا کی اسے ہی مان لیں
خون دل سے مل کے سب سینچیں یہ اردو کا چمن

زبان اردو کے یہ پرستار حضرت یکتا مرحوم، جناب وحید الدین بے خود دہلوی کے تلمیذ رشید تھے اور حضرت بیخود، داغ دہلوی کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ حضرت یکتا نے خود ایک رباعی میں حضرت بیخؔود سے اخذ فیض کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

باغ سخن کو گلشنِ عرفاں بنا دیا
ایک ایک نقطہ کو مہ تاباں بنا دیا

یکتا جناب حضرت بیخؔود کو دے دعا
شاعر بنا کے صاحب دیوان بنا دیا

یہ سلسلہ تلمذ کب شروع ہوا اس کے متعلق کچھ کہنا مشکل ہے لیکن قیاس یہی کہتا ہے کہ ایام شباب ہی سے احساس حسن اور معرفت حسن کے ساتھ یہ لگن لگ گئی ہوگی۔

چونکہ حضرت یکتا مختلف محکموں میں ملازم رہے اس لیے جب کبھی دہلی میں قیام ہوتا تو بالمشافہ اصلاح لیتے ورنہ مراسلت کے ذریعہ اصلاح کا سلسلہ جاری رہتا۔ چنانچہ حضرت مخفی کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

ایک غزل طبع زاد زمین پر لکھ کر استاد صاحب قبلہ کو بھیجی تھی۔ دو تین دن کے بعد اتفاقاً خود پہنچ گیا۔ فرمانے لگے۔ قابل رشک غزل لکھی ہے، یہ صرف حوصلہ افزائی تھی ورنہ من دانم کہ من آنم۔ ۵ شعروں پر صاد کیا ہے ورنہ استاد اور صاد؟ توبہ توبہ۔''

حضرت بے خود نے کلام یکتا کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے گو صحیح ہے مگر تلمیذانہ کسر نفسی کی وجہ سے اس کو حوصلہ افزائی سے تعبیر فرماتے ہیں۔ حالاں کہ تحت الشعور میں یہی احساس برتری تھا جس نے یکتا مرحوم سے یہ شعر کہلوایا تھا ؎

کہتے ہیں اہل سخن، یکتا ہے یکتائے جہاں
دیکھئے سن کر غزل فرماتے ہیں استاد کیا؟

حضرت یکتا کو اپنے استاد حضرت بے خود سے کمال عقیدت و محبت تھی جو حیثیت شاگرد ہونی چاہئے اور جو افسوس اب عنقا ہوتی جا رہی ہے۔ حضرت یکتا نے اپنے مکاتیب میں اس محبت و عقیدت کا اظہار کیا ہے مثلاً اپنی صاحب زادی شاہ جہاں بیگم فیضی کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

حضرت بے خود صاحب قبلہ کا خط کل آیا تھا، کیا خط ہے اور کیا غزل، سبحان اللہ، سبحان اللہ!

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب!
ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

''استاد کی تحریر نصیب نہیں ہوتی، تم سب کی دل چسپی کے خیال سے وہ خط بھیج رہا ہوں مگر اس شرط پر کہ فوراً واپس کر دو، اس قسم کے خطوط اگر تمہاری غفلت کے باعث تلف ہو جائیں تو ناقابل تلافی نقصان اور تکلیف مجھ کو ہوتی ہے تم کو تو احساس بھی نہ ہوتا ہوگا۔''[1]

(محررہ ۲۵ فروری ۱۹۴۱ء)

---

[1] قومی زبان، کراچی، اپریل ۱۹۶۹ء، ص ۷۹۔۸۰، یکتا دہلوی از پروفیسر مسعود احمد

تنقید و تبصرہ :

ڈاکٹر مسعود احمد نے ادبی و علمی تنقید و تبصرہ نیز شخصیات کی جائزہ نگاری کا بھی فریضہ انجام دیا ہے- نمونہ کے طور پر چند اقتباسات پیش کر رہا ہوں جس سے ان کی تنقید نگاری کا پورا نقشہ ابھر کر سامنے آتا ہے ذیل میں اقتباس ملاحظہ فرمائیں-

> امام احمد رضا کی شخصیت کا ہر پہلو ایک تحقیقی مقالے کا مقتضی ہے شخص واحد کے بس کی بات نہیں کہ وہ ایک کتاب میں تمام پہلو سمیٹ لے- ایسی ہمہ گیر شخصیت کم از کم چودھویں صدی ہجری میں عالم اسلام میں نظر نہیں آتی- فکر و نظر اور علم و دانش میں وہ اپنے معاصرین پر بھاری نظر آتے ہیں- یہ حقائق دس سال تحقیق کے بعد معلوم ہوئے ورنہ خود راقم بھی بے خبر تھا[۲]-

الغرض معاندین کے الفاظ میں جس کو زیر زمین دفن کر دیا گیا تھا وہ پھر زندہ ہو گیا- خوب کہا ہے اور خود کہا ہے-

بے نشانوں کا نشان مٹتا نہیں
مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

بے شک عاشق مرا نہیں کرتے وہ شہید ہو کر بھی زندہ رہتے ہیں بلکہ ان کی موت زندہ انسانوں کے لئے باعث رشک ہو جاتی ہے۔

قسمت نگر کہ کشتۂ شمشیر عشق یافت
مرگے کہ زندگاں بدعا آرزو کنند

عرض یہ کر رہا تھا کہ دفن کرنے والے دفن کر چکے تھے- جدید علمی حلقوں اور دانش گاہوں میں اس کا نام لینا جرم ٹھہرا لیکن پھر وہی علمی حلقے دانش کدے اس کے ذکر و افکار سے گونجنے لگے- ۷۰ برس کے بعد پھر ایک مہم چلائی گئی ۱۹۷۰ء میں راقم نے ترک موالات سے متعلق امام احمد رضا کے محققانہ رسالہ المحجة المؤتمنہ فی آیة الممتحنہ کی روشنی میں ایک مقالہ قلمبند کیا- جو ۱۹۷۱ء میں مرکزی مجلس رضا لاہور نے شائع کیا- اس مقالے میں تاریخی پس منظر پیش کرتے ہوئے ضمناً سید احمد بریلوی کا ذکر آ گیا- جس سے یہ تأثر ملتا تھا کہ سید صاحب کی جدو جہد سے اور تو کچھ ہوا یا نہیں- انگریزوں کو ضرور فائدہ پہنچا یہ تأثر اس عام تأثر کے خلاف تھا جو بعض محققین،

۱- برہان دہلی، ص ۵۴ شمارہ جولائی ۱۹۶۰ء

۲- مسعود ملت اور رضویات، ص ۱۴۵، از مولانا عبد الستار طاہر

مؤرخین نے غلط بیانیوں کے ذریعے برسوں کی محنت کے بعد قائم کیا تھابہر حال راقم کے مقالے میں فاضل بریلوی اور ترک موالات کا شائع ہونا تھا کہ غیض وغضب کی لہر دوڑ گئی یونہ تسلیم شدہ حقائق تار عنکبوت کی طرح بکھرنے لگے ایک یونیورسٹی کے شیخ الفقہ نے اپنی نجی محفل میں راقم سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا "میں فلاں پبلشر سے کہوں گا کہ پروفیسر مسعود کی کتابیں نہ چھاپا کرو" دوسری یونیورسٹی کے صدر شعبہ تاریخ بھی ناراض ہو گئے اور دیرینہ دوستی بھی ختم کر دی راقم نے عرض کیا۔ "تاریخی حقائق عقائد نہیں ہوتے۔ آپ میری بات غلط ثابت کر دیں میں اپنی بات کاٹ کر آپ کی بات لکھ دوں گا۔ کوئی لڑائی جھگڑا نہیں یہ تو تحقیق و ریسرچ ہے۔ جو بات ثابت ہو گئی وہی لکھی جائے گی۔" پھر خدا کی شان کہ مولوی حسین احمد دیوبندی کی کتاب الشہاب الثاقب میں بات مل گئی کہ جب سید صاحب صوبۂ سرحد میں اپنی کاروائیوں میں مصروف تھے تو انگریز اسلحہ سے ان کی مدد کر رہے تھے۔ چنانچہ مقالے کے دوسرے ایڈیشن میں یہ حوالہ پیش کر دیا گیا اور معترضین خاموش ہو گئے۔ تاریخ میں غلط بیانی یا دھونس سے کسی بات کو منوانے کی گنجائش نہیں، لیڈن یونیورسٹی کے کہنہ سال مستشرق پروفیسر ڈاکٹر جے ایم ایس بلیان نے راقم سے اس مؤقف کی تائید کی کہ سید صاحب نے انگریزوں کے خلاف کوئی جدوجہد نہیں کی۔

اسی طرح سے ڈاکٹر صاحب کتاب "البریلویہ" پر تنقید کرتے ہوئے ذہن و فکر کی جولانی صفحہ قرطاس پر اتارتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> "البریلویہ کے نام سے عربی میں ایک کتاب لکھوائی جس کو "جھوٹ کا پلندہ" کہا جائے تو بجا ہے۔ اس میں امام احمد رضا کی جی بھر کر کردار کشی کی گئی ہے جس زمانے میں یہ شائع ہوئی اسی زمانے میں راقم سیرت کانفرنس میں شرکت کے لئے اسلام آباد گیا وہاں اسمبلی ہال میں محترم جسٹس مفتی سید شجاعت علی قادری سے ملاقات ہو گئی وہ اپنے ساتھ دولت کدہ پر لے گئے وہاں اس کتاب کا ذکر نکل آیا۔ مفتی صاحب سے جب یہ کتاب طلب کی تو انہوں نے لا کر دکھائی اس کی تقدیم شیخ عطیہ سالم نے لکھی ہے جس میں انھوں نے البریلویہ کی ساری مندرجات کی تصدیق فرمائی ہے اس میں بعض الزامات چونکا دینے والے تھے۔ تفصیل آگے آتی ہے کتاب کو ذرا آگے سے دیکھا تو ایک جگہ لکھا تھا کہ "امام احمد رضا کی صورت کالی تھی اور حوالے میں راقم کی کتاب "فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں" کا نام ہی نہیں بلکہ صفحہ بھی تھا پڑھ کر حیران رہ گیا۔" ع

"چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد"

ہاں تو جب البریلویہ پر نظر ڈالی تو امام احمد رضا کے متعلق یہ انکشافات سامنے آئے کہ امام احمد رضا کا رشتۂ فکر ایک طرف مرزا غلام احمد قادیانی سے ملتا ہے تو دوسری طرف شیعہ حضرات سے گویا اہلسنت سے ان کا کوئی تعلق ہی نہیں- یا ہے تو برائے نام، راقم کے لئے یہ دریافت بالکل نئی تھی کیونکہ پندرہ سال امام احمد رضا پر ریسرچ کرنے کے باوجود یہ پہلو سامنے نہ آیا- بلکہ راقم کے علم میں تو یہ تھا کہ امام احمد رضا نے قادیانیوں اور شیعوں کے خلاف رسالے لکھے تھے- چنانچہ یہ خیال کرتے ہوئے کہ شاید تقدیم نگار شیخ عطیہ سالم نے غلط فہمی کی بناء پر البریلویہ کے گمراہ کن مندرجات کی تصدیق کر دی ہے- دلائل و شواہد کے ساتھ ان کو خط لکھا گیا مگر انہوں نے راقم کے خط کا جواب عنایت نہیں فرمایا جس سے اندازہ ہوا کہ یا تو اس نام کا کوئی عالم نہیں اور اگر ہے تو وہ اس سازش میں شریک ہے[1]-

اس طرح کی بہت سی تنقیدات و تبصرہ جات ہیں جو بہت سے رسائل اور ماہنامے اور کتابوں کے اوراق میں جا بجا نظر آتے ہیں-

تقدیم نگاری:

تقدیم نگاری میں بھی ڈاکٹر مسعود احمد کا کوئی جواب نہیں وہ کتاب کی تقدیم اس انداز سے لکھتے ہیں کہ گویا کتاب کا ماحصل تقدیم میں موجود رہتا ہے- یہی وجہ ہے مصنّفین و مؤلفین حضرات آپ سے اپنی اپنی کتابوں پر مقدمہ یا تقدیم لکھوانا اپنے لئے باعث فخر تصور کرتے ہیں آپ نے بے شمار کتابوں پر اپنی تقدیم نگاری کا فن واضح کیا ہے- ذیل میں ہم موصوف کے مقدمات و تقدیمات کے چند نمونے پیش کریں گے اس کے بعد ان کتابوں کی فہرست پیش کریں گے جو میرے علم میں آئیں :-

---

۱- آئینہ رضویات، دوم، ص ۲۹۴-۲۹۵، از ڈاکٹر مسعود احمد

ڈاکٹر محمد اقبال اور مرزا غلام احمد قادیانی

ختم نبوت ——— ایک تاثر

قانون الٰہی ہے کہ بلا ضرورت کوئی چیز نہیں بھیجی جاتی 'جس کی ضرورت ہوتی ہے بھیجی جاتی ہے۔ نوع انسانی کو ہدایت کیلئے جب رسولوں اور نبیوں کی ضرورت ہوئی بھیجے گئے اور پچھلے رسولوں اور نبیوں کے احوال واقوال واعمال اوجھل کر دیئے گئے کہ وہ اسی دور کیلئے تھے۔ جب زمانے کو محمد رسول ﷺ کی ضرورت ہوئی بھیجدیئے گئے۔ آپ کے احوال واقوال واعمال کو زندہ رکھا گیا کہ ان میں زندگی تھی اور زندگی ہے 'وہ سارے زمانے کیلئے کافی تھے اور کافی ہیں۔ یہ زندہ رکھنا خود بتا رہا ہے کہ اب کوئی آنے والا نہیں آئے گا۔ عقل کے اطمینان کیلئے یہ بات کافی ہے اور دل کو بھی اس سے چین آجاتا ہے۔

حضور ﷺ کا آنا سب نبیوں اور رسولوں کے علم میں تھا اور ان کے ذریعہ ان کے امتیوں کو علم ہوا۔ حضور ﷺ کا خاتم النبیین ہونا سب نبیوں اور رسولوں کے علم میں تھا اور ان کے ذریعہ ان کے امتیوں کو علم ہوا' آپ کے آنے سے پہلے آپ کا اتنا چرچا ہوا کہ آپ سب کیلئے جانے پہچانے ہو گئے 'قرآن حکیم اس کی تصدیق کرتا ہے 'کسی نبی کو کسی نے اس طرح نہ جانا 'پہچانا 'کسی کیلئے تعارف کا یہ اہتمام نہ ہوا' کچھ تو ہے جو یہ اہتمام کیا گیا ہے۔

حضور ﷺ کی سیرت پاک محفوظ کر دی گئی، اک اک ادا محفوظ کر دی گئی، یہ سیرت پاک دن بدن اوجھل نہیں' روشن ہوتی چلی جاتی ہے' زمانے کے ساتھ ساتھ اس کے سربستہ راز کھلتے چلے جاتے ہیں' اور چمکتی چلی جاتی ہے' حیرت بڑھتی چلی جاتی ہے'۔

آپ ﷺ کی سیرت پاک جس طرح پہلے مؤثر تھی آج بھی اسی طرح مؤثر ہے' ہم عقل سے

کام نہ لیں تو ہمارا قصور ہے۔ کسی کی ضرورت جب ہوتی ہے جب کوئی نہیں ہوتا، حضور ﷺ ہمارے سامنے نہ ہوتے ہوئے بھی ہمارے سامنے موجود ہیں 'اپنے احوال سے اپنے اقوال سے 'اپنے اعمال سے ---- پھر کسی کی کیا ضرورت ؟ ---- قرآن کی صورت میں ہم سیرت مصطفیٰ ﷺ دیکھ رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے گتھیاں سلجھادیں 'گرہیں کھول دیں 'زمانے کو سمیٹ کر رکھ دیا اور ہمیشہ کیلئے وہ روشنی عطا فرمائی 'جس کے پیچھے اندھیرا نہیں ---- اگر کسی کا آنا ممکن ہوتا 'ہمیں یہ روشنی نہیں ملتی کیونکہ آنے والے اندھیروں میں آتے ہیں ---- کسی کے آنے کا جواز یہ ہے کہ کوئی نہیں رہا 'جب سب کچھ موجود ہے 'کوئی چیز نہ مٹی اور نہ چھپی بلکہ جو ماضی میں سمجھ میں نہ آتا تھا 'اب سمجھ میں آنے لگا اور جو اب سمجھ میں نہیں آتا وہ مستقبل میں سمجھ میں آنے لگے گا 'تو پھر کسی کی کیا ضرورت رہ گئی ؟ ---- پچھلے نبیوں اور رسولوں کے نام ہی رہ گئے 'نہ سیرت نہ اقوال 'نہ اعمال 'جو ہیں وہ شک سے خالی نہیں 'لیکن یہاں یقین ہی یقین ہے ---- شک ہوتا تو پھر یقین کی طرف سفر کرتے۔ بیشک وہ آنے والا جانے کیلئے نہیں آنے ہی کیلئے آیا تھا ----

سچا مذہب لینے دینے سے نہیں پھیلتا 'سچائی کو پھیلانے کیلئے لینے دینے کی ضرورت نہیں، وہ خود خود پھیلتی چلی جاتی ہے۔ ہاں جھوٹے مذہب کو جھوٹے سہاروں کی ضرورت ہے۔ زر کی ضرورت ہے 'زن کی ضرورت ہے 'زمین کی ضرورت ہے 'یہی اس کی پہچان ہے۔ ہر اسلام دشمن اس کا دوست ہوتا ہے۔ جھوٹے مذہب اور جھوٹی تحریکیں عالمی سیاست کی ضرورت ہیں۔ وہ نئے نئے حربے تلاش کرتی رہتی ہے اور نئے نئے کعبے بناتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عقل اس لئے دی ہے کہ ہم ہوش سے کام لیں ' عقل ہوتے ہوئے دیوانے نہ بن جائیں اور اپنی دولت خود اپنے ہاتھوں نہ لٹا بیٹھیں۔ وما علینا الا البلاغ ۔

۲۸ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ — احقر : محمد مسعود احمد

۷ اکتوبر ۱۹۹۹ء — نزیل لاہور

پاکستان کے وزیرِ مذہبی امور مولانا کوثر نیازی کی کتاب ''امام احمد رضا بریلوی --ایک ہمہ جہت شخصیت'' پر تقدیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

پاکستان کے سابق وزیر مذہبی امور و اقلیتی امور جناب مولانا کوثر نیازی ملک کی جانی پہچانی شخصیت ہیں وہ میدان صحافت اور میدان سیاست کے شہسوار ہیں انہوں نے زمانے کے نشیب، فراز دیکھے ہیں وہ شاعر و ادیب بھی ہیں ۔

شاعر ہستی اللہ اللہ
قلب غنچہ کا آنکھ شبنم کی

امام احمد رضا کے پرکھنے کے لئے ایسے ہی دل کی ضرورت تھی جو سچی بات کو سننے اور سہنے کی صلاحیت رکھتا ہو جو جانبدار اور طرفدار نہ ہو- جو سخت دل سخت جان اور سخت گیر نہ ہو---- جو خدا لگتی کہتا ہو- ع

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

مولانا کوثر نیازی امام احمد رضا کے عقیدت مندوں میں نہیں انہوں نے امام احمد رضا کے بارے میں جو لکھا اپنے ذاتی مطالعے، مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر لکھا ہے- اس لئے ان کے خیالات وقیع معلوم ہوتے ہیں اور امام احمد رضا پر کام کرنے والوں کے لئے رہنما ثابت ہو سکتے ہیں---- مولانا کوثر نیازی مقالے کے آغاز ہی میں یہ چونکا دینے والا فیصلہ فرماتے ہیں- بر صغیر میں یوں تو کئی جامع الصفات شخصیات گزریں ہیں- مگر جب ایک غیر جانبدار مبصر ان سب کا جائزہ لیتا ہے- تو جیسی ہمہ جہت شخصیت امام احمد رضا کی نظر آتی ہے- ویسی کوئی دوسری نظر نہیں آتی- (امام احمد رضا بریلوی ایک ہمہ جہت شخصیت مطبوعہ لاہور ۱۹۹۰ء ص ۴) راقم کے استاد گرامی اور ملک کے مایۂ ناز محقق پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں (صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی) نے بھی امام احمد رضا کے بارے میں اس قسم کے خیالات کا اظہار فرمایا تھا اس میں شک نہیں کہ جس نے امام احمد رضا کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کیا وہ اسی نتیجے پر پہنچے گا ۔

بے مثال کی ہے مثال وہ حسن
خوبئ یار کا جواب کہاں

لیکن یہ ایک المیہ ہے کہ ایسی عظیم شخصیت بدگمانیوں اور الزام تراشیوں کے غبار میں چھپادی گئی تھی اور مزید المیہ یہ کہ یہ کام مخالفت کی بناء پر بعض اہل علم نے جان بوجھ کر کیا بہر حال یہ غبار اب چھٹ گیا ہے اور امام احمد رضا پر ایشیاء، افریقہ، امریکہ اور یورپ کی مختلف یونیورسٹیوں میں کام ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے --- امام احمد رضا پر مخالفین نے بہت سے الزامات لگائے سب سے بڑا الزام یہ تھا کہ امام احمد رضا بریلوی نامی ایک فرقہ کے بانی تھے - مولانا کوثر نیازی اس خیال سے متفق نہیں معلوم ہوتے چنانچہ وہ لکھتے ہیں بدقسمتی سے ہمارے ہاں اکثر لوگ انہیں "بریلوی" ایک فرقے کا بانی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ اپنے مسلک کے اعتبار سے صرف حنفی اور سلفی ہیں ص (٦)-- کولمبیا یونیورسٹی (امریکہ) کی فاضلہ ڈاکٹر اوشا سانیال (جنہوں نے بریلوی تحریک پر ڈاکٹریٹ کیا ہے) سے جب راقم نے یہ کہا کہ "بریلوی فرقہ نہیں ہے" تو وہ چونک گئیں اور حیرت سے منہ تکنے لگیں - جب سمجھایا تو فکر میں پڑ گئیں اصل میں یہ حقیقت آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتی کیونکہ عام تأثر یہی ہے کہ بریلوی ایک فرقہ ہے - جس کے بانی امام رضا تھے ----- بقول ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی، حضرات اہل حدیث نے اہل سنت کو یہ لقب عطا فرمایا تھا - پھر اہل سنت نے اس لقب کو قبول کرتے ہوئے اپنایا اور بریلوی مشہور ہو گئے - حالانکہ ع

مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

مولانا کوثر نیازی نے یہ مقالہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کی سرپرستی میں ۱۴ر ستمبر ۱۹۹۰ء (بروز جمعۃ المبارک) کو تاج محل ہوٹل کراچی میں منعقد ہونے والی امام احمد رضا کانفرنس میں پڑھا تھا جو کانفرنس میں پسند کیا گیا اور سراہا گیا - راقم بھی اس کانفرنس میں شریک تھا اور مولانا سے پہلی مرتبہ اسی کانفرنس میں ملاقات بھی ہوئی - یہ مقالہ بعض اخبارات میں شائع ہو چکا ہے - ادارہ معارف نعمانیہ لاہور نے اسکو کتابی صورت میں شائع کیا ہے اور اب ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی عربی اور انگریزی ترجموں کے ساتھ شائع کر رہا ہے ---- ماضی میں سلف صالحین کی یہی شان تھی - اسی لئے مولانا کوثر نیازی نے امام احمد رضا کو سلفی کہا ہے پھر رفتہ رفتہ گردش دوراں کے مارے اصل سے جدا ہو کر ٹکڑیوں میں بٹ گئے ---- یہ ایک قومی المیہ ہے جس نے ملت اسلامیہ کی ساکھ کو سخت نقصان پہنچایا ہے اب ہر کوئی فکر مند ہے لیکن اس کو نہ تشخیص سے غرض ہے اور نہ تجویز و علاج سے -

رو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھتے تھے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

امام احمد رضا پر دوسرا الزام یہ تھا کہ وہ بدعتی ہیں اور انہوں نے بدعات کو بہت فروغ دیا ہے۔ یہ بات اتنی مشہور کر دی گئی کہ لوگ یقین کرنے لگے۔ حالانکہ معاملہ بالکل برعکس ہے۔ مولانا کوثر نیازی نے اپنے مقالے میں ایسے شواہد پیش کئے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا نے تو بدعات کی سرکوبی کی ہے مولانا حیرت سے کہتے ہیں "کیا ستم ظریفی ہے کہ جو ردبدعات میں شمشیر برہنہ تھا اسے خود حامئ بدعات قرار دیا گیا۔ (ص ۵)..... امام احمد رضا پر تیسرا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ وہ تکفیر مسلم کے عادی تھے۔ جس کو چاہا کافر کہہ دیا۔ حالانکہ یہ بات خلاف حقیقت ہے بلکہ جو حضرات اس قسم کے الزامات لگاتے ہیں ان کے محبوب قائدین کے دامن نہ صرف تکفیر مسلم سے داغدار ہیں بلکہ خون مسلم سے بھی داغدار ہیں یہ ایک خونچکاں حقیقت ہے جس کو چھپایا جاتا ہے۔ اپنی غلطیوں کی پردہ پوشی کا یہ طریقہ نکالا کہ امام احمد رضا کو مورد الزام ٹھہرایا۔ بہر حال اس سلسلے میں مولانا کوثر نیازی نے بڑی دل لگی بات کہہ دی ہے ---- ان کے نزدیک امام احمد رضا کے فتوے تکفیر کا اصل محرک عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تھا اسی لئے جن حضرات کی گستاخی رسول کی بناء پر امام احمد رضا نے تکفیر کی۔ خود انہوں نے ان کے اس جذبے کو سراہا ہے مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے تأثرات و خیالات کو پڑھ کر اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مرتا ہوں اس آواز پر ہر چند سر اڑ جائے
جلاد کو لیکن وہ کہیں جائیں کہ "ہاں اور"

مولانا کوثر نیازی لکھتے ہیں:

وہ فنافی الرسول تھے اس لئے ان کی غیرت عشق احتمال کے درجے میں بھی توہین رسول کا کوئی خفی سے خفی پہلو برداشت کرنے کو تیار نہ تھی۔" (ص ۷)

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

"ادب واحتیاط کی یہی روش امام رضا کی تحریر و تقریر کے ایک ایک لفظ سے عیاں ہے۔" (ص ۸)

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

"مخالفین جس بات کو شاہ احمد رضا کا تشدد کہتے ہیں وہ تشدد نہیں ان کا عشق رسول ہے۔ان کا ادب واحتیاط ہے جو فتویٰ نویسی سے لے کر ترجمہ قرآن تک اور ترجمہ قرآن سے ان کی نعتیہ شاعری تک ہر جگہ آفتاب وماہتاب بن کر ضوفشانی کر رہا ہے۔" (ص ۱۲)

مولانا کوثر نیازی نے جو بات کہی دلیل کے ساتھ کہی ترجمہ قرآن کے سلسلے میں انہوں نے محمود حسن دیوبندی عبدالماجد دریا آبادی اور ابوالاعلیٰ مودودی کے تراجم سے امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن کا تقابل کرتے ہوئے اپنے مؤقف کو ثابت کیا ہے اس کے باوجود بعض اسلامی ممالک میں امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن پر پابندی لگانا اور سلمان رشدی کی گستاخیوں پر خاموشی اختیار کرنا مولانا کے لئے سخت حیران کن ہے وہ حیرت سے پوچھتے ہیں۔

"کیا ستم ہے کہ فرقہ پرور لوگ رشدی کی ہفوات پر تو زبان کھولنے سے اور عالم اسلام کے قدم قدم کوئی کارروائی کرنے میں اس لئے تامل کریں کہ کہیں آقایان ولیٔ نعمت ناراض نہ ہو جائیں مگر امام احمد رضا کے اس ایمان پرور ترجمے پر پابندی لگادیں جو عشق رسول کا خزینہ اور معارف اسلامی کا گنجینہ ہے۔" (ص ۹)......

اصل میں آقایان ولیٔ نعمت گستاخیوں کو پروان چڑھانا چاہتے ہیں تاکہ ملت اسلامیہ کو جسد بے روح بنادیا جائے اسی لئے گستاخان رسول کا آقایان ولیٔ نعمت سے درون خانہ تعلق ومحبت ہے اور سارا الزام امام احمد رضا کے سر تھا۔ مگر اب خلیج کے بحران نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیا ہے---گردش دوراں نے دکھادیا کہ نصاریٰ کے دم ساز امام احمد رضا تھے۔یا امام احمد رضا کے مخالفین اور ان کے ترجمہ قرآن کنزالایمان پر پابندی لگانے والے ع

آفتاب آمد دلیل آفتاب

راقم نے اپنے تحقیقی مقالے گناہ بے گناہی (مطبوعہ لاہور) میں امام احمد رضا پر انگریز نوازی کے الزام کی تاریخی شواہد کی روشنی میں تحقیق کی ہے اس سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ امام احمد رضا کا دامن اس داغ سے بے داغ تھا۔ ہاں ان کے مخالفین کے دامن ضرور داغدار تھے---جب امام احمد رضا نے بعض شرعی وجوہ کی بناء پر ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیا تو ان کے مخالفین نے غل مچایا کیونکہ وہ (مخالفین) اپنے ذاتی مفادات کے لئے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر بے دست وپائی کے باوجود انگریزوں سے جنگ کرانا چاہتے تھے تاکہ مسلمان اور کمزور ہو جائیں اور

انگریزوں کی نظر میں آجائیں امام احمد رضا نے اپنے فتوے سے ان عزائم کو خاک میں ملادیا لیکن یہ بات حیران کن ہے کہ جو حضرات انگریزوں کی حکومت میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے پر مصر تھے، وہ ہندوؤں کی حکومت میں ہندوستان کو دارالسلام کہہ رہے ہیں یہ تضاد دیکھ کر مولانا کوثر نیازی حیران ہیں---- حیرت ہے کہ جو لوگ انگریز کے زمانے میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے پر مصر تھے آج ہندو راج میں اسے دارالحرب قرار دینے کا لفظ بھی منہ سے نہیں نکالتے۔'' (ص ۱۴)

پھر لکھتے ہیں۔

''آج ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے والے مفتیان کرام کے وارث مہر بلب ہیں اور اس طرح اپنے عمل سے امام احمد رضا کے فتوے کی تائید کررہے ہیں۔'' (ص ۱۴)

افسوس ہے کہ بیسویں صدی عیسوی میں مذہب کا استحصال کیا گیا جو اب تک جاری ہے بلکہ اب تو مذہب کے ساتھ ساتھ غربت کا بھی استحصال ہو رہا ہے امام احمد رضا اس استحصال کے خلاف تھے اور زندگی بھر اس کے خلاف نبرد آزما رہے۔ ایسے شخص کو انگریزوں کا حامی و دمساز کہنا کیسی ستم ظریفی ہے۔ امام احمد رضا سیاستداں نہ تھے بلکہ وہ مدبر تھے۔ سیاستداں عوام کا نبض شناس ہوتا ہے اور مدبر زمانے کا نبض شناس۔ سیاستداں کی نظر عوام پر رہتی ہے اور مدبر کی نظر زمانے پر دونوں میں یہی فرق ہے اور یہ بہت بڑا فرق ہے ع

ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

مولانا کوثر نیازی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''سب سے پہلے تو اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ امام احمد رضا پالیٹیشین نہیں، اسٹیٹ مین تھے۔ سیاسی لیڈر نہ تھے مدبر تھے۔ پالیٹیشین اور سیاسی لیڈر عوام کی خواہشات کے تابع ہوتے ہیں جبکہ اسٹیٹمین اور مدبرین پیش بینی کر کے حالات کا رخ متعین کرتے ہیں۔'' (ص ۱۳)

یہی پیش بینی اور دور اندیشی تھی کہ جب محمد علی جناح اور ڈاکٹر اقبال متحدہ قومیت کی بات کر رہے تھے امام احمد رضا نے دو قومی نظریہ کی بات کی ابتداء میں مسلمان سیاسی لیڈروں نے اس کی اہمیت کو نہ سمجھا مگر بعد میں دور اندیش سیاست دان اس طرف آگئے چنانچہ محمد علی جناح اور ڈاکٹر

،جہاں سی دو قومی نظریہ کی طرف مائل ہو گئے بلکہ انہوں نے اس کو اپنا فکری اور سیاسی لائحہ عمل بنالیا۔

مولانا کوثر نیازی اس تاریخی پس منظر پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں......

''انہوں نے متحدہ قومیت کی خلاف اس وقت آواز اٹھائی جب اقبال اور قائدِ اعظم بھی اس کی زلف گرہ گیر کے اسیر تھے۔دیکھا جائے تو دو قومی نظریہ کے عقیدے میں امام احمد رضا مقتداء ہیں اور یہ دونوں مقتدی۔پاکستان کی تحریک کو کبھی فروغ حاصل نہ ہوتا اگر امام احمد رضا سالوں پہلے مسلمانوں کو ہندوؤں کی چالوں سے باخبر نہ کرتے۔'' (ص ۱۵)

''عرصہ ہوا یہ بات راقم نے اپنے ایک انگریزی مقالے میں لکھی تھی جس کا مسودہ مشہور مؤرخ اور ماہرِ تعلیم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم نے مطالعہ فرمایا۔ انہوں نے سوال کیا کہ کن شواہد کی بناء پر کہہ سکتے ہیں کہ محمد علی جناح اور ڈاکٹر اقبال دو قومی نظریہ کے سلسلے میں امام احمد رضا سے متاثر تھے'' راقم نے یہی جواب دیا کہ جب ہندوستان میں متحدہ قومیت کی بات ہو رہی تھی اس وقت امام احمد رضا دو قومی نظریئے کی بات کر رہے تھے جس کا بر صغیر کے طول و عرض میں چرچا ہوا اس لئے دونوں حضرات کا ان سے متاثر ہونا بدیہی امر ہے جس کے لئے شواہد کی ضرورت نہیں۔ پھر یہ دونوں امام احمد رضا کے معاصرین میں سے تھے مولانا کوثر نیازی نے صحیح فرمایا ہماری قوم بدقسمتی سے انتہا پسند واقع ہوئی ہے'' (ص ۱۵)

تحریکِ خلافت ، تحریکِ ترکِ موالات ، تحریکِ ترکِ حیوانات ، تحریک کھدر ، تحریکِ ہجرت وغیرہ میں انتہا پسندی نظر آتی ہے۔ امام احمد رضا سیاسی امور میں ہوشمندی اور اعتدال پسندی کے قائل تھے ، خصوصاً جبکہ ایک عیار اور چالاک طاقتور دشمن سے پالا پڑے افسوس یہ ہے کہ سیاسی ہنگامہ آرائی میں ملی۔شعور مدبروں کے ہاتھ سے نکل کر سیاستدانوں کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے پھر وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ مولانا کوثر نیازی امام احمد رضا کے تدبر پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ایسے میں مخالفتوں اور الزام تراشیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسلک اعتدال پر قائم رہنا اور دو قومی نظریہ کے فروغ کے لئے مدبرانہ دوستی کی سیاست پر

اقبال بھی دو قومی نظریہ کی طرف مائل ہو گئے بلکہ انہوں نے اس کو اپنا فکری اور سیاسی اثاثہ عمل بنا لیا۔

مولانا کوثر نیازی اس تاریخی پس منظر پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''انہوں نے متحدہ قومیت کی خلاف اس وقت آواز اٹھائی جب اقبال اور قائد اعظم بھی اس کی زلف گرہ گیر کے اسیر تھے۔ دیکھا جائے تو دو قومی نظریہ کے عقیدے میں امام احمد رضا مقتداء ہیں اور یہ دونوں مقتدی۔ پاکستان کی تحریک کو کبھی فروغ حاصل نہ ہوتا اگر امام احمد رضا سالوں پہلے مسلمانوں کو ہندوؤں کی چالوں سے باخبر نہ کرتے۔'' (ص ۱۵)

''عرصہ ہوا یہ بات راقم نے اپنے ایک انگریزی مقالے میں لکھی تھی جس کا مسودہ مشہور مؤرخ اور ماہر تعلیم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم نے مطالعہ فرمایا۔ انہوں نے سوال کیا کہ کن شواہد کی بناء پر کہہ سکتے ہیں کہ محمد علی جناح اور علامہ اقبال دو قومی نظریہ کے سلسلے میں امام احمد رضا سے متاثر تھے'' راقم نے یہی جواب دیا کہ جب ہندوستان میں متحدہ قومیت کی بات ہو رہی تھی اس وقت امام احمد رضا دو قومی نظریئے کی بات کر رہے تھے جس کا بر صغیر کے طول و عرض میں چرچا ہوا اس لئے دونوں حضرات کا ان سے متاثر ہونا بدیہی امر ہے جس کے لئے شواہد کی ضرورت نہیں۔ پھر یہ دونوں امام احمد رضا کے معاصرین میں سے تھے مولانا کوثر نیازی نے صحیح فرمایا ہماری قوم بد قسمتی سے انتہا پسند واقع ہوئی ہے'' (ص ۱۵)

تحریکِ خلافت، تحریکِ ترکِ موالات، تحریکِ ترکِ حیوانات، تحریک کھدر، تحریک ہجرت وغیرہ میں انتہا پسندی نظر آتی ہے۔ امام احمد رضا سیاسی امور میں ہوشمندی اور اعتدال پسندی کے قائل تھے، خصوصاً جبکہ ایک عیار اور چالاک طاقتور دشمن سے پالا پڑے افسوس یہ ہے کہ سیاسی ہنگامہ آرائی میں ملی۔ شعور مدبروں کے ہاتھ سے نکل کر سیاستدانوں کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے پھر وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ مولانا کوثر نیازی امام احمد رضا کے تدبر پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ایسے میں مخالفتوں اور الزام تراشیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسلک اعتدال پر قائم رہنا اور دو قومی نظریہ کے فروغ کے لئے مدبرانہ دوستی کی سیاست پر

کاربند رہنا امام احمد رضا جیسے آہنی اعصاب رکھنے والے انسان ہی کا کام تھا، رہا یہ کہنا کہ ان کے اقدامات انگریز نوازی پر مبنی تھے۔ تو یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جو یا تو امام احمد رضا کے مسلک کو سرے سے جانتا ہی نہ ہو یا جانتا ہو مگر جان کر نہ ماننا چاہتا ہو" (ص ۱٦)

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا کو سیاسی امور میں یہ بصیرت واستقامت عشق رسول ﷺ کے طفیل نصیب ہوئی تھی ان کا مسلک مسلکِ عشق و محبت تھا۔ وہ مصطفٰے ﷺ کے فدائی تھے۔ وہ اسلام کے شیدائی تھے۔ ان کا عشق رسول اس اسلام سے عیاں ہے جس کی گونج مشرق و مغرب میں سنی جارہی ہے مولانا کوثر نیازی اس اسلام کے لئے لکھتے ہیں،

"بلا خوف و تردید کہتا ہوں کہ تمام زمانوں کا پورا نعتیہ کلام ایک طرف اور شاہ احمد رضا کا سلام (مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام) ایک طرف۔ دونوں کو ترازو میں رکھا جائے تو احمد رضا کے سلام کا پلڑا پھر بھی جھکا رہے گا" (ص ۱۱)

پھر لکھتے ہیں،

مجھے افسوس ہے کہ اہلِ قلم نے اس جانب توجہ نہیں دی ورنہ اس کے ایک ایک شعر کی تشریح میں کئی کئی کتابیں لکھی جاسکتی ہیں" (ص ۱۱)

عشقِ رسول ﷺ ہی کی وجہ سے امام احمد رضا کی شاعری اتنی بلند اور باوقار ہے کہ آج دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں اس پر کام ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے۔ مثلاً پنجاب یونیورسٹی (لاہور)، عثمانیہ یونیورسٹی (حیدر آباد دکن)، کلکتہ یونیورسٹی (کلکتہ) اور برمنگھم یونیورسٹی (یو۔کے) وغیرہ اور شاعری پر مقالات و مضامین تو بکثرت شائع ہو چکے ہیں۔ امام احمد رضا کے عشقِ رسول (ﷺ) کو دیکھ کر وہ حدیث یاد آتی ہے جس میں حضور انور ﷺ نے آخری زمانے کے ان عشاق کے متعلق یہ پیشین گوئی فرمائی ہے۔ میری امت میں سب سے بڑھ کر مجھ سے محبت رکھنے والے وہ بھی ہوں گے جو یہ تمنا کریں گے کہ کاش اپنا مال اور کنبہ قربان کر کے اپنے رسول کو دیکھ لیتے۔ (مشکٰوۃ شریف) اس حدیث مبارکہ کو پڑھ کر امام احمد رضا کے یہ الفاظ یاد آتے ہیں جو انہوں نے گستاخانِ رسول کے جواب میں کہے ہیں،

"محمد رسول اللہ ﷺ کی گستاخی سے باز رہنا اس شرط پر مشروط ہے کہ اس بندۂ خدا کے ساتھ اس کے باپ دادا اکابر علماء قدست اسرارھم کو بھی گالیاں دیں تو ایں ہم برعلم، خوشا نصیب اس کا کہ اس کی آبرو، اس کے آباؤ اجداد کی آبرو، بدگویوں کی

زبانوں سے محمد رسول اللہ ﷺ کی آبرو کے لئے سپر ہو جائے۔ (حسام الحرمین لاہور) ص ۵۱-۵۲۔"

کسی عارف کامل نے کیا خوب کہا ہے ؎

در خیال حضرتِ جانان زخود بیزار باش
بے خبر از خویش باش باخبر از یار باش

المختصر مولانا کوثر نیازی کا یہ مقالہ اہلِ دانش کو دعوتِ فکر دیتا ہے۔ امام احمد رضا کی شخصیت و پرکھنے کا سلیقہ بتاتا ہے اور امام احمد رضا کے فکر و خیال کے مختلف گوشوں کو روشن کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ اتحاد و اتفاق کی یہی ایک صورت نظر آتی ہے۔

عطا اسلاف کا جذب دروں کر
شریکِ زمرۂ لایحزنوا کر
(آمین)

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج اینڈ پوسٹ گریجویٹ
سٹڈیز سینٹر، شکارپور روڈ، سکھر (سندھ)[1]

۲۱ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ
۱۰ نومبر ۱۹۹۰ء

علامہ سید محمد امین نقشبندی کی کتاب 'البرھان' پر تقریظ :

معجزات کی باتیں عجیب و غریب معلوم ہوتی ہیں مگر یہ ان کی باتیں ہیں جن کے صدقے میں یہ عجیب و غریب زندگی ملی --- جن کے صدقے میں وہ کچھ ملا ہے اور وہ کچھ ملے گا جو عجیب سے عجیب تر ہوگا۔ انشاء اللہ !

"معجزہ" خرق عادت اور قاعدۂ علت و معلول کی شکست کا نام ہے جس کا ظہور اللہ کے کسی

۱۔ آئینہ رضویات دوم، ص ۱۲۳ تا ۱۳۳، از ڈاکٹر مسعود احمد۔

رسول سے ہو---- حقیقی علت تو خدا کی قدرت وارادہ ہے، اسباب وعلل اس کی مشیت کے تابع ہیں----جس سمندر کے پانی سے آگ بجھائی جاسکتی ہے قیامت کے دن وہ آگ کی طرح بھڑکنے لگے گا---- معجزہ ایک طرف اللہ کے وجود کی دلیل ہے تو دوسری طرف اللہ کے محبوب ﷺ کی عظمت کی دلیل ہے-- یہ ان لوگوں کے لئے حجت قاطع ہے جو دنیا کو علت و معلول کا پابند سمجھتے ہیں---- زمانے کا سمٹ جانا اور احکام میں سما جانا یہ بھی خرق عادت ہے-- قرآن حکیم اور احادیث نبویہ میں زمانے سمٹے ہوئے ہیں--ایک ایک حکم معجزہ، سبحان اللہ!--- یہ انتہادرجہ کی نادانی ہے کہ عطائے ربانی کے مقابلے انسان عقلِ بے مایہ کی بات کرے- پیدل سوار کا مقابلہ نہیں کر سکتا---اس لئے ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا:

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں راہبر ہو ظن و تخمیں تو زبوں کار حیات
فکر بے نور ترا جذب عمل بے بنیاد سخت مشکل ہے کہ روشن ہو شبِ تارِ حیات
خوب و نا خوب عمل کی ہو گرہ وا کیوں کر گر حیات آپ نہ ہو شارحِ اسرارِ حیات

معجزات کا ثبوت ذاتی مشاہدہ کرنے والوں کی شہادت سے ہوتا ہے-- سحر اور معجزے میں زمین آسمان کا فرق ہے، سحر موہوم ہوتا ہے اور معجزہ موجود، اسی لئے فرعون کے جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے کیونکہ جو کچھ انہوں نے دکھایا تھا وہ موہوم تھا اور جو کچھ آپ نے دکھایا وہ موجود تھے---- جس درجہ کا واقعہ ہوتا ہے اسی درجہ کی شہادت ہونی چاہئے مگر معجزات پر روایت کے یہ اصول لاگو نہیں ہوتے کہ واقعہ عقل کے خلاف نہ ہو، اصول مسلمہ کے خلاف نہ ہو، محسوسات و مشاھدات کے خلاف نہ ہو---- معجزہ تو ہوتا ہی ہے عقل کے خلاف، اصول مسلمہ کے خلاف اور محسوسات و مشاہدات کے خلاف---- معجزہ جب سمجھ میں آتا ہے جب دل، دماغ کا ساتھ دیتا ہے، خالی دماغ سے کچھ نہیں ہوتا، ہماری یونیورسٹیاں اور علمی ادارے دل سے خالی اور دماغ سے عاری ہیں، دماغ وہی دماغ ہے جو دل کا رفیق ہو ورنہ وہ گوشت کا ایک پیچ در پیچ لوتھڑا ہے-- گو وہ بھی بہت کام کا ہے، یہ بھی اس کریم کا کرم ہے-

ڈاکٹر اقبال نے ''دانش نورانی'' کا ذکر کیا ہے، بے شک ''دانش نورانی'' فضل الٰہی ہے---- ایک علم حاصل کیا جاتا ہے، ایک علم عطا کیا جاتا ہے----ایک قدرت حاصل کی جاتی ہے، ایک قدرت عطا کی جاتی ہے---- عطا کی بات ہی کچھ اور ہے جس کا قرآن حکیم میں کئی مقامات پر ذکر آیا ہے- یہ برگزیدہ محبوب بندوں کے لئے مخصوص ہے---- جس طرح جہل کے مقابلے میں علم

ہے- اسی طرح علم کے مقابلے میں علم لدنی ہے---- اور وحی کی کیا بات جو بات کی جائے گی وہ عقل کے دائرے میں ہوگی اور عقل کے دائرے میں رہ کر کی جائے گی اور وحی ہمارے علم کے دائرے سے وراء اور وراء الوراء ہے، یہی حال اس قدرت و طاقت کا ہے جو وہ قادر مطلق اپنے محبوبوں کو عطا فرماتا ہے-

قرآن حکیم میں انبیا علیہم السلام کے معجزات کا جابجا ذکر ہے- مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کشتہ و مردہ پرندوں کو بُلانا اور ان کا اڑتے ہوئے آنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا مارنا، چشمے پھوٹ نکلنا، دریائے نیل میں راستہ بن جانا، اور عصا پھینکنا، اژدھا بن جانا، حضرت ایوب علیہ السلام کا زمین پر پیر مارنا اور چشمہ بہہ نکلنا، حضرت سلیمان علیہ السلام کا پرندوں کی بولیاں سمجھنا، ہواؤں پہ حکومت کرنا، حضرت مریم علیہ السلام کے لئے درخت کا تناور ہونا، پکی ہوئی کھجوریں جھڑنا، حضرت علی علیہ السلام کا پالنے میں بولنا، مردوں کو زندہ کرنا، مبروص کو شفادینا، مٹی کے پرندوں پہ پھونک مارنا اور ان کا زندہ ہو کر اڑ جانا--- قرآن حکیم میں بیسیوں معجزات کا ذکر ہے اور حضور ﷺ کے معجزات کا تو کوئی حدود شمار نہیں- "البرھان" میں معجزات کی بہار دیکھی جاسکتی ہے- مگر جن و عقل نے ڈسا ہے اور جن کے رگ وریشہ میں عقل کا زہر پھیل چکا ہے وہ معجزات پہ یقین نہیں کرتے، وہ کتاب جس کی شان وامتیاز "لاریب فیه" ہے اس کی بات بھی نہیں مانتے :-

و ان یروا ایة یعرضوا و یقولوا سحر مستمر ○ (القمر :۱)

مگر جن کے مشاہدے میں خوارق آچکے ہیں (جو علت و معلول کے دستور سے بہت بلند ہیں) یا جو ایمان و ایقان کی دولت سے سرفراز ہیں وہ معجزات پر یقین رکھتے ہیں، شک ان کو ہے جو یقین کی دولت سے محروم ہیں اور ایسے محیر العقول مشاہدات سے نہیں گزرے، تو ان کو سچوں سے سن کر یقین آجانا چاہئے کیونکہ ہمارے یقین کا بڑا حصہ سماعی ہے، ساری دنیا کو کسی نے نہیں دیکھا، سن سن کر ایک ایک بات کا ایسا یقین آگیا جیسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو--اصل میں مغربی ساحروں نے اسلام کی سچی باتوں میں شکوک وشبہات پیدا کئے اور اپنی جھوٹی باتیں سچ کر دکھانے کی کوشش کی---- اب جھوٹ کو جھوٹ ثابت کرنے کا وقت آگیا ہے کیونکہ کائنات کے بہت سے راز افشا ہو چکے ہیں - حقیقت تو یہ ہے کہ معجزات نبوی کی شہادت اس قدر بلند ہے کہ عہدِ جدید کی کوئی تاریخی روایت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی-

ارض و سماوات، آفتاب و ماہتاب ان کے غلاموں کے لئے مسخر کئے گئے، قرآن حکیم شاہد

ہے---- تو پھر ان غلاموں کے آقا کے اقتدار و اختیار کا کیا عالم ہوگا!---- تصرفات محمد یہ سارے جہانوں میں جاری و ساری ہیں---- عالم معانی، عالم اعیان یعنی عالم ملائکہ، عالم انسان، عالم جنات، عالم علوی، عالم بسائط، عالم حیوانات، عالم نباتات، عالم جمادات وغیرہ---- فاضل مؤلف علامہ سید محمد امین مد ظلہ العالی نے ہر عالم سے متعلق معجزات جمع کر کے ایک گلدستہ "البرھان" کے عنوان سے سجایا ہے---- موصوف صاحب شریعت و طریقت ہیں، آپ کی روحانی نسبت بہت بلند ہے، متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، پیشِ نظر تالیف ۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۳ء / ۱۴۱۵ھ / ۱۹۹۴ء میں مکمل فرمائی---- آپ نے محبوبانِ بارگاہِ ایزدی علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کی تصنیف خصائص الکبریٰ اور علامہ یوسف نبہانی علیہ الرحمہ کی تصنیف حجۃ اللہ علی العلمین سے معجزات جمع کر کے یہ حسین مجموعہ مرتب فرمایا- پھر آپ کے صاحبزادے محمد سعید احمد اسعد اور مولانا غلام مصطفیٰ شاکر زید مجدھم نے نہایت جانکاہی اور عرق ریزی سے مندرجہ بالا دونوں کتابوں میں مندرجہ حوالوں کی تحقیق و تخریج کی اور "البرہان" کا تحقیقی پایہ بلند کیا تاکہ کوئی وسوسہ ڈالنے والا وسوسہ نہ ڈال سکے---- ہمارے معاشرے میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو "یوسوس فی صدور الناس" کے مصداق بنے ہوئے ہیں---- یہ کتاب عالم خواب میں رب کریم اور اس کے حبیب کریم ﷺ کے حضور پیش ہو کر مقبول و محمود ہو چکی ہے جیسا کہ "بشارات" سے اندازہ ہوتا ہے---- اس میں شک نہیں حضور ﷺ کے معجزات جمع کرنا بڑی سعادت کی بات ہے فاضل مؤلف مد ظلہ العالی یقیناً قابل مبارکباد ہیں---- سچ تو یہ ہے کہ محبوب رب کریم ﷺ جس کو اپنا بنالیتے ہیں اس کو اپنی یاد میں مصروف کر دیتے ہیں اور اپنی باتوں میں لگا دیتے ہیں---- مبارک ہے وہ دل جس میں ان کی یاد بسی ہو!---- مبارک ہے وہ زبان جو ان کے ذکر میں مصروف ہو!---- مبارک ہیں وہ ہاتھ پیر جو اُن کے کام میں لگے ہوں!----

فاضل مؤلف علامہ محمد امین دامت برکاتہم العالیہ نے اس کتاب کو ۹ ابواب پر تقسیم کیا ہے، آخر میں چند نصیحتیں تحریر فرمائی ہیں- فہرس قدیم دستور کے مطابق آخر میں دی گئی ہے، یہ ابتداء میں ہونی چاہئے البتہ جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے حروف تہجی کے لحاظ سے ان کو فہرس میں آخر میں ہونا چاہئے---- کتاب کی جلد بہت ہی خوبصورت ہے، کاغذ بھی اچھا ہے، کتابت بھی اچھی خاصی ہے اور اس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ کمزور بینائی والے قارئین کرام بھی اس کو آسانی سے پڑھ سکتے ہیں- مولیٰ تعالیٰ فاضل مؤلف مد ظلہ العالی اور علامہ محمد سعید احمد، مولانا غلام مصطفیٰ شاکر اور تمام معاونین کو اجر عظیم عطا فرمائے اور کتاب "البرہان" کو مقبول و مشکور فرمائے- آمین! اور ہم سب کو اس کے برکات سے مستفیض فرمائے ثم آمین!

یوم جمعۃ المبارک — احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

۲۴ شوال المکرم ۱۴۱۹ھ / ۱۲ر فروری ۱۹۹۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ محمد شریف الحق امجدی کی "اشرف السیر" پر تاثرات

(تقریظ اشرف السیر از مفتی محمد شریف الحق امجدی)

آپ کی صورت پاک! جس کا جمال دیکھتے ہوئے بھی کسی نے نہ دیکھا آپ کی سیرت پاک! جس جیسا پیدا ہی نہ ہوا اور نہ پیدا ہوگا---- اس عظمت و جلالت کے باوجود آپ نے رہنے کے لئے ایک چھوٹا سا حجرہ منتخب فرمایا، پہننے کے لئے سادہ کپڑے کا ایک جوڑا، کھانے کے لئے جو کا آٹا یا کھجور اور جدوجہد کے لئے سارے عالم کو منتخب فرمایا---- جس کا سیرت نگار آپ کا پروردگار---- تیرہ سال جاں سپاری، دس سال جاں بازی---- وہ بھی اللہ کے لئے، یہ بھی اللہ کے لئے، اپنے لئے کچھ نہیں---- ظاہری فقر کے باوجود آپ عالم پر چھائے ہوئے ہیں---- شاہوں سے سوا سطوت سلطان مدینہ---- ہم پر عالم چھایا ہوا ہے---- ہمارا تکیہ اسباب پر ہے، آپ کا تکیہ مسبب الاسباب پر تھا (ﷺ)---- ہمارے احوال کوئی لکھنے والا نہیں، آپ کی ایک ایک ادا محفوظ کر دی گئی---- آپ کی صورت و سیرت، آپ کے شمائل و خصائل، آپ کے اقوال و اعمال، آپ کے فضائل و کمالات، آپ کے فیصلے، آپ کے غزوات، آپ کے معجزات، آپ کے تبرکات، آپ کے رفقاء کے حالات، وہ بستیاں جن کو آپ نے اپنے قدوم مبارک سے نوازا، آپ کے شہر مقدس کے احوال و مقامات، غرض جو کچھ آپ کی حیات طیبہ سے متعلق تھا سب کچھ کتابوں میں محفوظ کر دیا گیا---- آپ کے ذکر و اذکار تشریف آوری سے پہلے ہی اتنے ہوئے کہ آپ جانے پہچانے ہو گئے---- اور اب ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے جو جاری ہے اور جاری رہے گا (انشاء اللہ تعالیٰ) آپ پر اتنا لکھا گیا کہ کسی پر نہ لکھا گیا---- آپ کی اتنی تعریف کی گئی کہ کسی کی نہ کی گئی---- آپ بہت بلند ہیں، سب انسانوں، فرشتوں اور انبیاء و رسل سے بلند---- بے شک آپ "محمد" ہیں---- پروفیسر مارگولیوس نے لکھا تھا کہ آپ کے سیرت نگاروں میں شامل ہونا بڑی سعادت ہے بے شک عظیم سعادت ہے---- پھر اس کی سیرت کون لکھے جس کا اور اک بھی انسان کے لئے ممکن نہیں---- آپ نے فرمایا، "میری حقیقت کو میرے پروردگار کے سوا کسی نے نہ جانا"---- تو آپ کی سیرت پر کوئی کیا لکھے؟---- ہم وہی لکھ سکتے ہیں جو نظر آتا ہے، جو نظر نہیں آتا وہ کس طرح لکھیں؟---- ہماری رسائی صرف ظاہری اقوال و اعمال و احوال تک ہے---- وہ رسائی بھی نارسائی ہے---- آپ کے باطنی احوال و اذواق و کیفیات، اور وہ کمالات جو علم و عمل سے ماوراء ہیں اور وہ کمالات جو مقام محبوبیت سے مخصوص ہیں، وہ لکھیں تو

کس طرح لکھیں؟---- سیرت نگار شخصیت کو اپنی نظر سے دیکھتا ہے، وہ نظر کہاں سے لائے کہ آپ کا حسن و جمال دیکھے؟---- ہم نے "جہان عالم" کی بھی سیر نہ کی "جہان حیات" کی ہم کو کیا خبر؟---- آپ کی سیرت پر کوئی کیا لکھے کہ آپ اشیاء کی حقیقتوں سے واقف ہیں---- ہم بے خبروں کی باتیں پڑھتے ہیں اور اسی پر سر دھنتے ہیں ہم باخبروں سے بے خبر ہیں---- کاش باخبروں سے باخبر ہوتے!

حضور انور ﷺ کی سیرت کے مآخذ میں قرآن حکیم، احادیث شریفہ، صحف سماویہ، آثار صحابہ وغیرہ وغیرہ قابل ذکر ہیں- سب سے اہم ماخذ قرآن حکیم ہے- دشمنان اسلام اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں- عرصہ ہوا ڈاکٹر منگانا نے ایک گمراہ کن مقالہ لکھا تھا شبلی نے اس کا مسکت جواب دیا مگر دور جدید کے ایک فرانسیسی فاضل ماریس بکائے نے قرآن حکیم کے حرف حرف کو سچا پایا اور سچا کہا---- حضور انور ﷺ کی ذات پر مغربی قلمکاروں نے بہت کیچڑ اچھالی (معاذ اللہ)، تھامس کارلائل نے اس کا مسکت جواب دیا اور دور جدید کے قلم کار ایچ- ہارٹ کو سارے انسانوں کے سر تاج آپ ہی نظر آئے---- حضور انور ﷺ کی سیرت پاک زندہ و تابندہ ہے- آپ کی زندگی بتارہی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں---- بہت آئے، چلے گئے، ان کے آثار باقی نہ رہے، ان کے احوال سے کوئی باخبر نہیں، اس لئے کہ اب جو آنے والا آیا سارے عالم میں اسی کا سکہ چلے گا---- اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حفاظت کا ذمہ لیا گویا سیرت مصطفیٰ ﷺ کی حفاظت کا ذمہ لیا----اب جس کو اللہ رکھے اس کو کون مٹا سکتا ہے؟---- مٹانے والے مٹ رہے ہیں، وہ نہ مٹا ہے، نہ مٹے گا---- سیرت پاک پر ان گنت کتابیں لکھی جارہی ہیں، نعت کے مجموعوں پر مجموعے شائع ہورہے ہیں، اللہ اکبر!----

حضور انور ﷺ کی سیرت کا امتیاز ہے کہ تاریخ گواہی دے رہی ہے، شجر و حجر اور سماء و سمک گواہی دیتے رہتے ہیں، سب کچھ سامنے ہے، آپ کی حیات طیبہ کا کوئی گوشہ آنکھوں سے اوجھل نہیں اور جو کچھ سامنے ہے، وہ سب کے لئے کافی ہے---- قول ہی قول نہیں بلکہ عمل ہی عمل ہے----

O

حضور انور ﷺ کی سیرت نگاروں میں امام زہری، موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحٰق، ابن ہشام، ابن سعد، ابن عبد البر، امام قسطلانی وغیرہ شامل ہیں- آپ کے دیکھنے اور ملنے والوں میں تقریباً تیرہ ہزار

اشخاص کے نام اور حالات محفوظ کئے گئے اس وقت جب کہ تصنیف و تالیف کی ابتداء تھی - اردو میں سیرت نگاروں میں شبلی اور سلیمان ندوی کا نام بہت مشہور ہے---- کچھ باتیں دل سے کی جاتی ہیں، کچھ دماغ سے اور کچھ منہ سے---- ان دونوں کے ہاں دل کی باتیں نہیں اور سیرت نگاری کے لئے دل چاہیے---- حال ہی میں لاہور سے ۷ جلدوں پر ایک اور سیرت نبوی شائع ہوئی ہے، جس میں دل کی جھلکیاں ملتی ہیں---- محترم و مکرم علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ العالی اہل سنت و جماعت میں مشہور و معروف ہیں اور علماء و فقہاء میں محبوب و ممتاز، یادگار سلف ہیں اور افتخار خلف ہیں---- آپ کی تالیف، اشرف السیر، (جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہوگی) کی پہلی جلد کا نصف اول حق اکیڈمی، مبارک پور نے شائع کیا ہے جو ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے، یہ حصہ تقریباً ۱۳۸۸ء میں لکھا گیا---- اس میں حضور انور ﷺ کا نسب نامہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سفر مصر، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا مکہ مکرمہ میں آباد ہونا، چاہ زمزم، سنت ابراہیمی کی تجدید، قبل اعلان نبوت خوارق عادت کا ظہور، خورشید رسالت کا طلوع، ایام رضاعت، مکہ مکرمہ کو واپسی اور گمشدگی، حضرت عبدالمطلب کی وفات، آبائے کرام سے اسلام وغیرہ پر فاضلانہ بحث کی گئی ہے---- زبان سادہ و سلیس ہے اور دل پذیر ہے اور مستشرقین کے شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے اور اعتراضات کے معقول و مسکت جوابات دیئے گئے ہیں-

اصل میں اشرف السیر کی وجہ تالیف ہی یہ ہے کہ سیرت پاک سے متعلق مغرب کے ظالمانہ اور جاہلانہ اور مشرق کے مرعوبانہ اور معذرتانہ طرز عمل کو زیر بحث لایا جائے چنانچہ علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ العالی نے سیرت پاک کے بنیادی سیرت نگاروں محمد ابن اسحق (۱۵۱ھ / ۷۶۸ء)، محمد بن عمر الواقدی (م ۲۰۷ھ / ۸۲۲ء) ابن سعد (م ۲۳۰ھ / ۸۴۵ء) وغیرہ پر فن تاریخ و حدیث اور سیرت کے حوالے سے مخالفین کے اعتراضات کے علمی جوابات دیئے ہیں---- مغربی قلم کاروں نے سیرت پاک پر اظہار خیال کیا ہے مگر بین السطور میں کچھ نہ کچھ لکھا ضرور ہے جس کا ازالہ ضروری ہے-

O

عالمی سازش یہ ہے کہ حضور انور ﷺ کی ذات، فضائل و کمالات اور آپ کے دامن سے وابستہ جتنے بھی حضرات ہیں ان کو زیر بحث لا کر جوانوں کو ان سے بددل کیا جائے---- اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے گذشتہ صدی اور اس صدی میں نئے نئے فرقے پیدا کئے گئے اور پیدا کئے جارہے

ہیں، ان کو اموال و اسلحہ سے برابر مدد دی جارہی ہے اور اہل سنت و جماعت کے خلاف صف آراء کیا جارہا ہے---- اسلامی حکومتوں پر دباؤ ڈال کر عشاق رسول ﷺ اور وابستگان دامن اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کو اہم عہدوں سے ہٹایا جارہا ہے---- یہ وقت بیداری و ہشیاری کا ہے، نئی حکمت عملی وضع کرکے حکمت و دانائی سے قلمی و عملی جہاد کی ضرورت ہے---- **وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ!**---- سنت مصطفیٰ اور سیرت مصطفیٰ (**علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام**) اپنانے کے لئے عالم گیر تحریک چلانی چاہئے کہ یہی صراط مستقیم ہے، سنت کے جتنا قریب آتے جائیں گے، فساد مٹتے جائیں گے، ہم ایک دوسرے کے نزدیک آتے چلے جائیں گے---- مستحب اپنی جگہ مستحب ہے، مباح اپنی جگہ مباح ہے مگر سنت کی بات بہت ہی بلند ہے----اسلاف کرام کی عظمت کا راز اتباع سنت نبویہ **علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام** میں ہے----**بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست۔**

مولیٰ تعالیٰ، اشرف السیر، کو جذبہ اتباع و اطاعت کے لئے مہمیز بنائے، شکوک و شبہات کی بدلیاں چھٹ جائیں، یقین کا چاند نکل آئے، محبت رسول ﷺ کی چاندنی پھیل جائے۔ متابعت و اطاعت حبیب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی بہار آجائے۔ پھر خیال بھی دیوانہ ہوجائے، نظر بھی دیوانی ہوجائے، دل بھی دیوانہ ہوجائے---- آمین۔ اللھم آمین!

۶ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ / ۱۶ / اکتوبر ۱۹۹۹ء

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہٗ

(کراچی۔ سندھ)

○

ڈاکٹر مسعود احمد نے دو سو سے زیادہ کتابوں پر مقدمے اور تقدیمات قلم بند کی ہیں اور یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ ہم نے چند مقدمہ جات اور تقاریظ اوپر پیش کی ہیں۔ تقریباً ۹۳ کتابوں کی فہرس پیش کررہے ہیں جن پر مقدمے اور تقاریظ و تقدیمات وغیرہ لکھی گئیں، سردست یہی تفصیلات دستیاب ہوسکیں۔

مقدمہ جات اور تقدیمات ایک نظر میں

نمبر شمار		مصنف	کتاب	مقام طباعت	سنہ
۱	مقدمہ	مفتی محمد مظہر اللہ	مکاتیب مظہری	کراچی	۱۹۶۹ء
۲	مقدمہ	مفتی محمد مظہر اللہ	مواعظ مظہری	کراچی	۱۹۶۹ء
۳	مقدمہ	مفتی محمد مظہر اللہ	فتاویٰ مظہری	کراچی	۱۹۷۰ء
۴	مقدمہ	ملک شیر محمد خان	مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری	لاہور	۱۹۷۳ء
۵	مقدمہ	پروفیسر محمد اقبال مجددی	اقوال و آثار عبد اللہ خویشگی قصوری	لاہور	۱۹۷۳ء
۶	مقدمہ	سید انور علی	دیوان بوئم	کراچی	۱۹۷۱ء
۷	مقدمہ	سید محمد امیر شاہ گیلانی	انوار غوثیہ شرح شمائل ترمذی شریف	لاہور	۱۹۷۴ء
۸	مقدمہ	سید انور علی	اسلام دی ریلیجن (انگریزی)	کراچی	۱۹۷۴ء
۹	مقدمہ	مولانا ظاہر شاہ میاں قادری	سیرت مصطفےٰ	مدینہ	۱۹۷۴ء
۱۰	مقدمہ	مولانا عبد الحکیم شرف قادری	تذکرۂ اکابر اہلسنت	لاہور	۱۹۷۶ء
۱۱	مقدمہ	مولانا محمد مرید احمد چشتی سیالوی	خیابان رضا	لاہور	۱۹۷۶ء
۱۲	مقدمہ	مفتی محمد انوار اللہ نعیمی	فتاویٰ رضویہ	لاہور	۱۹۷۵ء
۱۳	مقدمہ	پروفیسر فیاض احمد کاوش	آفتاب ولایت	کراچی	۱۹۷۵ء
۱۴	مقدمہ	محمد صادق قصوری	خلفائے اعلیٰ حضرت	کراچی	۱۹۷۵ء
۱۵	مقدمہ	مولانا محمد مرغوب اختر الحامدی	امام نعت گویاں	ساہیوال	۱۹۷۷ء
۱۶	مقدمہ	پروفیسر فیاض احمد کاوش	دیوان نور و نکہت	لاہور	۱۹۷۷ء
۱۷	مقدمہ	مولانا مرید احمد چشتی سیالوی	جہان رضا	لاہور	۱۹۷۷ء
۱۸	مقدمہ	مولانا احمد میاں برکاتی	اسلام اور عصری ایجادات	لاہور	۱۹۷۷ء
۱۹	مقدمہ	مفتی محمد مسعود شاہ محدث دہلوی	فتاویٰ مسعودی	کراچی	۱۹۷۷ء
۲۰	مقدمہ	پروفیسر فیاض احمد کاوش	پیران پیر	کراچی	۱۹۷۷ء

۲۱	مقدمہ	مولانا عبدالرحمٰن چھوہروی	مجموعہ صلوٰۃ الرسول		۱۹۷۷ء
۲۲	مقدمہ	مولانا عبدالحکیم خاں شاہجہانپوری	تجلیات امام ربانی	لاہور	۱۹۷۸ء
۲۳	مقدمہ	خلیل احمد رانا	مقالات علمی	لاہور	۱۹۷۸ء
۲۴	مقدمہ	مولانا عبدالستار خان نیازی	پیغمبر عالم	لاہور	۱۹۷۸ء
۲۵	مقدمہ	مولانا محمد یٰسین اختر مصباحی	امام احمد رضا اور بدعات و منکرات	الٰہ آباد	۱۹۷۸ء
۲۶	مقدمہ	مولانا مصطفےٰ رضا خاں	ملفوظات مجدد مائیہ حاضرہ	لاہور	۱۹۷۸ء
۲۷	مقدمہ	مفتی خلیل احمد خان	سنی بہشتی زیور	لاہور	۱۹۷۹ء
۲۸	مقدمہ	حکیم اکرام حسین سیکری	تذکرہ ملا الٰہی بخش آمری	کراچی	۱۹۷۹ء
۲۹	مقدمہ	مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی	اطیب البیان	بنگلہ دیش	۱۹۷۹ء
۳۰	مقدمہ	ظاہر شاہ میاں قادری	سیرت مصطفےٰ	مدین	۱۹۷۹ء
۳۱	مقدمہ	مولانا احمد رضا خان	دوام العیش فی الائمۃ من قریش	لاہور	۱۹۷۹ء
۳۲	مقدمہ	امام احمد رضا خان	حاشیہ رسالہ لوگارتم	کراچی	۱۹۸۰ء
۳۳	مقدمہ	سید ریاست علی قادری	عظمت رسول	کراچی	۱۹۸۰ء
۳۴	مقدمہ	مولانا احمد میاں برکاتی	اسلام اور عصری ایجادات	کراچی	۱۹۸۰ء
۳۵	مقدمہ	خواجہ رضی حیدر	تذکرہ محدث سورتی	کراچی	۱۹۸۰ء
۳۶	مقدمہ	پروفیسر غیاث الدین	Salam-e-Raza (ترجمہ انگریزی)	لاہور	۱۹۸۱ء
۳۷	مقدمہ	محمد صادق قصوری	مقالات محدث علی پوری		۱۹۸۲ء
۳۸	مقدمہ	خورشید عالم گوہر رقم	عجائب القرآن	لاہور	۱۹۸۴ء
۳۹	مقدمہ	خواجہ انجم نظامی	امام احمد رضا دانشوروں کی نظر میں	جہلم	۱۹۸۶ء
۴۰	مقدمہ	مولانا محمد شفیع اوکاڑوی	امام پاک اور یزید پلید	کراچی	۱۹۸۶ء
۴۱	مقدمہ	ابوالبقاء محمد محی الدین رزاقی	آئینہ حرم	کراچی	۱۹۸۶ء
۴۲	مقدمہ	ڈاکٹر محمد رضوان اللہ	مولانا انور شاہ کشمیری	علی گڑھ	۱۹۸۶ء
۴۳	مقدمہ	ابوالسراج محمد طفیل احمد نقشبندی	نخبۃ الزائرین چہار حصص	کراچی	۱۹۸۶ء
۴۴	تقدیم	محمد نور المصطفیٰ	ذکر رضا	خانقاہ ڈوگراں	۱۹۸۷ء

۴۵	تقدیم	محبوب الرسول قادری رضوی	حضور ﷺ کے اخلاق حسنہ	جوہر آباد	۱۹۸۸ء
۴۶	تقدیم	محمد صادق قصوری	تذکرۂ مشائخ نقشبندیہ خیریہ	لاہور	۱۹۸۸ء
۴۷	تقدیم	صابر براری	یاد رفتگاں	کراچی	۱۹۸۸ء
۴۸	تقدیم	امام احمد رضا بریلوی	الدولۃ المکیۃ (افتتاحیہ)	لاہور	۱۹۸۸ء
۴۹	مقدمہ	مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی	تذکرۂ مشائخ سلسلۂ رضویہ	بنارس	۱۹۸۸ء
۵۰	مقدمہ	ابوالسراج محمد طفیل قادری	بانیان سلاسل اربعہ	سندھ	۱۹۸۸ء
۵۱	مقدمہ	مولانا سید صابر حسین شاہ بخاری	امام احمد رضا مخالفین کی نظر میں	واہ کینٹ	۱۹۸۸ء
۵۲	تقدیم	علامہ محمد عبدالحکیم خاں شاہجہانپوری	کلمۂ حق	لاہور	۱۹۸۸ء
۵۳	تقدیم	مختار احمد	آئینۂ تاریخ	لاہور	۱۹۸۸ء
۵۴	تقدیم	خلیل احمد رانا	انوار قطب	لاہور	۱۹۸۸ء
۵۵	تقدیم	ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی	کلام رضا کے نئے تنقیدی زاویئے	بریلی	۱۹۸۸ء
۵۶	تقدیم	مولانا محمد صدیق ہزاروی	کنزالایمان تفاسیر کی روشنی میں	لاہور	۱۹۸۸ء
۵۷	تقدیم	مولانا محمد عبدالستار طاہر	فضائل ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ		۱۹۸۸ء
۵۸	تقدیم	حکیم محمد حسین بدر	تذکرۂ مشائخ قادریہ	لاہور	۱۹۸۹ء
۵۹	تقدیم	مولانا محمد عبدالستار طاہر	کنزالایمان ارباب علم ودانش کی نظر میں		۱۹۸۹ء
۶۰	تقدیم	پروفیسر فیاض احمد خاں کاوش	مختصر سوانح امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں	صادق آباد	۱۹۹۰ء
۶۱	تقدیم	محمد یوسف مجددی نوری	جواہر نقشبندیہ		۱۹۹۰ء
۶۲	تقدیم	محمد وارث جمال	اسلام اور شادی	الہ آباد	۱۹۹۰ء
۶۳	تقدیم	مفتی محمد خاں نعیمی	فتاویٰ نعیمیہ	کراچی	۱۹۹۰ء
۶۴	تقدیم	مفتی محمد مکرم احمد	فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ رشیدیہ کا تقابلی جائزہ	دھلی	۱۹۹۰ء
۶۵	تقدیم	حضرت حاجی پیر الٰہی بخش	آواز حق	کراچی	۱۹۹۰ء

۶۶	تقدیم	اقبال احمد اختر قادری انصاری	تجلیات نوری	کراچی	۱۹۹۰ء
۶۷	تقدیم	مولانا کوثر نیازی	امام احمد رضا بریلوی ایک ہمہ جہت شخصیت	لاہور	۱۹۹۰ء
۶۸	تقدیم	مفتی محمد خلیل خاں خلیل مارہروی	جمال خلیل	سندھ	۱۹۹۰ء
۶۹	تقدیم	ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی	قرآن، سائنس اور امام احمد رضا	چکوال	۱۹۹۰ء
۷۰	تقدیم	علامہ محمد احمد نعیمی	فلاح کا راستہ شریعت کے آئینے میں	کراچی	۱۹۹۰ء
۷۱	تقدیم	مولانا جاوید اقبال مظہری	ملفوظات مظہری	کراچی	۱۹۹۰ء
۷۲	تقدیم	جمال الدین ہانسوی علیہ الرحمہ	ملہمات		۱۹۹۰ء
۷۳	تقدیم	اعجاز انجم اشرف نظامی	ثنائے مصطفےٰ در انداز عبد مصطفےٰ		۱۹۹۰ء
۷۴	مقدمہ	محمد انوار اللہ حیدر آبادی	انوار احمدی	نئی دھلی	۱۹۹۱ء
۷۵	مقدمہ	مولانا کوثر نیازی	امام احمد رضا بریلوی	کراچی	۱۹۹۱ء
۷۶	مقدمہ	پروفیسر عبد الصمد قدیری	تذکرۂ شاہ عبد القدیر میاں	واہ کینٹ	۱۹۹۱ء
۷۷	مقدمہ	علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری	البریلویہ کا تنقیدی اور تحقیقی جائزہ	لاہور	۱۹۹۱ء
۷۸	مقدمہ	محمد صدیق ضیاء	بدعت کی حقیقت	لاہور	۱۹۹۱ء
۷۹	مقدمہ	خواجہ معز الدین اشرفی	گستاخان رسول کا عبرتناک انجام	دکن	۱۹۹۱ء
۸۰	مقدمہ	محمد الرحمٰن قادری رضوی	افتائے حرمین کا تازہ عطیہ	لاہور	۱۹۹۱ء
۸۱	مقدمہ	ڈاکٹر اوشا سانیال	مولانا احمد رضا خان بریلوی اور برطانوی ہند میں تحریک اہلسنت و جماعت		۱۹۹۱ء
۸۲	مقدمہ	اقبال احمد قادری	امام احمد رضا اور ڈاکٹر سر ضیاء الدین	کراچی	۱۹۹۱ء
۸۳	تقدیم	بشیر حسین نظام	تضمین پر تسکین بر سلام رضا	اسلام آباد	۱۹۹۲ء
۸۴	تقدیم	سید شاہد علی نورانی	امام احمد رضا بریلوی کی علمی خدمات کا ایک جائزہ	لاہور	۱۹۹۲ء
۸۵	تقدیم	مولانا سید عبد الرحمٰن قادری	افتائے حرمین کا تازہ عطیہ	لاہور	۱۹۹۲ء

نمبر	نوعیت	مصنف	کتاب	مقام	سال
۸۶	تقدیم	مولانا کوکب نورانی	دیوبند سے بریلی تک	لاہور	۱۹۹۲ء
۸۷	تقدیم	مولانا محمد احمد مصباحی	جدالممتار کا تعارف	مبارک پور انڈیا	۱۹۹۲ء
۸۸	تقدیم	ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی	امام احمد رضا کی نثر نگاری	لاہور	۱۹۹۲ء
۸۹	تقدیم	مولانا اقبال احمد اختری	پردہ اٹھتا ہے	لاہور	۱۹۹۳ء
۹۰	تقدیم	علامہ محمد فیض احمد اویسی	شرح حدائق بخشش	بہاولپور	۱۹۹۳ء
۹۱	مقدمہ	پروفیسر فیاض احمد کاوش	رسالت مآب ﷺ کی فصاحت و بلاغت	صادق آباد	۱۹۹۳ء
۹۲	مقدمہ	علامہ محمد عنایت اللہ نقشبندی	تحفۃ الصلوٰۃ الی النبی المختار	لاہور	۱۹۹۳ء
۹۳	مقدمہ	مفتی محمد خاں قادری	شرح سلام رضا	لاہور	۱۹۹۳ء
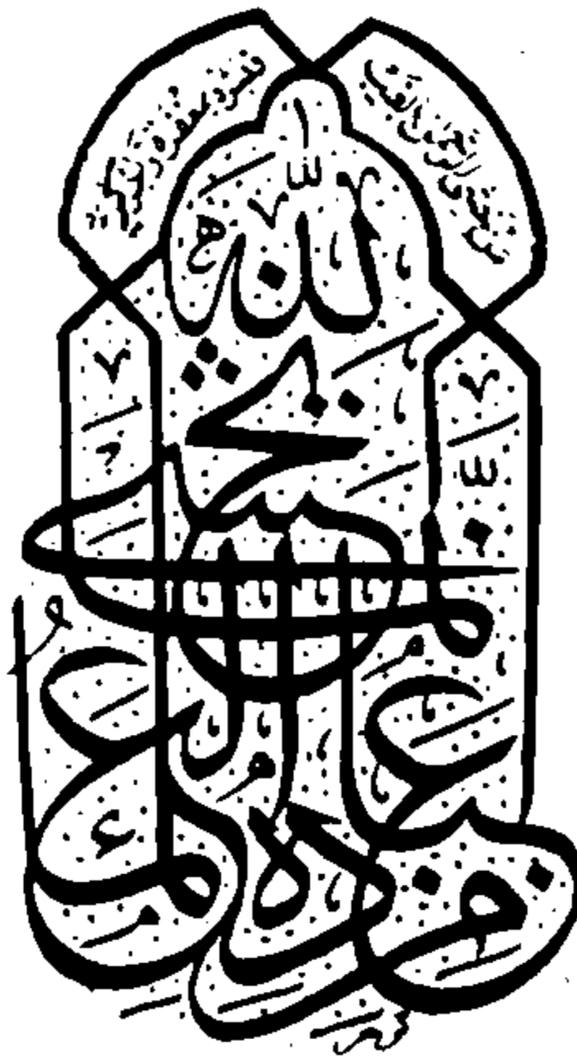
O

سفرنامہ ٹھٹھی

مُصنّف

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم۔اے، گولڈ میڈلسٹ پی۔ایچ۔ڈی،

مُرتّب

محمد عبدالستار طاہر

ادارہ مظہرِ اسلام

لاہور، پاکستان پوسٹ کوڈ نمبر ۵۴۸۴۰

ہے جنوں مجھ کو کہ گھبراتا ہوں آبادی میں میں
ڈھونڈتا پھرتا ہوں کس کو کوہ کی وادی میں

عاشقِ عزلت ہے دل' نازاں ہوں اپنے گھر پہ میں
خندہ زن ہوں مسندِ دارا و اسکندر پہ میں

(۱)

زندگی میں نشیب و فراز آتے ہی رہتے ہیں ——شادی و غم ساتھ ساتھ ہیں ——
خوشی' غم کو چکاتی ہے ——اور غم' خوشی کو —— عجب دل بہار گنگا جمنی ہے!
بے خبر بیٹھا ایک دوست نے کرم فرمایا اور باخبر بنا دیا ——کہاں سے کہاں پہنچایا!
——لوگ کہتے ہیں کہ اچھا نہ کیا——میں کہتا ہوں کہ جو کچھ کیا اچھا ہی کیا۔

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

اکتوبر ۱۹۷۳ء میں حکم ملا' مٹھی جاؤ۔

سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

یکم نومبر ۱۹۷۳ء کو یہاں وارد ہوا ——اللہ اللہ! یہ کون سا مقام ہے!——یہاں۔

ذرے ویرانوں سے اٹھتے تھے تماشا دیکھنے
چشمِ حیرت بن گئی تھی گردشِ لیل و نہار

کراچی سے مشرقی سمت تقریباً ۲۵۰ میل ——اور تاریخی مقام رن آف کچھ سے صرف ۵۰ میل ادھر یہ شہر آباد ہے۔ تعلقہ ہیڈ کوارٹر ہے۔ یہاں اسسٹنٹ کمشنر' مختار کار' ڈی' ایس' پی وغیرہ سب ہی ہیں۔ نہ معلوم یہ شہر کب سے آباد ہے ——تاریخوں میں کچھ لکھا تو ہے ——سنا ہے' لیکن ابھی پڑھا نہیں ——نام پیارا ہے —— مٹھی ——اس کے معنی بوسہ و پیار کے ہیں ——غالب کا یہ شعر یاد آ رہا ہے۔

غنچہ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں!

دوسرا مصرعہ نہ لکھوں گا' ذرا "خطرناک" ہے ــــہماری شاعری ایسے "خطرناک" شعروں سے بھری پڑی ہے ــــاس ناگفتنی مصرعے کے ساتھ ساتھ اور باتیں بھی یاد آ رہی ہیں ــــ

دہلی کی ایک محفل میں شاہ افغانستان امیر حبیب اللہ کا شمس العلماء مولوی نذیر احمد سے بے ساختہ لپٹنا اور ان کا پسینہ پسینہ ہونا ــــجامع مسجد شاہجہانی میں جمال عبدالناصر کا امام صاحب کو بے اختیار گلے لگانا اور ان کا پانی پانی ہونا ــــ

ہاں تو مٹھی بہت پیارا نام ہے ــــمگر اہل ظاہر کے لئے یہ جگہ پیاری نہیں ــــ خطہ سندھ میں اس جگہ کو کالے پانی کی حیثیت حاصل تھی ــــغالباً" اسی لئے میرے کرم فرما اور سندھ کے مشہور بزرگ نے جب میرا یہاں آنا سنا تو بے ساختہ فرمایا کہ اگلے زمانے میں یہاں قیدی بھیجے جاتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ اب آزاد بھیجے جاتے ہیں۔

اور دیکھا جائے تو قید بھی آزادوں کو زیب دیتی ہے۔

شہپر زاغ و زغن در بند قید و صید نیست

ایں سعادت قسمت شہباز و شاہیں کردہ اند

اور سندھ کے ایک محقق و مورخ نے جب سنا تو تحریر فرمایا کہ ون یونٹ جب بن رہا تھا تو میر غلام علی مرحوم کو اسی جگہ بھیجا گیا تھا ــــبلاشبہ اگر اسیر جزیرہ انڈیمان مولانا فضل حق خیر آبادی جیسا کوئی فاضل یہاں آتا تو ایسا دردانگیز مرثیہ لکھتا تو لوگ تڑپ اٹھتے ــــیا غالب جیسا کوئی شاعر آتا تو ایسا مرثیہ لکھتا کہ لوگ روتے روتے دیوانے ہو جاتے ــــ

(۲)

ہاں تو جب یہاں آیا' کالج کا نام ہی نام تھا' کالج نہ تھا ــــغالب کا یہ شعر آج سمجھ میں آیا۔

جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور
جز وہم نہیں ہستی اشیاء مرے آگے

اسٹاف نام کی بھی کوئی شے نہ تھی ——— صرف ایک چند ورقی فائل تھا ——— یہی سب کچھ تھا اور میں اسی جزو میں مشاہدہ کل کر رہا تھا ——— غالب نے غلط نہیں کہا تھا۔

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل
کھیل لڑکوں کا ہوا دیدہ بینا نہ ہوا

بہرکیف جو بیجوں میں جان ڈالتا اور پودوں کو پروان چڑھاتا ہے اسی نے دست گیری فرمائی اور سب کچھ آسان ہو گیا۔

اس کی امت میں ہوں میں' میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ کے غالب گنبد بے در کھلا

اس حیرت کدے میں پہلے میں آیا ——— پھر کالج آیا ——— آپ حیران ہوں گے کیا کالج بھی پرنسپل کے بعد آتا ہے ——— حیرانی کی کوئی بات نہیں' ایسا بھی ہوتا ہے ——— دفتر کا آغاز ہوا ——— کچھ چہل پہل ہوئی ——— ایک ایک کر کے اسٹاف آنا شروع ہوا ——— اور رونق بڑھی' مگر جو آتا چہرے پر ہوائیاں اڑتی نظر آتیں ——— سہا ہوا' گھبرایا ہوا جیسے عالم بالا کا نکلا ہوا ——— واقعی یہ مقام ہی ایسا ہے ——— سفر ایسا کہ جوان' بوڑھے ہو جائیں اور بوڑھے جاں بحق ——— ایک رفیق کا جب تقرر ہوا تو تین چار عزیزوں کے ساتھ یہاں تشریف لائے ——— یہ یہیں رہ گئے اور وہ عزیز چلے گئے ——— بے ساختہ حضرت رضا بریلوی کا شعر یاد آیا۔

ہائے ظالم وہ کیا جگہ ہے جہاں
پانچ جاتے ہیں چار پھرتے ہیں

واقعی یہ عجیب مقام ہے ——— کسی بھی حادثہ کی صورت میں آپ پاکستان کے کسی بھی گوشہ سے بآسانی کراچی پہنچ سکتے ہیں ——— مگر یہاں سے نہیں ——— صبح اطلاع ملے تو کہیں رات گئے پہنچ سکیں گے ——— اس لئے یہاں آتے ہوئے یہ سوچ سوچ کر بھی حیران ہوئے جاتے

ہیں کہ کوئی مرگیا تو ہم جنازے میں کیسے شریک ہوں گے ---اور ہم مر گئے تو ہمارا کیا ہو گا؟ --- یہاں تو کوئی ایمبولینس بھی نہیں --- فضائی سروس بھی نہیں --- کچھ بھی نہیں --- دور رہ کر یہاں کا حال معلوم نہیں ہو سکتا --- یہاں آنا ضروری ہے اور اسی طرح جس طرح غریب آیا کرتے ہیں ---

طوفان میں پھنس کر آتی ہے جو کچھ بھی ہے لذت طوفان کی
جو دور کھڑا ہو ساحل پر وہ لذت طوفان کیا جانے

اس شہر کے چاروں طرف ریت کے ٹیلے ہیں مگر پہاڑ کی طرح خونخوار نہیں' --- بالکل بے ضرر --- اوپر سے لڑھک بھی جائے تو ذرا آنچ نہ آئے --- میں ان ٹیلوں پر چڑھا ہوں اور خوب لطف اندوز ہوا ہوں --- شہر کے گلی کوچے ناہموار --- گندے اور غلیظ --- نہ یہاں پکی سڑکیں ہیں اور نہ پکی گلیاں --- ریت ہی ریت --- موسم سرما میں یہ ریت آرام کرتی ہے لیکن موسم گرما میں جب بیدار ہوتی ہے تو غضب ڈھاتی ہے --- ذرات آآ کے چہرے سے ٹکراتے ہیں اور پکار پکار کر کہتے ہیں ۔

لطمہ موج کم از سیلی استاد نہیں

--- خاک چھاننا اور خاک پھانکنا' اردو کے دو مشہور محاورے ہیں --- مگر یہاں واقعی خاک پھانکنی بھی پڑتی ہے اور چھاننی بھی پڑتی ہے ۔

مت سہل ہمیں سمجھو پہنچے تھے بہم تب ہم
برسوں تئیں گردوں نے جب خاک کو چھانا تھا

(۳)

مٹھی کا سفر بڑا دلچسپ ہے اور لطف نہ لیا جائے تو نہایت ہی ہولناک اور کربناک --- موسم گرما میں میدان کربلا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے --- اور اس جگر گوشہ رسول ﷺ کو یاد کر کے کچھ سکون آجاتا ہے --- کراچی سے صرف ۲۵۰ میل ہے مگر مجموعی طور پر سفر ۱۴ گھنٹے میں طے ہوتا ہے ۔ لندن سے کراچی پہنچنے میں صرف ۱۱ گھنٹے صرف ہوتے ہیں ---

لیکن مٹھی سے کراچی پہنچنا اتنا آسان نہیں ---کراچی سے شام مہران ایکسپریس سے روانہ ہوئے اور رات میرپور خاص پہنچے ---یہ شہر کراچی سے ۱۴۰ میل کے فاصلے پر ہے --- رات یہاں آرام کیا' اور صبح یہاں سے بذریعہ پسنجر ٹرین نوکوٹ روانہ ہوئے ---یہ ٹرین آثار قدیمہ کا بہترین نمونہ ہے ---اس کا انجن دور جدید کے انجنوں کا جد اعلی معلوم ہوتا ہے ---ساڑھے آٹھ بجے روانگی کا وقت ہے' مگر کبھی کبھی دس گیارہ بج جاتے ہیں ---مثلاً ایک روز وقت ہو گیا' انجن ندارد ---ایک گھنٹہ گزر گیا --- ساری گاڑیاں جا چکیں' صرف یہی گاڑی کھڑی رہ گئی ---مسافروں کی تشویش بڑھتی گئی ---شریر لڑکا ہوتا تو سمجھتے کہ شاید بھاگ گیا ---چور ہوتا تو خیال کرتے کہ فرار ہو گیا ---مگر یہ تو بیچارا پابند سلاسل انجن تھا ---بڑی تگ و دو کے بعد معلوم ہوا کہ لوکو شیڈ میں زیر علاج ہیں ---مزاج ناساز ہیں ---جوں ہی مزاج عالی درست ہوئے' تشریف لے آئیں گے ---صبر کیا اور اس مثل کی حقیقت آج معلوم ہوئی:

"قہر درویش بر جان درویش" ---ساڑھے دس بجے تشریف لائے ---بے تاب مسافروں نے جس گرمجوشی سے خوش آمدید کہا دیدنی تھا۔

یہ گاڑی میرپور خاص سے روانہ ہونے کے بعد قدم قدم پر رکتی چلتی ہے --- بڑی ملنسار ہے ---کسی کا دل نہیں دکھاتی ---اشارہ کرو تو فوراً" رک جاتی ہے --- بڑی وفا شعار اور تابعدار ہے ---خراماں خراماں چل کر ایک بجے دوپہر نوکوٹ پہنچتی ہے ---یہ جگہ میرپور خاص سے ۴۰ میل اور کراچی سے ۲۲۰ میل ہے ---منزل قریب آ رہی ہے لیکن۔

مشکل میں ہیں براتی پرخار بادیئے ہیں

مٹھی یہاں سے ۳۱ میل ہے۔ مگر اس کی روداد بڑی درد انگیز ہے۔ -- نئے نوکوٹ' اسٹیشن کے مخالف سمت مٹھی جانے والے ٹرک گھورتے ہوتے ہیں۔ جونہی گاڑی آئی -- ٹرکوں کے انجن اسٹارٹ کر دیئے گئے ---ادھر گاڑی رکی اور ادھر لوگ لپکے۔

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

پیچھے رہنے والے ہمیشہ محروم رہتے ہیں ---اگر محروم ہو گئے تو دو گھنٹے پھر انتظار کیجئے۔ یہ ٹرک نہایت بدشکل ہوتے ہیں۔ آواز کو قابو میں رکھنے کا آلہ بھی نہیں ہوتا' اس لئے جب یہ اسٹارٹ ہوتے ہیں تو کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ میدان جنگ کا سماں آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ نوکوٹ ہی میں بنتے ہیں---بس اسی سے اندازہ لگا لیجئے کیسے بنتے ہوں گے ---ڈرائیور کے آگے روشن دان چوپٹ کھلا---دونوں طرف کوئی دروازہ نہیں--- نہایت ہوادار---پیچھے ایک سیٹ مردوں کے لیے' ایک عورتوں کے لیے۔ ان سیٹوں میں بہ وقت تمام چھ مرد اور چھ عورتیں سما سکتی ہیں۔ ان سیٹوں کے صرف ایک سمت دروازہ ہے جس کو بند کر کے باہر سے لوہے کی سلاخ لگا دی جاتی ہے۔ ان سیٹوں کے بعد سارا ٹرک ایک چھکڑے کی طرح کھلا ہے جس میں غریب مسافر مویشیوں کی طرح کھچا کھچ اور لبالب بھر جاتے ہیں۔ ان کے سائے' زمین پر پڑتے ہیں جو دیدنی ہوتے ہیں---کسی کا سر' کسی کا دھڑ' کسی کا ہاتھ' کسی کا پیر۔

فانوس کی گردش میں کیا کیا نظر آتا ہے

(۴)

اب ٹرک چلنا شروع ہوتے ہیں--- آواز ایسی جیسے ٹینک اور صورت ایسی جیسے مینڈک---تین چار میل تک پکی سڑک---اس کے بعد ریت ہی ریت---بے اختیار غالب کا شعر یاد آتا ہے۔

دم واپسیں برسر راہ ہے
عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

۳۷ میل تک سڑک کا نام و نشان نہیں بلکہ اس سے بھی آگے ہندوستان کی

سرحد تک --- ریتلے میدان اور ٹیلے --- نشیب و فراز --- ملتے ہلاتے --- اچھلتے کودتے اور پھدکتے چلے جاتے ہیں۔

نہ احساس ہستی نہ ادراک مستی
جدھر چل پڑا ہوں چلا جا رہا ہوں

کوئی کتنا ہی سنجیدہ کیوں نہ ہو' پھدکے بغیر نہیں رہ سکتا --- اور صرف پھدکنا ہی نہیں' "حرکت شش جہات" سے انسان تماشا بن جاتا ہے --- راستے میں سایہ دار درختوں کا نام و نشان نہیں --- بس وہی پودے ہیں جن کا ذکر دوزخ کے ذیل میں ملتا ہے۔ یعنی آک' تھوہر' کیکر' کنڈی' دیوی' جال وغیرہ وغیرہ۔

ہمت بلند نہ ہو تو انسان کہیں کا نہ رہے --- میں نے سفر کیا تو یوں سمجھا کہ شہادت کے لیے محاذ پر جا رہا ہوں --- ٹرک کی ٹینک نما آواز نے مرے شوق شہادت کو اور زیادہ کیا اور بڑا لطف آیا --- اوروں کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا --- وہ شہید ستم ضرور سمجھتے ہیں --- اور بزبان بے زبانی کہتے ہیں۔

اب ہجوم غم و کلفت ہے' خدا خیر کرے
جان پر نت نئی آفت ہے' خدا خیر کرے
جائے ماندن ہمیں حاصل ہے' نہ پائے رفتن
کچھ مصیبت سی مصیبت ہے' خدا خیر کرے

(۵)

اس ٹرک کو دو ڈرائیور چلاتے ہیں۔ ایک اسٹیرنگ کو کنٹرول کرتا ہے اور دوسرا بریک لگاتا ہے اور گیئر بدلتا ہے۔ خالص دیسی انتظام ہے۔ مجھے اس کے ساتھ بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اس لیے یہ حقائق چشم دید ہیں۔

مکتوب نگاری

ڈاکٹر مسعود احمد نے اردو ادب کی خدمت مکتوب نگاری سے بھی کی ہے۔ پہلے میں مکتوب نگاری کا جائزہ پیش کر رہا ہوں تاکہ مکتوب نگاری کی اہمیت و افادیت کا مکمل اندازہ ہو سکے۔ مراسلت کیا ہے؟۔ غائبانہ مکالمت، جب سے انسان نے بولنا سیکھا ہے اور جب سے اعجازِ قلم نے اس کے علم و دانش میں حیرت انگیز اضافہ کیا ہے اسی وقت سے خطوط نگاری کا آغاز ہوا۔ مسلمانوں میں ابتدائی دور سے اس کا وجود ملتا ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کے چند مکاتیبِ گرامی منظر عام پر آ چکے ہیں۔

مکتوب نگاری انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے۔ شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو گا جس کو کبھی لکھنے یا لکھوانے کی ضرورت پیش نہ آئی ہو۔ خط سے بڑھ کر کوئی دوسرا ابلاغ نہیں ہو سکتا جو انسان کو اپنے خیالات و نظریات کی ترجمانی کر سکے۔

خط و کتابت کی بیسیوں قسمیں ہیں۔ مثلاً سیاسی، دفتری، تجارتی، کاروباری، اطلاعی، علمی، معلوماتی، شخصی، جذباتی اور خیالی وغیرہ مگر ان تمام اقسام کو دو حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔

(۱) پرائیویٹ خطوط

ایسے خطوط نجی تعلقات کے بناء پر لکھے جاتے ہیں۔ یہ افشاء عام نہیں ہوتے۔

(۲) دوسرے وہ خطوط جو پبلک ہو سکتے ہیں۔ ایسے خطوط کی اشاعت سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔

خطوط کی تمام قسمیں نفع بخش اور مفید ہیں۔ ان سے علمی اور معلوماتی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ان سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ان سے شخصیات نگاری اور سوانح نگاری کے بیش بہا مواد جمع ہو جاتے ہیں۔ خطوط کے اسلوب کے بارے میں ڈراؤتھی آسبرن نے دل لگی بات کہہ دی ہے،

> میرا خیال ہے کہ خطوط ایسی بے تکلف اور آسان زبان میں لکھنے چاہئیں جیسے ہم آپس میں بات چیت کرتے ہیں، یہ نہ ہونا چاہئے کہ خطوط پڑھتے وقت ایسا معلوم ہونے لگے جیسے ہم کوئی دھواں دھار تقریر سن رہے ہیں[۱]"

۱۔ مکاتیب مظہری، ص ۷۴، مرتبہ ڈاکٹر مسعود احمد

اس میں کوئی شک نہیں کہ سادگی اور سلاست خطوط کا اصل زیور ہے۔ لیکن جس سادگی میں تصنع کا دخل ہو تو وہ پھر معیوب ہو جاتی ہے۔ جلیل قدوائی نے مرزا غالب کے خطوط کے بارے میں لکھا ہے،

''مگر اہل نظر اس امر سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ غالب بھی کہیں کہیں ایچ پیچ سے کام لیتے ہیں اور ان کے بعض خطوط کی برجستگی میں اہتمام اور آورد کا دخل پایا جاتا ہے [۱]''

اور جن مکاتیب میں سادگی کا وجود ہی نہ ہو ان کو خطوط کی فہرست میں شامل کرنا زیادتی ہے۔ ابوالکلام آزاد اور نیاز فتح پوری کے خطوط نام کے خطوط ہیں۔ حقیقت میں مقالات ہیں۔ تعجب تو یہ ہے کہ آزاد نے اپنے مجموعۂ مکاتیب ''غبارِ خاطر'' کے متعلق لکھا ہے۔

''یہ تمام مکاتیب اس خیال سے نہیں لکھے گئے تھے کہ شائع کئے جائیں گے۔'' ہمارے خیال میں ان خطوط کو غبارِ خاطر یا دل کی بھڑاس تو کہا جا سکتا ہے، خطوط نہیں کہا جا سکتا ہے [۲]۔ اس کے برخلاف ڈاکٹر مسعود احمد کے خطوط سلاست ایجاز و اختصار، تسلیم و رضا، صبر و تحمل، پند و موعظت، درست معاملات، عفو و درگزر، ہمدردی و غمخواری، فقہی مسائل، مزاح و ظرافت، شانِ ادبیت کے آئینہ دار ہیں۔ خطوط نگاری کی اہمیت اور تاریخی حیثیت پیش کرتے ہوئے خود ڈاکٹر مسعود احمد رقم طراز ہیں۔

''اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پیرس) اور حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی خدمات قابلِ قدر ہیں۔ دوسری صدی ہجری میں امام مالک کا خط خلیفہ ہارون الرشید کے نام اور امام لیث کا خط امام مالک کے نام خاص اہمیت رکھتا ہے۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں دیلمیوں، سامانیوں، غزنویوں اور سلجوقیوں کی حکومتوں میں اہل قلم ادیبوں کو اپنے خطوط و مراسلات جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا شاہی ضرورتوں نے اس کو فروغ دیا اور فنِ انشاء پیدا ہوا چنانچہ ممالک اسلامیہ میں مختلف عہدوں میں اس صنف میں انشاء پردازوں نے اپنی یادگاریں چھوڑیں ہیں۔ کسی بھی ممتاز علمی و ادبی شخصیت کے تمام مکاتیب کو جمع کیا جائے تو غالباً وہ اس کے تمام اختیاری کاوشوں سے بڑھ چڑھ کر رہیں گے۔ کسی شخصیت کے ذہنی ارتقاء کی

۱۔ مکاتیب مظہری، ص ۲۰۷، مرتبہ ڈاکٹر مسعود احمد

۲۔ مکاتیب مظہری، ص ۲۰۸، مرتبہ ڈاکٹر مسعود احمد

جستجو میں خطوط سے زیادہ اور کوئی چیز معین نہیں ہو سکتی اور سوانحی ادب کی تیاری میں تو خطوط بنیادی حیثیت رکھتے ہیں ا-

ڈاکٹر مسعود احمد کے مکتوب کی تعداد بے شمار ہے - اکثر خطوط میں ادبیت غالب ہے جیسا کہ میں نے مطالعہ کیا ہے مکتوب نگاری پر محترم مولانا عبدالستار طاہر صاحب (پاکستان) کام کر رہے ہیں - سر دست انہوں نے مکاتیب کی مندرجہ ذیل جلدیں تیار کر لی ہیں :-

ا۔ جلد دوم، امام احمد رضا پر تحقیق کا آغاز اور اس کا ارتقا...... ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے نام مکاتیب کے آئینے میں -(اپریل ۱۹۹۲ء)

۲۔ جلد سوم، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے اہم مکاتیب۔ (مارچ ۱۹۹۹ء)

۳۔ اظہارِ غم ۔۔۔ مکتوبات کے آئینے میں (۱۹۹۸ء)

۴۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے مکاتیب میں امام احمد رضا پر محققین کی رہنمائی۔ (جنوری ۱۹۹۹ء)

نبیلہ اسحاق چودھری (ازہر یونیورسٹی، قاھرہ) نے "ڈاکٹر حازم محمد احمد کے نام مسعود ملت کے خطوط" کے عنوان سے ایک جلد مرتب کی ہے، شاہجہاں بیگم (سندھ یونیورسٹی، پاکستان) نے ایم۔ فل کے مقالے میں ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے نام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ کے خطوط کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے -۲-

O

ذیل میں ہم ڈاکٹر مسعود احمد کے چند قدیم و جدید خطوط پیش کر رہے ہیں تاکہ اُن کا اندازِ مکتوب نگاری واضح ہو جائے اور مکتوب نگار دانشوروں کی صف میں اُن کے مقام کا تعین کیا جا سکے۔

ا۔ مکاتیب مظہری، ص ۷۴، مرتبہ ڈاکٹر مسعود احمد

۲۔ (۱) ڈاکٹر مسعود احمد کے سرکاری انگریزی خطوط کا بھی متعلقہ دفاتر میں ایک عظیم ذخیرہ ہے۔ یہ خطوط ۱۹۷۰ء اور ۱۹۹۲ء کے درمیان لکھے گئے۔

(۲) ای۔ میل کے ذریعے دو تین سال سے دنیا سے رابطہ ہے۔ اس برقی ڈاک سے انگریزی میں خطوط آتے جاتے رہے۔ یہ ذخیرہ بھی قابل ذکر ہے۔

مکاتیب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد :

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی، ادارۂ فضیلت

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

حوالہ: ... تاریخ: ...

الی سماحة الشیخ الاستاذ الجلیل حفظه اللّٰه و رعاه

السلام علیکم و رحمة الله و بر کاته

وبعد! نحیطکم علما بأن الإدارة المسعودية في كراتشي (السند-باكستان) تقوم بمهمة تحقيق التراث الاسلامي و نشر الكتب الاسلامية وطبعها بلغات العالم المختلفة والان في طريق البحث عن كتب السنة فوصل الأمر الى مصنف عبدالرزاق، للامام الحافظ ابى بكر عبدالرزاق بن الهمام الصعاني اليماني (١٢٦-٢١١) لكن النسخة المطبوعة في كراتشي. وقد قامت بطبعها ادارة القرآن والعلوم الإسلاميه (گاردن، ایست، کراتشی) ناقصة غير كاملة قد ترک فيها بعض الأحاديث المباركة المعزوة إليه في كتب السلف الصالح رحمهم الله فمثلاً.

يقول الامام ابن حجرالمكي الهيثمي رحمه الله في الفتاوى الحديثية في إجابة سوال رقمه (٣٣) هل خلقت الملائكة دفعة واحدة أم لا؟

فأجاب نفع الله بعلومه و بركته : ظاهر السنة أن الملائكة لم يخلقوا دفعة واحدة فقد أخرج عبدالرزاق بسنده عن جابربن عبدالله الأنصارى رضی الله عنهما قال قلت يارسول الله بأبى أنت وأمى أخبرنى عن أول شئ خلقه الله قبل الأشياء قال"ياجابر! إن الله خلق قبل الأ شياء نورنبيک محمد صلى الله عليه وسلم من نوره فجعل ذلک النوريدوربالقدرة حيث شاء الله ولم يكن فى ذلک الوقت لوح ولاقلم ولاجنة ولانار ولاملک ولاسماء ولاأرض ولاشمس ولاقمر ولاإنس ولاجن فلماأراد الله أن يخلق الخلق قسم ذلک النورأربعة أجزاء ، فخلق من الأول حملة العرش ومن الثانى الكرسى ومن الثالث باقى الملائكة ثم قسم الرابع أربعة أجزاء فخلق من الأول نورأبصار المؤمنين و من الثانى نور قلوبهم وهى المعرفة بالله و من الثالث

۲-۱۰۱ سی-پی-ای-سی ایچ سوسائٹی کراچی-۷۵۴۰۰ اسلامی جمہوریہ پاکستان،
فون نمبر 455 24 68 فیکس 92 21-2561574 ای میل 786kci@cyber.net.pk

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی، اعزاز فضیلت

حوالہ نمبر ______ تاریخ ______

نورأنسهم وهوالتوحيد لاإله إلاالله محمد رسول الله -ﷺ" الحديث فتأمله تجده صريحاً ظاهرافي خلق حملة العرش قبل خلق الملائكة.

الفتاوى الحديثية (ص،۸۵) مطبوعة قديمي كتبخانه، كراتشي

وممن ذكر هذاالحديث كاملاً أوأشارإليه:

۱--عبدالله الغماري في كتابه إرشاد الطالب (الصحيفة: ۹-۱۳) طبع القاهرة

۲--عبدالقادر الجيلاني، سرالأسرار (الصحيفة: ۱۲-۱۴) طبع لاهور

۳--العلامة ابن الحجرالهيثمي في الفتاوىٰ الحديثية (الصحيفة: ۲۴۷) طبع مصطفىٰ البابي الحلبي بمصر

۴-- الحلبي في السيرة الحلبية (ج ۱-۳۱) المكتبه الإسلامية، بيروت

۵--اسماعيل الحقي البروسوي، روح البيان

۶--ورواه الزرقاني وعزاه الى دلائل النبوة للبيهقي (شرح الزرقاني على المواهب (ج ۱/۵۶) المطبعة العامرة

۷--نظام الدين حسن النيسابوري في تفسيره (۸-۶۶) طبع مصطفى البابي الحلبي

۸--ابن الجوزي في مولد العروس عن كعب الأحبار (۱۶) المكتبة الثقافية

۹--إسماعيل بن محمد العجلوني، كشف الخفاء و مزيل الإلباس (۲۶۵/۱) مكتبه الغزالي

۱۰--عبدالغني النابلسي، الحديقة الندية شرح الطريقه المحدية (۳۷۵/۲) نوريه فيصل آباد

۱۱--ابن الحاج، المدخل (۲-۳۴) دارالكتاب العربي.

۲/۱۶۔ کی۔پی۔ای۔ کی۔ایچ سوسائٹی کراچی۔۷۵۴۰۰، اسلامی جمہوریہ پاکستان
فون نمبر 455 24 68 فیکس 92-21-2561574 ای میل 786kci@cyber.net.pk

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
ایم اے، پی ایچ ڈی، امتیاز فضیلت

حوالہ: تاریخ:

۱۲ --- سليمان اجمل، الفتوحات الأحمدية بالمنح المحمدية (ص - ۳) إدارة محمد عبداللطيف الحجازي، القاهرة

۱۳ --- العلامة الحربوطي، عصيدة الشهدة في قصيدة البردة (ص - ۳۷) طبع نور محمد كراتشي

۱۴ --- السيد محمد الالوسي: روح المعاني (۱۷ - ۱۰۵) بيرو

۱۵ --- يوسف بن إسماعيل النبهاني جواهر البحار (ج ۳ - ۲۰۴) مصطفى البابي.

وفيما كتبنا كفاية لطالب الحق فإدارتنا هذه توجهكم نحو بعض الأمور!

۱ --- أن ترسلونا المعلومات حول جميع المجلدات لهذا الكتاب وايضا القطع لهذا الكتاب وعدد جميع صفحاته

۲ --- رقم الصحيفة والمجلد الذى فيه هذا الحديث

۳ --- وصورة ورقة أولى وآخرة وكذا صورة الورقة التى فيها هذا الحديث

۴ --- العزو والإحالة الى النسخ طبعت منها فى العالم

۵ --- اسم الكاتب والناسخ وكيفة الكتابة من رقع ونستعليق ونسخ

۶ --- سنة الكتابة ليعتمد على الأقدم أو الأصح منها.

وصلى الله على خير خلقه محمد واله وصحبه
مع اطيب التميات وعظيم تقدير

د/محمد مسعود أحمد
رئيس الادارة المسعودية في كراتشي

۲-۱۴۰، کی ۔ پی ۔ ای ۔ سی ۔ ایچ سوسائٹی کراچی ۔ ۷۵۴۰۰، اسلامی جمہوریہ پاکستان
فون نمبر 455 24 68 فیکس 92-21-2561574 ای میل 786ci@cyber.net.pk

سی / ۱۹- ۲۲۶۲
جھور امل لین، حیدر آباد سندھ
(۱۲فروری ۱۹۵۳ء)

O

من دانم و دل کہ فرقت چونم
کس راچہ خبر زاندرونِ دل منس

المحترم مدظلہ العالی
سلام مسنون!

حضرت نے احقر کے علوم عربیہ کی طرف بے رخی اور بے اعتنائی پر اظہار افسوس فرمایا- یہ احقر کی بد بختی اور شومئی قسمت ہے کہ حضرت کی تمنائے قلبی کو پورا کرنے سے قاصر رہا، ہاں ۔

زبخت من خبر آرید تا کجا خفتہ است

احقر نے عرصہ ہوا یہ عزمِ مصمم کر لیا ہے کہ علوم انگریزیہ کی تکمیل کے بعد اس سرچشمہ صافی سے اپنی تشنگی حیات فرو کروں گا- کاش یہ آرزو حقیقت بن جائے اور احقر اس گلشن سدا بہار کا گلچیں ہو جائے- آمین!

والسلام
احقر محمد مسعود عفی عنہ

بنام والد ماجد مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ

O

سی / ۹۱- ۲۲۶۲
جھور امل لین، حیدر آباد سندھ
۲۷فروری ۱۹۵۳ء

اُس بن جہاں نظر آتا ہے کچھ اور ہی
گویا وہ آسمان نہیں وہ زمیں نہیں

مخدومی و مطاعی دامت برکاتہم العالیہ
السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

کلمات عالیہ اوراق خشک نہیں گل ہائے شقائق تھے کہ قطار در قطار دل حزین کو دعوت تماشہ دے رہے تھے، پھولوں کی دلربائی نے دل کو موہ لیا اور نظر فریبی نے نظر کو کھینچ لیا۔ عالم تصورات میں صورت گرامی نظر انداز ہوئی اور یہاں ؎

آنکھیں کھولیں بھی بند بھی کیں وہ شکل نہ سامنے سے ہٹی

پچھلا صحیفہ گرامی دل آزار نہ ہوا بلکہ جمعیت و عزم کا باعث ہوا، واماندۂ کارواں کو بانگ درا سے آشنائے گوش کیا اور درماندۂ راہ کو قوت رفتار عطا کی، تحصیل علم کے شوق اور منزل کے ذوق سے نوازا، بے ساختہ زباں سے نکل پڑا ؎

عطا اسلاف کا سوز دروں کر
شریکِ زمرۂ لایحزنوں کر!

والسلام
احقر محمد مسعود عفی عنہ

بنام والد ماجد مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ

O

نوٹ: ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب درس نظامیہ کی تکمیل نہ کر سکے اور ۱۹۴۸ء مشرقی پنجاب یونیورسٹی (سولن، شملہ) سے فاضل فارسی کا امتحان پاس کر کے پاکستان آگئے۔ یہاں کے حالات کا تقاضا تھا کہ انگریزی تعلیم حاصل کر کے کسب معاش کا راستہ ہموار کیا جائے چنانچہ وہ کلی طور پر اس طرف متوجہ ہو گئے۔ آپ کے والد ماجد مفتی محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ نے جن کی نظر میں دین ہی سب کچھ تھا۔ ڈاکٹر صاحب کو ۱۹۵۳ء میں علوم عربیہ کی طرف متوجہ کیا تو ڈاکٹر صاحب نے پہلا جواب ارسال کیا۔ پھر مفتی اعظم کو محسوس ہوا کہ شاید یہ بات ڈاکٹر صاحب [illegible] گزری تو دوسرا خط ارسال فرمایا جس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے دوسرا خط ارسال کیا۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے خوش ہو کر ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:۔

"امید ہے کہ اپنے بھائیوں سے سبقت لے جاؤ گے اور اپنے اجداد کا نمونہ ثابت ہو گے۔ (۲۵ فروری، ۱۹۵۳ء)

ڈاکٹر صاحب کے بڑے بھائیوں میں علامہ مفتی محمد مظفر احمد علیہ الرحمہ، علامہ مفتی محمد مشرف احمد علیہ الرحمہ، حافظ قاری مولانا محمد احمد علیہ الرحمہ، علامہ محمد منور احمد علیہ الرحمہ، علامہ محمد منظور احمد علیہ الرحمہ سب کے سب عالم، فاضل تھے مگر پوری دنیا میں دین، مسلک کے ترویج، اشاعت کی توفیق پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کو میسر آئی، اس طرح مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی پیشن گوئی پوری ہوئی اور ڈاکٹر صاحب کی وہ تمنا بھی پوری ہوئی جس کا اظہار انہوں نے اپنے خط میں کیا ہے اور مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی یہ دعا بھی مستجاب ہوئی۔

مولیٰ تعالیٰ تم سے میری آنکھیں ٹھنڈی رکھے اور مخلوق کو تمہاری دینی خدمت سے بہرہ ور کرے! (مکتوب محررہ ۱۹۴۹ء) انجم

10-C
B-56 سیٹلائٹ ٹاؤن روڈ
سرگودھا

Mohammad Masood Ahmed
Professor of Urdu
M.A.; W.P.E.S.—I

۲۰ نومبر ۱۹۷۶ء

مخدومی جلیلی دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے ۔ رسالہ نقش بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ ارسال کر دیا تھا ۔ امید ہے کہ مل گیا ہوگا ۔ اعتراف وفا کیا گیا کہ رسالہ نقش کے بارے میں چند باتیں معلوم کرنی ہیں، یہ مکتوب اسی غرض سے ارسال کر رہا ہوں ۔

رسالہ نقش میں سلسلۂ نقشبندیہ کا شجرہ (یعنی تبادلات) بہ حضرت والا جاہ جلیلہ والا کے مطبوعہ شجرے سے مختلف نظر آتا ہے ۔ اعتراف کے باب میں مقدمۃ السالکین (مرتبہ محمد اسلم نقشبندی) اور مسبیح ابرار کی مدارج الاخیار (مرتبہ محمد معصوم نقشبندی) ہیں ۔ ان دونوں کتابوں میں سلسلۂ نقشبندیہ کا شجرہ مطبوعہ شجرے کے مطابق ہی اور نقش سے مختلف ہے ۔ مطبوعہ شجرہ اور نقش میں جہاں جہاں اختلاف نظر آیا وہ نشان کر دیا ہے ۔ امید ہے جناب کی ترتیب پر مطلع فرمائیں گے ۔

مطبوعہ شجرہ ① خواجہ محمد باقی عن ت و ... عن خواجہ درویش محمد عن خواجہ محمد زاہد عن خواجہ عبید اللہ احرار
نقش مخطوطہ: خواجہ محمد باقی عن خواجہ ... عن مولانا خواجگی عن مولانا قاضی عن خواجہ عبید اللہ احرار

مطبوعہ شجرہ ② یعقوب چرخی عن علاء الدین عن بہاؤ الدین
نقش مخطوطہ: یعقوب چرخی عن خواجہ بہاؤ الدین

مطبوعہ شجرہ ③ ابو علی فارمدی عن ابو الحسن خرقانی عن بایزید بسطامی
نقش مخطوطہ: ابو علی فارمدی عن ابو القاسم گرگانی عن ابو الحسن خرقانی عن بایزید بسطامی

میرے عزیز فاضل شاگرد اور مشہور مصنف ہیں ۔ بہت کتابیں لکھی ہیں ۔ مجھ سے بہت تعلق رکھتے ہیں ۔ کئی کالجوں میں پرنسپل رہ چکے ہیں اور غالباً ڈپٹی سیکریٹری محکمۂ تعلیم کی حیثیت سے فارغ ہو گئے ہیں ۔

۵۶ ۔ بی /۵ ۔ ۱۰ ریلوے جائنٹ روڈ کوئٹہ
۲۹ مارچ ۱۹۷۰ء

مخدومی و مطاعی دامت برکاتہم العالی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

صحیفہ گرامی موصول ہوا۔ نوازش و کرم کا ممنون ہوں ۔ افسوس ہوا کہ احقر کا پہلا عریضہ آں جناب کو نہیں ملا ۔ احقر موسم سرما کی تعطیلات میں کوئٹہ سے باہر تھا۔ ۲۴ فروری کو جب یہاں پہنچا تو گرامی نامہ ڈاک میں رکھا ہوا تھا ۔ اس وقت عزیزم سراج احمد سلمہ جا بھی چکے ہوں گے ۔ چنانچہ احقر نے فورا جواب پیش کیا کہ اگر ضرورت ہو تو کراچی میں ایک صاحب کے ذریعہ انتظام کرایا جا سکتا ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد برادران سے کسی قسم کی اعانت مناسب نہیں سمجھتا اس لیے یہ تحریر کیا تھا ۔ میاں سعید کو بہت پہلے خط لکھ چکا تھا ۔ اس وقت تک گرامی نامہ مطالعہ میں بھی نہ آیا تھا۔ آئندہ اگر ضرورت ہو تو پہلے فرمادیں کراچی میں کچھ عزیز ہیں ان کے ذریعہ انتظام ہو سکتا ہے۔

وائس چانسلر کے نام ایک درخواست بھیج دوں گا۔ ان کا جواب ملنے پر پھر عبادت صاحب کو لکھوں گا۔ آپ دعا فرمائیں ۔ بس اسی تعالیٰ کے کرم کی ضرورت ہے۔

اسماعیل پاشا نے اشباہ النبوہ کا علیحدہ ذکر کیا ہے اور اشباہ الواجب کا علیحدہ ان کے ناموں سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ موضوع الگ الگ ہیں۔

تاریخ صبح صادق کس کی تالیف ہے ۔ تفصیلات سے مطلع فرمائیں تاکہ تلاش کی جائے۔شیخ آدم بنوری کے خلاف کارروائی سے بھی شاہ جہاں کی حضرت مجددؒ سے عدم عقیدت پر روشنی پڑتی ہے ۔ تعجب یہ ہے کہ ضمناً بھی ذکر مناسب نہ سمجھا گیا۔مثلاً مولانا عبدالحکیم سیال کوٹی کے تذکرے میں حضرت مجددؒ سے عقیدت و بیعت کا کوئی ذکر نہیں ۔ علماء و صوفیہ کی فہرست میں نہ خواجہ محمد معصوم کا ذکر ہے نہ خواجہ محمد سعید علیہما الرحمہ کا۔ پھر شاہ جہاں کا دارا شکوہ پر نظر عنایت رکھنا اور اورنگ زیب علیہ الرحمہ کو نظرانداز کرنا بھی اس شک میں تقویت پیدا کرتا ہے کیوں کہ حضرت اورنگ زیب کو اس خاندان سے بے پناہ محبت تھی۔

زبدہ المقامات میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے سلسلہ نسب میں خواجہ محمد ہاشم کشمی نے جن واسطوں کا ذکر فرمایا ہے اس کے متعلق مولانا زید صاحب فرماتے تھے کہ خواجہ موصوف نے آخر میں تسامح ہو گیا ہے انھوں نے سلسلہ نسب حضرت حضرت عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر ختم کر دیا ہے ۔ حضرات القدس ، جواہر مجددیہ ، انساب الانجاب ، مراۃ الانساب ، اورھدیہ احمدیہ وغیرہ میں شجرہ نسب اسی طرح لکھا ہے ۔ لیکن مولانا زید کے نزدیک یہاں دو واسطے رہ گئے ہیں اصل یہ ہیں ۔

عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر فاروق رضہ

انھوں نے فرمایا تھا کہ احسان اللہ عباسی صاحب نے بھی غلطی کی ہے اور ایک واسطہ کا اضافہ کر دیا ہو ۔ انھوں نے اس طرح لکھا ہے۔

عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عبداللہ بن عمر فاروق رضہ

آپ کے پاس کتاب موجود ہے دیکھ کر مطلع فرمائیں۔

بظاہر زبدۃ المقامات کا بیان صحیح معلوم ہوتا ہے کیوں کہ ان کی تحریر صاحبزاد گان خواجہ محمد معصوم ۔ اور خواجہ محمد سعیدؒ کی نظر سے بھی گزری ہو گی۔ اگر غلطی ہوتی تو وہ ضرور اصلاح فرماتے ۔ مولانا زید صاحب نے اپنے قول کی تائید میں کوئی مستند حوالہ نہیں بتایا اور نہ احقر نے دریافت کیا۔ آں جناب اپنی تحقیق سے مستفید فرمائیں۔

اہلیہ اور بچیاں سلام عرض کرتی ہیں۔ گھر میں سلام عرض کریں۔

فقط والسلام احقر

محمد مسعود احمد

نوٹ

مولوی محمد میاں (مؤلف علماء ہند کا شاندار ماضی) نے حضرت مجدد کے حالات کے ضمن پر ایک کتاب الخطبہ الشوقیہ کا ذکر کیا ہے۔ یہ کس کی تالیف ہے۔ رسالہ تہلیلہ اور شرح رباعیات احقر کے پاس نہیں، کراچی لکھا تھا جواب نہیں آیا۔ اگر آں جناب کے پاس ہوں تو ارسال فرمادیں۔

منصب مجددیت کے سلسلے میں علمائے کرام عموماً وہ حدیث پیش کرتے ہیں
جس کا مضمون اوپر پہلے صفحے میں ذکر کیا گیا۔ لیکن کوئی حدیث جس کے
ذریعے الف ثانی کے لیے رہنمائی ہو سکے اور دلائل مزید دیئے جا
نہیں ملی۔

الف ثانی کے سلسلے میں مولانا مناظر احسن گیلانی نے ان خیالات کا
اظہار کیا ہے:۔

"مگر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی تجدید کی جو اضافت الف ثانی
یعنی اسلام کی مدت عمر کے دوسرے ہزار سال کی طرف ہے
جہاں تک میرا خیال ہے ——— اس کا زیادہ تر تعلق
اکبر کے اس نظریہ (الف ثانی) سے معلوم ہوتا ہے"

(تذکرہ مجدد الف ثانی۔ ص ۳۰۳)

خود حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے دفتر دوم حصہ ششم مکتوب نمبر ۴ میں
مجدد ثانی اور مجدد الف کا فرق ظاہر فرمایا ہے اس مکتوب کے تفصیلی
مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نظریہ کا تعلق اکبر کے نظریہ سے نہیں بلکہ
کسی حدیث سے ہے۔ ایسی کوئی حدیث مل جاتی تو مستشرقین کو مسکت جواب
دیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی بار بار بھی حدیث کے متعلق معلوم ہو جاتا تو جواب
کے لیے دیکھا جا سکتا ہے

۱۹۵۷ء کے آخر میں یا ۱۹۵۸ء کے شروع میں علامہ [illegible]
نے رہنمائی کے لیے یہ خط لکھ دیا تھا:۔

o

۲/۱۷-سی

پی-ای-سی-ایچ-سوسائٹی،

کراچی

۱۴اکتوبر ۱۹۸۶ء

مکرمی السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

محسنِ ملت محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی اہلِ سنت کی آبرو اور اہل سنت کا ایک عظیم سرمایہ ہیں- آپ کا اہم علمی اور اعتقادی کارنامہ مرکزی مجلس رضا، لاہور کا قیام ہے جس کی وجہ سے پاک وہند کی علمی فضائیں امام احمد رضا کے ذکر واذکار سے گونجنے لگیں، تاریکیاں چھٹنے لگیں- روشنیاں پھیلنے لگیں- امام احمد رضا کے یوم منائے جانے لگے- مجالس مذاکرہ منعقد ہونے لگیں- پاک وہند، یورپ وامریکہ اور افریقہ کی جامعات میں ریسرچ ہونے لگی- عالمی اور علاقائی سطح پر مقالہ نگاری کے مقابلے ہونے لگے- مجلس رضا کی شاخیں ملک وبیرون ملک پھیلنے لگیں- نئے نئے علمی ادارے اور مکتبے قائم ہونے لگے- اہلِ سنت کی کتابیں اس طرح مارکیٹ میں آنے لگیں بقول ماہر تعلیم سید الطاف علی بریلوی مرحوم "جیسے بارش ہورہی ہو"- بلاشبہ حکیم صاحب ابرِ بہار بن کر اہلِ سنت کی فضا پر چھاگئے اور اہلِ سنت میں حیرت انگیز بیداری پیدا کی---- کوئی داد دے یا نہ دے ہر داد و تحسین سے بے نیاز ہیں- ان کا عظیم کام ہی جائے خود اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے- اللہ تعالیٰ ان کو صحت وعافیت کے ساتھ قائم ودائم رکھے- آمین!

۱۹۷۰ء تک راقم کو لکھتے ہوئے چودہ سال ہوچکے تھے- راقم کے تحقیقی مضامین پاک وہند کے علمی جرائد میں شائع ہورہے تھے لیکن سنہ مذکور میں محترم حکیم صاحب مدظلہ اور مکرمی مولانا محمد عبدالحکیم اختر شاہجہان پوری (لاہور) شیخ محمد عارف قادری نے راقم کو امام احمد رضا کی طرف متوجہ کیا- یہ توجہ راقم کی علمی زندگی میں ایک موڑ ثابت ہوئی- آج سولہ برس ہوگئے راقم کا مرکزی موضوع تحقیق امام احمد رضا ہی ہے- سچ ہے ؎

مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

کا ہے---- یہ اس کا کرم ہے کہ اپنی چیز ہم کو عطا فرما کر ہماری بنا دیتا ہے پھر جب چاہتا ہے واپس لے لیتا ہے تاکہ نظر اسی کی طرف لگی رہے اور تعلق و محبت میں کمی نہ ہونے پائے---- تقاضائے بندگی یہی ہے کہ اس کی رضا پر راضی رہا جائے اور اس کی یاد سے فکر و نظر اور دل و جگر کو آباد رکھا جائے، بلاشبہ ؎

حیات کیا ہے، خیال و نظر کی مجذوبی

سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرزند دل بند کی مفارقت پر جو کچھ فرمایا آج وہی ہماری زبان پر آرہا ہے---- آپ نے فرمایا---- ''اے ابراہیم تیرے فراق میں آنکھ روتی ہے اور دل بیقرار ہے لیکن ہم زبان سے کچھ نہ کہیں گے مگر وہی جس سے ہمارا رب راضی رہے''---- اللہ اکبر! عین بلا میں یہ ضبط و تحمل اور یہ صبر و شکر!

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا کہ انعام میں بھی لذت ہے اور ایلام میں بھی-- انعام کی لذت میں شائبہ حظ نفس ہے مگر ایلام میں جو لذت محسوس ہوتی ہے اس میں شائبہ خط نفس نہیں، یہ خالص ہے اس میں لذتِ نفس کی ملاوٹ نہیں- سبحان اللہ! ان حضرات کی تعلیم نے اندھیروں میں اجالا کر دیا اور غم کو اس زاویہ سے دیکھا کہ غم، غم ہی نہ رہا---- دوست ہم کو محبوب اور دوست کی طرف سے جو غم ملے وہ بھی محبوب، ہاں

رنجِ راحت ہے، سکون غم ہجراں کی قسم
یادِ جاناں کی قسم، جلوۂ جاناں کی قسم

حضرت بابا صاحب علیہ الرحمہ کی زیارت سے فقیر ایک دوبار مشرف ہوا مگر اس مختصر صحبت نے دل پر انمٹ نقوش چھوڑے ہیں- پیکرِ صدق و صفا تھے، شفیق و کریم تھے، وہ مجسمۂ اخلاص و اخلاق تھے، ان کے اخلاص و اخلاق کی زندہ کرامت آپ کا وجود مسعود ہے-- آپ ان کے لئے صدقۂ جاریہ ہیں اور مخلوقِ الٰہی کے لئے فیض اماں-- مولیٰ تعالیٰ آپ کے وجود بابرکت سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی رکھے اور حضرت بابا صاحب علیہ الرحمہ کو اپنے جوارِ قدس میں بلند درجات عطا فرمائے، ان کی تربت پاک کو اپنے انوار و تجلیات سے معمور فرمائے- آمین اللّٰھم آمین!

فقیر و اہلِ خانہ اس غم انگیز سانحہ پر دلی تعزیت پیش کرتے ہیں اور دل کی گہرائیوں سے شریکِ غم ہیں-

رنج فراق یار کہ از یار می رسد
خوش می رسد بہ حسرت حیران رسیدہ باد

فقط والسلام
احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

بنام خواجہ محمد عبداللہ جان قادری نقشبندی مجددی، پشاور (سرحد)

O

باسمہ تعالیٰ

گورنمنٹ ڈگری کالج
ٹھٹھ (سندھ)
۱۹ دسمبر ۱۹۸۹ء

مکرمی زید عنایتکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ - امید ہے کہ مزاج گرامی خیر ہوں گے - نوازش نامہ ٹھٹھہ سے ہوتا ہوا سکھر پہنچا - یاد آوری اور کرم فرمائی کا ممنون ہوں۔ آپ نے فقیر کی نگارشات کو پسند فرمایا اور دعاؤں سے نوازا، اس عنایت گرامی کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں - مولیٰ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے اور آپ کا مبارک سایہ سلامت رکھے - آمین

عارف کامل کا یہ فرمانا کہ :-

"اگر کوئی سمجھے تو نامرادی بھی ایک نعمت ہے"

سچ اور برحق ہے - قرآن حکیم میں آیتِ کریمہ ولنبلونکم بشئی من الخوف آلایتہ میں نامرادوں کو رحمت وہدایت کی بشارت دی گئی ہے ---- حدیث شریف میں آیا ہے کہ بعض بندوں کی دعا اس لیے قبول نہیں کی جاتی رب تعالیٰ کو ان کا اپنے حضور بار بار آنا اچھا لگتا ہے ---- اور جس ادا کو وہ کریم پسند فرمائے اس کے کیا کہنے !

حضرت حسین بن منصور الحلاج علیہ الرحمہ نے دعا فرمائی - خدایا دنیا جہاں کی نعمتیں سب کو عطا فرما مجھ کو کلفتیں اور مصیبتیں عطا فرما -

اللہ اکبر ! ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

میری ہوس کو عیش دو عالم بھی تھا قبول
تیرا کرم کہ تو نے دیا دل دُکھا ہوا

اور اقبال کہتے ہیں ؎

عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھکے ہے فراق

وصل میں مرگ آرزو، ہجر میں لذت طلب

گویا ہجر و فراق میں زندگی کی حرارت ہے اسی لیے بعض کاملین نے ہجر کو پسند فرمایا---- حضرت مجدّد الف ثانی علیہ الرحمہ کو جب جہانگیر نے قلعہ گوالیار میں قید کر کے بے اختیار کیا تو آپ نے تحریر فرمایا- سبحان اللہ! اس کریم نے ہمیں بے اختیار بنا کر اپنے اختیار میں لے لیا- گویا نامرادی و ناکامی قرب و معیّت الٰہی کا ذریعہ بن گئی---- قرآن حکیم نے نامرادوں کو صبر کرنے پر اپنی معیّت کا مژدہ سنایا----

حقیقت یہ ہے کہ نامرادی بامرادوں کا زینہ ہے ---- نامرادی، بامرادوں کا خزینہ ہے ----اقبال نے خوب کہا ہے ؎

نہ بچا بچا کے تو رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے- دعاؤں میں یاد رکھیں- فقیر مصروف رہتا ہے- آپ کے ارشاد پر مختصر معروضات پیش کر دیں-

فقط والسلام
احقر محمد مسعود احمد

بنام شیخ محمد امین (پیر بزرگ)
لاہور
۱۹ دسمبر ۱۹۸۹ء

O

۱۳ اگست ۱۹۹۳
کراچی
صدیق من بجنار شکیبائی آرام گرفتہ باشید!

السلام و علیکم ورحمتہ اللہ برکاتہ -- حاجی محمد الیاس صاحب کا غم نامہ ملا، برق ناگاہی ثابت ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! لختِ جگر کا اٹھ جانا ایک قیامت ہے -- حیف!

بہرِ بہارِ گل از زیرِ گل بر آرد سر
گلے برفت کہ نہ آید بصد بہار دگر

مولائے کریم بے نیاز ہے، جب چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے، جب چاہتا ہے لے لیتا ہے -- سب کچھ اسی کا ہے، ہمارا ہے کیا؟ ---- وہ رحمٰن و رحیم ہے اپنی ملک کا ہم کو مالک بنا دیا - سبحان اللہ! ایسا کرم فرمایا! اس نے اپنے انعام کو ہمارے لئے وجہ سکون بنایا، کتنے دن ہمارے پاس رکھا۔ ہم اس عنایت کا شکر ادا نہیں کر سکتے -- نعمت کے چلے جانے پر اس عنایت کو ضرور یاد رکھنا چاہئے - مولیٰ تعالیٰ، ہجوم غم میں اپنی ہی یاد میں مصروف و مستغرق رکھے - آمین!

غم تنہا نہیں آتا، برکتوں، رحمتوں اور نعمتوں کو ساتھ لے کر آتا ہے - جبھی تو ایک بلند حوصلہ عاشق نے کہا -

میری ہوس کو عیش دو عالم بھی تھا قبول
تیرا کرم کہ تونے دیا دل دکھا ہوا

یہ دکھا ہوا دل اللہ کی رحمت ہے، غمزدوں کے لئے بشارتیں ہی بشارتیں ہیں -- حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ خوشی بھی اس کی طرف ہے اور غم بھی اس کی طرف سے ہے۔ غم کو پھر گلے کیوں نہ لگائیں؟ ---- انعام میں جو سرور ملتا ہے وہ ایلام کے سرور سے کم تر ہے - انعام کی خوشی میں نفس بھی شریک ہوتا ہے اور ایلام میں جو روحانی سرور ملتا ہے اس کو دل ہی جانتا ہے - خواہش نفس کا وہاں گزر بھی نہیں ---- ایلام و مصیبت کی لذت خالص ہے - سبحان اللہ! حضرت حسین بن منصور الحلاج علیہ الرحمہ نے فرمایا، "خدایا سارے جہان کا غم اور مصیبتیں مجھ کو عطا فرما!" ---- اللہ اکبر! عاشق ہو تو ایسا ہو! ----

ہم اللہ سے محبت کرتے ہیں، اللہ کے رسول علیہ التحیۃ والتسلیم سے محبت کرتے ہیں - بغیر آزمائش کے محبت کی سچائی ظاہر نہیں ہوتی - ہر آزمائش عاشق کے لئے آئینہ ہے، دیکھنے والے دیکھ

بھی لیتے ہیں اور وہ خود بھی دیکھ لیتا ہے کہ کتنی محبت ہے، پھر نئے جوش اور ولولے سے آگے بڑھتا ہے یہاں تک کہ خوشی و غم کی تمیز اٹھ جاتی ہے، سدا بہار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس غم کو وسیلۂ ظفر بنائے۔ آمین! کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

آلامِ روزگار کو آسان بنادیا
جو غم ملا اسے غمِ جاناں بنادیا

سرکارِ دو عالم ﷺ کے لختِ جگر جاں بلب ہیں، سرکار کی گود میں لیٹے ہیں، دیکھتے ہی دیکھتے جدا ہو گئے، سرکار کی آنکھوں میں آنسو آگئے، تار بندھ گیا فرمایا---اے ابراہیم! آنکھ روتی ہے، دل غمزدہ ہے مگر ہم کچھ نہیں کہیں گے، مگر وہی جس سے ہمارا رب راضی ہو۔ ہاں ؎

تیری مرضی جو دیکھ پائی ہے
خلش درد کی بن آئی ہے

اللہ تعالیٰ آپ کو اور بھابی صاحبہ کو اپنی رضا پر راضی رکھے، اس صدمۂ جانکاہ پر صبر و استقامت عطا فرمائے اور مرحومہ کی مغفرت فرما کر درجاتِ عالیہ عطا فرمائے۔ آمین!

مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا
آمین!

اللہ تعالیٰ نے ماں، باپ، بھائی بہن، بیوی بچے، عزیز رشتہ دار، مال و دولت سب ہی کچھ عطا فرمایا مگر اس شرط کے ساتھ کہ محبت ہم سے ہی کرنی ہے، ہم کو اور ہمارے محبوب ﷺ ہی کو چاہنا ہے---خبردار! کسی کی چاہت ہماری اور ہمارے حبیب کریم کی چاہت پر غالب نہ ہو---ہاں ؎

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی!

فقیر نے اپنے والد ماجد مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کو اسی محبت میں وارفتہ پایا---دو جوان و صالح اور عالم فرزند اللہ کو پیارے ہوئے، ایک جواں سال، عارفہ، زاہدہ بیٹی اللہ کو پیاری ہوئیں۔ فقیر نے حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ کی آنکھ میں آنسو نہ دیکھا---جب فقیر دہلی حاضر ہوتا، نظر بھر کے فقیر کو نہ دیکھتے، ایک مکتوب میں تحریر فرمایا کہ تمہیں اس لئے نہیں دیکھتا کہ کہیں تمہارے جانے کے بعد تمہاری یاد اللہ سے غافل نہ کردے---اللہ اکبر! توجہ الی اللہ کا یہ

اہتمام کہ برسوں کے بعد بیٹا سامنے آئے تو نظر بھر کے بھی نہ دیکھیں کہ کہیں بیٹے کی یاد خدا سے غافل نہ کر دے ---- ان کی محویت کا یہ عالم تھا کہ مدینہ منورہ حاضری کے وقت صفحۂ دل سے بیٹوں اور بیٹیوں کے نام محو ہو گئے، اور کسی کا نام یاد نہ رہا --- حضرت کے رفقائے کار نے یہ بات بتائی - اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ایسی محویت عطا فرمائے - آمین!

فقیر تو آپ کی آمد آمد کے انتظار میں تھا کہ اچانک یہ جانکاہ خبر ملی - ۲۰ اگست ۱۹۹۲ء کو کراچی میں امام احمد رضا کانفرنس ہے، آپ کا نام بھی مقالہ پڑھنے والوں میں شامل کیا گیا ہے، مگر اللہ کو منظور نہ تھا کہ آپ اس کانفرنس میں شرکت فرماتے - بہت ہی صدمہ ہے - دوہرا صدمہ ---- صاحب زادی کی مفارقت کا صدمہ اور آپ کے نہ آنے کا صدمہ - فقیر ۳۰ اپریل کو ریٹائر ہو کر کراچی آگیا ہے - آئندہ کراچی کے پتے پر مراسلت فرمائیں - عرصہ ہوا کہ عریضہ کے ساتھ کچھ کاغذات بھی بھیجے تھے - مل گئے ہوں گے ----

اہلیہ اور بچے سب آپ کے شریک غم ہیں - ہم سب کی طرف سے بھابی صاحبہ کی تعزیت فرمادیں - ان کا غم آپ سے زیادہ ہوگا، ماں کی محبت کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے، باپ بھی اس کا اندازہ نہیں کر سکتا - اسی لئے اللہ نے ماں کے قدموں کے نیچے جنت کا پتا بتایا --- ۱۹۴۷ء کی ایک ڈراونی رات میں جب کہ دہلی میں کشت و خون کا بازار گرم تھا فضا پر سناٹا چھایا ہوا تھا، ہر شخص اپنے گھر میں قید تھا، اچانک ایک غم رسیدہ عورت کی آواز آئی جو موت کی تلاش میں سرگرداں تھی، وہ اپنے مقتول بچے کو یاد کرتی پھر پھوٹ پھوٹ کر روتی ---- جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے اس آواز کا کرب بڑھتا جاتا ہے ---- ماں کا درجہ بہت بلند ہے، اس کی مامتا کا ثانی نہیں ---- بھابی کے دل پر کیا گزرتی ہوگی! لیکن اللہ کی یاد ہی ہر غم کا علاج اور ہر درد کی دوا ہے ---- مولیٰ تعالیٰ ان کو صبر و تحمل عطا فرمائے اور دل کو سکون و چین عطا فرمائے - آمین!

آئی جو ان کی یاد تو آتی چلی گئی
ہر نقشِ ماسوا کو مٹاتی چلی گئی

اچھا اجازت دیں، دعاؤں میں یاد رکھیں - فقیر بھی آپ کے اور بچوں کے لئے دعا کرتا ہے -

فقط والسلام
احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

بنام پروفیسر غیاث الدین قریشی مرحوم
نیو کاسل، انگلستان

o

۴جنوری ۱۹۹۸ء
کراچی

محترم المقام دام اجلالکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاجِ اقدس خیر و عافیت ہوں گے- مولیٰ تعالیٰ آپ کو یہ عہدۂ جلیلہ مبارک فرمائے- آمین! جس حوالے سے پاکستان وجود میں آیا تھا اس کا ظہور نصف صدی بعد ہوا- فالحمد للہ علیٰ ذلک- امید ہے کہ آپ اپنے اختیارات کو مومنانہ جرأت کے ساتھ اللہ پر توکل کرتے ہوئے اسلام کی سربلندی اور اللہ کی مخلوق کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال فرمائیں گے----اب تک اہلِ اقتدار کے قول و عمل میں تضاد رہا، وہ اللہ کے بندوں کو تاجرانہ نظر سے دیکھتے رہے، اللہ کے بندے مشفقانہ اور مربیانہ نظر سے محروم رہے، ان کو مسلسل سبز باغ دکھائے جاتے رہے، بہترین ذہن کو ناکارہ بنانے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا گیا، وہ مایوس نہ تھے ان کو مایوسی کا درس دیا گیا، امید کا درس بھلا دیا گیا--اللہ و رسول سے دامن چھڑا کر دنیا میں لگا دیا گیا، سیاسی مقاصد کے لئے ان سے وہ کام لئے گئے جس کا اسلام میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا- اب وقت آ گیا ہے کہ ان کے دلوں میں دینی حمیت بیدار کی جائے، دین کی عظمت کا احساس دلایا جائے اور اسلامی شعائر کو زندہ کیا جائے- مولیٰ تعالیٰ آپ کو دونوں جہان میں کامیاب فرمائے- آمین!- اخلاص کی روح یہ ہے کہ جو کام کیا جائے اللہ کے لئے کیا جائے اور نفس کو شریعت کے تابع رکھا جائے- اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے- آمین!

فقط والسلام

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

عالی جناب جسٹس محمد رفیق تارڑ
صدر اسلامی جمہوریۂ پاکستان، اسلام آباد

O

۲۲ جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ　　　　۱۴ اکتوبر ۱۹۹۹ء

مکرمی زید مجدکم

السلام وعلیکم ورحمتہ "سہ ماہی الکوثر" کا تازہ شمار موصول ہوا۔ کرم فرمائی کا ممنون ہوں۔ محترم سید وجاہت رسول قادری زید عنایتہٗ کو ان کی کاپی اور خط دے دیئے گئے۔ مکرمی پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو زید لطفہ کا گرامی نامہ نظر نواز ہوا جس میں ملک العلماء نمبر کے لئے کچھ لکھنے کی سفارش کی گئی ہے آپ کے علم میں ہے فقیر مصروف رہتا ہے، جو علمی منصوبہ سامنے ہوتا ہے اس کی طرف توجہ مرکوز رکھتا ہے، توجہ ہٹ جانے سے منصوبہ کی تکمیل میں کبھی کبھی برسوں لگ جاتے ہیں۔ اس لئے بادل نخواستہ بزرگوں کے ارشادات کی تعمیل سے بھی قاصر رہتا ہے اور ندامت ہوتی ہے۔

حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ کے نام حضرت والد ماجد مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ (م ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۶ء) کے تین خطوط مکاتیب مظہری (کراچی ۱۹۹۹ء) میں شائع ہوئے ہیں۔ اس کا عکس بھیج رہا ہوں، شامل فرمالیں۔

حضرت ملک العلماء علامہ محمد ظفر الدین قادری رضوی (ولادت ۱۸۸۰ھ ۱۳۰۳ھ۔ وفات ۱۹۶۲ء / ۱۳۸۲ء) اہل سنت کے نہایت ہی ممتاز عالم تھے۔ وہ ممتاز معلم و مقرر اور محقق و مصنف تھے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے محبوب شاگرد اور محبوب معین و مددگار تھے۔ لائق اور قابل استادوں سے پڑھا۔ دارالعلوم منظر اسلام، بریلی شریف کے پہلے شاگرد ہوئے۔ اعلیٰ حضرت سے مستفیض و مستفید ہوئے اور بعد میں خلافت و اجازت سے نوازے گئے۔ وہ منظر اسلام میں مدرس بھی رہے اور فتوے بھی لکھتے رہے اس کے علاوہ مختلف مدارس عربیہ میں خدمات جلیلہ انجام دیں۔۔۔۔ ان کی زندگی دور جدید کے استادوں اور دانشوروں کے لئے بے مثال نمونہ ہے۔ علم ہیأۃ اور علم توقیت میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے بعد وہ مرجع بنے۔ فقیر کے والد ماجد مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ (م ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۶ء) نے بھی ان سے استفادہ کیا، وہ بھی ملک العلماء کے بعد اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ ملک العلماء کی تصانیف میں صحیح البہاری شریف (۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء) نہایت ممتاز ہے جس کی دوسری مطبوعہ جلد (۱۹۹۲ء ۱۴۱۲ھ حیدر آباد سندھ) میں طہارت وصلوۃ سے متعلق تقریباً دس ہزار احادیث جمع کی گئی ہیں۔ پہلی جلد کی تدوین رضا فاؤنڈیشن لاہور میں ہو رہی ہے دوسری جلد کے مقدمے میں اصول حدیث سے متعلق افادات و افاضات اپنی مثال آپ ہیں۔

دوسری اہم تصنیف حیات اعلیٰ حضرت (۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء) ہے جس کی پہلی جلد عرصہ ہوا شائع ہو چکی، دوسری، تیسری، چوتھی جلدیں پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو زید عنایۃ کے پاس محفوظ تھیں، سنا ہے کہ ھندوستان میں ان کی اشاعت کا اہتمام ہو رہا ہے۔ اگر اس کتاب کو جدید سوانحی اصول کے مطابق مدون کر لیا جائے تو اس کی اہمیت دوچند ہو جائے گی۔

فقیر کے پاس ملک العلماء کی دو تین تصانیف کے علاوہ کوئی تصنیف نہیں اس لئے آپ کی شخصیت کے کسی بھی پہلو پر لکھنے سے قاصر ہے اس کے علاوہ فرصت بھی عنقا ہے۔ امید ہے کہ خیال نہ فرمائیں گے، دعاؤں میں یاد رکھیں۔ احباب اور معاونین کو سلام کہہ دیں۔

فقط والسلام

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

بنام مدیر الکوثر، سہسرام (بہار۔انڈیا)

O

۱۱ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ
۱۹ دسمبر ۱۹۹۹ء

اخی الکریم زید عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۱۷ جون ۱۹۹۹ء، ۱۸ دسمبر ۱۹۹۹ء ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے آفس سکریٹری ڈاکٹر اقبال احمد قادری کی وساطت سے ملا، بہت بہت شکریہ! دلی افسوس ہے کہ نوازش نامہ بروقت نہ مل سکا ورنہ احقر ضرور جواب پیش کرتا۔ اس غیر معمولی تاخیر کے لئے معذرت خواہ ہوں۔

ممنون ہوں کہ آپ نے اپنے شاگرد برادرم ایمن عبدالحکیم مصطفیٰ احمد زید مجدی کو احقر کے حالات اور اردو ادب میں خدمات پر مقالہ لکھنے کی تجویز دی۔ احقر کے حالات اور نثری خدمات پر ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی نے بہار یونیورسٹی، انڈیا سے پی ایچ ڈی کر لیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی سوانحہ

شائع ہو چکی ہیں اور کچھ زیر تدوین ہیں، سوانح کی ایک فہرست منسلک کر رہا ہوں، احقر کے خیال میں کوئی فاضل احقر کی اولیات پر مقالہ لکھنا چاہیں تو بہتر ہوگا- اولیات کی ایک فہرست بھی منسلک کر رہا ہوں اسکے لئے مواد فراہمی برادرم محمد عبد الستار طاہر صاحب کر سکتے ہیں، ان کا پتہ یہ ہے :-

محمد عبد الستار طاہر ہجویری کلا تھ ہاؤس، E-III/A

پیر کالونی، والٹن، لاہور

ممنون ہوں کہ آپ نے جناب صلاح الدین عبد الرحمٰن کے لئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ پر عنوان رجسٹرڈ کروادیا ہے، آپ نے بہت تھوڑے عرصے میں بہت عظیم کام کروائے - جزاکم اللہ احسن الجزاء- سلام رضا پر بھی خوب کام ہوا، اس کا سہرا بھی آپ کے سر ہے- محترمی ڈاکٹر حسین مجیب رضوی مصری بھی قابل تحسین اور لائق مبارکباد ہیں- پیغامات کے لئے ممنون ہوں-

امید ہے کہ معارف رضا ۱۹۹۹ء اور مجلّہ آپ کو مل گئے ہوں گے-

احقر زادہ ابوالسرور محمد مسرور احمد کو حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات (قرآن کریم کی روشنی میں) لکھوائے ہیں- کتاب کا نام

"جمال زندگی"

ہے - آپ اس کو عربی میں ترجمہ کر کے شائع کرائیں - انشاء اللہ جوانوں میں بہت مقبول ہوگی - ایک نسخہ آپ کو بھیجوں گا- دوسری مطبوعات بھی چھپ کر آج آرہی ہیں-

اس سے قبل آپ کو اور بھائی صاحبہ کو خطوط لکھے ہیں- امید ہے کہ وہ مل گئے ہوں گے، دعاؤں میں یاد رکھیں-

فقط والسلام

احقر محمد مسعود احمد

بنام پروفیسر ڈاکٹر حازم محمد احمد محفوظ،

شعبہ اردو و ترجمہ، جامعہ ازہر، قاہرہ (مصر)

O

۱۶ جمادی الاوّل ۱۴۱۹ھ ۱۹۹۸ء

کراچی

محترم المقام وام اجلالکم

السلام و علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ - امید ہے کہ مزاجِ عالی خیر و عافیت ہوں گے - کرم نامہ (حوالہ نمبر 11/98/2/President) مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۹۸ء موصول ہو گیا تھا، یاد آوری اور کرم فرمائی کا تہہ دل سے ممنون ہوں -- جن امور کی طرف احقر نے اپنے پچھلے خط (مورخہ ۴ جنوری ۱۹۹۸ء) میں آپ کی توجہ مبذول کرائی تھی، آپ نے کمالِ کرم سے اس طرف توجہ فرمائی ---- یہ خبر باعثِ صد مسرت ہے کہ شریعت بل منظوری کے لئے پیش کر دیا گیا ---- ۱۹۴۰ء کے بعد قائداعظم علیہ الرحمہ احقر کے والد ماجد مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ (شاہی امام و خطیب مسجد فتح پوری، دہلی) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تحریکِ پاکستان کے لئے تائید و حمایت اور دعا کی درخواست کی حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ نے دعا فرمائی اور تحریک پاکستان کی اس لیے تائید و حمایت فرمائی کہ پاکستان میں نفاذِ شریعت کا وعدہ کیا گیا تھا مگر انتظار میں نصف صدی گزر گئی، الحمد للہ آپ کے عہدِ صدارت میں یہ مبارک گھڑی آئی اور شریعت بل پیش کر دیا گیا، آپ اور وزیر اعظم پاکستان قابلِ مبارک باد ہیں، احقر کی طرف سے دلی مبارکباد قبول فرمائیں، خدا کرے یہ بل منظور ہو اور اس پر عمل بھی ہو - آمین! اس کے لئے خود گری، خودنگری اور خود گیری ازبس ضروری ہے -

حقیقی عظمت کا تعلق خارج سے نہیں داخل سے ہے، حضور ﷺ کی سادہ اور سچی زندگی نے ہر دل میں گھر کر رکھا ہے - یہی نقش ہمارے لئے مشعلِ راہ ہونا چاہئے - لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ -

سب کو معلوم ہے کہ شریعت مخلوق کے لئے خالق کا نازل کیا ہوا قانون ہے مگر بعض لوگوں کا طرزِ عمل عجیب ہے - اُس کا پانی قبول، اُس کا رزق قبول، اُس کے پھل پھول اور ان گنت نعمتیں قبول مگر اس کا قانون قبول نہیں - یہ کیسی عجیب بات ہے! اسلام کا چہرہ تو اتنا حسین ہے کہ غیر مسلموں نے اسلام کی محبت میں اپنا مذہب اور اپنے اہل و عیال تک چھوڑ دیئے، تاریخ شاہد ہے اور

دور جدید کی تاریخ بھی گواہی دے رہی ہے۔ابھی تک یہ حسین چہرہ دکھایا ہی نہ گیا۔اب وقت آ گیا ہے کہ اس حسین چہرے سے نقاب اٹھا دی جائے۔

نظری طور پر شریعت بل کی منظوری بھی بڑی بات ہے مگر علمی طور پر نفاذ کے بعد ہی اللہ کی نصرت و تائید حاصل ہو گی انشاءاللہ !اس کے مثبت نتائج نظر آئیں گے، مسلم و غیر مسلم دونوں کے دلوں پر اس کے نقوش مرتسم ہوں گے اور سب اسلام کے سایہ تلے چین سے زندگی گزاریں گے۔انشاءاللہ !

نفاذِ شریعت کے نازک مرحلے پر علماء و فقراء کا تعاون ضروری ہے، جو مخلص ہوں، جن کا ماضی بے داغ ہو، جن کی پیشانیاں دنیا کی محبت کے داغ سے داغدار نہ ہوں، کوشش کی گئی تو ایسی شخصیات مل جائیں گی۔امید ہے کہ آپ توفیقِ الٰہی اور اپنے جذبۂ ایمانی سے عملی نفاذ کی اس مہم کو بھی سر کر لیں گے۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کی اور وزیرِ اعظم کی غیب سے مدد فرمائے۔ خلوص و سچائی کی دولت سے مالا مال فرمائے اور اس پر استقامت عطا فرمائے۔آمین !

دعاؤں میں یاد رکھیں، مختصر رسائل پیش کر رہا ہوں، قبول فرما کر ممنون فرمائیں۔

فقط والسلام

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

بنام عالی جناب جسٹس محمد رفیق تارڑ

صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان

اسلام آباد۔

○

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم
صدر ذی وقار دام اجلالکم

۱۲ جمادی الاول ۱۴۲۰ھ / ۲۴ اگست ۱۹۹۹ء
کراچی
صدر ذی وقار دام اجلالکم
السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاجِ گرامی خیر و عافیت ہوں گے۔ اس وقت ایک اہم واقعہ کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں امید ہے کہ خصوصی توجہ فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے درمیان مقام ابواء پر حضور انور ﷺ کی والدۂ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار مبارک تھا، جہاں تقریباً چودہ سو تیئس سال پہلے آپ کو دفن کیا گیا تھا۔ طلوعِ اسلام کے بعد سے اس وقت تک مسلمان مسلسل اس کی زیارت کرتے رہے ہیں لیکن حال ہی میں بقول ایک عینی شاہد سید محمد اخلاق شاہد (کراچی)، حکومت سعودیہ نے مزار مبارک کو کھود کر جسم اطہر دوسری جگہ منتقل کر دیا اور قبر شریف کو مسمار کر دیا۔ یہ منظر بقول شاہد موصوف رمضان المبارک ۱۴۱۹ مطابق ۷ جنوری ۱۹۹۹ کو اپنے دو ساتھیوں طارق اکرم اور محمد رحمت اللہ کیساتھ انہوں نے چشم خود دیکھا، سید محمد اخلاق صاحب نے اس واقعہ کی تفصیلات اور اس واقعہ سے متعلق تاثرات ۳۰ مارچ ۱۹۹۹ء کو ایک بروشر (صفحات ۱۲۳) کی صورت میں کراچی سے شائع کر دیئے ہیں اس میں انہدام سے پہلے اور انہدام کے بعد قبر شریف کے عکس بھی شامل کئے گئے ہیں، اس واقعہ کی خبر بعض اخبارات و رسائل میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ (حکومت سعودیہ نے ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء میں بھی جنت البقیع کی قبریں مسمار کی تھیں) اگرچہ اس واقعہ کے شاہد و گواہ موجود ہیں اور یہ خبر عام ہو چکی ہے پھر بھی سرکاری طور پر تصدیق ضروری ہے۔

حضور انور ﷺ نے قبر کی بے حرمتی سے منع فرمایا ہے اور کسی بھی مسلمان کی قبر پر بیٹھنے کو آگ کے انگاروں پر بیٹھنے سے زیادہ شدید قرار فرمایا ہے۔ (مشکوۃ، ص ۱۴۱) ---- جن اونچی قبروں کو برابر کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ یہود و نصاریٰ کی قبریں تھیں جس کے غریب مسلمانوں پر منفی اثرات مرتب ہو سکتے تھے ورنہ صحابہ کرام کی کیا مجال تھی کہ حضورِ انور ﷺ کی منشاء کے خلاف اونچی قبریں بناتے جو ان کو برابر کرنے کی نوبت آتی؟ --- حضور انور ﷺ خود قبروں کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے (توبہ : ۸۴) اور حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر شریف پر بھی تشریف لے گئے، خود بھی روئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی رلایا۔ (مسلم شریف بروایت ابو ہریرہ) --- حضور انور ﷺ اور آپ کی پیروی میں چودہ سو برس تک اسلاف کرام کا جو عمل رہا ہمارے لئے وہی دلیل و حجت ہے، کسی نئی تحقیق کی ضرورت نہیں۔

O

حضورِ انور ﷺ کی ولادت باسعادت مکہ مکرمہ میں ہوئی آپ کے والد ماجد حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کے تجارتی سفر سے واپسی پر مدینہ منورہ میں انتقال فرما گئے --- حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضور انور ﷺ اور اپنی کنیز ام ایمن کو لے کر قبر شریف کی زیارت کے لئے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوئیں۔ زیارت کے بعد جب واپس آرہی تھیں۔ (تقریباً ۵۷۷ء میں) جب کہ حضور اکرم ﷺ کی عمر شریف تقریباً چھ سال کی تھی راستے میں مقام ابواء پر حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیمار ہوگئیں حتی کہ جاں بلب ہوگئیں، حضور انور ﷺ غمگین آپ کے سرہانے کھڑے تھے، آپ نے حضور اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کی پیش گوئی فرماتے ہوئے چند نصیحتیں فرمائیں اور ایک نصیحت یہ بھی فرمائی :-

فواللہ انھاك عن الاصنام

ان لا توالیھامع الاقوام

(مواھب لدنیہ مع شرح الزرقانی ج ۱، ص ۱۹۲)

(میں اللہ کی قسم دے کر تجھے بتوں سے منع کرتی ہوں کہ قوموں کے ساتھ ان کی دوستی نہ کرنا)

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا موحدہ تھیں، ان کا تعلق زمانہ فترۃ سے تھا جس میں موجود موحدین کے لئے قرآن کریم میں کھلی بشارت ہے۔ (بقرہ : ۶۲)

حضور انور ﷺ نے خود فرمایا کہ آپ پاک پشتوں میں منتقل ہوتے رہے (دلائل النبوۃ، بیروت،

ج-۱ص ۱۱) شرح الزرقانی، مصر، ج-۱، ص ۲۰۴- کتاب الشفاء، سندھ، ج-۱، ص ۳۲)---- حضور انور ﷺ نے فرمایا---"جو فخریہ اپنے کافر آباء واجداد کا نام لے وہ جہنمی ہے"-(مسند احمد، ج-۴، ۱۳۴)---- حضور انور ﷺ نے اپنے جدامجد پر فخر فرمایا (بخاری شریف، کراچی، ج-۱، ص-، ۴۰۱)---- حضورِ انور ﷺ نے پشت در پشت پاک ماؤں پر فخر فرمایا- (جامع الصغیر، ج-۳، ص-۳۸)---- آپ نے اپنے جد اعلیٰ نضر بن کنانہ پر فخر فرمایا (مسند احمد، بیروت، ج-۵، ص ۲۱۱) اور فخریہ اپنے نسب نامہ کی ۲۱ پشتوں کے نام گنوائے (دلائل النبوۃ، ج-۱، ص ۱۷۴)---- یہ تمام احادیث اس حقیقت کی شہادت دے رہی ہیں کہ حضور انور ﷺ کے آباء و اجداد اور والدین کریمین موحد اور مومن تھے، ان حضرات قدسیہ کے ایمان کے بارے میں کسی قسم کے غلط خیالات لانا بھی بے ادبی ہے چہ جائیکہ ان کی قبر کو مسمار کرنا---- یہ باتیں حضور انور ﷺ کے لئے سخت اذیت ناک ہوں گی اور آپ کی ایذارسانی پر قرآن کریم میں سخت وعید آئی ہے-(احزاب: ۵۷) سچ تو یہ ہے کہ معمولی عقل والا بھی لطیف شئے کو کثیف جگہ نہیں رکھتا، یہ بات منطقی بھی ہے اور سائنٹیفک بھی---- اللہ تعالیٰ جو دانا وبینا ہے وہ کیسے حضور اکرم ﷺ کو ایک غیر موحدہ کے بطن میں رکھتا؟---- قرآن کریم میں بھی حضور انور ﷺ کے موحدہ ماؤں کی پشتوں میں منتقل ہونے کا ذکر فرمایا (شعراء: ۲۱۹)---- حضور انور ﷺ نے تو اپنی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ کی بھی تکریم فرمائی حالانکہ وہ اپنے دین پر قائم تھیں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کی پیروی میں تعظیم و تکریم فرمائی (مشکوٰۃ شریف، ص ۴۲۰ بروایت ابوداؤد شریف، سبل الھدی والرشاد، ج-۱، ص ۶۸-۶۵)---- جب رضاعی والدہ قابل تعظیم و تکریم ہیں تو حقیقی والدہ کیوں نہ قابل تعظیم و تکریم ہوں گی؟

O

آثار قدیمہ کی بڑی اہمیت ہے- خود قرآن کریم میں اسلامی آثار مقدسہ کا ذکر کیا گیا ہے (آل عمران، ۹۷، بقرہ ۱۹۸-۱۵۸) حکومت سعودیہ نے ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء میں ایک فرمان شاہی (۴۶) کے تحت ادارۃ الآثار قائم کیا اور ۲۱ صفر المظفر ۱۳۹۸ھ کو مجلس وزراء کی قرارداد نمبر ۲۳۵ کے تحت ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی قائم کی اور قانون نمبر ۱۱ میں آثار کی حفاظت کی ضمانت دی گئی، حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار شریف بھی اہم آثار میں شمار کیا جانا چاہئے، آثار قدیمہ کی حفاظت کسی فتوے کے تابع نہیں ہونی چاہئے یہی وجہ ہے کہ حکومت سعودیہ نے خیبر میں یہودیوں کے آثار اور العلاء میں قوم ثمود کے آثار کو محفوظ کیا ہے اور بیشتر اسلامی ممالک کے عجائب خانوں میں بتوں کے مجسمے تک محفوظ

رکھے نظر آتے ہیں حالانکہ مسلم ممالک میں اسلامی آثار کی حفاظت کو فوقیت دی جانی چاہئے۔

چونکہ آثار قدیمہ انسانی طبائع پر مثبت یا منفی نفسیاتی اثرات ڈالتے ہیں اس لئے بین الاقوامی سطح پر بعض اسلام دشمن طاقتیں آثار قدیمہ کی حفاظت کے پردے میں اپنی سیاسی عزائم پوری کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ کبھی وہ ہم سے اپنے عزائم کی تکمیل کراتی ہیں۔ مصر، ایران اور پاکستان وغیرہ میں ایسا ہی کیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ ہر اس چیز کو ہدف بنایا جا رہا ہے جس سے مسلمانوں کے دل وابستہ ہیں۔ (مثلاً قرآن کریم، مساجد، خانقاہیں، مقابر وغیرہ) یہ ایک نہایت تلخ حقیقت ہے جو اہل نظر سے پوشیدہ نہیں---- قبل اسلام آثار قدیمہ کی حفاظت کے لئے بین الاقوامی سطح پر ساری توانائیاں صرف کر دی جاتی ہیں جبکہ اسلامی آثار قدیمہ کی حفاظت کی طرف کوئی توجہ نہیں بلکہ یہ کوشش کی جاتی ہے کہ کسی نہ کسی بہانہ ان کو مٹا دیا جائے حالانکہ قانون کا اطلاق ہر قسم کے آثار قدیمہ پر یکساں ہونا چاہئے۔

ملک فہد بن عبد العزیز کی حقیقت پسندی نے سعودی عرب میں بعض اہم آثار قدیمہ کو مٹنے سے بچایا مثلاً مسجد نبوی شریف کے توسیع کے وقت گنبد خضراء کو منہدم کرنے کا خفیہ منصوبہ تھا جس کی شاہ فہد نے سخت مزاحمت کی اور ایسا نہ ہونے دیا۔ (اپیل شیخ محمد ابراہیم مصری بنام ملک فہد بن عبد العزیز، مطبوعہ فیض الرسول، براؤن شریف ۱۹۹۴ء ص-۲۵) اسی طرح مسجد قبا کے توسیعی نقشہ کے مطابق مقدس آثار کو مٹنے نہ دیا گیا اور مسجد کا دوبارہ نقشہ بنایا گیا (المدینہ، الندوہ شمارہ ۷ ار صفر المظفر ۱۴۰۷ھ) ممکن ہے حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر شریف کو شاہ فہد کے علم میں لائے بغیر منہدم کر دیا گیا ہو۔ اس واقعہ کو کسی حکومت کا داخلی معاملہ نہیں کہا جا سکتا کہ عالم اسلام کے دل اس سے وابستہ ہیں۔ یہ واقعہ امت مسلمہ کے ہیجان اور سعودی حکومت کی بدنامی کا باعث ہو رہا ہے اس لئے اگر آپ ضروری تصدیق کے بعد اپنے مقام و منصب کے مطابق حکومت سعودیہ کو انہیں کے قانون آثار قدیمہ کے حوالے سے حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قبر شریف کی تعمیر نو کی طرف متوجہ فرمائیں تو انشاء اللہ اس کا اثر ہوگا، دنیائے اسلام کے لاکھوں مسلمانوں کی ترجمانی بھی ہوگی اور یہ عمل رب کریم اور حضور انور ﷺ کی خوشنودی کا باعث بھی ہوگا۔

فقط والسلام مع الاکرام

(پروفیسر ڈاکٹر) محمد مسعود احمد عفی عنہ

بنام جسٹس محمد رفیق تارڑ،

صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان

O

برادرم زید مجدکم

۱۶ مارچ ۲۰۰۱ء

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ نوازش نامہ باعث طمانیت ہوا۔ خیریت معلوم کر کے خوشی ہوئی۔ مولائے کریم آپ کو صحت وعافیت کے ساتھ دین کی خدمت میں مصروف رکھے آمین۔ "حج و عمرہ" کی پسندیدگی کا ممنون ہوں۔ "محبت کی باتوں" کی اشاعت کی خبر موجب طمانیت ہے۔

بل مل گیا، رقم ۷۰۰ روپے ذریعہ منی آرڈر ارسال کر دی گئی۔ بلٹی انہیں نہیں ملی۔ انشاء اللہ جلد ہی مل جائے۔ فقیر ممنون ہے کہ آپ فقیر کو روزانہ یاد رکھتے ہیں۔ مولائے کریم آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

۵ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ / یکم مارچ ۲۰۰۱ء جمعرات کی رات ۳ بجے اللہ تعالیٰ نے میاں مسرور احمد کو فرزند عطا فرمایا۔ آپ سب کو مبارک ہو۔ ۱۹۹۹ء میں مدینہ منورہ میں نو مولود کی بشارت ملی پھر ۲۰۰۰ء میں گنبد خضراء کے سامنے نو مولود کی مبارک باد ملی جب کہ نو مولود بطن مادر میں زیارت روضہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض یاب ہو رہے تھے۔ ۱۱ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ کو عقیقہ کر دیا گیا۔ بکرے ذبح کرنے سے پہلے سلسلہ چشتیہ کے ایک کرم فرما قصیدۂ بردہ شریف کا کیسٹ لے کر آئے اور ساتھ ہی ٹرانزسٹر بھی اور آتے ہی کیسٹ لگا کر قصیدہ سنایا۔ موصوف عاشق رسول ہیں۔ تھوڑی دیر بعد سلسلہ قادریہ کے حافظ غلام محمد صاحب آئے جنھوں نے نو مولود کے بال اتروانے میں میاں مسرور کی مدد کی۔ اس طرح چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ ساری نسبتیں جمع ہو گئیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ دعا فرمائیں مولود کو تعالیٰ نو مولود خاندان کی علمی اور روحانی امانتوں کا امین بنائے اور دین و مسلک کا سچا خادم آمین!...... سب برادران طریقت کو سلام کہیں۔

والدین کریمین، ہمشیرہ صاحبہ اور بھائیوں کو سلام کہہ دیں انشاء اللہ اپریل کے تیسرے عشرے میں لاہور حاضر ہوں گا۔ ۷ ۲ اپریل کو فاطمہ بنت عرفاں صاحب کی شادی ہے۔ پہلے بھاول پور جاؤں گا پھر ملتان۔ ۲۴ اپریل تک لاہور حاضری ہو گی۔

میاں مسرور سلام کہتے ہیں۔ نو مولود کا نام محمد مسرور احمد سب کے لیے باعث سرور ہیں۔ سورۂ دہر میں "مسرور" آیا ہے اور سورۂ انشقاق میں 'سرور' اس لیے یہ نام سینۂ مصطفیٰ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے انوار سے منور ہیں۔

دعاؤں میں یاد رکھیں۔ پیرزادہ سید حفیظ البرکات صاحب فالحمد للہ علی ذلک۔ علامہ شرف صاحب اور صاحب زادہ اویس صاحب کو سلام کہہ دیں۔ فقط والسلام۔

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

بنام ملک محمد سعید مجاہد آبادی، لاہور

2/17-C,P.E.C.H.S

Karachi (Pakistan)

September 21, 1998

Dear Usha,

Thank you very much for your kind letter dated 10th Sept. 1998. Thank you again.

The name of Urdu translation of the Holy Quran by Ahmed Riza Khan is Kanz al-Iman fi Trjama al Quran - published in 1330/1991 from Muradabad (India). The original text of this translation has been preserved by Idara-i-Tahqiqat-i-Imam Ahmed Riza, Karachi. This translation was dictated in extempore by A. R. to Maulana Amjad Ali (d. 1367/1948).

Lacs and lacs copies of the translation are being published with Arabic text by various publishers of India and Paksitan. The prominent one is Diya al-Quran Publication, Lahore (Ph. No. 92-042-722`953). You may contact the proprietor Hafiz al- Barahat at Lahore.

The first english translation of Kanz al-Iman by Prof. Dr. M. Hanif Akhtar Fatmi of London University published by World Islamic Mission (U.K.) PP. 599 the second english translation by Shah Farid al Haq (completed in 1981) published by World Islamic Mission Pakistan, Karachi. PP. 1-LIII-1093. The Dutch translation by Maulana Ghulam Rasul published from Amsterdem in 1990, PP.6`i-xix.

Mr. Majid Allah Qadri prepared his doctoral dissertation on the compartive study of Kanz al-Iman on the following topic:-

"Kanz al Iman and other famous Urdu translation of the Holy Quran pp.683)" Mr. Majid Allah has been awarded the degree from Karachi University in 1990. He intends to publish the thesis shortly.

It is for your kind information that an Egyptian scholar Shayhl Hazim etc. has complied two books on A. R. namely:-

1) Basatin al-ghufran (الدیوان العربی)
   (collection of Arabic poetry of A. R. Lahore 1997, pp. 352)

2) Al-Imam, Al-Akbar, Al-Mujaddid Muhammad Ahmed Riza wa al-Alam al-Arabi, Lahore, 1998. pp. 240.

Shaykh Abid Husayn Shah has written several papers on the Arab teachers and caliphs of A. R. Some papers published in Ma'arif (Karachi: 1997)

Sincerely yours
Sd.
(M. Masood Ahmed)
21/9/98

To,
Dr. Usha Sanyal
New York (U.S.A)

Note Your letter received on 20.9.98

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ
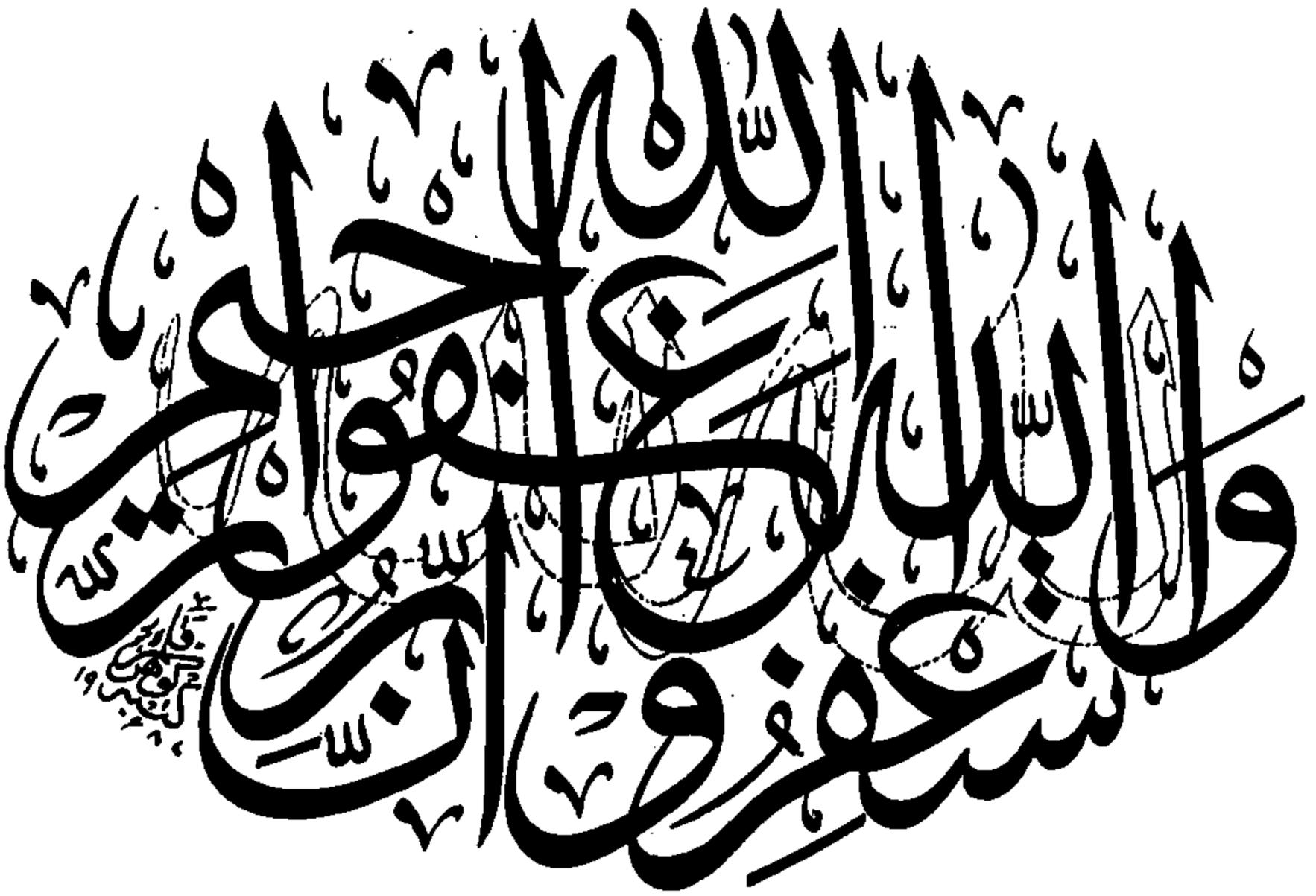
باب ششم

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی اوّلیات
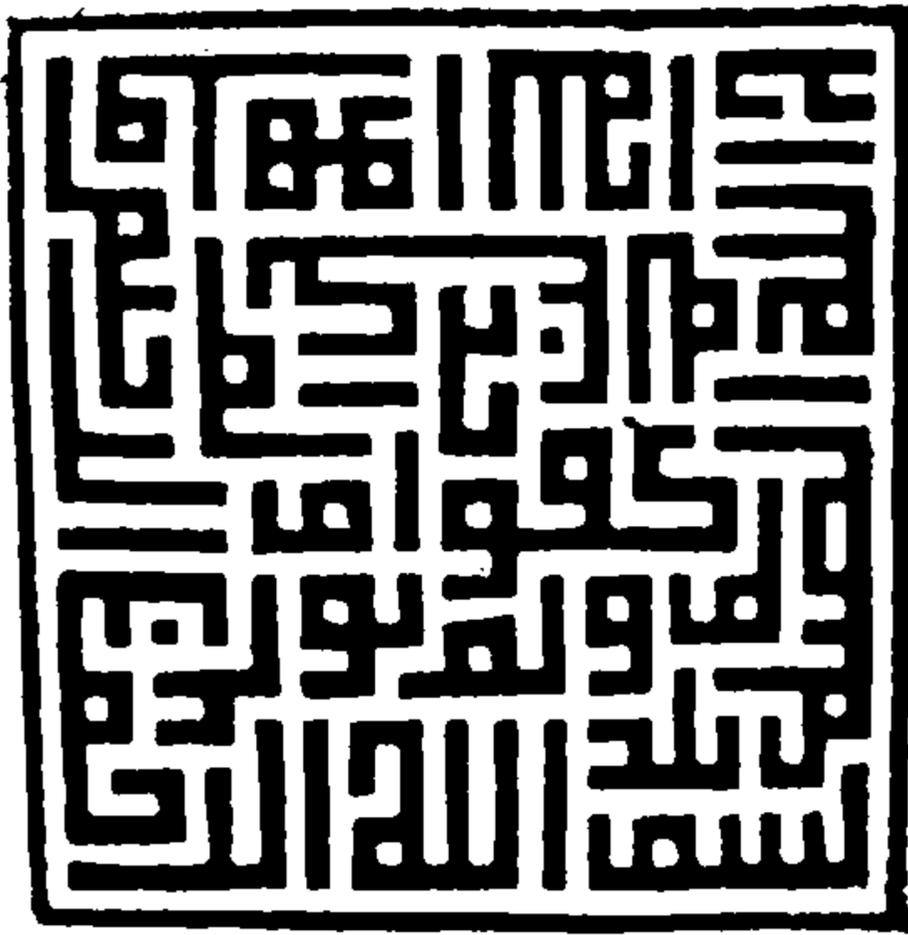
پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی اوّلیات

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے بعض علمی و ادبی حقائق کو پہلی بار تفصیل سے متعارف کرایا ہے جن کو ڈاکٹر صاحب کی اوّلیات میں شمار کیا جاسکتا ہے- یہ حقائق دینیات، ادبیات، سیاسیات، شخصیات وغیرہ سے متعلق ہیں- اس کی تفصیلات ڈاکٹر صاحب نے ازہر یونیورسٹی قاھرہ کے پروفیسر حازم محمد احمد مصری کے نام اپنے خط میں خود بتائی ہیں، ان میں چند اوّلیات یہ ہیں :-

۱- قرآن حکیم سے متعلق علمائے اہلِ سنت کا مؤقف یہ ہے کہ وہ عہد صدیقی میں کتابی صورت میں مرتب ہوا مگر ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب "آخری پیغام" (کراچی، ۱۹۸۶ء) میں دلائل و شواہد سے یہ بتایا ہے کہ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں کم از کم چار نسخے مرتب ہو چکے تھے اور ایک نسخہ حضور انور ﷺ کی نظر گرامی سے گزر چکا تھا- اس کا ذکر پیچھے آچکا ہے- مزید تفصیلات کے لئے میں مذکورہ بالا کتاب کے اس حصے کا عکس پیش کروں گا جس میں یہ حقیقت ثابت کی گئی ہے-

۲- ادبی دنیا میں مرزا غالبؔ کے لئے مشہور ہے کہ انہوں نے کسی سے استفادہ نہیں کیا اور نہ ان کا کوئی استاد تھا- مگر ڈاکٹر صاحب نے دلائل سے ثابت کیا ہے مرزا غالب نے میر سید علی غمگین شاہجہاں آبادی سے استفادہ کیا تھا- بلکہ غالبؔ نے غمگین کی غزلوں کے مضامین، ردیف و قوافی تک اپنی غزلوں میں استعمال کئے- اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے متعدد مضامین لکھے جو انجمن ترقی اردو پاکستان کے سہ ماہی مجلّہ اردو، (کراچی) ،دارالمصنّفین کے ماھنامہ معارف (اعظم گڑھ)، ندوۃ المصنّفین کے ماہنامہ برہان (دھلی) وغیرہ میں شائع ہوئے- پھر ایک مقالہ سہ ماہی اردو کے چالیس سالہ انتخاب غالب نام آور (کراچی، ۱۹۶۹ء) میں اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب کے ایک اہم مقالہ کو شامل کیا گیا ہے- اس کا ذکر پیچھے آچکا ہے- میں اس مقالہ کا عکس یہاں پیش کر رہا ہوں-

۳- مولانا احمد رضا خان بریلوی جدید علمی دنیا میں متعارف نہ تھے بلکہ ان کو جاہلوں کا امام تصور کیا جاتا تھا- پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے پہلی بار جدید علمی انداز سے ان پر کام کیا جو تیس برس سے مسلسل جاری ہے- رضویات پر اس کام کی تفصیلات مولانا محمد

عبدالستار طاہر نے اپنی کتاب مسعودِ ملت اور رضویات (۱۹۹۴ء) اور عین الشمس، قاہرہ کی نبیلہ اسحاق چودھری نے اپنے مقالے امام احمد رضا اور مسعودِ ملت (کراچی ۲۰۰۰ء) میں دی ہیں۔ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کے نتیجے میں ایک عظیم علمی تحریک شروع ہوئی جس کے حقیقی محرکین حکیم محمد موسیٰ امرتسری مرحوم، علامہ محمد عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری مرحوم اور شیخ محمد عارف قادری ضیائی تھے۔ اس طرح دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں فضلاء نے مولانا احمد رضا خان بریلوی پر تحقیقی مقالات لکھے اور ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کیں[1] جس سے یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی جاہلوں کے امام نہیں بلکہ عالموں کے امام تھے۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی کی شخصیت اور علمی خدمات پر ڈاکٹر صاحب نے اتنا کام کیا کہ جو خود ایک مقالۂ ڈاکٹریٹ کا موضوع بن سکتا ہے۔اس موضوع پر پیچھے بہت کچھ عرض کیا جاچکا ہے۔ ہم یہاں ڈاکٹر صاحب کا ایک تحقیقی مقالہ پیش کررہے ہیں جس کا ترجمہ ایک غیر ملکی انسائیکلوپیڈیا میں شائع ہونے والا ہے۔

۴- ڈاکٹر محمد اقبال کے تصورِ خودی کی بنیاد کے بارے میں مختلف رائے ہیں مگر ڈاکٹر صاحب نے دلائل و شواہد سے یہ ثابت کیا کہ ڈاکٹر محمد اقبال نے یہ تصورِ، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے تصور وحدۃ الشہود سے لیا ہے بلکہ اسی کو بنیاد بنایا ہے۔اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب کے کئی مقالات، اقبال اکیڈمی (کراچی) کے مجلّے ''اقبال ریویو'' میں شائع ہوئے پھر یہ تینوں ایک الگ کتاب کی صورت میں سیالکوٹ (پاکستان) سے شائع ہوئے۔ڈاکٹر صاحب کی اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بعنوان The Influence of Shaykh Ahmed Sirhandi on Dr.Muhammad Iqbal (Karachi) کراچی سے ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا اور ڈاکٹر صاحب کی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے حالات پر ضخیم کتاب، سیرت مجدد الف ثانی (کراچی ۱۹۸٦ء) کے ایک باب میں بھی اس مسئلے پر تفصیل و تحقیق سے بحث کی گئی ہے۔میں اس باب کے متعلقہ حصے کا عکس پیش کررہا ہوں۔

۵- یہ بات بھی خاص و عام میں مشہور ہے کہ تصورِ پاکستان ڈاکٹر محمد اقبال نے پیش کیا ہے اور وہ مصورِ پاکستان ہیں۔پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے پہلی بار تفصیل سے یہ حقیقت

۱- کراچی یونیورسٹی، (سندھ) سندھ یونیورسٹی، (جام شورو)، روھیل کھنڈ یونیورسٹی، (بریلی) پٹنہ یونیورسٹی (پٹنہ)، کولمبیا یونیورسٹی، (امریکہ)، وغیرہ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کی جاچکی ہیں۔ انجم

واضح کی کہ تقسیم ہند کی مفصل تجویز بہت پہلے ۱۹۲۵ء میں پیش کی جا چکی تھی اور شائع بھی ہوئی تھی۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ اس میں اختلاف کیا جا سکتا ہے کہ یہ تجویز کس نے پیش کی۔ اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب کا مقالہ پہلی بار حکومت ہند کے شعبہ اطلاعات کے ماہنامہ اظہار (کراچی) میں شائع ہوا۔ پھر ادارۂ مظہر اسلام لاہور نے اس کو کتابی صورت میں شائع کیا۔ جس کا عنوان ہے:

تصور پاکستان کا ایک تحقیقی جائزہ (لاہور ۱۹۹۹ء)

میں اس رسالے سے متعلقہ حصہ کا عکس پیش کر رہا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کی اولیات، ایک ایسا وسیع موضوع ہے جس پر ایک ضخیم مقالہ لکھا جا سکتا ہے۔ اس مقالے میں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ اس لئے چند اولیات اور ان سے متعلق مطبوعہ مواد کے عکس پیش کرنے پر اکتفا کیا گیا تاکہ یہ حقائق روز روشن کی طرح عیاں ہو جائیں۔

آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اقبالؒ — مکتبۂ خورشید گوہر قلم لاہور

اقتباس..... آخری پیغام، کراچی
(عہد نبوی میں قرآن حکیم مدوّن ہو گیا تھا)

(ج)

قرآن حکیم کو "قرآن" بھی کہا گیا ہے یعنی جو پڑھا جائے، اور کتاب بھی کہا گیا ہے یعنی جو پڑھا جائے، یا جو لکھا ہوا ہو ——— مندرجہ ذیل آیات سے اس امر کی توثیق ہوتی ہے:

① وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ[1]
② كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ[2]
③ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ[3]
④ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا[4]
⑤ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ[5]
⑥ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ[6]
⑦ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ[7]
⑧ فَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ[8]
⑨ وَكِتٰبٍ مُّبِيْنٍ[9]
⑩ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ[10]

مؤطا امام مالک میں مندرجہ ذیل آیت سے قرآن مکتوب ہی مراد لیا گیا ہے: ———

[1-10] القرآن الحکیم: سورۃ الانعام، ۹۲؛ سورۃ صٓ، ۲۹؛ سورۃ البقرہ، ۱؛ سورۃ الانعام، ۱۱۴؛ سورۃ الاعراف، ۵۲؛ سورۃ ہود، ۱؛ سورۃ الاحقاف، ۱۲؛ سورۃ الانعام، ۹۲؛ سورۃ النمل، ۱؛ سورۃ الدخان، ۲

کَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۘ فِىْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۙ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۙ بِاَيْدِىْ سَفَرَةٍ ۙ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۭ [۱]

ترجمہ:۔

یوں نہیں یہ تو سمجھانا ہے تو جو چاہے اسے یاد کرے ان صحیفوں میں کہ عزت والے ہیں، بلندی والے، پاکی والے، ایسوں کے ہاتھ لکھے ہوئے جو کرم والے نکوئی والے۔

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے!۔

يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَىِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ [۲]

ترجمہ:۔

جس دن ہم آسمان کو لپیٹیں گے جس طرح سجل فرشتوں کو لپیٹتا ہے۔

بعض احادیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک کاتب کا نام سجل تھا [۳]

درایتہً یہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہے کیوں کہ تشبیہ اسی وقت ذہن نشین ہو سکتی ہے جب مخاطب کے سامنے وہ شئے موجود ہو جس سے تشبیہ دی جا رہی ہے یا اس نے دیکھی ہو ــــــ کاتبینِ وحی لوگوں کے سامنے لکھا کرتے تھے جہاں مختلف اشیاء پر کتابت ہوتی تھی وہاں جیسا کہ آیت مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے

---

[۱] (ا) القرآن الحکیم: سورۃ عبس، ۱۱۔۱۶ (ب) مالک بن انس: الموطا، ص ۱۹۰

[۲] القرآن الحکیم: سورۃ الانبیاء، ۱۰۴

[۳] ابو الفداء اسمٰعیل بن عمر قرشی دمشقی: تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۲۰۰

ایسی اشیاء پر بھی کتابت ہوتی تھی جس کو Scroll کی صورت میں لپیٹ دیا جاتا تھا ——— ایسی تحریر "مہرق"، یا "کاغذ" ہی پر ہو سکتی ہے ——— Scroll کی لمبائی عام کاغذ جتنی نہیں ہوتی بلکہ بقدر ضرورت کاغذ جوڑ جوڑ کر اس کو لمبا کرتے رہتے ہیں، اور لپیٹتے جاتے ہیں ——— یہ طریقہ قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے، اب رفتہ رفتہ اس کا رواج ختم ہو رہا ہے لیکن اب بھی مطالبات کے سلسلے میں محضر نامے طول طویل کاغذ پر پیش کیے جاتے ہیں ——— بہرکیف آیت مذکورہ میں نوشتوں کے لپیٹے جانے کی آسمان کے لپیٹے جانے سے تشبیہ اسی وقت مکمل ہو سکتی ہے جب وہ نوشتے طویل و عریض کاغذ پر تحریر کیے جاتے ہوں پھر ان کو لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہو ——— اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کاتبین وحی طویل کاغذوں پر قرآن حکیم کی کتابت کرتے تھے جن کو لپیٹ کر رکھ دیا جاتا تھا۔ عام طور پر حفاظت کی خاطر Scroll کو نلکوں میں رکھتے ہیں اور بعض احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ——— عہد نبوی میں بھی یہ طریقہ رائج تھا ———

مگر جو کچھ لکھا گیا وہ منتشر حالت میں تھا یا کتابی صورت میں ——— اس کا جواب قرآن حکیم میں موجود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۙ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۙ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ؕ[1]

ترجمہ:-

بے شک یہ عزت والا قرآن ہے محفوظ نوشتہ میں اسے نہ چھوئیں مگر باوضو ———

آیت کریمہ کے تیور بتا رہے ہیں کہ عہد نبوی میں قرآن کریم کتابی شکل میں سامنے آچکا

---

[1] القرآن الحکیم: سورۃ الواقعہ، ۷۷-۷۹

تھا کیونکہ یہاں قرآن کریم کا ذکر ہے، اور اس کے ہاتھ لگانے اور چھونے کا ذکر ہے اور مصحف نوشتہ کا اطلاق کتاب ہی پر ہو سکتا ہے نہ کہ ایک دو اوراق پر ـــــــ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو یکجا کرنے اور پڑھانے کا یوں بھاری ذمہ لیا:

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ [۱]

ترجمہ:-

بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے ـــــــ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن حکیم کو یکجا کرنے کا وعدہ فرمایا اس لیے یہ عہد نبوی ہی میں یکجا کر دیا گیا ہوگا چنانچہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ قرآن ساتھ رکھتے تھے کیونکہ تشابہات سے بچنے کا یہی ایک طریقہ تھا ورنہ ممکن نہ تھا۔ قرآن حکیم کی حفاظت کا ایک اور جگہ یوں ذکر کیا گیا ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ [۲]

ترجمہ:-

بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں ـــــــ

قرآن حکیم کے مطالعہ سے تو یہ ثابت ہو گیا کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآن حکیم لکھ کر محفوظ کر لیا جاتا تھا اور گھروں میں پڑھا جاتا تھا۔ کتب احادیث کے مطالعے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع کر لیا گیا تھا اور اس کے متعدد نسخے موجود

---

[۱] القرآن الحکیم: سورۃ القیٰمۃ، ۱۷

[۲] القرآن الحکیم: سورۃ الحجر، ۹

تھے اسی لیے آپ نے قرآن مجید کو ایک مسلمان کا بہترین ورثہ قرار دیا چنانچہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی روایت کرتے ہیں :ـــــــــــ

ان مما یلحق المؤمن من عمله و حسناته بعد موته علما نشره و مصحفا ورثه [1]

ترجمہ:ـ

مرنے کے بعد مومن کو اس کے اعمال اور حسنات پر جس کا اجر ملتا ہے ان میں ایک تو وہ علم ہے جس کی اس نے نشرو اشاعت کی اور ایک وہ مصحف (قرآن مجید) جس کا اس نے لوگوں کو وارث بنایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی کوئی ارشاد فرمایا پہلے خود اس پر عمل کیا، یہی مزاج نبوت تھا اس لیے یہ دل کہتا ہے کہ جب آپ نے مسلمانوں کے لیے قرآن مجید، بہترین ورثہ قرار دیا تو دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد دربار نبوی سے بھی یہ ورثہ ملت اسلامیہ کو ملنا چاہیے ـــــــــ چنانچہ بخاری شریف کی ایک حدیث سے اس کی تصدیق ہوتی ہے ـــــــ حدیث کے الفاظ یہ ہیں :ـــــــــ

عن عبد العزیز بن رفیع قال دخلت انا و شداد بن معقل علی ابن عباس فقال له شداد بن معقل ـــــ اترك النبی من شیء؟ ـــــ قال ماترك الا ما بین الدفتین ـــــ قال ودخلنا

---

[1] ابوالفضل احمد بن علی الشہیر بابن حجر عسقلانی: فتح الباری شرح صحیح البخاری، مطبوعہ دمشق، ج ۱۰، ص ۴۲۹

على محمد بن الحنفية وسألناه ــــ وقال
ماترك الاما بين الدفتين ــــ [1]

ترجمہ :-

عبدالعزیز بن رفیع کہتے ہیں کہ میں اور شداد بن معقل حضرت ابن عباس کے پاس گئے تو شداد نے پوچھا ــــ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی چیز ترکے میں چھوڑی ہے ؟ ــــ انہوں نے جواب دیا ــــ نہیں بجز اس کے جو دو پٹھوں کے درمیان ہے ۔ ــــ پھر ہم محمد بن الحنفیہ کے پاس گئے اور یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی چیز نہیں چھوڑی بجز اس کے جو دو پٹھوں کے درمیان ہے ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد کم سے کم ایک قرآن مجید چھوڑا جو جلد میں محفوظ تھا اس کی مزید تصدیق بخاری شریف کی ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے جس کے الفاظ کا ترجمہ و تلخیص یہ ہے :

یوسف بن مالک کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں موجود تھا کہ ایک عراقی آیا ــــ عرض گزار ہوا ــــ اے ام المومنین ! مجھے اپنا قرآن مجید دکھایئے ــــ فرمایا ــــ بھلا کس لیے ؟ ــــ عرض کیا ــــ تاکہ میں قرآن کریم کی ترتیب درست کر لوں کیونکہ لوگ خلاف ترتیب پڑھتے ہیں ــــ فرمایا

---

[1] محمد بن اسمٰعیل بخاری : صحیح بخاری ، ج ۲ ، ص ۱۴۳

اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں جس کو چاہو پہلے پڑھ لو ــــــــــــ

یوسف بن مالک کا بیان ہے کہ پھر ان کے لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے قرآن مجید نکالا اور ان کو سورتوں کی ترتیب لکھوادی

حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں :ــــــــــ

فاخرجت المصحف فاملت عليه اى السورة[1]

ترجمہ :۔ تو آپ نے قرآن نکالا اور سورتوں کی ترتیب لکھوادی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین ازواج مطہرات میں تھیں اور لکھنا پڑھنا جانتی تھیں آپ ہی کے ہاں اور آپ ہی کی قربت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا ممکن ہے کہ یہ قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی نسخہ ہو جو آپ نے یادگار چھوڑا ــــــــــ اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تلاوت میں رہتا ہو جس کا اشارہ اس آیت سے ملتا ہے جس میں خطاب امہات المومنین سے کیا گیا ہے :ــــــ

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ط[2]

ترجمہ :۔

اور یاد کرو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں اللہ کی آیتیں اور حکمت ــــــــــ

---

[1] محمد بن اسمٰعیل بخاری : صحیح بخاری، ج ۲، ص ۹۹۲ ـ ۹۹۳

[2] القرآن الحکیم : سورۃ الاحزاب، ۳۴

اور غالباً یہ بات کفار و مشرکین کے علم میں تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدے میں قرآن مکتوب و مجلد محفوظ ہے اسی لیے انہوں نے قرآن حکیم پر تنقید کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے:———

وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ [1]

ترجمہ:-

وہ کہتے تھے کہ یہ تو پرانے زمانے کے قصے کہانیاں ہیں جو انہوں نے لکھ رکھی ہیں اور اسی میں سے یہ صبح و شام لکھواتے رہتے ہیں ———

(د)

بہرکیف مندرجہ بالا حقائق سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ذاتی نسخہ تھا جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے پاس محفوظ تھا اور اس سے دوسرے مسلمان تقابل کرکے اپنے اپنے نسخے صحیح کیا کرتے تھے ———

احادیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کم از کم چار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پورا قرآن حکیم جمع کیا تھا [2] ——— چنانچہ جب حضرت انس بن مالک

---

[1] القرآن الحکیم ! سورۃ الفرقان، ۵

[2] تہذیب التہذیب (ج ۷، ص ۲۴۲)، استیعاب (ج ۲ ص ۵۶۵، ۲۸۵)، اسد الغابہ (ج ۲، ص ۲۸۶) الطبقات (ج ۲، ص ۲۸۵) وغیرہ کے مطالعہ سے مزید ۸ صحابہ کا اور علم ہوتا ہے جن کے نام یہ ہیں۔ عقبہ ابن الجہنی، سعد ابن عبیدہ، ابو درداء، عثمان بن عفان، تمیم داری، عبادہ بن صامت، ابو ایوب انصاری، عبید اللہ بن مسعود ———

سے دریافت کیا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کس کس نے قرآن جمع کیا تھا تو انہوں نے فرمایا، چار حضرات نے اور چاروں انصار تھے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:۔

(۱) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ

(۲) ابو زید رضی اللہ عنہ

(۳) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

(۴) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ [۱]

ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بھی ایک قرآن جمع کیا تھا ــــــ اس حدیث کی اسناد کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ "واسنادہ صحیح" ــــــ وہ فرماتے ہیں: ــــــ

> میں نے عہد نبوی میں پورا قرآن جمع کیا تھا میں اس کو ایک ہی رات میں پڑھ لیتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے ایک ماہ میں ختم کرنے کی ہدایت فرمائی [۲]

یہ حدیث طویل ہے جس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش پر اس مدت میں کمی کر کے ۲۰ دن ارشاد فرمائی ــــــ پھر انہوں نے عرض کیا تو پندرہ دن میں ختم کرنے کی ہدایت فرمائی ــــــ مزید عرض کیا تو فرمایا: ــــــ

اقراء فی سبع ولا تزید

---

[۱] (ا) محمد بن اسمٰعیل بخاری: صحیح بخاری، ج ۲، مطبوعہ کراچی، ص ۷۴۹

(ب) ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری: صحیح مسلم، ج ۲، مطبوعہ مصر، ص ۲۵۲

[۲] ابوالفضل احمد بن علی الشہیر ابن حجر عسقلانی: فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج ۹، مطبوعہ مصر ۱۳۰۱ھ

علی ذٰلک[1]

ترجمہ :-

سات روز میں ختم کیا کرو اس سے کم مدت میں ختم نہ کرو ——————

اس حدیث پاک سے قرآن کریم کی سات منزلوں کے تعین اور تیس[30] پاروں کی تقسیم کا راز بھی کھل جاتا ہے ——————— یہ پہلی ہدایت ۳۰ دن میں ختم کرنے سے متعلق تھی اور دوسری سات دن میں ختم کرنے سے متعلق ——————

حضرت ابو زید بن عبید بن نعمان الانصاری رضی اللہ عنہ کے متعلق اسد الغابہ میں لکھا ہے :——————

ھو اول من جمع القرآن من الانصار[2]

ترجمہ :-

یہ وہی ہیں جنہوں نے انصار میں سب سے پہلے قرآن جمع کیا ——————

اور حضرت زید بن ثابت تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تالیف قرآن کا اہم فریضہ انجام دیتے تھے جیسا کہ وہ خود ارشاد فرماتے ہیں :——————

قال کنا عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن من الرقاع[3]

---

[1] (ا) ابوالفضل احمد بن علی الشہیر ابن حجر عسقلانی : فتح الباری شرح صحیح البخاری ، ج ۹ ، مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۰۲ھ
(ب) ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی : جامع ترمذی ، ج ۲ ، ص ۱۱۸

[2] ابن اثیر علی بن محمد جزری : اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ، ج ۱ ، مطبوعہ قاہرہ سنہ ۱۲۸۰ھ

[3] ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم : المستدرک علی الصحیحین ، ج ۲ ، ص ۶۱۱

ترجمہ:- ہم کاتبانِ وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر رقاع (ٹکڑوں)
سے قرآن ترتیب وار جمع کرتے جاتے تھے۔

"جمع کرنے" اور "تالیف کرنے" میں فرق یہ ہے کہ جمع کرنے کا اطلاق ایسے مجموعے پر ہوتا ہے جس میں ترتیب وغیرہ کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہو مگر تالیف کا اطلاق ایسے مجموعہ پر ہوتا ہے جو ترتیب کے ساتھ جمع کیا گیا ہو ــــــــ یہاں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر قرآن مجید کو مختلف ٹکڑوں سے کتابی صورت میں ترتیب وار جمع کرتے تھے ــــــــ جیسا کہ عرض کیا گیا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے پورا قرآن جمع کیا تھا جس کو تکمیل کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ملاحظہ کے لیے پیش کیا چنانچہ ابن قتیبہ کتاب المعارف میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالے عنہ کے متعلق لکھتے ہیں:-

کان اٰخر عرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القرآن علی مصحفہ و ھو اقرب المصاحف من مصحفنا وقد کتب زید لعمر بن الخطاب۔[1]

ترجمہ:-

زید نے عرضۂ اخیرہ میں اپنا کتابت شدہ قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا اور سنایا اور وہ قرآن مجید ہے جو ہمارے قرآن مجید جیسا ہے پھر انہیں زید نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے قرآن مجید لکھا تھا ــــــــ

---

[1] ابی محمد عبد اللہ مسلم بن قتیبہ الدینوری: المعارف، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۴ء

۹ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ (مارچ سنہ ۶۳۲ء) کو خطبہ حجۃ الوداع کے فوراً بعد آخری آیت نازل ہوئی۔۔۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ
نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔[1]

۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ (جون سنہ ۶۳۲ء) کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم ظاہر سے پردہ فرمایا آخری آیت کے نزول اور پردہ فرمانے کے مابین تقریباً ڈھائی پونے تین ماہ کا عرصہ گزرا ۔۔۔۔۔۔۔۔ اغلب یہی ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنا مصحف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ۹ ذی الحجہ سنہ ۶۳۲ء اور ۱۲ ربیع الاول سنہ ۶۳۲ء کے درمیان ملاحظہ کے لیے پیش کیا ہوگا ۔۔۔۔۔۔

مندرجہ بالا تمام شواہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآن مجید کی ایک کاپی نہیں بلکہ کئی کاپیاں مدون ہو چکی تھیں ۔۔۔۔۔۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ ایسی ہدایات نہ فرماتے جس سے قرآن کا مدون اور مرتب ہونا ثابت ہوتا ہے ۔۔۔۔۔۔ مثلاً ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے دریافت کیا۔
۔۔۔۔۔۔ کونسا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے؟ ۔۔۔۔۔۔ آپ نے فرمایا: ۔۔۔۔۔۔

الحال والمرتحل[2]

ترجمہ:-

سفر سے اترنا اور سفر کرنا

پھر جب اس ارشاد کا مطلب دریافت کیا گیا تو ارشاد فرمایا:-

---

[1] القرآن الحکیم: سورۃ المائدہ، ۳

[2] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی: جامع ترمذی، ج ۲، ص ۱۱۸، ۱۱۹

صاحب القرآن یقرء عن اول القرآن الٰی آخرہ ومن آخرہ الی اولہ۔ کلما حل ارتحل۔[1]

ترجمہ:۔

قرآن پڑھنے والا جو اول سے آخر تک قرآن پڑھتا ہے اور ختم کر لیتا ہے تو دوبارہ شروع کر دیتا ہے گویا جیسے ہی تلاوت کا سفر ختم کرتا ویسے ہی دوسرا سفر (تلاوت کا) شروع کر دیتا ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ یہاں حافظ قرآن نہیں فرمایا، قرآن پڑھنے والا فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں قرآن حکیم کے مکمل نسخے موجود تھے چنانچہ بعض احادیث سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ قرآن حکیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کتابی صورت میں مدون ہو گیا تھا۔
مثلاً ــــــ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

ان قرآن کان مجموعا مؤلفا علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔[2]

---

[1] ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی: مسند دارمی، مطبوعہ کانپور ۱۲۹۳ھ، ۴۱۴

نوٹ:۔ جس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ آپ دو چیزیں چھوڑ رہے ہیں یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کتابی صورت میں موجود تھا۔
(ا) مستدرک، ج ۱، ص ۹۲ (ب) السنن الکبریٰ، ج ۱، ص ۱۱۴ (ج) کنز العمال، ج ۱، ص ۷۸۶ ـ ۷۸۷،
(د) الترغیب والترہیب، ج ۱، ص ۳۸)

[2] دائرہ المعارف الاسلامیہ، مطبوعہ لاہور، ج ۱۶، ص ۴۰۴

قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں باقاعدہ جمع کیا ہوا ترتیب دیا ہوا موجود تھا

امام نووی فرماتے ہیں:

ان القرآن کان مؤلفا فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما ھو فی المصاحف الیوم۔[1]

ترجمہ:-

قرآن مجید عہد نبوی میں اسی انداز سے ترتیب دیا گیا تھا جس انداز کی ترتیب سے آج وہ مصحف میں موجود ہے

علامہ طبرسی، تفسیر مجمع البیان میں لکھتے ہیں:

ان القرآن کان علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجموعا مؤلفا علی ما ھو علیہ الآن۔[2]

ترجمہ:-

عہد نبوی میں قرآن مجید بالکل اسی طرح مجموع و مرتب تھا جس طرح آج ہے

---

[1] ابوذکریا یحییٰ بن شرف نووی، المنہاج فی شرح مسلم بن الحجاج، مطبوعہ مصر، بحوالہ دائرۃ المعارف اسلامیہ، ج ۱۶، ص ۲۴۰

[2] طبرسی، تفسیر مجمع البیان بحوالہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ، ج ۱۶، ص ۲۴۰

قرآن پاک کی جمع و تدوین سے متعلق جہاں اور شہادتیں ہیں وہاں ایک شہادت امام احمد بن حنبل نے اپنے مسند میں نقل کی اوس ابن ابی اوس حذیفۃ الثقفی روایت کرتے ہیں کہ وہ قبیلہ بنی ثقیف کے وفد کے ساتھ ممبر کی حیثیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے ——— حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشار کے بعد وفود سے ملاقات کیا کرتے تھے تو ایک رات یہ واقعہ پیش آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکان وفد کے پاس آنے میں تاخیر فرمائی جب تاخیر کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ——— کہ آج کی "حزب" رہ گئی تھی تو میں نے پسند نہیں کیا کہ اس کو ختم کیے بغیر باہر آجاؤں۔ اس پر اوس کہتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے قرآن کے احزاب کے بارے میں پوچھا یعنی قرآن پاک کے اُن حصوں کے بارے میں جو تلاوت کی سہولت کے لیے تقسیم کر لیے گئے تھے اس پر انہوں نے مندرجہ ذیل سات احزاب کی تفصیل بتائی جو ایک ہفتے کے لیے مقرر کی گئی تھیں، وہ یہ ہیں: ———

① حزب اوّل ——— سورۂ فاتحہ سے سورۂ نسآء تک

② حزب ثانی ——— سورۂ مائدہ سے سورۂ توبہ تک

③ حزب ثالث ——— سورۂ یونس سے سورۂ نحل تک

④ حزب رابع ——— سورۂ بنی اسرائیل سے سورۂ فرقان تک

⑤ حزب خامس ——— سورۂ شعرآء سے سورۂ یٰسٓ تک

⑥ حزب سادس ——— سورۂ صٰفّٰت سے سورۂ حجرات تک

⑦ حزب سابع ——— سورۂ قٓ سے سورۂ ناس تک

---

[1] احمد بن حنبل: المسند، ج ۴، ص ۳۴۳

یہ حدیث اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ عہد نبوی میں قرآن پاک مدوّن ہو چکا تھا اور اسی ترتیب و تنظیم کے ساتھ جس ترتیب و تنظیم کے ساتھ آج ہمارے سامنے ہے اور اسی ترتیب کو سامنے رکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزانہ کے معمول تلاوت کے لیے قرآن پاک کو احزاب پر تقسیم فرمایا ــــــــ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدے میں قرآن حکیم کے منتشر اوراق تھے جن کی کسی صحابی نے شیرازہ بندی کر دی تھی: [1] ــــــــ

قرین قیاس یہی ہے کہ اصل کاپی آپ اپنے پاس رکھتے ہوں گے پھر وقتاً فوقتاً اس سے دوسرے صحابہ کو لکھواتے رہتے ہوں گے ــــــــ اس قیاس کی توثیق قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں کفار نے آپ پر الزام لگایا تھا کہ آپ نے اپنے پاس پرانے قصے کہانی لکھ چھوڑے ہیں جو لوگوں کو لکھواتے رہتے ہیں (معاذ اللہ) ــــــــ

احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتابتِ وحی کا خاص اہتمام فرماتے تھے [2] یہاں تک کہ آپ کے پڑوس میں حضرت زید بن ثابت رہتے تھے، جب وحی آتی فوراً ان کو بلا لیتے اور جو کچھ نازل ہوتا لکھوا دیتے [3] پھر یہی نہیں کاتبوں کو لکھوا دیتے بلکہ لکھوانے کے بعد پڑھوا کر سنتے اور جو غلطی ہوتی اس کی اصلاح فرماتے [4] پھر لوگوں کو نقل کے لیے عنایت فرماتے [5]

---

[1] جلال الدین سیوطی: الاتقان فی علوم القرآن، مطبوعہ کراچی، ج ۱، ص ۱۴۸

[2] (ا) ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی: جامع ترمذی، ج ۲، ص ۱۲۴

(ب) محمد بن اسمٰعیل بخاری: صحیح بخاری، ج ۲، ص ۶۱۷

[3] ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی: سنن ابو داؤد (بحوالہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری، دی قرآنک فاؤنڈیشن اینڈ اسٹرکچر آف مسلم سوسائٹی، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۳ء، ص ۶۹)

[4] مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۶۰ (بحوالہ مذکورہ، ص ۶۹)

[5] صدیق حسن خان، نواب: فتح المغیث (بحوالہ مذکورہ، ص ۶۹)

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجلد نہ تھا، چوبی فائلوں میں جمع تھا۔
چنانچہ فتح الباری میں ہے:—

كانوا يكتبون المصحف في الرق و
يجعلون له دفتين من خشب [1]

ترجمہ:-

صحابہ کرام قرآن مجید باریک چمڑے پر لکھتے تھے اور اس کو دو چوبی
دفتیوں میں رکھ لیتے تھے —

اور اس طرح رکھتے کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی اور یہ ہدایت فرمائی جاتی کہ فلاں فلاں،
سورت میں فلاں آیت کے بعد یہ لکھ لی جائے تو لکھ لی جاتی ہے [2] — چنانچہ حضرت
عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب سورۂ بقرہ کی ایک آیت نازل ہوئی
تو! —

فقال جبريل للنبي صلى الله عليه و
آله وسلم ضعها على راس مأتين ثمانين
من سورة البقره [3]

ترجمہ:-

تو جبریل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس کو سورۂ بقرہ کی

---

[1] ابن حجر عسقلانی: فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج ۹

[2] (ا) جلال الدین السیوطی: الاتقان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۱۴۴-۱۴۵

(ب) ابن حزم: کتاب الفصل، ج ۴، ص ۲۲۱

[3] دائرۃ المعارف الاسلامیہ، ج ۱۶، ص ۳۲۶

آیت نمبر ۲۸۰ کے بعد بکھر لیجئے ـــــــــ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

بہر کیف قرآن مجید جلد میں تھا یا دو گتوں کے درمیان یہ بات ثابت ہو چکی کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پورا قرآن مرتب ہو چکا تھا بلکہ بعض احادیث سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن کریم کے متعدد نسخے موجود تھے اور اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر تلاوت کرنے کی تاکید شدید فرمائی اور دوہرے اجر کی بشارت دی۔ ایسی بہت سی احادیث کتب احادیث میں موجود ہیں[1] ـــــــــ اس تاکید و ترغیب کی روشنی میں یہ بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کتابت قرآن کا خاص اہتمام کیا ہو گا اور لکھے پڑھے تمام صحابہ کے پاس مصاحف ہوں گے چنانچہ مسند امام محمد میں صحابہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے :ـــــــــ

بین اظہرنا المصاحف وقد تعلمنا فیہا
وعلمناہا نساءنا وذرار بینا و
خدمنا۔[2]

ترجمہ:۔

ہمارے درمیان مصاحف موجود تھے جن سے ہم نے خود قرآن مجید سیکھا اور اپنی عورتوں بال بچوں اور خادموں کو سکھایا۔

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں یہاں تک لکھا ہے!

---

[1] (ا) جلال الدین سیوطی : الاتقان، ج ۲، ص ۱۰۸
(ب) الزرکشی : البرہان فی علوم القرآن، ص ۴۶۲

[2] (ا) احمد بن حنبل : المسند (مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۸ھ)
(ب) عمدۃ القاری ۔ ج ۲، ص ۲۷

ان الذین جمعوا القرآن علی عہد
النبی صلی اللہ علیہ و آلہ
وسلم لا یحصیھم عدد و
یضبطھم احد ــــــ [1]

ترجمہ:۔

عہد نبوت میں جن لوگوں نے جمع قرآن کی خدمت جلیلہ انجام دی ان کی
اتنی کثرت ہے نہ کوئی ان کی تعداد کا تعین کر سکتا ہے اور نہ ان کے ناموں
کو ضبط تحریر میں لا سکتا ہے ــــــ

(ھ)

اس پس منظر میں یہ حدیث بھی قابل توجہ ہے جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت
کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ــــــ

چار چیزیں دنیا میں مظلوم اور کس مپرسی کی حالت میں ہیں
جن میں کا ایک وہ مصحف ہے جو گھر میں اس حالت میں پڑا ہے
کہ اس کی تلاوت نہیں کی جاتی ــــــ

اس حدیث کے معانی و مطالب کو حال و مستقبل دونوں پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ
شواہد و حقائق سے ثابت ہو رہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مصاحف کی اتنی کثرت ہو گئی تھی وہ گھروں میں آویزاں
کیے جانے لگے تھے جس پر آپ نے تنبیہ فرمائی اور فرمایا ــــــ

---

[1] بدر الدین محمود بن عینی ! عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری مطبوعہ مصر

لا تغرنكم هذا المصاحف المعلقة[1]

ترجمہ:-

ان آویزاں قرآنوں سے تم دھوکے میں نہ پڑ جانا ــــــ

پھر عہد خلافت راشدہ میں اتنی کثرت ہوگئی کہ قرآن مجید کے بعض نسخوں کو مطلّے و مذہب کیا جانے لگا ــــــ

قاعدہ ہے کہ جب کوئی چیز کثرت سے پائی جاتی ہے اور اپنی جگہ قائم ہو جاتی ہے تو پھر اس میں نئی نئی اختراعات و ایجادات ہونے لگتی ہیں ــــــ

چنانچہ عہد عثمانی میں کچھ لوگوں نے قرآن مجید کو مطلّے و مذہب کیا[2]۔
جب حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا:

ــــــ

[1] علی متقی علاؤ الدین ہندی ! کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۱۲ھ ج ۱، ص ۱۳۴

[2] قرن اول ہی سے قرآن حکیم کی زرکاری اور تذہیب کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا چنانچہ قرن اول اور قرن دوم میں یہ زرکار ممتاز نظر آتے ہیں۔ الیقطینی، ابراہیم الصغیر، ابو موسیٰ ابن عمار ابن السقطی، ابو عبداللہ الخزیمی، وغیرہ (الفہرست، ۹، دائرۃ المعارف، ج ۱۶، ص ۳۵۸)

اذا حلیتم مصاحفکم فعلیکم
الدمار۔[1]

ترجمہ:۔

تم لوگوں نے اپنے قرآن مجید کو مطلی و محلّی کیا تو تمہاری ہلاکت کا وقت قریب
آگیا ہے ــــــــ

اوپر جو کچھ عرض کیا وہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق تھا اس عہد کے بعد خلافت راشدہ کے دور میں نجی طور پر تو قرآن پاک کی بہت سی نقول تیار کی گئیں مگر سرکاری طور پر بھی کام ہوا چنانچہ ایک خاص مصحف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ۱۱ھ میں اپنے عہد خلافت میں سرکاری طور پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تیار کرایا اور اپنے پاس رکھا۔ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے مقالہ نگار نے اس خاص نسخے کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیار کرایا تھا یہ صحیح نہیں[2] ــــــــ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد یہی نسخہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا آپ کی شہادت کے بعد آپ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس محفوظ رہا پھر اس نسخے کو سامنے رکھ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۲۵ھ میں اپنے عہد خلافت میں سرکاری طور پر متعدد نقول تیار کرائیں اور بلاد اسلامیہ ارسال کیں[3]

ابن حزم نے خلافت راشدہ کے دور صدیقی اور دور فاروقی کا جو نقشہ کھینچا ہے اس سے

---

[1] دائرۃ المعارف الاسلامیہ، ج ۱۶، مطبوعہ لاہور، ص ۴۲-۳۴۱

[2] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ج ۱۵، مطبوعہ امریکہ

[3] جلال الدین سیوطی: الاتقان فی علوم القرآن، ج ۱، مطبوعہ کراچی، ص ۱۴۵، اور ۱۴۹

تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ خلافت راشدہ کے ابتدائی دس سالوں میں قرآن حکیم کی قلمی کاپیوں کی تعداد ایک لاکھ سے تجاوز کر چکی تھی ــــــــ ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ڈھائی برس خلیفہ رہے ان کے عہد میں کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں قرآن کے نسخے نہ ہوں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں دس برس اور چند ماہ تک مسجدیں بنتی رہیں اور قرآن لکھے جاتے رہے جب ان کا انتقال ہوا تو قرآن کے کم از کم ایک لاکھ نسخے رہے ہوں گے[1] ــــــــ

پھر ہزاروں کی تعداد میں جو طلباء پڑھتے تھے وہ لکھتے بھی ہوں گے چونکہ بار بار تلاوت و قرأت کے لیے قرآن کا لکھا جانا ضروری تھا صد ہا برس سے یہی عمل رہا ہے اس لیے مشہور صحابہ حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہزاروں تلامذہ میں نہ معلوم کس کس نے قرآن پاک کی نقول تیار کی ہوں گی پریس کی ایجاد سے پہلے کتابوں کا لین دین نقل اور کتابت کے ذریعے ہی ہوتا تھا تحریر اور کتابت کی کلفتوں کا آج ہم اندازہ بھی نہیں کر سکتے مگر شوق علم میں ہمارے اسلاف ہر مشکل پر غالب آگئے اور وہ کچھ کر دکھایا جس کو آج ہم ترستے ہیں۔

(و)

احادیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں قرآن حکیم کے علاوہ بھی کتابیں موجود تھیں اور لکھے ہوئے کاغذات گول نلکوں میں رکھتے تھے۔ مثلاً۔ المستدرک کی ایک روایت میں سعید بن ہلال بیان کرتے ہیں ــــــــ

---

[1] ابن حزم، کتاب الفصل والملل والاہواء والنحل (مطبوعہ قاہرہ)، ج ۲، ص ۷۸ (ملخصاً)

کنا اذا اکثرنا علی انس بن مالك فاخرج الینا مجالا عنده فقال هذه سمعتها من النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ [1]

ترجمہ:۔

جب ہم حضرت انس بن مالک سے زیادہ اصرار کرتے تو اپنے پاس سے کاغذات رکھنے کا تھیلا نکال لاتے اور کہتے یہی وہ حدیثیں ہیں جو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنیں ——————

حافظ ابن عبدالبر کی جامع میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق حسن صحابی رسول کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کو حضرت ابوہریرہ:——————

فاخذ بیده الی بیته فارانا کتبا کثیرة من حدیث رسول صلی الله علیه وسلم۔ [2]

ترجمہ:۔

اپنے گھر لے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی بہت سی کتابیں بھی دکھائیں ——————

حضرت عبداللہ بن عمر ابن العاص نے احادیث رسول کا ایک مجموعہ الصحیفۃ الصادقہ

---

[1] ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم: المستدرک علی الصحیحین، مطبوعہ ہند

[2] ابن عبداللہ قرطبی : جامع بحوالہ قرآن مجید کا نزول اور وحی از پروفیسر محمود الحسن خسرو، مطبوعہ کراچی ، ص ۲۴۷

کے نام سے مدون کیا تھا۔ یہ صحیفہ عرصہ تک ان کے خاندان میں محفوظ رہا، ان کے پوتے شعیب اسی صحیفے سے روایت کرتے تھے ـــــــ جس کا ذکر فتح المغیث میں اس طرح ملتا ہے : ـــ

شعیب بن محمد بن عبد اللہ بن عمرو
بن العاص لم یسمع جدہ انما وجد
کتابہ فحدث منہ ۔[1]

ترجمہ :۔

شعیب ـــــ نے اپنے دادا سے حدیث سنی تو نہیں لیکن ان
کی کتاب پائی تھی وہ اسی کتاب سے حدیث روایت کرتے تھے۔

طبقات ابن سعد میں موسیٰ بن عقبہ سے جو صاحبِ مغازی اور فقہائے تابعین سے تھے، منقول ہے : ـــــــ

وضع عندنا کریب بن ابی مسلم مولی
عبد اللہ بن عباس حمل بعیر من کتب
ابن عباس ۔[2]

ترجمہ :۔

ہمارے پاس عبد اللہ بن عباس کے آزاد کردہ غلام کریب بن ابی مسلم
نے ایک اونٹ کے بوجھ بھر ابن عباس کی کتابیں رکھوائی تھیں۔

یہی نہیں کہ عبد اللہ بن عباس نے خود کتابیں لکھیں بلکہ جو کچھ لکھتے رہے اس کی نقلیں بھی لوگ لے جاتے رہے چنانچہ الترمذی کی کتاب العلل میں مروی ہے : ـــــــ

---

[1] صدیق حسن خاں، نواب ! فتح المغیث ، مطبوعہ لکھنو ، ص ۲۳۵

[2] ابو عبد اللہ محمد بن سعد زہری ! طبقات ، ج ۵ ، ص ۲۱۶

ان نفرا قدموا علی ابن عباس من
اهل الطائف بکتب من کتبه فجعل
یقرأ علیه ۔[1]

ترجمہ:۔

ابن عباس کے پاس طائف کے کچھ لوگ ان کی کچھ کتابیں لے آئے
اور ان کے سامنے پڑھنے لگے ـــــــ

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں : ـــــــ

کان عبد اللہ بن عمرو قد اصاب یوم
الیرموک زاملتین من کتب اھل الکتاب
فکان یحدث منھا ۔[2]

ترجمہ:۔

عبداللہ بن عمرو نے جنگ یرموک میں یہود و نصاریٰ کی کتابیں دو بوریاں
بھر پائی تھیں تو ان کتابوں کی باتیں بھی بیان کرتے تھے ـــــــ

مندرجہ بالا حقائق و شواہد سے معلوم ہوا کہ عہد نبوی میں ایک نہیں بیسیوں کتابیں موجود تھیں صحابہ خود بھی لکھتے تھے اور دوسرے لوگ بھی لکھتے تھے گویا کاغذ و قلم کی کمی نہ تھی خواہ کاغذ کسی نوعیت کا بھی ہو، ایسی صورت میں قرآن جیسی عظیم اور اہم کتاب کے لیے یہ کہنا کہ عہد نبوی میں کتابی صورت میں مرتب نہ تھا، خلاف حقیقت معلوم ہوتا ہے ـــــــ خصوصاً جب کہ ایک نہیں متعدد شواہد اس حقیقت کی تائید کر رہے ہوں کہ نزول قرآن کے ساتھ ساتھ

---

[1] ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی : جامع ترمذی ، ج ۲ ، مطبوعہ کراچی ، ص ۲۶۱

[2] ابوالفداء اسمٰعیل بن عمر قرشی دمشقی : تفسیر ابن کثیر ، ج ۱ ، ص ۴

کاتبین وحی لکھتے جاتے اور دوسرے صحابہ ان سے نقول لیتے جاتے اور کم از کم قرآن کے پانچ نسخے عہد نبوی میں مرتب ہو چکے تھے اور ایک نسخہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھی تھا پھر بعد میں خلافت راشدہ میں قرآن حکیم کے نسخے تیار ہوتے رہے ــــــ تدوین قرآن کی بات تو صاف ہو گئی اب قاری کے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ قرآن کا نام قرآن ہے ؟

(۷)

ہر کتاب کے سرورق پر ایک کتاب کا نام ہوتا ہے جس سے وہ پہچانی جاتی ہے ــــــ ــــــ قرآن کی شان یہ ہے کہ اس کا نام متن میں شامل ہے، اور تقریباً ۷۰ مقامات پر "قرآن" کا نام آیا ہے ــــــ کسی کتاب کا سرورق غائب ہو جائے تو پتہ چلانا مشکل ہو جاتا ہے کہ اس کتاب کا نام کیا ہے اور یہ کس مصنف کی تصنیف ہے ــــــ قرآن کا امتیاز یہ ہے کہ ابتدا سے لے کر انتہا تک قدم قدم پر قرآن اپنا تعارف کرا رہا ہے، اپنا نام بتا رہا ہے ــــــ اور قرآن کے متن کا ایک ایک حرف، ایک ایک جملہ خدائے واحد کی گواہی دے رہا ہے ــــــ قرآن پر تحقیق کرنے والے ہر مسلم و غیر مسلم محقق کے لیے اتنی وافر تعداد میں داخلی شہادتیں میسر ہیں کہ خارجی شہادتوں سے وہ بے نیاز ہو جاتا ہے ــــــ

قرآن حکیم میں "قرآن" کو قرآن کے علاوہ متعدد صفاتی نام سے بھی یاد کیا گیا ہے ۔ مثلاً
الفرقان، البرہان، الموعظہ، الشفاء، الرحمۃ، التذکرہ، الکلام، الکتاب،
النور، الھدیٰ، الحکمۃ البالغہ، احسن الحدیث، التنزیل، العروۃ الوثقیٰ، البلاغ
المصحف، البقرہ، البیان، الروح، الصدق، التبصرہ، الحق، وغیرہ وغیرہ[1]

---

[1] القرآن الحکیم، سورۃ الفرقان، ۱؛ سورۃ یونس، ۵۷؛ سورۃ بنی اسرائیل، ۸۲؛ سورۃ یونس، ۵۷؛ سورۃ الحاقہ، ۴۸؛ سورۃ الزخرف، ۱-۲؛ سورۃ النساء، ۴؛ سورۃ الزمر، ۲۳؛ سورۃ الشعراء، ۱۹۲؛ سورۃ ابراہیم، ۵۲؛ سورۃ آل عمران، ۱۳۸؛ وغیرہ وغیرہ

بالعموم کتاب کو قاری کی سہولت کے لیے ابواب و فصول میں تقسیم کیا جاتا ہے دور جدید میں قاری کی سہولت کے پیش نظر نئے نئے اسلوب ایجاد ہو رہے ہیں اور نئے نئے طریقے اپنائے جا رہے ہیں ــــــــ قرآن حکیم نے بھی قاری کی سہولت کو پیش نظر رکھا ہے، پہلی تقسیم تو سورتوں کی بنیاد پر کی گئی ہے اس طرح پورے قرآن حکیم کو ۱۱۴ سورتوں پر خود حق تعالیٰ نے تقسیم فرمایا ــــــــ پھر مزید سہولت کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات حصوں پر تقسیم کیا جن کو احزاب کے نام سے یاد کیا گیا اس طرح ہفتے کے ہر دن کے لیے ایک حزب تلاوت کی جا سکتی ہے جس کو منزل، بھی کہا جاتا ہے ــــــــ

مزید سہولت کے لیے قرآن حکیم کو تیس ۳۰ حصوں میں تقسیم کیا گیا یہ سلف صالحین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی روشنی میں کیا، اس طرح تیس پارے قرار دیئے گئے پھر ہر پارے کو رکوعوں میں تقسیم کر کے، ربع، نصف، اور ثلث میں تقسیم کیا گیا[1] ــــــــ اور اولین سہولت تو خود حق جل مجدہ نے عطا فرمائی کہ پورے قرآن کو چھوٹی بڑی آیتوں میں تقسیم فرمایا اس طرح قرآن کریم میں بالاجماع ۶ ہزار آیات ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ۳۲۳۶۷۱ (تین لاکھ تیئس ہزار، چھ سو اکہتر) حروف ہیں ــــــــ

المختصر قرآن حکیم پورے اہتمام کے ساتھ محفوظ کیا گیا اور پوری توجہ کے ساتھ لکھا گیا۔ ــــــــ عہد نبوی سے جو اس کی کتابت شروع ہوئی تو چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد یہ سلسلہ آج تک جاری ہے نہ صرف کتابت کا بلکہ طباعت کا اور کیسٹوں کے ذریعے اشاعت کا بھی ــــــــ بلکہ اب تو کمپیوٹروں میں بھی قرآن کو محفوظ کر دیا گیا ہے ــــــــ

---

[1] ابو محمد عبدالحق حقانی دہلوی: مقدمہ تفسیر حقانی، مطبوعہ دیوبند، ص ۱۲۴

میر سید علی غمگین دہلوی اور

مرزا غالب

(مرزا غالب نے غمگین کے خیالات و افکار سے پورا پورا فائدہ اٹھایا)

غمگین اور غالب

محمد مسعود احمد

(۱)

میر سید علی بن سید محمود تخلص بہ غمگین ملقب بہ حضرت جی نسباً حسنی و حسینی، مسلکاً حنفی مشرباً نقشبندی و قادری اور مولداً دہلوی تھے آپ کے فرزند اکبر سید عبدالرزاق، رازق (م۔ ۱۲۸۴ھ) نے سنہ ولادت ۱۱۶۷ھ تحریر کیا ہے[۱] مگر خود حضرت غمگین کے خیال سے ۱۱۹۵ھ مستفاد ہوتا ہے[۲]

حضرت غمگین کے مورث اعلیٰ سید الھدیٰ خواجہ احمد (م۔ ۱۱۰۹ھ) حضرت اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت (۱۰۶۸ – ۱۱۱۸ھ) میں بغداد سے ہندوستان تشریف لائے[۳] اور برہان پور میں اقامت گزیں ہوئے اس کے بعد آپ کے اخلاف دھلی آکر بس گئے[۴]

۱؎ وظیفہ شریفہ (قلمی) کتب خانہ فقیر منزل گوالیار

۲؎ غمگین: مکاشفاۃ الاسرار (قلمی) مقدمہ مخطوطہ، انڈیا آفس لائبریری لندن

۳؎ دی لائف آف نواب الیس محی الدین خان دہلی ۱۹۰۳ء

۴؎ ابراہیم بیگ چغتائی سیرۃ الصالحین مطبوعہ آگرہ ۱۳۲۸ھ۔ ص۔ ۸

(۲)

حضرت غمگین کے جدّ امجد سیّد احمد علیہ الرحمہ کے ہاں دو صاحبزادے تولد ہوئے شاہ نظام الدینؒ (م۔ ۱۲۲۲ھ) اور سیّد محمد (م۔ ۱۱۷۹ھ؟) موخر الذکر حضرت غمگین کے والد ماجد تھے[1]۔

شاہ نظام الدین علیہ الرحمہ اٹھارویں صدی عیسوی کے تیسرے مربع میں سیاسی حیثیت سے خاص اہمیت رکھتے تھے۔ کتب تاریخ اور تذکروں میں آپ کے حالات ملتے ہیں۔ مثلاً منتخب التواریخ (سدا سکھ) تاریخ مظفری (محمد علی خاں) زبدۃ الاخبار (امراؤ سنگھ)، عبرت نامہ (خیر الدین)، مجمع الاخبار (ہرسنگھ) شاہ عالم نامہ (غلام علی)، عمدۂ منتخبہ (سرور)، تاریخ سندھیہ (رگھ ناتھ داس) دی فال آف مغل امپائر (جارج کین) وغیرہ وغیرہ ــــ اور حضرت غمگین کے تذکرے کے ساتھ ساتھ تو تقریباً تمام تذکرہ نگاروں نے آپ کا ذکر کیا ہے۔ شاہ صاحب ممدوح کا مزار مبارک درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ (دھلی) میں واقع ہے[2]۔

(۳)

چونکہ حضرت غمگین ادبی حیثیت سے خاص امتیاز رکھتے تھے! اس لیے بیشتر تذکرہ نگاروں نے آپ کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً عبدالغفور نساخ[3] نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ[4]

---

[1] قدرت اللہ قاسم مجموعۂ نغز۔ مطبوعہ ۱۹۳۳ء، جلد دوم ص ۳۰۔

[2] مزید تفصیلات کیلئے مطالعہ فرمائیں راقم کا مقالہ "حضرت غمگین شاہ جہاں آبادی" مطبوعہ برہان (دھلی) شمارہ اپریل ۱۹۶۱ء ص۔ ۲۱۳ تا ۲۱۷

[3] عبدالغفور نساخ، سخن شعرائے ہند، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۲۹۱ھ

[4] مصطفےٰ خاں شیفتہ، گلشن بے خار، مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء

میر قدرت اللہ قاسم[1] خوب چند ذکا[2]، گارساں دتاسی[3] ڈاکٹر بلوم ہارٹ[4] وغیرہ وغیرہ۔

مجموعہ نغز میں حضرت غمگین کے عنوان شباب کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے۔

"وے جوانے نیک زندگانی، کشادہ پیشانی، خوش اختلاط، مستحکم ارتباط یارباش، محبت تلاش، مخلص نواز، مخالف گداز، باعز و تمکین، شاگرد سعادت یار خاں، رنگین است، علی خورحال خط نسخ نولیدہ کم کم فکر سخن گزیند، خوش زندگانی می کند، وبا فرح وسرور ایام بے بدل جوانی بہ کام دل بسری[5]"

اور عیارالشعرا میں اس طرح ذکر ملتا ہے۔

"جوان گرم اختلاط، خوش خلق، شگفتہ بیاں، سعادت آشنا ستودہ صفات، پر حلم وحیا معلوم شود، بہ اصلاح سعادت یار خاں رنگین گل ہائے اشعار آب دار خود را رنگ وبوئے تازہ بخشید، ہمگی دیوان رو بہ نظر فقیر انواع المعانی

---

[1] قدرت اللہ قاسم: مجموعہ نغز (مرتبہ محمود شیرانی مرحوم)، جلد دوم، ۱۹۳۳ء

[2] خوب چند ذکا: عیارالشعرا قلمی (۱۲۰۸ھ تا ۱۲۴۷ھ)

[3] بلوم ہارٹ: انڈیا آفس لندن میں ہندوستانی مخطوطات کی فہرست ص ۱۱۹۔

[4] گارساں دتاسی، طبقات الشعرائے ہند (مترجمہ کریم الدین وریلف فیلن) مطبوعہ ۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۸ء، ص ۱۹۰۔

[5] قدرت اللہ قاسم: مجموعہ نغز، ص ۳۰۔

در آمده ؎۱

حضرت غمگین کے والد ماجد حضرت سیّد محمد علیہ الرحمہ کا آپ کے بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ اس لئے اپنے عم محترم شاہ نظام الدین (گوڑ گانوہ صوبہ دہلی) کی کفالت میں آگئے اور جوانی عیش و تنعم میں گزری۔ عنفوان شباب میں سعادت یار خاں رنگین (م۔ ۱۲۵۱ھ) سے شرف تلمذ حاصل کیا، طبیعت شاعرانہ و رندانہ پائی تھی۔ استاد کی تربیت سے چمک گئے اور تھوڑے عرصے بعد ایک دیوان غزلیات مرتب کر لیا ؎۲ چوں کہ اس میں رنگین کی رنگینی بھی شامل تھی، اس لیے بعد میں اس دیوان کو جزوی طور پر تلف کر کے اور ایک نیا دیوان مرتب کیا۔ جس کا ذکر آگے آئے گا۔

سعادت یار خاں رنگین نے بھی مجالس رنگین میں حضرت غمگین کے تلمذ کا ذکر کیا ہے ان کی شادی میں شرکت اور دیگر صحبتوں کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً شاہجہاں آباد (دھلی) میں دسویں مجلس کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

در محفل شادی میر سید علی صاحب پسر حضرت میر سیّد محمد صاحب کہ شاگرد بندہ اند و غمگین تخلص می نمایند، وارد بودم ؎۳

اسی طرح جہانگیر آباد (ڈھاکا) میں پینسٹھویں مجلس کے ذیل میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ وہاں شعر و شاعری کی ایک محفل گرم تھی۔ چند احباب کی فرمائش پر

؎۱ خوب چند ذکا، عیار الشعرا

؎۲ خود حضرت غمگین نے دیوان مکاشفات الاسرار ۱۲۵۵ھ کے دیباچے میں خوب چند ذکا نے عیار الشعرا میں اور ڈاکٹر اسپرنگر نے یادگار شعرائے ہند (مترجمہ طفیل احمد ص ۔ ۴۰۹) میں اس دیوان کا ذکر کیا ہے۔

؎۳ ڈاکٹر صابر علی ۔ سعادت یار خاں رنگین ۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۵۰ء۔

رنگین نے شاہجہاں آباد کے تلامذہ کا منتخبہ کلام سنایا۔ سب سے پہلے حضرت غمگین کے اشعار سنائے جن میں دو شعر یہ ہیں :-

یہ داغ عشق نہ ہو دور اپنے سینے سے
کہیں مٹا ہے کھدا حرف بھی نگینے سے

بغیر تیرے نہیں کوئی یار آنکھوں میں
پھرے ہے تو ہی تو لیل و نہار آنکھوں میں [1]

حضرت غمگین نے بھی سعادت یار خاں رنگین سے اپنے تلمذ کا ذکر کیا ہے اپنے استاد کی وفات پر یہ قطعۂ تاریخ بھی لکھا تھا جس میں ان کو اپنا استاد تسلیم کیا ہے۔

جب استاد رنگیں جہاں سے گئے
تو اک یادگاری رہی ریختی
خرد نے کہا یہ ہی تاریخ ہے
کہ ساتھ ان کے غمگیں گئی ریختی [2]

(۴)

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا وہ ابتدائی دور سے متعلق تھا۔ جب جوانی کی سرمستیوں اور سرشاریوں نے حضرت غمگین کو جہان سے بے نیاز کر رکھا تھا مولی تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہو جائے تو پھر اس سرمستی و سرشاری میں "دانش نورانی" سے نوازا جاتا ہے اور پھر انسان وہ وہ کام کر جاتا ہے جو خود اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے

---

[1] ڈاکٹر صابر علی: سعادت یار خاں رنگین مطبوعہ کراچی، سنہ ۱۹۵۰ء
[2] غمگین۔ دیوان مخزن اسرار (قلمی) کتب خانہ خاص، کراچی۔

حضرت غمگین کو جب دل کی لگی، حضرت میر فتح علی گردیزی رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۱۲۲۴ھ) کے حضور میں لے گئی۔ اور وہ سلسلۂ قادریہ میں ان کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے تو یکلخت شعر و شاعری سے دل اچاٹ ہو گیا اور ایسی لگی کہ سب کچھ بھول گئے۔

سبق ایسا پڑھا دیا تو نے
دل سے سب کچھ بھلا دیا تو نے

ایک سال بعد شیخ طریقت کا وصال ہو گیا۔ پیاس نہ بجھی تھی کہ بدلیاں چھٹ گئیں۔ کچھ عرصے بعد ترک سکونت کر کے مہاراجا گوالیار کی درخواست پر وہاں آباد ہو گئے۔ اور پھر وہاں سے یہ تشنگی کشاں کشاں اس منزل پر لے گئی۔ جس کا پتا شیخ مرحوم نے دیا تھا۔ گوالیار سے بیماری اور شدید بیماری کے باوجود حضرت شاہ ابو البرکات رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۱۲۵۶ھ) کی خدمت میں عظیم آباد ہوتے ہوئے برہ پورہ حاضر ہوئے۔ حضرت ممدوح کی توجہ خاص نے پیاس بجھائی۔ اور پھر آپ کے صاحب زادے حضرت خواجہ ابو الحسین کی صحبت میں عظیم آباد (پٹنے) میں چار ماہ گزار کر سیری حاصل کی، آخر سلسلہ نقشبندیہ میں خلافت و اجازت سے نوازا گیا سلسلہ قادریہ میں تو حضرت میر فتح علی گردیزیؒ نے پہلی اجازت مرحمت فرما دی تھی یہ تمام تفصیلات حضرت غمگین نے دیوان مکاشفات الاسرار (۱۲۵۵ھ) کے دیباچے مراۃ الحقیقت (۱۲۵۸ھ) کے مقدمے اور مکاتیب (مرتبہ سید ہدایۃ النبی، ۱۲۵۷ھ) میں بیان فرمائی ہیں۔ ہم نے اجمالاً یہاں ذکر کیا ہے۔

(۵)

مکاشفاۃ الاسرار کے دیباچے سے معلومات اخذ کر کے ڈاکٹر بلوم ہارٹ نے انڈیا آفس لائبریری لندن کی ہندوستانی فہرست مخطوطات میں مجملاً حضرت غمگین کے کچھ حالات بیان کیے ہیں۔ موصوف نے اس بیان میں بعض فاحش غلطیاں بھی کی

ہیں جن کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ دیوان مکاشفاۃ الاسرار کے جس مخطوطے سے حالات اخذ کیے ہیں۔ اس کو حضرت غمگین کا خود نوشتہ ظاہر کیا ہے۔ حالاں کہ اس دیوان کے ابتدائی صفحے کے حاشیے پر یہ صراحت موجود ہے۔ "وآں چہ دریں کتاب موافق نسخہ اصل تبدل حروف است بسرخی نوشتہ" راقم نے لندن سے دیوان مذکور کا فلم منگوا کر خود مطالعہ کیا ہے۔

دوسری بات یہ کہ خود حضرت غمگین نے خواجہ الحسین کی صحبت میں چار ماہ تک رہنے کا ذکر کیا ہے۔ مگر ڈاکٹر بلوم ہارٹ نے نہ معلوم کیوں بارہ سال لکھ دیے۔

تیسری بات یہ کہ صفحہ ۱۱۹ کے حاشیے پر مرزا غالب کے متعلق یہ انکشاف کیا ہے کہ ان کا انتقال ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء میں کلکتے میں ہوا۔ حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۹ء میں دہلی میں ہوا، مولانا حالی نے یادگار غالب میں یہی سنہ تحریر فرمایا ہے [۱]

(۶)

عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت میر فتح علی گردیزی علیہ الرحمہ سے بیعت کے بعد حضرت غمگین کی طبیعت میں ایک انقلاب آگیا تھا اور شعر و شاعری سے بالکل

---

[۱] حالی : یادگار غالب، ص - ۱۲۲ -

نوٹ :- اسماعیل پاشا البغدادی نے بھی اپنی تالیف "ہدیۃ العارفین، المؤلفین وآثار المصنفین" مطبوعہ استانبول، ۱۹۵۱ء کے کالم ۴۰۳ پر مرزا غالب کا سنہ وفات ۱۲۸۷ھ تحریر کیا ہے جو صحیح نہیں۔

دل اچاٹ ہوگیا تھا۔ مگر عرصہ دراز کے بعد حضرت شاہ ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ کے اعجاز صحبت نے پھر ان کو گویا کر دیا اور اشعار آبدار کا ایسا سیلاب امنڈا کہ روکے نہ رکا۔

واقعہ یہ ہے کہ تقریباً ۱۲۳۸ھ میں حضرت شاہ صاحب ممدوح گوالیار تشریف لائے ہوئے تھے۔ مجلس گرم تھی۔ احباب جلو میں بیٹھے تھے۔ ایک بات دریافت فرمائی، کوئی نہ بتا سکا۔ حضرت غمگین نے نکتہ رس طبیعت پائی تھی۔ جب ان کی باری آئی تو فوراً بتا دیا۔ شاہ صاحب کا دل خوش ہوگیا اور اس عالم شادمانی میں فرمایا

"عنقریب مثل طوطی گویا خواہی شد"

بات آئی گئی ہوگئی، وقت گزرتا گیا۔ اہل بصیرت کی زبان سے جو بات نکل جاتی ہے پوری ہو کر رہتی ہے۔ پانچ سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد اچانک اسرار وسعادت کا جو سیلاب امنڈا تو تھوڑی مدت میں دیوان غزلیات مخزن اسرار (۱۲۵۳ھ) مرتب کیا۔ پھر قرار نہ آیا۔ طوفان معانی کو اسی طرح موجزن پایا تو ایک اور دیوان رباعیات مکاشفاۃ الاسرار (۱۲۵۵ھ) مرتب کیا۔ بارے کچھ سکون ملا مگر سیلاب تھا کہ تھمتا نہ تھا۔ چنانچہ دیوان رباعیات کی فارسی شرح مراۃ الحقیقت (۱۲۵۸ھ) مرتب فرمائی۔ اسی کے دیباچے میں آپ نے یہ سارا واقعہ نقل فرمایا ہے۔

(۷)

حضرت غمگین بحیثیت شاعر جس مقام رفیع کے مالک تھے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ نواب الٰہی بخش خاں معروف آپ کے تلامذہ میں تھے [۱] حضرت غمگین نے طویل عمر پائی اور اس طرح مرزا مظہر جان جاناں، میر سوز، مرزا

---

[۱] محمد حسین آزاد:- آب حیات۔ ص۔ ۲۴۴

رفیع سوداؔ، خواجہ میر دردؔ، میر تقی میرؔ، مومنؔ وغیرہ کا زمانہ پایا۔ غالبؔ کا ابھی بچپن ہی تھا کہ غمگین کا پہلا دیوان غزلیات منظر عام پر آچکا تھا۔

حضرت غمگین کے کمال شاعری کا اندازہ ان ہم طرح غزلوں سے بھی ہوتا ہے جو انھوں نے بڑی خوبی، پختگی اور بیساختگی کے ساتھ اساتذۂ وقت کی غزلوں پر کہی ہیں۔ مثلاً۔ میر تقی میرؔ (م۔ ۱۲۲۵ھ) کی ایک غزل ہے جس کا مطلع ہے ؂

طوفاں ہے میرا اشک ندامت یہاں تلک
جاتے ہیں لے خرابیٔ سیل آسماں تلک

اس پر غمگین نے جو غزل کہی تھی اس کا مطلع ہے ؂

ہم جستجوے یار میں پہنچے وہاں تلک
انسان کا گزر نہیں ہوتا جہاں تلک

خواجہ میر دردؔ (م۔ ۱۱۹۹ھ) کی ایک غزل ہے جس کا مطلع ہے ؂

اہل فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے
لوح مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

اس پر غمگین کی غزل کا مطلع ہے ؂

غمگیں بطون ظہور سے یاں تک بہ تنگ ہے
اس کو فنا بقا سے بھی اب آہ ننگ ہے،

اسی طرح مومنؔ کی ایک مشہور غزل ہے جس کا مطلع ہے ؂

اب اور سے لو لگائیں گے ہم
جوں شمع تجھے جلائیں گے ہم

اس پر غمگین نے جو غزل کہی تھی۔ اس کا مطلع ہے ؂

بن آئے جو مر بھی جائیں گے ہم
تو بھی نہ تجھے بلائیں گے ہم

اس قسم کی غزلیں تفنن طبع کے طور پر نہیں کہی گئی تھیں بلکہ ان غزلوں میں کمال فن کا مظاہرہ کیا ہے۔ کہیں کہیں تو پوری پوری غزلیں سراپا مرصع نظر آتی ہیں۔

(۸)

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے حضرت غمگین شاہجہاں آباد (دہلی) سے ترک سکونت کر کے مستقل طور پر گوالیار تشریف لے آئے تھے۔ یہاں سلسلہ تصنیف و تالیف اور سلسلۂ رشد و ہدایت جاری رہا۔لے قیام گوالیار ہی کے زمانے میں حضرت غمگین اور مرزا غالب کے درمیان جو مراسلت ہوئی اس کی روشنی میں ہم آگے چل کر دونوں کے باہمی تعلقات پر روشنی ڈالیں گے۔

گوالیار ہی میں ۳ر صفر المظفر ۱۲۶۸ھ/ ۱۸۵۲ء کو حضرت غمگین کا وصال ہوا۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے یہ مادہ تاریخ نکالا ہے ؎

زدل آہے کشیدہ شیفتہ گفت
ببردا و را صدائے لن ترانی ، (۱۲۶۸ھ)

لے مزید تفصیل کے لئے راقم کے مندرجہ ذیل مقالات مطالعہ فرمائیں :-
(الف) "حضرت غمگین شاہ جہاں آبادی" مطبوعہ اردو (کراچی) شمارہ جنوری ، اپریل ۱۹۶۰ء ص۔ ۱۴۵ تا ۱۸۶
(ب) "حضرت غمگین شاہجہاں آبادی" مطبوعہ برہان (دہلی) شمارے مئی ، جون ، جولائی ۔ ۱۹۶۰ء

اسی طرح حضرت غمگین کے خلیفہ سید ہدایت النبی نے جو قطعہ تاریخ لکھا تھا
اس میں یہ مادہ نکالا ہے ؎

بس خورستم از فرق جاں تاریخ سال رحلتش
ناگاہ آمد در دلم، خلوت گزین لامکاں (۱۲۶۸ھ)

(۹)

حضرت غمگین اور مرزا غالب کی باہمی مراسلت (جس کا اشارہ اوپر کیا گیا) ۱۲۵۳ھ اور ۱۲۵۶ھ کے درمیانی عرصے میں ہوئی۔ حضرت غمگین کے خلیفہ سید ہدایت النبی علیہ الرحمہ نے ۱۲۵۰ھ میں حضرت غمگین کی حیات ہی میں ایک مجموعے کی شکل میں ان تمام خطوط کو مرتب کر لیا تھا۔ یہ قلمی مجموعہ کتب خانہ فقیر منزل گوالیار میں موجود ہے۔

۱۹۶۳ء میں اس مجموعے کی نقل غمگین اکاڈمی، گوالیار کے ڈائرکٹر جناب رضا محمد حضرت جی صاحب نے از راہ کرم راقم کو بھیجی تھی اور ترتیب و تحشیہ کے بعد اشاعت کی فرمائش کی تھی۔ چونکہ راقم دیگر علمی کاموں میں معروف تھا۔ اس لیے بخوف تعویق محترم ڈاکٹر سید محمد عبداللہ صاحب کو ان کی فرمائش پر وہ نقل بھیجدی گئی۔ جو انھوں نے "اورینٹل کالج میگزین" کے شمارہ فروری ۱۹۶۴ء میں شایع کر دی۔

پچھلے چند برسوں میں محولہ بالا مکاتیب پر چند مقالات شایع ہو چکے ہیں[۱]

---

[۱] مثلاً یہ مقالات :-

۱۔ "غالب کے چند غیر مطبوعہ فارسی رقعات حضرت غمگین کے نام" از ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی (دہلی یونیورسٹی)۔ مطبوعہ اردوئے معلی دہلی فروری ۱۹۶۰ء

(جاری)

اس وقت راقم بھی انھی مکاتیب کی روشنی میں حضرت غمگینؔ اور مرزا غالبؔ کے باہمی تعلقات پر خامہ فرسائی کر رہا ہے۔

ان مکاتیب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غالبؔ بچپن میں قیام دہلی کے زمانے میں حضرت غمگین سے ملے ہیں جس کا انھوں نے اس طرح ذکر کیا ہے۔

قبلۂ و کعبہ را خاطر نشاں باد کہ ہر چند ہم دریں بقعہ کہ دھلی نام دارد شبے شرف پابوس دریافتہ ام و آن را ذریعہ رستگاری خویش می دانم لیکن رینگ برخود حیف می کنم کہ دراں ہنگام گوش ہوش شنوا و چشم ادراک بینا نہ بود تا آناں چہ اکنوں بدل

(جاری)

۲۔ "حضرت غمگین اور مرزا غالبؔ کے جواب میں ان کا ایک اہم غیر مطبوعہ مکتوب محمد مسعود احمد، مطبوعہ معارف (اعظم گڑھ)، مئی ۱۹۶۰ء

۳۔ "حقیقت عالم مرزا غالبؔ کی نظر میں" از میکش اکبرآبادی، مطبوعہ تحریک (دہلی) اپریل و مئی ۱۹۶۱ء۔

۴۔ "غالبؔ کے متصوفانہ خیالات" از راقم الحروف محمد مسعود احمد، مطبوعہ صریر خامہ (سندھ یونیورسٹی۔ حیدرآباد)، ۱۹۶۲ء

۵۔ "مکاتیب غالبؔ" از راقم الحروف محمد مسعود احمد، مطبوعہ "لطیف" (میرپور خاص)۔

۶۔ مرزا غالبؔ کا ایک غیر مطبوعہ فارسی مکتوب، از راقم الحروف محمد مسعود احمد مطبوعہ اردو نامہ (کراچی)، اکتوبر و دسمبر ۱۹۶۴ء)

می خلد و اندیشہ بداں آریختہ است سخنے چند پہ سیدے وکار
آگہی بہ بالا بروے۔

(محررہ ۲۵ر ذی الحجہ ۱۲۵۵ھ بوقت شب)

جس زمانے میں حضرت غمگین ترک سکونت کر کے دھلی سے گوالیار تشریف لے گئے ہیں۔ اس وقت غالب کی عمر تیرہ چودہ سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ ظاہر ہے کہ اس عمر میں "گوش ہوش" میں قوت سماعت اور "چشم بینا" میں قوت بصارت کہاں پیدا ہو سکتی تھی۔ حضرت غمگین کے گوالیار آنے کے فوراً ہی بعد سلسلہ مراسلت شروع ہوا یا نہیں۔ اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ پیش نظر خطوط سے اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ دھلی میں پہلی ملاقات کے ایک عرصے بعد سلسلہ مراسلت کا آغاز ہوا اور قرائن و شواھد سے ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے حضرت غمگین سے غائبانہ بیعت بھی حاصل کر لی تھی۔ مرزا غالب نے اپنے مکاتیب میں کئی مقامات پر حضرت غمگین کو پیر و مرشد کہہ کر خطاب کیا ہے۔ اور اپنی ارادت وعقیدت کا برملا اظہار کیا ہے۔ ممکن ہے کہ اس کو بعض حضرات غالب کی کسر نفسی پر محمول کریں۔ ایسا بھی ممکن ہے۔ بہرکیف صرف اس اقتباس سے غالب کی کمال عقیدت و محبت کا اندازہ ہو سکتا ہے

> یزداں را سپاس گزارم و بدیں ذوق خود را وا بازم کہ مرا بگوشہ خاطر کسے جائے دادہ است کہ ناکام و زباں را بہ بغتاد آب نہ شویم نامش نتوانم برد۔ فرد رع کوکب سعادت۔ بہار باغ افادت، منبع فیوض نامتناہی، واسطۂ حصول رحمت الٰہی روشنی پذیر فتۂ نور الانوار، و رہ یافتۂ مقام جمع الجمع، بہ رہنمائی ابدی و بہ راہ یابی ازلی مرشدی و مولائی و مخدومی حضرت میر سید علی کہ چوں منے را نواخت۔ (ایضاً)

ارادت و بیعت کا مقصود اصلاح باطن ہوتا ہے اور شیخ طریقت منازل سلوک طے کراتا اور مشکل مقامات پر مرید کی رہنمائی فرماتا ہے۔ مرزا غالب نے اپنے مکاتیب میں جابجا اسی قسم کی رہنمائی کی استدعا کی ہے۔ مثلاً ایک جگہ بڑی عاجزی و انکسار کے ساتھ درخواست کرتے ہیں۔

خدا را توجہ دراں بذل فرمایند و آں چناں صرف ہمت بکار برند کہ آویزشِ اندیشہ ایں مرید بہ بیرنگی افزوں تر شود تا رفتہ رفتہ مستہلک و مستغرق گردم و از رنگ بہ بیرنگی و استہلاک و استغراق دارم و عدم محض شدہ باشم۔

(محررہ ۲۸ محرم الحرام ۱۲۵۵ھ/ ۱۸۴۱ء بروز ہفتہ بوقت شب)

دوسری جگہ نگاہ عنایت کے لیے اس طرح متمنی نظر آتے ہیں۔

ایں قدر ہست کہ ہنوز دقت وا ہمہ مرا خار خارے باقی است و گاہ گاہ مرا از راہ می برد لیکن امیدواری دارم کہ بمن نگاہ عنایت کہ پیر و مرشد را برمن است از وسوسہ پاک گردم و در راہ فنا خاک گردم، قبلہ و کعبہ نگارش حق گذارش ادا می تواند کرد و تحریر بمنزلہ تقریر نتواند شدہ آرزومند آں روزم کہ بشرف قدم بوس مشرف شدہ باشم و دردِ دل بزبان گفتہ وارشاد جناب عالی بگوش ہوش شنودہ باشم۔

(محررہ ۱۸ ربیع الاول ۱۲۵۵ھ/ ۱۸۴۱ء بروز ہفتہ بوقت دوپہر)

تیسری جگہ بڑی لجاجت اور دل سوزی کے ساتھ استدعا کرتے ہیں۔

خوارا براین نیم سوختہ نظرے تا پاک بسوزد، و دود و شرار و خاکستر ہمہ از نظر بر خیزد، دانم کہ آرزو ہائے دل بہ حوصلۂ آورش من درادل نہ گنجد لیکن شنودہ ام کہ مس بہ کیمیا زر می گردد (محررہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۲۵۵ھ/ ۱۸۴۱ء)

(۱۱)

مرزا غالب اور حضرت غمگین کے مابین مراسلت نے شدت کے ساتھ دونوں جانب شوق مواصلت پیدا کر دیا تھا۔ جس کا اظہار حضرت غمگین ایک جگہ اس طرح فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بایں جودت طبع و سخن رندانہ ملاقات جسمانی حاصل کناد۔

اور مرزا غالب نے تو کئی جگہ اس ذوق و شوق کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ ایک مکتوب میں تحریر کرتے ہیں۔

مرا در عزم سفر تابستاں مانع نیست بے سرانجامی مانع نیست خرقہ بہ تن درافگنم و رواں گردم، لیکن مقدمہ من بولایت رفتہ و دو سال کامل شدہ است، امید وارم کہ امروز یا فردا یا خود بعد ہفتہ دو ہفتہ، یک ماہ، دو ماہ حکم آں از ولایت برسد، رسیدن مقدمہ از ولایت ہماں و پوئیدن من بسوے گوالیار ہماں، پیر و مرشد غلامے خریدہ آزادش نخواہند کرد کہ غلامے وفادار است۔

(محررہ ۱۸ ربیع الاول ۱۲۵۵ھ)

دوسری جگہ بڑے اضطراب و بیقراری کے ساتھ لکھتے ہیں۔

چوں حکم قطع خصومت از ولایت رسد زاں پس جز آں مایہ مدت کہ بسر انجام ضروریات سفر وفا تواند کرد بدہلی یارام درنگ و روے بہ گوالیار نہم داگر روندگان بہ پاے روند من بسر پویم۔

(محررہ ۱۴ ربیع الاول ۱۲۵۵ھ)

(۱۲)

اس روحانی تعلق اور عقیدت کے علاوہ ادبی تعلق بھی تھا۔ حضرت غمگین داد وتحسین کے لیے اپنا کلام ارسال فرماتے اور مرزا غالب نقد و اصلاح کے لیے اپنا کلام بھیجتے۔ مثلاً ایک مرتبہ حضرت غمگین نے ایک رباعی بھیجی اور لکھا۔

مشفق من! مضمون تازہ گفتہ شد، برائے داد بخدمت سامی فرستادہ آید۔

رباعی

کر ظن نہ کچھ اس شراب رحمانی پر
مت کبر کر اپنے زاہد نفسانی پر
گر کفر دوئی نہیں تجھے اے زاہد
قشقہ یہ کبود کیوں ہے پیشانی پر

اس کے جواب میں مرزا غالب لکھتے ہیں۔

تازگی مضمون رباعی از خودم ربود، واللہ اندیشۂ ہیچ سخن و بدیں نکتہ نہ رسیدہ، ہیچ کس بریں مضمون دست نہ یافتہ داغ پیشانی زہاد را بہ قشقہ کبود تشبیہہ پاکیزہ، تازہ و دل پذیر است۔ (محررہ ۱۸ ربیع الاول ۱۲۵۵ھ)

اسی طرح ایک مکتوب میں میجر جان جاکوب[۱] کے لیے دو قطعات تحریر فرمائے تو

---

[۱] میجر جان جاکوب فرانسیسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ گوالیار میں آباد تھے۔ قلندر تخلص کرتے تھے اور اردو کے اچھے شاعر تھے۔

پسندیدگی وانتخاب کے لیے مرزا غالب کو بھیجے اور تحریر کیا۔

مشفقا! مادّہ تاریخ دیگر بے تعبیہ بخیال آمدہ امید ہست کہ تاریخ سابق واین تاریخ را ملاحظہ فرمودہ آں چہ بہتر باشد برآں اطلاع فرمایند تا در دیوان نوشتہ آید۔

قطعہ تاریخ

بنا کرد چوں جان صاحب مکاں | بشد فکرِ تاریخ بر من ارق
ندا از سرِ عقل آمد بہ دل | مکان قلندر بود عرشِ حق

دیگر

بنا کرد چوں جان صاحب مکاں | بشد فکر تاریخ غمگین ارق
ندا آمد از غیب جاں | مقام قلندر بود عرش حق

مرزا غالب نے مادّہ تاریخ کی تعریف کرتے ہوئے حضرت غمگیں کو لکھا:-

مادّۂ تاریخ مکان جان صاحب قلندر کہ حضرت اندیشیدہ اند چہ گویم کہ چہ قدر خوب است وخوبی دیگر آں ہماں نمک گفتگوئے درویشانہ موجود و در تاریخ گنجائش ایں ہا دشواری دارد۔ (محررہ ۲۸ ربیع الاوّل ۱۲۵۵ھ)

مرزا غالب نے ایک فارسی غزل لکھی تو نقد و اصلاح کے لیے حضرت غمگین کی خدمت میں ارسال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

دراین روزہا غزلے درمیاں احباب طرح شدہ و دراں زمین دہ بیت گفتہ شدہ بود بہ چشم داشت اصلاح دریں ورق نگارش می پذیرد۔ (غزل)

در وصل دل آزاری اغیار ندانم
دانند کہ من دیدہ ز دیدار ندانم
الاخـــرہ

محررہ ۱۸ رجب ۱۲۵۵ھ/۱۸۴۱ء)

(۱۳)

حضرت غمگینؒ کو مرزا غالب سے جو انسیت و محبت تھی اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب انھوں نے اپنا دیوان رباعیات مکاشفاۃ الاسرار مرتب کیا تو اس کو مرزا غالب کے نام معنون کرنا چاہا[1] اور اس کے لیے ان سے اجازت طلب کی تو مرزا غالب خوشی سے پھولے نہ سمائے اور تحریر کیا۔

از کجا درخور آنم کہ آں ہمہ گوہر برشتہ نگارش از ہر من کشیدہ آید وآں گاہ ایں مایہ مکرمت کہ خود از بندہ خود می پرسند کہ اگر دستوری دہی دیباچہ را بنام تو نگار بندم ایں

---

[1] انڈیا آفس لائبریری لندن میں مکاشفاۃ الاسرار کا جو قلمی نسخہ ہے اس کے دیباچے میں مرزا غالب کا اس طرح ذکر آتا ہے۔

"چوں دیوان (مخزن اسرار) با تمام رسید و واردات و غلبات و کیفیات بر دلم استیلا داشت خواستم کہ برائے برادر دینی عزیز از جاں اسداللہ خاں عرف میرزا نوشہ متخلص بہ غالب و اسد در یں زمانہ در نظم و نثر نظیر خود ندارد ...... از ابتدائے سلوک حضرت قادریہ نقشبندیہ تا انتہا در پیرایۂ رباعیات کہ بطور رسالہ تصوف باشد ترتیب دھم۔"

پرستش خود ادلئے نوازشے دیگر است کہ زبان اندازہ سپاس آں بر نتابد۔ قبلہ گاہا! فضولی می کنم وچوں فرمان چنیں است می گویم کہ گنجیدن نام درآں نامہ نہ تنہا از بہر من بلکہ از بہر آبائے من سرمایہ نازش جاودانی است۔ لیکن ہمہ آں مرید خود را بیش از اندازہ دراں نگارش نہ ستایند وکمترین بندۂ خودش را نمایند کہ ہرآئینہ اندریں صورت ہم مدعائے خدام حاصل می شود، وہم خواہش ایں ننگ آفرینش روائی می پذیرد۔ بالجملہ چشم براہم کہ دیوان رباعیات کے می رسد ومن بداں کے می رسم۔ (محررہ ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۵۵ھ)

حضرت غمگین نے اپنے مکتوب میں مرزا غالب کو یہ ہدایت کی تھی کہ دیوان رباعیات جب ان کو مل جائے تو اس کو اغیار کی نظر سے پوشیدہ رکھیں۔ اس پر مرزا غالب نے لکھا کہ اس عالم میں "غیر" ہے کہاں؟ ۔۔ اور اسی نکتے پر تفصیل سے فلسفیانہ بحث کر ڈالی۔ غالباً یہ بات حضرت غمگین کو ناگوار معلوم ہوئی اور انھوں نے دیوان بھیجنے کا ارادہ ترک فرما دیا۔ جب مرزا غالب کو اس کا علم ہوا تو ان کو سخت ندامت محسوس ہوئی اور انھوں نے بیقراری کے عالم میں حضرت غمگین کو لکھا۔

از حضرت پنہاں نخواہد بود کہ آں گفتار نہ بطریق دعوی بود نہ از راہ سرکشی، خواستم کہ ایں بذلہ ذوق افزاید، آں خود مرا بجگر داب تشویر افگند۔ خوش گفت آں کہ گفت۔

یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

ـــــــــــ آوازۂ نہ فرستادن رباعیات دور

باشما است کہ دل را خوں کند و رواں را فرساید ـــــ چوں
حضرت در منع ارسال رباعیات مرز نشے بہ سزا فرمودند ، ہر
آئینہ حیرانی بکار بردم و نہفتہ ہائے ضمیر پراگندۂ خود را
دیوانہ وار آشکار کردم ، اگر جرم من بخشیدنی است نوید
عفو تقصیر دہند تا از سر نو مسلماں گردم و بہ رحمت الٰہی ایماں
تازہ کنم ۔ اللہ بس ماسوا ہوس ۔ (محررہ ۲۸ محرم ۱۲۵۵ھ)

مرزا غالبؔ کی اس معذرت آمیز تحریر کی وجہ سے حضرت غمگینؔ نے وسعت قلبی کے ساتھ ان کو معاف کردیا اور تحریر فرمایا ۔

و فقیر را باشما محبّت و نسبت کہ خود بخود دلم بطرف شما
می کشد پس بچہ تقریب بآں مشفق عتاب کند ، نہ آں
مشفق را باما غرض دینی نہ دنیوی ، صرف از عنایت خود
للہ محبت دارند ، پس ایں چنیں شخصے را کہ للہ محبّت دارد
بچہ طور کسے عتاب کند ؟ چوں کہ از غلبۂ محبت رنج بر دلم
رسیدہ بے اختیار شدہ صاف بخدمت عالی نوشتہ شد کہ
تا اطمیناں حاصل شود ، آں چہ کہ مالعشق و محبّت نوشتم آں
مشفق آں را عتاب دانستند ، من چہ کسم و چہ حقیقت دارم
و بچہ سبب عتاب کنم ، بعید از محبت آں مشفق کہ آں را عتاب
دانستند ، من چہ کس کہ عتاب نماید بلکہ برائے اطمینان دلی
از محبت خود نوشتہ بودم معاف فرمائید ۔

رنجش و تلخی کے بعد جب دو دل ملتے ہیں تو پاکیزگی قلب اور جوش محبت کا اور ہی عالم ہوتا ہے ۔ حضرت غمگین کی طرف سے جب معافی نامہ پہنچا تو مرزا

غالبؔ نے نشاط و انبساط کے عالم میں تحریر کیا :-

قبلہ و کعبہ ، راستی آئین من است و محبت دین من ، راستی را ایمان و دروغ را کفری پندارم و بریں گفتہ یزداں را گواہ می آرم کہ ارادت و محبّت من بحضرت ازاں افزوں تر است کہ آں را شرح تواں کرد ، ہیچ گاہ عتاب حضرت بر خود گماں نہ کردہ ام و بطریق شکوہ سخن نہ راندہ ام مگر احیاناً لفظ عتاب بر زبان رفتہ است ، مقصود من از عتاب عنایت بودہ است چہ ہیچ کس با بیگانہ عتاب نہ کند ، تاکسے را از خود نہ شناسد عتاب نہ فرماید

(محررہ ۱۰ ربیع الاوّل ۱۲۵۵ھ)

(۱۴)

حضرت غمگینؔ کی خفگی و ناراضگی نے مرزا غالبؔ کو دیوان رباعیات کے متعلق متفکر کر دیا تھا کہ مبادا یہ ناراضگی دیوان کے مطالعہ سے ان کو محروم نہ کردے چنانچہ جس مکتوب میں حضرت غمگین کے عتاب کا ذکر کیا ہے ۔ اس میں لکھتے ہیں :-

من و ایمان - از روزے کہ بداں وعدہ گرامی شدہ ام روز است کہ انتظار ورود سفینۂ رباعیات نہ می کشم و دل را بداں خیال شادماں نمی دارم و ایں را خود ہمہ کس می داند کہ ناامیدی بعد از امید داری چہ قدر جاں کاہ است ناچار خود را خوار قرار ازیں می خواہم و دست بستہ عرض می کنم کہ چوں حضرت رباعیات را مسودہ کردہ اند ہر آئینہ کسے باید کہ آں را نقل تواند کرد و آں کہ ایں کار تواند کرد باید کہ خطے خوش و رشتہ باشد

کہ نسبت بدیگاں صحیح تر توانم نگاشت چشم آں دارم کہ ایں
خدمت بہ من مفوض گردد، وآں اجزا بہ من فرستادہ آید تا
آں را نقل کردہ بہ خدمت فرستم و بر خود منت نہم۔

(محررہ ۸ ر محرم ۱۲۵۵ھ)

جب محبت والفت کی فضا سازگار ہوگئی تو حضرت غمگینؔ نے وعدۂ دیرینہ کی
پھر تجدید کی اور تحریر فرمایا:—

دیوان رباعیات کہ تیار می شود، انشاء اللہ تعالیٰ کہ وقت ملاقات
بہ آں مشفق دادہ خواہد شد، بعد ملاحظہ اش یقین است
کہ عش عش خواہند فرمود۔ و مشفق من ۲ شمارا قدر من
بے ملاقات مثل خردل است چرا کہ فہم شما دیگر است
و حالات ما دیگر۔

چونکہ جسمانی ملاقات میں موانعات حائل تھے اس لیے ملاقات سے پہلے
ہی ازراہ محبت و شفقت دونوں دواوین' مخزن اسرار اور مکاشفات الاسرار
مرزا غالب کو بھیج دیئے گئے۔ جب انھوں نے غزلیات و رباعیات کا مطالعہ
کیا تو ازخود رفتہ ہوگئے اور اسی عالم از خود رفتگی میں حضرت غمگینؔ کو لکھا۔

آں چہ در دیوان فیض عنوان دیدہ کافر باشم اگر در مثنوی
مولوی روم و دیگر کتب تصوف ایں ہا دیدہ باشم، خامہ در
رباعیات کہ ہر کوزہ دریاۓ و ہر ذرہ آفتابے دارد و اگر
حیات باقی است زیں سپس حال رباعیات نگاشتہ خواہد شد

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

فیض درود صحیفۂ قدسی جاں ہا بہ کا بعد آگہی اومید دیوان

معجز بیاں دست آویزہ گراں مائیگی من گردید، خوشا من کہ نامم ازاں خامہ ترا وود زہے من کہ کلام قدسی بمن رسد، غزلہا یک دست ونکتہ ہا ہموار، مضمون ہا عارفانہ ـــــ سوادیہاں اوراق سرمۂ سلیمانی بچشم اندر کشید کہ نگہ بدیں جلوہ ہائے بیرنگ آشنا شد، وا ماندگان صورت چہ دانند کہ ایں گوہر گفتار کجائی است وایں گرد از کدا میں کارواں می خیزد۔

(محررہ ۲۵ر ذی الحجہ ۱۲۵۵ھ)

(۱۵)

مندرجہ بالا اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرزا غالبؔ، حضرت غمگین کے کلام سے بیحد متاثر تھے۔ تاریخی شواہد سے ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غالبؔ نے حضرت غمگین کی غزلوں پر غزلیں لکھی ہیں مثلاً حضرت غمگینؔ کے استاد کی ایک غزل مجالس رنگین[1] میں ملتی ہے۔ اس کا مطلع ہے:۔

رقیبوں سے اس کو بہم دیکھتے ہیں
یہ ظلم اپنی آنکھوں سے ہم دیکھتے ہیں

اس پر حضرت غمگین نے جو غزل کہی اس کا مطلع ہے۔

دوئی دور کر کے جو ہم دیکھتے ہیں
تو ہے ایک دیر و حرم دیکھتے ہیں

اس غزل پر مرزا غالبؔ نے جو غزل کہی ہے اس کا مطلع ہے۔

---

[1] سعادت یار خاں رنگین، مجالس رنگین، مرتبہ مسعود حسن رضوی۔ مطبوعہ لکھنؤ۔ ۱۹۲۹ء

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

مجالس رنگین، مرزا غالب کے بچپن میں ۱۲۱۵ھ کے کچھ ہی بعد تالیف ہوئی ہے اور اس میں غمگین کی محولہ بالا غزل کا پتا چلتا ہے جو غالباً دیوان اول میں بھی شامل ہوگی۔ مرزا غالب نے ایک عرصے بعد متذکرہ بالا غزل کہی۔ دونوں غزلوں کے تقابلی مطالعے سے بھی غمگین کی اوّلیت مترشح ہے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔

حضرت غمگین

خدا کے کرم سے سمجھتے ہیں بہتر — صنم تجھ سے جو ہم ستم دیکھتے ہیں
کسی کو نہیں دیکھتے ہم جہاں ہیں — اسی کو خدا کی قسم دیکھتے ہیں
جنھیں دو گھڑی وصل ہوتا ہے حاصل — وہ اک عمر ہجراں کے غم دیکھتے ہیں
سراں کا دو عالم سے گزرے ہے پیارے — جو اک بار تیرے قدم دیکھتے ہیں

مرزا غالب

دل آشفتگاں خال کنج دہن کے — سویدا میں سیر عدم دیکھتے ہیں
ترے سرو قامت سے قد آدم — قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں
تماشا کر اے محو آئینہ داری — تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں
سراغ تف نالہ لے داغ دل سے — کہ شب رو کا نقش قدم دیکھتے ہیں

حضرت غمگین کی ایک غزل ہے جس کا مطلع ہے

کون جیتا ہے شب ہجر سحر ہونے تک
عمر اک چاہیے یہ عمر بسر ہونے تک

اس پر مرزا غالب نے جو غزل لکھی ہے اس میں مضامین کے علاوہ قافیے تک اس غزل کے ملتے ہیں ہم انکی اشعار کی نشاندہی کرتے ہیں۔

حضرت غمگین

خوں نہ ہولے دل بیتاب، میں قرباں تجھ سے — صدفِ چشم میں اشکوں کے گہر ہونے تک
مثل شبنم نہیں کچھ ہستیٔ موہوم اپنی — کہ نزے مہر کی ٹھہرے یہ نظر ہونے تک
آئے بھی اور گئے دل بھی وہ لے کر غمگیں — ہائے کیا کیا نہ ہوا ہم کو خبر ہونے تک

مرزا غالب

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ — دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک
ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن — خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک
پرتو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم — میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

حضرت غمگین کی ایک غزل ہے جس کا مطلع ہے :۔

نہ مغنی ہوں میں نہ مطرب ساز
ہے یہ در پردہ اور کی آواز

اس پر مرزا غالب نے جو غزل کہی اس کا مطلع ہے ۔

نہ گل نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز

اس غزل میں بھی وہی کیفیت ہے جو اس سے پہلے والی غزل میں ہم دیکھ چکے ہیں یعنی مضامین و قوافی کی یک رنگی ۔ ایک دو جگہ توارد کا بھی گمان ہوتا ہے ۔ دونوں کی غزلوں کے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں ۔

حضرت غمگین

دست قسمت ہی ہے مرا کوتاہ — ہاتھ کیوں کر وہ آئے زلف دراز
اے ہمہ دل بر و ہمہ جاں بخش — وے ہمہ ناز وے ہمہ انداز
کیوں نہ ہر دم ہو مجھ کو موت و حیات — وہ تو جاں بخش اور میں جاں باز

در پہ چندے سے آپ کے ہوں مقیم اک مسافر ہوں میں غریب نواز
نہ تو میں پارسا ہوں اے غمگین
نہ نمازی، نہ رند شاہد باز

مرزا غالب

تو اور آرائش خم کاکل میں اور اندیشہ ہائے دور دراز
نہیں دل میں مرے وہ قطرۂ خون جس سے مژگاں ہوئی نہ ہو گل باز
اے ترا غمزہ یک قلم انگیز اے ترا ظلم سر بسر انداز
تو ہوا جلوہ گر، مبارک ہو میں غریب اور تو غریب نواز
اسد اللہ خاں تمام ہوا
اے دریغا! وہ رند شاہد باز

حضرت غمگین اور مرزا غالب کے اردو کلام کے تقابلی مطالعے سے حضرت غمگین کے متعلق غالب کا یہ لکھنا کتنا صحیح معلوم ہوتا ہے۔
شوقت چہ نمک دادہ مذاق ادہم را

(۱۶)

پچھلے برسوں میں حضرت غمگین پر کافی کام ہو چکا ہے مختلف کتابیں شایع ہو چکی ہیں۔ مثلاً:

۱۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی، اردو رباعیات مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۶۳ء
(ص۔ ۲۸۰ تا ۲۸۵)

۲۔ محمد یونس خالدی مطالعہ غمگین،
مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۶۳ء

۳۔ پروفیسر عبدالشکور شاہ غمگین، حضرت جی اور ان کا کلام
مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۶۴ء۔

۴۔ رضا محمد حضرت جی مخزن اسرار مطبوعہ لکھنؤ

حضرت غمگین اور مرزا غالب سے ان کے تعلقات پر بھی کافی مقالات منظر عام پر آچکے ہیں۔ چند مقالات کا حواشی میں ذکر کیا گیا ہے۔ باقی مقالات کا تفصیلاً یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ اس لیے تاکہ حضرت غمگین اور غالب پر تحقیق کرنے والوں کے لیے یہ تفصیل مآخذ و مصادر کا کام دے اور ان کا بار ایک حد تک کم ہو جائے۔

۱۔ حضرت غمگین، نیا دور (لکھنؤ) جولائی ۱۹۵۵ء

۲ حضرت غمگین، کاشانہ (کلیر شریف) فروری ۱۹۵۶ء

۳۔ حضرت غمگین دہلوی اور ان کا غیر مطبوعہ کلام" (محمد یونس خالدی) آجکل (دھلی) ، اپریل ۱۹۵۶ء

۴۔ ایک غیر معروف مگر باکمال شاعر" (رضا محمد حضرت جی) الجمیعۃ (دہلی) ۲۸ مئی ۱۹۵۶ء۔

۵۔ نظامی (دہلی) جون ۱۹۵۶ء

۶۔ "اٹھارویں صدی کا ایک گم نام پیغمبر سخن" (ڈاکٹر محمد حسین شفا) جمہوریت (کراچی) جون ۱۹۵۶ء

۷۔ آگرہ اخبار (آگرہ) ۲۸ جون ۱۹۵۶ء

۸۔ "ایک مسلمہ شاعر کے کلام کا ایک صدی بعد انکشاف" (رضا محمد حضرت جی) شعلہ و شبنم (دہلی)، نومبر ۱۹۵۶ء

۹۔ منادی (نئی دہلی)، دسمبر ۱۹۵۶ء

۱۰۔ حضرت غمگین دہلوی کی رباعی" (اشفاگوالیاری) شعلہ و شبنم (دیوالی نمبر دہلی) ۱۹۵۷ء

۱۱۔ صاحب ولایت حضرت جی خدانما شاہ غمگین (لفٹیننٹ سید حبیب محمد) کاشانہ (کلیر شریف) مئی ۱۹۵۷ء

۱۲۔ "ناخدائے سخن شاہ غمگین" (ڈاکٹر محمد سعید احمد) الجمعیۃ (دہلی) جون ۱۹۵۹ء

۱۳۔ "غمگین دہلوی" (محمد مسعود احمد)، فاران (کراچی) ستمبر ۱۹۵۹ء

۱۴۔ "حضرت غمگین شاہجہاں آبادی" (محمد مسعود احمد) اردو (کراچی) جنوری اپریل ۱۹۶۰ء

۱۵۔ حضرت غمگین شاہجہاں آبادی" (محمد مسعود احمد) برہان (دہلی) مئی جون جولائی ۱۹۶۰ء

۱۶۔ "غمگین دہلوی" قاضی عبدالودود، برہان (دہلی) اکتوبر ۱۹۶۰ء

۱۷۔ حضرت غمگین شاہجہاں آبادی" (محمد مسعود احمد) برہان (دہلی) اپریل و مئی ۱۹۶۱ء

۱۸۔ "سید علی غمگین" (محمد مسعود احمد) نوائے ادب (بمبئی) اپریل ۱۹۶۳ء

۱۹۔ "منقبت حضرت شاہ غمگین گوالیاری" (کپتان سائل حیدری) منادی۔ (نئی دہلی) جلد ۳۹، شمارہ ۹، ۱۹۶۴ء

۲۰ "رباعیات غمگین" (محمد مسعود احمد) لطیف (میرپورخاص) ۱۹۶۵ء۔

۲۱۔ "سید علی غمگین" (محمد مسعود احمد) دائرۃ المعارف الاسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

(یہ مقالہ "حضرت غمگین غالب کی نظر میں" کے عنوان سے "اردو" بابت اکتوبر ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا تھا۔ زیر نظر مجموعے کے لیے مصنف نے اسے ازسر نو لکھا ہے۔ ادارہ)

اقتباس تصور پاکستان ایک تحقیقی جائزہ ۱۱:۹۰ر
(تصور پاکستان کا خاکہ ۱۹۲۵ء میں تفصیلاً شائع ہو گیا تھا)

تصور پاکستان 'ایک تحقیقی جائزہ

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں نے صدیوں حکومت کی' شاندار حکومت ---- بے مثال حکومت ---- زمانہ کروٹیں بدلتا رہتا ہے' نشیب و فراز آتے رہتے ہیں ---- کبھی کے دن بڑے 'کبھی کی راتیں ---- و تلک الایام نداولھا بین الناس ---- ۱۸۵۷ء میں سقوط سلطنت مغلیہ کے بعد برصغیر میں مسلم اقتدار کا شیرازہ منتشر ہو گیا ---- اس دور انتشار میں بلکہ اس سے بھی بہت پہلے ہنود نے اپنی تمام توانائیوں کو یکجا کیا اور معاشی و سیاسی سطح پر اس دیرینہ محسن کے خلاف صف آراء ہوئے جس نے پاک و ہند کو حیرت انگیز استحکام بخشا ---- وہ محسن عظیم جس نے ہزار سالہ دور اقتدار میں بھی ہنود کے ساتھ بے مثال رواداری کا مظاہرہ کیا ---- رواداری کی اس سے بڑی اور کیا دلیل ہو گی کہ نہ صرف پاک و ہند بلکہ ان شہروں میں بھی ہنود کی اکثریت ہی رہی جو مسلم سلطنتوں کے تخت گاہ بنے ---- بہرکیف اس محسن سے اس درجہ دل تنگ ہو گئے کہ سانس لینے کیلئے اس کو ایک قطعہ زمین دینے کے بھی روادار نہ تھے۔ آئے دن کے فسادات اور خوں ریزیاں اس پر مستزاد۔

تنگ دلی کا جب یہ عالم دیکھا اور یہ محسوس کیا کہ زوال سلطنت اسلامیہ کے بعد اتنی سکت تو نہ رہی کہ برصغیر پاک و ہند کو پھر زیر نگیں کیا جائے اس لئے دانشوروں اور دردمندوں نے تقسیم ہند کی بات سوچی تاکہ مذہب کے ساتھ ساتھ معیشت کو بھی سنبھالا جائے ---- مسلمان کی فطرت میں غلامی نہیں' تاریخ گواہ ہے کہ وہ کبھی زیادہ عرصہ غلام نہیں رہا' اس نے ہمیشہ دنیا پر حکومت کی' آقائی اس کی فطرت میں ہے' اب بھی دنیا کے اہم گوشوں پر حکومت کر رہا ہے ---- سچ پوچھئے تو اس کے جذبہ فداکاری نے نہ صرف خود اس کیلئے بلکہ ہنود کیلئے بھی ہندوستان میں آزادی کی راہ ہموار کر دی ورنہ ہنود تو ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک مسلمانوں کے دست نگر رہے اور جب تک مسلمان ان کی صفوں میں شامل نہیں ہوئے' ان کی تحریک میں جان نہیں پڑی۔

ہاں تو ذکر تھا آزادی و خود مختاری کا "تقسیم ہند کا" مذہبی آزادی اور معاشی خوشحالی کیلئے ایک خطہ زمین کا--- تو درد مندوں نے جب یہ دیکھا کہ ہزار سال تک جو دست نگر رہا اب اپنے آقا و محسن پر تسلط جمانے کی فکر میں ہے تو انہوں نے برملا تقسیم ہند کی باتیں شروع کر دیں۔ چنانچہ ۱۸۶۷ء میں سرسید احمد خاں نے اور ۱۸۹۰ء میں مولانا عبدالحلیم شرر نے تقسیم ہند کی طرف اشارہ کیا--- ۱۹۱۵ء میں چوہدری رحمت علی نے "مسلم اسٹیٹ" کی ضرورت پر زور دیا۔ ۱۹۱۷ء میں عبدالجبار خیری اور پروفیسر عبدالستار خیری نے اسٹاک ہوم میں تقسیم ہند کی بات کی۔ ۱۹۲۲ء میں مولانا عبیداللہ سندھی نے تقسیم ہند کا ایک منصوبہ پیش کیا' ۱۹۲۳ء میں ڈیرہ اسماعیل خاں کے سردار محمد گل خاں نے تقسیم ہند کی تجویز پیش کی--- ۱۹۲۵ء میں مولانا محمد علی جوہر نے "مسلم کوریڈور" کی حمایت کی--- مگر ۱۹۲۵ء ہی میں جس تفصیل سے تقسیم ہند پر زیر بحث تجویز میں روشنی ڈالی گئی ہے--- اس تجویز کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے لکھا ہے:۔

In March and April 1920, the "Dhu'l Qurnain" of Badaun published an open letter from one Muhammad Abdul Qadir Bilgrami to Gandhi adovcating partition of the subcontinent, in which he gave even a list of Muslim districts, which is, generally speaking, not too different from the present bounderies of East and West Pakistan. [1]

دراصل تقسیم ہند کی زیر بحث تجویز ضمنی طور پر ایک رسالے میں پیش کی گئی ہے

---

[1] Ishtiaq Husain Qureshi: The Struggle for Pakistan, Karachi, 1974, P-116

نوٹ:۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے تجویز کا سنہ تصنیف ۱۹۲۰ء تحریر فرمایا ہے۔ جہاں تک راقم کی معلومات کا تعلق ہے یہ تجویز نہ اخبار "ذوالقرنین" میں شامل تھی اور نہ ہی بدایوں ایڈیشن (۱۹۲۰ء) میں بلکہ تقریباً پانچ سال بعد ۱۹۲۵ء میں علی گڑھ ایڈیشن میں شامل کی گئی اس لئے اس تجویز کا سنہ تصنیف ۱۹۲۵ء قرار دیا جانا چاہئے۔--- مسعود

جس میں برصغیر پاک و ہند میں گائے کی قربانی موقوف کرانے کیلئے ہندوؤں، قوم پرست اور دوسرے رہنماؤں کی تائید و حمایت کی مدلل اور پر زور تردید کی گئی ہے اور اس مسئلے پر عالمانہ و فقیہانہ بحث کی گئی ہے۔ اس رسالے کا عنوان ہے:۔

"ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام"

یہ رسالہ سب سے پہلے بدایوں کے ہفت روزہ اخبار "ذوالقرنین" میں مارچ اور اپریل ۱۹۲۰ء کے شماروں میں مسلسل شائع ہوا۔ اس کے بعد سنہ مذکورہ میں ہی نظامی پریس، بدایوں سے پہلی بار کتابی شکل میں شائع ہوا۔ مگر اس وقت تک اس میں تقسیم ہند کی تجویز شامل نہ تھی۔ جب دوسری بار ۱۹۲۵ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ پریس سے شائع ہوا تو یہ تجویز شامل تھی ---- رئیس احمد جعفری مرحوم نے اپنی کتاب "اوراق گم گشتہ" میں یہ پورا رسالہ نقل کیا ہے[۲] ---- اس کے علاوہ ۱۹۷۰ء میں پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی نے اس کو شائع کر دیا اور دوسرے مقامات پر بھی اس کی اشاعت ہوئی[۳]

O

ابتداء میں مصنف نے "التماس" کے عنوان سے بھی بعض ضروری امور کی وضاحت کی ہے جو بالترتیب یہاں پیش کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ دہلی کانگریس کے صدر مدن موہن مالوی نے دسمبر ۱۹۱۸ء میں مسلمانان ہند سے درخواست کی کہ وہ ہندوؤں کی دلداری کی خاطر ہندوستان میں گائے کی قربانی یک قلم موقوف کر دیں۔

۲؎ رئیس احمد جعفری، سید: اوراق گم گشتہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء ص ۳۵۱ تا ص ۳۹۰

۳؎ مکتوب حاجی محمد متقی خاں شروانی محررہ ۲۳ جنوری ۱۹۶۸ء، از علی گڑھ مشمولہ
An Open Letter To Mahatma Gandhi, Karachi 1970 P. Xii

۲۔ آل انڈیا مسلم لیگ نے ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی تحریک اور حکیم اجمل خاں کی کوشش سے دسمبر ۱۹۱۹ء میں یہ تجویز منظور کر لی اور مسلمانان ہند کو ہدایت جاری کر دی کہ وہ گائے کی قربانی ترک کر دیں۔

۳۔ اسی زمانے میں مسٹر گاندھی نے بحیثیت صدر "ھیومنی ٹیرین کانفرنس" اہل ہند کو ترک حیوانات کی سخت تاکید کی اور اس سلسلے میں تمام ملک کا دورہ کیا۔

۴۔ کانگرس کی تحریک، مسلم لیگ کی تائید اور مسٹر گاندھی کی حمایت سے متاثر ہو کر تمام جلسوں میں خود مسلمانوں نے گائے کی قربانی ترک کر دینے کی تجاویز پر لبیک کہا۔[۴]

ان حالات سے مجبور ہو کر مصنف (محمد عبدالقدیر) نے مسٹر گاندھی کے نام ایک مفصل و مبسوط خط لکھا۔ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں:۔

چنانچہ مارچ اپریل ۱۹۲۰ء میں اخبار "ذوالقرنین" بدایوں میں یہ مضمون زیر عنوان:۔

"ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام"

شائع کیا گیا اور اب اس کو رسالے کی صورت میں ترتیب دیکر پبلک کے سامنے پیش کرتا ہوں اور خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے اس ناچیز تحریر کو عامہ مسلمین کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ وما علینا الا البلاغ۔[۵]

جیسا کہ عرض کیا گیا اس خط میں گائے کی قربانی سے متعلق ہر پہلو پر بحث کی گئی ہے۔ جیسا کہ اس کے سرورق کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہاں دوسرے اڈیشن (مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۵ء) کے سرورق سے متعلقہ حصے کی نقل پیش کی جاتی ہے:۔

---

۴ محمد عبدالقدیر، مولانا: ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام، لکھا" (بحوالہ اوراق گم گشتہ) ص ۳۵۲

۵ محمد عبدالقدیر، مولانا: ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام، لکھا" (بحوالہ اوراق گم گشتہ) ص ۳۵۲

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰھَا لَکُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ

ہندو مُسلم اتحاد

پر

کھُلا خط مہاتما گاندھی کے نام

جس میں

ذبح و قربانی کے متعلق نہایت تحقیق کے ساتھ عقلی نقلی اور اقتصادی پہلو سے بحث کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مسلمان اس شرعی حق سے جو شعائر اللہ میں داخل ہے کسی ملکی مصلحت سے یا خیالی نفع کی توقع پر دست بردار نہیں ہو سکتے

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

بار دوم

مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں چھپا

(دسمبر ۱۹۲۵ء)

ایک ہزار جلد ۱۰۰۰

ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط
مہاتما گاندھی کے نام

جس میں ذبح و قربانی کے متعلق نہایت تحقیق کے ساتھ عقلی، نقلی اور اقتصادی پہلو سے بحث کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مسلمان اس شرعی حق سے جو شعائر اللہ میں داخل ہے' کسی ملکی مصلحت سے یا خیالی نفع کی توقع پر دست بردار نہیں ہو سکتے -----"

O

راقم نے دوسرے اڈیشن کا مطالعہ کیا ہے' اس میں شک نہیں کہ فاضل مصنف نے بہت ہی فاضلانہ' عالمانہ' فقیہانہ' مدلل و مسکت بحث کی ہے۔ مصنف نے مسئلہ قربانی پر بحث کے نتیجے میں یہ ثابت کیا ہے کہ ہندو اور مسلمانوں کے عقائد میں بعد المشرقین ہے۔ جو ایک کے ہاں شعائر دین سے ہے' دوسرے کے ہاں گناہ کبیرہ۔ مختلف ادیان کے معتقدات میں تضادات پائے جاتے ہیں اور معقولیت یہ ہے کہ قرآن کریم کے اس زریں اصول پر عمل کیا جائے۔ لکم دینکم ولی دین اور ایک دوسرے کے معتقدات میں دخل اندازی نہ کی جائے۔ مگر ہندوؤں کے جذبات نے ایسی نازک صورت اختیار کر لی تھی کہ انہوں نے فطری اصولوں سے اعراض کرتے ہوئے مسلمانوں کے مذہبی معتقدات میں دخل اندازی شروع کر دی۔ ظاہر ہے اس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا تھا کہ اسلام' ہندومت کے زیر اثر رہے۔ یہ بات ایک غیور مسلمان کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ بلکہ اس طرح اگر مسلمان بھی ہندوؤں کے معتقدات میں دخل اندازی کرتے اور ان سے بت پرستی ترک کرنے کا مطالبہ کرتے تو ان کیلئے بھی یہ بات ناقابل برداشت ہوتی ---- بہرکیف ہندوؤں کے طرز عمل سے جو نازک صورتحال پیدا ہو گئی تھی اس کی اصلاح کیلئے مصنف نے مسٹر گاندھی کو واشگاف الفاظ میں لکھا کہ یہ باتیں اہل ملک کے ذہن نشین کر دیں:۔

☆ مذہب اسلام کی رو سے شعائر اللہ کی دنیاوی وجاہت یا نفع کے عوض بیچ کر دینا ہرگز جائز نہیں۔

☆ ہمارا عقیدہ ہے کہ ہندو کافر و مشرک ہیں اور ہمیں ممانعت ہے کہ ہم ان کے ساتھ دوستی یا محبت کا برتاؤ کریں۔

☆ ہندو تہواروں میں ہم قطعاً شریک نہیں ہو سکتے۔[۶]

اس کے بعد مسٹر گاندھی کو یہ ہدایت کی:۔

"یہ آپ کا فرض ہے کہ آپ خود اس قسم کی تحریکات کی مخالفت کریں اور قوم کو سمجھا دیں کہ مذہب کو سیاست سے بالکل الگ رکھا جائے[۷] تاکہ جو کچھ آثار باہمی رواداری کے نظر آنے لگے ہیں۔ وہ مضبوط بنیاد پر قائم ہوں اور سیل حوادث کا شکار نہ ہو جائیں"

فاضل[۸] مصنف نے گائے کی قربانی سے متعلق سیر حاصل بحث کرنے کے بعد آخر میں تقسیم ہند کی مفصل تجویز پیش کی ہے جو ہم قارئین کرام کے سامنے پیش کرتے ہیں:۔

تقسیم ہند کی پہلی مفصل تجویز

اگر ہندو مسلم اتحاد کا ماحصل صرف اسی قدر ہے کہ ہم میں سے چند ہندو پرست اصحاب کو منتخب کر کے ان سے حسب دل خواہ کام لیا جاوے اور انہیں کے ہاتھ سے ہمیں ذبح کیا جائے تو پھر ملکی ہمدردی کے لیے چوڑے دعوے فضول ہیں۔ لیکن اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہندو مسلمانوں کا اتفاق ہو تو آپ کو افراد کی ذاتی رائے چھوڑ کر ہمارے قومی و اسلامی نقطہ خیال پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہوگی اور "ہستان و بہدہ" کے اصول پر عمل کرنا ہوگا۔

---

[۶] محمد عبدالقدیر، مولانا: ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام، ملخصاً" (بحوالہ اوراق گم گشتہ، ص ۳۵۴، ۳۵۵ ملخصاً")

[۷] ایضاً" بحوالہ اوراق گم گشتہ، ص ۳۷۰

[۸] مذہب کو سیاست سے الگ رکھنے کا وہی مفہوم ہے جو مقصود اسلام ہے یعنی امور جہانبانی میں رعیت کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کی جائے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ مسلم سیاست، مذہب سے الگ چیز ہے۔ اسلام ایک ایسا جامع اور وسیع مذہب ہے جس میں سیاست شامل ہے اس لئے سیاست میں شامل ہونے والے ہر شخص کا اسلام محاسب ہے ــــ مسعود

سب سے پہلے جس بات کی ضرورت ہم محسوس کرتے ہیں جو یہ ہے کہ مذہب کو سیاسیات سے بالکل علیحدہ رکھا جائے تاکہ جانبین کے معتقدات ناجائز دخل اندازی سے محفوظ رہیں۔ علاوہ بریں جو تہوار و رسوم و جلوس آپ کے مخصوصات میں سے ہیں ان میں قطعاً مسلمانوں کو شریک نہ کیا جائے[9] نہ آپ لوگ ہمارے مذہبی امور میں مخل ہوں بلکہ لکم دینکم ولی دین پر عمل رہے۔ اگر کچھ عرصہ تک ان باتوں کا لحاظ رکھا جائیگا اور مسلمانوں کی مذہبی آزادی میں چاہے وہ قربانی کے متعلق ہو یا نماز و اذان وغیرہ کی بابت' مداخلت نہ کی جائے گی تو اس کا اثر یہ ہو گا کہ آج جو کشمکش ان دونوں قوموں میں موجود ہے وہ بہت کم ہو جائے گی اور ملکی معاملات میں دونوں ایک دوسرے کے شریک ہو سکیں گے۔

یہاں پر یہ بھی گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ مخالفت کی بنا صرف گاؤکشی ہی نہیں ہے بلکہ اردو ہندی کے جھگڑے' نظام سلطنت میں ہمارے حقوق کی مزاحمت' انتخاب جداگانہ سے انکار' سرکاری ملازمت کی کشمکش وغیرہ وغیرہ بھی اپنی اپنی جگہ پر اتحاد کے مدافع ہیں۔ اس لئے یہ اصول تسلیم کر لینے کے بعد کہ مذہب کو سیاست سے علیحدہ رکھا جائے اور جانبین کے معتقدات سے تعرض نہ کیا جائے۔ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ایک زبردست کمیشن مساوی التعداد ہندو مسلمانوں کے معتمد علیہ اشخاص کا مقرر کیا جائے۔ جو حسب ذیل اسکیم پر غور کرنے کے بعد ایک قابل قبول اور ممکن العمل فیصلہ کر دے۔

☆ ہندوستان کی تقسیم از سرنو قومیت کی بنا پر اس طرح کی جاوے کہ ہر قوم کیلئے بڑے سے بڑا حصہ اس کی آبادی کا علیحدہ کر دیا جائے اور یہ حصہ اس قوم کا حلقہ اثر قرار دیا جائے۔ مثلاً مسلمانوں کیلئے حسب ذیل صوبہ جات بنائے جا سکتے ہیں۔

---

[9] ۱۹۲۰ء ایک ایسا دور ابتلاء تھا جبکہ بعض مسلمانوں نے ہندو مسلم اتحاد کی رو میں بہہ کر ہنود کے تہواروں میں شرکت کی۔ مندروں میں گئے' ارتھیوں کو کندھا دیا۔ اس کے علاوہ اور بہت سے کام کیے۔ یہاں اسی مذہبی بے راہ روی کا ذکر ہے۔
اسی پس منظر میں اس جملے کو پڑھا جائے کہ "مذہب کو سیاست سے بالکل علیحدہ رکھا جائے۔" یعنی سیاسی مقاصد کیلئے ہنود کی طرف سے مسلمانوں سے مذہبی شعائر کی قربانی کا مطالبہ نہایت ہی نامعقول ہے۔ اس مطالبے کو سیاسی مقاصد سے کوئی تعلق نہیں' اس لئے اس کو الگ رکھا جائے۔۔۔
مسعود

الف صوبہ سرحدی و مغربی پنجاب کے دس اضلاع راولپنڈی' اٹک' جہلم' گجرات' شاہ پور' میانوالی' جھنگ' مظفرگڑھ' ڈیرہ غازی خاں اور ملتان یکجا کر کے ایک صوبہ بنا دیا جائے۔

ب بنگال میں بوگرا' رنگ پور' تاج پور' جیسور' ندیا' فرید پور' ڈھاکہ' راج شاہی' ہبنا' میمن سنگھ' باقر گنج' نواکھالی' پراؤ' چٹاگانگ کے اضلاع کا دوسرا صوبہ بنایا جائے۔

ج سندھ کو بمبئی پریذیڈنسی سے جدا کر کے تیسرا صوبہ بنا دیا جائے۔

☆ یہ بات اصولاً طے کر دی جائے کہ اس تقسیم کے بعد ہر حصہ ملک کا نظم و نسق اس کی کثیر التعداد رعایا کے مفاد کیلئے کیا جائے گا۔

☆ قلیل التعداد اقوام کی حفاظت و ادائے مراسم مذہبی و حقوق ملازمت وغیرہ کیلئے قواعد مرتب کئے جاویں اور ان کیلئے قومی سیاسی اہمیت کی بنا پر حسب ضرورت دارالامن قائم کئے جائیں۔

مثلاً پنجاب میں سکھ بااثر قوم ہے لیکن کسی واحد ضلع میں جو بلحاظ آبادی کے ہندو یا مسلمانوں سے زیادہ نہیں ہے جو اس کا حلقہ اثر بنایا جاسکے۔ اس لئے قومی و پولیٹیکل اہمیت کی بنا پر ان کیلئے ایک دارالامن قائم کیا جائے۔ لودھیانہ و امرتسر اس کے لیے بہت موزوں ہیں۔ ان مقامات کا نظام حکومت سکھوں کے مفاد کے لحاظ سے ترتیب دیا جائے۔ سیالکوٹ عیسائیوں کا ملجاء ماوی قرار دیا جائے اور ان کو وہاں وہی حقوق دیئے جائیں جو سکھوں کو امرتسر و لودھیانہ میں۔ اسی طرح ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں اسلامی تمدن کے گہوارہ ہیں' مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کیلئے خاص انتظام کی ضرورت ہوگی۔

☆ تبادلہ آبادی کے لیے سہولتیں بہم پہنچائی جائیں تاکہ قلیل التعداد اقوام کے افراد جو کسی وجہ سے ترک وطن کر کے خود اپنی قوم کے حلقہ اثر میں جانا چاہیں وہ بغیر زیادہ نقصان کے تبدیل سکونت کر سکیں۔

☆ کمشن مجوزہ کا فیصلہ قومی معاہدہ کی صورت میں ترتیب دیا جائے اور گورنمنٹ کے سامنے بطور ملکی مطالبہ کے عمل درآمد کے لیے پیش کیا جائے۔

☆ جس وقت تک اس طرح کا معاہدہ نہ ہو جائے:۔

الف مسلمانوں کے انتخابات جداگانہ کی مخالفت نہ کی جائے۔

ب پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی نمائندگی کا تناسب آبادی کی بنا پر قرار دیا جائے۔ اس کی رو سے جن صوبوں میں مسلمان بلحاظ آبادی کے زیادہ ہیں وہاں بھی ان کے میجارٹی نہیں رہی اور جہاں جہاں قلت تھی وہ بدستور قائم ہے۔ یہ سراسر بے انصافی ہے۔

ج مذہبی مناقشات کے انسداد کیلئے قومی پنچایتیں قائم کی جائیں جن میں ہندو مسلمانوں کے نمائندوں کی تعداد مساوی ہو اور ہر قوم کی پنچایت کیلئے وہی لوگ منتخب کیے جائیں جو در حقیقت معتمد علیہ ہوں۔

مہاتما جی! اب میں اس عریضے کو ختم کرتا ہوں اور متوقع ہوں کہ جس دل سوزی سے میں نے اس کو لکھا ہے آپ اس کی قدر کریں گے اور اس کو نہایت غور و تامل کے ساتھ اول سے آخر تک پڑھ کر اپنے خیالات سے اہل ملک کو مطلع فرمائیں گے تاکہ ہندو مسلم اتحاد کا مسئلہ جس پر ملک کی آئندہ ترقی و بہبود کا دارومدار ہے' ہمارے جاہ پسند لیڈروں اور آپ کی قوم کے متعصب افراد کی دست برد سے محفوظ رہے۔ اس وقت ملک میں آپ کا اثر ہے اور آپ سے یہ امید کرنا بے جا نہیں کہ آپ اسے اہل ہند کے مناقشات دور کرنے میں استعمال فرمائیں گے۔

وما علینا الا البلاغ

آپ کا نیاز مند

محمد عبدالقدیر [۱۰]

---

[۱۰] محمد عبدالقدیر' مولانا: ہندو مسلم اتحاد پر کھلا مہاتما گاندھی کے نام' ص ۵۴ تا ۵۸' مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۵ء

جس اڈیشن میں مندرجہ بالا تجویز شائع ہوئی وہ ۱۹۲۵ء میں علی گڑھ سے شائع ہوا۔ اس لیے قرین قیاس ہے کہ ڈاکٹر محمد اقبال نے اس کا ضرور مطالعہ فرمایا ہو گا۔ اور اگر اس رسالے کو مولانا محمد عبدالقدیر بدایونی کی تصنیف تصور کیا جائے تو یہ قیاس اور یقینی ہو جاتا ہے کیوں کہ مولانائے موصوف سے ڈاکٹر اقبال کے گہرے مراسم تھے---- بہرکیف زیر بحث تجویز کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ۱۹۳۰ء سے پانچ سال قبل ۱۹۲۵ء میں تقسیم ہند کی مفصل تجویز پیش کی جاچکی تھی جو حیرت انگیز طریقے پر تقریباً انہیں علاقوں پر مشتمل ہے جو ۱۹۴۷ء میں پاکستان میں شامل ہوئے۔ پھر ڈاکٹر محمد اقبال نے مسلم لیگ کے سیاسی پلیٹ فارم سے الٰہ آباد میں تقسیم ہند کا تصور پیش کیا۔[1] طبقہ علماء میں جس کی پرزور تائید اہل سنت و جماعت کے جلیل القدر عالم اور سیاست داں مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی نے کی اور اپنے رسالے "السواد الاعظم" (مراد آباد) میں کھل کر اظہار خیال فرمایا۔ ڈاکٹر اقبال کا یہ کارنامہ ہے کہ انہوں نے عوامی سطح پر اس تجویز کو رکھ کر پورے ہندوستان کو اس طرف متوجہ کیا۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

Sir Muhammad Iqbal is generelly credited with initiating the idea of seperation As has been mentioned, there were people before him who advocated partion but Iqbal was the first important public figure to propound the idea from the platform, of the Muslim League. In his presidential address to League's annual

---

[1] ڈاکٹر جاوید اقبال نے لکھا ہے کہ اقبال نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایک جرمن ماہر جغرافیہ سے ہندوستان کا نقشہ بنوایا تھا، جس میں ان علاقوں کی جغرافیائی طور پر نشاندہی کی گئی تھی جو پاکستان میں شامل ہونا تھے۔ (بحوالہ ہفت روزہ الہام بہاولپور، ۳ر اگست ۱۹۹۷ء ص ۷)
ممکن ہے یہ نقشہ تیار کراتے وقت اقبال کے پیش نظر تقسیم ہند کی وہ مفصل تجویز ہو جو ۱۹۲۵ء میں علی گڑھ سے شائع ہوئی---- مسعود

Session at Allahbad in 1930, he discussed the problem of India at length.[12]

تقسیم ہند کی پہلی مفصل تجویز کا مصنف؟

تقسیم ہند کی جس تجویز کا اوپر ذکر کیا گیا اس کے مصنف کے بارے میں محققین میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے---- حکیم محمد موسیٰ امرتسری[13] کی عنایت سے رسالے کا علی گڑھ اڈیشن (۱۹۲۵ء) نظر سے گزرا جس سے پچھلے صفحات میں استفادہ کیا گیا۔ اس اڈیشن کے سرورق پر مصنف کا نام نہیں، البتہ آخر میں صرف "محمد عبدالقدیر" لکھا ہوا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہی مصنف کا نام ہے۔ کیوں کہ یہ رسالہ پہلے اخبار "ذوالقرنین" میں بدایوں سے شائع ہوا[14] اس لئے بعض محققین اس کو اس وقت کے ممتاز عالم اور سیاست دان مولوی محمد عبدالقدیر بدایونی سے منسوب کرتے ہیں[15] لیکن بعض محققین کا خیال

---

[12] Ishtiaq Hussain Qureshi: The struggle for Pkistan, Karachi,1974,P117

[13] صدر، مرکزی مجلس رضا، لاہور۔

[14] مولانا محمد عبدالقدیر بدایونی جلیل القدر عالم اور صاحب بصیرت سیاست دان تھے۔ ۱۸۹۳ء میں ان کی ولادت ہوئی۔ معاصرین علماء سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کی۔ تحریک خلافت (۱۹۱۹ء) اور تحریک ترک موالات (۱۹۲۰ء) میں شریک رہے مگر کانگرس کے کسی جلسے میں شرکت نہیں کی۔ ۱۹۲۴ء میں آثار مقدسہ شہید کرنے کے خلاف تحریک میں حصہ لیا۔ عراق اور اردن کے شاہی خاندانوں سے مولانا کے خصوصی تعلقات تھے۔ تحریک پاکستان کے زمانے میں آپ حیدر آباد دکن کی عدالت العالیہ میں مفتی تھے۔ انجمن اتحاد المسلمین کے زبردست موئید تھے۔ جو دراصل اسٹیٹ مسلم لیگ تھی۔ قائداعظم اور نواب بہادر یار جنگ کے مداح تھے۔ بلکہ نواب صاحب کی نماز جنازہ آپ ہی نے پڑھائی تھی۔ الغرض مولانا پاک و ہند کے طبقہ علماء اور سیاست دانوں میں ایک قابل ذکر ہستی تھے۔ ۱۹۷۰ء میں بدایوں میں آپ کا انتقال ہوا۔ (ماخوذ از مکتوب مولانا ماہرالقادری مکتوبہ ۱۳ر نومبر ۱۹۷۷ء)

تفصیلات کے لیے راقم کا مندرجہ ذیل تحقیقی مقالہ مطالعہ کیا جائے۔

"عاشق الرسول مولانا محمد عبدالقدیر بدایونی" مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء ---- مسعود

[15] اخبار "ذوالقرنین" کے مدیر نظام الدین حسین نظامی نے مولوی محمد عبدالقدیر بدایونی کے والد ماجد

ہے کہ یہ رسالہ دراصل ایک ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر قاضی عزیز الدین بلگرامی کی تصنیف ہے۔[١٦]
چوں کہ وہ سرکاری ملازم تھے اور اپنا نام ظاہر نہ کر سکتے تھے اس لیے اپنے بھائی محمد عبدالقدیر[١٧] کا نام ڈال دیا۔

ہم پہلے اس موقف کا جائزہ لیں گے اس کے بعد اول الذکر موقف کی طرف متوجہ ہوں گے۔

O

غالباً سب سے پہلے پروفیسر محمد ایوب قادری نے اس طرف توجہ فرمائی اور اپنے مضامین میں اس موقف کا ذکر کیا۔[١٨]

مولانا محمد عبدالقادر بدایونی اور برادر بزرگ مولانا محمد عبدالمقتدر بدایونی کا اپنی تالیف "قاموس المشاہیر" (جلد دوم، مطبوعہ بدایوں ١٩٢٦ء ص ٦٧) میں ذکر کیا ہے، پھر ١٩٦٠ء میں جب مولانا محمد عبدالقدیر بدایونی کا انتقال ہوا تو نظام الدین حسین مرحوم کے صاحب زادے احید الدین نظامی (چیف ایڈیٹر اخبار "ذوالقرنین" نے پورے صفحے پر تعزیتی پیغام شائع کیا (ذوالقرنین، بدایوں شمارہ ١٧ اپریل ١٩٦٠ء ص ٥)

ان حقائق سے بھی اس خیال کو تقویت ملی کہ رسالے کے اصل مصنف شاید مولوی محمد عبدالقدیر بدایونی ہوں۔ خود راقم کا بھی یہی خیال تھا لیکن پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب نے جب اپنے مقالے کے تراشے ارسال کیے تو کچھ اشتباہ پیدا ہو گیا۔ تفصیلات آگے آتی ہیں --- مسعود۔

[١٦] قاضی عزیز الدین، قاضی عبدالوالی بلگرامی کے بیٹے تھے۔ ١٩٠٩ء میں علی گڑھ سے بی۔ اے کیا۔ ١٩١٠ء میں ڈپٹی کلکٹر سارن پور ہوئے۔ بعد میں ایل۔ ایل۔ بی کیا۔ کانپور، مراد آباد، میرٹھ اور الٰہ آباد میں مختلف سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔ ١٩٢٩ء میں الٰہ آباد سے ریٹائر ہوئے۔ بعد میں مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں خزانچی ہو گئے۔ ١٩٣١ء میں علی گڑھ ہی میں انتقال ہوا ---- مسعود

[١٧] قاضی عزیز الدین بلگرامی کے بڑے بھائی تھے۔ شکار کے شوقین تھے اور آبائی جائیداد پر گزر بسر کرتے تھے۔ ١٩٣٠ء میں انتقال ہوا ---- مسعود

[١٨] (الف)۔ محمد ایوب قادری پروفیسر: "تصور پاکستان کی ایک گم شدہ کڑی" مشمولہ سہ ماہی "العلم" کراچی، شمارہ جنوری تا مارچ ١٩٦٨ء

(ب) محمد ایوب قادری، پروفیسر: "تحریک پاکستان کی ایک گم شدہ کڑی" مشمولہ سہ ماہی "الزبیر" بہاولپور شمارہ ١٩٧٠ء

نوٹ = رسالہ "العلم" محترم جناب سید نور محمد قادری (چک نمبرہ شمالی گجرات) کی عنایت سے ملا۔ اور رسالہ "الزبیر" مکرمی جناب مسعود حسن شہاب نے مرحمت فرمایا۔ پروفیسر محمد ایوب قادری نے بھی ازراہ کرم تراشے ارسال فرمائے تھے ---- مسعود

خلاصہ کلام

رسالے کے مصنف کے بارے میں مندرجہ بالا تفصیلی بحث سے یہ نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں:۔

☆ تقسیم ہند کی پہلی مفصل تجویز ۱۹۲۵ء میں علی گڑھ سے شائع ہوئی۔

☆ زیر بحث رسالے کے پہلے اڈیشن (۱۹۲۰ء) کے آخری صفحہ پر مصنف کا نام دیکھنے پر اکتفا کیا جائے[۷] تو اس رسالے کو محمد عبدالقدیر بلگرامی کی تصنیف کہا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اس موقف کے موئید ہیں۔[۸]

☆ رسالے کے موضوع، مصنف کے طرز استدلال، فقیہانہ مہارت اور سیاسی سوجھ بوجھ کو پیش نظر رکھا جائے تو اس رسالے کو مولانا محمد عبدالقدیر بدایونی سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔[۹]

---

[۷] محمد عبدالقدیر، مولانا: ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام، مطبوعہ بدایوں ۱۹۲۰ء ص ب، ۴۱

[۸] Ishtiaq Hussain Qureshi: The struggle! for Pakistan, karachi, ۰1974 P-116

[۹] رئیس احمد جعفری، سید: اوراق گم گشتہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء ص ۳۵۲

سید رئیس احمد جعفری،[۷۹]
خواجہ عبدالحمید کمالی[۸۰] اور
عبدالمجید محمد اقبال[۸۱]
اس موقف کے موئید ہیں۔

☆ اور جب یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ۱۹۲۰ء میں تقسیم ہند کی تجویز شامل نہ تھی۔ ۱۹۲۵ء میں علی گڑھ اڈیشن میں شامل کی گئی ہے تو اس اڈیشن کے طابع و ناشر حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی کا یہ انکشاف کہ تقسیم ہند کی تجویز قاضی عزیز الدین احمد بلگرامی نے مرتب کی۔[۸۲] قابل توجہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر صرف اس تجویز کی حد تک

پروفیسر محمد ایوب قادری،[۸۳]
ڈاکٹر معین الحق،[۸۴]
محمد ضیاء الاسلام[۸۵] اس موقف کے موئید ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بیانات کے تضادات اور مختلف دلائل و شواہد نے ایسی الجھن پیدا کر دی کہ مصنف کے بارے میں حتمی فیصلہ کرنا مشکل نظر آتا ہے۔

* بدایوں میں جس اخبار (ذوالقرنین) میں یہ رسالہ، پہلی مرتبہ ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا اس کے چیف اڈیٹر احید الدین نظامی لکھتے ہیں[۸۶]

۸۰ے اقبال ریویو (کراچی) شمارہ جنوری ر ۱۹۷۳ء ص ۸۵،۳
۸۱ے تحریری بیان مورخہ ۱۳ر جون ۱۹۷۷ء
۸۲ے مکتوب محررہ ۲۵ر ستمبر ۱۹۵۶ء از علی گڑھ
۸۳ے "الزبیر" بہاول پور، تحریک آزادی نمبر ۱۹۷۰ء
۸۴ے An open Letters to Mahatama Gandhi, Karachi, 1970, P.I
۸۵ے ایضاً ص vi
۸۶ے تحریری بیان جناب عبدالمجید محمد اقبال مورخہ ۱۳ر جون ۱۹۷۷ء

☆ ان کے صاحب زادے اور اڈیٹر اخبار "ذوالقرنین" جمال الدین مونس نظامی کچھ کہتے ہیں۔[۸۷]

☆ حاجی محمد مقتدیٰ خاں شروانی (جن کے اہتمام میں ۱۹۲۵ء میں علی گڑھ اڈیشن شائع ہوا) کچھ کہتے ہیں رسالے کے داخلی اور خارجی شواہد کچھ کہتے ہیں[۸۸]

☆ مولانا محمد عبدالقدیر بدایونی کے معاصرین رئیس احمد جعفری مرحوم، ڈاکٹر معین الحق[۸۹] پروفیسر محمد ایوب قادری[۹۰] وغیرہ کچھ کہتے ہیں۔

مگر اتنی بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ تقسیم ہند کی پہلی مفصل تجویز ۱۹۲۵ء میں پیش کی جا چکی تھی۔

اس کے پانچ سال بعد ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال نے یہ تجویز سیاسی پلیٹ فارم سے پیش کی ---- یہی وہ تاریخی حقیقت ہے جو اس مقالے میں ہم پیش کرنا چاہتے ہیں ---- اللہ تعالیٰ پاکستان کا تصور پیش کرنے والوں اور پاکستان کے لئے جان دینے والوں پر رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین!

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
پرنسپل
گورنمنٹ کالج سکرنڈ
ضلع نواب شاہ۔ سندھ
مقالہ محررہ ۲۰/مئی ۱۹۷۸ء

---

۸۷ مکتوب محررہ ۲۳/اگست ۱۹۷۷ء از بدایوں
۸۸ اوراق گم گشتہ، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء ص ۳۲۵
۸۹ An Open Letter to Mahatama Ghandhi Karachi, 1970, p.i
۹۰ ہفت روزہ "الزبیر" بہاول پور، تحریک آزادی نمبر ۱۹۷۰ء

اقتباس   حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال' سیالکوٹ

(اقبال کا تصور خودی کلی طور پر حضرت مجدد ی الف ثانی ؒ کے تصور وحدۃ الشہود پر مبنی ہے)

حضرت مجدد نے بعض مشائخ و صوفیہ کے اقوال و اعمال پر جو تنقید فرمائی ہے اس میں تین چیزیں سرِ فہرست نظر آتی ہیں :-

(۱) تصور وحدۃ الوجود

(۲) شریعت اور طریقت

(۳) رقص و موسیقی

حضرت مجدد نے اپنے ذاتی تجربات و مشاہدات کی روشنی میں نظریہ وحدۃ الوجود سے ایک قدم آگے بڑھا کر نظریہ وحدۃ الشہود پیش کیا، حضرت مجدد کے عہد میں تصور وحدۃ الوجود کی غلط تعبیر و تشریح نے فضا کو مسموم کر دیا تھا، آپ نے اس کی صحیح تاویل و تشریح فرمائی اور ایک ایسا نظریہ پیش کیا جس میں غلط تعبیر کا وہم و گمان بھی نہ رہا یعنی تصور وحدۃ الشہود۔

اس کے علاوہ آپ نے ان مشائخ کے انداز فکر کی اصلاح فرمائی جو شریعت اور طریقت کو دو علیحدہ حقیقتیں سمجھتے تھے، حضرت مجدد نے عقل و نقل سے یہ ثابت کیا کہ شریعت و طریقت ایک دوسرے کے عین ہیں، ان میں ذرہ برابر فرق نہیں، اس طرح شریعت اور طریقت کی علیحدگی جو فتنے اٹھ سکتے تھے یا اُٹھ رہے تھے حضرت مجدد نے ان کا سدِ باب فرمایا۔

تیسری بات یہ کی کہ رقص و موسیقی کو بے حقیقت ثابت کر کے ذکر و اذکار سے خارج کر دیا، بعض مشائخ نے اس کو داخل ذکر کر لیا تھا اور بعض اس کو قائمقام ذکر تصور کرتے تھے حضرت مجدد نے رقص و موسیقی کے مقابلے میں نماز کی حقیقت کو واضح کیا اور یہ بتایا کہ سکون و طمانیت کا سرچشمہ تو دل کے اندر ہے، ہم اس کو باہر تلاش کرتے ہیں اور سکونِ قلبی اور التذاذ روحانی کے لیے نماز سے بڑھ کر کوئی مشغلہ نہیں۔

اقبال کی تصانیف اور کلام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت مجدد کی ان تینوں اصلاحات سے متاثر ہوئے اور اس حد تک متاثر ہوئے کہ خود ان میں ذہنی اور فکری انقلاب آگیا جو انہوں نے محسوس بھی کیا اور بیان بھی کیا۔ ہم حقائق و شواہد کی روشنی میں فکر اقبال کے اس پہلو کا جائزہ لیتے ہیں۔

عرض کیا جا چکا ہے کہ ۱۹۰۸ء میں انگلستان سے واپسی پر اقبال نے حضرت مجدد کے مکتوبات شریف

کا مطالعہ کیا اور متاثر ہوئے اور اسی تاثر کا نتیجہ ہے کہ اقبال نے ۱۹۱۲ء میں اپنا تصورِ خودی پیش کیا، شمع و شاعر (۱۹۱۲ء) وہ پہلی نظم ہے جس میں یہ تصور ملتا ہے، اس سے پہلے وہ وجودی نظر آتے ہیں لیکن سنہ مذکور کے بعد سے شہودی معلوم ہوتے ہیں، وہ ایک نیا اندازِ فکر لے کر ابھرتے ہیں اور اس فکرِ نو کو مثنوی اسرارِ خودی (۱۹۱۵ء) میں باقاعدہ پیش کرتے ہیں؛ اس فکری انقلاب کے لیے ان کو بڑا جہاد کرنا پڑا جس کا اظہار انہوں نے ایک مکتوب میں کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

میری نسبت بھی آپ کو معلوم ہے، میرا فطری اور آبائی میلان تصوف کی طرف ہے اور یورپ کا فلسفہ پڑھنے سے یہ میلان اور بھی تیز ہو گیا تھا کیوں کہ فلسفۂ یورپ بحیثیت مجموعی وحدۃ الوجود کی طرف رُخ کرتا ہے مگر قرآن پر تدبر کرنے اور تاریخِ اسلام کا بغور مطالعہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے اپنی غلطی معلوم ہوئی اور میں نے محض قرآن کی خاطر اپنے قدیم خیال کو ترک کر دیا اور اس مقصد کے لیے مجھے اپنے فطری اور آبائی رجحانات کے ساتھ ایک خوفناک دماغی اور قلبی جہاد کرنا پڑا[1]۔

اقبال کے والد محترم اہلِ دل تھے، ابن عربی علیہ الرحمہ کی تصانیف سے خاص شغف رکھتے تھے اور وحدۃ الوجود کے مؤید تھے۔ اسی ماحول میں اقبال نے پرورش پائی، چنانچہ وہ اس ابتدائی تربیت، تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے شاہ سلیمان پھلواروی کو لکھتے ہیں:

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کوئی بدظنی نہیں بلکہ مجھے ان سے محبت ہے، میرے والد کو فتوحات اور فصوص سے کمال توغل رہا ہے اور چار برس کی عمر سے میرے کانوں میں ان کا نام اور ان کی تعلیم پڑنی شروع ہوئی، برسوں تک ان دونوں کتابوں کا درس ہمارے گھر میں رہا، گو بچپن کے دنوں میں مجھے ان مسائل کی سمجھ نہ تھی تاہم محفلِ درس میں ہر روز شریک ہوتا بعد میں جب عربی

---

[1] مکتوب محررہ ۳۰ دسمبر ۱۹۱۵ء، بنام خواجہ حسن نظامی دہلوی

نوٹ:- یہ مکتوب ہم کو ڈاکٹر شیخ محمد اکرام (چیف اڈمنسٹریٹر اوقاف) کی عنایت اور ایجوکیشن ڈائرکٹر اوقاف سید غلام شبیر بخاری کے توسط سے ستمبر ۱۹۶۴ء میں ملا۔ مسعود

سیکھی تو کچھ کچھ خود بھی پڑھنے لگا اور جوں جوں علم اور تجربہ بڑھتا گیا میرا شوق اور وارفتگی زیادہ ہوگئی۔[1]

بہر کیف حضرت مجدد کے مطالعے نے اقبال کو وحدۃ الوجود سے وحدۃ الشہود کی طرف متوجہ کیا۔ اقبال کی اس فکری تبدیلی نے ان کے انگریز اساتذہ کو حیرت میں ڈال دیا تین چار سال کے اندر اندر اتنا عظیم انقلاب آجانا یقیناً حیرت انگیز ہے، چنانچہ اسرارِ خودی کے شائع ہونے کے بعد اقبال کے استادِ فلسفہ میک ٹیگرٹ نے ان کو لکھا:۔

طالب علمی کے زمانے میں تو تم زیادہ ترہمہ اوستی معلوم ہوتے تھے
اب معلوم ہوتا ہے کہ ادھر سے ہٹ گئے ہو۔[2]

جس زمانے میں اقبال نے اسرارِ خودی لکھی ہے اس سے کچھ پہلے امرتسر سے مکتوبات امام ربانی کا شاندار اڈیشن شائع ہو رہا تھا، مکتوبات کی تینوں جلدیں ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں چھپ کر منظر عام پر آگئیں، (مکتوبات اس سے قبل بھی شائع ہوچکے تھے مگر وہ نایاب تھے، سہل الحصول نہ تھے) بہر کیف اقبال نے ان تینوں مجلدات کا عمیق مطالعہ کیا چنانچہ انہوں نے اس زمانے میں اور بعد میں بھی اپنے خطبات و مکتوبات میں مکتوبات امام ربانی کے حوالے دیے ہیں۔ ۳۰ر دسمبر ۱۹۱۵ء کو وہ ایک مکتوب میں خواجہ حسن نظامی مرحوم کو لکھتے ہیں:۔

حضرت امام ربانی نے مکتوبات میں ایک جگہ بحث کی ہے کہ 'گستن' اچھا ہے یا 'پیوستن'۔۔۔ میرے نزدیک 'گستن' عین اسلام ہے اور 'پیوستن' رہبانیت یا ایرانی تصوف ہے اور میں اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند

---

[1] بشیر احمد ڈار: انوار اقبال مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء، ص۔ ۸۰، مکتوب بنام شاہ سلیمان پھلواری محررہ ۲۴ر فروری ۱۹۱۶ء

[2] خلیفہ عبدالحکیم، فکر اقبال، مطبوعہ لاہور، ص۔ ۳۵۔۳۴

کرتا ہوں ——— آپ کو یاد ہوگا جب آپ نے مجھے "سرّ الوصال" کا خطاب دیا تھا تو میں نے آپ کو لکھا تھا کہ مجھے "سرّ الفراق" کہا جائے، اس وقت بھی میرے ذہن میں یہی امتیاز تھا جو مجدد الف ثانی نے کیا ہے، آپ کے تصوف کی اصطلاحات میں اگر میں اپنے مذہب کو بیان کروں تو یہ ہوگا کہ شانِ عبدیت انتہائی کمال روح انسانی کا ہے اس سے آگے اور کوئی مرتبہ یا مقام نہیں"[۲]

اقبال کے اس مذہب کی بنیاد حضرت مجدد کے اس کشف صحیح پر ہے،

"مقام عبدیت کہ نہایت جمیع مقامات ولایت است"

(مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مطبوعہ امرتسر، ص - ۳۹، مکتوب نمبر ۳۰)

حضرت مجدد نے خواجہ اشرف کابلی کے نام ایک مکتوب میں (جلد اوّل مکتوب نمبر ۱۱۴) گسستن اور پیوستن پر بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ مشائخ طریقت کی ایک جماعت گسستن کو پیوستن پر مقدم سمجھتی ہے، دوسری جماعت پیوستن کو گسستن پر اور تیسری جماعت خاموش ہے۔

حضرت ابوسعید خراز فرماتے ہیں کہ "جب تک تو آزاد نہ ہوگا نہیں پا سکتا" نہ معلوم ان دونوں میں کونسی بات مقدم ہے (یعنی پانا یا آزاد ہونا)۔ راقم السطور کہتا ہے کہ ایک ہی وقت میں دونوں یعنی گسستن و پیوستن - - - - - - - - - - وقوع پذیر ہو سکتے ہیں۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ گسستن کو پیوستن سے الگ کر دیا جائے

---

[۱] خدا کی شان ہے جس ایرانی تصوف پر جرمنی سے ڈاکٹریٹ کیا تھا، چند سالوں کے اندر اندر اس کے خلاف یہ بغاوت!

(حاشیہ صفحہ ہذا)۔

[۲] مکتوب مورخہ ۲۰ دسمبر ۱۹۱۵ء ——— سید عبدالرشید فاضل نے بھی اس مکتوب کا ضمناً ذکر کیا ہے۔ (سید عبدالرشید فاضل، علامہ اقبال اور تصوف، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۲ء، ص ۳۰)

یا پوستن بغیر گستن کے ظاہر ہو جائے۔ اس میں راز ہے تو فقط تقدم ذاتی اور تعین علیت میں ہے۔

شیخ الاسلام ہروی نے دوسرا مذہب اختیار کیا ہے (یعنی پیوستن کو گستن پر مقدم سمجھا ہے) لیکن جن حضرات نے گستن کو مقدم رکھا ہے وہ بھی اس سبقت سے انکار نہیں کرتے۔ پیوستن سے ان کی مراد ظہور تام ہے اور ظہورِ مطلق پر منافیٔ سبقت نہیں۔ ظہور مطلق گستن پر مقدم ہوگا اور ظہور تام مؤخر۔

اس تحقیق کے مطابق ان کا نزاع، نزاع لفظی ہوگا۔ لیکن پہلی جماعت کی نظر عالی ہے، (یعنی جو گستن کو پیوستن پر مقدم سمجھتی ہے) کہ تھوڑے کو خاطر میں نہیں لاتے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اس توجیہ سے تقدم زمانی بھی پیدا ہو گئی ہے بہر کیف منظر گستن و پیوستن ہونا چاہیے کیوں کہ مرتبہ ولایت ان مراتب سے وابستہ ہے۔ مرتبہ اولیٰ سیر الی اللہ سے وابستہ ہے اور مرتبہ ثانی سیر فی اللہ سے ـــــ ان دو سیروں کے بعد حسب مراتب و درجات سالک مرتبہ ولایت و کمال پر پہنچتا ہے۔

اقبال کے قلب و دماغ پر حضرت مجدد کی تعلیمات کا تاثر عارضی نہ تھا، پختہ تر ہو گیا تھا، جس کا کچھ اندازہ اقبال کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے:

> رہبانیت دنیا کی ہر مستعد قوم میں اس کے عملی زوال کے وقت پیدا ہوتی ہے، اس کا مٹانا ناممکن ہے کہ بعض رہبانیت پسند طبائع ہمیشہ موجود رہتی ہیں، جو کچھ ہم کر سکتے ہیں وہ صرف اس قدر ہے کہ اپنے دین کی حفاظت کریں اور اس کو رہبانیت کے زہریلے اثر سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں، ہم وحدۃ الوجودیوں کو مسلمان بنانا نہیں چاہتے بلکہ مسلمانوں کو ان کے تخیلات کے دام سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں[۵]، اگر ہم حق پر ہیں تو خدا ہماری حمایت

---

۵ اقبال وحدۃ الوجودیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں، یہاں محض طنزاً اس طرح لکھ دیا۔ تخیلات کے دام سے مراد بھی انہیں نام نہاد مشائخ کے تخیلات مراد ہیں جنہوں نے وحدۃ الوجود کی غلط ذاتی پر مسئلہ علم

کرے گا اور اگر ہم ناحق پر ہیں تو ہم فنا ہو جائیں گے [1]

جیسا کہ عرض کیا گیا حضرت مجدد نے وحدۃ الوجود سے ایک قدم آگے بڑھا کر وحدۃ الشہود کا تصور پیش کیا۔ اس تصور کے تحت ذات کی نفی نہیں کی گئی بلکہ اثبات کیا ہے اُس اثبات کی طرف اقبال نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے ؎

اک تو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں
باقی ہے نمود سیمیائی !

تصور وحدۃ الوجود میں فرد، انا، یا خودی کی نفی کی گئی ہے جیسا کہ غالب نے کہا ہے ؎

ہاں کھائیو مت فریب ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے

ظاہر ہے کہ ایسے نظریے پر اقبال اپنے تصورِ خودی کی بنیاد کیسے رکھ سکتے تھے جس میں فرد کا سرے سے وجود ہی نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت مجدد کے مجتہدانہ مکاشفات کی طرف توجہ کی اور انہیں مکاشفات کو اپنے افکار و خیالات کی اساس ٹھہرایا۔۔۔۔ ظاہراً اقبال نے قرآن و حدیث کو اپنی فکری اساس قرار دیا ہے لیکن قرآن تو انہوں نے بہت پہلے پڑھ لیا تھا، ہمارا خیال ہے کہ ملامت لائم سے بچنے کے لیے انہوں نے ایسا کیا، ماحول پر وجودی فلسفہ غالب تھا اور اس فلسفے کے خلاف کچھ کہنے کے لیے مستحکم اساس کی ضرورت تھی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مکتوبات امام ربانی کے مطالعہ نے قرآن و حدیث کے متعلق ایک نیا انداز فکر عطا کیا ہو کیوں کہ حضرت مجدد کے مکشوفات و تجربات (بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ) قرآن و حدیث کے مطابق ہیں اس طرح اقبال کا کہنا صحیح بھی ہو سکتا ہے۔ قرآن و حدیث کا تاثر بلا واسطہ نہ سہی بالواسطہ ہوا۔ اگر اقبال کھل کر

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۶۲۵) تعبیر و تشریح کر کے مسلمانوں کو گمراہ کیا۔ مسعود

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] عبدالواحد معینی: مقالات اقبال، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء، ص ۱۷۰-۸ بحوالہ "سر اسرار خودی" ۱۹۱۶ء

حضرت مجدد کے افکار و خیالات کی تائید کرتے تو عین ممکن تھا کہ دوسرے سلاسل کے لوگ متہم و معاذ قائم کر لیتے، اس احتیاط پر بھی خواجہ حسن نظامی نے معاف نہ کیا۔ اس کے علاوہ اقبال خود نادری تھے اس لیے بھی وہ حضرت مجدد کے بارے میں محتاط رہے، پھر طبعاً وہ آزاد رہنا چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے مے مجددی اپنے پیمانے سے پلائی۔

بعض دوسرے فضلاء اور محققین نے بھی حضرت مجدد سے اقبال کے استفادے اور تاثر کا ذکر کیا ہے شلاً استاذِ محترم ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں[1] صاحب، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم[2] مرحوم، ڈاکٹر برہان احمد[3] فاروقی، ڈاکٹر ابوسعید[4] نورالدین وغیرہ مگر ان حضرات نے تفصیل کے بجائے اجمال کو پیشِ نظر رکھا ہے۔

حضرت مجدد نے مشائخ طریقت کو نظریاتی طور پر تین طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) طائفہ اولی قائل اند باینکہ عالم بایجاد حق سبحانہٗ در خارج موجود است۔

(۲) طائفہ دیگر عالم را ظلِ حق سبحانہٗ می دانند۔

(۳) طائفہ ثالث قائل اند بوحدت وجود یعنی در خارج یک موجود است و بس[5]

یعنی طائفہ اولیٰ عبدیت کا قائل ہے، طائفہ ثانی ظلیت کا اور طائفہ ثالث وجودیت کا

اقبال نے ان تینوں طبقات یا نظریات کو 'شاہد' سے تعبیر کیا ہے، وہ شاہد جو وجود و علام کی شہادت دیتا ہے، حضرت مجدد نے جس ترتیب سے ان طبقات کا ذکر کیا ہے، اقبال نے ان کو مقلوب کر دیا ہے، ان تینوں نظریات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اقبال کے یہ اشعار ملاحظہ کریں:

---

[1] ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں: ادبی جائزے، مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۹ء، ص ۔ ۱۰۵

[2] خلیفہ عبدالحکیم، فکرِ اقبال، مطبوعہ لاہور، ص ۳۴۴

[3] ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا نظریۂ توحید، مطبوعہ لاہور، ص ۴۴ و ۴۵

[4] ڈاکٹر ابوسعید نورالدین: "وحدۃ الوجود اور فلسفۂ خودی" اقبال ریویو، کراچی، جولائی ۱۹۶۲ء ص ۔ ۱۱۵

[5] مکتوبات امام ربانی، جلد اول مطبوعہ امرتسر ۱۹۱۱ء / ۱۳۳۰ھ مکتوب نمبر ۱۶۰، ص ۲۰۶، ۲۰۷

حضرت مجدد کے افکار کیسے صاف صاف جھلک رہے ہیں :۔

زندہ یا مردہ یا جاں بلب — از سہ شاہد کن شہادت را طلب[1]

شاہد اوّل شعور خویشتن :: — خویش را دیدن بنور دیگرے

شاہد ثانی شعورے دیگرے — خویش را دیدن بنور دیگرے

شاہد ثالث شعور ذاتِ حق — خویش را دیدن بنورِ ذاتِ حق

حضرت مجدد اسی شاہد ثالث یا طائفۂ ثالث کے متعلق فرماتے ہیں :۔

ایں طائفہ علیا را از مقام عبدیت کہ نہایت جمیع مقامات ولایت ست بہرۂ تمام است[2]

یہ وہی مقام ہے جس کو اقبال اپنا مذہب قرار دیتے ہیں اور انتہائی کمال انسانی کہتے ہیں[3] اور اسی مقام کی تشریح وتفسیر اسی شعر میں پیش کرتے ہیں :۔

بر مقام خود رسیدن زندگی ست
ذات را بے پردہ دیدن زندگی ست[4]

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس "دیدن" کی تشریح کر دی جائے ۔ حضرت مجدد نے تصور وحدۃ الوجود اور تصور وحدۃ الشہود میں 'دیدن' اور 'دانستن' میں فرق و امتیاز قائم کیا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں :۔

توحید شہودی ایک دیکھنا ہے یعنی سالک کا شہود سوائے ایک کے کوئی اور نہ ہو، اور توحید وجودی ایک موجود جاننا ہے اور اس کے غیر کو معدوم سمجھنا[5]

---

[1] اقبال : جاوید نامہ ، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۷ء ، ص ۔ ۱۳

[2] مکتوبات امام ربانی ، جلد اوّل ، مکتوب نمبر ۱۶ ، ص ۔ ۳۹

[3] مکتوب محررہ ۳۰ ر دسمبر ۱۹۱۵ء بنام خواجہ حسن نظامی دہلوی

[4] اقبال : جاوید نامہ ، ص ۔ ۱۳

[5] مکتوبات امام ربانی ، جلد اوّل ، ص ۔ ۸۳ و ۸۴

اقبال نے حضرت مجدد کے اسی فرق و امتیاز کو مد نظر رکھا ہے، جسکو حضرت مجدد نے گستن و پیوستن، اور اقبال نے سر الوصال اور سر الفراق سے بھی تعبیر کیا ہے ــــــ الغرض اقبال حضرت مجدد کے تصور عبدیت یا تصور وحدۃ الشہود سے بے حد متاثر معلوم ہوتے ہیں ان کا نظریہ خودی حضرت مجدد کے تصور عبدیت ہی کی دوسری شکل ہے۔ دونوں تصورات میں نام کے علاوہ کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

اقبال نے اسی تصور کو پیش نظر رکھتے ہوئے جرمن فلاسفر نطشے [۱] (م ۱۳۱۸ھ / سن ۱۹۰۰ء) پر سخت تنقید کی ہے اور اس کی فکری ناکامی اور نامرادی کا کس حسرت سے ذکر کیا ہے:۔

خواست تا از آب و گل آید بروں ۔۔۔ خوشۂ کز کشت دل آید بروں
آں چہ او جوید مقام کبریاست ۔۔۔ ایں مقام از عقل و حکمت ماوراست
زندگی شرح اشارات خودی ست ۔۔۔ لا و الا از مقامات خودی ست
او به 'لا' درماند و تا 'الا' نرفت ۔۔۔ از 'مقام عبده' بیگانہ رفت
چشم او جز رویت آدم نہ خواست ۔۔۔ نعرۂ بے باکانہ زد آدم کجاست؟
کاش بودے در زمان احمدے ۔۔۔ تا رسیدے بر سرور سرمدے [۲]

یہاں احمد سے مراد احمد سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ ہیں، اقبال کی نظر میں آپ اس مقام رفیع پر فائز ہیں جہاں مفکرین مغرب کو بھی سبق سکھا سکتے ہیں اسی لیے اقبال کہتا ہے کہ اے کاش نطشے حضرت مجدد کے عہد مبارک میں ہوتا تو وہ اس کو بتاتے کہ زندگی کیا ہے اور سرور سرمدی کیا ہے؟ لیکن افسوس وہ آپ کے عہد مبارک میں نہ ہوا اور بہک گیا

ــــــہ

او بہ 'لا' درماند و تا 'الا' نرفت
از 'مقام عبدہٗ' بیگانہ رفت

---

[۱] ــــــہ

[۲] اقبال: جاوید نامہ، ص، ۱۰۷، ۱۰۸

حضرت مجدد 'لا' و 'الا' کے فرق کو قائلین عبدیت کے تحت اس طرح بیان فرمایا ہے :۔

ممکن را از واجب جدا ساختند و ہمہ را تحت کلمہ 'لا' درآوردہ نفی نمودند و ممکن را با واجب ہیچ مناسبتے ندیدند و ہیچ نسبت را باو اثبات نکردند و خود را غیر از عبد ـــــ نہ شناختند و او را عز شانہ خالق و مولائے خود دانستند [۱]

اقبال کے مندرجہ بالا اشعار حضرت مجدد کے اسی اجمال کی تفصیل ہیں۔

۱۹۳۲ء میں اقبال نے بزم ارسطو (Aristatolian society) کی دعوت پر انگلستان میں ایک خطبہ دیا تھا۔ جس کا عنوان تھا:۔

"Is Religion Possible" [۲]

اس خطبے میں اقبال نے حضرت مجدد کے افکار و خیالات کو اہل یورپ سے روشناس کرایا، اور حضرت مجدد کی تعلیمات کی روشنی میں مفکرین مغرب کے فکری تسامحات کی نشاندہی فرمائی۔ چنانچہ اسی خطبے میں اقبال نے نطشے کے افکار و خیالات پر تبصرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ گو اس کی لگن سچی تھی لیکن اس کو (حضرت مجدد جیسا) مرد کامل نہ ملا جو اس کے سامنے حقائق کو بے نقاب کرتا، اس محرومی کی وجہ سے وہ نامراد و ناکام ہو گیا۔

یوں ایک بڑا ذہین و فطین انسان ضائع ہو گیا اور زندگی کی وہ جھلک بھی لاحاصل ثابت ہوئی جس کے لیے وہ صرف اپنی اندرونی قوتوں کا مرہون منت تھا محض اس لیے کہ اسے کوئی مرشد کامل نہ ملا جو اس کی رہنمائی کرتا [۳]

---

[۱]ـہ مکتوبات امام ربانی، جلد اول، ص ۳۹

[۲]ـہ یہ خطبہ اقبال کے مجموعہ خطبات کا ساتواں خطبہ ہے، یہ مجموعہ مندرجہ ذیل عنوان سے شائع ہو چکا ہے:۔

Reconstruction Of Religious Thought In Islam.

یہ 'تشکیل جدید الہیات' کے نام سے اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ (مسعود)

[۳]ـہ اقبال، تشکیل جدید الہیات، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ء، ص ۳۰۲

اسی لیے تو کہا ہے ؎

کاش بودے در زمانِ احمدے

تا رسیدے بر سرور سرمدے

اس زورِ کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کے مکتوبات نے اقبال کو کیسی بصیرت عطا کی تھی، وہ کس یقین کے ساتھ مغربی فلاسفہ پر تنقید کر رہے ہیں، گویا کہ مفکرینِ مغرب ان کے سامنے طفلِ مکتب ہیں ۔۔۔ اِں اقبال کو یقین کی اس منزل پر کس نے پہنچایا؟ جو دوسرے مفکرین کے لیے حضرت مجدد کو ایک مرشد کامل قرار دیتا ہے تو کیا اس نے خود حضرت مجدد سے کچھ نہ سیکھا ہو گا، یقیناً پہلے اس نے خود سیکھا اور پھر دوسروں کو سکھایا، پہلے اس نے خود فکری بیعت کی پھر دوسروں کو اس طرف متوجہ کیا۔

اقبال نے نہ صرف نٹشے پر تنقید کی ہے بلکہ سوئٹزر لینڈ کے فلسفی سی جی یونگ[۱] پر کیسی سخت تنقید کرتے ہیں، وہ یہاں تک کہہ گزرے ہیں کہ "وہ کچھ نہیں سمجھا" ۔۔۔ یونگ پر تنقید کے بعد اقبال حضرت مجدد کے افکار و خیالات پیش کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کر دیتے ہیں کہ جدید نفسیات میں ترقی کے باوجود اب تک وہ زبان وجود میں نہیں آئی جس میں حضرت مجدد کی باتیں بتائی جائیں چنانچہ وہ عجز و درماندگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

جہاں تک شیخ موصوف کی عبارت کا تعلق ہے مجھے ڈر ہے کہ میں نفسیات حاضرہ کی زبان میں اس کے حقیقی معنی شاید ہی بیان کر سکوں کیوں کہ اس قسم کی زبان موجود ہی نہیں[۲]

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

میرا مقصد چونکہ سر دست اتنا ہے کہ آپ کی توجہ مذہبی واردات کے اس تنوع اور گوناگونی کی طرف منعطف کراؤں جن سے ایک سالک راہ کو گزرنا

---

[۱] Carl Gustav Yung (d. 1961 A.D.)

[۲] اقبال، تشکیل جدید الٰہیات، ص ۲۹۸ و ۲۹۹

پڑتا ہے اور جن کی چھان بین اسی لیے ضروری ہے، لہذا آپ مجھے ان غیر مانوس مصطلحات کے لیے معذور سمجھیں جن کا تعلق ایک دوسری سرزمین اور ایک ایسی نفسیات مذہب سے ہے جس نے تہذیب و تمدن کی ایک سر تا سر مختلف فضائیں پرورش پائی تھی اور جو وضع ہوئیں تو اس کے زیرِ اثر لیکن جن میں پیچ بیچ معانی کی ایک دنیا پوشیدہ ہے [۱]

اقبال نے اسی خطبے میں حضرت مجدد کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا ہے اور سلوک و عرفان کا "مجتہد اعظم" قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

انہوں نے اپنے زمانے کے تصوف کا تجزیہ جس بے باکی اور تنقید و تحقیق سے کیا اس سے سلوک و عرفان کا ایک طریقہ وضع ہوا، ان سے پہلے جتنے بھی سلسلہ ہائے تصوف رائج ہوئے وہ یا تو وسط ایشیا یا سرزمین عرب سے آئے تھے مگر یہ صرف انہیں کا طریق ہے جس نے ہندوستان کی حدود سے نکل کر باہر کا رخ کیا اور جواب بھی پنجاب، افغانستان اور ایشیائی روس میں ایک بہت بڑی زندہ قوت کی شکل میں موجود ہے [۲]

اقبال حضرت مجدد اور یونگ کے افکار و خیالات کا تقابلی جائزہ لینے کے بعد بڑے یقین و وثوق کے ساتھ فرماتے ہیں:۔

شیخ موصوف نے ان ارشادات [۳] میں جو امتیازات قائم کیے ہیں ان کی نفسیاتی اساس کچھ بھی ہو اس سے اتنا ضرور پتا چلتا ہے کہ اسلامی تصوف

---

[۱] اقبال: تشکیل جدید الہیات، ص۔ ۲۹۸ و ۲۹۹

[۲] ایضاً، ص۔ ۲۹۸

[۳] یہاں اقبال کا اشارہ مکتوبات امام ربانی جلد اول کے مکتوب نمبر ۲۵۲ کی طرف ہے جو شیخ ادریس سامانی کے نام لکھا گیا ہے اور جس میں حضرت مجدد نے ان مقامات قلب کا ذکر فرمایا ہے، روح، سر، خفی، اخفیٰ،

کی نگاہ میں (Great Reformer) کے اس "مصلح عظیم" (
میں ہمارے اندرونی واردات اور مشاہدات کی دنیا کس قدر وسیع ہے، ان کا
ارشاد ہے کہ ان بے مثال واردات و مشاہدات سے پہلے، جو وجود حقیقی کا
مظہر ہیں، عالم امر یعنی اس دنیا سے گزرنا ضروری ہے جسے ہم 'رہنمائی
کی دنیا' کہتے ہیں ——— ہم نے اسی لیے تو کہا تھا کہ نفسیات حاضرہ کا قدم
ابھی مذہبی زندگی کے قشر تک نہیں پہنچا۔[1]

یونگ کے افکار و خیالات پر تنقید کے بعد اقبال آئین اشٹائن[2] کے نظریات پیش کرتے
ہیں اور ان کی معقولیت کو سراہتے ہوئے حضرت مجدد کے افکار کی روشنی میں اس طرح تبصرہ
فرماتے ہیں:۔

> ہم نے جس ہندی بزرگ کے ارشادات کا حوالہ دیا ہے ان کی تحریک اصلاح میں
> یہی نکتہ مضمر تھا اور اس کے وجوہ بھی ظاہر ہیں، خودی کا نصب العین یہ نہیں کہ
> کچھ دیکھے بلکہ یہ کچھ بن جائے پھر درحقیقت اس کے بن سکنے ہی کی کوشش ہے
> جس میں بالآخر اسے موقع ملتا ہے کہ اپنی معروضیت کا زیادہ گہرا ادراک پیدا کرتے
> ہوئے زیادہ عمیق اور مستحکم بنا پر 'انا الموجود' کہہ سکے یعنی وہ اپنی رجود کنہ
> اور اساس کو پالے ——— خودی کا منتہائے جستجو یہ نہیں کہ اپنی انفرادیت
> کی حدود توڑ ڈالے، اس کا منتہا ہے اس انفرادیت کو زیادہ صحت کے ساتھ
> سمجھ لینا۔[3]

یہاں اقبال واضح طور پر حضرت مجدد کے نظریات کی ترجمانی کر رہے ہیں، حضرت مجدد کا
یہی فکری کارنامہ ہے کہ انہوں نے "انفرادیت" کو زیادہ صحت کے ساتھ سمجھایا۔ اور انفرادیت

---

[1] اقبال: تشکیل جدید الہیات، ص ۳۰۰

[2] Albert Einstein (1979-1955)

[3] اقبال: تشکیل جدید الٰہیات، ص۔

کی نفی کے بجائے اس کا اثبات فرمایا ——— تقریباً ہر شاعر و مفکر نظریۂ وحدۃ الوجود کا مبلغ و معلن نظر آتا ہے لیکن اقبال ایک ایسا شاعر و مفکر ہے جس نے اپنے اشعار و افکار میں وحدۃ الشہود کی ترجمانی کی ہے۔ اگر ان کو دورِ جدید کا ترجمان مجدد' کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

ابتدا میں عرض کیا گیا تھا کہ حضرت مجدد نے تین قابلِ قدر اصلاحات کیں یعنی نظریہ وحدۃ الشہود پیش کیا، شریعت و طریقت میں مطابقت پیدا کی اور رقص و موسیقی کی تردید کی ——— اقبال ان تینوں اصلاحات سے متاثر ہوئے۔ وحدۃ الشہود کے متعلق اوپر بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔ اب شریعت و طریقت اور رقص و موسیقی کے متعلق مختصراً عرض کرنا ہے شریعت و طریقت کے باہمی ربط کے متعلق حضرت مجدد فرماتے ہیں:

شریعت و طریقت ایک دوسرے کے عین ہیں، حقیقت میں ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہیں ——— اگر دونوں میں بال برابر بھی فرق ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ "حقیقت الحقائق" تک ابھی رسائی نہیں ہوئی۔[1]

اقبال نے شریعت و طریقت کی اس عینیت کا اس طرح ذکر کیا ہے:۔

بہر حال حدود خودی کے تعین کا نام شریعت ہے اور شریعت اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت ہے۔[2]

اقبال نے اپنی مثنوی میں شریعت و طریقت کے اس فرق کو بیان کیا ہے، چناں چہ شریعت کی تعریف کرتے ہوئے ایک جگہ کہتے ہیں ؎

شرع بر خیزد ز اعماقِ حیات
روشن از نورش ظلامِ کائنات[3]

اور طریقت کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

---

[1] مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر ۸۴، ص ۸۰۔

[2] شیخ عطاء اللہ: اقبال نامہ، جلد اول، مکتوب نمبر ۱۰۲ محررہ ۱۳ دسمبر ۱۹۳۶ء، ص ۲۰۲ و ۲۰۴

[3] اقبال: مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق، مطبوعہ لاہور ۱۹۳۶ء، ص ۳۸۔

پس طریقت چیست اے والا صفات
شرع را دیدن باعماقِ حیات [1]

'اعماقِ حیات' سے شریعت کا پھوٹ پڑنا اور 'اعماقِ حیات' میں شرع کا مشاہدہ کرنا وہی باتیں ہیں جو شرح و بسط کے ساتھ حضرت مجدد نے فرمائی ہیں، بس ذرا ہیر پھیر سے اقبال نے پیش کر دیا ہے۔

اقبال گو ابتدا میں رقص و موسیقی سے محظوظ ہوتے ہیں لیکن بعد میں جب ان کی آنکھیں کھلیں (غالباً مکتوبات امام ربانی کے مطالعے کے بعد) تو انہوں نے اس پر سخت تنقید کی اور اس کو حکمت شرعیہ کے منافی قرار دیا اور پھر بڑی دل لگتی توجیہ فرمائی، وہ لکھتے ہیں:۔

اسلامی تصوف نے اس خیال سے کہ ہمارے مشاہدات میں جذبات کی آزمائش نہ ہونے پائے موسیقی تک کو عبادت میں جگہ نہیں دی۔ یعنی اس نے صلوٰۃ باجماعت پر زور دیا [2]

یہاں اقبال نے موسیقی کے عدم جواز میں تین باتوں کا ذکر کیا ہے:۔

(۱) اسلامی تصوف نے موسیقی کو جزوِ عبادت قرار نہیں دیا۔
(۲) اسلامی تصوف جذبات کی آمیزش سے بالاتر عبادت کا خواہاں ہے۔
(۳) اسلامی تصوف نے نماز باجماعت پر زور دیا ہے۔

حضرت مجدد نے بھی مکتوبات شریف میں ان تینوں امور کا ذکر کیا ہے:۔

(۱) غنا کی حرمت میں بکثرت آیات و احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ان کا احاطہ کرنا بھی مشکل ہے [3]
(۲) نسبت جس قدر جہالت اور حیرت میں ترقی کرے اور جسد سے دور تر ہو اسی

---

[1] مثنوی، پس چہ باید کرد اے اقوام شرق، مطبوعہ لاہور ۱۹۳۶ء، ص ۔ ۴۰
[2] اقبال، تشکیل جدید الٰہیات، ص
[3] مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۲۶۶

قدر اصیل ہے اور مقصد حاصل ہونے کے نزدیک تر ہے [1]

(۳) نماز کی حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر بحضرت مشائخ سماع ونغمہ اور وجد وتواجد میں تسکین اضطراب کو تلاش کرتے ہیں ——— لیکن اگر نماز کے کمالات کی حقیقت سے ذرہ برابر بھی واقف ہوتے تو ہرگز ہرگز نہ سماع ونغمہ سنتے اور نہ وجد و تواجد کرتے [2]

کہا جاتا ہے کہ اقبال جلال الدین رومی سے متاثر تھے لیکن کم از کم جن نکات کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے ان میں رومی کے تاثر کا پتہ نہیں چلتا، بلاشبہ یہ تبدیلی اور انقلاب حضرت مجدد کے اثرات کا نتیجہ ہے۔ ضرورت ہے کہ مکتوبات امام ربانی کی روشنی میں افکار اقبال کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے اور اس گمشدہ سرچشمے کا کھوج لگا کر حقائق وانکشاف کیے جائیں، اسی موضوع پر ڈاکٹریٹ کے لیے مقالہ لکھا جا سکتا ہے کاش کوئی بلند ہمت اس طرف توجہ کرے۔

اقبال نے جس انداز سے مغربی دنیا میں حضرت مجدد کا تعارف کرایا ہے اور جس طرح آپ کے افکار وخیالات کی تشریح وتعبیر کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی آپ الف ثانی کے مجدد ہیں، چار سو سال گزر جانے کے بعد نفسیات جدید اس بلندی تک نہ پہنچی جہاں چار سو سال قبل حضرت مجدد پہنچ چکے تھے۔ ہاں اس مقام پر پہنچنے کے لیے جدید فلسفہ ونفسیات کو ابھی بہت کچھ کرنا ہے کیونکہ بقول اقبال ابھی تو وہ افکار مجدد کی گرد تک بھی نہ پہنچ سکی۔ ؏

کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیان کے لیے

---

[1] مکتوبات امام ربانی: جلد اول، ص۔

[2] ایضاً، ص۔

باسمہ تعالیٰ

مولانا احمد رضا خاں بریلوی

احمد رضا خان بریلوی بر صغیر کے ممتاز عالم اور دانشور تھے، وہ نسباً افغانی، موطناً بریلوی، مسلکاً سنی حنفی اور مشرباً قادری تھے۔ ان کے والد محمد نقی علی خان (م ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) متبحر عالم تھے (جواہر البیان فی اسرار الارکان، ص ۲۰۷)۔ احمد رضا خان بریلوی ۱۰ شوال المکرم ۱۲۷۲ مطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء کو بریلی (یو۔پی، بھارت) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے تحصیل علوم کی تفصیلات اپنی عربی سند الاجازۃ الرضویہ لمجل مکۃ البھیہ (مشمولہ رسائل رضویہ، ج ۲، ص ۳۰۱۔ ۳۱۵) کی ایک سند میں دی ہیں۔ یہ سند علمائے حرمین کے نام جاری کی گئی تھی۔ اس سند کے مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ احمد رضا خان بریلوی نے ۲۱ علوم نقلیہ و عقلیہ اپنے والد محمد نقی علی خان سے حاصل کئے اور ۳۴ علوم و فنون اپنی خداداد صلاحیت اور اللہ تعالی کے فضل و کرم سے حاصل کئے لیکن جدید تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مزید ۱۵ علوم و فنون میں بھی مہارت رکھتے تھے (قرآن، سائنس اور امام احمد رضا، ص ۱۴۔ ۱۵) اس طرح ان علوم و فنون کی تعداد ۷۰ تک پہنچ جاتی ہے۔

احمد رضا خاں بریلوی نے بقول خود نصف شعبان المعظم ۱۲۸۶/ ۱۸۶۹ء بعمر ۱۳ سال دس ماہ پانچ دن علوم متداولہ سے فراغت پائی اور اسی روز آپ پر نماز فرض ہوئی (الملفوظ، ج ۱، ص ۱۳۔ ۱۴) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے انھوں نے حیرت انگیز طور پر صرف ۳۰ دن میں قرآن حکیم حفظ کیا (حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج ۱، ص ۳۶)۔

احمد رضا خاں بریلوی ۱۲۹۴ھ ر ۱۸۷۷ء میں اپنے والد محمد نقی علی خاں کے ہمراہ مرشد طریقت شاہ آل رسول مارھروی (م۔ ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ ان کو سلسلہ قادریہ کے علاوہ اور بہت سے سلسلوں میں بھی اجازت تھی جس کا ذکر انھوں نے الاجازۃ الرضویہ میں تفصیلاً کیا ہے۔ عبدالمجتبیٰ رضوی نے تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ دھلی (۱۹۸۹ء) لکھا ہے جس میں احمد رضا خاں بریلوی کے سلسلے کے مشائخ کا ذکر کیا گیا ہے۔

احمد رضا خاں بریلوی ۱۲۹۵ھ ر ۱۸۷۸ء میں اپنے والدین کے ہمراہ زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ کے لئے حاضر ہوئے۔ اس مبارک سفر میں انھوں نے علمائے حرمین سے تفسیر و حدیث

اور فقہ میں اجازتیں حاصل کریں (تذکرہ علمائے ھند، ص ١٠٠-١٠١، رسائل رضویہ، ج ٢، ص ٣٦٧) اسی سفر میں انھوں نے امام شافعیہ حسین بن صالح جمل اللیل کی فرمائش پر ان کی تصنیف الجوھرۃ المضیہ کی شرح النیرۃ الوضیہ ٧ ذوالحجہ ١٢٩٥ھ / ١٨٧٨ء کو مکمل کر کے پیش کی ----- احمد رضا خان بریلوی دوسری بار ١٣٢٣ھ / ١٩٠٥ء میں زیارت حرمین طیبین اور حج بیت اللہ شریف کے لئے حاضر ہوئے- یہ ان کی زندگی کا تاریخی سفر تھا- اس سفر میں انھوں نے علمائے حرمین کے استفتاء کے جواب میں مسئلہ علم غیب پر الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ اور کرنسی نوٹ کے مسئلے پر کفل الفقہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم تحریر فرمائے- ان فتوؤں نے جو در حقیقت تحقیقی مقالات ہیں علمائے حرمین کو بہت متاثر کیا بلکہ اوّل الذکر مقالہ والی حجاز کے دربار میں ساڑھے تین سو ٣٥٠ علماء کی موجودگی میں مفتی صالح بن کمال نے پڑھ کر سنایا (رسائل رضویہ، ج ٢، ص ٣٦٣) جس سے علماء کے ایک وسیع حلقے میں آپ کا تعارف ہو گیا اور بہت سے علماء نے آپ سے اجازتیں حاصل کیں جن کی تفصیلات آپ کے مجموعہ سندات الاجازۃ المتینہ لعلماء بکۃ والمدینہ (مشمولہ رسائل رضویہ، ج ٢) میں موجود ہیں-

احمد رضا خان بریلوی قرآن، تفسیر، حدیث اور فقہ میں خاص تبحر رکھتے تھے ان کا ترجمہ قرآن کنزالایمان فی ترجمہ القرآن (١٣٣٠ھ / ١٩١١ء) اپنی نوعیت کا واحد ترجمہ ہے- لندن یونیورسٹی کے ڈاکٹر حنیف اختر فاطمی (لندن) اور پروفیسر شاہ فرید الحق (کراچی) نے اس کے انگریزی میں ترجمے کئے ہیں جو مانچسٹر اور کراچی سے شائع ہو گئے ہیں، پروفیسر مجید اللہ قادری 'کنزالایمان کے دیگر تراجم سے تقابلی جائزے پر کراچی یونیورسٹی (پاکستان) سے ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں- کنزالایمان پر گزشتہ بیس برسوں میں متعدد وقیع مقالات لکھے گئے ہیں---- علم تفسیر میں احمد رضا خان بریلوی کے تبحر کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے سورۃ الضحیٰ پر چھ گھنٹے مسلسل تقریر فرمائی اور اس سورت کی چند آیات کی تفسیر میں ٨٠ جز تحریر فرمائے (حیات اعلیٰ حضرت، ج ١، ص ٩٧)، انھوں نے بہت سی تفاسیر پر حواشی تحریر فرمائے ہیں (ماہنامہ قاری (دھلی) امام احمد رضا نمبر، ص ٣٠٦) علم حدیث میں احمد رضا خان بریلوی کے بہت سے رسائل ہیں- ایک رسالہ الروض البھیج فی آداب التخریج کے بارے میں ان کے ایک ھمعصر تذکرہ نگار رحمان علی نے لکھا ہے، "اگر اس سے قبل اس فن میں کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تو مصنف کو اس فن کا موجد کہہ سکتے ہیں" (تذکرۂ علمائے ہند، ص ١٠٠) علمائے عرب و عجم فن حدیث میں احمد رضا خاں بریلوی کی مہارت اور تبحر کے معترف ہیں (تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں، لاہور؛ امام احمد رضا اور عالم اسلام، کراچی

١- یہ مقالہ بعنوان "کنزالایمان اور معروف تراجم قرآن" ١٩٩٣ء میں کراچی یونیورسٹی میں منظور ہوا اور ١٩٩٩ء میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا نے کراچی سے شائع کیا- یہ ٧٣٨ صفحات پر مشتمل ہے- انجم

۱۴۰۳/ ۱۹۸۳)...... فن حدیث میں احمد رضا خان بریلوی کے بہت سے حواشی ورسائل ہیں (المجمل المعدد لتالیفات المجدد، پٹنہ: المیزان (بمبئی) امام احمد رضا نمبر، مارچ ۱۹۷۶ء) بقول حکیم عبدالحئی لکھنوی علم فقہ میں احمد رضا خان بریلوی اپنی نظیر نہ رکھتے تھے (نزھۃ الخواطر، ج ۸، ص ۴۱) علم فقہ میں یوں تو احمد رضا کے بکثرت رسائل ہیں لیکن ان کے مجموعۂ فتاویٰ، العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ کو سب پر فوقیت حاصل ہے- یہ فتاویٰ رضویہ کے نام سے معروف ہے اور اس کی ۱۲ جلدیں ہیں- احمد رضا خان بریلوی کے دارالافتاء میں کار افتاء بہت پھیلا ہوا تھا بر اعظم ایشیاء، افریقہ، یورپ، امریکہ وغیرہ سے ایک وقت میں پانچ پانچ سو استفتاء جمع ہو جایا کرتے تھے (فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص ۱۴۹)- پروفیسر مجید اللہ قادری نے اپنے تحقیقی مقالے العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ کا موضوعاتی جائزہ (کراچی ۱۴۰۹ھ / ۱۹۸۹ء) میں فتاویٰ رضویہ کا تفصیلی تعارف کرایا ہے---ڈاکٹر حسن رضا خان نے پٹنہ یونیورسٹی سے احمد رضا خان بریلوی کی فقاہت پر ڈاکٹریٹ کیا ہے (فقیہ اسلام، پٹنہ)---اسی طرح بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان سے بھی ایک فاضل نے تحقیقی مقالہ قلم بند کیا ہے- لیڈن یونیورسٹی، ہالینڈ کے شعبۂ علوم اسلامیہ کے سینئر پروفیسر ڈاکٹر جے-ایم-ایس بلیان فتاویٰ رضویہ پر کام کررہے ہیں- فتاویٰ رضویہ کی اہمیت کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب بعض عربی فتوے حافظ الکتب الحرم سید اسمٰعیل بن خلیل نے ملاحظہ کئے تو فرمایا:-

والله اقوال انهٗ لوراها ابوحنيفة النعمان الأقرت عينهٗ ويجعل مؤلفها من جملة الاصحاب (مکتوب محررہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء)

احمد رضا خان بریلوی حکمائے اسلام کے عظیم سلسلے کی ایک اہم کڑی تھے- انھوں نے علوم عقلیہ میں قابل ذکر علمی آثار چھوڑے ہیں- بقول خود انھوں نے نہ صرف علوم حاصل کئے بلکہ ان میں تصانیف لکھیں، صدہا قواعد و ضوابط ایجاد کئے خصوصاً حساب، جبر و مقابلہ، لوگارثم، علم مربعات، علم مثلث کروی، علم ھیأۃ قدیمہ و ھیأۃ جدیدہ، زیجات، ارثماطیقی وغیرہ (الکلمۃ الملہمہ، ص ۶) انھوں نے مشرقی اور مغربی فلاسفر اور سائنس دانوں پر فاضلانہ تنقیدات اور علمی گرفتیں کیں، امریکی ھیأۃ داں پروفیسر البرٹ ایف- پورٹا کی پیش گوئی کے رد میں ایک تحقیقی مقالہ معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین (۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء) قلم بند کیا جو اس لئے تاریخی حیثیت رکھتا ہے کہ احمد رضا نے جو کچھ لکھا صحیح ثابت ہوا اور امریکی ھیأۃ داں نے جو کچھ کہا غلط ثابت ہوا- جدید مغرب پر مشرق کی یہ پہلی فتح تھی---احمد رضا خان بریلوی نے آئزک نیوٹن اور البرٹ آئین اسٹائن کے افکار و نظریات کے خلاف آئین اسٹائن کی زندگی میں تحقیقی مقالہ فوز مبین در رد حرکت زمین (۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء) قلم بند کیا جو

حال ہی میں ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے بریلی سے شائع کردیا ہے پروفیسر ابرار حسین (اسلام آباد) اس مقالے کا انگریزی ترجمہ اور حواشی لکھ رہے ہیں- فلسفہ قدیم و جدیدہ کے رد میں احمد رضا خاں بریلوی نے ایک اور تحقیقی مقالہ لکھا جس کا عنوان الکلمۃ الملہمہ فی الحکمۃ المحکمہ لوہاء فلسفۃ المشئمہ (۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء) ہے، یہ مقالہ میرٹھ (بھارت) سے شائع ہو گیا ہے- ھندوستان کے مشہور محقق شبیر احمد غوری نے اس مقالے کو عہد حاضر کا تہافتہ الفلاسفہ" قرار دیا ہے (اشرفیہ، مبارکپور)---- علوم نقلیہ و عقلیہ میں احمد رضا خاں بریلوی کے ایک سو سے زیادہ مخطوطات کے عکس ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا (کراچی) اور راقم کے کتب خانے میں موجود ہیں-

احمد رضا بریلوی نے تصنیف و تالیف کے علاوہ تدریس کے میدان میں بھی اہم خدمات انجام دیں- انھوں نے ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء میں منظر اسلام کے نام سے ایک دارالعلوم قائم کیا جس میں کچھ عرصے خود بھی درس دیا- آپ کے تلامذہ میں محمد ظفر الدین بہاری (م-۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء) امجد علی اعظمی (م-۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء)، مفتی محمد برہان الحق جبل پوری (م-۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء) جیسے متبحر علماء اور صاحب تصنیف بزرگ تھے- دارالعلوم منظر اسلام ابھی تک قائم ہے، اس وقت مختلف ممالک اور علاقوں کے تقریباً ۵۰۰ طلبہ زیر تعلیم ہیں (ماہنامہ قاری (دھلی) اپریل ۱۹۸۹ء)

احمد رضا خاں بریلوی اپنی قلمی، تبلیغی اور تدریسی کاوشوں کے ذریعہ مسلک جمہور کی اشاعت فرمائی جس کو عرف عام میں مسلک اہل سنت و جماعت کہا جاتا ہے---- وہ سلف صالحین کے پیرو تھے، وہ نہ کسی فرقے کے بانی تھے- نہ انھوں نے نئے افکار و نظریات پیش کئے، انھوں نے جو کچھ لکھا دلائل و براہین کے ساتھ لکھا (ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ رضویہ ۱۲ مجلدات)---- مستمرین کے اثرات کے تحت ذہنوں میں جو تبدیلیاں آرہی تھیں، احمد رضا نے اس کی سختی کے ساتھ مزاحمت کی، انھوں نے ملت اسلامیہ کو اسی راہ پر گامزن رکھنے کی کوشش کی جس پر دور آزادی میں مسلمانوں کی اکثریت گامزن تھی---- ان کے دور میں کئی تحریکیں چلیں مگر وہ کسی تحریک سے متاثر نہ ہوئے- اللہ تعالیٰ نے ان کو حیرت انگیز استقامت عطا فرمائی تھی---- احمد رضا خاں بریلوی زندگی کے ہر شعبے میں اتباع سنت پر زور دیتے تھے اور ایسی تمام بدعات کے خلاف تھے جو سنت کو مٹا رہی تھیں وہ بد عتی کی صحبت کو کافر کی صحبت سے زیادہ مہلک تصور کرتے تھے (مکتوبات امام احمد رضا، ص ۹۱) اور جو بد عتی ضروریات دین کا منکر ہو اس کو کافر جانتے تھے (اعلام الاعلام، ص ۱۵) مگر وہ اُن ہی امور کو بدعت قرار دیتے جو شریعت کی نگاہ میں بدعت ہوں، وہ بدعت کا حکم لگانے اور تکفیر مسلم میں بہت ہی محتاط تھے---- وہ شریعت و طریقت کو ایک دوسرے کا عین سمجھتے تھے اور شریعت کے علاوہ سب راہوں کو

مردود قرار دیتے تھے (مقال العرفاء، ص ۷) انھوں نے بدعات کی اصلاح کے لئے کئی رسالے لکھے مثلاً سجدۂ تعظیمی کے خلاف الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیہ (۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۸ء) تحریر فرمایا--- غیر محارم کے سامنے عورتوں کے بے پردہ ہونے کے خلاف مروج النجا لخروج النساء (۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء) تحریر فرمایا- آلات موسیقی کے ساتھ سماع کو حرام قرار دیا (مسائل سماع ص ۲۴)--- میت کے گھر آنے والوں کے لئے میت کے اہل خانہ کی طرف سے دعوت کے اہتمام کے خلاف جلی الصوت لنھی الدعوت امام الموت (۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۲ء) تحریر فرمایا---زیارت قبور کے لئے عورتوں کے جانے کی ممانعت فرماتے ہوئے جمل النور فی نھی النساء عن زیارت القبور (۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء) تحریر فرمایا---الغرض احمد رضا خاں بریلوی نے تبلیغ دین متین اور تجدید و اصلاح کا اہم فریضہ انجام دیا، غالباً اس لئے ان کے معاصرین علمائے عرب و عجم نے ان کو چودھویں صدی کا مجدد تسلیم کیا چنانچہ سب سے پہلے علماء اہل سنت کے اجلاس پٹنہ (۱۶، ۱۷، ۱۸ رجب ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء) کے موقع پر جس میں ۵۰۰ مشاہیر اہل سنت موجود تھے، عبدالمقتدر بدایونی (م-۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۵ء) نے احمد رضا خاں بریلوی کو "مجدد مائتہ حاضرہ" کے لقب سے یاد کیا (تذکرہ علمائے اہل سنت، ص ۱۵۵) اس وقت احمد رضا کی عمر تقریباً ۴۴ سال ہوگی اور وہ ۱۴ برس سے کم عمر میں فارغ ہوکر تصنیف و تالیف اور فتویٰ نویسی میں مصروف ہوچکے تھے---- ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء میں حافظ الکتب الحرم سید اسمٰعیل بن خلیل (مکہ معظمہ) نے احمد رضا کی مجددیت کی توثیق فرماتے ہوئے لکھا--- لو قیل فی حقہ انہ مجدد لھذا القرن لکان حقاً و صدقاً (حسام الحرمین، ص ۵۱) پھر ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء میں شیخ موسیٰ علی شامی ازہری احمدی درویری نے "المجدد لھذ الامہ" (الدولۃ المکیہ، ص!) کے لقب سے یاد کیا- سنہ مذکور ہی شیخ ہدایت اللہ بن محمود بن محمد سعید السدی البحری المدنی نے ۱۴ ربیع الاوّل (۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱) کو "مجدد المائتہ الحاضرہ" تحریر فرمایا اور مزید فرمایا "فکان بکل فضل جائز الیق اولیٰ و اخریٰ" (امام احمد رضا اور عالم اسلام، ص ۱۲۰-۱۲۱) اور سید حسین بن سید عبدالقادر طرابلسی نے ان القاب سے یاد فرمایا:

حامی الملۃ الطاھرۃ و مجدد مائۃ الحاضرہ (الدولۃ المکیہ، ص ۸۲)

حیرت ہوتی ہے کہ ایسے متبحر عالم اور مصلح کے لئے احسان الٰہی ظہیر نے عالم اسلام میں یہ غلط فہمی پھیلائی کہ احمد رضا خاں بریلوی نئے فرقے کے بانی، قادیانیوں کے دمساز، شیعوں کے خیر خواہ اور انگریزوں کے ہمدرد تھے (البریلویہ، لاہور)----احمد رضا خاں بریلوی مسلک جمہور پر سختی سے قائم تھے، انھوں نے قادیانیوں اور شیعوں کے خلاف بہت سے رسائل لکھے مثلاً شیعوں کے خلاف یہ

رسائل :-

۱-ردالرفضہ (۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء)- ۲-اعالی الافادہ فی تعزیۃ الھند و بیان الشھادہ (۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء)- ۳-البشری العاجلہ فی تحف آجلہ (۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء) ۴-الرائحۃ العنبر یہ عن الجمرۃ الحیدر یہ (۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء)وغیرہ وغیرہ----

اور قادیانیوں کے خلاف یہ رسائل لکھے :-

۱-المبین ختم النبیین (۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) ۲-السوء والعقاب علی المسیح الکذاب (۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء) ۳-قہر الدیان علی مرتد بقادیان (۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء)- ۴-الصارم الربانی علی اسراف القادیانی-(۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء)وغیرہ وغیرہ----احمد رضاخان بریلوی انگریزی زبان، انگریزی لباس اور انگریزی تہذیب و تمدن کے خلاف تھے کیونکہ کسی بھی قوم کی زبان، لباس اور تہذیب و تمدن، قومی تشخص پر اثرانداز ہوتے ہیں----انگریزی لٹریچر بالعموم عقائد اور خیالات میں فساد پیدا کرتا ہے اس لئے وہ ایسے لٹریچر کے خلاف تھے جو عقائد میں فساد پیدا کرے (فتاویٰ رضویہ ج ۶، ص ۲۴)،وہ علوم عقلیہ میں مہارت رکھتے ہوئے انگریزی سے واقف نہ تھے اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے تھے (مسفر المطالع للتقویم والطالع، قلمی، ص ۱) وہ انصاف طلبی کے لئے انگریزی عدالت میں جانے کو باعث عار سمجھتے تھے (اکرام امام احمد رضا، ص ۱۳۰) اور اس نماز کو واجب الاعادہ سمجھتے تھے جو انگریزی لباس پہن کر پڑھی گئی ہو (فتاویٰ رضویہ، ج ۳، ص ۴۴۲)---- مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں احمد رضا خاں بریلوی پر احسان الٰہی ظہیر کے الزامات بے بنیاد معلوم ہوتے ہیں- محمد عبدالحکیم شرف قادری نے اپنی مصنفات اندھیرے سے اجالے تک (مطبوعہ لاہور ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء) اور شیشے کے گھر (مطبوعہ لاہور ۱۴۰۶ / ۱۹۸۶ء) میں احسان الٰہی ظہیر کی غلط بیانیوں کا علمی اور تحقیقی جائزہ لیا ہے-

جیسا کہ عرض کیا گیا احمد رضا خاں بریلوی سلف صالحین کے پیرو تھے، انھوں نے اپنے دینی عقائد وافکار اپنی تصانیف میں تحقیق و تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں مثلاً ان کے یہ رسائل----

۱-السعی الشکور فی ابداء الحق المھجور (۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء)- ۲- مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین (۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۹ء) ۳-اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفیٰ والآل والاصحاب (۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء)- ۴- سبل الیقین بان نبینا سید المرسلین (۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۷ء)- ۵-حیات الموات فی بیان سماع الاموات (۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۷ء)- ۶-المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد (۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء)- ۷-سبحٰن السبوح (۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) ۸- مبین الھدیٰ فی نفی امکان المصطفیٰ (۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء)- ۹- تمہید ایمان

بآیات القرآن (۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) ۱۰- مقال العرفاء باعزاز شرع و علماء (۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء) وغیرہ وغیرہ ---- احمد رضا خاں بریلوی اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی اہمیت دیتے تھے، وہ یہ چاہتے تھے کہ قرآن حکیم (سورہ توبہ، آیت نمبر ۲۴) اور احادیث شریفہ (مسلم شریف، ص ۱۴۰-۱۴۲) میں اللہ و رسول سے جس والہانہ اور سر فروشانہ محبت و عشق کا مطالبہ کیا گیا ہے مسلمانوں کے دلوں میں اس عشق و محبت کا چراغ روشن کیا جائے اور ان کے اقوال و اعمال میں اس کی جھلک نظر آئے - انھوں نے اپنی تصانیف اپنے مواعظ اور اپنی شاعری سے اس خوابیدہ محبت کو جگایا ہے (حدائق بخشش، ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء) وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو ملت اسلامیہ کے ہر درد کا مداوا سمجھتے تھے اس لئے گستاخان رسول کی سختی کے ساتھ مزاحمت فرماتے تھے-

احمد رضا خان بریلوی اتحاد عالم اسلام کے داعی تھے، ان کی دعوت اور پیغام کو ابھی تک سمجھا نہیں گیا- اگر ان کے شرعی فیصلوں، سائنسی، سیاسی، معاشی، اقتصادی، تعلیمی نظریات سے استفادہ کیا جائے تو عالم اسلام میں انقلاب آسکتا ہے ---- احمد رضا یہ چاہتے تھے کہ سائنس دانوں کو قرآنی حقائق سے باخبر کیا جائے، آنکھیں بند کر کے ان کے افکار و نظریات کو قبول نہ کیا جائے بلکہ قرآن کی روشنی میں تولا اور پرکھا جائے (نزول آیات فرقان، ص ۲۴) سیاسیات میں وہ اسلام اور اسلامی تشخص کی حفاظت کو سب باتوں پر مقدم سمجھتے تھے، غیر مسلموں سے دوستی کو حرام جانتے تھے اور ان سے سیاسی معاملات میں بہت ہی محتاط رہنے کی تلقین کرتے تھے (المحجۃ المؤتمنہ، حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی، ص ۱۸۹-۱۹۲) معاشیات میں وہ آمد و خرچ میں توازن، خرید و فروخت میں احتیاط، ملکی ذرائع سے پیداوار میں اضافے، اسراف سے بچنے اور دانائی و دور اندیشی سے خرچ کرنے کی تلقین کرتے تھے، قرض کے خلاف تھے اور ہنگامی حالات میں ہندوؤں سے لین دین ترک کرنے کی تلقین کرتے تھے (تدبیر فلاح و نجات و اصلاح، کلکتہ) وہ تعلیم کو قرآن و سنت کے تابع دیکھنا چاہتے تھے، وہ بے لگام اور بے مقصد تعلیم کے خلاف تھے، وہ تربیت، دینی حمیت، دینی و دنیوی افادیت کو تعلیم کے اہم مقاصد میں سمجھتے تھے (امام احمد رضا کا نظریہ تعلیم، لاہور) ---- احمد رضا خان بریلوی کے زمانے میں مسلمانوں کی دینی اور معاشی اصلاح کے لئے بریلی میں دو تنظیمیں بھی قائم ہوئیں انجمن رضائے مصطفیٰ اور انصار الاسلام ---- احمد رضا کے وصال کے چار سال بعد ان کے خلیفہ محمد نعیم الدین مراد آبادی (م- ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء) نے الجمعیۃ العالیۃ المرکزیہ (آل انڈیا سنی کانفرنس) کے نام سے مراد آباد میں ایک مذہبی و سیاسی تنظیم بنائی جس کی شاخیں ہندوستان بھر میں قائم ہوئیں- اس تنظیم نے تحریک پاکستان میں اہم کردار ادا کیا (السواد الاعظم، مراد آباد ۱۳۴۵ھ، ص ۵؛ خطبۂ صدارت جمہوریت اسلامیہ، مراد آباد ۱۹۴۶ء، ص ۲۹) اس تنظیم کی جگہ پاکستان میں جمعیۃ

کراچی سے شائع ہو گئی ہے ---- سید مامون البری عربی تصانیف کے مطالعہ کا اشتیاق ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ---- ونرجوا ایضاً من حضرتکم ان ترسلوا الینا بعضاً من تالیفکم العربیہ (مکتوب محررہ محرم الحرام ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء از مدینہ منورہ) علمائے حرمین نے احمد رضا خان بریلوی کی جس انداز سے تعظیم و تکریم کی اس کے عینی شاہد محمد کریم اللہ مہاجر مدنی اپنے مشاہدات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ---- واری العلماء الکبار العظما الیک مھر عین وبالا جلال مسرعین ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء (رسائل رضویہ، ج ۲، ۲۵۴) ---- نصف صدی گزر جانے کے باوجود علمائے حرمین کے دلوں میں احمد رضا کی یاد محفوظ ہے، سید محمد علوی مکی نے احمد رضا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ---- (نحن نعرفہ بتصنیفاتہ وتالیفاتہ حبہ علامۃ السنہ وبغضہ علامہ البدعۃ (معمولات الابرار بمعانی الآثار، ص ۲۹۸)

مختلف علوم نقلیہ وعقلیہ میں احمد رضا خان بریلوی کی عربی تصانیف میں سے چند یہ ہیں۔

۱-انباء الحی ان کتابہ المصون لتبیان لکل شئی (۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء)- ۲-الزلال الانقی فی بحر سبقۃ الاتقی (۱۳۰۰ھ / ۱۹۸۲ء)- ۳-جالب الجنان فی رسم احرف من القران (۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء)- ۴-حاشیہ تہذیب التہذیب- ۵-حاشیہ کشف الاحوال فی نقد الرجال- ۶-حاشیہ مجمع البجار- ۷-امال الابرار والآم الاشرار (۱۲۱۸ھ / ۱۹۰۰ء) ۸-المقالۃ المسفرہ عن احکام البدعۃ المکفرہ (۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء) ۹-حاشیہ فواتح الرحموت- ۱۰-حاشیہ مسلم الثبوت- ۱۱-اجلی الاعلام بان الفتوی علی قول الامام (۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء) ۱۲-شرح ہدایۃ النحو (۱۲۸۲ھ / ۱۸۵۶ء)- ۱۳-حاشیہ میر زاہد- ۱۴-حاشیہ اصول طبعی- ۱۵-ازھار الانوار من صبا صلوٰۃ الاسرار (۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۷ء) ۱۶-اطائب لاکسیر فی علم التکسیر- ۱۷-الجداول الرضویہ للسائل الجریہ- ۱۸-حاشیہ برجندی- ۱۹-حاشیہ القواعد الجلیلہ- ۲۰-الموھبات فی المربعات- ۲۱-حاشیہ زیج ایلخانی- ۲۲-الاشکال الاقلیدس لنکس اشکال الاقلیدس (۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۸ء)- ۲۳-کلام الفہیم فی سلاسل الجمع والتقسیم (۱۲۱۹ھ / ۱۰۹۱ء)- ۲۴-اطائب الصیب علی ارض الطیب (۱۳۳۲ھ / ۱۹۲۳ء) وغیرہ وغیرہ-

اس وقت احمد رضا خاں بریلوی کے حالات و افکار اور علمی آثار پر مندرجہ ذیل یونیورسٹیوں میں کام ہو رہا ہے اور کچھ یونیورسٹیوں میں کام ہو چکا ہے- راقم نے اپنے تحقیقی مقالے "احمد رضا اور عالمی جامعات" (زیر طبع) میں احمد رضا پر ہونے والے تحقیقی کام کا ایک تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے ان یونیورسٹیوں میں کام ہو چکا ہے، برکلے یونیورسٹی، امریکہ، ڈربن یونیورسٹی، افریقہ، جامعۃ الملک السعود، ریاض (سعودی عرب) پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ (بھارت)، پنجاب یونیورسٹی، لاہور (پاکستان)،

ا- یہ مقالہ بعنوان "امام احمد رضا اور عالمی جامعات" ۱۹۸۲ء میں مجلہ معارف رضا میں کراچی سے شائع ہوا پھر کتابی صورت میں ۱۹۹۰ء میں رضا انٹرنیشنل اکیڈمی، صادق آباد نے شائع کیا اس کے بعد ۱۹۹۸ء میں ادارہ مسعودیہ، کراچی نے مزید اضافوں کے ساتھ شائع کیا- اس میں تقریباً ۳۲ جامعات میں امام احمد رضا پر تحقیق کا جائزہ لیا گیا ہے- انجم

بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان (پاکستان)، سندھ یونیورسٹی، جام شورو (پاکستان) جامعہ ملیہ یونیورسٹی، نئی دھلی ،لندن یونیورسٹی (یو۔کے) اور مندرجہ ذیل یونیورسٹیوں میں کام ہو رہا ہے---- کراچی یونیورسٹی، کراچی (پاکستان)، سندھ یونیورسٹی، جام شورو (پاکستان)، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (بھارت)، عثمانیہ یونیورسی، حیدر آباد دکن (بھارت)، کلکتہ یونیورسٹی، کلکتہ (بھارت)، المجمع الاسلامی مبارک پور (بھارت)، کولمبیا یونیورسٹی، (امریکہ)، برمنگھم یونیورسٹی (یو۔کے)، لیڈن یونیورسٹی، (ہالینڈ) وغیرہ وغیرہ----پاک وہند اور بیرونی ممالک میں بعض ادارے بھی احمد رضا خاں بریلوی پر کام کررہے ہیں مثلاً یہ ادارے- ۱- ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی- ۲- رضا اکیڈمی، کراچی- ۳- رضا اکیڈمی، لاہور- ۴- رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ۵- رضا اکیڈمی، ڈربن- ۶- سنی رضوی سوسائٹی، ماریشس- ۷- رضا اکیڈمی، مانچسٹر- ۸- مرکزی مجلس امام اعظم، لاہور- ۹- مرکزی مجلس رضا، لاہور- ۱۰۔ ادارۂ معارف نعمانیہ، لاہور۔

مآخذ :-

۱- محمد نقی علی خاں، جواھر البیان فی اسرار الارکان (۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء) مطبوعہ سیتاپور ۲- احمد رضا خاں : الاجازۃ الرضویہ لمجمل مکۃ البھیہ، مطبوعہ لاہور ۳- محمد عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری- رسائل رضویہ، جلد دوم، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء ۴- پروفیسر مجید اللہ قادری، قرآن، سائنس اور امام احمد رضا، مطبوعہ کراچی ۱۴۱۰ھ / ۱۹۸۹ء ۵- محمد مصطفٰی رضا خاں : الملفوظ، حصہ اول، مطبوعہ کراچی ۶- محمد ظفر الدین بہاری : حیات اعلیٰ حضرت (۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء) جلد اول، مطبوعہ کراچی- ۷- عبدالمجتبیٰ رضوی تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ مطبوعہ دھلی ۱۴۱۰ھ / ۱۹۸۹ء ۸- رحمان علی : تذکرۂ علمائے ھند (ترجمہ اردو) مطبوعہ کراچی ۱۳۶۱ھ / ۱۹۸۱ء ۹- احمد رضا خاں : الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ (۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء) مطبوعہ کراچی ۱۰- وہی مصنف : کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن (۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء) مطبوعہ کراچی ۱۱- حکیم عبدالحئ لکھنوی : نزھۃ الخواطر و بھجۃ السامع والنواظر، جلد ہشتم، مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۲۔ احمد رضا خاں بریلوی کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراہم (۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء)، مطبوعہ لاہور ۱۳- وہی مصنف : العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ، جلد چہارم مطبوعہ لائل پور ۱۴- پروفیسر مجید اللہ قادری : العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ کا موضوعاتی جائزہ، مطبوعہ کراچی ۱۴۰۹ھ / ۱۹۸۸ ۱۵- احمد رضا خاں بریلوی : الکلمۃ الملہمہ فی الحکمۃ المحکمہ لوہا الفلسفۃ المشمہ (۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء) مطبوعہ دھلی ۱۶- وہی مصنف : معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین (۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء)، مطبوعہ لاہور ۱۷- وہی مصنف : فوز مبین در رد حرکت زمین

(۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) مطبوعہ ۱۸- شبیر احمد غوری : عہد حاضر کا تہافۃ الفلاسفہ، اشرفیہ، مبارک پور- ۱۹- محمود احمد قادری : مکتوبات امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۶ء ۲۰- احمد رضا خاں بریلوی : اعلام الاعلام بان ھندوستان دارالاسلام (۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء)، مطبوعہ بریلی ۲۱- وہی مصنف : مقال العرفا باعزاز شرع و علماء (۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء) مطبوعہ کراچی ۲۲- وہی مصنف : الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیہ، مطبوعہ بریلی ۲۳- وہی مصنف : مروّج النجا لخروج النساء، مطبوعہ بریلی- ۲۴- وہی مصنف : مسائل سماع (مرتبہ مولوی عرفان علی)، مطبوعہ لاہور ۲۵- وہی مصنف : جلی الصوت لنھی الدعوت امام الموت، مطبوعہ بریلی ۲۶- وہی مصنف : جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور، مطبوعہ بریلی ۲۷- محمود احمد قادری : تذکرہ علمائے اہل سنت، مطبوعہ کانپور ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء ۲۸- احمد رضا خاں بریلوی : حسام الحرمین (۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) مطبوعہ لاہور ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء ۲۹- محمد مسعود احمد : امام احمد رضا اور عالم اسلام، مطبوعہ کراچی ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء ۳۰- احسان الٰہی ظہیر : البریلویہ، مطبوعہ لاہور ۳۱- احمد رضا خان : فتاویٰ رضویہ جلد ششم، مطبوعہ ٹانڈہ ۱۳۶۱ھ/۱۹۸۱ء ۳۲- وہی مصنف : مسفر المطالع للتقویم والطالع، قلمی، ص ۱ (مخزونہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی) ۳۳- محمد برہان الحق جبل پوری : اکرام امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء ۳۴- احمد رضا خان : فتاویٰ رضویہ، جلد سوم، مطبوعہ لائل پور ۳۵- احمد رضا خان : حدائق بخشش، مطبوعہ کراچی ۳۶- وہی مصنف : نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان، مطبوعہ لکھنؤ ۳۷- وہی مصنف : الحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ (۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء)، مطبوعہ لاہور ۳۸- وہی مصنف : تدبیر فلاح و نجات و اصلاح، مطبوعہ کلکتہ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۹ء ۳۹- محمد مسعود احمد : حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء ۴۰- محمد جلال الدین قادری : امام احمد رضا کا نظریۂ تعلیم، مطبوعہ لاہور ۴۱- ماہنامہ السواد الاعظم، مراد آباد، ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء ۴۲- خطبہ صدارت جمہوریت اسلامیہ، مطبوعہ مراد آباد ۴۳- احمد رضا خاں : المعتمد المستند، مطبوعہ استانبول ۴۴- ڈاکٹر حسن رضا خان : فقیہ اسلام، مطبوعہ دھلی ۴۵- عبدالمصطفی اعظمی : معمولات الابرار بمعانی الآثار، مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۶۴ء/۱۳۸۴ھ ۴۶- محمد مسعود احمد : امام احمد رضا اور عالمی جامعات، (زیر طبع) ۴۷- محمد عبدالحکیم شرف قادری : اندھیرے سے اجالے تک، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء ۴۸- وہی مصنف : شیشے کے گھر، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء-

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

مقالہ برائے انسائیکلوپیڈیا آف الاسلام 'عمان' اردن۔

حیات
مولانا احمد رضا خاں بریلوی

۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء تا ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
ایم۔اے، پی ایچ ڈی

اسلامی کتب خانہ، اقبال روڈ، سیالکوٹ
پاکستان

۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء

اِکرامِ امام احمد رضا

تصنیف
مفتی محمد برہان الحق جبلپوری

ترتیب و تحشیہ
پروفیسر محمد مسعود احمد

مرکزی مجلسِ رضا لاہور

دائرۂ معارفِ امام احمد رضا

(حیاتِ امام احمد رضا کا پندرہ جلدوں پر مشتمل ایک جامع منصوبہ)

خاکہ

(برائے عالمی جامعات و ادارہ ہائے تحقیقاتِ اسلامی)

ترتیب

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

سعی و اہتمام

سید ریاست علی قادری بریلوی

ناشر

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا ۔ کراچی (پاکستان)

۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۲ء

گویا دبستاں کھل گیا

مُرتّبہ

پروفیسر ڈاکٹر محمّد مسعود احمد مُجدّدی مظہری

شرف اشاعت

مرکزی مجلس امام اعظم رجسٹرڈ لاھور ۵۴۷۵۰ پاکستان

محدّث بریلوی

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
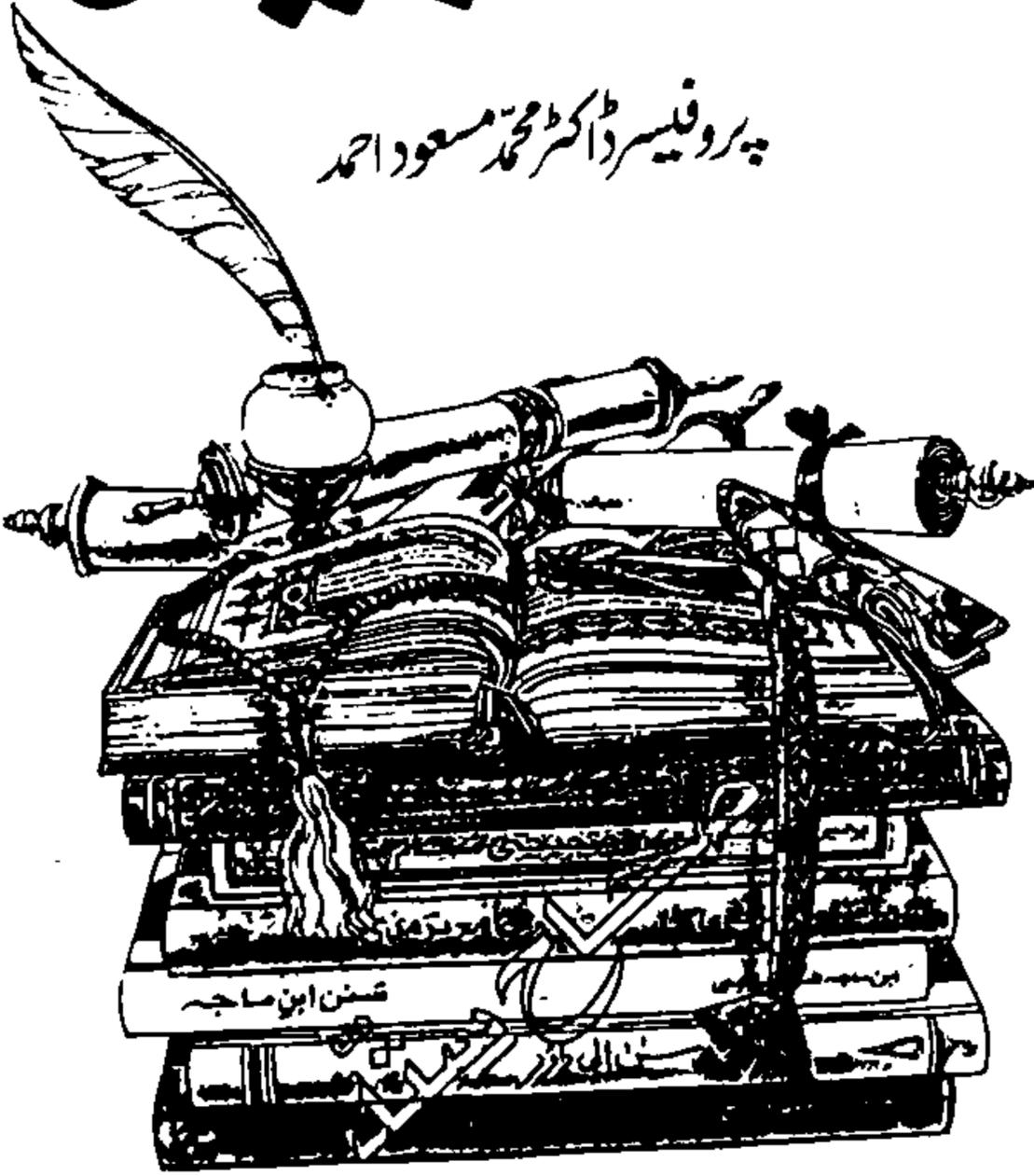
ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، پاکستان

(اسلامی جمہوریہ پاکستان)

امام احمد رضا

اور

علومِ جدیدہ و قدیمہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری مجددی

ایم اے گولڈ میڈلسٹ۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ

ناشر

مرکزی مجلس امامِ اعظم رجسٹرڈ

مدینہ جنرل سٹور۔ پیر کالونی۔ مین روڈ والٹن لاہور ۵۴۷۵۰

مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے سیاسی نظریات پر ایک ناقدانہ نظر

مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ
مولانا پیر محمود احمد قادری

معہ

تنقیدات و تعاقبات

مرتبہ
گرامی قدر جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب
ایم اے۔ پی ایچ ڈی

مکتبہ نبویہ ○ گنج بخش روڈ لاہور

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا

بیشک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے عنقریب ان کے لیے رحمٰن محبت پیدا کریگا (مریم: ۹۶)

امام احمد رضا اور عالم اسلام

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم۔ اے؛ پی۔ ایچ۔ ڈی

ادارۂ مسعودیہ کراچی

بتعاون ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

اسلامی جمہوریۂ پاکستان

۱۴۲۰ھ / ۲۰۰۰ء

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد
سے شائع ہونے والا تحقیقی مقالہ

عبقری الشّرق

مولانا احمد رضا خاں بریلوی

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ادارۂ مسعودیہ، ۲/۶، ۵۔ای، ناظم آباد کراچی

اسلامی جمہوریۂ پاکستان

۱۴۱۷ھ / ۱۹۹۷ء

انتخاب

حدائقِ بخشش

حضرت رضا بریلوی

ترتیب و تزئین

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
ایم۔ اے ؛ پی۔ ایچ۔ ڈی

*

سرہند پبلی کیشنز
کراچی (سندھ)
اسلامی جمہوریۂ پاکستان

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

چشم و چراغِ خاندانِ برکات

(اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ناشر

برکاتی فاؤنڈیشن ، کراچی

خلفائے اعلیٰ حضرت

مصنّف

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم۔اے، گولڈ میڈلسٹ پی۔ایچ۔ڈی،

مرتب

محمد عبدالستار طاہر

ناشر

رضا اکیڈمی لاہور

آئینہ رضویات

حصّہ دوم

مصنّف

پروفیسر ڈاکٹر محمّد مسعود احمد

مرتّبہ

محمّد عبدالستّار طاہر

☆☆☆☆

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا (رجسٹرڈ) کراچی

آئینہ رضویات

حصّہ سوم

مصنّف

پروفیسر ڈاکٹر محمّد مسعود احمدؒ

مرتّبہ

محمّد عبدالستّار طاہر

☆☆☆☆☆

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا (رجسٹرڈ) کراچی

حضرت مسعودِ ملّت

اور

رِضویات

○

مُرتّبہ

محمّد عبد السّتّار طاہر

ناشر

رِضا اکیڈمی (رجسٹرڈ) لاہور

کوڈ نمبر 54900

بسمِ اللّٰہ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

وَلِلّٰہِ العِزَّۃُ وَلِرَسُولِہٖ وَلِلمُؤمِنِینَ وَلٰکِنَّ المُنٰفِقِینَ لَا یَعلَمُونَ O (منٰفقون: ۸)
(اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے لئے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں)

امام احمد رضا اور مسعود ملت

پروفیسر نبیلہ اسحاق چودھری
شعبۂ اردو زبان و ادب ازہر یونیورسٹی، قاہرہ

مرتبہ
جاوید اقبال مظہری
بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی

مظہری پبلی کیشنز، ۸/۲۶۰۶ - بی آئی بی کالونی کراچی
(اسلامیہ جمہوریہ پاکستان) ۱۴۲۰ھ / ۲۰۰۰

فاضل بریلوی

علمائے حجاز کی نظر میں

پروفیسر محمد مسعود احمد
ایم۔اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی،

ناشر:
ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ اردو بازار لاہور

ولمن صبر وغفر إن ذلك لمن عزم الأمور

Marfat.com

باب هفتم

محاکمہ

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنید و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب

کتبہ خورشید عالم گوہر قلم لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محاکمہ

کسی شاعر یا ادیب کے فن پر اس کے خاندان گردوپیش کے ماحول نیز اس کے معلم، فضل اور اخلاق و کردار کا اثر پڑنا لازمی ہے۔

ڈاکٹر مسعود احمد دہلی کے مشہور مذہبی اور علمی خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں۔اس کے علاوہ ان کا ننھیال بھی ایک پاکیزہ علمی و ادبی گھرانہ ہے۔اور سسرال بھی۔ڈاکٹر صاحب کے والد ماجد مفتی محمد مظہر اللہ صاحب دہلی کے مفتی اعظم تھے۔کئی پشت سے علم و فضل ان کے خاندان کی میراث بن کر چلی آرہی تھی جو آج تک برقرار ہے۔غرض یہ کہ دینی اور دنیاوی اعتبار سے معزز خاندان تھا۔شاہی مسجد فتح پوری کی امامت و خطابت اس خاندان میں مغلیہ دور سے اب تک چلی آرہی ہے۔ ننھیالی خاندان بھی دینی و دنیاوی اعتبار سے معزز ہے۔علم و حکمت اس گھرانے کی بھی میراث ہے۔

آپ کی سسرال دہلی کے مشہور سادات خانوادے کی ہے غرض یہ کہ ابتداء سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے تک آپ کی زندگی دینی و پاکیزہ ماحول اور علم و ادب کی فضاء میں گزری۔ڈاکٹر صاحب نے دینی و دنیاوی دونوں تعلیم حاصل کی اور ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی، کرنے کے بعد مختلف کالجوں میں استاد اور پرنسپل رہے نیز محکمۂ تعلیم سندھ کے اڈیشنل سکریٹری رہنے کے باوجود وہ دنیاوی آلودگی سے مبرا دینی و اخلاقی روایات اور علم و فضل و ادب سے آراستہ و پیراستہ رہے۔ ویسے آپ کے نام کے آگے لفظ ''ڈاکٹر'' اور ''پرنسپل'' دیکھ کر عام لوگوں کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ آپ خالص دیندار اور مذہبی شخصیت کے آئینہ دار ہیں جیسا کہ آپ کی ملاقات سے پہلے مولانا عبدالستار طاہر صاحب کا نظریہ تھا۔وہ اپنی کتاب ''تخصصات'' میں رقم طراز ہیں۔''ان کے نام کے ساتھ ''پرنسپل'' پڑھا تو خیال آیا کہ کوئی سوٹڈ بوٹڈ ٹائی بردار شخص ہوگا۔''لیکن ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے بعد وہ اپنا تاثر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں،''زیارت پر ''پرنسپل'' کا پہلا تصور تو محو ہو گیا البتہ نقش ثانی ان کی تحریروں کا بھرپور عکاس تھا۔سفید شلوار کرتا زیب تن کئے، سیاہ شیروانی، سر پر سیاہ جناح کیپ، چشمہ لگائے، باریش بڑی پروقار شخصیت۔حقیقت یہ ہے کہ کاش

کے ماحول میں ایک طویل عرصہ گزارنے کے باوجود آپ پر مغربی تہذیب کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوا بلکہ آپ نے مغرب زدہ انسانوں کو مذہبی رنگ میں رنگ دیا[۱]"

تقسیم ہند کے بعد ابھر کر سامنے آنے والے نثر نگاروں میں بیشتر حضرات ناول، افسانہ، تنقید، تاریخ، سوانح، سیرت، صحافت وغیرہ اصناف سے وابستہ نظر آتے ہیں۔ جیسے مجنوں گورکھپوری۔ کرشن چندر، سعادت حسین، آل احمد سرور، اپندر ناتھ اشک، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، مسعود حسن رضوی، ادیب وقار عظیم، احتشام حسین، قرۃ العین حیدر مراد، عابد حسین، رشید احمد صدیقی، مسعود حسین خان، مشفق خواجہ، گوپی چند نارنگ اردو کے مستند نثر نگار ہیں، ان کی انشاء پردازی اور قلم کاری کے جوہر صرف مخصوص صنف میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ چند ہی صاحبان قلم ایسے ملیں گے جنہیں کثیر الجہات ادباء و مصنّفین کی صف میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ ایسے کمیاب لیکن کامیاب ادباء و انشاء پرداز میں ایک نام ڈاکٹر مسعود احمد کا بھی ہے جو تقریباً چھیالیس ۴۶ سال سے اردو ادب کو نئی نئی جہتوں اور سمتوں سے آشنا کراتے ہوئے اپنے قلم کا جوہر دکھانے میں مصروف ہیں۔

ڈاکٹر محمد مسعود احمد ایک صاحبِ اسلوب نثر نگار ہیں

اسلوب سے مراد کسی اہلِ قلم کا وہ مخصوص و منفرد طرز تحریر ہے جس کے بناء پر وہ دوسرے قلم کاروں سے متمیز ہو جاتا ہے۔ ہر فنکار اپنی بات اپنے اپنے ڈھنگ سے کہنا چاہتا ہے جس طرح دنیا میں دو آدمی یکساں شکل و شمائل کے مالک نہیں ہوتے اس طرح اسلوب بھی ہر اہلِ قلم کا منفرد اور جداگانہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص میں انفرادیت ہوتی ہے اور یہ انفرادیت اس کی ذہنی تخلیقات میں بھی اپنے طور پر نمایاں ہوتی رہتی ہے۔ یہ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ایک ہی نقطہ نظر کے حامل اشخاص اپنے اپنے مافی الضمیر کا اظہار اپنے اپنے انداز سے کرتے ہیں یہ تسلیم کہ ادب میں بعض قدریں مشترک ہوتی ہیں۔ جن سے ہر کسی ملک یا زبان کے ادب کو پہچان سکتے ہیں۔ لیکن کچھ خصوصیات فنکار کی اپنی ہوتی ہیں جو ایک ہی ملک اور ایک ہی زبان کے مختلف ادیبوں میں مختلف ہوتی ہیں کیونکہ ایک ہی خیال مختلف لوگوں کے ذہن میں مختلف طور طریقے سے آتا ہے اور اس کا اظہار بھی مختلف انداز میں ہوتا ہے اور یہ تو مسلم ہے کہ اسلوب کا خارجی پہلو ہوتا ہے جس میں

۱۔ تصریحات، ص ۱۱۹، از مولانا عبد الستار طاہر

الفاظ کا انتخاب ترکیبوں کا التزام جملوں کی شناخت مخصوص انداز ہر مصنف کا اپنا ہوتی ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسلوب، مصنف کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔اگر ایسا نہیں ہوتا تو ہم میر امن، رجب علی، غالب، سر سید، حالی، شبلی، ابوالکلام آزاد کی تحریروں کے درمیان امتیاز نہیں کر پاتے۔

ڈاکٹر مسعود احمد کا شمار بھی ایسے باکمال مصنفین میں ہوتا ہے جن کی اسلوبی انفرادیت تمام تصانیف میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے۔ڈاکٹر صاحب نثر اردو کے خارجی اجزاء پر عالمانہ اور فنکارانہ دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم و جلیل تہہ دار متنوع اور نکھری ہوئی شخصیت کے مالک ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کا نثری اسلوب اردو ادب میں منفرد اور یکتا نظر آتا ہے انہوں نے ہر جگہ الفاظ کی نشست و برخاست اور حسن استعمال، فقروں اور جملوں کی ترکیب و ترتیب اور ان کے درمیان فنکارانہ ربط ہم آہنگی اور توازن، موضوع کی وضاحت کے لئے منطقی استدلال کا لحاظ رکھا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی تحریر میں علمی و تحقیقی صداقت اور لطف انشاء و حسن تحریر کا لاجواب امتزاج ہے۔ ظرافت اور مزاح '' نہیں '' کہ برابر ہے۔ طنز و تعریض بھی تیزابیت، تندی اور اشتعال سے مبّرا ہے البتہ ان کے طنز میں لطافت، کسک، کھٹک اور رس ضرور ہے اور اس میں پانی پانی کر دینے والا جوہر بھی ہے۔ان کا طنز اصلاحی اور تعمیری انداز کا حامل ہے۔ طنز کے اس طرز نے نثر مسعود و ایک نمک آگیں یعنی حسن ملیح عطا کر دیا ہے۔روانی، برجستگی، شگفتگی، زور بیان، خیالات کا بہاؤ اور اس بہاؤ کا اسلوب کی تشکیل میں نمایاں رول، ترتیب، سلیقہ مندی، شائستگی، وقار، متانت، فراست، چمک لنک، تڑپ اور ایجاز و اختصار وغیرہ ان کے طرز تحریر کی خصوصیات ہیں۔اب ہم ذیل میں گزشتہ پانچوں ابواب کا خلاصہ ترتیب وار اختصار کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

باب اول میں ڈاکٹر مسعود احمد کے خاندان ان کی تعلیم و تربیت شادی ننھیال اور سسرال کے خاندانی حالات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ ظاہر ہے ایسے اعلیٰ خاندان اور اعلیٰ و پاکیزہ ماحول میں پلا بڑھا اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص علمی و عملی اعتبار سے کس پائے کا ہوگا۔ یہی سبب ہے کہ ڈاکٹر مسعود احمد ایک دینی مفکر و دانشور اور عظیم ادبی و علمی شخصیت کی حیثیت سے ابھرے۔

باب دوم میں ڈاکٹر صاحب کی ان کتابوں کا ذکر ہے جن کا تعلق مذہبی افکار و نظریات اور مذہبی ادب سے ہے ان کتابوں کے اقتباسات سے ڈاکٹر صاحب کی دینی فکر اور دانشوری کا جائزہ لیا گیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ڈاکٹر مسعود احمد ایک دینی مفکر اور دانشور ہیں۔ مثلاً

(۱) '' جان جاناں ''۔ سیرت رسول اکرم ﷺ پر ایک گراں قدر تصنیف ہے۔اس کی نثر بہت

ہی شگفتہ اور دل آویز ہے - بیان میں بڑی روانی ہے - حضور علیہ السلام کی آمد کے بارے میں توریت، زبور، انجیل، نیز گیتا اور دوسری ویدک کتابوں کا حوالہ اور گوتم بدھ کی پیش گوئیاں بھی ہیں اور ایسے موقع پر قلم مسعود نے جو انداز دکھایا ہے اس کے لفظ لفظ اور کلمہ کلمہ سے ان کی مفکرانہ اور دانشورانہ شان عیاں ہوتی ہے -

سکھ مت کے بانی گرو نانک (۱۴۶۹ء / ۱۵۳۹ء) نے ریاضیاتی طور پر ثابت کیا ہے کہ نورِ محمدی کائنات کی ہر شئی میں جلوہ گر ہے - انہوں نے اپنے شبد میں بڑے یقین کے ساتھ کہا ہے

گرو نانک یوں کہے ہر شئی میں محمد کو پائے

(۲) قرآن عظیم کی تدوین سے متعلق کتاب ''آخری پیغام'' بھی ڈاکٹر مسعود احمد کی دانشورانہ شان کی غماز ہے -

(۳) ''حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر اقبال'' مذہبی اور ادبی کتاب ہے، شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال، مجدد الف ثانی کے نظریات ان کے تجدیدی کارناموں اور ان کی مومنانہ آن بان سے بہت متاثر تھے - زیرِ نظر تصنیف میں ڈاکٹر مسعود احمد نے فکر مجدد اور اقبال کے فکر و فلسفہ میں مماثلت دکھائی ہے اور ثابت کیا ہے کہ فلسفہ و فکر اقبال، مجدد صاحب کے افکار سے مستعار ہے -

(۴) ''سیرت مجدد الف ثانی'' میں مجدد صاحب کی حیات و شخصیت اور اہم کارناموں بالخصوص اکبر کے خود ساختہ مذہب ''دینِ الٰہی'' کے ادوار وغیرہ کا تفصیلی جائزہ لیا ہے - تاریخی حقائق کو ڈاکٹر مسعود احمد نے جس طرح اجاگر کیا ہے اس سے ان کے دانشورانہ وقار کا بخوبی پتہ چلتا ہے -

(۵) ''پیغام'' اس کتاب میں ملک اور قوم کی زبوں حالی اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ بازی پر ڈاکٹر صاحب نے اپنا تاثر اور صحیح موقف بیان کیا ہے - بیان اور طرز تحریر اس قدر مفکرانہ اور حقیقت پسندانہ ہے کہ کتاب پڑھتے ہی بات دل میں گھر کرنے لگتی ہے - تمثیل کے طور پر ایک پیراگراف ملاحظہ فرمائیں :

> ''جب ہم اسلام کی بات کرتے ہیں تو انسان حیران ہوتا ہے بظاہر اسلام میں بہت فرقے نظر آتے ہیں وہ نو مسلم جو اپنا دین چھوڑ کر اسلام قبول کرتا ہے زیادہ حیران

ہو جاتا ہے۔وہ سوچتا ہے کہ اتنے بہت سے فرقوں میں میں کہاں جاؤں سب ہی اسلام کے دعویدار ہیں[۱]۔" پھر اس گتھی کو حکیمانہ انداز سے سلجھادیتے ہیں۔

(۶) "موج خیال" ڈاکٹر مسعود احمد کی نثر اور ان کے خیال کا ایک نگار خانہ ہے۔ بھانت بھانت کے سیاسی۔ سماجی۔ اخلاقی مضامین و موضوعات کو جس طرح ڈاکٹر صاحب نے پیش کیا ہے وہ ان کے مفکرانہ شان کا غماز ہے یہ کتاب ڈاکٹر مسعود احمد کی نثر نگاری خصوصاً ان کی انشائیہ نگاری کا بہت ہی اچھا نمونہ ہے ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

نہ معلوم نوجوانوں کو کیا ہو گیا اور ان کی عقل و شعور پر کس نے شبخون مارا، ہر نامعقول بات معقول اور ہر معقول بات نامعقول نظر آنے لگی۔ لباس ہی کو لیجئے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کرتہ زیب تن کیا، ڈھیلا ڈھالا، سیدھا سادا اور آرام دہ اس کے مقابلے میں اپنا لباس دیکھئے لباس غلاف بن کر رہ گیا ہے۔ کرتے کی جگہ بے شمار چیزیں آ گئی ہیں اور پتلون اتنی چست کہ ٹانگیں حرکت سے محروم[۲]۔

ڈاکٹر مسعود احمد کو ماہر رضویات کہا جاتا ہے اور بلاشبہ وہ اس لقب کے مستحق ہیں۔ انہوں نے امام احمد رضا کی حیات و شخصیت اور ان کے دینی تجدیدی، روحانی، علمی، سیاسی، سماجی، اخلاقی، معاشی و اقتصادی، سائنسی و فلسفیانہ اور فکری نیز ادبی کارناموں کو بہت ہی دانشورانہ انداز میں پیش کر کے عصر حاضر کے دانشوروں دانشکدوں یہاں تک کہ امریکی اور یورپی دنیا کو جس طرح امام احمد رضا سے قریب کیا ہے اور ان کی عبقریت کو منوایا وہ ڈاکٹر صاحب کا قابل قدر کارنامہ ہے۔

فروغ رضویات کے سلسلے میں انہوں نے عقیدت مندانہ انداز نہ اپنا کر حقیقت پسندانہ انداز اختیار کیا ہے اور بہت ہی منطقی انداز میں امام احمد رضا کی شخصیت اور ان کے کارناموں کو پیش کیا ہے۔ تمثیل کے طور پر چند پیراگراف کے اقتباسات حاضر ہیں۔

"امام احمد رضا پر پچھلے دس پندرہ سالوں میں پاک و ہند اور بیرونی ہند کافی کام ہوا جس کی تفصیلات خود ایک مقالہ کی مقتضی ہیں مگر بیشتر لکھنے والوں نے معلوم باتوں کی طرف زیادہ توجہ دی اور نامعلوم باتوں کو تلاش نہ کیا اس لئے اتنا کچھ لکھنے کے باوجود ابھی عشر عشیر بھی سامنے نہ آیا۔ جو اہل علم کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے[۳]"

۱۔ پیغام ص ۶ ڈاکٹر مسعود احمد

۲۔ موج خیال ص ۸۷ از ڈاکٹر مسعود احمد

۳۔ اکرام امام احمد رضا، ص ۷ از ڈاکٹر مسعود احمد

"فاضل بریلوی علیہ الرحمہ اپنے عہد کے جلیل القدر عالم تھے مگر علمی حلقوں میں اب تک صحیح تعارف نہ کروایا جاسکا، جدید تعلیم یافتہ تو بڑی حد تک بالکل نابلد ہے۔ چنانچہ ایک مجلس میں جہاں یہ راقم بھی موجود تھا ایک فاضل نے فرمایا کہ "مولانا احمد رضا خاں کے پیرو تو زیادہ جاہل ہیں" گویا آپ جاہلوں کے پیشوا تھے۔انا للہ وانا الیہ راجعون [۱]۔"

"اس میں شک نہیں کہ امام احمد رضا آدم ساز بھی تھے اور انسان گر بھی، ان کو ملت اسلامیہ کا نجات دہندہ کہنا بجا طور پر درست ہے۔انہوں نے جواناں ملت کو ایک نیا ولولہ دیا ایک نیا عزم دیا ایک نیا حوصلہ دیا [۲]۔"

باب سوم میں ڈاکٹر مسعود احمد کی نگارشات کا ذکر ہے اور کتابوں کا مختصر تعارف بھی ہے۔ان کی تصنیفات و تالیفات و تراجم کی خاص تعداد ہے جو تقریباً سو سے زائد ہیں۔مختلف دینی، ادبی، سیاسی، سماجی، اخلاقی، معاشی، اقتصادی موضوعات اور رضویات پر مشتمل ہے کچھ کتب و رسائل زیر تدوین و زیر طبع ہیں۔ شائع شدہ کتب و رسائل سے ان کے قلم کی روانی--- بیان کی سادگی، سلاست، جوش طرز ادا کی بانکپن زبان کی شگفتگی وغیرہ کے ساتھ ساتھ ان کے ذہن و فکر کی نورانیت کا بھی بخوبی پتہ چلتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے عملاً دین اور ادب اردو کی جو خدمت کی ہے وہ تو اپنی جگہ مسلم ہے انہوں نے ایک استاذ کی حیثیت سے طلبہ کو ادب کی تعلیم دے کر ان کی تربیت کر کے ادب کی خدمت کی اور مرشد برحق کی حیثیت سے مریدین نیز طلبہ و نوجوانوں کے قلب و ذہن کی تطہیر کی اور انہیں دین متین سے وابستہ کیا اور ان کے عقائد و ایمان اور عمل کو پختگی بخشی ان عملی اقدام کے باوجود تحریر کے توسط سے جو قابل قدر دینی اور ادبی خدمات کا فریضہ انجام دیا اور اب بھی انہیں خدمات میں مصروف ہیں وہ ان کی تحریروں سے عیاں ہے۔

باب چہارم میں صاحب طرز انشاء پرداز کی حیثیت سے ڈاکٹر صاحب کا جائزہ لیا گیا ہے کیونکہ ڈاکٹر مسعود احمد ایک کثیر الجہات اور کثیر التصانیف مصنف ہیں جیسا کہ پچھلے ابواب میں لئے گئے جائزہ سے عیاں ہے، بیانیہ، خطیبانہ، انائیتی اور رومانی نثر وغیرہ کی قسمیں ان کی تحریروں میں موجود

۱۔ فاضل بریلوی اور ترک موالات از ڈاکٹر مسعود احمد

۲۔ امام احمد رضا دانشوروں کی نظر میں از مولانا یٰسین اختر مصباحی

ہیں ان کا اپنا منفرد جمالیاتی انداز ہے، خوبصورت رواں اور سبک الفاظ کو بڑی خوبی سے جملوں میں سموتے ہیں- ہر ہر لفظ گنگناتا، روشنی بکھیرتا اور خوشبو لٹاتا ہوا معلوم ہوتا ہے، کہیں کہیں لفظوں کی تکرار بڑی ہی مترنم فضا پیدا کرتی ہے ایک جھلک مزید دیکھئے-

چراغ سے چراغ جلنے لگے مبارک ہو وہ دن جس دن تو اس دنیا میں
تشریف فرما ہوا جس کی آمد آمد کے ذکر و اذکار قرنوں سے چلے آرہے تھے-[1]

ڈاکٹر صاحب کی خوبی یہ ہے کہ وہ بیک وقت محقق بھی ہیں اور صاحب طرز ادیب بھی ان کی نثر میں غالب کی سی سلاست و روانی، سرسید کا فکر اور نثری جمال، شبلی کی رنگینی اور مؤرخانہ انداز، عبدالماجد دریاآبادی کی نکتہ سنجی، ابوالکلام آزاد کی شوکت بیانی اور جلال کی جلوہ گری ہے[2]-

باب پنجم میں ڈاکٹر صاحب کی دینی و ادبی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے اس ضمن میں دینی و ادبی خدمات کی نشاندہی کرتے ہوئے کچھ شخصیات کا بھی ذکر کیا گیا ہے کیونکہ انہوں نے غالب، اقبال، غمگین اور امام احمد رضا کی شاعری پر بڑے ہی تحقیقی مقالات رقم فرمائے اور ادب کو نئی جہت سے آشنا کیا اور ادب کے جمال و جلال اور اس کے سرمایہ میں اضافہ کیا-

زبان اردو کی تاریخ پر بھی قلم اٹھایا اور تنقیدی امور بھی انجام دیئے نمونے کے طور پر ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں-

"جس زمانے میں حضرت غمگین ترک سکونت کر کے دہلی سے گوالیار تشریف لے گئے ہیں اس وقت غالب کی عمر تیرہ چودہ سال سے زیادہ نہ ہوگی ظاہر ہے کہ اس عمر میں "گوش ہوش" میں قوت، سماعت اور "چشم بینا" میں قوت بصارت کہاں پیدا ہو سکتی تھی، حضرت غمگین کے گوالیار آنے کے فوراً بعد ہی سلسلہ مراسلت شروع ہوا یا نہیں اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا پیش نظر خطوط سے اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ دہلی میں پہلی ملاقات کے ایک عرصے بعد سلسلۂ مراسلت کا آغاز ہوا-

مرزا غالب اور حضرت غمگین کے مابین مراسلت نے شدت کے ساتھ دونوں جانب شوق مواصلت پیدا کر دیا تھا[3]-

---

۱- قلمی مضمون غیر مطبوعہ، از ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
۲- غالب نام آور، مطبوعہ کراچی، ص ۱۸۱
۳- غالب نام آور، مطبوعہ کراچی، ص ۱۸۳

باب ششم میں ڈاکٹر صاحب کی چند اولیات کا ذکر کیا ہے اور ان کی کتابوں سے طویل اقتباسات پیش کیے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ علمی تحقیق میں کتنے آگے ہیں اور چھپے گوشوں کو تلاش کرنے میں کتنے مستعد ہیں۔ ان کی فکر رسا نے بہت سے علمی راز کھول کر رکھ دیئے۔

ڈاکٹر مسعود احمد نے مذہبی تقدیسی تحریروں اور خالص ادبی نگارشات کے توسط سے اردو زبان و ادب کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے اور افکار و نظریات، مفکروں اور دانشوروں، اپنی دانشوری اور مفکرانہ شان سے قومی و ملی خدمت کا فریضہ انجام دیا ہے ---

ڈاکٹر مسعود احمد عصر حاضر کے محققوں، نثر نگاروں مفکروں اور دانشوروں کی صف میں اپنی ایک انفرادی شان اور قد آوری کے ساتھ کھڑے نظر آتے ہیں - ضرورت ہے کہ اردو زبان و ادب کی تاریخ میں ان کا نام بھی شامل کیا جائے اور انہیں ان کا صحیح اور جائز مقام عطا کیا جائے - اگر چہ وہ خود نام و نمود کی ادنیٰ خواہش سے بھی بے نیاز ہیں۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ضمیمہ جات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقشہ دہلی قدیم

بعہد فقیہ الہند محمد مسعود شاہ محدث دہلوی

نقشہ شہر دہلی و شاہجہان آباد

سلاطین اور ہندوؤں کی عمارات قدیم دکھلائی گئی ہیں
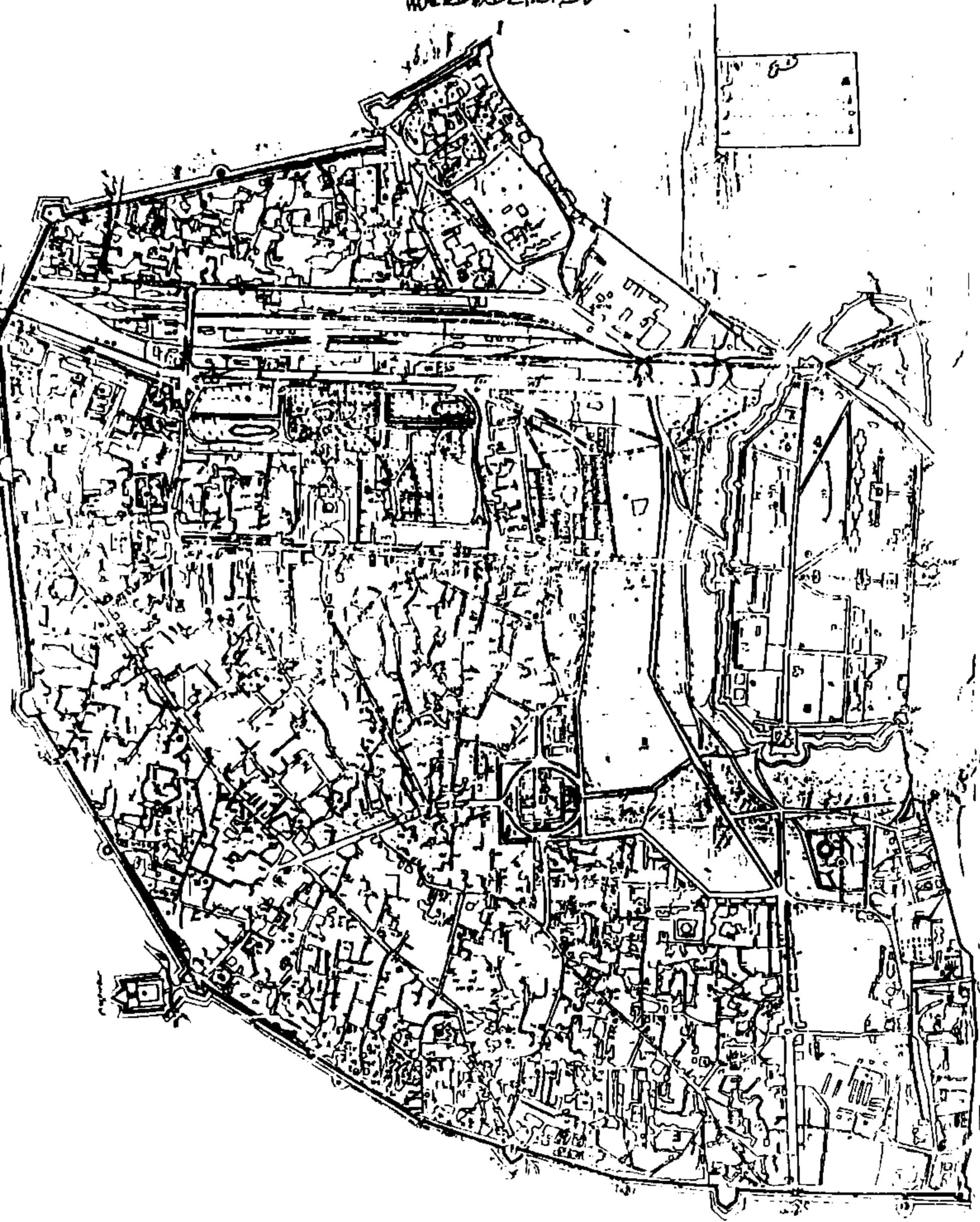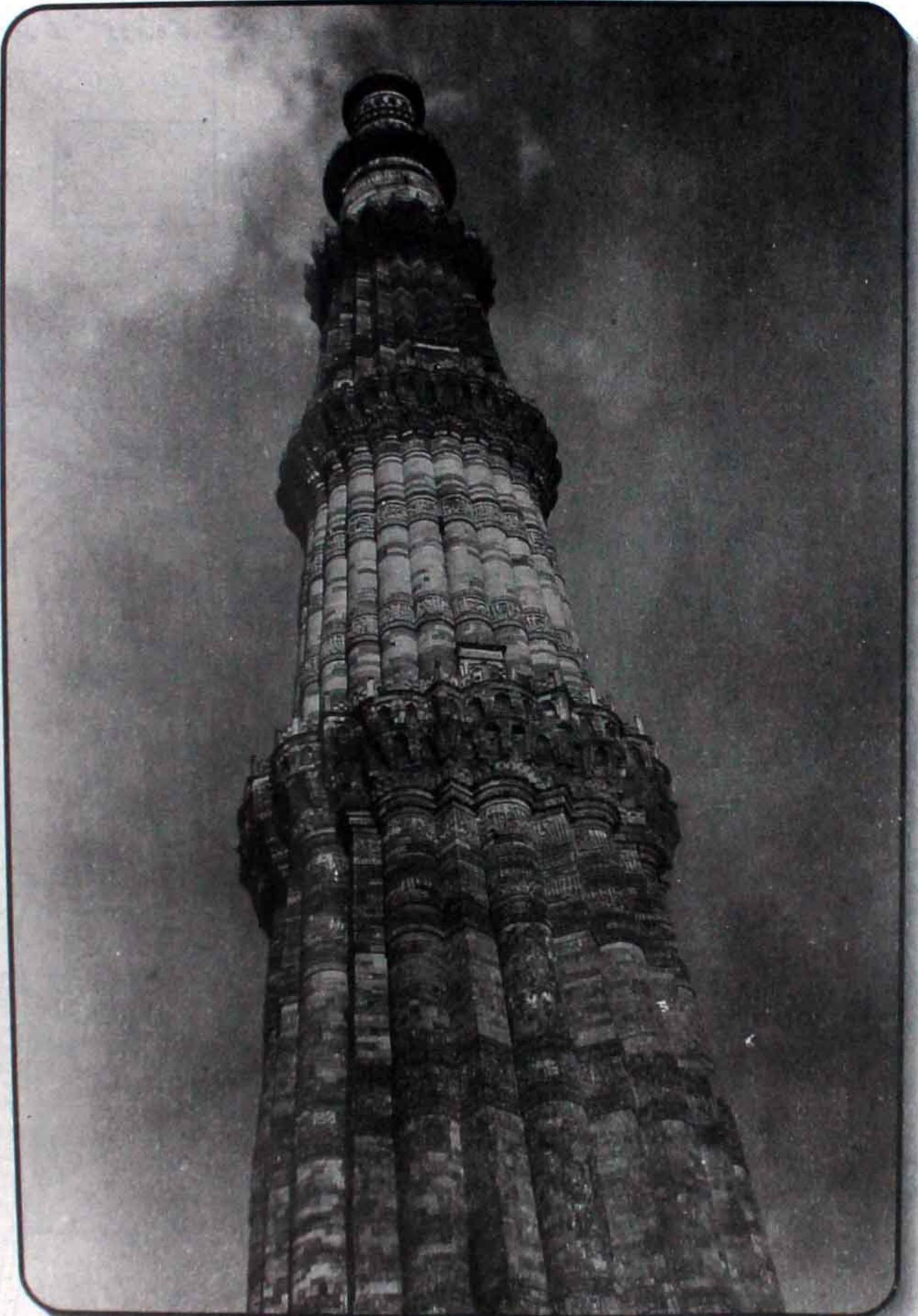
"قطب مینار" ———— نئی دھلی
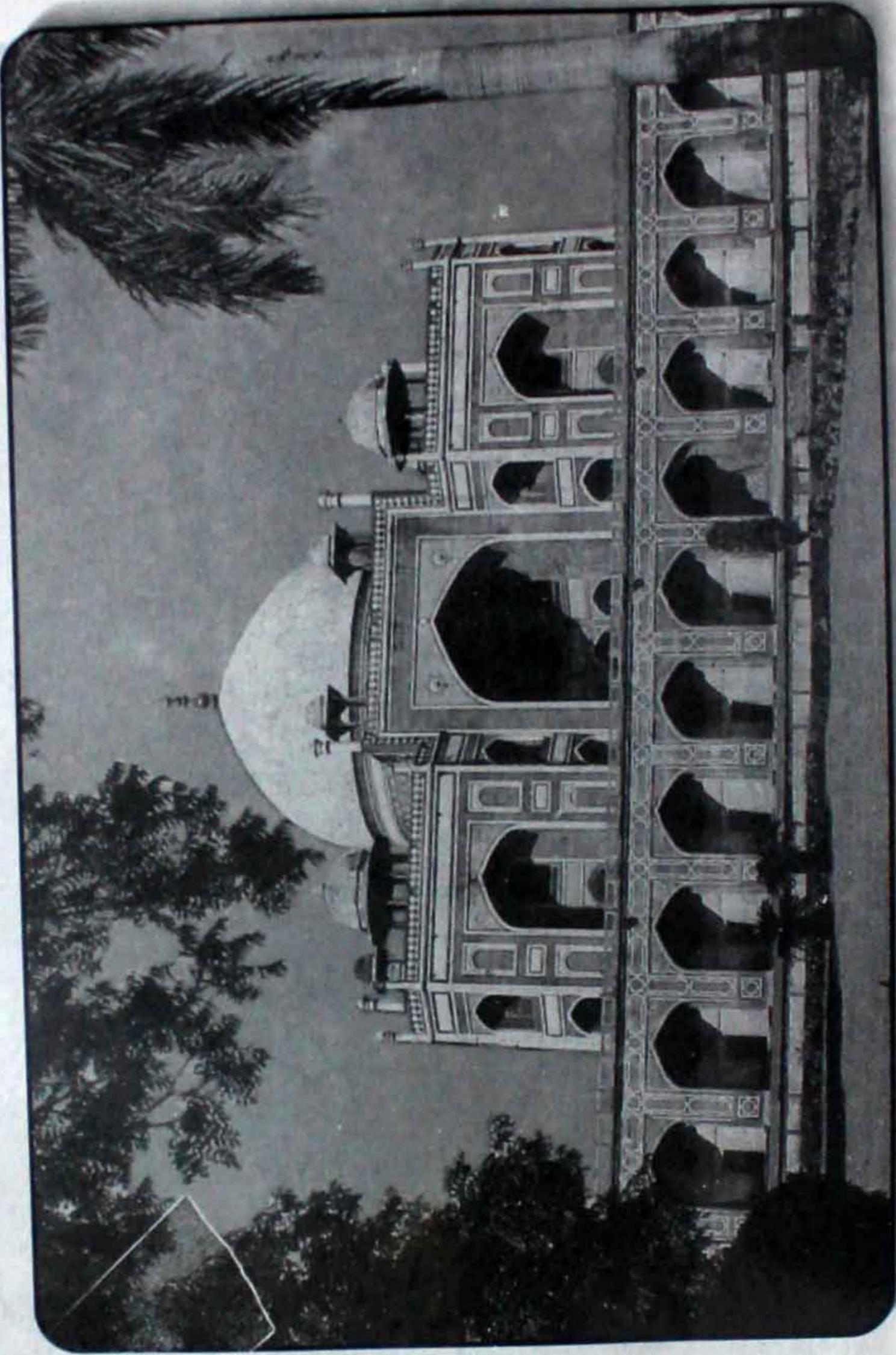
مقبرہ ہمایوں بادشاہ ——— نئی دھلی
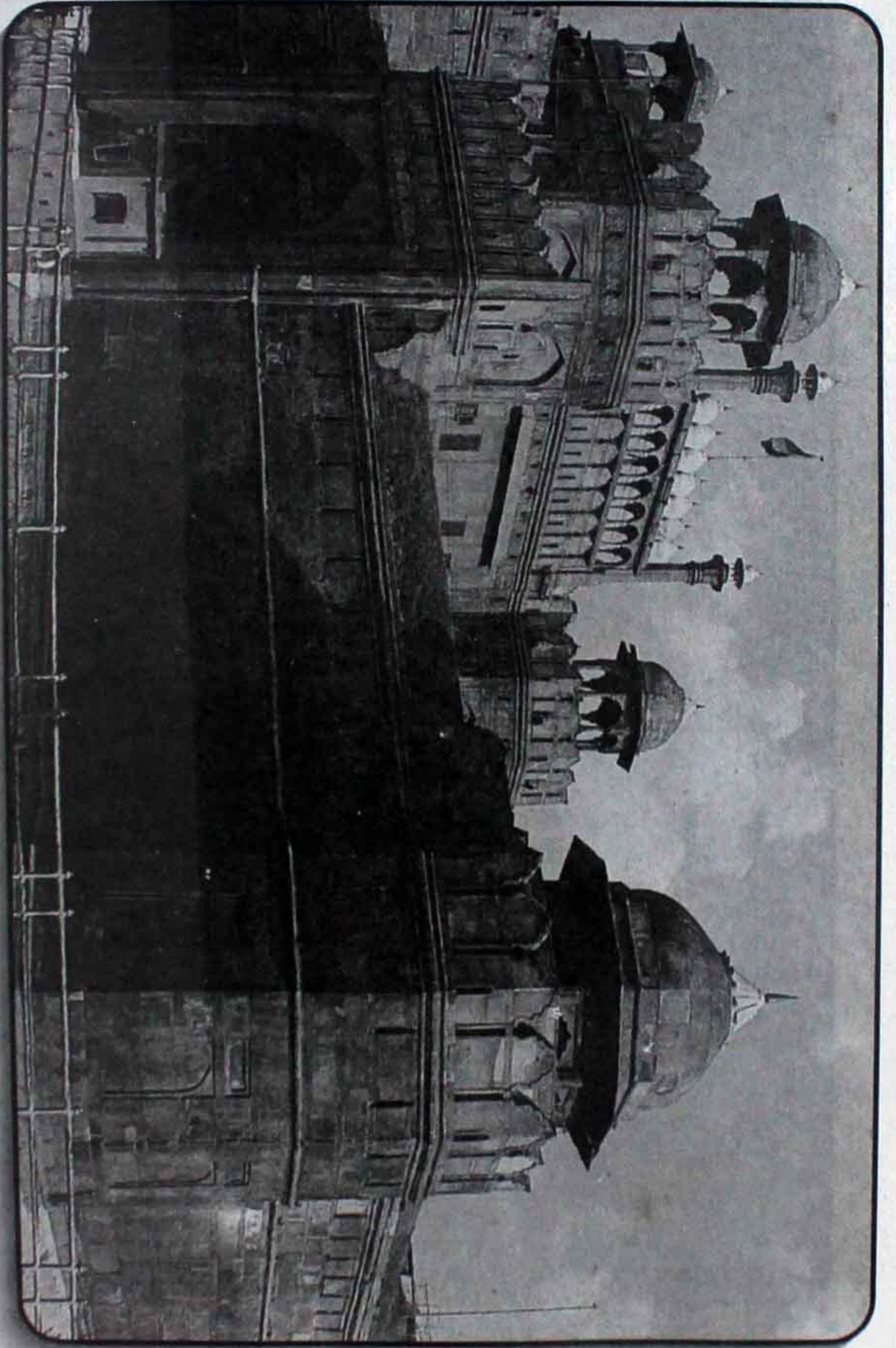
لال قلعہ، دھلی ـــــــ مشہور بازار، چاندنی چوک، یہاں سے شروع ہوکر مسجد فتحپوری پر ختم ہوتا ہے۔

ضمیمہ نمبر ۱

مولدِ مسعود تاریخِ دہلی

واقعات دار الحکومت دھلی ۱۳۳۷ء

(حصۂ دوم مصنفہ بشیر الدین احمد کلکٹر نظام دکن مطبوعہ آگرہ)

۱۹۱۹ء ۱۳۳۷ء ص ۸-۱۲

سنہ عیسوی سے پندرہ سو برس پہلے راجہ جدھشٹر نے پانڈووں کی ایک سلطنت قائم کر کے اپنی راج دھانی جمنا کے مغربی کنارے پر بنائی اور اس کا نام اندر پرست رکھا۔ جدھشٹر کا خاندان تیس پشت تک حکمراں رہا۔ اس کے بعد نمک حرام وسروا کے خاندان کا دور دورہ پانسو برس تک رہا ان کے بعد گوتم بنسیوں کا نمبر آیا۔ گوتم خاندان کے ایک شخص سروپ دت نامی جو حاکم قنوج کی فوج کا لفٹیننٹ تھا اپنے راجہ دیلو کے نام پر دلّی شہر بسایا۔ گوتموں کے بعد دھرم داج یادھرنی دھر نامی شخص کے بنا کردہ خاندان کا راج پاٹ ہوا اور اس خاندان کے آخری راجہ نے اجین کے راجہ سے شکست پائی جن کی حکومت آگے چل کر جوگیوں کے خاندان میں سمندر پال پر منتقل ہوئی۔ جوگیوں کے بعد ملک اودھ بہرائچ کے راجاؤں کا دورہ ہوا ان کے بعد فقیروں کا خاندان برسر حکومت رہا۔ خاندان فقراء کے بعد بلاول سین حکمراں رہا۔ سینوں کے خاندان کا قلع قمع دیپ سنگھ کوہی سوالک والے نے کیا۔ اسے اننگ پال یا انیک پال اول بانی خاندانِ تنوار نے دلی سے نکال باہر کیا۔ اننگ پال اول نے ۷۳۱ء میں دلّی کو از سر نو بسایا۔ اس کے بعد اسی خاندان کے ایک ممبر اننگ پال دوم نے ۱۰۵۲ء میں پھر دلّی کو آباد کیا۔ پھر ۷۹۲ تک دلّی شمالی ہند کے دار السلطنت کے مرتبے سے گری اور کس کمپرسی کی حالت

میں رہی یہ زمانہ وہ ہے جس کی ابتداء راجہ اجین کی فتح ہے اور انگ پال ثانی کا دلی کو دوبارہ آباد کرنا۔ ۱۱۵۵ء میں تنوار کے خاندان کے آخری راجہ کو چوہانوں نے شکست دی۔ خاندان چوہان کے آخری راجہ پرتھی راج المعروف بہ رائے پتھورا کا نیر اقبال شمالی ہند میں چمکنے لگا۔ اس نے اپنے نام کا اک قلعہ قلعۂ رائے پتھورا نام کا بنایا۔ ۱۱۹۱ء میں مسلمانوں کے بادشاہ قطب الدین ایبک نے قطعی طور پر دلی کو فتح کر لیا اور اسی زمانے سے شمالی ہند میں ہندوؤں کے راج کا خاتمہ ہوا۔ قطب الدین ایبک کے بعد آٹھ بادشاہوں نے قلعۂ رائے پتھورا ہی میں رہ کر حکم رانی کی اور انہوں نے اس قلعے کو اپنی مرضی اور ضروریات کے لحاظ سے درست کر لیا۔ اس میں کئی محل اور ایک مسجد بھی بنائی۔ اب وہ محل تو باقی نہیں البتہ ایک مسجد اور شیر مندل کا برج رہ گیا ہے اور یہ دونوں عمارتیں غنیمت ہیں کہ اب تک بہت اچھی حالت میں پرانے قلعے میں موجود ہیں جو سلاطین اسلام کی عمدہ یادگار اور بہترین نشانیاں ہیں۔ لیکن پرانے قلعہ کو چھوڑ کر مسلمانوں کے دسویں بادشاہ بلبن کے پوتے کیقباد نے ایک نیا محل۔ کلو کھری میں بنایا جو نئے شہر کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی بادشاہ نے رائے پتھورا کے قلعہ کو چھوڑ کر دارالحکومت منتقل کیا۔ اس کے جانشین جلال الدین خلجی نے مصالح اور ملکی سے کلوکھری کو محصور کیا اور ترقی دی۔ جلال الدین کے بعد اس کا بھتیجا علاؤالدین خلجی اپنے چچا کی جگہ تختِ سلطنت پر بیٹھا اور بہت تھوڑے دنوں قلعہ رائے پتھورا میں رہا۔ اس نے ایک اور ہی قلعہ سیری میں بنا کر اپنا دارالسلطنت ٹھہرایا۔ ۱۳۲۱ء میں علاؤالدین خلجی کے چھوٹے بیٹے قطب الدین مبارک شاہ کو نمک حرام نصیر الدین خسرو خان نے قتل کیا اور سیری میں قصر ہزار ستون بناو ہیں تخت پر بیٹھا لیکن خسرو خان زیادہ سلطنت کی بہار نہ لوٹ سکا اور اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے کا معاملہ پیش آیا یعنی خسرو خان کو غیاث الدین تغلق شاہ نے شکست دے کر تلوار کے گھاٹ اتار دیا اور اپنی دارالسلطنت سیری سے اٹھا تغلق آباد کو منتقل کیا۔ غیاث الدین تغلق کے بیٹے اور جانشین سلطان محمد ثالث نے اپنے باپ کی دارالسلطنت سے تھوڑی ہی دور عادل آباد آباد کیا۔ اس کے چند سال بعد اسی بادشاہ نے رائے پتھورا کے قلعے اور سیری دونوں کو ملا کر ایک اور شہر آباد کیا جس کا نام جہاں پناہ رکھا۔ اس کے بھانجے اور جانشین فیروز شاہ تغلق نے آبائی دارالسلطنت چھوڑ کر ایک اور بالکل نیا شہر فیروز آباد بسایا۔ ۱۳۹۸ء میں امیر تیمور نے ہندوستان پر ایک بڑا بھاری حملہ کر کے فیروز آباد کی اینٹ سے اینٹ

جاری، کمزور سادات نے، جو جنگجو پٹھانوں کے بعد حکمران ہوئے، توان کو بھی اپنے نام سے ایک اور شہر بسانے کا شوق ہوا اور خضر خان نے خضر آباد آباد کیا۔ خضر خان کے بیٹے مبارک شاہ نے بس اتنا ہی کیا کہ اس کا نام مبارک آباد بدل کر رکھ دیا۔ سیدوں کے بعد لودھی آئے انہوں نے اپنی کوئی نشانی شہر کی صورت میں نہیں چھوڑی۔ بہلول شاہ بانی خاندانِ لودھی، سیری میں رہتا تھا۔ اس کے بیٹے نظام خان سکندر شاہ لودھی نے کچھ دنوں تو پرانی دلّی ہی میں سلطنت کی پھر آگرے کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا جب بابر نے ۱۵۲۶ء میں پانی پت کے میدانِ ابراہیم لودھی کو شکست دی تو دہلی میں اپنا ایک نائب چھوڑ کر آگرے ہی کو دارالسلطنت ٹھیرا خود کابل چلا گیا۔ بابر کے بیٹے ہمایوں کو افغانوں نے بسر کردگی شیر شاہ سوری ۱۵۴۰ء میں ہندوستان سے بدر کر دیا چنانچہ ہمایوں پورے چودہ برس جلاوطنی کی حالت میں رہا۔ ہندوستان سے اخراج کے اول ہمایوں نے شہر دین پناہ کی تعمیر شروع کردی تھی۔ جب شیر شاہ سوری دہلی پر قابض ہو گیا تو اس نے بھی اگلے بادشاہوں کے قدم بقدم ایک نیا شہر شیر گڑھ یا دہلی شیر شاہی بنایا۔ ۱۵۴۶ء میں اس کے بیٹے سلیم شاہ سور نے دریائے جمنا کے سرے پر قلعۂ سلیم گڑھ بنایا۔ ۱۵۵۵ء میں ہمایوں نے پٹھانوں کو شکست دے کر پھر دلّی کی سلطنت پر قبضہ پایا۔ پٹھانوں پر فتح یابی کے چھ مہینے بعد ہمایوں بادشاہ نے دین پناہ میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوا۔ اکبر کا بیٹا جہانگیر بھی آگرے میں ہی رہا۔ جہانگیر کی وفات کے بعد دلّی کے بخت خفتہ پھر بیدار ہوئے اور شاہ جہاں نے آگرے سے دارالسلطنت دلّی میں منتقل کیا اور اس کا نام شاہجہاں آباد رکھا اور یہی نام انگریزوں کی شروع عملداری یعنی ۱۸۰۳ء تک برقرار رہا۔ اب شاہجہاں آباد جا کر بالعموم دہلی یا دلّی کہلاتا ہے اور انگریزوں کی زبان پر ڈلہی چڑھا ہوا ہے اور گورنمنٹ کا منظور شدہ بھی یہی نام ہے۔ تیرہ دلّیوں کا حال آپ سن چکے، چودھویں دلّی جس کو شاہجہاں آباد کے جوڑ پر جارج آباد کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۱۲ء سے معرضِ ظہور میں آئی یعنی پھر دلی کی ذلت (جو نہ صوبہ کا مستقر، نہ کمشنری کا بلکہ گھٹتے گھٹتے نرا ایک ضلع رہ گیا تھا) عزت سے بدل گئی۔ چنانچہ اب وہی چہل پہل ہے۔ سڑکیں بن رہی ہیں، مکانات تیار ہو رہے ہیں۔ خدا کالا منہ کرے اس جنگِ یورپ کا، اس نے چار برس میں سب کو ادھ موا کر دیا۔ یہ نہ ہوتی تو نئی نویلی دلّی جو رائے سینا میں موجودہ دلی سے چار میل کے فاصلے پر بڑے بھاری سکیل پر بن رہی ہے کبھی کی بن چکتی۔ خیر دیر آید درست آید، خدا

نے چاہا تو یہ چودھویں دلّی بلاد وامصار موجودہ میں سب سے بہتر، اپنے انداز میں سب سے نرالی، اپنی وضع میں انوکھی، پر توظہور میں آجائے گی کیا یہ سمجھو کہ اب آئی کہ آئی۔

شائقینِ فنِ تاریخ کے لئے تمام روئے زمین پر کوئی خطہ پینتالیس میل مربع کا ایسا نہیں جس میں اس قدر انقلابات عظیم ہوئے جن سے یہ کتاب بھری پڑی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سلطنت کا عروج اور زوال سب کچھ تاریخ کے باقاعدہ مدوّن ہونے سے پہلے ہو الیا اور یہیں راجہ اشوک کے زمانے کے وہ ستون ہیں جن پر دوہزار سال پہلے کے پرانے کتبے موجود ہیں۔ یہاں وہ آہنی ستون بھی ہے کہ جس کی قدامت کا کچھ صحیح حال معلوم نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ بہت پرانا ہے۔ یہی وہ جگہ ہے کہ جہاں مسلمانوں نے ہندوستان کو فتح کر کے اسلامی حکومت کا جھنڈا گاڑ دیا اور دلّی ہو قلعۂ رائے پتھورا ہو، یا نیا شہر، یا سیری، یا تغلق آباد، یا فیروز آباد، یا شیر گڑھ، یا شاہ جہان آباد، ہندوستان کے مسلمان بادشاہ ان مختلف الاسم مقامات پر حکمران رہے اور یہیں سے احکام و فرامین شاہی نفاذ پذیر ہوتے تھے اور اسی شہر کے نام کے ساتھ سلطنت وابستہ تھی۔

O

اِنَّ البِلَاد اِمَاءٌ وَ هِیَ سَیِّدَةٌ وَ اِنَّهَا دُرَّةٌ وَالکُل کَا الصَّدَف

(ترجمہ) بیشک تمام شہر ندیاں ہیں اور دہلی ان کی ملکہ ہے اور بیشک دہلی کی مثال موتی کی سی ہے باقی شہر (نرے) سیپ ہیں۔

(شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی)

نوٹ۔ اس وقت دہلی (بشمول نئی دہلی) کا کُل رقبہ 1483 (ایک ہزار چار سو تراسی) مربع کلو میٹر ہے اور آبادی 9,420,644 (چورانوے لاکھ بیس ہزار چھ سو چوالیس)، یہاں اردو، ہندی اور پنجابی بولی جاتی ہے۔ تقریباً 90 فی صد شہری آبادی ہے اور 77 فی صد تعلیم یافتہ۔

ضمیمہ نمبر ۲

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے غیر مطبوعہ مقالہ ڈاکٹریٹ کے چند صفحات

اردو میں قرآنی تراجم و تفاسیر (ایک تاریخی جائزہ)

یہ مقالہ ۱۹۶۶ء میں مکمل ہو گیا تھا لیکن بعد میں اس میں اور اضافے کیے گئے اور ۱۹۷۰ء میں سندھ یونیورسٹی (حیدر آباد، سندھ، جام شورو) میں پیش کیا گیا۔ ۱۹۷۱ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی۔ یہ مقالہ ٹائپ شدہ بڑے سائز کے ۷۴۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ قرآن حکیم کے اردو تراجم و تفاسیر میں چونکہ سال بہ سال اضافہ ہو رہا ہے اس لیے جب تک ۲۰۰۰ء تک کے مواد کو جمع نہ کیا جائے اس وقت تک یہ مقالہ مکمل نہیں کہا جا سکتا۔ ڈاکٹر صاحب اب دوسرے علمی اور دینی کاموں میں ایسے مصروف ہیں کہ شاید اب اس طرف متوجہ ہونے کا موقع نہ ملے، چونکہ یہ مقالہ غیر مطبوعہ ہے اس لیے راقم اس کے مقدمہ اور ایک باب سے مفید معلومات پر مشتمل چند صفحات کے عکس پیش کر رہا ہے تاکہ اس مقالہ کی چند جھلکیاں تو ہمارے سامنے آجائیں۔

اقتباس...... مقدمہ "مقالہ ڈاکٹریٹ" اردو میں قرآنی تراجم و تفاسیر" (ایک تاریخی جائزہ) مکتوبہ ۱۹۶۶ء

پاک و ہند میں مسلمانوں کی آمد اور ان کی تبلیغی کوششیں

عرب و ہند کے تعلقات بہت قدیم ہیں چنانچہ ساتویں صدی عیسوی کے آغاز سے مسلمانوں کی تجارتی سرگرمیوں نے ان تعلقات کو استوار کر دیا۔ مسلمان تاجروں کے جہازات جنوبی ہند کے ساحل مالابار سے گزرتے یا ساحل ~~کولونسلوں کے لیے~~ کھمبات ہے۔ ان کی تجارتی سرگرمیوں سے پہلے عہد فاروقی میں (سنہ ٦ ٣٣ ھ) گورنر عمان و بحرین نے مسلمان فوجوں کا ایک بحری بیڑا اس طرف بھیجا تھا جس کو حضرت عمر نے حکماً روک دیا تھا۔ اسی زمانے میں بھڑوچ اور دیبل کی طرف بھی مہمات بھیجی گئیں۔ اس دور میں اتنا ضرور ہوا کہ ہندو عرب کو ملانے والے بحری راستوں کا کھوج لگا لیا گیا جس سے محمد بن قاسم کے حملے (آٹھویں صدی عیسوی) کے وقت پورا پورا فائدہ اٹھایا گیا۔

مسلمان تاجر لنکا میں بھی آباد ہوگئے تھے انہیں کی یتیم بچیاں تھیں جن کو دیبل کے بحری قزاقوں نے اغوا کیا تھا جس پر چراغ پا ہوکر حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کی سرکردگی میں سندھ کی جانب مہم روانہ کی[1]

جیسا کہ عرض کیا گیا مسلمانوں کے جہاز ساحل مالابار سے گزرتے تھے۔ وہیں نہیں بلکہ وہ وہاں آباد ہوگئے تھے۔ رولنڈسن (Rowlandson)[2] فرانسس ڈے (Francis Day)[3] اور اسٹورک (Sturrock) اس خیال کے مؤید ہیں۔ مؤخرالذکر نے لکھا ہے۔

> ساتویں صدی عیسوی سے ایرانی اور عرب تاجر بڑی تعداد میں ہندوستان کے مغربی ساحل کی مختلف بندرگاہوں پر آباد ہوگئے۔ اور ملکی عورتوں سے شادیاں بھی کیں۔ مالابار میں ——— یہ آبادیاں خاص طور پر بڑی اور اہم تھیں[4]

عرب مسلمانوں کا ہندی عورتوں سے شادیاں کرنا اس حقیقت کی طرف غمازی کرتا ہے کہ ان علاقوں میں اسلام پھیل رہا تھا۔ (بت پرست عورتوں سے قرون اولی کے مسلمانوں کا نکاح کرنا بالکل مستبعد ہے) یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حجاج بن یوسف نے اپنے دور حکومت میں ایک ہاشمی خاندان کو ملک بدر کر دیا تھا۔ جو کونکن ( ) اور اس کناری کے [illegible] میں آباد ہوگئے ان لوگوں کو اور ان کے اخلاف کو نوائط اور لبے کہا جاتا ہے[5]

---

2. Rawlandson : Tahfat at Mujahidin, Preface

3. Francis Day : The Land of the Perumals, P. 365

4. Sturrock: South Kanara, Madras District Manuals, P.180

5. Rice : Mysore And Coorg, Vol. I, P.353

آٹھویں صدی عیسوی میں عرب جنگی بیڑوں نے بھڑوچ اور ساحل کاٹھیاواڑ کی بندرگاہوں پر حملہ کیا۔ اس سے مسلمانوں کی تجارت اور تبلیغ کی راہیں اور ہموار ہوگئیں۔ یہاں کے آثار قدیمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری صدی ہجری میں یہاں پر مسلمان مستقل طور پر آباد ہوگئے تھے۔ چنانچہ کولم کے قبرستان میں بہت سی قدیم قبریں ہیں۔ انہیں میں ایک قبر کے کتبہ پر "علی ابن عثمان" کا نام کندہ ہے۔ سنہ وفات ١٦٦ھ لکھا ہے۔[1]

ہندوستان کے ان خطوں میں مسلم آبادی کے ساتھ ساتھ تبلیغ و ارشاد کا کام بھی شدت اختیار کر گیا ہوگا کیونکہ مسلمان جہاں گئے پیغام محمدی کو اپنے ساتھ لے کر گئے۔ ہندوستان کے مشہور فاضل ڈاکٹر تارا چند کا یہ قیاس صحیح معلوم ہوتا ہے۔

> انہوں نے (مسلمان عربوں) یہاں آباد ہوتے ہی تبلیغی کوشش شروع کر دی ہوگی۔ کیونکہ اسلام اصلاً تبلیغی دین ہے اور ہر مسلمان اپنے دین کا مبلغ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہاں بسنے والے مسلمانوں کو امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ وہ ہندوستان آئے لیکن ان عیسائیوں کی طرح نہیں جو اپنے وطنوں سے نکالے گئے اور ستائے ہوئے سرزمین شام میں آباد ہوگئے ہوں۔ بلکہ ایک نئے دین کے ولولے اور فتح و نصرت کے وقار سے لبریز ——— ابھی نویں صدی عیسوی سے زیادہ نہ گزری تھی کہ مسلمان ہندوستان کے پورے مغربی ساحل پر پھیل چکے تھے اور انہوں نے اپنے انوکھے عقائد و عبادات نیز اپنے جوش تبلیغ و تلقین کی بدولت ہندو عوام میں ایک ہلچل پیدا کر دی تھی۔[2]

---

1. Innes : Malabar And Anjengo District Gazetteer, P.436

٢۔ ڈاکٹر تارا چند۔ تمدن ہند پر اسلامی اثرات۔ ص۔ ٦٠

3. Logan : Malabar, Vol.I, P.246.

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ جنوبی ہند میں مذاہب کے باہمی تصادم سے ایک ہیجان پھیلا ہوا تھا۔ ہندو مت ——— جین مت اور بدھ مت کے ساتھ برسرِپیکار تھا۔ ایسے مناسب موقع پر اسلام کے دل نشین مذہب نے ہندی عوام کو اپنی طرف راغب کیا اور ایسے کھنچے کہ کھنچتے چلے گئے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ کوڈنگلور کے راجہ پیرومال نے اسلام قبول کر لیا تھا۔[2] قبول اسلام کے بعد یہ عرب چلا گیا تھا۔ اور اس طرف سے آنے والی ایک مسلم جماعت (جو ساحل مالابار آرہی تھی) ایک سفارشی فرمان لکھ کر دیا۔ چنانچہ

> جب یہ مسلمان فرمان لے کر پہنچے تو ان سے کشادہ دلی کے ساتھ سلوک کیا گیا اور ان کو مسجد تعمیر کرانے کی اجازت دے دی گئی۔ چنانچہ ساحل مالابار میں گیارہ مقامات پر مسجدیں تعمیر کی گئیں[1]

ممکن نہیں کہ مساجد کی تعمیر کے بعد تبلیغ و ارشاد کا کام نہ ہوا ہو، یوں بھی نماز میں قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی ہے۔ جس روز مسلمانوں نے سرزمین ہندوپاک پر قدم رکھا ہے اسی روز سے یہاں کے غیر مسلم باشندے قرآن کی آیات سے آشنا ہوگئے ہوں گے۔ ہم آگے چل کر ان حقائق کا اجمالی جائزہ لیں گے۔

آٹھویں صدی عیسوی کے بعد سے برابر مذہب اسلام پھیلتا گیا۔ ایرانی اور عرب سیاحوں کے بیانات سے ہمارے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ دسویں صدی کے آغاز (۹۱۶ء) میں مسعودی ہندوستان آیا اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ چال کے مقام پر (مالابار) سراف، عمان، بصرہ، اور بغداد کے تقریباً دس ہزار مسلمان آباد تھے۔[2] ابو ولف مہلہل نے ساحل مالابار پر مسجدیں دیکھیں۔ تیرہویں صدی[3] عیسوی میں ابن السعید آیا۔ اس نے بھی ساحلی لوگوں کے ساتھ مسلمانوں کو آباد دیکھا۔ یہیں تک نہیں سر مارکوپولو نے تو یہ لکھا ہے کہ

۱۔ ڈاکٹر تاراچند۔ تمدن ہند پر اسلامی اثرات۔ ص۔ ٦١

لنکا والوں کو فوجی امداد کی ضرورت ہوئی تو ان علاقوں سے عرب فوجی دستے بھیجے جاتے[1]
چودھویں صدی عیسوی (۱۲۷۳ — ۱۳۳۱) میں ابوالفداء نے کولم کے مقام پر ایک مسجد کا
ذکر کیا ہے۔ ابن بطوطہ جس نے ہندوستانی سواحل کا اسی صدی میں دورہ کیا ہے ہر جگہ مسلمانوں
سے ملتا ہے اور ان کو خوش حال پاتا ہے۔[2] اس کے بیان کے مطابق صرف منگلور میں مسلمانوں
کی آبادی کوئی چار ہزار تھی۔ مسجد بھی تھی جس میں کافی تعداد میں طلبہ تھے۔ اس نے جہاں
جہاں مسلمانوں کو دیکھا ساتھ ہی ساتھ مساجد بھی دیکھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
چودھویں صدی عیسوی میں باقاعدہ مدارس قائم تھے اور علوم دینیہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔
پندرھویں صدی عیسوی میں جب عبدالرزاق (۱۴۴۲ء) پرتگالیوں سے کچھ ہی قبل آتا ہے وہ
کالی کٹ کے متعلق لکھتا ہے۔

> یہاں مسلمان اچھی خاصی تعداد میں آباد ہیں۔ وہ یہاں
> کے مستقل باشندے ہیں اور انہوں نے دو جامع مسجدیں بھی
> بنائی ہیں جہاں وہ ہر جمعہ کو نماز ادا کرنے کے لیے جمع
> ہوتے ہیں۔[3]

جو کچھ اوپر عرض کیا گیا وہ زیادہ تر ہندوستان کے مغربی ساحل کے متعلق
تھا۔ مشرقی سواحل پر بھی مسلمان آباد ہوئے۔ اس راستے سے بھی مسلمانوں کے جہاز
آگے جاتے رہتے اور ان کے لیے یہ علاقے جانے پہچانے تھے۔ چنانچہ نویں صدی عیسوی میں
سلیمان اور ابوزید سیرافی اور دسویں صدی کے آغاز میں مسعودی ان سواحل کے واقعات اس

---

1. Elliot : Vol. I. Mas 'udi.
2. Ferrand : Relation des Voyages, under Yakut.
3. Ibid, Under Ibn Sa'id.
4. Yule : The Book of Sir Marco Polo, Vol. II, P.314
5. Defremery and Sanguinete : Ibn Batuta, Vol. III, P.55

طرح یہاں کو لے ہیں کہا کہ یہ علاقے عرصہ دراز سے معروف تھے۔ کاڈویل (Caldwell) نے ان علاقوں سے جو پرانے سکے دریافت کیے ہیں ان میں ساتویں صدی عیسوی (۱ھ) سے لے کر تیرہویں صدی عیسوی تک کے مسلم سکے ملے ہیں۔ ان سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ مسلمان یہاں پر مستقل طور پر آباد ہوگئے تھے۔ اورانہوں نے تبلیغی کوششیں جاری رکھیں چنانچہ چنانچہ اب بھی ترچنا پلی اور مدورا کے مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کو حضرت نطہر ولی (م۔ سنہ ۴۱۷ھ) نے مشرف بہ اسلام کیا تھا۔ ان کا مزار مبارک ترچنا پلی میں ہے۔ اسی طرح ڈیکن کے مسلمانوں کا کہنا ہے کہ ان کے آباؤاجداد کو بابا فخر الدین (م۔ سنہ ۵۶۲ھ) نے مسلمان کیا تھا۔[1]

بہرکیف مختلف شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ان علاقوں میں مستقل طور پر آباد ہوئے اور تبلیغی کام عدہ و مد کے ساتھ جاری رہا۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا وہ جنوبی ہند کے مغربی اور مشرقی سواحل کے متعلق تھا۔ شمالی ہند میں بھی مسلمانوں کا ابتداء ہی سے اثر و رسوخ بڑھتا رہا۔ ولید کے دور حکومت میں سابق صوبہ سندھ پر محمد بن قاسم کے حملے نے مسلمانوں کے اثر و رسوخ کو اور بڑھا دیا اور پورا سندھ اور ملتان کا علاقہ مسلم سلطنت کا باج گزار بن گیا۔

بقول ڈاکٹر تارا چند

> دیبل، سومنات، بھروچ، کھمبات، سندان، اور چاول وغیرہ میں مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں آباد ہوگئیں ان میں سے تقریباً ہر ایک جماعت کی اپنی ایک علیحدہ علیحدہ مسجد تھی۔[2]

عرب اور ایرانی سیاحوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے مقامی لوگ مسلمانوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ سلیمان، ابن حوقل، ابوزید وغیرہ نے اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے۔

۱۔ ڈاکٹر تارا چند۔ تمدن ہند پر اسلامی اثرات۔ ص۔ ۶۹۔ ۷۱

۲۔ ایضاً ص۔ ۷۶

. Major : India in the Fifteenth century
Narrative of Voyage of Abdur Razzak.

مسعودی لکھتا ہے۔

> اس کی سلطنت (شاہ گجرات) میں اسلام کی عزت اور حفاظت کی جاتی ہے
> تمام علاقوں میں عبادت گاہیں اور شاندار مسجدیں بنی ہوئی ہیں۔
> جہاں مسلمان روزانہ پنج وقتہ نماز ادا کرتے ہیں۔[1]

الاصطخری (۹۵۱ھ) اور ابن حوقل (۹٦٨ھ) نے مسلمانوں کی آبادیوں اور مسجدوں کا ذکر کیا ہے۔ گیارھویں صدی عیسوی کا سیاح ادریسی لکھتا ہے۔

> انہلواڑہ میں مسلمان تاجر تجارت کے سلسلے میں جاتے رہتے ہیں۔
> بادشاہ اور اس کے وزیروں کی طرف سے ان کا احترام اور عزت کے
> ساتھ استقبال کیا جاتا ہے۔ اور ان کی پوری پوری حفاظت کی جاتی ہے۔[2]

محمود غزنوی کے حملوں سے قبل ہی مغربی ہند میں مسلمان اپنا اثر مقام حاصل کر چکے تھے۔ اور عوام میں تبلیغ و ارشاد کا کام شد و مد کے ساتھ جاری تھا۔ بارھویں صدی عیسوی میں ان علاقوں میں کافی مسلمان آباد ہوگئے تھے۔ مارکوپولو ( ) نے تقی الدین کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سندر پانڈے کا نائب وزیر اور مشیر تھا۔ اس کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا سراج الدین اور پوتا نظام الدین بالترتیب اس کے جانشین ہوئے۔ سنہ ۱۲۸٦ء میں پانڈے کا جو سفیر کبلائی خان (شاہ چین) کے دربار میں گیا تھا وہ جمال الدین کا بیٹا فخرالدین تھا جو چار سال تک چین میں رہا۔[3]

ساتویں صدی ہجری میں حضرت امیر خسرو (۷۲۵ھ) نے ملک کافور کی مہم کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان علاقوں میں مسلمان آباد تھے۔ اس کے بعد ابن بطوطہ آتا ہے۔ اس کے زمانہ میں غیاث الدین الدامغانی مدورا کا حاکم تھا۔ اس نے لکھا

۲۔ ڈاکٹر تارا چند۔ تمدن ہند پر اسلامی اثرات۔ ص۔ ۶۶

1. Elliot : Vol, I, P.27

3. Yule : Op. Cit.

ہے کہ واقعہ دھر بلال کے یہاں بیس ہزار مسلمانوں کا ایک فوجی دستہ تھا۔ پھر کیف ان تفصیلات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ دسویں صدی عیسوی میں مسلمان جنوبی اور مغربی سواحل اور شمالی ہند میں پھیل گئے تھے۔ بقول ڈاکٹر تارا چند۔

> انہوں نے بکثرت لوگوں کو ہندو سے اسلام کیا۔ اپنی مذہبی تعلیمات کی اشاعت کی۔ مسجدیں بنوائیں اور مقبرے تعمیر کئے۔ جو ان کے بزرگان دین اور ملکوں کی سرگرمیوں کے مرکز بنے رہے[1]

سرزمین پاک و ہند میں مسلمانوں کے اثر و رسوخ کے بعد یہاں کے باشندے سب سے پہلے جن علوم اسلامی سے متعارف ہوئے وہ علوم قرآنیہ تھے۔ بعض سیاحوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجدوں میں مدرسے قائم تھے اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا۔ بلکہ یہ روایت تو آج تک قائم ہے۔ پاک و ہند کی بیشتر مساجد میں عربی مدارس قائم ہیں اور قرآنی تعلیم کے لئے تو بیشمار مسجدوں میں چھوٹے چھوٹے مکتب کھلے ہوئے ہیں۔ مجموعی طور پر دنیا میں علوم قرآنی اور قرآن کریم کی بڑھتی ہوئی دلچسپی کی وجہ سے حجاج بن یوسف (گورنر عراق) نے پہلے پہل قرآن کریم کے حروف پر نقطے اور اعراب لگوائے اور اس طرح اس مشکل کو ختم کیا جو تلاوت قرآن میں عجمیوں کو پیش آسکتی تھی — پاک و ہند میں قرآن عظیم سے جس دلچسپی اور ذوق و شوق کا اظہار کیا گیا اس کے لئے یہاں ہم صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوگا کہ تیسری صدی ہجری ہی میں یہ دلچسپی اور لگاؤ کہاں سے کہاں تک پہنچا — پاک و ہند میں قرآنی تفاسیر اور تراجم کے سلسلے میں عربی اور فارسی میں جو شاندار کام ہوا ہے اس کو مناسب مقام پر بیان کر دیا ہے اور جو کچھ اردو میں ہوا ہے اس کا اندازہ پیش نظر مقالہ کی ضخامت سے ہو سکتا ہے۔

۱۔ ڈاکٹر تارا چند۔ تمدن ہند پر اسلامی اثرات۔ ص ۔ ۴۲

فرانسیسی تراجم

(۱) ڈوروبر (Dof Royer) نے ترجمہ کیا جو سنہ ۱۶۴۷ء
سنہ ۱۶۴۹ء ۔ سنہ ۱۶۵۱ء ۔ سنہ ۱۶۷۲ء میں پیرس میں شائع ہوا۔ اور سنہ ۱۶۸۳ء
سنہ ۱۶۸۵ء ۔ سنہ ۱۷۱۹ء ۔ سنہ ۱۷۲۳ء میں لاھائی میں شائع ہوا۔ سنہ ۱۷۳۴ء
سنہ ۱۶۵۶ء ۔ سنہ ۱۷۷۰ء ۔ میں امسٹرڈم (ھالینڈ) میں چھپا۔ اس ترجمے کو روس نے
سنہ ۱۶۴۹ء میں اپنی زبان میں منتقل کیا۔ سنہ ۱۶۵۸ء میں گلاسمیکر نے ڈچ زبان میں
اور پھر لانگی نے سنہ ۱۶۸۸ء میں جرمن زبان میں منتقل کیا۔ سنہ ۱۷۱۶ء میں اور
ڈیمٹریوس کانٹو نے جرمن زبان میں منتقل کیا اور پھر سنہ ۱۷۹۰ء میں فرنکین نے روسی زبان
میں منتقل کیا (۲) دوسرا ترجمہ سفری (Savary) نے کیا۔ جو سنہ ۱۷۸۳ء
سنہ ۱۸۲۱ء ۔ سنہ ۱۸۲۲ء ۔ سنہ ۱۸۲۶ء ۔ سنہ ۱۸۲۸ء ۔ سنہ ۱۸۲۹ء ۔ سنہ ۱۸۹۱ء
اور سنہ ۱۹۲۶ء میں پیرس سے شائع ہوا۔ سنہ ۱۷۷۶ء میں امسٹرڈم (ھالینڈ) سے شائع ہوا
سنہ ۱۸۸۲ء میں یہ ترجمہ اطالوی زبان میں منتقل کیا گیا سنہ ۱۹۱۳ء میں قسطلانی زبان میں
اور سنہ ۱۹۱۱ء میں ارمنی زبان میں منتقل کیا گیا۔[1] (۳) تیسرا ترجمہ کشمیرسکی
(Kasimirski) کا ہے سنہ ۱۸۴۵ء اور سنہ ۱۹۰۹ء کے درمیان جس کے بیس
ایڈیشن منظر عام پر آئے۔ سنہ ۱۹۲۱ء اور سنہ ۱۹۳۲ء میں پھر چھپے اور آجکل فرانس میں
یہ ترجمہ رائج ہے۔ سنہ ۱۸۴۴ء میں یہ ترجمہ روسی زبان میں منتقل ہوا اور سنہ ۱۹۱۱ء
میں ارمنی زبان میں منتقل کیا گیا۔[2] (۴) سنہ ۱۸۶۱ء میں فاطمہ زائدہ کا ترجمہ شائع ہوا۔
(۵) پانچواں ترجمہ ای۔ مونیہ (E. Monter) نے کیا جو پیرس میں چھپا
اور سنہ ۱۹۲۹ء میں اس کو اطالوی زبان میں منتقل کیا گیا۔ (۶) سنہ ۱۹۲۶ء میں
مارڈروس (Mardrus) کا ترجمہ شائع ہوا۔ (۷) سنہ ۱۹۲۱ء لامیش و امین
دلوّد کا ترجمہ شائع ہوا (۸) مولوی سالمان و بشاھی نے بھی ایک ترجمہ چھپوایا (۹) ڈاکٹر
موریس نے بھی ایک ترجمہ شائع کرایا (۱۰) سنہ ۱۹۲۶ء میں پیرس کی ایک علمی مجلس نے
قرآن کریم کے ایک حصہ کا ترجمہ "لی قرآن" کے نام سے شائع کرایا (۱۱) ڈاکٹر محمد
حمید اللہ نے بھی ایک ترجمہ کیا تھا جو کرسمس کے موقع پر شائع ہوا اور ہاتھوں ہاتھ ایک ڈیڑھ
لاکھ کے قریب کاپیاں نکل گئیں۔ یہ ترجمہ آنجہانی پروفیسر [illegible] کی فرمائش پر کیا تھا۔

جرمنی تراجم - (۱) سب سے پہلا ترجمہ مارٹن لوتھر (ولادت سنہ ۱۴۸۳ء) نے کیا تھا۔

(۱) شویگر (Schweigger) نے ایک ترجمہ کیا تھا۔ جو سنہ ۱۶۱۶ء سنہ ۱۶۲۳ء سنہ ۱۶۵۹ء اور ۱۶۶۴ء میں نورمبرگ سے شائع ہوا تھا

(۲) ڈاوڈ نار و (Davidnaarreter) نے بھی ایک ترجمہ کیا تھا جو سنہ ۱۷۰۳ء میں نورمبرگ سے چھپا تھا (۳) تیسرا ترجمہ مگرلین (Megrlin) کا تھا جو سنہ ۱۷۷۲ء میں فرانکفورٹ سے شائع ہوا (۴) چوتھا ترجمہ بوئسن (Boyson) کا سنہ ۱۷۷۳ء میں ہال میں شائع ہوا۔ (۵) پانچواں ترجمہ المان (Ulmann) نے کیا تھا جو سنہ ۱۸۴۰ء میں کریفلڈ سے آٹھ بار چھپا۔ سنہ ۱۸۹۷ء میں آخری اڈیشن نکلا

(٦) چھٹا ترجمہ ہیننگ (Henning) نے کیا جو سنہ ۱۹۰۱ء میں لیپزگ سے شائع ہوا۔ آج کل جرمنی میں یہی ترجمہ رائج ہے (۷) ساتواں ترجمہ فریگول (Frigull) نے کیا جو سنہ ۱۹۰۱ء میں ہال سے شائع ہوا (۸) روکرٹ (Ruckert) کا ترجمہ فرانکفورٹ سے سنہ ۱۸۸۰ء میں شائع ہوا۔

(۹) گرم (Grimme) کا ترجمہ سنہ ۱۹۲۳ء اور سنہ ۱۹۲۳ء میں برلن سے شائع ہوا (۱۰) گولڈ شمٹ (Goldschmidt) کا ترجمہ سنہ ۱۹۱٦ء اور سنہ ۱۹۲۳ء میں برلن سے شائع ہوا۔ (۱۱) لینگے (Lange) کا ترجمہ سنہ ۱٦۸۸ء میں ہمبرگ سے شائع ہوا (۱۲) سنہ ۱۷۴٦ء میں آرنلڈ (Arnold) کا ترجمہ شائع ہوا (۱۳) سنہ ۱۹۱۰ء میں کلامروتھ (Kilamroth) کا ترجمہ شائع ہوا

(۱۴) جماعت احمدیہ کا جرمن ترجمہ سنہ ۱۹۲۸ء میں برلن میں طبع ہوا۔

---

۱ - [illegible] Garsin De Tassy [illegible]

[illegible]

[illegible]

یونانی زبان ۔ (۱) پنتاکی (Pentaties) نے ایک ترجمہ کیا تھا جو سنہ ۱۸۸۰ء ۔ سنہ ۱۸۸٦ء اور سنہ ۱۹۲۸ء میں ایتھنز سے شائع ہوا تھا۔

لاطینی زبان ۔ (۱) سب سے پہلا ترجمہ (کلونی) کے راہب پطرس ترالیلس (م ۱۱۵۷ء) نے کیا۔ سنہ ۱۱۴۳ء میں یہ ترجمہ مکمل ہوا۔ ایک انگریز رابرٹ آف کیٹنا اور جرمن ہرمن آف ڈلیمشیا (Hermann of Dalmatia) نے نظر ثانی کی اور ایک عرصہ بعد سنہ ۱۵۴۳ء میں یہ ترجمہ باسل (سوئٹزرلینڈ) سے شائع ہوا۔ (۲) سنہ ۱۷۰۱ء پرنسلاٹ (پروشیا) کے ایک درویش بطولیا اکولتھو قرآن کا ایک ایڈیشن برلن سے شائع کیا جس میں عربی متن کے علاوہ فارسی ۔ ترکی اور لاطینی تراجم شامل تھے۔ یہ اب نایاب ہے۔

ہالینڈ ۔

(۱) پوشکیفو ([illegible]ravlego) نے سنہ ۱۸۵۸ء میں ترجمہ کیا جو ولیے سے شائع ہوا۔

اطالوی زبان ۔ (۱) اریفابین (Arrivabene) نے سنہ ۱۵۴۷ء میں ترجمہ کیا (۲) سنہ ۱۸۴۷ء میں کلزو (Celso) نے ترجمہ کیا (۳) سنہ ۱۸۸۲ء میں منزیری (Menzori) نے ترجمہ کیا جو سنہ ۱۸۸۲ء ۔ سنہ ۱۹۱۲ء اور سنہ ۱۹۱۳ء میں طبع ہوا (۴) چوتھا ترجمہ فیولانتی (Violente) نے کیا جو سنہ ۱۹۱۲ء میں روما میں شائع ہوا۔ (۵) سنہ ۱۹۱۳ء میں براشی (Brenchi) کا ترجمہ شائع ہوا۔ فرانسیسی زبان میں بھی اس کا ترجمہ کیا گیا (٦) سنہ ۱۹۱۴ء میں فراکاسی (Caracasci) کا ترجمہ شائع ہوا۔ (۷) سنہ ۱۹۲۸ء میں فروجو (Frojo) کا ترجمہ طبع ہوا اور میلان سے شائع ہوا (۸) سنہ ۱۹۲۹ء میں بونلی (Bonelli) کا ترجمہ میلان سے شائع ہوا۔

پرتگالی زبان ۔ (۱) ایک ترجمہ فرانسیسی زبان سے کیا گیا۔

ہسپانوی زبان۔

(۱) سنہ ۱۸۴۴ء ڈی رولس (De Roles) کا ترجمہ میڈرڈ سے شائع ہوا (۲) سنہ ۱۸۴۲ء میں آرتز (Ortiz) کا ترجمہ برشلونہ سے شائع ہوا (۳) سنہ ۱۸۶۵ء میں مرجیونڈو (Merpwindo) کا ترجمہ میڈرڈ سے شائع ہوا (۴) سنہ ۱۹۰۷ء میں براوو (Bravo) کا ترجمہ برشلونہ سے شائع ہوا۔ (۵) کاٹو (Cato) کا ترجمہ سنہ ۱۹۱۳ء، سنہ ۱۹۳۱ء اور سنہ ۱۹۳٦ء میں میڈرڈ سے شائع ہوا۔

سرویا زبان۔

(۱) سنہ ۱۸۹۵ء میں میکولو بیبر اشڈن (Micolabibratco) کا ترجمہ بلگریڈ سے شائع ہوا۔

ڈچ زبان۔

(۱) سنہ ۱٦۴۱ء میں شویگر (Schweigger) کا ترجمہ ہمبرگ سے شائع ہوا (۲) گلاسماتر (Glassmater) کا ترجمہ سنہ ۱٦۵۸ء میں شائع ہوا (۳) سنہ ۱۸۵۹ء میں تولنس (Tollens) کا ترجمہ ہالے حما سے شائع ہوا (۴) کیزر (Keyzer) کا ترجمہ سنہ ۱۸٦۰ء – سنہ ۱۸۴۸ء – ۱۹۰۵ء اور سنہ ۱۹۱٦ء میں ہارلیم سے شائع ہوا۔

جرمن زبان۔

(۱) روکلڈرف (Reckendorf) کا ترجمہ سنہ ۱۸۵۷ء میں لیپزگ سے شائع ہوا تھا (۲) دوسرا ترجمہ رفلین (... line) کا سنہ ۱۹۳۲ء میں بیت المقدس سے شائع ہوا تھا۔

– سنہ ۱۸۸۳ء میں ہرٹن لز کا ترجمہ شائع ہوا۔ ایک اور ترجمہ جو ہانس الاریا سن کا شائع ہوا۔

عبرانی زبان (۱) روکنڈورف (Reckendarf) کا ترجمہ سنہ ۱۸۵۶ء لیزگ سے شائع ہوا تھا (۲) دوسرا ترجمہ رفلین (Rivlina) کا سنہ ۱۹۳۲ء میں بیت المقدس سے شائع ہوا تھا۔

ڈنمارک (۱) سنہ ۱۹۱۹ء میں پڈرسن (Pederson) کا ترجمہ کوپن ہیگن سے شائع ہوا تھا (۲) دوسرا ترجمہ بول (Buhl) کا سنہ ۱۹۲۱ء میں کوپن ہیگن ہی سے شائع ہوا تھا۔

ارمنی زبان (۱) امیر خانیانز (Amirohanjang) کا ترجمہ سنہ ۱۹۰۹ء اور سنہ ۱۹۱۰ء میں ورنہ سے شائع ہوا تھا (۲) دوسرا ترجمہ سنہ ۱۹۱۱ء میں لورنز (Lorenz) کا آستانہ سے شائع ہوا تھا (۳) تیسرا ترجمہ کوربطیان (Kourbetien) کا سنہ ۱۹۱۲ء میں ورنہ سے شائع ہوا۔

بلغاری زبان (۱) توموف وشولوف (Tanovet Shulev) کا ترجمہ سنہ ۱۹۳۲ء میں صوفیا سے شائع ہوا تھا۔

رومانی زبان (۱) ایسو پسکل (Isopescul) کا ترجمہ سنہ ۱۹۱۲ء میں شائع ہوا۔

هنگری زبان (۱) زدماییرولاجون (S Zedmayerelgoden) کا ترجمہ سنہ ۱۸۵۴ء میں شائع ہوا (۲) ایک ترجمہ غرزون (Gerzon) نے بھی کیا تھا۔

جاپانی زبان (۱) ساکاموتو (Sakamoto) کا ترجمہ ٹوکیو سے شائع ہوا تھا۔

بوھیمیہ زبان (۱) فسلی (Vesely) کا ترجمہ سنہ ۱۹۲۵ء میں پراگ سے شائع ہوا تھا
(۲) دوسرا ترجمہ نیکل (Nykl) کا سنہ ۱۹۳۲ء میں پراگ سے شائع ہوا تھا۔

چینی تراجم (۱) سنہ ۱۹۲۱ء میں چن چا کای (Chinchakme) کا ترجمہ شائع ہوا (۲) سنہ ۱۹۲۳ء میں لوین جوڈ ہوا جو جز کا ترجمہ شائع ہوا (۴) سنہ ۱۹۳۵ء میں پلو من چین چنگ (Pauminchenching) کا ترجمہ شائع ہوا۔ اور (۵) سنہ ۱۹۲۷ء میں تی چنگ کا ترجمہ منظر عام پر آیا۔

سویڈن تراجم - (۱) سنہ ۱۸۴۳ء میں کروسن سٹولپ (Crusenstolpe) کا ترجمہ اسٹاکھلم سے شائع ہوا (۲) سنہ ۱۸۷۴ء میں تورنبرگ (Tornberg) کا ترجمہ لندن سے شائع ہوا (۳) سنہ ۱۹۱۷ء میں زیٹرسٹین (Zetterstéen) کا ترجمہ اسٹاکھلم سے شائع ہوا۔

سواحیلیہ (۱) سنہ ۱۹۲۲ء میں ڈیل ([illegible]) کا ترجمہ شائع ہوا۔

گجراتیہ (۱) سنہ ۱۸۷۹ء میں عبد القادر بن لقمان کا ترجمہ بمبئی سے شائع ہوا
(۲) سنہ ۱۳۰۶ھ اور سنہ ۱۳۱۱ھ میں حافظ عبد الرشید کا ترجمہ دہلی سے شائع ہوا
(۳) سنہ ۱۹۰۰ء میں محمد اصفہانی کا ترجمہ بمبئی سے شائع ہوا (۴) سنہ ۱۹۰۲ء میں غلام علی کا ترجمہ شائع ہوا۔

جاوی (۱) سنہ ۱۹۰۲ء میں تیاوپاہ (Nyavpah) کا ترجمہ شائع ہوا۔

نوٹ — میونخ (جرمنی) قرآنی لٹریچر سے متعلق ایک مخصوص کتب خانہ ہے جو پہلے مشہور مستشرق نولدیکی کی نگرانی میں تھا بعد میں لوگو پریزل اس کا جانشین مقرر ہوا۔ قرآنی علوم پر اتنا عظیم ذخیرہ ایک جگہ کہیں نہیں پایا جا سکتا۔
(معارف — مارچ سنہ ۱۹۴۰ء ص — ۲۲)

ترکی زبان (۱) ترجمہ حسین حبیب آفندی (۲) ترجمہ علامہ جمال (۳) ترجمہ شیخ احمد داغستانی ۔ یہ ترجمہ نواب سکندر بیگم (سنہ ۱۲۸۵ھ) والیہ بھوپال کی فرمائش پر ہوا۔

ہندی زبان (۱) رئیس الشعراء خان بہادر احمد اللہ دہر (سکندر آباد) نے کیا جو غالباً سنہ ۱۳۵۰ھ میں شائع ہوا۔

اطالی (۱) ایک ترجمہ سنہ ۱۳۱۹ھ میں شائع ہوا تھا۔

تراجم کے متعلق جو مندرجہ بالا معلومات فراہم کی گئیں یہ "کل" نہیں بلکہ "کل" کا ایک "جزو" ہیں۔ انگریزی تراجم پر مولانا عبد الماجد دریا آبادی نے تحقیق فرمائی اور سندھی تراجم پر ڈاکٹو شمل (جرمنی) نے تحقیق کی اس لیے ان کے متعلق زیادہ معلومات ہو سکیں۔ اسی طرح اگر ہر زبان کے متعلق تحقیق کی جائے تو بےشمار تراجم و تفاسیر کا پتا چل سکتا ہے۔

—

حکیم محمد شریف خان ۔ ترجمہ قرآن ۔ تالیف قبل سنہ ۱۲۱٦ھ / ۱۸۰۱ء

حکیم محمد شریف خان نے شاہ عالم ثانی (سنہ ۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۹ء تا سنہ ۱۲۲۱ھ / ۱۸۰٦ء)[1] کے دورِ حکومت قرآن پاک کا ترجمہ کیا تھا ۔ اس ذکر مفتی انتظام اللہ شہابی نے اپنے ایک مضمون میں کیا تھا اور چند آیات کا نمونہ بھی دیا تھا ۔[2] مزید یہ ہوا مولوی عبد الحق مرحوم نے اپنے ایک ~~مضمون میں کیا تھا~~ مقالہ میں اس ترجمہ کا ذرا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا تھا ۔ اور ترجمہ کا نمونہ بھی نقل کیا تھا ۔ مولوی صاحب نے تحریر فرمایا تھا ۔

> شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں قرآن پاک کے کئی ترجمے ہوئے شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کے ترجمے بھی اسی زمانے کے ہیں ایک اور ترجمہ جو بادشاہ کے ایما سے ہوا وہ دلی کے نامور طبیب حکیم محمد شریف خان مرحوم کا کیا ہوا ہے یہ ترجمہ قلمی ہے اس وقت حکیم محمد احمد خان صاحب کے کتب خانے میں موجود ، ہے اور مولانا ابوالکلام آزاد کی وساطت سے ہمیں اس کی زیارت نصیب ہوئی ۔ فاضل مترجم نے ترجمہ کے آخر میں جو عبارت تحریر کی ہے اس سے اس ترجمے کی کیفیت معلوم ہوگی —— وہ عبارت یہ ہے ۔

---

1 ۔ Elliot and Dowson. Studies in Indian History, Part III, Calcutta, 1956, p-86

2 ۔ مفتی انتظام اللہ شہابی ۔ رسالہ "کنول" (آگرہ) مطبوعہ ۱۹۳۵ ۔ ۳٦
مقالہ بعنوان "عربی میں اردو"

نوٹ ۔ مولوی سخاوت مرزا نے لکھا ہے کہ شہابی صاحب نے اس ترجمہ کا ذکر اپنے مضمون "سخنوران اکبر آباد" مطبوعہ رسالہ "کنول" میں کیا ہے
(" قومی زبان " شمارہ ستمبر سنہ ۱۹٦۰ء ص ۱۹) یہ صحیح نہیں

لله الحمد و المنة که این تفسیر سلاست تحریر حسب الامر والا رفیع اشرف اعلیٰ بادشاہ جمجاہ دین پناہ السلطان ابن السلطان الخاقان ابن الخاقان اسد المعارک والمغازی جلال الدین محمد شاہ عالم بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و فاض علی العالمین برہ و احسانہ۔ ذرہ خاکسار بے مقدار حکیم محمد شریف خان ابن حاذق الملک حکیم محمد اکمل خان مرحوم شروع در تسوید و تحریر آن نمودہ بود۔ بمساعدت توفیق الٰہی و مساعدت اقبال شہنشاہی در تحریر تبییض آنہ زیب و زینت اختتام پذیرفت۔ الحمد اللہ الذی بتوفیقہ۔ تمت ھذا التفسیر یوم الجمعۃ فی التاسع من ذی القعدہ بید الحقیر محمد بدر الدین عوض اللہ بن خیر اللہ[1]

اس نسخہ سے اس کا اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ ترجمہ کس زمانے میں لکھا گیا۔ بعض حضرات کا قیاس ہے کہ یہ ترجمہ شاہ عبد القادر کے ترجمے سے قبل کیا گیا تھا۔ چنانچہ پروفیسر حامد حسن قادری نے لکھا ہے۔

" رفتار اردو کے سلسلے میں حکیم شریف خان کا بڑا کارنامہ قرآن مجید کا اردو ترجمہ ہے جو حضرت شاہ عبد القادر دہلوی کے ترجمے اردو سے تقریباً بیس سال پہلے کا ہے۔ لیکن آج تک غلط و گمنام ہے۔ حکیم محمد احمد خان دہلوی مرحوم (متوفی سنہ ۱۹۳۶ھ) کے پاس یہ پورا ترجمہ مترجم کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود تھا۔ اور

۱۔ مولوی عبد الحق۔ قدیم اردو۔ ص ۱۳۶ (مقالہ مطبوعہ سنہ ۱۹۳۶ء)

مفتی الٰہی اللہ دہلوی نے دیکھا تھا۔ مفتی صاحب نے اپنی تالیف "پنجاب میں اردو" میں اس ترجمہ میں سے سورۂ فاتحہ کی صرف پہلی ۶ آیتوں کا ترجمہ نقل کیا ہے۔ [1]

قادری صاحب کے اندازے کے مطابق یہ ترجمہ سنہ ۱۱۹۰ھ میں مکمل ہو جانا چاہیئے۔ لیکن جب یہ حقیقت ہے کہ یہ ترجمہ شاہ عالم کے ایما سے لکھا گیا تو اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس وقت تو شاہ عالم دہلی میں موجود بھی نہ تھا۔

دائرۃ المعارف الاسلامیہ (اردو) میں بھی مقالہ نگار سید وقار حسین اور عبد الستار نے اس ترجمہ کو نہ صرف شاہ عبد القادر کے ترجمہ پر اولیت بخشی بلکہ اردو زبان میں پہلا ترجمہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:

اردو میں پہلا تحریری ترجمہ حکیم محمد شریف خاں (م ۱۲۲۲ھ / ۱۸۰۴ء) نے لکھا [2]

مقالہ نگار نے یہاں ایک فاش غلطی کی ہے۔ حکیم محمد شریف خان کا سنہ وفات سنہ ۱۲۲۲ھ تحریر کیا ہے۔ حالانکہ ان کا انتقال سنہ ۱۲۱۶ھ (۱۸۰۱ء) میں ہوا۔ اس بارے میں مختلف فضلاء سے تسامح ہوگیا ہے۔ چنانچہ نظامی بدایونی۔

۱۔ حامد حسن قادری۔ داستان تاریخ اردو۔ آگرہ سنہ ۱۹۴۱ء ص ۔ ۲ ۔ ۱۵۲

۲۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ (اردو) پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور اکتوبر سنہ ۱۹۶۰ء ... ص ۵۳۲

۳۔ نظامی بدایونی۔ قاموس المشاہیر۔ بحوالہ محمد ایوب قادری "قومی زبان" نومبر سنہ ۱۹۶۰ء ص ۳۰

قاضی عبد الغفار مراد آبادی[1] اور مولانا عبد الحئی لکھنوی[2] ~~سے سہو ہوگیا ہے۔~~
~~چنانچہ غلطی~~ نے سنہ ۱۲۲۲ھ لکھا ہے اور مولانا رحمٰن علی نے سنہ ۱۲۲۱ھ
لکھا ہے[3] لیکن یہ دونوں سنہ صحیح نہیں۔ مولوی عبد الحق مرحوم کو حکیم
محمد احمد خان نے سنہ ۱۲۱٦ھ بتایا تھا۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے۔

"حکیم صاحب کا انتقال جیسا کہ حکیم محمد احمد خان صاحب کی
زبانی معلوم ہوا۔ سنہ ۱۲۱٦ھ (سنہ ۱۸۰۱ء) میں ہوا۔ اس
سے ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ اس سے قبل کا ہوگا۔[5]

سید محبوب رضوی نے بھی اس ترجمہ قرآن کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"اردو کے قدیم تراجم میں ایک ترجمہ دہلی کے مشہور طبیب
حکیم شریف خان (وفات سنہ ۱۲۲۲ھ) کا بھی بتلایا ہے۔
لیکن یہ ترجمہ ابتک شائع نہیں ہو سکا[6]

۱۔ قاضی عبد الغفار مراد آبادی۔ حیات اجمل۔ بحوالہ قادری ص ۳۰

۲۔ عبد الحئی الکھنوی۔ نزہتہ الخواطر۔ جلد ہفتم۔ بحوالہ قادری۔ ص ۳۰

۳۔ مولانا رحمان علی۔ تذکرہ علمائے ہند۔ بحوالہ قادری ص ۳۰

۴۔ مولوی عبد الحق۔ قدیم اردو۔ ص ۱۲٦

۵۔ سید محبوب رضوی۔ رسالہ "دارالعلوم" شمارہ اگست سنہ ۱۹۵۵ء ص ۲۸
(الف)

(ب) حکیم محمد شریف خان۔ حیات قانون (مقدمہ شرح) ص ۱۲

بہر حال مختلف فضلاء نے اس ترجمہ کا ذکر کیا ہے لیکن کوئی یہ حتمی فیصلہ نہ کرسکا کہ آیا یہ ترجمہ شاہ عبدالقادر کے ترجمے سے پہلے کا ہے۔ اس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں۔

(۱) شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے تراجم کی موجودگی میں شاہ عالم کا ایک نیا ترجمہ کرانا کچھ عجیب سی بات ہے۔

(۲) شاہ عبدالقادر کا وصال سنہ ۱۲۴۳ھ میں ہوا اور شاہ رفیع الدین کا انتقال سنہ ۱۲۴۹ھ میں ہوا اور حکیم صاحب کا انتقال سنہ ۱۲۱۶ھ میں ہوا گویا شاہ عبدالقادر سے ۲۷ برس پہلے اور شاہ رفیع الدین سے ۳۳ سال قبل حکیم صاحب کا انتقال ہوچکا تھا۔

(۳) شاہ عبدالقادر یا شاہ رفیع الدین کا ترجمہ ہوچکا ہوتا تو حکیم صاحب اس کا ضرور ذکر فرماتے۔ بلکہ ان علمائے قرآن کے سامنے ترجمہ کی جرأت بھی نہ فرماتے۔

حکیم محمد شریف خان نے اس ترجمہ کو "تفسیر سلاست تحریر" فرمایا ہے مگر ڈاکٹر عبدالحق مرحوم کا اس کے متعلق یہ خیال ہے۔

"حکیم صاحب اسے تفسیر کہتے ہیں لیکن در حقیقت ترجمہ ہے۔ البتہ کہیں کہیں ایک آدھ لفظ ترجمہ کی صراحت کے لیے بڑھا دیا گیا ہے ——
اس کی زبان شاہ عبدالقادر مرحوم کے ترجمے کے مقابلے میں زیادہ صاف ہے اور لفظی پابندی ویسی سختی نہیں کی گئی ہے۔ اردو زبان کی ترکیب کا نسبتاً زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔ نیز شاہ صاحب کی طرح ہندی میں نہیں بلکہ ریختے میں ترجمہ کیا ہے۔"

نمونہ سورہ فاتحہ

(اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) پناہ پکڑتا ہوں میں اور التجا کرتا ہوں میں ساتھ اللہ کے بدی شیطان وسوسہ ڈالنے والے کی سے کہ دور رحمت سے ہے اور نکالا گیا بہشت سے (بسم اللہ الرحمن الرحیم) شروع کرتا ہوں میں قرآن کو ساتھ نام اللہ لائق بندگی کے بلانہایت بخشنے والا اوپر خلق کے وجود دینے سے دنیا میں مہربان ہے اوپر ان کے آخرت میں

(ترجمہ سورہ فاتحہ)

جو تعریف کہ اول سے آخر تک موجود ہے۔ لائق ہے واسطے اللہ کے کہ پالنا والا ہے تمام عالموں کو بخشنے والا وجود کا آخرت میں مہربان داخل کرنے بہشت کے ہے۔ مالک دن قیامت کے کا تصرف کرنے والا اس دن جو چاہے گا کرے گا۔ خاص تجھی کو بندگی کرتے ہیں ہم اور خاص تجھی سے مدد مانگتے ہیں اور بیچ بندگی تیری کے دکھا تو ہم کو راہ سیدھی۔ بیچ قول کے اور فعل کے اور اخلاق کے اوپر راہ ان لوگوں کی ——— اور نہ راہ گمراہوں کی۔

مندرجہ بالا اقتباس کے بعد بقول ڈاکٹر عبد الحق کچھ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ اس کی زبان شاہ عبد القادر کے ترجمے میں ذرا صاف ہے۔ اس میں تو کچھ شاہ رفیع الدین کا رنگ نظر آتا ہے۔ اور عدم احتیاط کی وجہ سے اصل ترجمے کے ساتھ وضاحت مفہوم کے لیے اپنی طرف سے الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ جس کا نام تفسیر ہے۔

مولوی عبد الحق مرحوم۔ قدیم اردو۔ ص [illegible]

اور اس تفسیر کے لیے کوئی مابہ الامتیاز نشان نہیں رکھا۔

راقم نے بھی اس ترجمہ کو دیکھنے کی کوشش کی۔ چنانچہ سنہ ۶۳ء میں دہلی جانا ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ ترجمہ حکیم اجمل خان کے صاحبزادے حکیم محمد جمیل خان کے پاس ہے مگر معلوم کرنے پر پتا چلا کہ انہوں نے مختلف مخطوطات جن میں یہ ترجمہ بھی شامل تھا، کسی صاحب کو ہدیۃً دے دیے۔ لہذا یہ سفر بے ثمر ہوا۔ اور محرومی و ناکامی کے ساتھ واپس آنا پڑا۔

ترجمہ قرآن مجید۔ زمانہ تالیف سنہ ۱۲۱۶ھ / ۱۸۰۲ء تا ۱۲۱۹ھ / ۱۸۰۴ء

مولفین۔

(۱) مولوی امانت اللہ۔ مترجمہ فورٹ ولیم کالج کلکتہ

(۲) مولوی فضل اللہ۔ مترجم فورٹ ولیم کالج کلکتہ

(۳) میر بہادر علی حسینی (مشاہرہ ۸۰ روپے ماہوار، ہیڈ منشی ۲۰ مئی سنہ ۱۸۰۱ء کو فورٹ ولیم کالج میں تقرر ہوا۔)

(۴) کاظم علی جوان۔ (مشاہرہ ۸۰ روپے ماہوار، مترجم ۱۰ نومبر سنہ ۱۸۰۰ء کو فورٹ ولیم کالج میں تقرر ہوا۔)

(۵) حافظ غوث علی (مترجم فورٹ ولیم کالج۔ کلکتہ)

ضمیمہ نمبر ۳

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے خطابات کے عنوانات

O

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی تقاریر کی عنوان آیات مبارکہ

ڈاکٹر مسعود احمد نے ۱۹۴۸ء سے تقریر کا آغاز کیا لیکن سنہ مذکور سے ۱۹۷۳ء تک کا ریکارڈ نہ مل سکا جو ریکارڈ میسر آیا اس میں سے صرف آیات کے عنوانات پیش کئے جا رہے ہیں تا کہ یہ محفوظ رہیں اور ان سے ڈاکٹر صاحب کے عقائد و افکار ذہنی رجحانات کا اندازہ بھی لگایا جا سکے گا ڈاکٹر صاحب کی تقاریر پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری، ڈاکٹر عدنان خورشید اور محمد عبد الستار طاہر وغیرہ مرتب کر رہے ہیں، یہ انہی کی کاوش کا نتیجہ ہے۔

ڈاکٹر صاحب ماہانہ مریدین و معتقدین کی محافل میں دو خطابات فرماتے ہیں اور مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا درس ایک مخصوص محفل میں دیتے ہیں۔ اس طرح ہر سال خطابات اور درسی تقریروں کی تعداد تقریباً ۳۶ ہو جاتی ہے۔ مجموعی طور پر سالانہ ۹۰ سے زیادہ خطابات ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی تصنیف و تالیف اور خطابات و درسی تقریروں کا سلسلہ جاری رہتا ہے اس لئے اعداد و شمار وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ حتمی طور پر کوئی عدد پیش نہیں کیا جا سکتا ہے:-

ہر لحظہ نیا شوق نئی برق تجلی
اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے

اب ہم تقاریر کی عنوان آیات مبارکہ باعتبار تاریخ و سنین پیش کر رہے ہیں:-

۱۵ ستمبر ۱۹۷۲ء

وَ سَلٰمٌ عَلَیۡهِ یَوۡمَ وُلِدَ وَ یَوۡمَ یَمُوۡتُ وَ یَوۡمَ یُبۡعَثُ حَیًّاO

''اور سلامتی ہے اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے گا اور جس دن مردہ اٹھایا جائے گا''۔

(سورۂ مریم، آیت ۱۵)

O

۲۲ ستمبر ۱۹۷۵ء

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ٥ وَ طُوْرِسِيْنِيْنَ ٥ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ٥

''انجیر اور زیتون کی قسم، اور طور سینا، اور اس امان والے شہر کی۔ بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا''

(سورۃ التین، آیت ۱ تا ۴)

O

۱۹ اکتوبر ۱۹۷۶ء

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ٥

''بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں''

(سورۂ حجر، آیت ۹)

O

۷ جولائی ۱۹۷۷ء

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ٥

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو''

(سورۂ التوبہ آیت ۱۱۹)

O

۲۲جون ۱۹۷۸ء

يَآ اَيُّهَاالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡااسۡتَعِيۡنُوۡ بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ○

''اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد چاہو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

(سورۃ البقرہ، آیت ۱۵۳)

○

۴جولائی ۱۹۷۸ء

فَاذۡكُرُوۡنِىۡٓ اَذۡكُرۡكُمۡ وَ اشۡكُرُوۡا لِىۡ وَلَا تَكۡفُرُوۡنِ○

''تم میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا اور میرا حق مانو اور میری ناشکری نہ کرو''

(سورۃ البقرہ، آیت ۱۵۲)

○

۳۰مارچ ۱۹۷۹ء

بَلٰى مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ○

''ہاں کیوں نہیں جس نے اپنا منہ جھکایا اللہ کے لئے اور وہ محسن نیکوکار ہے تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے۔ اور انہیں نہ کچھ خوف ہو اور نہ کچھ غم''

(سورۃ البقرہ، آیت ۱۱۲)

○

۱۱ستمبر ۱۹۷۹ء

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡرِىۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ ؕ

''اور کوئی آدمی اپنی جان بیچتا ہے اللہ کی مرضی چاہنے میں''

(سورۃ البقرہ، آیت ۲۰۷)

O

۱۵ مئی ۱۹۸۴ء

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ

"اے محبوب (ﷺ) تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرماں بردار ہو جاؤ، اللہ تمہیں دوست رکھے گا"

(سورۂ آلِ عمران، آیت ۳۱)

O

۸ اگست ۱۹۸۴ء

وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ o الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰی مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوةِ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ o

"اور اے محبوب! خوشی سنادو ان تواضع والوں کو، کہ جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں"

(سورۂ حج، آیت ۳۴، ۳۵)

O

۱۲ ستمبر ۱۹۸۴ء

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّةَ مُبٰرَکًا وَّهُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ o فِیْهِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ج

"بے شک سب میں پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کو مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا، سارے جہان کا راہنما، اس میں کھلی نشانیاں ہیں - ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ"

(سورۂ آلِ عمران، آیت ۹۶، ۹۷)

O

۸ دسمبر ۱۹۸۴ء

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ كُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوراً مُّبِيْناًO

''اے لوگو بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی ہے، اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور اُتارا''

(سورۂ نساء، آیت ۱۷۵)

O

۱۹ دسمبر ۱۹۸۴ء

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَO

''تو وہ جو اس پر ایمان لائیں، اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں، اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا، وہی بامراد ہوئے''

(سورۃ الاعراف، آیت ۱۵۷)

O

۲۵ فروری ۱۹۸۵ء

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُO

''پاس آئی قیامت اور شق ہو گیا چاند''

(سورۂ قمر، آیت ۱)

O

۲۹اپریل ۱۹۸۵ء

اَلآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ O

"بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم"

(سورۂ یونس، آیت ۶۲)

O

۲۰جون ۱۹۸۵ء

اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ O حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ O

"تمہیں غافل رکھا مال کی زیادہ طلبی نے، یہاں تک کہ تم نے قبروں کا منہ دیکھا"

(سورۂ تکاثر، آیت ۱، ۲)

O

۱۸فروری ۱۹۸۶ء

وَ سَیُجَنَّبُھَا الْاَتْقَی O الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی O

"اور بہت اس سے دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار، جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو"

(سورۂ لیل، آیت ۱۷، ۱۸)

O

۲۶اپریل ۱۹۸۶ء

اِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰھٖمَ رَبُّهٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا O

"جب ابراہیم کو اس کے رب نے کچھ باتوں سے آزمایا تو اس نے وہ پوری کر دکھائیں- فرمایا میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔"

(سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۴)

O

۱۱ جون ۱۹۸۶ء

رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّهٗ ۝

"اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی، یہ اس کے لئے جو اپنے رب سے ڈرے"

(سورۂ بینہ، آیت ۸)

۝

۱۳ جون ۱۹۸۶ء

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ وَ جَاهِدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِهٖ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو، اور اس کی راہ میں جہاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ"

(سورۂ مائدہ، آیت ۳۵)

۝

۱۴ ستمبر ۱۹۸۶ء

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰهُ عَلَیۡكُمۡ وَ زَادَهٗ بَسۡطَةً فِی الۡعِلۡمِ وَ الۡجِسۡمِ ؕ وَ اللّٰهُ یُؤۡتِیۡ مُلۡكَهٗ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ۝

"فرمایا اسے اللہ نے تم پر چن لیا اور اسے علم اور جسم میں کشادگی دی اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دے، اور اللہ وسعت والا علم والا ہے"

(سورۂ بقرہ، آیت ۲۴۷)

۝

۱۴ ستمبر ۱۹۸۶ء

وَ قَالَ لَهُمۡ نَبِیُّهُمۡ اِنَّ اٰیَةَ مُلۡكِهٖۤ اَنۡ یَّاۡتِیَكُمُ التَّابُوۡتُ فِیۡهِ سَكِیۡنَةٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَ بَقِیَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوۡسٰی وَ اٰلُ هٰرُوۡنَ تَحۡمِلُهُ

الْمَلٰٓئِكَةُ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝

''اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت، جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی۔ اٹھاتے لائیں گے اسے فرشتے، بے شک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر ایمان رکھتے ہو''

(سورۂ بقرہ، آیت ۲۴۸)

۝

۱۵ نومبر ۱۹۸۶ء

وَ اِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ۝ وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۝

''اور ضرور تمہارے لئے بے انتہا ثواب ہے، اور بے شک تمہاری خو بو بڑی شان کی ہے''

(سورۂ قلم، آیت ۳، ۴)

۝

۵ فروری ۱۹۸۷ء

الٓمّٓ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ۝ فِیْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ۝ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ ط لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ ط وَ يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ۝ وَعْدَ اللّٰهِ ط لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۝

''رومی مغلوب ہوئے پاس کی زمین میں۔ اور اپنی مغلوبی کے بعد عنقریب غالب ہوں گے چند برس میں۔ حکم اللہ ہی کا ہے آگے اور پیچھے۔ اور اس دن ایمان والے خوش ہوں گے اللہ کی مدد سے۔ مدد کرتا ہے جس کی چاہے اور وہی ہے عزت والا مہربان۔ اللہ کا وعدہ، اللہ اپنا وعدہ خلاف نہیں کرتا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے''۔

(سورۂ روم، آیت ۱ تا ۶)

○

۱۳ اپریل ۱۹۸۷ء

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○

"بے شک جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یہ ضرور ہمت کے کام ہیں"

(سورۃ الشوریٰ، آیت ۴۳)

○

۵ ستمبر ۱۹۸۷ء

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ○

"تو کیسی ہو گی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں، اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں"۔

(سورۂ نساء، آیت ۴۱)

○

۱۹ اکتوبر ۱۹۸۷ء

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

"اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے"۔

(سورۂ نحل، آیت ۱۲۵)

○

۲۰ نومبر ۱۹۸۷ء

وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ○

"اور بے شک اس کا چرچا اگلی کتابوں میں ہے"

(سورۂ شعراء، آیت ۱۹۶)

O

۱۰ اپریل ۱۹۸۷ء

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوۡا بِرَسُوۡلِهٖ

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔"

(سورۂ حدید، آیت ۲۸)

O

۵ جون ۱۹۸۷ء

قُلۡ اِنۡ کَانَ اٰبَآؤُکُمۡ وَ اَبۡنَآؤُکُمۡ وَ اِخۡوَانُکُمۡ وَ اَزۡوَاجُکُمۡ وَ عَشِیۡرَتُکُمۡ وَ اَمۡوَالُۨ اقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَ تِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ کَسَادَهَا وَ مَسٰکِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیۡکُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیۡ سَبِیۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ ۞

"تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال، اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کے مکان، یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کے راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا"

(سورۂ توبہ، آیت ۲۴)

O

۳۰ نومبر ۱۹۸۷ء

رَبَّنَا وَ ابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِکَ وَ یُعَلِّمُهُمُ

اَلْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَ یُزَکِّیْھِمْ ط

"اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہی میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب ستھرا فرمادے"۔

(سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۹)

O

۲۵ جنوری ۱۹۸۸ء

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَاO وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَاO ط

"بے شک مراد کو پہنچا جس نے اسے ستھرا کیا اور نامراد ہوا جس نے اسے معصیت میں چھپایا"۔

(سورۂ شمس، آیت ۹، ۱۰)

O

۲۷ و ۳۰ مارچ ۱۹۸۸ء

لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَۃِ ط لَاتَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ط ذٰلِکَ ھُوَالْفَوْزُ الْعَظِیْمُO

"انہیں خوش خبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں یہی بڑی کامیابی ہے"

(سورۂ یونس، آیت ۶۴)

O

۱۴ فروری ۱۹۸۹ء

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَO

"سب خوبیاں اللہ کو جو مالک سارے جہان والوں کا"

(سورۂ فاتحہ، آیت ۱)

O

۱۸ فروری ۱۹۸۹ء

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

"ہم کو سیدھا راستہ چلا، راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا"

(سورۂ فاتحہ، آیت ۶،۵)

O

۱۹ فروری ۱۹۸۹ء

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

"وہی ہے کہ اپنے بندہ پر روشن آیتیں اتارتا ہے تاکہ تمہیں اندھیریوں سے اجالے کی طرف لے جائے اور بے شک اللہ تم پر ضرور مہربان رحم والا"

(سورۂ حدید، آیت ۹)

O

۵ مارچ ۱۹۸۹ء

الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

"جس نے قلم سے لکھنا سکھایا، آدمی کو سکھایا جو نہ جانتا تھا۔"

(سورۂ علق، آیت ۵،۴)

O

۱۸ / مارچ ۱۹۸۹ء

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ،

"اور نیکی اور بدی برابر نہ ہو جائیں گی۔"

(سورۂ حم السجدہ، آیت ۳۴)

O

یکم اپریل ۱۹۸۹ء

الٓمّٓ O ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَارَيْبَ فِيْهِ O

''وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں۔''

(سورۂ بقرہ، آیت ۱، ۲)

O

۱۷ اپریل ۱۹۸۹ء

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ O اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ O

''بے شک جتنے کافر ہیں کتابی اور مشرک، سب جہنم کی آگ میں ہیں، ہمیشہ اس میں رہیں گے، وہی تمام مخلوق میں بدتر ہیں۔ بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے، وہی تمام مخلوق میں بہتر ہیں۔''

(سورۂ بینہ، آیت ۶، ۷)

O

۲۸ اپریل ۱۹۸۹ء

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ط

''آدمی کے لئے بدلی والے فرشتے ہیں اس کے آگے پیچھے، کہ حکم خدا اس کی حفاظت کرتے ہیں۔''

(سورۂ رعد، آیت ۱۱)

O

۱۱ اگست ۱۹۸۹ء

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ

لَآ تَشْعُرُوْنَO

"اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انھیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں - ہاں تمہیں خبر نہیں -"

(سورۂ بقرہ، آیت ۱۵۴)

O

۱۴ر ستمبر ۱۹۸۹ء

وَالْعَصْرِO اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍO اِلَّاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْ بِالْحَقِّ لا وَتَوَاصَوْ بِالصَّبْرِO

"اس زمانہ محبوب کی قسم! بے شک آدمی ضرور نقصان میں ہے - مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی -"

(سورۂ عصر، آیت ۱ تا ۳)

O

۱۸ر اکتوبر ۱۹۸۹ء

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ط وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَO الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ لا قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَO ط اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَO

"اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے اور خوشخبری سنا ان صبر کرنے والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو کہیں ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اُسی کی طرف پھرنا - یہ لوگ ہیں جن پر اُن کے رب کی درودیں ہیں اور رحمت، اور یہی لوگ راہ پر ہیں -"

(سورۂ بقرہ، آیت ۱۵۵ تا ۱۵۷)

O

۵/ فروری ۱۹۹۰ء

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ O

"بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں اُنہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ جو اُن پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔"

(سورۂ آل عمران، آیت ۱۶۴)

O

۶/ مارچ ۱۹۹۰ء

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ O

"تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔"

(سورۂ انبیاء، آیت ۷)

O

۱۹/ جون ۱۹۹۰ء

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ O

"اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا تھا اُسے جو ابراہیم سے جھگڑا اس کے رب کے بارے میں اس پر کہ اللہ نے اسے بادشاہی دی- جبکہ ابراہیم نے کہا کہ "میرا رب وہ ہے کہ جلاتا اور مارتا ہے-" بولا "میں جلاتا اور مارتا ہوں-" ابراہیم نے فرمایا" تو اللہ سورج کو لاتا ہے مشرق سے تو اس کو مغرب سے لے آ-" تو ہوش اڑ گئے کافر کے اور اللہ راہ نہیں دکھاتا ظالموں کو-"

(سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۸)

O

۱۵/ جولائی ۱۹۹۰ء

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَO

"اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہاں کے لئے-"

(سورۂ انبیاء، آیت ۱۰۷)

O

۲۸/ ستمبر ۱۹۹۵ء

وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنَO

"اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی بنائے کہ میری بندگی کریں-"

(سورۂ ذریٰت، آیت ۵۶)

O

۳/ دسمبر ۱۹۹۰ء

اِذۡ قَالَ یُوۡسُفُ لِاَبِیۡهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡ رَاَیۡتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوۡكَبًا وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ رَاَیۡتُهُمۡ لِیۡ سٰجِدِیۡنَO

"یاد کرو جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ! میں نے گیارہ تارے اور سورج اور چاند دیکھے، انہیں اپنے لئے سجدہ کرتے دیکھا-"

(سورۂ یوسف، آیت ۴)

O

۲۱ر ستمبر ۱۹۹۱ء

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا O

"بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر۔ اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔"

(سورۂ احزاب، آیت ۵۶)

O

۳۰ر جنوری ۱۹۹۲ء

اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی

"اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو جو موسیٰ کے بعد ہوا۔"

(سورۂ بقرہ، آیت ۲۴۶)

O

۳۱ر جنوری ۱۹۹۲ء

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ O

"پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک۔ جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے۔"

(سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۱)

O

فروری ۱۹۹۲ء

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰیO

"بے شک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔"

(سورۂ نجم، آیت ۱۸)

O

۳/ مارچ ۱۹۹۲ء

وَالشَّمْسِ وَضُحٰھَاO وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰھَاO وَالنَّھَارِ اِذَا جَلّٰھَاO وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰھَا O وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰھَا O وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰھَاO وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰھَاO فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَاO قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَاO وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَاO

"سورج اور اس کی روشنی کی قسم! اور چاند کی جب اس کے پیچھے آئے اور دن کی، جب اسے چمکائے، اور رات کی جب اسے چھپائے، اور آسمان اور اس کے بنانے والے کی قسم! اور زمین اور اس کے پھیلانے والے کی قسم! اور جان کی، اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا۔ پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری دل میں ڈالی۔ بے شک مراد کو پہنچا جس نے اسے ستھرا کیا۔ اور نامراد ہوا جس نے اسے معصیت میں چھپایا۔"

(سورۂ شمس، آیت ۱ تا ۱۰)

O

۲۷/ مارچ ۱۹۹۲ء

شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ ج

"رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا۔ لوگوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں۔"

(سورۂ بقرہ، آیت ۱۸۵)

O

۱۵ اپریل ۱۹۹۲ء

وَاِنْ تَعُدُّوْ نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ O

"اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں شمار نہ کر سکو گے۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

(سورۂ نحل، آیت ۱۸)

O

۳۰ اپریل ۱۹۹۲ء

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ O

"اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے بے شک آدمی بڑا ظالم بڑا ناشکرا ہے"۔

(سورۂ ابراہیم، آیت ۳۴)

O

۳۰ اپریل ۱۹۹۲ء

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى O وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى O اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى O

"تمہارے نہ بہکے نہ بے راہ چلے، اور کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں، مگر جو انہیں وحی کی جاتی ہے"۔

(سورۂ نجم، آیت ۲ تا ۴)

O

۱۵ اگست ۱۹۹۲ء

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ O

"وہ جس نے موت اور زندگی پیدا کی کہ تمہاری جانچ ہو، تم سے کس کا کام زیادہ اچھا ہے۔اور وہی عزت والا، بخشش والا ہے"۔

(سورۂ ملک، آیت ۲)

O

۲۲ ستمبر ۱۹۹۲ء

وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍO

"اور انہیں اللہ کے دن یاد دلا۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ہر بڑے صبر کرنے والے شکر گزار کو"۔

(سورۂ ابراہیم، آیت ۵)

O

۱۰ اکتوبر ۱۹۹۲ء

وَ اَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰىO

"اور یہ کہ بے شک تمہارے رب ہی کی طرف انتہا ہے"۔

(سورۂ نجم، آیت ۴۲)

O

۱۵ نومبر ۱۹۹۲ء

يٰاَيُّهَاالنَّبِيُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًاOوَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا O

"اے غیب کی خبریں بتانے والے! (نبی) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوش خبری دیتا اور ڈر سناتا۔ اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب"۔

(سورۂ احزاب، آیت ۴۵، ۴۶)

O

۸ جنوری ۱۹۹۳ء

وَ النَّجْمِ اِذَا هَوٰیO

"اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم! جب یہ معراج سے اُترے۔"

(سورۂ نجم، آیت ۱)

O

۱۳ جنوری ۱۹۹۳ء، یکم فروری ۱۹۹۳ء

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰیٓO اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ ط

"اب ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم نہ بھولو گے مگر جو اللہ چاہے۔"

(سورۂ الاعلیٰ، آیت ۶ ۷)

O

۳ مارچ ۱۹۹۳ء

وَ نَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَاO فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا Oقَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا Oوَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَاطO

"اور قسم جان کی اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا، پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری دل میں ڈالی۔ بے شک مراد کو پہنچا جس نے اُسے ستھرا کیا، اور نامراد ہوا جس نے اسے معصیت میں چھپایا۔"

(سورۂ شمس، آیت ۷ تا ۱۰)

O

۵ر مئی ۱۹۹۳ء

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَاتُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۝

''اور بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے، اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں۔''

(سورۂ ق، آیت ۱۶)

۝

۲۱ر اگست ۱۹۹۳ء

وَاِذْاَخَذَاللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ۝

''اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا، جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں، پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے، تو ضرور اس پر ایمان لانا، اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا، کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب نے عرض کی ''ہم نے اقرار کیا'' فرمایا'' تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔''

(سورۂ آل عمران، آیت ۸۱)

۝

۳۰ر اگست ۱۹۹۳ء

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ

كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَّلاَ يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ احداًO

"تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں، مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ تو جسے اپنے رب سے ملنے کی اُمید ہو اُسے چاہئے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔"

(سورۂ کہف، آیت ۱۱۰)

O

۲۳ر ستمبر ۱۹۹۳ء

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِؕ

"اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔"

(سورۂ نور، آیت ۳۵)

O

۱۸ر اکتوبر ۱۹۹۳ء

وَاَنَّهٗ هُوَاَضْحَكَ وَاَبْكٰیO وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْیَاO

"اور یہ کہ وہی ہے جس نے ہنسایا اور رلایا، اور یہ کہ وہی ہے جس نے مارا اور جلایا۔"

(سورۂ نجم، آیت ۴۳، ۴۴)

O

۶ر نومبر ۱۹۹۳ء

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍO

"اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔"

(سورۂ تکویر، آیت ۲۴)

O

۱۹۹۴ء

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًاۙ

"بے شک تمہیں رسول کی پیروی بہتر ہے، اس کے لئے کہ اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو، اور اللہ کو بہت یاد کرے۔"

(سورۂ احزاب، آیت ۲۱)

O

۴ر اپریل ۱۹۹۴ء

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا

"اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے ہوں نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا"۔

(سورہ بنی اسرائیل، آیت ۲۳)

O

۱۴ر جون ۱۹۹۴ء

قُلْ لَّاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى

"تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت"۔

(سورۂ شوریٰ، آیت ۲۳)

O

۱۶ر جولائی ۱۹۹۴ء

فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ O وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يَّاِبْرٰهِيْمُ O قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ O

''تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی، اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا اس وقت کا حال نہ پوچھ - اور ہم نے اسے ندا فرمائی کہ اے ابراہیم تو نے خواب سچ کر دکھایا - ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو -''

(سورۂ صٰفّٰت، آیت ۱۰۳ تا ۱۰۵)

O

۱۹ر اگست ۱۹۹۴ء

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ

''اور اے محبوب! تم پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لئے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے -''

(سورۂ بقرہ، آیت ۱۴۳)

O

۱۳ر ستمبر ۱۹۹۴ء

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ

"اور وہ تمہارے ساتھ ہے، تم کہیں ہو۔"

(سورۂ حدید، آیت ۴)

O

۲۷ر نومبر ۱۹۹۰ء

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ

"اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بے شک اللہ نے ان کی مدد فرمائی۔"

(سورۂ توبہ، آیت ۴۰)

O

۱۴ر جنوری ۱۹۹۵ء

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ سَرَبًاO

"جب وہ دونوں ان دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچے، اپنی مچھلی بھول گئے اور اس نے سمندر میں اپنی راہ لی سرنگ بناتی۔"

(سورۂ کہف، آیت ۶۱)

○

۸ / مئی ۱۹۹۵ء

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ○رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ○فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ○فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕقَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ○فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ○وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰٓاِبْرٰهِیْمُ○قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚاِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ○اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ○وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ○وَ تَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ○سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ○كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ○اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ○

"اور کہا میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں - اب وہ مجھے راہ دے گا - الٰہی مجھے لائق اولاد دے - تو ہم نے اسے خوشخبری سنائی ایک عقل مند لڑکے کی - جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہو گیا - کہا "اے میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا میں تجھے ذبح کرتا ہوں - اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے؟ کہا "اے میرے باپ کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے - خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے" - تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا، اس وقت کا حال نہ پوچھ - اور ہم نے اسے ندا فرمائی کہ اے ابراہیم! بے شک تو نے خواب سچ کر دکھایا - ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو - بے شک یہ روشن جانچ تھی اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے کر اسے بچا لیا - اور ہم نے پچھلوں میں اس کی تعریف باقی رکھی - سلام ہو ابراہیم پر، ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو - بے شک وہ ہمارے اعلیٰ درجہ کے کامل الایمان بندوں میں ہیں" -

(سورہ صفت، آیت ۹۹ تا ۱۱۱)

○

۷ اگست ۱۹۹۵ء

وَ اَطِیْعُوْ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ O

''اور اللہ و رسول کے فرماں بردار رہو اس امید پر کہ تم رحم کیے جاؤ۔''

(سورہ آل عمران، آیت ۱۳۲)

O

۱۵ مارچ ۱۹۹۶ء

وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّ ھُدًی وَّ رَحْمَۃً وَّ بُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ O

''اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے اور ہدایت اور رحمت اور بشارت مسلمانوں کو۔''

(سورۂ نحل، آیت ۸۹)

O

۲۱ مارچ ۱۹۹۶ء

مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ

''اور ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا۔''

(سورۂ الانعام، آیت ۳۸)

O

۱۵ اگست ۱۹۹۶ء

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ O

''سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔''

(سورۃ الرعد، آیت ۲۸)

O

۱۱ اگست ۱۹۹۶ء

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ

"اے ایمان والو! اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو۔"

(سورۃ احزاب، آیت ۹)

O

۱۰ نومبر ۱۹۹۶ء

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ

"اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بے شک اللہ نے ان کی مدد فرمائی۔"

(سورۃ توبہ، آیت ۴۰)

O

۲۰ دسمبر ۱۹۹۶ء

فَاذْکُرُوْا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَO

"تو اللہ کی نعمتیں یاد کرو کہ کہیں تمہارا بھلا ہو۔"

(سورۃ الاعراف، آیت ۶۹)

O

۱۹۹۷ء

وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَO

"اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی تم بالکل بے سروسامان تھے، تو اللہ

سے ڈرو کہیں تم شکر گزار ہو۔"

(سورۂ آل عمران، آیت ۱۲۳)

O

۶ جنوری ۱۹۹۷ء

قَدۡ جَآءَ کُمۡ مِنَ اللّٰہِ نُوۡرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیۡنٌO

"بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔"

(سورۂ مائدہ، آیت ۱۵)

O

۱۱ جولائی ۱۹۹۷ء

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّ نَکۡفُرُ بِبَعۡضٍ وَّیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلاًO

"وہ جو اللہ اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اللہ سے اس کے رسولوں کو جدا کر دیں اور کہتے ہیں ہم کسی پر ایمان لائے اور کسی کے منکر ہوئے۔ اور چاہتے ہیں کہ ایمان و کفر کے بیچ میں کوئی راہ نکال لیں۔"

(سورۂ نساء، آیت ۱۵۰)

O

۲۱ جولائی ۱۹۹۷ء

وَاَنۡزَلَ اللّٰہُ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ وَعَلَّمَکَ مَالَمۡ تَکُنۡ تَعۡلَمُ

"اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھادیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے۔"

(سورۂ نساء، آیت ۱۱۳)

O

۲۳ جولائی ۱۹۹۷ء

وَقُلْ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْماًO

''اے میرے رب! مجھے علم زیادہ دے۔''

(سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۱۴)

O

۱۱ دسمبر ۱۹۹۷ء

وَاَیُّوْبَ اِذْنَادٰی رَبَّہٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَO

''اور ایوب کو (یاد کرو) جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی اور تو سب مہر والوں سے بڑھ کر مہر والا ہے۔''

(سورۃ الانبیاء، آیت ۸۳)

O

۱۹ دسمبر ۱۹۹۷ء

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجاً لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً

''اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے کہ ان سے آرام پاؤ، اور تمہارے آپس میں محبت اور رحمت رکھی۔''

(سورۂ روم، آیت ۲۱)

O

۲۰ اگست ۱۹۹۸ء

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجۡعَلُ لَہُمُ الرَّحۡمٰنُ وُدًّاO

"بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے عنقریب ان کے لئے رحمٰن محبت کر دے گا۔"

(سورۂ مریم، آیت ۹۶)

O

۲۴ دسمبر ۱۹۹۸ء

شَہۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ ہُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡہُدٰی وَالۡفُرۡقَانِ ۚ

"رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا۔ لوگوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں۔"

(سورۂ بقرہ، آیت ۱۸۵)

O

۲۵ دسمبر ۱۹۹۸ء

وَمَاۤ اٰتٰکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ وَمَا نَہٰکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَہُوۡا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ

"اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو، اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ سے ڈرو۔"

(سورۂ حشر، آیت ۷)

۹ جنوری ۱۹۹۹ء

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَO

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے کہ

کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے۔"

(سورۂ بقرہ، آیت ۱۸۳)

O

۳۰ مارچ ۱۹۹۹ء

قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَO وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِیْنَO

"ہم نے فرمایا اے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی ابراہیم پر۔ اور انھوں نے اس کا برا چاہا تو ہم نے انھیں سب سے بڑھ کر زیاں کار کر دیا۔"

(سورۃ الانبیاء، آیت ۶۹، ۷۰)

نامعلوم تاریخیں

(مندرجہ ذیل تقاریر کی تاریخیں اور سنین معلوم نہ ہو سکے)

O

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَO

"اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے، خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا، لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔"

(سورۂ سبا، آیت ۲۸)

O

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا O لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًاO اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ

اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا O

''بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر، اور خوشی اور ڈر سناتا- تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو- اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو- وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے- تو جس نے عہد توڑا، اس نے اپنے بڑے عہد کو توڑا- اور جس نے پورا کیا وہ عہد جو اس نے اللہ سے کیا تھا تو بہت جلد اسے اللہ بڑا ثواب دے گا-''

(سورۂ فتح، آیت ۸ تا ۱۰)

O

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ

''اور بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا، اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا-''

(سورہ یوسف، آیت ۲۴)

O

وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا O

''اور تمہیں سکھادیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے-''

(سورۂ نساء، آیت ۱۱۳)

O

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْآ اَنْ لَّامَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ۚ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

''اور ان تین پر جو موقوف رکھے گئے تھے، یہاں تک کہ جب زمین اتنی وسیع ہو کر ان پر تنگ ہو گئی، اور وہ اپنی جان سے تنگ آئے اور انھیں یقین ہوا کہ اللہ سے پناہ نہیں مگر اسی کے پاس- پھر ان کی توبہ قبول کی کہ تائب رہیں بے شک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے-''

(سورۂ توبہ، آیت ۱۱۸)

O

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝

''پھر ہم نے کتاب کا وارث کیا اپنے چنے ہوئے بندوں کو- تو ان میں کوئی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، اور کوئی ان میں میانہ چال پر ہے، اور ان میں کوئی وہ ہے جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گیا، یہی بڑا فضل ہے-''

(سورۂ فاطر، آیت ۳۲)

O

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَا اَذًى ۗ

''اچھی بات کہنا اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ستانا ہو-''

(سورۂ بقرہ، آیت ۲۶۳)

O

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ

''تو اللہ نے ان پر اپنا سکینہ (اطمینان قلب) اتارا''

(سورۂ توبہ، آیت ۴۰)

O

وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً

"اور اس کے پیروؤں کے دل میں نرمی اور رحمت رکھی۔"

(سورۃ الحدید، آیت ۲۷)

O

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ

"اور سب کچھ ہم تمہیں رسولوں کی خبریں سناتے ہیں جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں۔"

(سورۂ ہود، آیت ۱۲۰)

O

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًاO

"اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور اسیر کو۔"

(سورۂ الدھر، آیت ۸)

ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی تقاریر اور خطبات کا سلسلہ جاری رہتا ہے، مگر بہت کم، پھر بھی سال میں تقریباً ۵۰ تقاریر ہو جاتی ہیں۔ میں نے اوائل ۱۹۹۹ء تک عنوانات کی فہرست پیش کی ہے بعد کی تفصیلات انشاءاللہ آئندہ ایڈیشن میں پیش کر دی جائیں گی۔

ضمیمہ نمبر ۴

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے کتب خانے کے چند مخطوطات / نوادرات

ڈاکٹر محمد مسعود احمد کا کتب خانہ :

جس کو علم کی سچی لگن ہوتی ہے اس کو کتابوں سے ضرور محبت ہوتی ہے۔ڈاکٹر صاحب کو طالب
علمی کے زمانے سے کتابوں سے محبت ہے، چالیس، پچاس برس پہلے جو کتابیں زیر مطالعہ رہیں وہ س
محفوظ ہیں، ان کو کتابیں خریدنے کا بھی شوق رہا پھر دس پندرہ سال ہوئے کہ ان کو کتابیں خریدنے
ضرورت محسوس نہیں ہوتی، کتابیں خود بخود ان کے پاس آتی ہیں، ان کے کتب خانے میں چار پانچ ہز
عربی، فارسی، اردو، انگریزی کتابیں موجود ہیں۔ مخطوطات بھی ہیں، مخطوطات کے عکس بھی ہی
اصل مخطوطات میں سے کچھ ہمدرد یونیورسٹی لائبریری بیت الحکمت (کراچی) میں رکھوائے ہیں ا
دارالعلوم مجددیہ نعیمیہ (کراچی) کے کتب خانے میں تاکہ اہل علم استفادہ کر سکیں۔کچھ مخطوطات ا
ان کے عکس اور فلمیں اب بھی کتب خانے میں محفوظ ہیں۔مثلاً نادر قلمی قرآن کریم، مشہور خطاطو
کی شہ کار وصلیاں، مولانا احمد رضا خان بریلوی کے قلمی تصانیف، شروح و حواشی اور تعلیقات ک
عکس، اور علماء حرمین شریفین اور علمائے عرب کی تقاریظ وغیرہ اس کے علاوہ مقامات مقدسہ ک
تبرکات کا ذخیرہ بھی ہے مثلاً مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بغداد شریف، اجمیر شریف، بریلی شریف او
دہلی وغیرہ۔کثیر تعداد میں قدیم سکے بھی موجود ہیں۔

ڈاکٹر صاحب سے دنیا کے مختلف ملکوں کے فضلاء کا رابطہ رہا اور مختلف یونیورسٹیوں کے اساتذہ او
فضلاء آتے رہے مثلاً ڈاکٹر مختار الدین آرزو (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)، ڈاکٹر محمد احمد حازم محفو
(ازہر یونیورسٹی، قاہرہ)، بارین مولے (فرانس)، ڈاکٹر جے۔ایم۔ایس۔بلیان (ہالینڈ)، ڈاکٹ
مرسیا ہرمن سن (امریکہ)، ڈاکٹر آرتھر بوھیلر (امریکہ) ڈاکٹر احمد مرزا (امریکہ)، ڈاکٹر اوشا سانیال
(امریکہ)، پروفیسر غیاث الدین (نیوکاسل۔یوکے)، پروفیسر وسیم بریلوی (بریلی، بھارت) وغیرہ
وغیرہ اور اب تو الیکٹرونک میل کے ذریعہ پوری دنیا سے رابطہ ہے۔ آن کی آن میں خط آتے جاتے
ہیں، ڈاکٹر صاحب کا ای۔ میل نمبر یہ ہے almazhar@sat.net.pk...... میں یہاں ڈاکٹر
صاحب کے کتب خانے کے نادر روزگار مخطوطات کی ایک فہرس پیش کرتا ہوں تاکہ اہل علم
رابطہ کر کے استفادہ کر سکیں ---- یہ فہرست محمد عبدالستار طاہر صاحب (لاہور) اور مولوی
مشتاق احمد ازہری (سرگودھا، پاکستان) نے تیار کی ہے ---اسی کے ساتھ ساتھ نادر روزگار
وصلیوں کے عکس بھی پیش کیے جائیں گے۔

فہرس مخطوطات مخزونہ کتب خانہ (عکس اور اصل)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

نمبر شمار	عنوان	مصنف	سن تالیف	صفحات
۱	ترجمہ قرآن حکیم	شاہ عبد القادر	----	----
۲	تفسیر حسینی	ملا واعظ کاشفی	----	----
۳	دمیۃ القصر	---	----	----
۴	مجموعہ مزارات و عمارات	---	----	----
۵	گلدستہ تواریخ	---		
۶	مراۃ الحقیقت	میر سید علی غمگین	----	----
۷	کشف الانوار	میر سید علی غمگین	----	----
۸-	حقیقت خلافت	میر سید علی غمگین	----	----
۹	نور العرفان	محمد مسعود شاہ دہلوی	----	----
۱۰	مجموعہ ہفت رسائل	--	----	----
۱۱	دیوانِ مظہر	مظہر جان جاناں	----	----
۱۲	عطیۃ الوہاب الفاصلۃ بین الخطاء والصواب	---		
۱۳	الھدیۃ السعیدیہ فی الحکمۃ الطبیعیہ	فضل حق خیر آبادی / حاشیہ		۲۵
۱۴	الجداول الرضویہ	مولانا احمد رضا بریلوی		۴۹
۱۵	البرہان القویم علی العرض التقویم	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۳۲۷ھ	۲۴
۱۶	مکۃ المکرمہ ومایقاربھا فی العرض عرضھا	مولانا احمد رضا بریلوی	----	۲۸
۱۷	طلوع و غروب نیرین	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۳۳۲ھ	۷
۱۸	مقالہ مفردہ در نسبت تصفین جزء مطلوب وقت	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۳۳۰ھ	۷
۱۹	معدن علومی در سنین ہجری و عیسوی و رومی	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۳۳۶ھ	۱۰۰

کراچی نمبر ا سے نمبر ۱۲ تک (ماسوائے نمبر ۹) تمام اصل مخطوطات ہمدرد یونیورسٹی کراچی کی لائبریری میں جمع کر دیئے گئے ہیں، تاکہ محققین سے اس استفادہ کر سکیں۔ انجم

۲۰	حل المعادلات لقوی المکعبات	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۳۲۵ھ	۳
۲۱	الجفر الجامع	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۳۳۲ھ	۵۷
۲۲	الکسّر العشری والستینی	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۳۳۱ھ	۶
۲۳	رسالۃ الشیخ الاکبر فی الزائرچہ ورسالۃ الاخری وشرح کشف الران	مولانا احمد رضا بریلوی		۲۲
۲۴	حاشیہ شرح چغمینی	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۳۰۲ھ	۳۹
۲۵	حاشیہ میزان الاعتدال	مولانا احمد رضا بریلوی		۲۲
۲۶	حاشیہ تعقبات علی الموضوعات کشف الاحوال فی نقد رجال	مولانا احمد رضا بریلوی		۲
۲۷	حاشیہ حصر الشارد	مولانا احمد رضا بریلوی		۳
۲۸	حاشیہ نیل الاوطار	مولانا احمد رضا بریلوی		۶
۲۹	حاشیہ شفاء الاسقام	مولانا احمد رضا بریلوی		۳
۳۰	حاشیہ ارشاد الساری شرح بخاری	مولانا احمد رضا بریلوی		۱۴
۳۱	حاشیہ مسند امام احمد بن حنبل	مولانا احمد رضا بریلوی		۱۴
۳۲	حاشیہ اصابہ فی معرفۃ الصحابہ	مولانا احمد رضا بریلوی		۱۹
۳۳	حاشیہ فتح المغیث	مولانا احمد رضا بریلوی		۹
۳۴	حاشیہ جامع الفصولین	مولانا احمد رضا بریلوی		۸
۳۵	حاشیہ فتح المعین	مولانا احمد رضا بریلوی		۶
۳۶	سیف ولایتی بر واھم ولایتی	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۳۱۸ء	۱۴
۳۷	حاشیہ مفتاح السعادۃ / حواشی تحفۃ الاخوان	مولانا احمد رضا بریلوی		۴
۳۸	النور والنورق لاسفار الماء المطلق	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۳۳۴ھ	۱۴
۳۹	اصلاح شرح ایضاح ونصاب الاحتساب	مولانا احمد رضا بریلوی		۴
۴۰	جد الممتار حاشیہ ردالمختار (ج ۵)	مولانا احمد رضا بریلوی		۵
۴۱	رسالہ در علم لوگارثم	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۳۲۹ھ	۴۵
۴۲	تعلیقات علی الزیج ایل خانی	مولانا احمد رضا بریلوی		۸

۴۳	کشف غلط فہمی	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۳۳۴ھ	۱
۴۴	حاشیہ رسالہ علم مثلث کروی	مولانا احمد رضا بریلوی		۲
۴۵	حاشیہ کتاب اصول الہندسہ	مولانا احمد رضا بریلوی		۵
۴۶	حاشیہ القواعد الجلیلہ فی الاعمال الجبریہ	مولانا احمد رضا بریلوی		۱۷
۴۷	مبحث المعادلۃ ذات الدرجۃ الثانیہ	مولانا احمد رضا بریلوی		۱۱
۴۸	حاشیہ برجندی وحاشیہ زلالات برجندی	مولانا احمد رضا بریلوی		۲۰
۴۹	جامع الافکار	مولانا احمد رضا بریلوی		۵۸
۵۰	حاشیہ تحفہ اثناء عشریہ	مولانا احمد رضا بریلوی		۱۳
۵۱	میول کواکب ونصف میل الایام	مولانا احمد رضا بریلوی		۲۵
۵۲	جد الممتار حاشیہ ردالمحتار (ج ۵)	مولانا احمد رضا بریلوی		۱۴
۵۳	حاشیہ شرعۃ الاسلام	مولانا احمد رضا بریلوی		۵
۵۴	حاشیہ کتاب الزواجر	مولانا احمد رضا بریلوی		۲
۵۵	حاشیہ مقدمہ ابن خلدون	مولانا احمد رضا بریلوی		۲
۵۶	حاشیہ تعطیر الانام / حاشیہ خلاصۃ الوفا	مولانا احمد رضا بریلوی		۵
۵۷	حاشیہ احیاء العلوم	مولانا احمد رضا بریلوی		۲
۵۸	حاشیہ کتاب اسماء والصفات.	مولانا احمد رضا بریلوی		۵
۵۹	حاشیہ شرح مسلک متقسط	مولانا احمد رضا بریلوی		۱۰
۶۰	حاشیہ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر	مولانا احمد رضا بریلوی		۱۹
۶۱	حاشیہ طحطاوی علی در المختار	مولانا احمد رضا بریلوی		۴۲
۶۲	حاشیہ خیالی علی شرح عقاید نسفی	مولانا احمد رضا بریلوی		۲۴
۶۳	حاشیہ جامع الرموز	مولانا احمد رضا بریلوی		۱۳
۶۴	حاشیہ تصریح فی شرح التشریح	مولانا احمد رضا بریلوی		۳۱
۶۵	حاشیہ تحریر اقلیدس	مولانا احمد رضا بریلوی		۳۲
۶۶	فوائد متعلق بہادر خانی	مولانا احمد رضا بریلوی		۲۲
۶۷	حاشیہ متعلق بہادر خانی	مولانا احمد رضا بریلوی		۴۴

۶۸	رسالہ در علم مثلث	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۳۲۹ھ	۸
۶۹	الطائب الاکسیر فی علم التکسیر	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۲۹۶ھ	۳۷
۷۰	حاشیہ العلل التناہیہ	مولانا احمد رضا بریلوی		۱۰
۷۱	الجمل الدائرہ فی خطوط الدائرہ	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۳۳۰ھ	۱۷
۷۲	الصراح الموجز فی تاویل المرکز	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۳۱۹ھ	۲۵
۷۳	حل مساوات ہائی درجہ سوم	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۳۳۰ء	۳۶
۷۴	رویۃ الہلال	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۳۲ھ	۱۷
۷۵	حاشیہ زیج بہادر خانی	مولانا احمد رضا بریلوی		۲۱۳
۷۶	فوز مبین در رد حرکت زمین	مولانا احمد رضا بریلوی		۱۳۳
۷۷	الموہبات فی المربعات	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۳۱۹ء	۴۵
۷۸	فائدہ متعلق زیج بہادر خانی	مولانا احمد رضا بریلوی		۲۷تا۴۴
۷۹	حاشیہ فتاوی خیریہ	مولانا احمد رضا بریلوی		۱۹
۸۰	رویۃ الہلال	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۳۳۸ھ	۱۱
۸۱	جامع بہادر خانی	مولانا احمد رضا بریلوی		۲۰
۸۲	مسفر المطالع للتقویم والطالع	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۳۲۴ھ	۱۷
۸۳	اضافات افاضافات	مولانا احمد رضا بریلوی		۵۵تا۶۲
۸۴	رسالہ اربعاد القمر		۱۳۲۹ھ	۳۵
۸۵	رسالہ جبر و مقابلہ		۱۳۲۹ھ	۶۰
۸۶	رسالہ در حساب کسور اعشاریہ (بخط اعلیٰ حضرت)	مولانا احمد رضا بریلوی		۱۵
۸۷	مسؤلیات السہام	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۳۳۹ھ	۸
۸۸	حاشیہ سنن ابن ماجہ	مولانا احمد رضا بریلوی		۹
۸۹	حاشیہ درر المکنون	مولانا احمد رضا بریلوی		۱۲
۹۰	رسالہ در علم تکسیر	مولانا احمد رضا بریلوی		۳۷
۹۱	حاشیہ طیب النفس	مولانا احمد رضا بریلوی		۴

۹۲	حاشیہ اصول طبعی	مولانا احمد رضا بریلوی		۴
۹۳	حاشیہ خلاصہ تذہیب الکمال	مولانا احمد رضا بریلوی		۳
۹۴	حاشیہ معالم التنزیل	مولانا احمد رضا بریلوی		۵
۹۵	حواشی اشعۃ اللمعات	مولانا احمد رضا بریلوی		۱
۹۶	تجلی العروس و مراد النفوس	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۳۳۸ھ	۴۰۵
۹۷	حواشی شرح الصدور للامام السیوطی	مولانا احمد رضا بریلوی		۱
۹۸	حواشی مقاصد حسنہ فی بیان کثیر من	مولانا احمد رضا بریلوی		۵
	الاحادیث المشتہرہ علی السند للسخاوی			
۹۹	حواشی الترغیب والتہذیب	مولانا احمد رضا بریلوی		۱
۱۰۰	حواشی کشف الظنون (ج ۱)	مولانا احمد رضا بریلوی		۷
۱۰۱	حواشی، الفتاویٰ الخانیہ قاضی خان	مولانا احمد رضا بریلوی		۲
۱۰۲	کشف العلہ عن سمت القبلہ	مولانا احمد رضا بریلوی		۷
۱۰۳	جوابات جروح غیر مقلدین آراء	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۳۲۰ھ	۱۱
۱۰۴	متفرقات (ناشناختہ)	مولانا احمد ابریلوی		۲۴
۱۰۵	الجام الصاد عن سنن الضاد	مولانا احمد رضا بریلوی	۱۳۱۷ھ	۲۷
۱۰۶	قرآن کریم مصری (قلمی قدیم)	عطیہ ہمشیرہ رشیدہ بانو	تقریباً تین صدی قبل	۷۰۱
۱۰۷	خلاصۃ المعارف فی اسرار العقائد	شیخ آدم بنوری خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی	آغاز تالیف ۱۰۳۵ھ	۳۷۸
۱۰۸	مجمع الاولیاء ۱؎	خواجہ بدر الدین سرہندی خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی	۱۰۴۴ھ	۱۸۷۸
۱۰۹	مناقب آدمیہ و حضرات احمدیہ نقشبندیہ	خواجہ محمد امین نقشبندی مرید خواجہ محمد معصوم مجددی	۱۱۴۰ھ	۴۵۸
۱۱۰	تقاریظ علمائے عرب "الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ" تصنیف مولانا احمد رضا خان بریلوی	علمائے عرب	۱۳۳۱ھ وغیرہ	

۱؎ نمبر ۱۰۷ سے ۱۰۹ تک دار العلوم مجددیہ نعیمیہ، کراچی کے مہتمم علامہ مفتی محمد جان نعیمی کی خدمت میں پیش کر دی گئی ہیں جو انہوں اپنے مثالی کتب خانے میں رکھ دی ہیں۔ انجم

نصر من اللہ وفتح قریب

در حالتِ بیہوشی تحریر پذیرفت

ناد علیا مظهر العجائب
تجده عونا لک فی النوائب
کل هم و غم سینجلی
بولایتک یا علی یا علی یا علی

سالِ اوّل قال و حال و وصل و فصل و فرق و جمع

آنچہ اندر شمار آری ذات و دوام

سالِ اوّل حال و قال

سالِ آخر قال و حال

صبح عالم

ا ب ج ذ ر ذ ر س ش ص ط ع ف

ق ک ل م ن و ھ لا ی ے

با بت بج بد بر بس بش بص بط بع بف

بق بک بل بم بن بو بہ بھ بلا بی بے

جا جت جج جد جر جس جش

جص جط جع جف جق جک جل جم

جن جو جہ جھ جلا جی جے سا سج

سد سر سں شس سص سط سع

سو سک سل سم سن سو سہ سلا سی سے

صا صت صج صد صر صس صش

صص صط صع صف صو صک

صل صم صن صو صہ صھ صی صے

طا طت طج طد طر طس طش طع

طع طف طو طک طل طم طن طو طہ طے

طلا طی طے عا عت عج عد عر عس

عش عص عط عع عف عق عک

عل عم عن عو عہ علا عی عے

فا فت فج فد فر فس فش فص فط

فع فف فق فک فل فم فن فو

فہ فلا فی فے کا کت کج کد کر

کس کش کص کط کع کف کق کک

کل کم کن کو کہ کلا کی کے

ما مت مج مد مر مس مش مص مط

مع مف مو مک مل مم من مو مہ

مہ مھ ملا می مے ہا ہت ہج ہد

ہر ہس ہش ہص ہط ہع ہف

ہو ہک ہل ہم ہھ ہن ہو ہہ ہلا ہی ہے

ابجد ہوز حطی کلمن سعفص قرشت ثخذ ضظغ

فتبارک اللہ احسن الخالقین رب العالمین

تمت المفردات بعون الملک الوہاب علی ید

العبد المذنب الراجی غفر ذنوبہ فی سنہ ہجرہ النبویہ

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ — نحل ٨٩

اور ہم نے تم پر یہ قرآن اُتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے

آخری پیغام

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم۔ اے؛ پی۔ ایچ۔ ڈی

سرہند پبلی کیشنز کراچی

بتعاون

سعید غنی زہرہ بی میموریل ٹرسٹ کراچی

اسلامی جمہوریۂ پاکستان

ضمیمہ نمبر ۵

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی تصانیف کے ٹائیٹل

سیرت
مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ
۱۳۹۳ھ
از
پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

مدینہ پبلشنگ کمپنی ایم۔ اے، جناح روڈ، کراچی
پاکستان

عاشق الرسول
مولانا محمد عبد القدیر بدایونی
رحمہ اللہ تعالیٰ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ
پرنسپل گورنمنٹ کالج ٹھٹھہ، تھرپارکر (سندھ)

مکتبہ قادریہ
جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور

آئینۂ حقائق
([illegible])
تحقیق
پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
ایم۔ اے، گولڈ میڈلسٹ، پی۔ ایچ۔ ڈی۔
مرتب
محمد عبد الستار طاہر

ادارہ مظہرِ اسلام
لاہور، پاکستان پوسٹ کوڈ [illegible]

زندگی بے بندگی
شرمندگی
مصنف
پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
ایم۔ اے، گولڈ میڈلسٹ، پی۔ ایچ۔ ڈی۔

ادارہ مسعودیہ
۶/۲، ۵۔ ای، ناظم آباد، کراچی
اسلامی جمہوریہ پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَتْ ۝ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ ۝
وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ۝
عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ ۝

ترجمہ- جب آسمان پھٹ پڑے، جب تارے جھڑ پڑیں، جب دریا اُبل پڑیں، جب قبروں سے مردے نکل پڑیں، (ہاں اُس دن) ہر جان، جان لے گی جو کچھ آگے بھیجا اور (جو کچھ) پیچھے چھوڑا۔

قیامت

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

انٹرنیشنل پبلی کیشنز حیدرآباد
اسلامیہ جمہوریہ پاکستان
۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء

توحید کے نام پر

(نورو نار)

:- انشا :-

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد دہلوی

(ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی)

:- ناشرین :-

رضا لائبریری کلیان
رضا منزل۔ رضا نگر
کلیان۔ ضلع تھانہ
پن کوڈ: ۴۲۱۳۰۱

رضا لائبریری بیلگام
معرفت محمد عبد العظیم قادری
۲۷۶۰ قصائی گلی بیلگام
ریاست کرناٹک۔ ۵۹۰۰۲

زیر اہتمام: رضوی کتاب گھر۔ پوسٹ بکس ۱۵ غیبی نگر بھیونڈی ۲

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ (بقرہ : ۱۹۶)
اور حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو۔

حج و عمرہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
ایم۔ اے ؛ پی۔ ایچ۔ ڈی

ادارۂ مسعودیہ کراچی
اسلامی جمہوریہ پاکستان

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ط (بقرہ : ۱۹۶)

اور حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو،

عمرہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم۔ اے؛ پی۔ ایچ۔ ڈی

ادارۂ مسعودیہ کراچی

اسلامی جمہوریہ پاکستان

سیرت مجدد الف ثانی

مرتّبہ
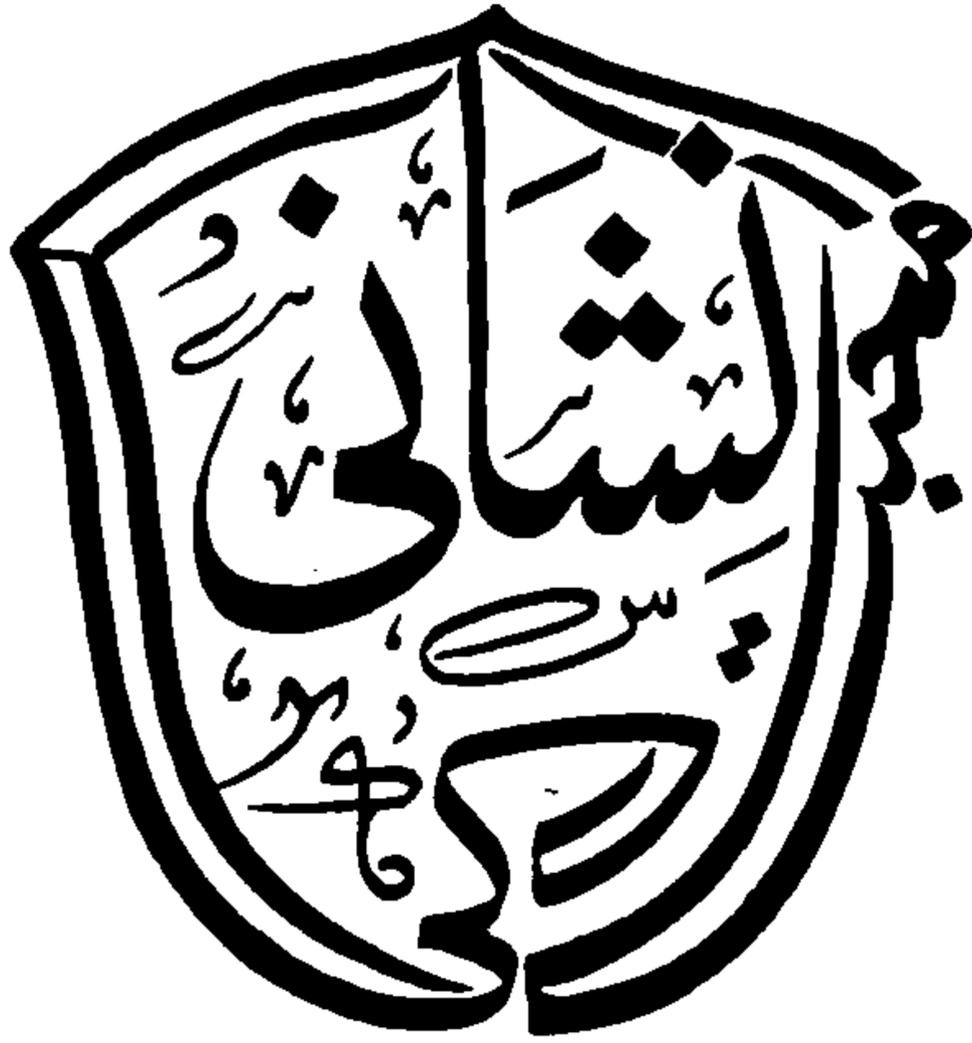
پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

مدینہ پبلشنگ کمپنی
ایم اے جناح روڈ ــــ کراچی پاکستان

جان و دل مرسلیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم
روح روح الامیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم
گنجینۂ اصطفا محمد صلی اللہ علیہ وسلم
آئینہ حق نما محمد صلی اللہ علیہ وسلم

معارفِ اسمِ محمّد صلی اللہ علیہ وسلم

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
ایم۔اے، گولڈ میڈلسٹ پی۔ایچ۔ڈی،

ادارہ مظہرِ اسلام
نئی آبادی مجاہد آباد۔ مغلپورہ، لاہور کوڈ نمبر ۵۴۸۴۰
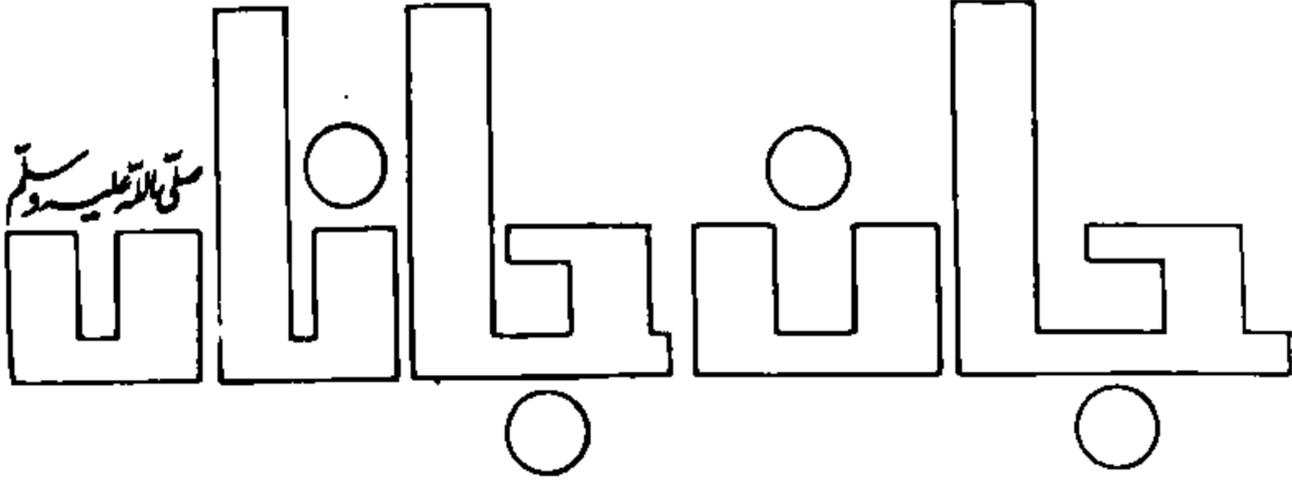
جانِ جاناں صلی اللہ علیہ وسلم

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
ایم۔ اے (گولڈ میڈلسٹ)
پی ایچ ڈی

ادارۂ مسعودیہ ۲/۶، ۵۔ای، ناظم آباد، کراچی
اسلامی جمہوریہ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جانِ ایمان ﷺ

مُرتّبہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

گلشنِ رضا انٹرنیشنل اکیڈمی

صادق آباد پوسٹ کوڈ نمبر ۶۴۳۵۰

وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ

اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ (ضحیٰ : ۱۱)

جشنِ بہاراں

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

۱۷

اِدارۂ مسعودیہ، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حضرت مجدّد الف ثانی علیہ الرحمہ

حالات، افکار و خدمات

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی

اِدارہ مسعودیہ
۵/۶۔۵۔ ای۔ ناظم آباد
کراچی۔ پاکستان

مجدّدِ ہزارۂ دوم

(حضرت شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ادارۂ معارفِ مجدّد الف ثانی، کراچی
اسلامی جمہوریۂ پاکستان
۱۴۱۷ھ / ۱۹۹۷ء

حضرت مجدّد الفِ ثانی

اور

ڈاکٹر محمدّ اقبال

پروفیسر ڈاکٹر محمدّ مسعود احمد

اِسلامی کتُب خانہ، اقبال روڈ، سیالکوٹ
پاکستان

ماہ وانجم

ماخوذ از

آیات القیومیہ (۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۶ء)

مصنفہ

مولانا علی احمد دھرم کوٹی

خلیفہ

حضرت سید امام علی شاہ مکان شریف

ترجمہ و تلخیص و ترتیب

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ناشر

مکتبہ نعمانیہ اقبال روڈ سیالکوٹ

من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین

فتاویٰ مسعودی

از

فقیہ الہند حضرت محمد مسعود شاہ محدث دہلوی

مرتب

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

محشی

حضرت مولانا حافظ محمد اشرف مجددی

ناشر

سرہند پبلی کیشنز کراچی

فَسْئَلُوٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں) نحل: ۴۳

فتاویٰ مظہریہ

جلد اوّل و دوم و سوم

شیخ الاسلام مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ

مُرتّبہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ادارہ مسعودیہ ۲/۶،۵-ای، ناظم آباد، کراچی
اسلامی جمہوریۂ پاکستان، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء

اِنِّیۡۤ اُلۡقِیَ اِلَیَّ کِتٰبٌ کَرِیۡمٌ ۝
(بے شک میری طرف ایک عزت والا خط ڈالا گیا) نمل، ۲۹

مکاتیبِ مظہری

جلد اوّل و دوم

شیخ الاسلام مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ

مُرتبہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
ایم۔اے؛ پی۔ایچ۔ڈی

ادارۂ مسعودیہ
۲/۶، ۵۔ای، ناظم آباد، کراچی
اِسلامی جمہوریہ پاکستان، ۱۴۲۰ھ، ۱۹۹۹ء

حیاتِ مظہری

مصنفہ

پروفیسر محمد مسعود احمد

ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی

ناشر

مدینہ پبلشنگ کمپنی

ایم۔اے جناح روڈ

کراچی (پاکستان)

شاہانِ مغلیہؒ کے مُرشدِ کریم غوث العالمین

حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری علیہ الرحمہ

(حالات و آثار)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
ایم۔ اے ؛ پی۔ ایچ۔ ڈی

ادارۂ مسعودیہ ۶/۲ ، ۵۔ای۔ناظم آباد، کراچی، سندھ
اِسلامی جمہوریہ پاکستان

فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ
تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔ (نحل: ۴۳)

فتاویٰ خیریہ

حضرت شاہ ابوالخیر عبداللہ محی الدین فاروقی مجددی

تحقیق و تخریج
صاحبزادہ قاضی حافظ محمد عبدالسلام نقشبندی مجددی

تقدیم
پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

اِدارۂ مسعودیہ
۶/۲، ۵۔ ای، ناظم آباد، کراچی سندھ، اسلامی جمہوریہ پاکستان
۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۸ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٥

یَوۡمَ نَدۡعُوۡا کُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِہِمۡ (اسراء : ۷۱)

(جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے)

تقلید

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم-اے، پی-ایچ-ڈی

ادارہ مسعودیہ، ۲/ ۶، ۵-ای، ناظم آباد، کراچی

اسلامی جمہوریہ پاکستان

۱۴۲۰ھ / ۲۰۰۰ء

مکتوباتِ شریف

فقیہ العصر حضرت قاضی احمد دمانی نقشبندی مجددی علیہ الرحمۃ

•

مُرتبہ: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ناشر: ادارہ مُعارف مجدّد الف ثانی کراچی

دار العلوم مجددیہ نعیمیہ، ملیر، کراچی (اسلامی جمہوریہ پاکستان) فون نمبر ۴۰۹۶۹۰

تحریکِ آزادیِ ہند
اور
السّواد الاعظم

پروفیسر محمد مسعود احمد

ناشر:
ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ اردو بازار لاہور

تمدن ہند پر اسلامی اثرات

تالیف : ڈاکٹر تارا چند
ترجمہ : محمد مسعود احمد
نگرانی : ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں
نظرثانی : ڈاکٹر وحید مرزا

★

مجلس ترقی ادب ، ۲- کلب روڈ لاہور

علامہ محمد اقبال
اور
مرزا غلام احمد قادیانی

مصنف:
پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
اعزازِ فضیلت

ادارۂ مظہر اسلام، لاہور
(اسلامی جمہوریہ پاکستان)

موجِ خیال

ڈاکٹر محمد مسعود احمد

مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم اے جناح روڈ
کراچی ——— پاکستان

دائمی تقویم

برائے کراچی

مترجمہ

مولانا محمد منظور احمد دہلوی

خلف الرشید

حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ خطیب شاہی مسجد جامع فتحپوری دہلی

مرتبہ

پروفیسر محمد مسعود احمد

شعبۂ اردو گورنمنٹ ڈگری کالج کوئٹہ

(مغربی پاکستان) ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء

سفرنامہ مٹھی

مُصنّف

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم۔اے، گولڈ میڈلسٹ پی۔ایچ۔ڈی،

مُرتّب

محمد عبدالستار طاہر

ادارہ مظہرِ اسلام

لاہور، پاکستان پوسٹ کوڈ نمبر ۵۴۸۴۰

تبصرہ...... مرادِرسول (لاہور۔ ۱۹۹۲ء)

از

علامہ محمد سبحان رضا خان سبحانی

صاحبِ تصانیف و تالیفات کثیرہ، محترم المقام محبِّ سنیت ناشر رضویت، عالی جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب قبلہ دامت برکاتھم العالیہ کی ذات بابرکات محتاجِ تعارف نہیں، آپ اپنی قلمی خدمات کے ذریعہ دنیا کے بیشتر ممالک میں مشہور و معروف ہیں- اشاعتِ مسلکِ اعلیٰ حضرت و فروغِ سنیت آپ کے ذہن و فکر پر چھایا ہوا ہے کہ آپ کو ہر لمحہ اسی کی فکر دامن گیر رہتی (ہے) کہ زندگی میں زیادہ سے زیادہ کام- اپنے مسلک کی حقانیت پر ہو جائے- یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے انکار ممکن نہیں- آپ کی تصانیف و تالیفات اس کی شاہد عادل ہیں- آپ کا حقیقت آشنا قلم، جہاں اپنے مسلک کی حقانیت بیان کرتا ہے- وہیں بد مذہبوں کی بد مذہبیت اور ان کے بد مذہبیت کے بطلان کو بھی اجاگر کرتا چلا جاتا ہے- آپ کا انداز تحریر روشن و تابناک ہوتا ہے کہ پڑھتے جایئے اور نورانیت حاصل کرتے جایئے، مطالعہ کرتے جایئے تحقیق و تدقیق کے بحرِ ذخار میں غوطہ زن ہوتے جایئے---- شائستہ جملے، شگفتہ الفاظ، زرنگار ترجمہ و مفہوم، معلوم ہوتا ہے کہ جیسے موتی پرو دیئے گئے ہیں- خشک سے خشک مضمون میں بھی اپنے الفاظ و خداداد صلاحیت کے ذریعہ، ایسی دل نوازی پیدا کر دیتے ہیں کہ پڑھنے والا نہ اکتاتا ہے اور نہ بوجھل ہوتا ہے- آپ کی تحریرات، تحقیقات کی آئینہ دار ہیں- تدقیقات کارواں دواں سمندر ہیں، جن سے ہر ناظر یقین واذعان کی منزلیں پاتا ہے-- زیرِ نظر کتاب مرادِ رسول ﷺ بھی اسی تحقیق و توفیق کی ایک حسین و خوبصورت کڑی ہے- اس میں آپ نے خلیفۂ دوم فاروقِ حق و باطل، گلشنِ خلافت کے شگفتہ پھول، مرادِ رسول سیدنا امیر المومنین عمر فاروق، عادل و اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہُ کی سچی جانشینیٔ رسول مقبول ﷺ کو بیان فرمایا ہے- آپ کی شانِ خلافت، پھر شانِ توکل، غرباپروری و خوردہ نوازی، حقوق اللہ اور حقوق العباد، استحکام دین، نیز بیخ کنی دشمنانِ دین، عبادت و ریاضت، شجاعت و بصالت کے ہمہ گیر پہلوؤں کو ایسا روشن کر کے دکھایا ہے کہ دل سے مرحبا، سبحان اللہ اور "اللہ کرے حسنِ قلم اور زیادہ" کہے بغیر چارہ نہیں ہوتا- میری قلبی دعا ہے کہ اللہ رب العزت- اس نادر کتاب مرادِ رسول کو مقبول خواص و عوام بنائے، گمراہوں کے لئے منارۂ حق ثابت ہو اور مصنف علّام پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کے علم و فضل و عمر میں برکتیں ہوں، نیز آپ کو مزید تر مزید تصنیف و تالیف کی توفیق رفیق عطا ہو- آمین آمین یارب العالمین بجاہ طٰہٰ و یٰسین علیہ الصلوٰۃ و التسلیم----

طالبِ خیر

فقیر قادری محمد سبحان رضا خان سبحانی

سجادہ نشین خانقاہ عالیہ رضویہ و مہتمم

مرکز اہلسنت مظہرِ اسلام بریلی، یوپی انڈیا

Syed Muhammad Jalal Qaudri
Riyadh- (Saudi Arabia)

Your presence is very much needed for the Muslim Ummah in general and Ahl-i-Sunnat wa al-Jama'at in particular. Your publications have captured the mind of readers and diverted towards the love and reverence with our Legend Lord Prophet Muhammad, Peace and Blessings be Upon Him and Auliyala. May Allah keep you for a long time with health, strength and happiness.

(E-mail, dated: - 02.09.2001)

پروفیسر مجیب احمد

شعبہ تاریخ، قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد (پاکستان)

ڈاکٹر محمد مسعود احمد دنیائے علم و ادب اور تاریخ و تحقیق کے ایک نامور اور کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ آپ نے اسلامی علوم و فنون کے علاوہ جنوبی ایشیاء کی دینی، تہذیبی، فکری اور سیاسی تاریخ پر کئی کتابیں اور مقالہ جات تحریر کئے ہیں۔ جو اپنے موضوع کے لحاظ سے مستند اور قابل اعتماد حوالہ جات کا درجہ رکھتے ہیں۔ زیر نظر کتابچہ بھی آپ کی انہی علمی و تحقیقی روایات کا امین ہے۔

"دو قومی نظریہ اور پاکستان" کے ہر صفحہ بلکہ ہر ہر سطر سے مصنف کی نظریہ پاکستان اور مملکت پاکستان کے ساتھ گہری فکری، اعتقادی اور تاریخی وابستگی ظاہر ہوتی ہے۔ تقریباً ہر صفحہ پر مصنف اپنے قاری کے لئے نظریہ پاکستان کے حوالے سے ایک نئی سوچ اور فکر و عمل کی نئی راہوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ (ص۔ ا، ۴، ۱۰۔ ۱۲) اس کتابچہ میں نوجوان نسل کو زیادہ تر مخاطب کر کے، انہیں ان کی موجودہ اور مستقبل میں پیش آنے والی ذمہ داریوں کا نہایت مؤثر طریقہ سے احساس دلایا گیا ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کتابچہ کو مطالعہ پاکستان کے انٹر اور ڈگری لازمی نصاب میں شامل کر کے پاکستانی نوجوان نسل کو نظریۂ پاکستان کی اہمیت سے آگاہ کیا جائے۔

(مکتوب مؤرخہ ۵ ر ستمبر ۲۰۰۱ء)

رشید السبطین زیدی..........ملتان (پاکستان)

میری حقیر رائے یہ ہے کہ علماء کرام کی بڑی بڑی کتابیں بے حد مفید ہونے کے باوجود اتنا فائدہ نہیں پہنچا تیں جتنا آپ کے یہ مختصر مقالے اثر دکھا دیتے ہیں۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ علیہ کی احیاء العلوم الدین کو ہی دیکھ لیجئے اس کی افادیت سے کسے انکار ہے مگر علماء ہی پڑھتے ہیں، عوام کی مصروفیات اور قسم کی ہوتی ہیں اس لیئے ضخیم جلدوں کو ہضم کرنا دشوار ہے اور یہ آپ کی چھوٹی سی کتاب میں بار بار پڑھ چکا ہوں۔ اس کا مضمون دوسروں کو سمجھا چکا ہوں قریباً پچاس ساٹھ کا پیاں احباب و اقربا میں تقسیم کر چکا ہوں، ان چھوٹی چھوٹی کتابوں کا اثر بھی حیرت انگیز طور پر بہت زیادہ ہے۔

میرے پڑوس میں ایک ریٹائرڈ گورنمنٹ افسر ہیں۔ ان کے خیالات ہم سے مختلف تھے۔ اب وہ میلاد شریف کی محفل بھی کرتے ہیں اور ان کے سب اہل خانہ فقیر کے مرید ہیں۔ میں اپنے طور پر کچھ نہیں کر رہا۔ بس آپ کی تحریر کو دوسروں تک پہنچا رہا ہوں۔ نیک کام کو آگے بڑھانے کا حکم بھی تو ہے۔

(خط، مؤرخہ ۲۵/ اگست ۲۰۰۱ء)

ڈیرہ غازی خان
۱۰فروری ۲۰۰۱

تصانیف کی اثر انگیزی

آپ کے رسائل مطالعہ کرتی ہوں بس اس کے علاوہ مجھے کوئی کام کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ مطالعہ کرتے ہوئے عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے، ساری دنیا باطل اور فانی لگتی ہے، خوف خدا عزوجل دل میں پیدا ہوتا ہے، عبادت کا ذوق و شوق دل میں مچلتا ہے دل چاہتا ہے کہ اس کیفیت سے باہر نہ نکلوں اس لیے آپ کے رسالے ایک بار نہیں کئی کئی بار پڑھتی ہوں۔ میں نے پڑھا تھا کہ موت کی دعا مانگنا جائز نہیں اسی لیے نہیں مانگتی لیکن پھر یوں دعا کرتی ہوں کہ میری زندگی ساری زندگی، ایک ایک پل، ایک ایک گھڑی آپ کو مل جائے۔ میرے پیارے حضرت صاحب کو لگ جائے میری زندگی۔ کیوں کہ میرا جینا تو میرے اپنے لیے بھی فائدہ مند نہیں لیکن آپ کی حیات جاوداں مجھ جیسے نہ جانے کتنوں کے لیے مینارۂ نور ہے۔

(ساریہ بنت فیاض)

علامة المحبة

البروفيسر الدكتور
محمد مسعود أحمد

تعريب: الشيخ افتخار احمد
تخريج: البروفيسر محمد رفيق احمد

الناشر:
اداره مسعودية ٥،٦/٢ -اى، ناظم آباد، كراتشى، سنده
جمهورية باكستان الاسلامية

بسم الله الرحمن الرحيم

"وتعزروه وتوقروه"
(سورة الفتح :٩)

التعظيم
و
التوقير

للأستاذ الدكتور
محمد مسعود أحمد

ترجمة إلى العربية :
دكتور مفتي محمد مكرم أحمد
أستاذ اللغة العربية بجامعة الملية الإسلامية نيو دلهى الهند
والإمام الملكى للمسجد الجامع فتحفوري الملكى - دلهى

قام بالطبع والنشر :
منظمة حماية الإسلام لعموم الهند
المسجد الجامع الملكى فتحفوري دلهى ١١٠٠٠٦ الهند
فى باكستان: إداره مسعودية ٦/٢ ، ٥ إى ناظم آباد
كراتشى - سندهـ - إسلامى جمهوريه اكستان

بسم الله الرحمن الرحيم

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ

(الاسراء: ٧١)

التقليد

للأستاذ الدكتور محمد مسعود احمد

ترجمه إلى العربية

ألأستاذ ذاكر الله المجددى الأفغانى

إدارة مسعودية ٢/٦، ٥-اى، ناظم آباد، كراتشى، سندھ

اسلامى جمهورية باكستان

١٤٢٠ھ/١٩٩٩ء

بسم الله الرحمن الرحيم

﴿ ورهبانية ابتدعوها ما كتبناها عليهم ﴾

سورة الحديد آية : ٢٧

محدثات الأمور

للأستاذ الدكتور محمد مسعود أحمد

ترجمة إلى العربية :

دكتور مفتي محمد مكرم أحمد

أستاذ اللغة العربية بالجامعة الملية الإسلامية نيو دلهي ١١٠٠٢٥

والإمام الملكي للمسجد الجامع فتحفوري الإمبراطوري دلهي (الهند)

سلسلة الاشاعة والنشر الدولي رقم ٥

قام بالطبع والإشاعة في باكستان :

مطبعة إدارة مسعودية ٢ / ٦، ٥ إى ناظم آباد كراتشي -

سندهـ - اسلامي جمهورية باكستان

بسم الله الرحمن الرحيم

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلاَّ لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعِ الرَّسُوْلَ (البقرة ، آية ١٤٣)

القِبْلَة

تأليف

البروفيسر الدكتور / محمد مسعود أحمد

تعريب

محمد حسان ، المجمع الإسلامي ، مباركفور

أعظم جره ، الهند

النـاشـر : حزب الـقـادرية ، لاهـور ، بـاكستان

الشيخ احمد رضا خان البريلوى

وشيئ

من حياته، وافكاره، وخدماته

تاليف

الدكتور محمد مسعود احمد

عميد الكلية الحكومية للشهادة سكهر، سند، باكستان

تعريب

محمد عارف الله المصباحى

الاستاذ بالمدرسة العربية فيض العلوم، محمد آباد كوهنه، مئو، الهند

ملتزم الطبع والنشر

مؤسسة رضا بالجامعة النظامية الرضوية لاهور

باشتراك، مجمع بحوث الامام احمد رضا، كراتشى

بالجمهورية الاسلامية باكستان

من اعلام الهند

دور الشيخ احمد رضا

الهندی البریلوی

فی مقاومة البدع والرد علیها

بقلم

فضیلة الدکتور محمد مسعود احمد المجددی

السکرتیر السابق لوزارة التعلیم باقلیم السند باکستان

التعریب

الاستاذ ممتاز احمد السدیدی

خریج الجامعة الاسلامیة العالمیة باسلام اباد باکستان

ملتزم الطبع والنشر

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا

کراتشی، باکستان

بسم الله الرحمن الرحيم

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِمَ مُصَلًّى

(البقرة: ١٢٥)

ربيع الإنتساب

للأستاذ الدكتور

محمد مسعود أحمد

سلسلة النشر العالمية

(٤)

الإدارة المسعودية كراتشي

جمهورية باكستان الإسلامية

بسم الله الرحمٰن الرحيم

قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا

(سورة يونس: ٥٨)

عيد الكونين

للأستاذ الدكتور

محمد مسعود أحمد

الإدارة المسعودية كراتشي

جمهورية باكستان الإسلامية

بسم الله الرحمن الرحيم

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ

(البقرة ١٩٦)

العمرة

للاستاذ الدكتور

محمد مسعود أحمد

الإدارة المسعودية كراتشي

جمهورية باكستان الإسلامية

١٤٢٢هج.....٢٠٠١ء

بگوئید ایں بباعث فضل و رحمت باری تعالیٰ است
بریں شادی و خوشحالی بکنید کہ آں از ہمہ مال و زر بہتر است

قرآن حکیم، سورۂ یونس، آیت نمبر ۵۸

عید اعیاد

پرفسور دکتر محمد مسعود احمد

مترجمین
پرفسور دکتر انعام الحق کوثر
پرفسور نجم الرشید

مظہری پبلی کیشنز
اے - ۲۶-۶- پی آئی بی کالونی. کراچی
اسلامی جمہوریہ پاکستان
۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ، (انعام: ۵۹)

(و نزد او ست کلید ھائے غیب، نمی داند آں را مگر او)

علمِ غیب

پرفسور دکتر محمد مسعود احمد

ترجمہ فارسی

مولوی عبدالرحمن نعیمی، ایران

ناشر

ادارۂ مسعودیہ

۲ / ۶،۵۔ای، ناظم آباد، کراچی

اسلامی جمہوریہ۔پاکستان

۱۴۱۷ھ / ۱۹۹۷ء

ارمغانِ رضا

محمد احمد رضا خان افغانی

○

مرتبہ

پروفیسور ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ناشر

المختار پبلی کیشنز

۲۵۔ جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل)، صدر، کراچی

۱۴۱۵ھ / ۱۹۹۴ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر (آل عمران : ۱۱۰)
(معروف را حکم می کنید و منکر را منع می کنید)

خوب و ناخوب

مؤلف
پروفیسر دکتور محمد مسعود احمد
ایم-اے، پی-ایچ-ڈی

ترجمہ
ابو زہرہ محمد ذاکر اللہ نقشبندی مجددی افغانی

ادارۂ مسعودیہ، ۲/۶، ۵-ای، ناظم آباد، کراچی، سندھ
اسلامی جمہوریۂ پاکستان
۱۴۲۰ھ / ۲۰۰۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۙ

(بنما راہ راست راہِ آنان کہ برایشان تو احسان کردی) فاتحہ ۵۔۶

صراطِ مستقیم

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم۔ اے ؛ پی۔ ایچ۔ ڈی

ترجمۂ فارسی

الحاج محمد یونس باڑی مظہری

ادیب فاضل ؛ ایم۔ اے (فارسی)

ادارۂ مسعودیہ، ۶/۲، ۵۔ای، ناظم آباد، کراچی

اسلامی جمہوریہ پاکستان

۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۱ء

Eid of Eids

(Festivity above all Festivities)

by

Prof. Dr. Muhammad Mas'ud Ahmed
M.A., Ph.D., Gold Medallist

With English, French, Hindi, Arabic and Persian Translations

Mazhari Publictions
2606/A, P.I.B. Colony
Karachi (Sindh, Pakistan)
Phone : 4940531

1415/1994

92-786
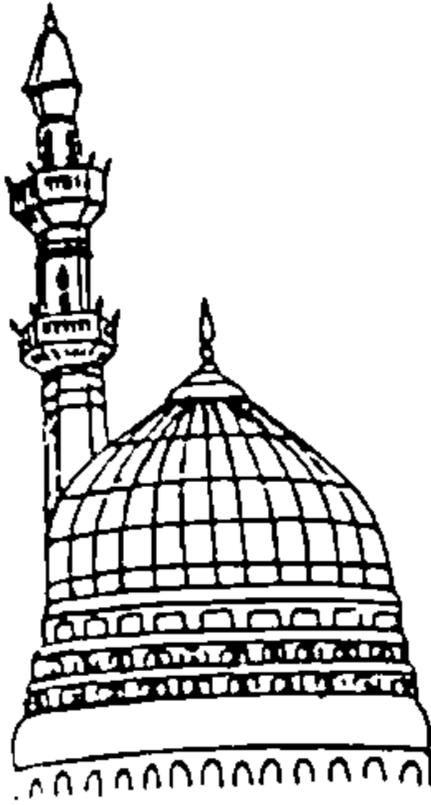
EID AMONGST EIDS
EID MEELAD-UN-NABI صلی اللہ علیہ وسلم

By Prof. Dr. Mohammed Masood Ahmed M.A. Ph.D.
KARACHI - PAKISTAN

Printed on the Occasion of the 74th Annual Urs
(10th Urs in Cape Town)

7 & 8 August 1993 - 17 & 18 Safar 1414

A'LA HAZRAT IMAM AHMED RAZA KHAN

QADIRI BAREILLVI

Under the distinguished patronage of his Eminence
MAULANA ALLAMA HAFIZ MUHAMMAD IBRAHIM
KHUSHTAR SIDDIQUI QADIRI RAZVI
(Founder Patron of the Sunni Razvi Society International)

THE SUPREME FESTIVAL

By

Professor Dr. Muhammad Mas'ūd Ahmed
M.A; Ph.D

Translated and Revised By

Dr. Porfessor A.A. Godlas
(Georgia University, U.S.A)

International Series. No.1

Idara-i-Mas'ūdia
6/2, 5-E Nazimābād, Kārāchi. (Pākistān)

On it therefore let them rejoice. That is better than all their wealth (10:58)

THE UNIVERSAL FESTIVAL

By

Prof. Dr. Muhammad Mas'ud Ahmed
M.A., Ph.D.

Translated By
Prof. Azimi F. M. Shaikh

IDARA-I-MAS'UDIA
6/2, 5-E Nazimabad, Karachi
(Islamic Republic of Pakistan)
1420/1999

۸۱۸

THE KNOWLEDGE OF THE UNSEEN

ENGLISH VERSION OF THE URDU
TREATISE
"'ILM-I-GHAYB"

WRITTEN BY
PROFESSOR DR. MUHAMMAD MAS'UD
AHMED, M.A. ; PH. D.

Translated by
Prof. Azimi faqir Muhammad Shaikh

Published by

Idara-a-Mas'udia
6/2 5-E Nazimabad
Karachi-74600 (Sindh)
Islamic Republic of Pakistan
1415/1994

ILM-E-GHAIB

UNSEEN KNOWLEDGE OF THE HOLY PROPHET

(Peace be upon Him)

Written by: Prof. Muhammad Ahmad (M.A. Ph.D.

Translated by: Professor Ashal Tariq Muhammad Shaikh

Printed on the Occasion of the 75th Annual Urs Qadre Razvi
(11th Urs in Cape Town 1994)
Safar 1415 A.D. - July 1994

UNDER THE DISTINGUISHED PATRONAGE
& SPIRITUAL GUIDANCE OF HIS EMINENCE

Hazrat Maulana Muhammad Ibrahim Kushtar
Siddiqui Qadri Razvi

Founder Patron of the
Sunni Razvi Society International

RESPECT & REVERENCE

English Version of the Urdu treatise
Ta'zim-o-Tawqir

By

Prof. Dr. Muhammad Masu'd Ahmad
M.A.; Ph. D.

Translated By

Prof. Azimi F. M. Shaykh

Idara-i-Mas'udia
6/2, 5-E, Nazimabad, Karachi (Sindh)
(Islamic Republic of Pakistan)
1415/1994
Phone: 213973, 6614747

Take as your place of worship — the place where Ibrahim stood. (al-Qur'an 2:125)

SPIRITUAL SIGNFICANCE OF AFFINITY

English Version of the Treatise
(*Nisbaton ki Baharain*)

By
PROFESSOR DR. MUHAMMAD MAS'UD AHMAD
M. A., Ph. D.

Translated by
Professor 'Azimi F. M. Shaikh

Idara-i-Mas'udia
6/2 , 5-E Nazimabad, Karachi
(Islamic Republic of Pakistan)
1415/1994
International Series No.4

And when you are told to rise up, rise up.Allāh will raise to ranks (and degrees) those of you who Believe (Qur'ān, *al-Mujadila* 58:11)

SALUTATION & ADORATION

(English translation of *Salām-o-Qayām*)

By
Professor Dr. Mūḥammad Mas`ūd
Aḥmed, M.A; Ph.D

Translated By
Professor Azimi F.M.Shaykh

International Series .No. 8

Idara-i-Mas`ūdia
6/2, 5-E Nazimaliad,
Karachi. (Sindh)
(Islamic Republic of Pakistan)
1416/1996

Allah's Name To Begin, Most Merciful, Most Gracious

And stay at homes and don't be immodest like the immodesty of the preliterate era (Ahzāb, 33 : 33)

"Woman And The Veil"

English version of the Urdu treatise

'Awrat Aur Pardah'

By

Prof. Dr. Muhammad Mas'ūd Aḥmad

Translated by

Fatima Mas'ūdi

International Series No. 6

Idara Mas'ūdia, Karachi
Islamic Republic Of Pakistan.
1417/1996

But monasticism they invented, We ordained it not for them, only seeking Allah's Pleasure. (Qur'an, al-Hadid, 57: 27)

THE NOVELTIES

ENGLISH VERSION OF
"*Na'iy Na'iy Batain*"

By

Prof. Dr. Muhammad Mas'ud Ahmad
M.A, Ph.D

Selected & Translated
By

Prof. Azimi F.M. Shaykh

International Series No. 5

Idara-i-Mas'udia, 6/2, 5-E Nazimabad
Karachi (Sindh)
(Islamic Republic of Pakistan)
1995/1416

And there is not a being upon the earth

that anyone but Allah makes a provision for (Hūd-6)

ISLAMIC ECONOMIC SYSTEM

Prof. Dr. Muhammad Mas'ūd Ahmad

M.A., Ph.D

Translated by:

Prof. Muhammad Abrar Husain

Idara Mas'ūdia
2/6,5-E, Nazimabad, Karachi, Sindh
Islamic Republic of Pakistan

1418 /1997

Our Lord! And raise up in their midst a messenger from among them who shall recite unto them Thy revelations.(al-Baqara 2:129)

The Ibrahim's Prayer

English version of the Urdu tratise

"Du'ai-i-Khalil"

By

Pro. Dr. Muhammad Mas'ud Ahmad

M.A., Ph.D.

Translated By

Fatima Mas'udi (M.A.)

International Series No.14.

Idara-e-Mas'udia, Karachi

Islamic Republic of Pakistan

1418/1997

And we appointed the Qibla which you formerly observed only that we might see him who follows the messenger, from him who turns on his heels (al Baqarah 2:143)

FACIAL FOCUS

(English Version of the Urdu Treatise ***"Qibla"****)*

By

Prof. Dr. Muhammad Mas'ud Ahmed
M.A.; Ph.D

Translated by

Prof. Azimi F. M. Shaykh

(International Series No.7)

Published by:

Idara-i-Mas'udia
6/2, 5-E, Nazimabad, Karachi (Sindh)
(Islamic Republic of Pakistan)

Phone: 213973, 6614747

1416/1996

Allah's Name to Begin, Most Merciful,
Most Gracious.

"On the day when We shall summon all men with their Imam."(Qur'an, al-Asra' 17:71)

FOLLOWING

(TAQLID)

(Abstract of a comprehensive research paper on the same topic by the same author)

By
Prof. Dr. Muhammad Mas'ud Ahmad
(M.A., Ph.d.)

Translated By
Fatima Mas'di (M.A)

9

Idara-i-Mas'udia Karachi
Islamic Republic of Pakistan
(1997 / 1418)

The Influence of Shaykh Aḥmad Sirhindi On Dr. Muḥammad Iqbāl

(Selected English Version Of The Book In Urdu)

"HAZRAT MUJADDID ALF-I-THĀNI اور AWR DR. MUḤAMMAD IQBĀL"

By
PROFESSOR DR. MUḤAMMAD MAS'UD AḤMAD,
M.A, Ph. D.

TRANSLATED BY
PROF. AZIMI F.M. SHAYKH

IDARA-I-MAS'UDIYYA, KāRACHI
(Islamic Republic Of Pakistan)
1416/1996

NEGLECTED GENIUS OF THE EAST

An Introduction to the life and the works of

MAWLĀNĀ AḤMAD RIḌĀ KHĀN

of Bareilly (India)

1272/1856-1340/1921

By

PROFESSOR

MUḤAMMAD MAS'ŪD AḤMAD

M.A; Ph.D.

Published by:

RIḌĀ ACADEMY

(REGD.)

Raza Masjid,

Mehboob Road, Chah Miran

Lahore - Pakistan

THE REFORMER OF THE MUSLIM WORLD

Ahmad Riza Khan Bareilwi

(b.1272/1856 d.1340/1921)

By

Prof. Dr. Muhammad Mas'ud Ahmad

M.A., Ph. D.

Translated By

V. Rahmatullah, M.A.
Senior Lecturer in English Islamiyya College
Vaniyambadi (Tamil Nadu, Bharat)
(1413 /1993)

Sponsored by
Idara-i-Tahqiqat-i-Imam Ahmad Riza
25, Japan Mansion, Regal, Sadar,
Karachi (Sindh)
(Islamic Republic of Pakistan)
1416/1995

THE REFORMER OF THE MUSLIM WORLD

Ahmad Riza Khan Bareilwi (b.1272/1856 d.1340/1921)

By

Prof. Dr. Muhammad Masud Ahmad

M.A., Ph. D.

Translated By

V. Rahmatullah, M.A.

Senior Lecturer in English Islamiyya College Vaniyambadi (Tamil Nadu, Bharat)

(1413 /1993)

Published by

Idara-i-Tahqiqat-i-Imam Ahmad Riza 25, Japan Mansion, Regal, Sadar, Karachi (Sindh)

(Islamic Republic of Pakistan)

1995/1415

First Edition

1415/1995

Price R10,00
Abroad 10 Dollars

Can be Obtained From:-

SUNNI RAZVI PUBLICATIONS
P.O. Box 22
CRAWFORD 7770
CAPE TOWN
SOUTH AFRICA

IMAM AHMAD RAZA

Reflections & Impressions

By

Prof. Dr Muhammad Masud Ahmed
Principal
Govt. Degree College & Post Graduate Studies Centre
Sukkur
(Sind, Pakistan)

Translated by

Prof. Zainuddin Siddiqui
Head of the Department of Economics
Govt. Degree College, Sukkur

Published by

THE SUNNI RAZVI SOCIETY INTERNATIONAL
under the guidance of the Founder Patron, His Eminence
**HAZRAT MAULANA
MUHAMMAD IBRAHIM KHUSHTAR SIDDIQUI
QADRI RAZVI**

With the kind co-operation of
IDARA-I-TAHQEEQAT-E-IMAM AHMED RAZA (Regd.)
(Karachi, Pakistan)

Guide and Guidance

(A symmetrical work on the cyclopaedic genius and grand personality of IMAM AHMAD RAZA KHAN)

by

Prof Dr Muhammad Masood Ahmed

Translated into English
by
Nigar Erfaney

Published by

THE SUNNI RAZVI SOCIETY INTERNATIONAL
under the guidance of the founder patron, His Eminence
**HAZRAT MAULANA
MUHAMMAD IBRAHIM KHUSHTAR SIDDIQUI
QADRI RAZVI**

with the kind co-operation of
IDARA-E-TAHQEEQAT-I-IMAM AHMED RAZA
(Karachi, Pakistan)

(AUGUST 1992)
(SAFAR 1413)

THE LIGHT

by

MUHAMMAD MASUD AHMED
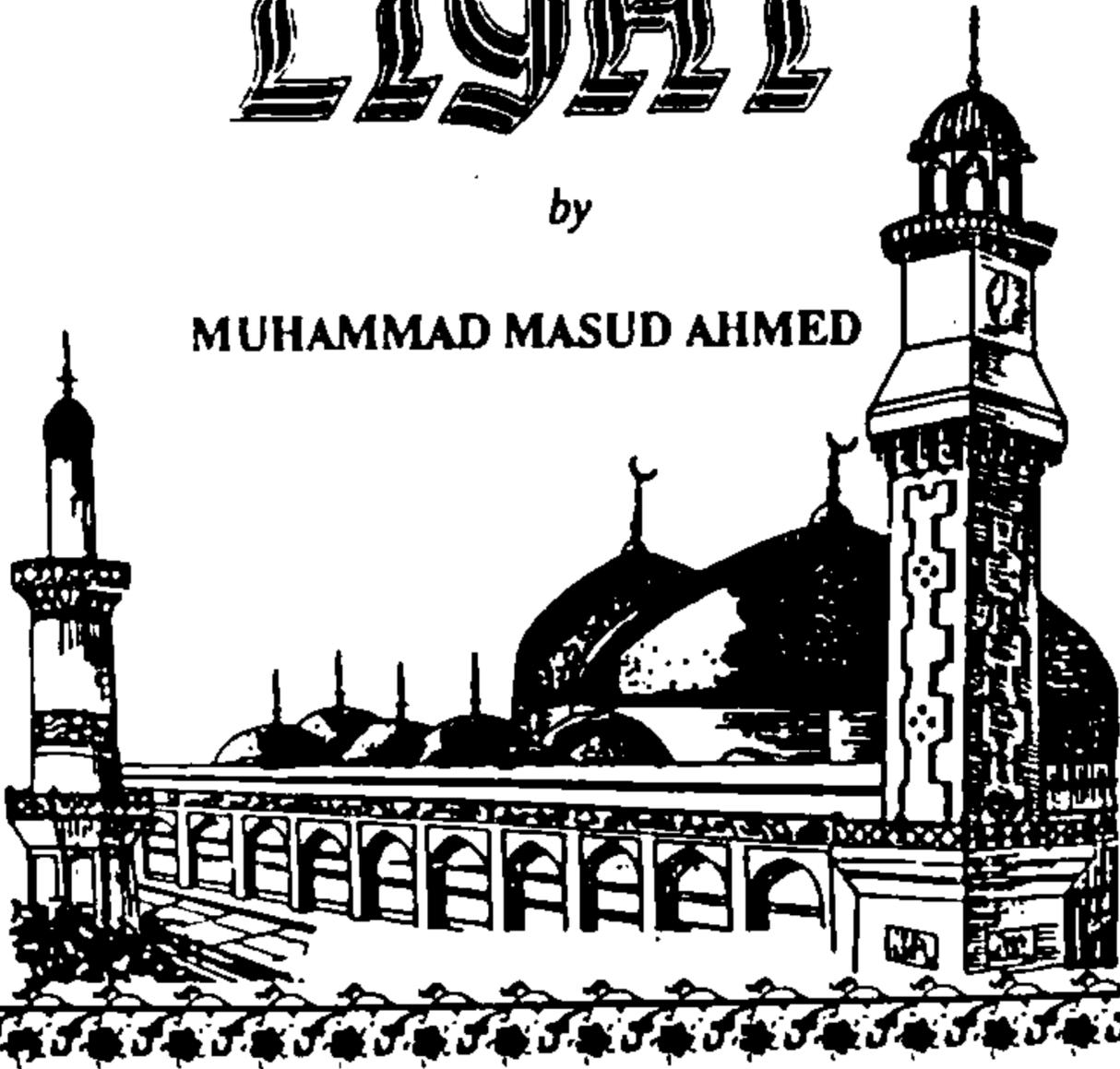
SUNNI RAZVI SOCIETY
DURBAN
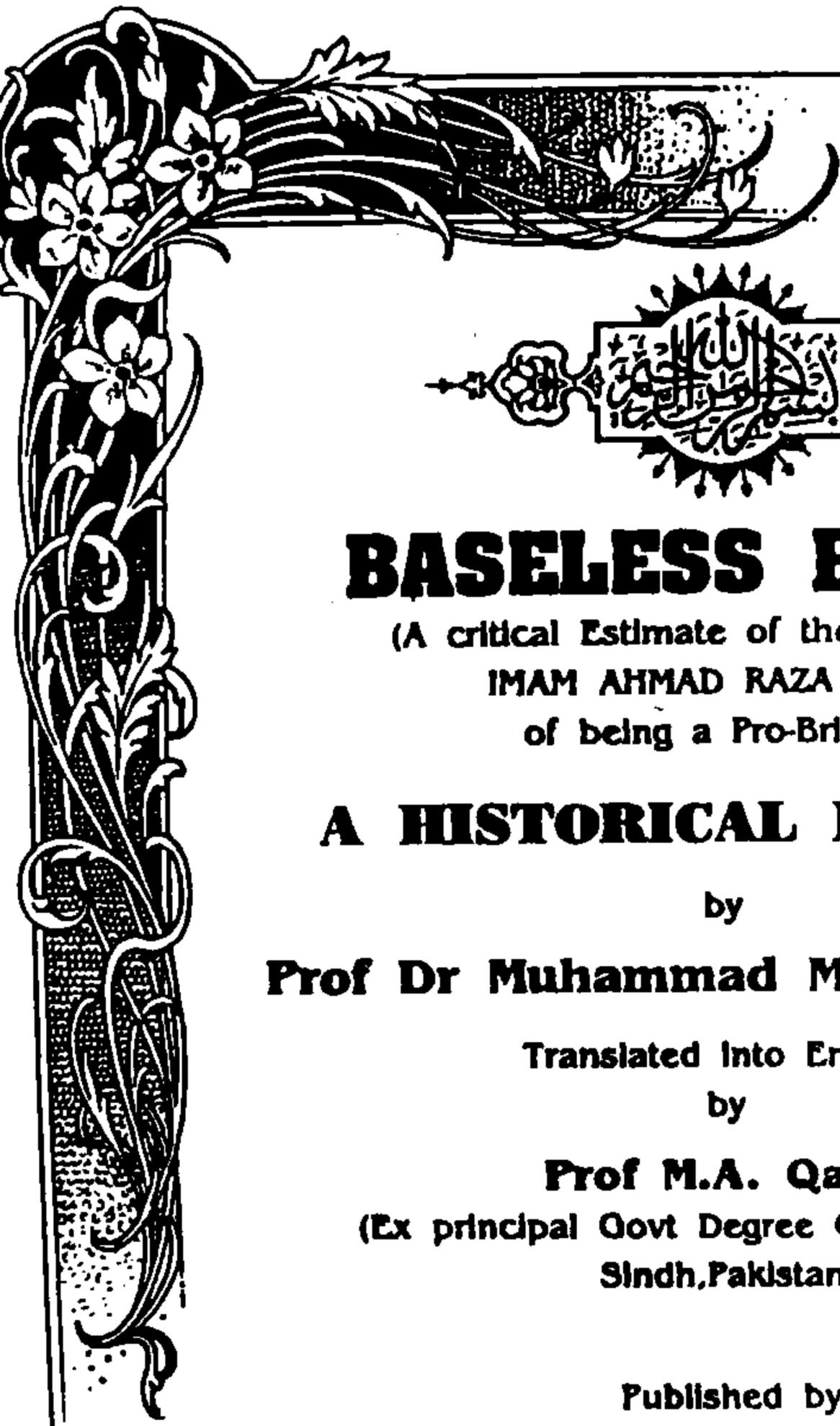
BASELESS BLAME

(A critical Estimate of the Blame on
IMAM AHMAD RAZA KHAN
of being a Pro-British)

A HISTORICAL REALITY

by

Prof Dr Muhammad Masud Ahmad

Translated into English
by

Prof M.A. Qadir
(Ex principal Govt Degree College, Sukkur,
Sindh, Pakistan)

Published by
THE SUNNI RAZVI SOCIETY INTERNATIONAL,
under the guidance of the founder patron, His Eminence
**HAZRAT MAULANA
MUHAMMAD IBRAHIM KHUSHTAR SIDDIQUI
QADRI RAZVI**

With the kind co-operation of
IDARA-I-TAHQEEQAT-E-IMAM AHMAD RAZA
(Karachi, Pakistan)
(OCTOBER 1991)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(Allah's Name to begin, Most Merciful, Most Gracious)

TOLERANCE

(In the light of Qur'an, Hadith and History)

English Version of Urdu Treatise

RAVADARI

By

Professor Dr. Muhammad Mas'ud Ahmad

M.A., Ph.d.

Translated By

Munir Iqbal Mas'udi (M.Sc., M.B.A.)

International Series No.16

Idara-i-Mas'udia

2/6, 5-E Nazimabad, Karachi (Sind)

Islamic Republic Of Pakistan.

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّى

(۽ ابراهيم جي بيهڻ جي جاءِ کي جاءِ نماز بڻايو) (البقره ١٢٥)

نسبتن جون بهارون

پروفيسر ڊاڪٽر محمد مسعود احمد

ايم اي؛ پي - ايڇ - ڊي

مترجم: پروفيسر قدوس احمد جان سرهندي

مڪتبه مجدديه

"حَسُنَتۡ مُرۡتَفَقًا"

١/ ١ رنگ روڊ ميرپورخاص سنڌ

فون ٠٢٣١/ ٢٢٥٦

٠٢٣١/ ٥٥٩٤

بسم الله الرحمٰن الرحيم

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰي (احزاب ۳۳)

پنهنجي پنهنجي گهرن ۾ رهو ۽ ڏور جاهليت وانگيان بي پرده نه ڦرو. جيئن اڳوڻي جاهليت جي بي پردگي

عورت ۽ پردو

پروفيسر ڊاڪٽر محمد مسعود احمد

ايم.اي، پي.ايڇ.ڊي

سنڌيڪار

مهراڻ فضل الرّحيم فيضؔ

بين الاقوامي سلسله اشاعت نمبر

6

شِرڪتِ اسلاميه

مُسلم منزل حميد پُوره ڪالوني نمبر 1، ميرپورخاص (سنڌ)

اسلامي جمهوريه پاڪستان (1420هه / 2000ع)

سلسلہ نمبر 7

رواداري

قرآن، حديث ۽ تاريخ جي روشني ۾

پروفيسر ڊاڪٽر محمد مسعود احمد
ايم اي، پي ايچ ڊي

سنڌيڪار

مهراڻ فضل الرحيم فيض

انٽر نيشنل قرآن ڪانفرنس، وگيان ڀون، نئين دهلي جي لاءِ لکيل مقالو 1418ھ / 1998ع
قرآن هندي سوسائٽي، هند

شرڪت اسلاميہ

مسلم منزل، حميد پوره ڪالوني نمبر 1، ميرپورخاص (سنڌ)
اسلامي جمهوريہ پاڪستان (1422ھ / 2001ع)

سلسلہ نمبر 9

غريبن جو غمخوار

پروفيسر ڊاڪٽر محمد مسعود احمد

ايم اي. پي ايچ ڊي

سنڌيڪار

حافظ سخي محمد مهراڻ

شرڪت اسلاميہ

مسلم منزل، حميد پوره ڪالوني نمبر ۱، ميرپورخاص (سنڌ)

اسلامي جمهوريہ پاڪستان (1422ھ / 2001ع)

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ

جنهن ڏينهن اسين هر جماعت کي سندس امام سان گڏ سڏينداسين (سورة اسراء: 71)

تقليد

خلاصه

پروفيسر ڊاڪٽر محمد مسعود احمد

ايم.اي. پي.ايچ.ڊي

مترجم

پروفيسر پير نثار احمد جان سرهندي

صدر شعبهٔ اسلامي تعليمات

شاهه عبداللطيف (سائنس) ڪاليج ميرپورخاص

شرڪت اسلاميه

مُسلم بيڪري، حميدپوره ڪالوني 1 ميرپورخاص.(سنڌ) پاڪستان

1420ھ/ 1999ع

بيشڪ الله وٽ اسلام ئي دين آهي

بيشڪ الله وٽ اسلام ئي دين آهي

उजाला

ईमाम अहमद रज़ा का परिचय

-: लेखक :-

प्रो. डा. मो. मसऊद अहमद
एम्. ए., पी. एच्. डी.

- प्रकाशक -

एदारा अफकारे हक़
बायसी बाज़ार - पुर्णयाँ बिहार

रज़ा अकाडमी, नायगांव, नांन्देर (एम्. एस्.)

Marfat.com

ইমাম আহ্‌মদ রেযা খান বেরেলভী

(রাহ্‌মাতুল্লাহি আলায়হি)

জীবন ও কর্ম

হাম্মদ নেজাম উ

ইমাম আহ্‌মদ রেযা রিসার্চ একাডেমী, চট্টগ্রাম

وَتُـعَزِّرُوْهُ وَتُـوَقِّـرُوْهُ.

او دهغه عزت او احترام کوی. (فتح:۹)

تعظيم أو توقير

مصنف

پروفیسر ډاکټر محمد مسعود احمد

(ایم.اے ، پی.ایچ.ډی)

ژباړونکی

عبدالله غزنوی

ادارهٔ مسعودیه، کراچی

ضمیمہ نمبر ۷

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے نام ملکی و غیر ملکی مشاہیر اور فضلاء و محققین کے اُردو، عربی، فارسی اور انگریزی خطوط

حازم محمد أحمد عبدالرحيم المحفوظ
مدرس مساعد بكلية اللغات و الترجمة جامعة الأزهر الشريف . القاهرة . مصر

بسم الله الرحمن الرحيم

" إن الله و ملائكته يصلون على النبي يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه و سلموا تسليما " قرآن كريم

[١]

القاهرة في ١ / ٨ / ١٩٩٧ م
الجمعة ٢٦ ربيع الأول ١٤١٨ هـ

معالي فضيلة الإمام الشيخ الأستاذ الدكتور / محمد مسعود أحمد المحترم

السلام عليكم ورحمة الله تعالى وبركاته ، وبعد

فإنه من دواعي سروري أن أكتب إليكم ، وبداية أوجه إليكم جزيل الشكر على تفضلكم بكرم بالغ منقطع النظير بإرسال بعض مؤلفاتكم وكتب أخرى هدية لقسم اللغة الأردية وآدابها ، ولي أيضا ، وندعو الله تعالى أن يكرمنا باللقاء بكم قريبا في القاهرة أو كراتشي أو لاهور ، آمين

وأود أن أخبركم أيضا بأنه بحمد الله تعالى تم العام الدراسي الماضي افتتاح قسما جديدا للغة الأردية وآدابها بجامعة الأزهر الشريف « فرع البنات » أي أنه قاصرا على الفتيات ، وقد طلبت مني السيدة الأستاذة الدكتورة رئيسة القسم الجديد مخاطبة الهيئات العلمية كي تتفضل بإمدادنا ببعض المؤلفات الأردية من أجل المكتبة الجديدة لهذا القسم . وها أنا أوجه إليكم الدعوة للمشاركة في هذا العمل النبيل ، كما أرجو من فضيلتكم توجيه الدعوة للهيئات والمكتبات العلمية لأهل السنة والجماعة حتى تشارك وتساهم في هذا العمل . وأرجو أن تكون الكتب الأردية عن الإمام أحمد رضا خان وكبار علماء أهل السنة بما فيهم فضيلتكم لأنني أفكر هذه الأيام في إعداد أحد تلاميذنا للإعداد رسالة علمية « ماجستير » حول شخصيتكم وإسهاماتكم العلمية .

أستاذنا الجليل

مضى عام ونصف عام وإلى الآن لم يتم طبع ديوان "بساتين الغفران" فهل هذا العمل عديم، وهل ليس هناك رغبة عند علماء أهل السنة والجماعة في باكستان من أجل الإقدام على طبع هذا الديوان؟ ديوان امامهم الإمام الأكبر المجدد محمد أحمد رضا خان

هل لا يستطيع علماء أهل السنة والجماعة تحمل باقي نفقات طباعة هذا الديوان ؟

أستاذنا الجليل

اتمنى أن أجد إجابة واضحة على هذه التساؤلات ،

سنة ونصف ولم يطبع هذا الديوان ، اذن متى يطبع ؟!!!

انني كما تعلمون أمضيت بستة أشهر في هذا العمل لانني تيقنت من مدى أهمية البالغة ، وكنت اتمنى ان يتم طباعته في اسرع وقت ممكن حتى يكون لي شرف السبق في هذا العمل.

انني لا اتهم شخص معين بالتقصير أو التهاون في طبع "بساتين الغفران" ولكن اتعجب من مضي ثمانية عشر شهرا ولم يتم حتى الآن طبعه !

الدراسات الرضوية فى الجامعات والإذاعة المصرية :

بحمد الله تعالى وبتوفيقه خطت هذه الدراسات - حول معالى الإمام الأكبر المجدد محمد احمد رضا خان رحمة الله عليه - خطت خطوات إلى الإمام وكان الفضل لله تعالى أولاً ، ثم ما وفق فى تحقيقه هذا العبد المتواضع حازم المحفوظ . وهذه الإنجازات كالآتى :

[١] ادخال دراسة الإمام الأكبر المجدد محمد احمد رضا خان ضمن مناهج التعليم بكلية اللغات والترجمة من جامعة الأزهر الشريف .

[٢] الإسهام فى تسجيل الأخ الشيخ ممتاز احمد السديدى لدرجة التخصص "الماجستير" فى موضوع "الشيخ محمد احمد رضا خان شاعراً عربياً" :

فقد ذهبت عدة مرات إلى استاذنا فضيلة الأستاذ الدكتور رزق موسى ابو العباس المشرف على هذه الرسالة بكلية الدراسات الإسلامية من جامعة الأزهر ، وتحدثت إليه عن امكانية التسجيل فى موضوع الإمام الأكبر المجدد ، وبحمد الله تمت موافقته وموافقة مجلس قسم اللغة العربية وبعدها مجلس كلية الدراسات الإسلامية وبعدها مجلس جامعة الأزهر الشريف .

[٣] اعتكاف أستاذنا الأستاذ الدكتور خليل عبد الحميد من كلية اللغات والترجمة من جامعة الأزهر، اعتكافه هذه الأيام لترجمة ودراسة «أرمغان رضا» الديوان الفارسي لمعالي فضيلة الإمام الأكبر المجدد الذي تفضلتم فضيلتكم بجمعه وترتيبه والتقديم له،

وقد تحدثت مع أستاذ الدكتور خليل في شأن ترجمة «أرمغان رضا» إلى اللغة العربية فوافق بحمد الله.

[٤] قيام الأخ الزميل محمود النمر المصري وهو يعمل مترجما في اللغة الأردية بالإذاعة المصرية، بالتسجيل لدرجة الماجستير بكلية الآداب من جامعة عين شمس في موضوع:

«الظواهر الفنية في ديوان حدائق بخشش مع ترجمة منتخبات منه إلى اللغة العربية»

وبحمد الله قمت بمساعدته في اختيار هذا الموضوع ووضعت له هذا العنوان وأعددت له خطة البحث وكل ما يتعلق بالتسجيل لدرجة الماجستير

[٥] قدمت مقال مطول تحت عنوان: «الشيخ محمد أحمد رضا خان القادري» إلى الإذاعة المصرية وسوف يذاع قريبا من القاهرة على البرنامج الثاني بالإذاعة المصرية

٦ المشاركة مع استاذنا الفاضل الدكتور أحمد حسين احميري في نقل كتاب «عبقري الشرق المجهول» من الانجليزية الى اللغة العربية.

٧ ترغيب استاذنا العلامة الاستاذ الدكتور حسين مجيب المصري على تناول الامام الاكبر المجدد بالبحث والدراسة. وهذا العلامة كتب عن الشاعر والمفكر الاسلامي الكبير محمد اقبال كتب ثمان كتب.

٨ اقوم حاليا باعداد مقال تحت عنوان:

«الدراسات الرضوية في مصر العربية»

هذا ما انجزه العبد المتواضع حازم المحفوظ بحمد الله تعالى وفضل رسول الكريم صلى الله عليه وآله وسلم، في فترة وجيزة، فقد استطعت أن اضع حجر الاساس للدراسات الرضوية هنا

وكل ما نطلبه من فضيلتكم الدعاء

سلامي الخاص لفضيلتكم وإلى أستاذنا الجليل الشيخ محمد عبد الحكيم شرف القادري وإلى استاذنا الشيخ عبد القيوم الهزاروي والى جميع علماء وطلاب أهل السنة والجماعة ببلدكم الطيبة، وفي انتظار الرد

والسلام عليكم

تلميذكم المخلص

حازم المحفوظ

بسم الله الرحمن الرحيم

Hazem Mohammad Ahmad
Assistant professor in Urdo dept.
Faculty of Languages and Translation .
Al Azhar University
Nasr City , Cairo , Egypt .
Tel home 7583171 (telefax)
Work; 2614972/ 2615237
Fax 2638043

حازم محمد أحمد محفوظ
مدرس مساعد بقسم اللغة الأردية و آدابها
كلية اللغات و الترجمة
جامعة الأزهر الشريف
مدينة نصر ـــ القاهرة ـــ مصر
ت : منزل : ٧٥٨٣١٧١
عمل : ٢٦١٥٢٣٧/٢٦١٤٩٧٢
فاكس : ٢٦٣٨٠٤٣

أستاذنا وشيخنا الموقر فضيلة الأستاذ الدكتور محمد مسعود أحمد المحترم

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته وبعد

فوصلتنا رسالتكم المستفيضة المؤرخة في ١١ من رمضان عام ١٤٢٠ھ/١٩ من ديسمبر عام ١٩٩٩م، فسعدنا بها واستفدنا كثيرا مما ورد فيها من معلومات غزيرة عن حياتكم الحافلة بالعطاء والإنجازات العظيمة من أجل أمتكم الإسلامية، ومن مؤلفاتكم القيمة وما كتب عنكم من دراسات علمية وأدبية لها قيمتها السامية.

وأود أن أحيط علمكم أن مجلة معارف رضا ١٩٩٩م ومجلة امام احمد رضا كانفرنس ١٩٩٩ء م/ومجدد الف ثاني، امام احمد رضا اور حضرات نقشبندية / وامام احمد رضا اور جامعه الأزهر، قد وصلتنا بحمد الله، وسعدنا بها خاصة كتاب امام احمد رضا اور حضرات نقشبندية الذي شارك في تأليفه أنجلكم البار محمد مسرور احمد بارك الله فيه وفي أعماله ومؤلفاته.

شيخنا الموقر:

لقد سعدنا عظيم السعادة برأيكم - الذي نعتز به في دوام - في (المنظومة السلامية في مدح خير البرية) الذي اكتمل ورأى النور بفضل دعواتكم المستجابة.

وكنا نود أن نعرف رأيكم كذلك في (الكتاب التذكاري مولانا الإمام أحمد رضا خان) الذي بذلنا فيه مجهودا كبيرا أكبر من المنظومة السلامية ويرى هذا من خلال مطالعة الكتاب الذي يتضمن مقالات لشخصيات

المحاضرة في يوم السبت ١٥ من شوال عام ١٤٢٠ھ ٢٢ من يناير عام ٢٠٠٠ء

مصرية تكتب لأول مرة عن الإمام محمد أحمد رضا خان - عليه الرحمة والرضوان. ٢

شيخنا الموقر

اعلمكم ان الدكتورة منال اليمنى الاستاذة بقسم لغات الأمم الإسلامية من كلية الآداب بجامعة عين شمس نرغب إعداد كتاب عن الشيخ الإمام المجدد للألف الثانى أحمد السرهندى. وكنت قد حدثتها عن الإمام السرهندى وخدماته فى شبه القارة الهندية فنرجو ارسال أى مؤلف له باللغة الفارسية فى التصوف الإسلامى، حيث ان الدكتورة منال اليمنى متخصصة فى اللغة الفارسية والأدب الصوفى بالإسلامى.

شيخنا الموقر

نحيط علمكم اننا وبحمد الله وبفضل من الرسول اتممنا حتى تاريخ كتابة رسالتنا هذه الانتهاء من الترجمة العربية المنظومة لحدائق بخشش إلى البيت رقم ٣٦٩ وفيه يقول الإمام رضا:

"رضا" بركاتٌ بمدح الرسول دوارٌ لتلكيرها لا يزول

ولقد اختار استاذنا الجليل حسين مجيب المصرى عنوان للترجمة العربية وهو

صفوة المديح

فى النبى وآل البيت والصحابة والأولياء

ونأمل ان ننتهى من ترجمة كل الديوان (ج١، ٢، ٣) خلال اشهر قلائل. إنه وبدون ادنى شك عمل علمى كبير

شيخنا الموقر

لقد اعتزمنا إصدار سلسلة من الكتب باللغتين العربية والأردية هدية منا إلى فضيلتكم بمناسبة الاحتفال بعيد ميلادكم المبارك ومرور سبعين عاما على مولدكم أطال الله فى عمركم ونرجو - عند إصدارها فى القاهرة - أن ننال شرف قبولكم.

شيخنا الموقر

بخصوص ما ذكرتموه فى خطابكم المؤرخ فى ٢٨ من اغسطس عام ١٩٩٩م بشأن مؤلفاتكم الجديدة. فاحيط علمكم انه لم يصلنا منها غير كتاب (مقصور باكستان ايك تحقيق جائزه)

٣/

وكما ذكرت من قبل فهو كتاب جيد ومفيد وجديد في تناوله لتأسيس دولة باكستان كما انه غير مسبوق في نتائجه التي توصلتم إليها.

ولقد عرضت هذا الكتاب على أستاذنا الجليل الدكتور حسين مجيب المصري فنال استحسانه وسوف يرسل لكم في القريب العاجل رأيه فيه.

أما بخصوص الشيخ ممتاز سديدي فسوف يقدم باكستان نهاية شهر يناير الحالي وتم الانتهاء من تسجيل رسالة لنيل درجة الدكتوراه في موضوع الشيخ الإمام فضل حق الخير آبادي عليه الرحمة والرضوان

أما بخصوص مقالتي التي اعدتها لنيل درجة الدكتوراه فبحمد الله انتهيت منها وقدمتها إلى الأستاذ الدكتور المشرف وأنا الآن في انتظار طبع الرسالة تمهيدا للامتحان. فارجو منكم الدعاء بالتوفيق.

وفقنا الله وإياكم وكل المسلمين .. آمين

والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته

المخلص
حازم محفوظ

القاهرة في صباح يوم السبت
١٥ من شهر شوال عام ١٤٢٠هـ
٢٢ من شهر يناير عام ٢٠٠٠م

بسم الله الرحمن الرحيم

Hazem Mohammad Ahmad
Assistant professor in Urdo dept.
Faculty of Languages and Translation.
Al Azhar University
Nasr City, Cairo, Egypt.
Tel home 7583171 (telefax)
Work; 2614972/ 2615237
Fax 2638043

حازم محمد أحمد محفوظ
مدرس مساعد بقسم اللغة الأردية و آدابها
كلية اللغات و الترجمة
جامعة الأزهر الشريف
مدينة نصر — القاهرة — مصر
ت : منزل : ٧٥٨٣١٧١
عمل : ٢٦١٤٩٧٢ / ٢٦١٥٢٣٧
فاكس : ٢٦٣٨٠٤٣

القاهرة في صباح يوم الخميس
ن من شهر شوال عام ١٤٢٠هـ
٧ من شهر يناير عام ١٩٩٩م

أستاذنا وشيخنا الجليل فضيلة الإمام الأستاذ الدكتور / محمد مسعود أحمد المحترم

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته، وبعد

ندعو الله أن تكونوا بخير وبصحة طيبة وكل شئ على ما يرام.

قبل أيام وصلتني رسالة من أستاذنا الشيخ محمد عبد الحكيم شرف القادري مؤرخة في ٢٣ من شهر رمضان عام ١٤٢٠هـ، أخبرني فيها بعزم مولانا الإمام محمد سبحان رضا خان إعداد كتاب تذكاري بمناسبة مرور مائة عام على تأسيس جامعة منظر الإسلام، وأرغب إعداد بحث علمي مستفيض بمناسبة هذه الذكرى الطيبة [عنوانه الحبر رضا خان وجامعة منظر الإسلام]، وأود أن تتفضلوا بالإجابة على الأسئلة الآتية، وأرسال ما يعاوننا من مادة علمية لسرعة انجاز هذا البحث:

1. من كتب في هذا الموضوع من قبل؟
2. أين كانت تقع هذه الجامعة؟ وهل تغير مكانها على مر السنين؟
3. ما المواد الدراسية التي درست فيها؟
4. لماذا فكر الإمام الأكبر المجدد في تشييد هذه الجامعة؟
5. ما أثر جامعة منظر الإسلام في شبه القارة الهندية؟
6. من تولى رأستها بعد رحيل مولانا الإمام الأكبر المجدد وحتى اليوم؟
7. اسماء أشهر الأساتذة والطلاب الذين درسوا ودرسوا فيها منذ تأسيسها وحتى اليوم.
8. أين تقع هذه الجامعة اليوم، ومن يديرها، وما المواد التي تدرس فيها، واسماء الأساتذة

سلامنا إلى شخصكم المفضال وإلى أستاذنا العلامة شاه تراب الحق القادري وأستاذنا

الحاج محمد رفيق القادري البركاتي وأستاذنا الشريف وجاهت رسول القادري والأخ العزيز الأستاذ الدكتور مجيد الله القادري والدكتور العزيز إقبال أحمد اختر القادري وإلى أبنكم العزيز مولانا ابو السرور محمد مسرور أحمد

والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته

تلميذكم المخلص

حازم محفوظ

ملحوظة هامة

تم إلى وقت كتابة رسالتي هذه الإنتهاء من الترجمة العربية المنظومة لديوان حدائق بخشش إلى البيت رقم ٤٠٤ وفيه يقول مولانا الإمام الأكبر المجدد

فيا عجبا با "رضا" للكرام فعترته فضلها ذائع عم

وسوف يكون اسم الترجمة العربية [صفوة المديح]

بسم الله الرحمن الرحيم

فضيلة الإمام الأستاذ الدكتور محمد مسعود أحمد حفظه الله رئيس مركز بحوث الإمام أحمد رضا

سلام الله عليكم ورحمته وبركاته، والأمل أن تكونوا في أتم عافية وأسعد حال: أما بعد

فلا يسعني الآن أقول لكم أي لسان أشكر وأي جميل أذكر اعترافا بفضلكم علي وعلى ولدي البار الدكتور حازم محمد أحمد محفوظ، في اقتراحكم ترجمة كتاب (حدائق بخشش) إلى الشعر العربي مزودا بالشرح والتعليق. لقد أتم الله نعمته علينا وعلى المكتبة العربية بالفراغ من ترجمة الكتاب إلى الشعر العربي، والمأمول أن ينال هذا العمل قبولكم لديكم.

تصور پاکستان

ولا يسعني إلا شكركم على كتاب تصور پاکستان الذي تفضلتكم بإهدائه
إليّ وهو كتاب نفيس أفدت منه كثيراً، وفيه معلومات جيدة
عن قيام باكستان، وهو مرجع قيم أصيل لكل من يكتب عن
باكستان، ويا ليت ولدي البار الدكتور حازم يقوم بترجمته إلى
العربية لأنه يستحق الترجمة كي يستفيد منه العرب
ولكم وافر الشكر وخالص الدعاء

دكتور حسين مجيب المصري
٣ شارع الملك الأفضل بالزمالك القاهرة
ت ٧٣٨٢٥٠٢

القاهرة
٢٠ يناير ٢٠٠١م

إلى فضيلة الإمام
الأستاذ الدكتور محمد مسعود أحمد
حفظه الله
المرسل
حسين مجيب المصري

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسول الکریم

شکرنامہ

باعث تحریر ایں کہ بتاریخ ۱۲/۶ سنہ ۱۳۷۹ق مطابق ۱۲/۴ سنہ ۱۴۲۲ش بارفاقت ہم سفر جناب شرف مآب (جانشین خانقاہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ دریں جامعہ عالیہ نورالمدارس فاروقی حضرت احمد امین اسمٰعیل المجددی ہمراہ درشہر کراچی ایام راگذاشتیم۔ راجع بہ خدمات وشخصیت پروفیسور مسعود ملت صاحب غائبانہ متعارف شدیم۔ حقیر بعد از مطالعہ چندیں رسالہ ہا وکتب ہائے ایشاں کہ توسط ادارۂ مسعودیہ چاپ شدہ خیلے باعث مسرت گردید کہ الحمدللہ ایشان زندگانی خویش راصرف تصنیف کتب ہائے اسلامی تصوفی نمودہ اند۔ از خداوند متعال لایزال برایشاں توفیق بیشتر در رابطہ بہ خدمت اسلامی وطریقہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ خواہانیم واقعاً ایں خدمات ایشاں علامت سعادت دینی واخروی شاں می گردد ودر جمیع حسنات شاں چاپ نمودن رسائل چہارگانہ فقیر حقیر کہ در رابطہ بہ مسائل تصوف میراث ودر تبیین بعض قواعد علم شریعت فقہ تالیف شدہ دربارۂ ایشاں بہ چاپ می رسانند وایں خدمت ایشاں واقعاً بجز دریافت رضائے اقدس الٰہی دیگر مقصدئی باشد۔ خداوند جل وعلا تمام حسنات ایشاں راموردقبول وبرائے حصول رضائے اقدس خویش گردانہ آمین)

اللهم لا تكلنا ولا تكله الى النفس طرفة عين و لا اقل من ذلک والحمدلله رب العلمين الرحمن الرحيم و صلى الله تعالىٰ على رسوله الامين واغفرلنا ولجميع المومنين يا رب العالمين

حقیر...... خلیفہ داد محمد نائب رئیس جامعہ نورالمدارس، کابل (افغانستان)

---

۱. الرسالة النوريه بينته للمسائل الوراثية
۲. الرسالةلصغيرة و الكبيرة المسماة بكشف الاستار تحفة الاحرار
۳. الرسالة الضيانيته بينة لبعض المعارف القدسية المجددية
۴. ضياء الافكار بنور الابصار

عزیز از جان ست دنیائے حیران کمنا رباد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ۔ ہمارا حال تو اس شعر کا مصداق ہے
من و پروانہ و بلبل ہمہ یکجا جمع اند خیم بروید کہ جمع اند پریشانی چند
تو عہدہ جیسے عہدہ کا کیا تعلق۔ یہ صحیح ہے کہ اس موقعہ پر مشرق
رنگا رنگ کی شادیانے غیر معروف صورت دیکھ خنداں ہے
تو اس میں تعجب کی کیا بات ازلی قسمت اگرچہ مختلف ہوا ہے
جیسی کرنی ویسی بھرنی مناسبت ہوگی لیکن ہمارے حصہ میں
جو آیا ہے وہ تو بڑا گراں قدر ہے بلبل کو دیا نالہ تو
پروانہ کو جلنا۔ غم مجھ کو دیا ہے جو مشکل نظر آیا ہے یہ کیا
آنکھ نے خون ہو کر دل آفت سینہ۔ یہ مشکلیں اتنی بڑی ہیں کہ مجبور
کہ آساں ہو گئیں۔ طبیعت نہایت درجہ بند ہو گئی کچھ سمجھ
میں نہیں آتا کہ کیا کہا جائے۔ تمہارا خط کئی دن سے پڑا تھا
اور شاید جواب ضروری تھا بدیں وجہ طبیعت کے گھبراتے ہوئے اور چند
الفاظ لکھے گئے سب کو سلام و دعا کہہ دو والسلام   محمد مظہر اللہ غفرلہ (۱۱)

محبی سلمکم - السلام علیکم

اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں دیا اور جو اس نے لیا سب اسی کا ہے
اور ہم بھی اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ تمہارے تار و خط کے
مضمون نے سخت رنج پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جوارِ رحمت میں
جگہ دے اور تم کو صبر جمیل اور اس کا اجر جزیل عنایت فرمادے
تم میری ناراضی کا خیال نہ کرو اور شوق سے چلے آجاؤ۔ لیکن
اس کا خیال رہے کہ اگر تمہارے یہاں آنے میں کوئی نقصان ہوتا ہو
تو ہرگز آنے کا ارادہ نہ کرو۔ یہ دعا کثرت سے پڑھتے رہو اس سے
تمہیں صبر بھی آجائے گا اور جو نعمت تم سے لی گئی ہے اس سے
بہتر تمہیں ملجائے گی۔

اَللّٰھُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا

فقط والسلام
محمد مظہر اللہ غفرلہ

راج بھون

رانچی

۳راگست ۱۹۵۸ء

عزیزم مسعود احمد صاحب خدا آپ کو خوش اور تندرست رکھے۔

آپ کا خط مجھے آخر جون ہی میں مل گیا تھا مگر میں اس زمانے میں زیادہ تر دورے پر رہا اس لیے بر وقت اس کی رسید نہ بھیج سکا۔ یہ آپ کی محبت ہے کہ آپ نے مجھ سے مشورہ طلب کیا ہے۔[1] لیکن یہ سچ ہے اس میں سب سے اچھے مشیر تو آپ ہی ہو سکتے ہیں۔ جو آدمی تحقیق کرنا چاہتا ہے اس کے ذہن میں کچھ نہ کچھ مسئلے تشنۂ تحقیق ضرور ہوتے ہیں ان کو واضح طور پر اپنے ذہن سے تلاش کیجیے اور پھر جو صاحب آپ کے کام کی نگرانی کے لیے مقرر ہیں ان سے مشورہ لیں اس لیے کہ ہر نگراں ہر مسئلے میں نگرانی کا پورا حق ادا نہیں کر سکتا۔ ان مسائل میں سے جو وہ پسند فرمائیں اس کو موضوع تحقیق بنایے۔ اگر آپ کے ذہن میں کوئی مسئلہ تحقیق طلب نہ ہو تو پھر تحقیق کو ضروری کیوں سمجھیے۔ ہر شخص پر تحقیق علمی لازم تو ہے نہیں۔ شعر گفتن چہ ضرور؟

اگر آپ کو میرے جواب سے کچھ مایوسی ہو تو مجھے معاف فرمائیں، لیکن میں دیانت سے یہی سمجھتا ہوں اور اس طرح اپنے شاگردوں کو خود سوچنے پر مجبور یا آمادہ کرتا ہوں۔

خدا کرے آپ سب بخیر ہوں۔ والسلام

خیر طلب

ذاکر حسین

ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب ۱۹۵۸ء میں ایم اے کرنے کے بعد ڈاکٹریٹ کے لیے مناسب موضوع کی تلاش میں تھے۔ متعدد موضوعات ان کے ذہن میں تھے اور وہ فیصلہ کر نہیں پاتے تھے۔ موضوع کے سلسلے میں انھوں نے بعض ماہرین تعلیم کو خطوط لکھ کر ان سے مشورہ طلب کیا تھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے ذاکر صاحب کو بھی خط لکھا تھا جو نہ صرف ایک ماہر تعلیم تھے اور دو جامعات کے وائس چانسلر رہ چکے تھے بلکہ ان کے والد محترم مفتی محمد مظہر اللہ صاحب (۱۸۸۶ھ-۱۹۶۶ء) کے ملنے والوں میں بھی تھے اور ان کے اوصاف حمیدہ کے معترفوں میں بھی تھے۔

علی گڑھ ۱۹۶۴ء

برادر محترم! ...... السلام و علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲۰ر نومبر کا گرامی نامہ آج ملا آپ کی شفقت اور اخلاق حسنہ سے بڑا دل خوش ہوتا ہے آج کل اپنے کام کے سلسلے میں کچھ معارف اور برہان کے پرانے پرچے دیکھ رہا ہوں آپ کے کئی مضامین بھی پڑھنے میں آئے جس کاوش اور پتہ ماری کے ساتھ آپ نے محنت کی ہے اس کی داد آپ کا خود اپنا کام ہے حسن اتفاق سے آج کل ڈاکٹر صاحب بھی آئے ہوئے ہیں ان سے میں نے ان مضامین کی جب تعریف کی تو ایسا محسوس ہوا کہ وہ بھی اپنے اوپر رشک کرنے لگے۔ آپ ڈاکٹر صاحب کو سمجھائیں کہ کچھ علم حاصل کرنے کی طرف توجہ دیں صرف پیسہ کمالینا کافی نہیں ہے یوں ہی کسی کی تعریف کرنا میرا قطعاً شیوہ نہیں مگر اس پورے خاندان میں خدا کے فضل سے جو راہ آپ نے اختیار کی ہے وہ تمام برادران میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے آپ نے مولوی نہ ہو کر مولوی کا حق ادا کیا ہے اس کا اجر انشاءاللہ آپ کو اللہ ضرور دے گا۔

آپ کے مطبوعہ مضامین کے ENGLISH TRANSLATIONS بہت ضروری ہیں تاکہ مغربی مالک میں بھی لوگ اس سے فائدہ اٹھاسکیں۔ ہوسکے تو کنیڈا کا دورہ کر آئیے اس سے آپ کے علوم مشرقیہ میں نہ صرف اضافہ ہوگا بلکہ وہاں بھی علماء آپ سے بہت کچھ حاصل کریں گے۔ ویسے آپ کے تمام مضامین میگل یونیورسٹی کنیڈا کے اسلامک انسٹی ٹیوٹ میں موجود ہیں جیسا کہ احقر کو وہاں بہت سے حضرات نے بتایا ہے۔ میں اپنے کام کے مکمل ہونے کے بعد مصر کے وظیفہ پر آئندہ سال جانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ حضرت مجدد الف ثانی کی ایک بہت پرانی کتاب میری نظر سے گزری ہے مگر اس وقت نام یاد نہیں رہا پھر کسی خط میں لکھوں گا ممکن ہے کہ وہ کتاب آپ کے لئے مفید ہو سکے۔ یہاں خیریت ہے سب کی خدمت میں درجہ بدرجہ سلام۔

آپ کا نیاز مند،
پروفیسر ڈاکٹر ا، حقر رضوان اللہ غفر لہ
ڈین وصدر شعبۂ دینیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

○

کراچی

نومبر ۱۹۸۹ء

محترمی جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب زاد عنایتکم

آپ کی طرف سے آپ کی تصنیف کردہ کتاب "جانِ جاناں" کی اعزازی کاپی ملی اس عزت افزائی کا شکریہ۔ میں نے اسے پڑھا اور محسوس کیا کہ اس دل فریب مضمون سے آپ کو کس قدر محبت ہے۔ آپ ایم اے ہیں اور ڈاکٹر ہیں اور آپ کے خیالات پر انگریزی طرز کی تعلیم نے یہ احساس اجاگر کیا ہے کہ دین سے محبت کے لیے بانیٔ دین سے محبت کرنا شرط ہے۔ چنانچہ آپ نے یہی لگن مسلمانوں اور غیر مسلموں میں پیدا کرنے کی خاطر زیرِ نظر کتاب تصنیف فرمائی ہے۔ خدا کرے کہ خاطر خواہ اثر مرتب ہو اور آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کا صلہ عطا ہو۔

مجھے اس کتاب کا جو حصہ بہت پسند آیا وہ ۱۲۹ سے ۱۴۱ تک صفحات پر مشتمل ہے یہ حصہ آج کل کے پڑھے لکھے اصحاب کے دل نبی کریم کی طرف کھینچ سکتا ہے۔ باقی کا زیادہ حصہ ان لوگوں کے لیے موضوع ہے جو بلند پایا ناموروں کے اقوال اور عقل کو زیر کرنے والے افکار اور تصورات سے مرعوب ہوتے ہیں ان کے لیے اقوال اور معجزات و کرامات بہت بڑے دلائل ہیں۔

میرا جی یہ چاہتا ہے کہ آپ ایک اور کتاب تصنیف فرمائیں جو ان لوگوں کے لیے ہو جو حق کے متلاشی تو ہیں لیکن ان کے دلوں میں ابھی محبت کے سرسراہٹ پیدا نہیں ہوئی ہے چنانچہ وہ مصدقہ واقعات اور عقلی دلائل سے متاثر ہوتے ہیں اور ایسی تصدیق سے متاثر نہیں ہوتے جو دنیاوی عقل اور دلائل سے اونچی سطح پر مرتبہ کے اعتبار اور عشق و محبت کے دائرے میں آجاتے ہیں وہ درجہ بعد کا ہے اگر میسر آجائے۔

مذکورہ کام اس وجہ سے مشکل ہے کہ اس قسم کی تصنیفات شاذ و نادر ہی ملیں گی۔ حالانکہ اس کے برعکس ایسی تصنیفات جن میں عظیم شخصیتوں کے اقوال اور عقل سے زیادہ اعتقاد پر انحصار کیا گیا ہے درجنوں ہیں، عقید تمندی میں ان سے بہت مدد مل جاتی ہے۔ آپ جیسے باعلم اصحاب جن کے دل اس محبت سے بھی روشن ہیں جو راہبری کر سکتی ہے ایسی تصنیف (کتاب) کریں جو محبت کو جدید طرزِ خیال میں ڈبو دے تو بہت بڑی خدمت ہوگی۔

خیر طلب

(جسٹس) قدیر الدین احمد

چیف جسٹس سندھ ہائی کورٹ، پاکستان

ڈاکٹر جمیل جالبی
۱۲ ۱ ــ ز

صدر نشین

تاریخ: ۵ــ اگست ۱۹۸۹ء

محترمی پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب ،
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :

آپ کی نئی تصنیف " جان جانان " کا ایک نسخہ موصول ہوا جس کے لیے شکر گزار ہوں ــ آپ نے اس موضوع پر یہ کتاب لکھ کر حقیقتاً تحقیق اور تصنیف کا حق ادا کر دیا ہے ــ اس کتاب کی اشاعت پر دلی مبارک باد قبول فرمائیے ــ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ــ

امید ہے آپ بخیر و عافیت ہوں گے اور تصنیف و تالیف کے کام میں ہمہ تن مصروف ہوں گے ــ "جان ایمان" کا ایک نسخہ بھی آپ کی عنایت سے مجھے مل گیا تھا ــ

آپ کا مخلص

جمیل جالبی

(ڈاکٹر جمیل جالبی)

بخدمت گرامی :

جناب پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب ،
مکان نمبر ۱۷/۲ سی ،
پی ای سی ایچ سوسائٹی ،
کراچی نمبر ۲۹ ــ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

قومی سیرت کانفرنس

اسلام آباد
۲۰ دسمبر ۱۹۸۹ء

محترمی گرامی پروفیسر ڈاکٹر مسعود صاحب!

السلام علیکم :- گرامی نامہ کاشف حالات ہوا - آپکی گریڈ ۲۰ میں ترقی کی اطلاع پاکر بے حد خوشی ہوئی - یہ اعزاز صرف آپ کا نہیں بلکہ ہم سب کا ہے اور بالخصوص یہ ہمارے مضمون کا اعزاز ہے - میری طرف سے دلی مبارکباد قبول کیجئے - اللہ تعالیٰ آپ کو مزید ترقی و رفعت سے نوازے - آمین!

آپ کی گرانمایہ تصانیف کی مقبولیت کا پڑھ کر اور بھی مسرت ہوئی یقیناً یہ تصانیف شہرت دوام کا حق رکھتی ہیں اور ہر عاشق رسول ؐ کے پاس ہونی چاہییں - آپ نے جس عشق و محبت، عرق ریزی و محنت اور محققانہ توجہ سے انہیں مرتب کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہیں - اللہ تعالیٰ انہیں مزید قبولیت سے نوازے - آمین! میں سمجھتا ہوں یہ بدقسمتی ہے ان لوگوں کو جو ان کے مطالعہ سے محروم رہے اور جنہوں نے دوسروں تک اس محبت رسول ؐ کی خوشبو کو دوسروں تک پہنچنے سے روکا - لیکن خوشبو تو بہرحال پھیلتی رہے گی اور پورے گلستان کو معطر کر دے گی - اللہ تعالیٰ آپ کو اس سلسلہ علمیہ اور مبلغانہ مساعی کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے - آمین -

والسلام

آپکا نیازمند
(دستخط)
(پروفیسر امتیاز احمد سعید)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
پرنسپل ، سکھر

حکیم محمد سعید
HAKIM MOHAMMED SAID
HAMDARD MANZIL
KARACHI-5
(Pakistan)

Karachi: Clinic 215808, Office 616001-5; Residence 410612
Telex 24529 HAMD PK
Lahore: Clinic 53819
Rawalpindi: Clinic 64338; Residence 43944
Peshawar: Clinic 74186; Residence 42303
Hyderabad: Clinic 31686

حوالہ نمبر: ذ / ت / 89/7713
کراچی : پوسٹ کوڈ نمبر 74600
6 / ذیقعد 1409ھ
11 / جون 1989ء

محترم جناب ڈاکٹر مسعود احمد صاحب!

السلام علیکم

آپ کی کتاب جان جاناں صلی اللہ علیہ وسلم پیش نظر ہے۔ ظہور قدسی عالم انسانی کی تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ ہے، اس کی اہمیت پر مستند حوالہ جات کے ساتھ آپ نے منفرد انداز سے روشنی ڈالی ہے۔

اسلوب دلکش، اور کتاب خوبصورت ہے۔ اللہ تعالیٰ مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے احساس سے ہر مسلمان کے قلب کو معمور و منور فرمائیں۔ آمین۔

آپ کی کتاب داخل کتب خانہ کرلی گئی ہے۔ اس تحفۂ علمی کا بیش از بیش شکریہ۔

امید ہے کہ مزاج بعافیت ہوگا۔

والسلام
بہ احترامات فراواں
مخلص
(حکیم محمد سعید)

جناب محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب
[illegible] / 17 - سی، پی ای سی ایچ سوسائٹی
کراچی نمبر 29

حکیم محمد سعید
HAKIM MOHAMMED SAID
HAMDARD HOUSE
KARACHI-74800
(Pakistan)

Karachi Clinic: 215908, Office: 6616001-4, Residence: 4914851
Telex: 20870 HAMD PK, Telefax: (92-21) 6611755
E-Mail: hlpak@paknet3.ptc.pk
Madinat al-Hikmah: 6986001-2, 6900000
Lahore: Clinic 7227729
Rawalpindi: Clinic 566716
Peshawar: Clinic 274186

حوالہ نمبر: ز ت ر ۹۸ر

کراچی :۱۸ر جولائی ۱۹۹۸ء

جناب محترم ڈاکٹر مسعود سلم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ

علم کی اشاعت، فکر کی وسعت اور دانش کی حفاظت کسی قوم کے لیے بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ اس لیے وہ اصحاب جو ا
خدمت میں حصہ لیتے ہیں اور اپنے علم وفکر کی ملک و ملت کے لیے عام کرتے ہیں ہمارے لیے نہایت قابل احترام اور لائق ستائش ہ

میں نے برصغیر کے ان اہل فکر و نظراور صاحبان تصنیف کی ایک فہرست مرتب کی ہے جن کے بارے میں مجھے یقین
اطمینان ہے کہ انھوں نے برصغیر میں انقلاب فکر پیدا کیا ہے اور تعمیر وتہذیب اذہان میں ناقابل فراموش اور موثر و مثبت حص
ہے۔ اس فہرست میں آپ کا اسم گرامی بھی ہے۔ میں ممنون ہوں کہ آپ از راہ لطف وکرم اپنے گراں قدر تصانی
وقتاً فوقتاً مجھے ھدیۃً بھجواتے رہے ہیں۔ بلاشبہ یہ میرے پاس ایک قیمتی سرمایہ ہے۔ مگر میں اس سے ایک قدم اور آ
بڑھانا چاہتا ہوں۔ میں آپ کی کم سے کم ایک تصنیف کا اصل مسودہ بھی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ برصغیر میں
فکر وقلم کی تحریرات کو محفوظ کرنے کا تخیل صرف اس حد تک ہے کہ قومی اور سیاسی رہنماؤں کے بارے میں اس قسم کا انتظام
جاتا ہے ان کی اہمیت اپنی جگہ مسلم، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ایک سیاسی رہنما سے زیادہ اہمیت کی حامل وہ شخصیات ہیں ک
افکار کو جنم دیتی ہیں اور علم و عمل کی راہوں کو ہموار کرتی ہیں۔

میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں ایسی تمام تحریرات کو جمع کر کے ان کو محفوظ کر دینے کا انتظام کر دوں۔ بلاشبہ یہ تحری
آج بھی قیمتی ہیں اور آج سے پچاس اور سو سال بعد ان کی قیمت وقدر کئی گنا زیادہ ہوگی کہ ان کو ایک اثاثۂ ملی کی حیثی
حاصل ہوگی۔ پچاس اور سو سال بعد شائد ہم تو اس دنیا میں موجود نہیں ہوں مگر میں فکر ونظر کے لیے آنے والی ملت ک
لیے یہ تاریخی سرمایہ محفوظ کر جاؤں گا کہ جو متعدد اعتبارات سے موضوع فکر بن سکتا ہے۔

میں آپ سے یہ درخواست کروں گا کہ آپ کم سے کم اپنی کسی ایک تصنیف کا مکمل مسودہ اصل حالت میں (یعنی ج
حال میں کہ کتابت یا طباعت کے لیے دیا گیا تھا) مجھے عطا فرما دیجیے اور مجھے اجازت دیجیے کہ میں اسے مجلد کرا کے بیت الحکم
شعبہ مسودات مصنفین میں محفوظ کردوں۔ آپ کے اس تعاون وعطا سے مجھے ملی خدمت کا موقع مل جائے گا اور میں ہدیہ تشک
امتنان بھی آپ کو پیش کر کے مطمئن ہوں گا۔

میری ایک اور درخواست یہ ہے کہ آپ مجھے اپنے حالات (بایو ڈیٹا۔ حیات نامہ) سے بھی مطلع فرمانے
زحمت گوارا فرمائیں تاکہ میں اس مسودہ کے ساتھ اسے بھی محفوظ کر سکوں۔

احترامات فائقہ کے ساتھ

آپ کا مخلص
محمد

(حکیم محمد سعید)

حکیم محمد سعید
HAKIM MOHAMMED SAID
HAMDARD HOUSE
KARACHI-74800
(Pakistan)

Karachi Clinic: 215908, Office: 6616001-4, Residence: 491
Telex: 29370 HAMD PK, Telefax: (92-21) 6611755
E-Mail: hlpak@paknet3.ptc.pk.
Madinat al-Hikmah: 6996001-2, 6900000
Lahore: Clinic 7237729
Rawalpindi: Clinic 566716
Peshawar: Clinic 274186

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
۲۰۔ جمادی الثانی ۱۴۱۹ ہجری
12-اکتوبر 1998 عیسوی

حوالہ نمبر: ذ ر ت ر ۹۸ / ۲۹۰۴۳

جناب محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب
السلام علیکم ورحمتہ اللہ تعالیٰ و برکاتہ

"سفر نامہ ٹھٹھی"۔۔۔ کا از اول تا آخر مطالعہ کرنے کے بعد ایک تو اس علاقے کی تاریخ سے آگہی ملتی ہے اور زمانہ بہ زمانہ حالات معلوم ہوتے ہیں بلکہ حالات امروز کا بھی پتہ ملتا ہے۔
خو آپ نے تعلیم کے لیے اس علاقے میں جدوجہد کی ہے اور ایک تاریخ کو وجود دیا ہے یہ بجائے خود ایک اہم کام ہے اور سندھ میں فروغ علم کی ایک نہایت مبارک کوشش۔
سندھ کے بارے میں عام معلومات کم اور کم تر ہیں۔ "سفر نامہ ٹھٹھی" کے مطالعہ سے یہ خیال ضرور آتا ہے کہ اس انداز کے سفرنامے لکھے جاتے رہنے چاہییں۔
آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

بہ احترامات فراواں

آپ کا مخلص

حکیم محمد سعید

بگرامی خدمت جناب محترم ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب
ادارہ مظہر اسلام'
نئی آبادی' مجاہد آباد'
مغل پورہ' لاہور۔

علامہ بدر القادری، ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی، دی ہیگ، ہالینڈ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گنجینہ اہل سنت، سرمایہ ملت حضرت پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب قبلہ ادام اللہ انوارہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ-----

خدا کرے اب مزاج عالی ہر طرح بخیر ہو۔ آپ کی علالت کی خبر سن کر، فقیر علیل کے تفکرات اور بڑھ گئے۔ مولا قادر و قدیر شافی و کافی و معافی آپ کو جلد شفاء کامل و عاجل سے نوازے۔ صحت کلی بخشے۔ آمین!----- یارب! یا رحیم یا کریم!----- مجھ جیسے بندہ بے کار کے ایام ولیالی میں سے اس بندہ حق کو حصہ عطا کردے جس سے ملت اہل سنت کے ہزاروں سینے حب خدا و رسول (جل و علی و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے) سفینے بن رہے ہیں۔

یا میرے پروردگار! حضرت پروفیسر صاحب قبلہ کو عمر خضر عطا فرما! حضور آقا و مولا رحمتہ للعالمین کا صدقہ انھیں شفاء عاجل عطا فرما۔

حضور پیران پیر پر دستگیر سیدنا الشیخ عبدالقادر گیلانی البغدادی کا صدقہ انھیں شفاء کامل و عاجل عطا فرما!

میرے جملہ مشائخ سلاسل قادریہ رضویہ، نوریہ----- اور جملہ سلاسل طرق روحانیہ کا صدقہ انھیں شفاء عاجل عطا فرما!

اور ان کے ذریعہ دین و سنیت کا جو مشن جاری ہے اسے استحکام و بقاء بخش خصوصا حضور امام اہل سنت اعلی حضرت قدس سرہ اور ان کی تحریک کے سلسلہ میں جو انقلابی تحقیقی و تصنیفی کام چل رہا ہے حضرت پروفیسر صاحب قبلہ کی سرپرستی میں اسے پایہ تکمیل تک پہنچا! آمین یا رب العالمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ و علی الہ و صحبہ و حزبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین!

جملہ حاضرین کی خدمات میں سلام مودبانہ عرض ہے۔

دعاجو۔ دعاگو ---- نیاز مند

القادری غفرلہ

۹۷/۱۲/۳ء

مفتی اعظم دہلی علامہ ڈاکٹر محمد مکرم احمد خطیب و امام مسجد جامع فتحپوری۔ دہلی

قبلہ و کعبہ عم محترم زید مجدکم

سلام مسنون ۔ مزاج گرامی!

یہاں پر ماشاء اللہ سب بخیر ہیں لیکن آپ کی علالت کی خبر نے سب کو بے چین رکھا ہوا ہے۔ دعاء ہے کہ پروردگار عالم اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں جناب کو عمر دراز بخیر و تندرستی و سلامتی و توانائی عطا فرمائے۔ آمین!---- آپ کی حیات شریفہ ایک طرف ہم اہل خاندان کیلئے سرپرست کی حیثیت رکھتی ہے تو دوسری طرف پوری ملت کی روحانی رہبری آپ کی ذات سے ہو رہی ہے---- بین الاقوامی سلسلہ تالیفات نے بہت سے گمراہوں کو ہدایت کا جام پلا دیا اور وہ گمراہی سے بچ گئے---- ماشاء اللہ ایک طرف تو خلوص بھرے جذبات اور دوسری طرف انداز بیان۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ!---- کم علم بھی فیض پا رہے ہیں اور اہل علم بھی---- دریا ہے جو سب کو سیراب کر رہا ہے---- الفاظ میں اتنی طاقت کہاں کہ وہ جذبات کی عکاسی کر سکیں!

محمد مکرم احمد غفرلہ
۱۲/ دسمبر ۱۹۹۷ء

اے۔ ایچ۔ قادری
(انسپکٹر آف سنٹرل ایکسائز، ممبئی۔11)

Date: 19-11-1997

۱۸ رجب المرجب

۱۴۱۸ھ

۷۸۶

۹۲ / ۹۱۷

پروفیسر ڈاکٹر الحاج محمد مسعود احمد صاحب مجددی نقشبندی مظہری صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ و اسرار ہم

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

آج آپ کی علالت کا اطلاع نامہ کلمات خیر 'دعائیہ الفاظ' مع احوال مختصر پر مشتمل مکتوب گرامی موصول ہوا صدمہ ہوا کہ آپ علیل ہیں. میری والدہ محترمہ نے فورا دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا. میری اہلیہ کی آنکھیں نمناک ہو گئیں اور میرا کلیجہ درک گیا---- میری طرح نہ جانے کتنے دیوانوں. چاہنے والوں: عقیدت مندوں. متوسلین. اور احباب کو آپ کی علالت کی خبر سے بلاشبہ دلی رنج و صدمہ ہوا ہو گا. قلب کی کیفیت بیان کرنا بڑا مشکل فن ہے---- ایک قیس کو لیلی نے مجنوں بنایا تھا لیکن آپ نے ہزاروں کو دیوانہ بنا ڈالا---- امام احمد رضا کو علم داں طبقوں میں متعارف کرنے میں آپ نے مجتہدانہ طرز اپنایا اور یہ کام تاریخ کا اہم باب بن گیا---- آپ رضویات کے سلسلے میں جزولاینفک کی حیثیت اختیار کر گئے---- آنے والا اہلسنت کا مورخ آپ کی ان خدمات جلیلہ کو نہ تو نظرانداز کر سکتا ہے اور نہ ہی سنی دنیا آپکے احسانات کو فراموش کر سکتی ہے---- امام احمد رضا نابغہ روزگار تھے اور آپ کی عبقریت مسلم تھی مگر آپ کے قلمی رسالوں

کی اشاعت کے بعد ہی امام احمد رضا کی عبقری شخصیت کے تمام محجوب اور پوشیدہ گوشے طشت از بام ہوئے ــــــ آج یونیورسٹیوں میں مغرب کے دانشکدوں میں امام احمد رضا کے علم اور اسلامی فکر و فقہ اسلامی' سائنس کے جدید علوم و فنون پر امام احمد رضا کی دسترس. یہ سارے شعبہ (ہائے) حیات منظر عام پر لانے میں آپ کی خدمات نمایاں ہیں ــــــ سیکڑوں اکادی. ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کے نام اور کام کے لئے معرض وجود میں آگئے ــــــ اعلی حضرت کی ہمہ جہتی فکر و دانش اور تمام علمی و فکری و دینی خدمات سامنے آئیں آپ اہلسنّت کا ایک لازوال اور ایک حسین دولت گرانمایہ ہیں سینوں کو امام احمد رضا جیسا مجدد ملا. (۱) رہبر و رہنما. (۲) اجالا پڑھنے کے بعد لاکھوں سینوں میں یہ تصویر آویزاں ہوئی۔

آپ کی تحریروں نے غلط فہمی کا صرف ازالہ ہی نہ کیا بلکہ حقائق اور معارف کو واشگاف کیا ــــــ جو کام 'مستند علماء کا تھا. ایک اکیڈمی کا تھا. آپ نے پچیس سالوں سے جو کام کیا وہ تنہا یہ ساری کامیابیوں اور کامرانیوں کا سہرا آپ کے سر رہا اور ہے ــــــ "حفظ الایمان" کی ایک عبارت پر سیکڑوں مناظرے ہوئے. بر صغیر ہند و پاک کا مسلمان بریلوی مکتب فکر اور دیو بندی مکتب فکر میں تقسیم ہو کر رہ گیا۔ مگر جب آپ نے دانشوروں. مفکران ملت کو اپنی تحریروں سے جھنجھوڑا ــــــ آپ کا طریقہ عالمانہ بھی ہے ادیبانہ بھی ہے. ناصحانہ بھی ہے ــــــ مناظرہ سے جنگ و جدال اور خونریزی تک کی نوبت آگئی اور شدت پسندی کو فروغ ملا ــــــ آپ نے وقت کی نباضی کی. اپنی خداداد صلاحیت کو اعلی حضرت پر تحقیق کے لئے وقف کر دیا اور اللہ تعالی نے آپ سے وہ کام لیا جس کی علمی دنیا اور دانشور طبقے کو ضرورت تھی ــــــ غلط فہمیوں کا دبیز پردہ چاک ہوگیا. حقیقت نکھر کر سامنے آگئی ــــــ امام احمد رضا کو بر اعظم ایشیاء کا نابغہ روزگار ثابت تو آپ نے ہی کیا مگر مظلوم پہلے ثابت کر دیا اور یہ بھی ثابت کیا کہ عبقری اسلامی شخصیت کو منظم طریقہ سے نظرانداز کیا گیا ہے اور اس کی خدمات کو فراموش کر دیا گیا ہے۔

Neglected Genius Of The East "Is Imam Ahmad Raza"

آج غلغلہ بلند ہے۔۔۔۔۔ ہر طرف پیغام رضا کی دھوم ہے کیونکہ وہ لوح . قلم کا امام تھے مگر آپ نے بھی لوح و قلم کے ذریعہ ہی علمی پلیٹ فارم سے ان تمام ذھنوں کو امام احمد رضا کی جانب متوجہ کیا . مائل کیا اور عبقریت تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا۔۔۔۔ اللہ تبارک و تعالے نے آپ سے تاریخ ساز انقلابی کام لیا۔۔۔۔ صحافت کے ذریعہ نہ کہ مناظرہ اور مجادلہ کے ذریعہ۔۔۔۔ اس لئے آپ بھی سچے عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔۔۔۔ تحریک فکر رضا کے بانی جناب زبیر قادری آپ کی سوانح حیات 'جہان مسعود' میرے گھر آن کر ما نگ . لئے گئے . واپس کرنے کا وعدہ کر کے لے گئے ہیں . فون کر کے منگوا لوں گا۔۔۔۔ اب صحت یابی کا خط مژدہ جانفزا لائے تب ہی میرے دل کو قرار آئے گا۔۔۔۔ اللہ تعالے سیدنا غوث پاک اور خواجہ غریب نواز کے صدقہ و طفیل جلد از جلد شفائے کامل عطا فرمائے آمین۔

آپ کا ادنیٰ عقیدت مند۔ احمد حسین قادری
کسٹم آفیسر، ممبئی۔۱۱

o

جناب محترم ڈاکٹر صاحب!

السلام و علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

خط ملا آپ کی محبت اور توجہ ہمارے لیے باعث انبساط بھی ہے اور ذریعہ اطمینان بھی۔ خوشی ہوئی کہ ڈاکٹریٹ کے مقالہ کے لیے آپ کی ہمہ گیر شخصیت کا انتخاب کیا گیا اور مقالہ مکمل ہو کر اعزاز کا حامل ٹھہرا۔ کیا ہی بہتر ہو کہ یہ مقالہ پاکستان میں چھپ جائے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر مزید کرم فرمائے کہ آپ کی ذات سے اعتماد و یقین کے کئی واسطے نسلِ نو کو استقامت دین کا درس دے رہے ہیں۔ آپ کی ارسال کردہ کتابیں موصول ہو گئی تھیں۔ یونیورسٹی لائبریری کا حصہ بنیں گی۔ میں اس قدر مصروف رہا اور مسلسل سفر بھی درپیش تھا اسی لیے جلد شکریہ کی اطلاع نہ دے سکا اس پر معذرت۔

سیمینار میں آپ تشریف لاتے تو مزید تقویت حاصل ہوتی۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کاوشوں کو قبول فرمائے کہ یونیورسٹی کا پہلا حوالہ یہی سیمینار بن رہا ہے۔

آپ کتاب راولپنڈی کے پتے پر ارسال فرمادیں۔ انشاء اللہ تقسیم کر دی جائے گی۔

تمام احباب کو سلامِ محبت۔

والسلام

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

وائس چانسلر محی الدین غزنوی

اسلامی یونیورسٹی، آزاد کشمیر

۴ محرم ۱۴۲۱ھ
۱۰ اپریل ۲۰۰۰
گرامی منزلت حضرت مسعود ملت مدظلہ العالی
وعلیکم السلام ثم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اے آمدنت مبارکباد، ابھی ابھی حضرت مولانا شمس الہدیٰ صاحب کے نام مکتوب مسعود سے پتا چلا کہ آنجناب دہلی میں تشریف فرما ہیں اور بریلی شریف میں بھی چند روز اور قیام کا ارادہ ہے۔ کاش مبارک پور بھی تشریف آوری ہوتی، پھر تو بہار ہی آجاتی، ہاں مگر ہر آرزو پوری کہاں ہوتی ہے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ مبارک پور کے لیے ویزا لینے کی کوشش ہوئی مگر کامیابی نہ مل سکی، جو الحاج الاشرفیہ اور اہل مبارک پور سے آپ کے تعلق کا طرۂ پروال ہے مولیٰ عزوجل وہ دن لائے کہ اشرفیہ کے بام و در بھی آپ کے جلووں کا تماشا دیکھیں اور گل و گلشن شادکام ہوں اور ہماری آنکھیں مسرت زار۔

قادر و قیوم مولیٰ آپ کی حیات کے پل پل میں بے شمار برکتیں عطا فرمائے اور ایام عشق و محبت ترجمان مسلک حق و صداقت سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی یاد میں اور ان کے تعارف کے لیے آپ نے نوک قلم سے جو کرشمات بکھیرے ہیں روشنائی کے ایک ایک قطرے اور ہر جنبش نظر کا بہترین سے بہترین اجر عطا فرمائے اور فیضان بحر عشق سے روئیں روئیں کو سرشار کرے، آمین بجاہ، سید المرسلین علیہ وآلہ التحیۃ والتسلیم

عرفان رضا کو عام کرنے میں آپ کے فیضانِ قلم نے جو کردار ادا کیا ہے پوری دنیا اس کی دل سے معترف ہے اور تمام عشاق رضا آپ کے لیے سراپا دعا گو ہیں۔ سچ ہے عشق کی آو زد حق نہیں اور آتش عشق مرتی نہیں اور جو اس کی لپیٹ میں آجائے وہ بھی حیاتِ جاوداں پا جاتا ہے، سچ فرمایا ہے اس کشتہ کوئے جاناں نے۔

خاک ہوکر عشق میں آرام سے سونا ملا
جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ ﷺ کی

احباب کے مکتوبات کے ذریعے آپ کے ڈھیروں سلاموں کا جواب، یاد آوری کا بہت بہت شکریہ!

ننگ خدام رضا
فقیر محمد عبدالمبین نعمانی قادری غفرلہ، مبارک پور
دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور
اعظم گڑھ (یوپی۔ بھارت)

کوئٹہ، بلوچستان

۱۳، جون ۲۰۰۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

جناب مکرم صاحب الفضیلہ ادام اللہ مجدہ

السلام و علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہٗ۔ ھدایا علمیہ موصول ہوئے جو دور افتادگان کو نہ بھولنے کی دلیل ہے۔ والحمد للہ علی ذلک ---- عن النبی ﷺ ان من عباداللہ لأنا سأ ماھم بانبیاء و لا شھداء یغبطھم الانبیاء و الشھداءُ یوم االقیامۃ بمکانھم من اللہ تعالیٰ ---- قالو ا یا رسول اللہ اخبرنا من ھم؟ ---- قال ھم قومٌ تحابوا بروح اللہ علی غیر ارحامٍ بینھم ولا اموال یتعا طو نھا فواللہ ان وجوھھم لنور وانھم علی منابرمن نورٍ لا یخافون اذاً خاف الناس ولا یحزنون (رواہ ابوداؤد) ---- جعلنا اللہ سبحانہٗ منھم و حشر نا فی زمرتھم ---- اس سے قبل حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کانفرنس کا دعوتی کارڈ خاص ۲۸ صفر کو موصول ہو آسامی گرامی شرکاء پڑھ کر دل نے کہا ھم الجلساء لایشقی بھم جلیسھم اور پھر ذکر اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کا وعند ذکر الصالحین تتنزل الرحمۃ اور پھر امام ربانی کے احوالِ مبارکہ۔

زہر یک نقطۂ ش چون نافہ تر شمیم وصل جانان می زند سر

ولے آن کز برودت در زکام است چہ داند نافۂ ش گرد مشام است

جو زکام بد عقیدگی مین مبتلا ہیں ان کے لئے ایسی محافل ------ تریاق فاروق کا حکم رکھتی ہیں۔ الحمد للہ جناب والدہ صاحبہ و برادران صاحبان و جمیع خورد و کلان بعافیت ہیں اور سب، سب کو سلامِ مسنونہ پہنچاتے ہیں اور دعوات صالحہ کے متمنی ہیں و نسئال اللہ ان یشرح صدورناوان یوفقنا لما یحبہ و یرضاہ...... فقط والسلام۔

ابو حفص عمر المجددی

(نبیرہ و سجادہ نشین خانقاہ شریف حضرت شاہ ابوالخیر دہلوی علیہ الرحمہ)

۱۰ ربیع النور ۱۴۲۱ھ

E-mail: aalahazrat @ usa. net.
E-mail: dargah-e-aalahazrat @ usa. net.
website: www. ala-hazrat. org.

Ph: 458624.
Fax : 474627 (Code 0091-0581)

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ
حجۃ الاسلام مولانا الشاہ محمد حامد رضا خاں رضی اللہ عنہ
مفتی اعظم ہند مولانا الشاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں رضی اللہ عنہ
مفسر اعظم ہند مولانا الشاہ محمد ابراہیم رضا خاں رضی اللہ عنہ
ریحان ملت مولانا الشاہ محمد ریحان رضا خاں رضی اللہ عنہ
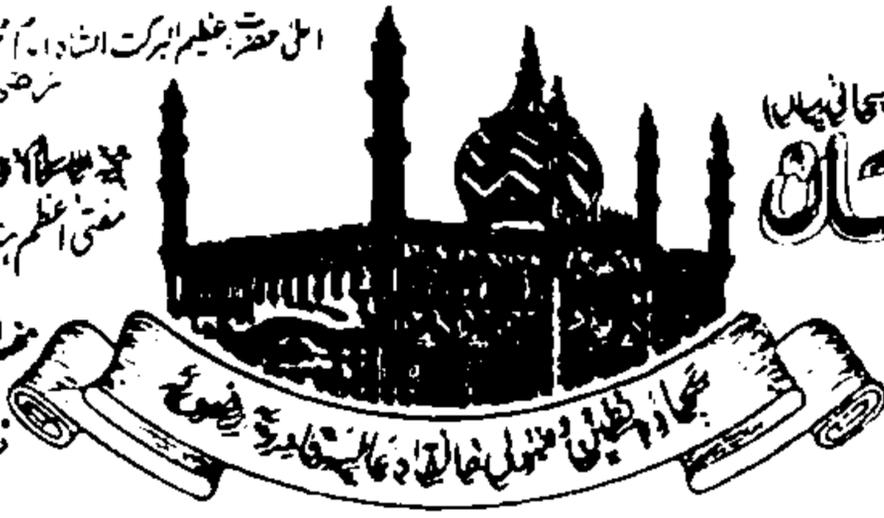
نبیرۂ اعلیٰ حضرت (سبحانی میاں)
محمد سبحان رضا خاں
رضا نگر محلہ سوداگران
بریلی شریف

Naheera-e-Aala-Hazrat Shahzada-e-Rehan-e-Millat
Maulana Subhan Raza Khan Subhani Mian
Sajjada Nasheen Khanqah-e-Alia Razvia Nooria Rehania
(Raza Nagar.) 84, Saudagran. St Bareilly—243003 (U. P.) India

۷۸۶
۹۲

محترم و معظم کرم فرمائے من حضرت علامہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

خیریت طرفین مطلوب

محبت نامہ نظر نواز ہوا، ملکر خیریت و حالات سے آگاہی ہوئی۔ عرس رضوی و نوری و ریحانی اور جشن صد سالہ منظر اسلام بخیر و خوبی نہایت پر نور و کامیابیوں کے ساتھ اختتام پذیر ہوا جیسا کہ قسم دیدہ محبین مخبرین سے معلوم ہو ہی گیا ہوگا ۔۔۔ حضرت آپکی یاد ہمہ وقت رہی بموقع دعا و قل شریف حضرت کے لیے دعا کی گئی ۔ مولیٰ تعالیٰ شرف قبول عطا فرمائے ۔ مزید بارگاہ مجیب الدعوات میں دعا ہے کہ مولائے کریم عزوجل اپنے محبوبوں کے طفیل آپکو صحت تامہ کاملہ عاجلہ عطا فرمائے اور جسمانی و روحانی سکون سے نوازے نیز آپ سے اپنے دین متین کی بیش از بیش خدمت لے۔ آپکے فیضان علمی سے اہلسنت ہمیشہ فیضیاب ہوتے رہیں۔ آمین آمین یا رب العالمین بجاہ النبی الامی الکریم علیہ الصلاۃ والتسلیم

فقیر بھی متمنی دعا ہے اپنی جلوات و خلوات کی مخصوص دعاؤں میں یاد فرماتے رہیں ۔ مزارات مقدسہ حضرات کے لئے دعا کر دی ہے سلام بھی عرض کر دیا ہے۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف ۔۔۔ جملہ اہل خانہ و تمام محبین و مخلصین کو سلام محبت و دعائے عافیت۔

فقط والسلام مع الاکرام
فقیر محمد سبحان رضا خاں عفی عنہ خادم سجادہ بارگاہ
رضا نگر سوداگران۔ بریلی شریف۔ الہند

اعلیحضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و نظریات کا اشاعتی ادارہ

مرکزی مجلسِ رضا (رجسٹرڈ)

نعمانیہ بلڈنگ ۔ ٹکسالی گیٹ ○ لاہور (پوسٹ بکس ۲۲۰۶)

رابطہ آفس : گنج بخش روڈ ○ لاہور

18/4/2001

حضرت قبلہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مظہری

السلام علیکم ۔ آج عزیز گرامی محمد سعید صاحب کی زبانی آپ کی علالت کا سنا ۔ تو دل پر ایک چوٹ سی لگی ۔ دل سے دعا نکلی اللہ آپ کو صحت کاملہ دے ۔ آپ تو تمام سنیوں کی امیدگاہ ہیں ہم جیسے تو ہر دور میں نیاز مند دینی مسائل پہ ہر لمحہ وقت آپ کی طرف دیکھتے ہیں ۔ پھر آپ صبح و شام حسین انداز سے قلم کو رواں رکھتے ہیں ۔ ہو کر آپ کی صحت کا ہر دور رہنما اللہ مزید صحت پہنچانا نہایت ضروری ہے

اگر ممکن ہو تو کسی عزیز کو اپنی خیریت کی اطلاع دینے کا حکم فرما دیں شکریہ احقر

۷۸۶
۹۲

جامع مسجد شریف الفردوس

گلہار، کوٹلی
آزاد کشمیر

تاریخ ۲۹ جولائی ۲۰۰۱ء

محترم برادر طریقت

سلام مسنون

سوچ رہا تھا عرصہ سے رابطہ نہیں ہوا شاید اس کا باعث مصروفیت ہو۔ مگر آج آپ کے مکتوب سے انکشاف ہوا کہ آپ علیل تھے۔ اللہ تعالیٰ صحت بحال رکھے اور خدمت دین کا موقع جاری و ساری رہے۔ آپ کا وجود اہل سنت و جماعت کے لیے نعمت ہے عقائد حقہ کا دفاع آپ نہایت مؤثر اور دلنشین انداز سے کر رہے ہیں۔ اس طرح آپ باطل نظریات خیالات اور تحریکوں کے خلاف سد باندھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے قلم و کلام میں مزید قوت عطا فرمائے۔ کتابچوں کا پیکٹ بھی مل گیا، شکریہ۔

فقط
والسلام

[illegible] قبلہ حضرت [illegible]

[illegible] صاحبزادہ محمد صادق نقشبندی مجددی

Pir Ilahi Bakhsh
M. A., Ll. B.

P. I. B. Colony 2,
Karachi.
Dated: 16-9-1960.

Dear Masood Sahib,

Thanks for your letter. There is a small Village near Bhan. It is called Sayedabad. Because Sayed had big Zamedari there and had his Haris settled there. To my knowledge there is no such sect or tribe called Rosh-nai Farqa in the Dadu District. It is for the first time that I have heard about this sect.

However I will again try to find out if there is any such sect in our District or else where in Sind. When I came to know I shall let you know about it.

Any other order,

With Salam,
Yours sincerely,

Sd/-
(PIR ILLAHI BAKHSH)

Fort-du-Flasne,
Jura, August 12,1962

Dear Mohammad Masood,

I am very confused for not having replied to your two letters you kindly addressed me last year. I hope you will excuse me. I am very delighted to make acquaintance with you and to thank you very much for your letters.

You are asking me about my projected studies on the Naqshbandi order, I would like to study the history of this order, their customs and their doctrines at different periods. Before all, I project to give critical editions of some important texts. For some years, I prepared a critical edition of two versions of the Anisut-talibin by Salah B. Mubarak Bukhari, a biography of Baha al-Din Naqshband, as well as of some minor texts concerning that famous Saint. As yet I did not find a publisher that will undertake it; it is indeed very difficult to publish Persian texts while staying in Europe.

I began to work on the biography of Khwaja Ahrar, Silsilat al-arifin, based on the Tehran and Aligarh manuscripts and would like to compare it with the materials contained in the other biography of this Naqshbandi, the Rashahat ain al-hayat. Then I would study Khwajagi Kasani and the penetration of the Naqshbandiya in Ottoman states. But, before all, I would like to study the Mujaddid and

his critic of the theories of Ibn Arabi. It is for that purpose I began to study the Kubrawi Ala al-Dawla Simnani who, some 250 years earlier, likewise opposed the wahdat al-wu-jud and whose mystical doctrine seems very like that of the Mujaddid. I propose to publish some of his works - a treatise has been printed last year - as well as those of some other Kubrawis. Four treatieses by Kubra himself are in the press now, and I wish to publish some other ones; and I termined a critical edition of the Tuhfat al-barara by Majd al-Din Baghdadi.

I am very interested in your articles on the Mjuaddid. I have read some Urdu and can read it; I wish to study it more thoroughly. I will see if it will be possible to publish a translation of it here. After returning at Paris next month I will send you the off prints of some of my articles.

Yours' faithfully,

Sd/-

(M. MORE)

Bonn, Lennestr. 42 30-1-1963.

Dear Mr. Ahmed,

Thank you very much for your kind letter informing me about your research work on Urdu translation of the Holy Quran. As soon as the off-prints of my article on Sindhi-Translations are out I shall send you a copy - unfortunately it takes so much time until the off-prints are ready, I am waiting for them since several months.

I think it would be useful for you to contact in connection with your work Professor Dr. M. Hamidullah, Paris VI, 4 Rue de Tournon who is the greatest authority on translation problems, and is, as I know, collecting also Urdu translations. I am sure he will be glad to learn about your work and will help you as far as possible.

With the best wishes for your research work I am

Yours sincerely,

Sd/-

Prof. Dr. Annemarie Schimmel

13 Lawrence Road,
Hove 3,
Susex.
31 January 1963.

Dear Mr. Mas'ud Ahmed,

Very many thanks for the information that you have so kindly sent me about الجواہر الخمسہ

I am always glad to receive corrections of that kind, even though I am not always very prompt in acknowledging them.

I have a working knowledge of Urdu and can read without much difficulty the kind of language in which scholars write learned articles. Please, however, do not trouble to send me the article contributed by you to Ma'arif and Burhan I think it will be enough for my purpose, if I make a note of the references in the hope that I may be able to include them in one of my future lists of additions and corrections.

Yours sincerely,

Sd/-

C. A. STOREY

Paris,
2nd February, 1963

Dear Mohammad Masood Ahmad,

Thank you very much for your letters, and excuse me for not having replied as yet to the first two ones. This morning I sent you my edition of the Pseude Kitab al-insan al-kamil of 'Aziz-i-Nasafi, and am hoping it will reach you before long. It will necessitiate some additions, for last October I found some further manuscripts of the Manazil al-Sa'irin at Istanbul, and this allows more definite conclusions that it was possible to draw in my Introduction. So I propose myself to publish in the near future an article on these manuscripts in a periodical.

As for my edition of the Ani'su 't-talibin, I found some further mss. also among them one at Edirne (Adrinople) dated 823 h., some twenty years after its composition. So I am colltionnating these mas; and I did not find a publisher for it. An Iranian friend promised me to occupy himself in finding one in Persia, but as yet there is nothing definite about it.

I am glad you are translating the Risala-i-Futuwwatiyya of Hamadani; and will be obliged to you if you send me it after its publication. As for the sources for the authors biography, the most ancient one is the Khulasat al-Manaqib by Nur al-Din Ja'far Badakhshi.

There are mss of it at Oxford, Berlin, Istanbul, Tashkent and Lahore (at the Punjab University Library). I prepared an edition of it, based on three mss. but did not find an edition for it - it is the same as with the Anisu 't-taliba. Would it not be possible to find an editor for it in Pakistan or India? I likewise prepared an edition of a further biography, Manqabat, al-jawahir, written some fifty or sixty years later by Haider-i Badakhshi, based on two manuscripts. These are not big books, the two to-gether will not make an Anisu't-talibin. I will be grateful to you if you could tell me about these possibilities. If there is a possibility, I shall write an Introduction in English. I would like to edite other tracts of Hammadani in due course.

I did not, as yet make a thorough study of the Mujaddidi literature Ch. Abdul Aziz has sent me, but I hope to do it now. While in Damascus, I acquired some Naqshbandi books in Arabic, Principally about Mawlana Khalid; and I was very glad to find, back in Paris, the Maktubat of Khalid's teacher, Shah Ghulam Ali Dihlawi.

For the time being, I am studying some latter Kubrawis, Kamal-al-Din Khwarazmi and others. There is some material on the Naqshbandiya in these writings also. And from Istanbul I brought some material on early Naqshbandi in the Ottoman states, notably on

Shaikh Ilahi who introduced the triqa at Istanbul early after the conquest.

I am working also on a critical bibliography of the Shaikh 'Ala-al-Dawla Simnani. I found some further mss. of his works at Istanbul, among others a tract in which he enumerates his works in Arabic prior to 714 h. I was glad to find there the Mannazir al-mahadir which I published from a late and poorly conserved mss.

I am really glad to have a correspondence with you, and please excuse me if I did not reply you soon. I would be very obliged to you if you could send me once more the issues of Al-Furqan with your article. It is a pity the registered parcel was presented when there was none at Paris to receive them - myself at Beirut or Istanbul, and my wife in the landside.

Your's faithfully,

(M. MOLE)

Pembroke College,
Cambridge.
2 May, 1963.

Dear Mr. Ahmad,

Thank you for your letter of 24 April. I have hunted, but in vain, for further reference to the Lecture by Sir Mohammad Iqbal on Shaikh Ahmad Sirhindi, and do not think it could have been published in this Country.

Do you know of the distinction which the late Professor R.A. Nicholson drew between 'Pantheism' and what he called 'panentheism' - the term he coined to describe the monistic doctrine of certain Sufis ? I think it has an important bearing on the question of Selfhood.

Yours sincerely,

Sd/-
(A.J. ARBERRY)

Groningen, 9-6-1964.

My dear Muh. Masood Ahmad,

Certainly I do remember you - and love residing in the heart surely is not to be rejected! At that time you kindly showed me the edition in which a dozen maktubat of Shah Waliullah are published. In Delhi I succeeded to get hold of a copy of the same book... Are you no longer teaching at the Government College in Mirpurkhas ?

Reading Shah Waliullah is my daily bread. The more I study him, the more I feel the necessity of making him better known in the West. But it requires a lot of perseverance...

I am glad to hear that you are working for a Ph.D and took for it the subject on which I spent several years. Thus, my initial endeavours 'll be refined by you, and again a collaboration settled between Pakistani and Eurppean scholars. Do you know that a student of Prof. Abd al-Qudus (Peshawar University) is about to submit a thesis on the same ?

Nobody in Holland is studying Sirhindi. But I found an interesting paper in the Italian periodiocal: Rivistadegli studi Origentali, 1961, p.259ff. written by Aziz Ahmad on "Religious and Political Ideas of Shaikh Ahmad Sirhindi". Do you know Prof. Aziz Ahmed personally ? He is also a novelist, and wrote, as you may

know, the 'shocking' tale al-Gurez. Mr. Kashfi's comment on it is: We are not interested in such autobiographical accounts of brothel-visits. Yet, I consider him a good scholar, and I like his scholarly publications!

I asked Brill to send you a complimentary copy of my Modern Muslim Koran Interpretation.

With kindest regards, also to the other dear friends in Hyderabad, your sincerely,

Sd/-
(J. M. S. BALJON)

Dept. of History
Tufts University,
Medford, Massachusetts
June 15, 1964

Muhammad Masood Ahmed
c/19, 2262 Ghooramal Lane
Hyderabad, (West Pakistan)

Dear M.M. Ahmad,

I have received your letter of June 6 and am forwarding you copies of my articles in the Muslim World on Shah Waliullah.

I know of no scholar in America who has studied the Shaikh Ahmed of Sarhand; you might contact Professor Charles Adams at the Institute of Islamic Studies, McGill University, Montreal, Canada, who is in a better position to have such information than I. I have published an article which deals with Shaikh Ahmad; it was published in the first two issues of Islamic Studies, the quarterly publication of the Indian Institute of Islamic Studies. I hope this information will prove useful to you and I wish you continued success in your study of Shaikh Ahmad of Sarhand.

With all best wishes,

Cordially yours,

Sd/-
Freeland Abbott,
Associate Professor

FA:Cmm

Montreal, July 8, 1964.

Dear Professor Ahmad,

Dr. Adams has asked me to reply to your letter of June 24. The best places to collect material about Shaykh Ahmed Sirhindi are, as far as I know, the libraries of the British Museum and of the India Office in London. Most of the manuscripts relevant to the subject have been catalogued in Storey's Persian Literature and in Rieu's Catalogue of the Persian Manuscripts in the British Museum. A good bibliography of the printed works can be found in the article Ahmad Sirhindi in the new edition of the Encyclopaedia of Islam. I have recently heard that a thesis on the Mujaddid has been submitted to the School of Oriental and African Studies of the University of London by Mirza Qadir Baig and is available at that school's library.

If there is any other service that I may render in this connection, please feel free to call on me.

Your sincerely,

Sd/-

Yohanan Friedmann

School of Oriental &
African Studies,
University of London,
London, W.C.I.
10-4-1969

Professor Muhammad Mas'ud Ahmad,
Government Degree College,
QUETTA.

Dear Professor Ahmad,

Thank you for your letter of 6th April, 1969. The particulars of the Fatawa which Dr. Zaidi has told you are to be found in the India Office Library are insufficient for me to be able to trace them without some considerable difficulty. It is not clear whether they are to be found in Government Proceedings or in Urdu lithographed or persian lithographed texts, or whether those by Mufti Mohammad Mazharullah would be readily identifiable.

As presumably Dr. Zaidi has precise information of the location of 'a huge collection' in the India Office Library, might I trouble you to ask him for further particulars ? I doubt very much whether they would be found under some such title as 'the freedom movement of India' I am very willing to find out what I can, but as Dr. Zaidi is obviously referring to something of which he has personal knowledge, it would save much time if he could be asked

to give an indication of where one should start to look. As he should be aware. My teaching duties prevent me from getting to the India Office Library as often as I would like, and it is obviously desirable that I should go straight to the target, so to speak when I do get there.

I shall look forward to hearing from you again,

Yours sincerely,

Sd/-
P. HARDY.

Leyden, 10th Feb, 1973

My dear Dr. M. Masood Ahmad,

It was a great pleasure to receive a letter from you. Certainly, I do remember you very well. Perhaps, there will be also in the near future a possibility to meet each other again.

I am appointed a representative of the Leyden University for the Celebrations of the Lahore Oriental College Centenary. Unfortunately they were postponed last December on account of 'unavoidable circumstances', but there is a chance that they will be held now about the first week of March. In that case I will combine my trip to Lahore with a visit of some days in Hyderabad to see all the good friends again.

A most interesting and capable study of Shaykh Ahmad Sirhindi (sub-title: An Outline of His Thought and Study of His Image in the Eyes of Posterity) has been published in 1971 by the Jewish scholar Yohanan Friedmann (McGill-Queen's University Press, Montreal and London). It has also an extensive bibliography. It is a very stimulating work, and is a revised version of a Ph.D. thesis submitted to the Institute of Islamic Studies of McGill University in 1966.

To-day I finished an English translation of S.W.A.'s Ta 'Wil al-ahadith. It will be published by Brill. Then I wrote four articles dealing with S.W.A.'s Thought, but the main work I intend

to publish is still not ready. I worked through all the material and I have to write 'only'. But it is hard to find sufficient time, since I am working as Professor of Islamology here at the Leyden University. In Groningen more time was left, when I was there a Reader for Islam and the Religions of India.

Is your thesis on Urdu Translations and commentries of Quran deliverable ? I am really interested in the subject. Do you know of the existence of an Urdu translation of Sirhindi's Maktubat ? I am in need of it, for Urdu is more familiar to me than Persian.

With kindest regards, your sincerely

Sd/-

(J. M. S. BALJON)

Boerhaavelaan 128,
Leiden-Holland
24th February: 1976

My dear Dr. Mohammad Masood Ahmed,

I was very surprised and at the same time very pleased to receive a letter from you friend unexpectedly. I am grateful as well as our 'Abd al-Aziz who introduced me to you and by doing so I have gained new friend in Allah Almighty.

I am again very pleased to learn that you are interested in Sufism and in Shaikh Ahmed Sirhindi and I may be right to assume that your interest is extended as well to include Shaikh Shah Wali Allah, or am I assuming too much ?

As I have just finished writing an article on an article and published by J. M. S. Baljon (Two lists of Prophets, a comparison between Ibn Arabi's Fusus al-Hikam and Shah Wali-Allah' Ta'wil al-Ahadith) in "Nederlands Theologisch Tijdschrift" I shall be glad to hear your opinion about it, I shall send a photo-copy to you and one to Abd al-Aziz.

You asked me if I read Urdu ? I must admit my short-comings not only in Urdu but in Persian as well. I only know Arabic, English, Dutch and some German and Trukish but I wished very much to know persian because only for the fact that many Sufi works are in farsi.

Is it true that Kitab al-Khair al-Kathir of Shah Wali Allah now in the press in Pakistan ?

My dear Muhammad, I am looking forward to hearing soon from you. Do give best salam to Abd al-Aziz if you write him or see him and may God bless you both.

Yours

Sd/-
Q. al-Samarrai.

Prof: Dr. J. M. S. Baljon,
Plantsoen 73-Leiden
Tel. 071-20826

Leyden, 24-5-1979.

My dear Prof. Masood,

Thank you very much for your kind letter of 18-4-79. Besides, thanks to your good offices I received by sea mail an impressive amount of books most useful for a study of Ahmed Rida Khan's thought. But the consigner, Markazi Majlis-i-Riza did not inclose an invoice. What are the costs ?

It was interesting to hear that it was your personal initiative (and not a question of family tradition) to devote your intellectual pursuits to Ahmad Rida Khan " as a result of a pleasant incident". What was that incident? You make me inquisitive! By education you are in your sholarly interest an advocate of Ahmad Rida Khan. If the latter does not agree with the Deobandis, whose side do you choose? Now you have drawn my attention to A.R. Kh. I find him mentioned to my surprise quite often. In Hamdard Islamicus, Vol. I. 2, P. 87 Bazmee Ansari refers to your book Fadil Barelawi awr Tark-i-Mawalat. In an unpublished thesis of an American lady Barbara Daly Metcalf, called The Reformist Ulama: Muslim Religious leadership in India, 1860-1900 (University of California, Berkeley, 1974) several pages are devoted to the significance of Ahmad Rida. On p. 346 she tells of him: "To thwart reformist criticism, he claimed that Shah Waliullah had encouraged similar practices

(i.e. like keeping a white chicken, drawing blood on Saturdays, and repeating durud when plucking a flower). many, presumably of the character of amaliyat and ta'wiz . This remark Miss Metcalf bases on information, derived from Abd al-Hakim Khan, Akhtar Shahdjanpuri's A'la Hazrat Ka Fiqhi Maqam, pp. 25-31, i.e. a secondary source. But can you quote to me passage where A.R. Kh. himself says so? And does he mention also in which of S.W.A. he did find these views corroborating his own? It is true that in one of his early writings al (Qawl al-djamel) S.W.A. seems not averse from such-like practices, being still under the impact of his father, Abd al-Rahim who e.g. by the end of his life donated his son two hairs of the Prophet. But later on S.W.A. became increasingly critic of institutions like visiting the tombs of Mo'in al-Din Hasan Sidjzi and Salar Mas'ud. He brackets such customs with worshipping handmade things and invocating al-lat and al-Uzza (see Tafhimat-i Ilahiyya Vol. 11, p. 45).

It is not me, but an intelligent student of mine, drs. J. ter Hear who makes a study of Sirhindi's Maktubat. In the end he will publish his findings in a thesis. One of his problems is: Are the Maktubat published in a chronoligal order? If so, then you may trace a particular development in his thought. Further, does he adapt his views to the level of education of the addressee, so that he expresses himself more cautious if the addressee is of a

lower intellectual level? I would like to hear your opinion in this matter (unfortunately, as a rule, we know so little about the addressees themselves).

Western scholars who know Urdu and are at the same time interested in Islam are very few, indeed, Miss Metcalf is one of them. Then of course, Prof. W. C. Smith and Prof. Annemarie Schimmel (Lenne - strasse 42, BONN, West Germany), and Prof. Bausani in Italy.

With many salams,

Yours sincerely,

Sd/-
(J. M. S. BALJON)

It is said that at the end of the nineteenth century Ahmad Rida issued a fatwa of takfir against the Deobandis, because they insulted both God and the Prophet.

UNIVERSITY OF CALIFORNIA BERKLEY
CENTER FOR SOUTH AND
SOUTHEAST ASIA STUDIES.

Berkeley California 92720
January 10, 1980.

Dear Dr. Mohammad Masood Ahmed:

Thank you very much for your note of last fall. I was in Philadelphia during that period and have only now returned to Berkeley. I am very distressed that you did not get my reply to your earlier letter. I was sincerely overwhelmed with gratitude for your generosity in sharing your learning with me and I was very pleased to have such careful comments from someone so well informed. I did send a reply to you from here and do not know it could have gone astray. I am very sorry for that and must now send you my very belated thanks.

Thank you also for the two new references you sent to me. If I am able at some point to get back to the subcontinent I will certainly check them out. I am especially interested in your news about the center at Aligarh.

I was also pleased to learn that you had completed a substantial research article on Ahmed Rida Khan I am very sorry that my own

schedule for the next several months would make it impossible for me to translate it. I hope that it wili be translated, for it would be a very valuable addition to an important subject.

Thank you again very much for your helpfulness. I hope this letter finds you well.

Sincerely yours,

Sd/-
BARBARA D. METCALF.

P.O. Box 13,
Jay, New York
U.S.A. 12941
March 23, 1982.

Dear Dr. Muhammad Mas'ud Khan:

Your letter of January 5 reached me only a few days ago. I am on leave from my university in the present year, and in consequence the delivery of mail is slow. I trust you will understand.

Prior to receiving your letter I had not heard the name of Ahmad Rida Khan of Bareili, nor to my knowledge is there any mention of him in any Eurppean language publication that I have read. From your account of him, however, it appears that he was a highly productive and creative man whose life and thought should be properly investigated. I was very pleased to learn that you have taken up this interesting task, and I look forward to the result of your studies when they are completed.

In principle there would be a great deal of interest in associating someone with an interest in Ahmad Rida Khan with the Institute of Islamic Studies at McGill University. In the past we from time to time have invited distinguished scholars with such research projects to spend one or more years with us in Montreal. In more recent times, however, practical

considerations have brought an end to such activities. There is something of crisis of higher education in North America because of the out back of Government support to colleges and universities, and almost everywhere, McGill included, programs are being reduced or eliminated. The Institute, therefore, no longer has any funds of any kind that it can use for project such as you describe, as interesting and as valuable as it might be. You may be sure that it is sad for us as well as you that such an answer has to be given to your inquiry.

May I take this opportunity to wish you well with your work on Ahmed Rida Khan. I trust that someday we may have the pleasure of meeting so that I may learn more of this important man.

Sincerely,

Sd/-

Charles J. Adams
Director, Islamic Studies
McGill University.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

THE PRESIDENT
Islamic Republic of Pakistan

Muhammad Rafiq Tarar

Islamabad
1198/2/PRESIDENT
25 Shawal 1418 AH
23 February 1998

Mr. Muhammad Masood Ahmed,
C-17/2, PECH Society,
Karachi.

My dear Mr. Muhammad Masood Ahmed,

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

I am extremely grateful to you for your message of felicitations on my election to the office of the President of the Islamic Republic of Pakistan and I also thank you for Eid Greetings.

I pray to Almighty Allah to grant me the strength and wisdom to fulfil the trust reposed in me by the people of Pakistan through their elected representatives, and to serve the cause of the Nation and Islam to the best of my ability.

With best wishes,

Yours sincerely,

(Muhammad Rafiq Tarar)

Hammad Kalimi------Dubai (U.A.E)

You are the most precious asset of our family and for the Sunni Muslim's Jama'at. May Allah Almighty bless you and grant you long life with good health, so you can further work for the accomplishment of Islam and for the betterment of Sunni Jama'at. (Ameen------ Summa Ameen)

I have prayed for you a lot and still praying continuously for your good health. On Monday, Wednesday and Thursday people prayed here during "IJTIMA'" for your long life with good health. Me, as your grandson we as a family and all the Muslims need you, for our "Sunni Jama'at " with your same strength and impartiality to work for the Muslims.

(E-mail, dated: - 24.08.2001)

وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

کتابیَات

نمبر شمار	مصنف / مؤلف	کتاب	مقام اشاعت	سن اشاعت
۱۔	قرآن پاک		دہلی (انڈیا)	———
۲۔	اسمٰعیل بن عبداللہ بخاری	صحیح بخاری شریف	لاہور	۱۹۷۶ء
۳۔	ابوالحسن علی ندوی	نزہۃ الخواطر	لکھنؤ	
۴۔	احمد رضا خان امام	حسام الحرمین	بریلی (انڈیا)	۱۴۰۵ھ
۵۔	احمد رضا خان امام	الدولۃ المکیہ	بریلی (انڈیا)	۱۹۸۹ء
۶۔	احمد رضا خان امام	رسائل رضویہ	بریلی (انڈیا)	
۷۔	آرلی مظہری	جہان مسعود	کراچی	۱۹۸۵ء
۸۔	حسن رضا خان، ڈاکٹر	فقیہ اسلام	کراچی	۱۹۸۵ء
۹۔	حبیب پینک	ڈائری (اللہ کے دوست)	کراچی	۱۹۸۸ء
۱۰۔	خوشحال زیدی	خضر راہ کرنٹ اردو سیریز	دھلی	--
۱۱۔	سعدی شیخ	گلستان	الہ آباد (انڈیا)	
۱۲۔	عبدالستار طاہر، مولانا	منزل بہ منزل	حیدر آباد پاکستان	۱۹۹۱ء
۱۳۔	عبدالستار طاہر، مولانا	تخصصات حضرت مسعود ملت	کراچی	۱۹۹۳ء
۱۴۔	عبدالستار طاہر، مولانا	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے اہم مکاتیب، جلد اوّل	لاہور غیر مطبوعہ	۱۹۹۸ء
۱۵۔	عبدالستار طاہر، مولانا	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے اہم مکاتیب، جلد دوم	لاہور غیر مطبوعہ	۱۹۹۸ء
۱۶۔	عبدالستار طاہر، مولانا	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے مکاتیب میں اظہار غم	لاہور غیر مطبوعہ	۱۹۹۹ء
۱۷۔	عبدالستار طاہر، مولانا	ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے مکاتیب میں امام احمد رضا پر تحقیق اور رہنمائی	لاہور غیر مطبوعہ	۱۹۹۸ء
۱۸۔	عبدالستار طاہر، مولانا	ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی تحریروں میں تعارف رسائل رضویہ	لاہور غیر مطبوعہ	۱۹۹۸ء
۱۹۔	عبدالستار طاہر، مولانا	مسعود ملت اور رضویات	لاہور	۱۹۹۴ء
۲۰۔	عبدالعزیز، ابو محمد	آثار دہلی	دہلی (انڈیا)	۱۹۱۱ء

٢١۔	عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر	قلمی مضمون	غیر مطبوعہ	
٢٢۔	عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر	فیسٹول آف فیسٹول	یوپی (انڈیا)	
٢٣۔		غالب نام آور	کراچی	١٩٦٩ء
٢٤۔	فروغ کاظمی	الخلفاء جواب المرتضٰی	لکھنؤ	
٢٥۔	محمد اقبال، ڈاکٹر	شکوہ جواب شکوہ	حیدر آباد	
٢٦۔	محمد حسین آزاد	آبِ حیات	دھلی	
٢٧۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	تذکرۂ مظہر مسعود	کراچی	١٩٦٩ء
٢٨۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	مکاتیب مظہری	کراچی	١٩٦٩ء
٢٩۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	فتاویٰ مظہری	کراچی	١٩٧٠ء
٣٠۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	اردو میں قرآنی تراجمہ وتفاسیر	حیدر آباد، سندھ	١٩٧٠ء
٣١۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	فاضل بریلوی اور ترک موالات	لاہور	١٩٧١ء
٣٢۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں	لاہور	١٩٧٣ء
٣٣۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	حیاتِ مظہری	کراچی	١٩٧٤ء
٣٤۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	سیرت مجدد الف ثانی	کراچی	١٩٧٦ء
٣٥۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	موج خیال	کراچی	١٩٧٧ء
٣٦۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	عبقری الشرق (انگریزی)	لاہور	١٩٧٨ء
٣٧۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال	لاہور	١٩٧٨ء
٣٨۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	تحریک آزادی ھند اور السواد الاعظم	لاہور	١٩٧٩ء
٣٩۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	محبت کی نشانی	کراچی	١٩٨٠ء
٤٠۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	اکرام امام احمد رضا	لاہور	١٩٨١ء
٤١۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	حیات مولینا احمد رضا خان بریلوی	سیالکوٹ	١٩٨١ء
٤٢۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	گناہ بے گناہی	لاہور	١٩٨١ء
٤٣۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	اجالا	لاہور	١٩٨٤ء
٤٤۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	آخری پیغام	کراچی	١٩٨٦ء
٤٥۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	فتاویٰ مسعودی	کراچی	١٩٨٧ء
٤٦۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	جشن بہاراں	کراچی	١٩٨٨ء

۴۷۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — آئینہ رضویات اوّل (مرتب عبدالستار طاہر) کراچی — ۱۹۸۹ء
۴۸۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — جان ایمان — لاہور — ۱۹۸۹ء
۴۹۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — جان جاناں ﷺ — بھیونڈی (انڈیا) — ۱۹۹۰ء
۵۰۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — توحید کے نام پر — بھیونڈی (انڈیا) — ۱۹۹۰ء
۵۱۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — کل کے معمار — لاہور — ۱۹۹۱ء
۵۲۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — آئینہ رضویات، دوم (مرتب عبدالستار طاہر) کراچی — ۱۹۹۳ء
۵۳۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — جان جاں ﷺ — کراچی — ۱۹۹۳ء
۵۴۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — علم غیب — کراچی — ۱۹۹۳ء
۵۵۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — قیامت — کراچی — ۱۹۹۳ء
۵۶۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — عشق ہی عشق — لاہور — ۱۹۹۳ء
۵۷۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — مرادرسول — صادق آباد (پاکستان) — ۱۹۹۳ء
۸۵۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — نئی نئی باتیں — کراچی — ۱۹۹۴ء
۵۹۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — عورت اور پردہ — لاہور — ۱۹۹۴ء
۶۰۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — تعظیم و توقیر — کراچی — ۱۹۹۴ء
۶۱۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — پیغام — کراچی — ۱۹۹۴ء
۶۲۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — غریبوں کے غمخوار — کراچی — ۱۹۹۴ء
۶۳۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — نسبتوں کی بہاریں — کراچی — ۱۹۹۴ء
۶۴۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — انتخاب حدائق بخشش — کراچی — ۱۹۹۵ء
۶۵۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — محدث بریلوی — کراچی — ۱۹۹۵ء
۶۶۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — سلام و قیام — کراچی — ۱۹۹۵ء
۶۷۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — مجدد الف ثانی- حالات و افکار و خدمت — کراچی — ۱۹۹۵ء
۶۸۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — دو قومی نظریہ اور پاکستان — لاہور — ۱۹۹۵ء
۶۹۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — امام احمد رضا اور علوم جدیدہ و قدیمہ — کراچی — ۱۹۹۶ء
۷۰۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — دعائے خلیل — کراچی — ۱۹۹۶ء
۷۱۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — فاروق اعظم کا غیر مسلموں سے حسن سلوک — کراچی — ۱۹۹۶ء
۷۲۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر — فقیہ الہند شاہ محمد مسعود محدث دہلوی — کراچی — ۱۹۹۷ء

٧٣۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	مکاتیب قاضی احمد دمائی	کراچی	١٩٩٢ء
٧٤۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	صراط مستقیم	کراچی	١٩٩٨ء
٧٥۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	روح اسلام	کراچی	١٩٩٩ء
٧٦۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	فتاویٰ خیریہ	کراچی	١٩٩٩ء
٧٧۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	امام احمد رضا اور عالمی جامعات	کراچی	١٩٩٩ء
٧٨۔	محمد مسعود احمد، ڈاکٹر	تمدن ہند پر اسلامی اثرات (ترجمہ)	لاہور	١٩٤٦ء
٧٩۔	محمد مظہر اللہ، مفتی	مظہر الاخلاق	کراچی	١٩٦٨ء
٨٠۔	محمد مسرور احمد	حضرت مسعود ملت کے آثار علمیہ	کراچی	١٩٩٧ء
٨١۔	یٰسین اختر مصباحی، مولانا،	امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں	جہلم	١٩٨٦ء

رسائل

نمبر شمار	ماہنامہ / مجلہ	مقام اشاعت	شمارہ
۱۔	الفرقان	لکھنؤ	شمارہ ستمبر ۱۹۶۱ء
۲۔	اورینٹل کالج میگزین	لاہور	شمارہ فروری ۱۹۶۴ء
۳۔	عقیدت	دہلی	شمارہ جولائی واگست ۱۹۶۴ء
۴۔	الرحیم	حیدر آباد، سندھ	شمارہ جون ۱۹۶۴ء
۵۔	معارف	اعظم گڑھ	شمارہ فروری ۱۹۶۵ء
۶۔	منادی	دہلی	شمارہ ۱۹۶۵ء
۷۔	برہان	دہلی	شمارہ فروری ۱۹۶۶ء
۸۔	منادی	دہلی	شمارہ دسمبر ۱۹۶۶ء
۹۔	رپورٹ پنجاب یونیورسٹی	لاہور	شمارہ فروری ۱۹۶۸ء
۱۰۔	رضوان	لاہور	شمارہ اپریل و مئی ۱۹۷۱ء
۱۱۔	عرفات	لاہور	شمارہ اپریل و مئی ۱۹۷۱ء
۱۲۔	حنفی	لاہور	شمارہ مئی ۱۹۷۱ء
۱۳۔	فیض رضا	لائل پور	شمارہ مئی ۱۹۷۱ء
۱۴۔	رضائے حبیب	گجرات	شمارہ جون ۱۹۷۱ء
۱۵۔	فکر و نظر	اسلام آباد	شمارہ جولائی ۱۹۷۱ء
۱۶۔	ترجمان اہل سنت	کراچی	شمارہ جولائی ۱۹۷۱ء
۱۷۔	سیارہ	لاہور	شمارہ جولائی ۱۹۷۱ء
۱۸۔	الحبیب	لاہور	شمارر جولائی واگست ۱۹۷۱ء
۱۹۔	اسرار و حکمت	لاہور	شمارہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۱ء
۲۰۔	فیض الاسلام	راولپنڈی	شمارہ ستمبر ۱۹۷۱ء
۲۱۔	کتاب	لاہور	شمارہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۱ء
۲۲۔	العلم	کراچی	شمارہ اکتوبر و دسمبر ۱۹۷۱ء
۲۳۔	رضائے مصطفےٰ	گوجرانوالہ	شمارہ ۱۹۷۱ء
۲۴۔	مہر و ماہ	لاہور	شمارہ ۱۹۷۲ء
۲۵۔	ضیائے حرم	لاہور	شمارہ ستمبر ۱۹۷۲ء

۲۶۔ رشاد	سیالکوٹ	شمارہ جنوری ۱۹۷۳ء
۲۷۔ انوار الصوفیہ	قصور	شمارہ دسمبر ۱۹۷۳ء
۲۸۔ رضائے مصطفٰے	گوجرانوالہ	شمارہ دسمبر ۱۹۷۳ء
۲۹۔ فیض رضا	لائل پور	شمارہ دسمبر ۱۹۷۳ء
۳۰۔ ضیائے حرم	لاہور	شمارہ جنوری ۱۹۷۴ء
۳۱۔ ترجمان اہل سنت	کراچی	شمارہ جنوری ۱۹۷۴ء
۳۲۔ فیض الاسلام	راولپنڈی	شمارہ فروری ۱۹۷۴ء
۳۳۔ فکر و نظر	اسلام آباد	شمارہ مارچ ۱۹۷۴ء
۳۴۔ منارث	کراچی	شمارہ اگست ۱۹۷۴ء
۳۵۔ ترجمان اہل سنت	کراچی	شمارہ نومبر ۱۹۷۴ء
۳۶۔ انوار الصوفیہ	قصور	شمارہ دسمبر ۱۹۷۴ء
۳۷۔ رضائے مصطفٰے	گوجرانوالہ	شمارہ دسمبر ۱۹۷۴ء
۳۸۔ المعارف	لاہور	شمارہ جنوری، فروری ۱۹۷۵ء
۳۹۔ ترجمان اہل سنت	کراچی	شمارہ جنوری، فروری ۱۹۷۵ء
۴۰۔ الحسن	پشاور	شمارہ دس فروری ۱۹۷۵ء
۴۱۔ سیارہ ڈائجسٹ	لاہور	شمارہ اپریل ۱۹۷۵ء
۴۲۔ ضیائے حرم	لاہور	شمارہ مئی ۱۹۷۵ء
۴۳۔ اردو ڈائجسٹ	لاہور	شمارہ اپریل ۱۹۷۵ء
۴۴۔ رضائے مصطفٰے	گوجرانوالہ	شمارہ جون ۱۹۷۵ء
۴۵۔ رضائے حبیب	گجرات	شمارہ جون ۱۹۷۵ء
۴۶۔ انوار الصوفیہ	قصور	شمارہ مئی / جون ۱۹۷۵ء
۴۷۔ اردو	کراچی	شمارہ اپریل، جون ۱۹۷۵ء
۴۸۔ ترجمان اہل سنت	کراچی	شمارہ جولائی ۱۹۷۵ء
۴۹۔ ضیائے حرم	لاہور	شمارہ اگست ۱۹۷۵ء
۵۰۔ عرفات	لاہور	شمارہ ستمبر، اکتوبر ۱۹۷۵ء
۵۱۔ الدعوۃ الاسلامیہ	بریڈ فورڈ	شمارہ جنوری ۱۹۷۶ء
۵۲۔ الرشید	لاہور	شمارہ فروری، مارچ ۱۹۷۶ء
۵۳۔ المیزان	بمبئی	شمارہ مارچ ۱۹۷۶ء

رسالہ	مقام	شمارہ
۵۴۔ ترجمان اہل سنت (کراچی)	کراچی	شمارہ مارچ ۱۹۷۶ء
۵۵۔ شاہکار انسائیکلو پیڈیا	لاہور	شمارہ یکم مئی ۱۹۷۶ء
۵۶۔ فاران	کراچی	شمارہ جولائی ۱۹۷۶ء
۵۷۔ فکر و نظر	اسلام آباد	شمارہ جولائی ۱۹۷۶ء
۵۸۔ ترجمان اہل سنت	کراچی	شمارہ اکتوبر ۱۹۷۶ء
۵۹۔ اشرفیہ	مبارکپور	شمارہ نومبر ۱۹۷۶ء
۶۰۔ مجلہ تحقیق	لاہور	شمارہ اپریل و جون ۱۹۷۶ء
۶۱۔ ضیائے حرم	لاہور	شمارہ نومبر ۱۹۷۶ء
۶۲۔ کیلنڈر جامعہ نظامیہ رضویہ	لاہور	۱۹۷۶ء
۶۳۔ کتاب	لاہور	شمارہ فروری ۱۹۷۷ء
۶۴۔ سلطان العارفین	گکھڑ	شمارہ فروری مارچ ۱۹۷۷ء
۶۵۔ اشرفیہ	مبارکپور	شمارہ مئی و جون ۱۹۷۷ء
۶۶۔ الجامعہ	محمدی شریف	شمارہ اکتوبر، نومبر ۱۹۷۷ء
۶۷۔ فیض الرسول	براؤن شریف	شمارہ مارچ ۱۹۷۸ء
۶۸۔ فیضان	لائل پور	شمارہ مارچ ۱۹۷۸ء
۶۹۔ کتاب	لاہور	شمارہ اپریل ۱۹۷۸ء
۷۰۔ فیضان	فیصل آباد	شمارہ مئی ۱۹۷۸ء
۷۱۔ قومی زبان	کراچی	شمارہ جون ۱۹۷۸ء
۷۲۔ نور الحبیب	بصیر پور	شمارہ جولائی ۱۹۷۸ء
۷۳۔ فیض الرسول	براؤن شریف	شمارہ اگست ۱۹۷۸ء
۷۴۔ ترجمان اہل سنت	کراچی	شمارہ ستمبر ۱۹۷۸ء
۷۵۔ نور الحبیب	بصیر پور	شمارہ ستمبر ۱۹۷۸ء
۷۶۔ نور الحبیب	بصیر پور	شمارہ اکتوبر ۱۹۷۸ء
۷۷۔ رضوان	لاہور	شمارہ اکتوبر ۱۹۷۸ء
۷۸۔ اعلیٰ حضرت	بریلی	شمارہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۸ء
۷۹۔ ترجمان اہل سنت	کراچی	شمارہ دسمبر ۱۹۷۸ء
۸۰۔ دہلی (سالنامہ)	کراچی	۱۹۷۸ء
۸۱۔ صریر خامہ (سالنامہ)	سندھ یونیورسٹی حیدر آباد	۱۹۷۸ء

رسالہ	مقام	شمارہ
۸۲۔ ترجمان جمعیت (سالنامہ)	کراچی	۱۹۷۸ء
۸۳۔ ہمدرد اسلامکس (انگریزی)	کراچی (جلد نمبر ۱، شمارہ نمبر ۲)	۱۹۷۸ء
۸۴۔ فیضان	فیصل آباد	شمارہ جون ۱۹۷۹ء
۸۵۔ ضیائے حرم	لاہور	شمارہ ستمبر ۱۹۷۹ء
۸۶۔ زندگی	لاہور	شمارہ دسمبر ۱۹۷۹ء
۸۷۔ رضائے مصطفےٰ	گوجرانوالہ	شمارہ جنوری ۱۹۸۰ء
۸۸۔ عزم نو (اسلامی نظام تعلیم نمبر)	لاہور	شمارہ جنوری تا جون ۱۹۸۰ء
۸۹۔ نورالحبیب	بصیر پور	شمارہ مئی ۱۹۸۰ء
۹۰۔ اعلیٰ حضرت	بریلی	شمارہ جون ۱۹۸۰ء
۹۱۔ کالج بلیٹن گورنمنٹ کالج	مٹھی	شمارہ نومبر ۱۹۸۰ء
۹۲۔ مینارۂ نور	کراچی	شمارہ نومبر ۱۹۸۰ء
۹۳۔ الاشرف	کراچی	شمارہ اپریل ۱۹۸۱ء
۹۴۔ المعارف	لاہور	شمارہ شعبان ۱۴۰۱ھ
۹۵۔ فیض الاسلام	راولپنڈی	شمارہ ستمبر ۱۹۸۱ء
۹۶۔ کتاب	لاہور	شمارہ مئی ۱۹۸۱ء
۹۷۔ استقامت	کانپور	شمارہ مئی، جون ۱۹۸۱ء
۹۸۔ استقامت	کانپور	شمارہ جولائی ۱۹۸۱ء
۹۹۔ سوئے منزل	راولپنڈی	شمارہ مئی ۱۹۸۱ء
۱۰۰۔ الاشرف	کراچی	شمارہ اگست ۱۹۸۲ء
۱۰۱۔ الاشرف	کراچی	شمارہ ستمبر ۱۹۸۲ء
۱۰۲۔ الجامعہ	محمدی شریف	شمارہ ۱۹۸۲ء
۱۰۳۔ ترجمانِ اہلِ سنت	کراچی	نومبر دسمبر ۱۹۸۲ء
۱۰۴۔ رضائے مصطفےٰ	گوجرانوالہ	شمارہ نومبر ۱۹۸۲ء
۱۰۵۔ اشرفیہ	مبارک پور	شمارہ نومبر ۱۹۸۲ء
۱۰۶۔ استقامت	کانپور	نومبر دسمبر ۱۹۸۲ء
۱۰۷۔ استقامت	کانپور	جنوری ۱۹۸۳ء
۱۰۸۔ فیض الرسول	براؤن شریف	جنوری ۱۹۸۳ء
۱۰۹۔ تاجدارِ کائنات	رام پور	جنوری ۱۹۸۳ء

۱۱۰۔ اشرفیہ	مبارک پور	جنوری ۱۹۸۳ء
۱۱۱۔ سنی دنیا	بریلی	فروری ۱۹۸۳ء
۱۱۲۔ استقامت	کانپور	فروری ۱۹۸۳ء
۱۱۳۔ الاشرف	کراچی	جولائی ۱۹۸۳ء
۱۱۴۔ فیض	شیر گڑھ	ستمبر ۱۹۸۳ء
۱۱۵۔ الاشرف	کراچی	اکتوبر ۱۹۸۳ء
۱۱۶۔ فیض	شیر گڑھ	دسمبر ۱۹۸۳ء
۱۱۷۔ اسلامک آرڈر (انگریزی)	ڈربن (جنوبی افریقہ)	اکتوبر تا دسمبر ۱۹۸۳ء
۱۱۸۔ سنی دنیا	بریلی	اپریل و مئی ۱۹۸۴ء
۱۱۹۔ تعارفی لٹریچر "کنزالایمان" کیسٹ	کراچی	۱۹۸۴ء
۱۲۰۔ الدراسات الاسلامیہ	اسلام آباد	مارچ و اپریل ۱۹۸۴ء
۱۲۱۔ فیضان المشائخ	چکوال	سالنامہ ۱۹۸۵ء
۱۲۲۔ فیض	شیر گڑھ	اپریل ۱۹۸۵ء
۱۲۳۔ الدعوت	کراچی	اپریل تا مئی ۱۹۸۵ء
۱۲۴۔ سیارہ ڈائجسٹ	لاہور	جنوری ۱۹۷۰ء
۱۲۵۔ فیضان	لاہور	جون ۱۹۷۹ء
۱۲۶۔ الاشرف	کراچی	اگست ۱۹۸۵ء
۱۲۷۔ سہ ماہی افکار رضا	ممبئی	ستمبر ۱۹۹۵ء
۱۲۸۔ نوائے ادب	ممبئی	جولائی ۱۹۶۶ء
۱۲۹۔ نوائے ادب	ممبئی	اکتوبر ۱۹۶۶ء
۱۳۰۔ سہ ماہی اردو	کراچی	
۱۳۱۔ غالب نام آور	کراچی	۱۹۶۹ء
۱۳۲۔ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ	لاہور	۱۹۸۲ء

اخبارات

شمار نمبر	اخبار	مقامِ اشاعت	شمارہ
۱۔	الہام	بہاولپور	۷ اکتوبر ۱۹۵۳ء
۲۔	سندھ یونیورسٹی گزٹ	حیدر آباد سندھ	۱۳ جولائی ۱۹۵۷ء
۳۔	سندھ یونیورسٹی گزٹ	حیدر آباد سندھ	۱۹۵۸ء
۴۔	جنگ	کراچی	۱۳ جولائی ۱۹۵۸ء
۵۔	ڈان	کراچی	۱۲ جولائی ۱۹۵۸ء
۶۔	انجام	کراچی	۲۲ جون ۱۹۶۴ء
۷۔	جدید	لکھنؤ	۲۵ دسمبر ۱۹۶۴ء
۸۔	جسارت	کراچی	۲۲ مئی ۱۹۷۱ء
۹۔	نوائے وقت	لاہور	۲۲ مئی ۱۹۷۱ء
۱۰۔	المدینہ	کراچی	۱۰ جون شمارے ۱، ۲، ۵، ۶، ۷ ۱۹۷۱ء
۱۱۔	کوہستان	لاہور	۱۵ جولائی ۱۹۷۱ء
۱۲۔	حریت	کراچی	۱۹ اگست ۱۹۷۱ء
۱۳۔	نظریۂ پاکستان	لائل پور	۲۷ اگست ۱۹۷۱ء
۱۴۔	الہام	بہاول پور	۷ نومبر ۱۹۷۱ء
۱۵۔	پاک جمہوریت	لاہور	۱۹۷۱ء
۱۶۔	نوائے ملت	مردان	جنوری ۱۹۷۲ء
۱۷۔	مشرق	پشاور / لاہور	۳۰ جنوری ۱۹۷۲ء
۱۸۔	تعمیرِ وطن	لاہور	۹ فروری ۱۹۷۲ء
۱۹۔	الہام	بہاول پور	۳۰ اکتوبر ۱۹۷۳ء
۲۰۔	خبر نامہ اسلامک انٹرنیشنل	کراچی	۲ نومبر ۱۹۷۳ء
۲۱۔	تاجر	کراچی	۲۲ جنوری ۱۹۷۴ء
۲۲۔	نوائے ملت	مردان	۱۷ فروری ۱۹۷۴ء
۲۳۔	نوائے وقت	لاہور	۱۴ مارچ ۱۹۷۴ء
۲۴۔	امروز	لاہور	۱۰ نومبر ۱۹۷۴ء
۲۵۔	مشرق	کراچی	۱۱ مارچ ۱۹۷۵ء

۲۶۔ نوائے وقت	لاہور	۱۴مارچ	۱۹۷۵ء
۲۷۔ الہام	بہاول پور	۱۴مارچ	۱۹۷۵ء
۲۸۔ الہام	بہاول پور	۲۱اپریل	۱۹۷۵ء
۲۹۔ الہام	بہاول پور	۲۹اپریل	۱۹۷۵ء
۳۰۔ الہام	بہاول پور	۵ مئی	۱۹۷۵ء
۳۱۔ الہام	بہاول پور	جون	۱۹۷۵ء
۳۲۔ الہام	بہاول پور	یکم جون	۱۹۷۵ء
۳۳۔ الہام	بہاول پور	۲۱جون	۱۹۷۵ء
۳۴۔ الہام	بہاول پور	۱۴اگست	۱۹۷۵ء
۳۵۔ المجاہد	کانپور	یکم اگست	۱۹۷۵ء
۳۶۔ نوائے وقت	لاہور	۷ ۱۲اکتوبر	۱۹۷۳ء
۳۷۔ نوائے وقت	لاہور	۶فروری	۱۹۷۶ء
۳۸۔ الہام	بہاول پور	۱۴مئی	۱۹۷۶ء
۳۹۔ الہام	بہاول پور	۷جولائی	۱۹۷۶ء
۴۰۔ الہام	بہاول پور	۷جولائی	۱۹۷۶ء
۴۱۔ الہام	بہاول پور	۷اگست	۱۹۷۶ء
۴۲۔ الہام	بہاول پور	۱۷اگست	۱۹۷۶ء
۴۳۔ نوائے وقت	لاہور	۷ ۱۲اکتوبر	۱۹۷۶ء
۴۴۔ الہام	بہاول پور	۷جنوری	۱۹۷۷ء
۴۵۔ جنگ	کراچی	۱۲فروری	۱۹۷۷ء
۴۶۔ جنگ	کراچی	۱۹فروری	۱۹۷۷ء
۴۷۔ صداقت	کراچی	۲۰اگست	۱۹۷۷ء
۴۸۔ جنگ	کراچی	۱۱فروری	۱۹۷۸ء
۴۹۔ افق	کراچی	۵تا۱۱فروری	۱۹۷۸ء
۵۰۔ افق	کراچی	۱۸تا۲۳جولائی	۱۹۷۸ء
۵۱۔ افق	کراچی	۲۲تا۳۰جولائی	۱۹۷۸ء
۵۲۔ جنگ	کراچی	۲۰اگست	۱۹۷۸ء
۵۳۔ افق	کراچی	۲۹اگست تا ۹ ستمبر	۱۹۷۸ء

۵۴۔ نوائے وقت	لاہور	شمارہ ۱۵ نومبر	۱۹۷۸ء
۵۵۔ الہام	بہاول پور	۷ دسمبر	۱۹۷۸ء
۵۶۔ افق	کراچی	۲۲ تا ۲۸ جنوری	۱۹۷۹ء
۵۷۔ افق	کراچی	۲۲ جنوری	۱۹۸۰ء
۵۸۔ افق	کراچی	۲۹ جنوری	۱۹۸۰ء
۵۹۔ افق	کراچی	۱۳ فروری	۱۹۸۰ء
۶۰۔ افق	کراچی	۱۳ مارچ	۱۹۸۰ء
۶۱۔ ڈان	کراچی	۱۲ جولائی	۱۹۸۰ء
۶۲۔ جنگ	کراچی	۱۴ نومبر	۱۹۸۰ء
۶۳۔ جنگ	کراچی	۲۷ مارچ	۱۹۸۰ء
۶۴۔ افق	کراچی	۲۳ مارچ	۱۹۸۰ء
۶۵۔ اعلان	کراچی	۳ مئی	۱۹۸۰ء
۶۶۔ جنگ	کراچی	۵ مئی	۱۹۸۲ء
۶۷۔ امروز	لاہور	۱۲ مارچ	۱۹۸۲ء
۶۸۔ نوائے وقت	لاہور	۱۴ مارچ	۱۹۸۲ء
۶۹۔ جنگ	کراچی	۹ مارچ	۱۹۸۲ء
۷۰۔ امروز	لاہور	۱۹ اپریل	۱۹۸۲ء
۷۱۔ جنگ	کراچی	۱۶ اپریل	۱۹۸۲ء
۷۲۔ آواز سندھ	دادو	۶ مئی	۱۹۸۲ء
۷۳۔ جنگ	کراچی	۶ جون	۱۹۸۲ء
۷۴۔ نوائے وقت	لاہور	۱۰ جون	۱۹۸۲ء
۷۵۔ جنگ	کراچی		۱۹۸۲ء
۷۶۔ الہام	بہاول پور	۷ نومبر	۱۹۸۲ء
۷۷۔ انقلاب	بمبئی	۱۵ نومبر	۱۹۸۲ء
۷۸۔ آزاد ہند	کلکتہ	۱۶ نومبر	۱۹۸۲ء
۷۹۔ بلٹز	بمبئی	۲۰ نومبر	۱۹۸۲ء
۸۰۔ قومی آواز	دہلی		۱۹۸۲ء
۸۱۔ نوائے وقت	لاہور	نومبر	۱۹۸۲ء

۸۲۔ صبح نور — سیال کوٹ — ۹ دسمبر — ۱۹۸۲ء
۸۳۔ جنگ — کراچی — ۱۰ دسمبر — ۱۹۸۲ء
۸۴۔ المنبر — فیصل آباد — ۱۱ دسمبر — ۱۹۸۲ء
۸۵۔ جنگ — کراچی — ۲۴ دسمبر — ۱۹۸۲ء
۸۶۔ الہام — بہاول پور — ۱۴ جنوری — ۱۹۸۳ء
۸۷۔ ڈان — کراچی — اپریل — ۱۹۸۳ء
۸۸۔ جنگ — کراچی — ۱۲ جون — ۱۹۸۳ء
۸۹۔ جنگ — لاہور — ۲۴ جون — ۱۹۸۳ء
۹۰۔ مشرق — لاہور — ۲۴ جون — ۱۹۸۳ء
۹۱۔ مشرق — کراچی — ۲۵ جون — ۱۹۸۳ء
۹۲۔ مشرق — کوئٹہ — ۲۵ جون — ۱۹۸۳ء
۹۳۔ جنگ — کراچی — ۲۵ جون — ۱۹۸۳ء
۹۴۔ مشرق — پشاور — ۲۶ جون — ۱۹۸۳ء
۹۵۔ نوائے وقت — ملتان — ۲۶/ جون — ۱۹۸۳ء
۹۶۔ نوائے وقت — کراچی — ۲۶/ جون — ۱۹۸۳ء
۹۷۔ نوائے وقت — راولپنڈی — ۲۶ جون — ۱۹۸۳ء
۹۸۔ پاکستان ٹائمز — لاہور — ۲۶ جون — ۱۹۸۳ء
۹۹۔ نوائے وقت — لاہور — ۲۷ جون — ۱۹۸۳ء
۱۰۰۔ پاکستان ٹائمز — لاہور — ۵ جولائی — ۱۹۸۳ء
۱۰۱۔ جنگ — کراچی — ۵ اگست — ۱۹۸۳ء
۱۰۲۔ جنگ — کراچی — ۳۰ ستمبر — ۱۹۸۳ء
۱۰۳۔ امروز — لاہور — ۳۰ ستمبر — ۱۹۸۳ء
۱۰۴۔ مشرق — لاہور — ۳۰ ستمبر — ۱۹۸۳ء
۱۰۵۔ پاکستان ٹائمز — لاہور — ۳۰ ستمبر — ۱۹۸۳ء
۱۰۶۔ نوائے وقت — لاہور — یکم اکتوبر — ۱۹۸۳ء
۱۰۷۔ جنگ — کراچی — ۱۶ اکتوبر — ۱۹۸۳ء
۱۰۸۔ مشرق — لاہور — ۲۶ نومبر — ۱۹۸۳ء
۱۰۹۔ استقلال پاکستان — لاہور — ۱۵ جنوری — ۱۹۸۴ء

۱۱۰۔	جنگ	کراچی	۱۷ جنوری	۱۹۸۴ء
۱۱۱۔	الہام	بہاولپور	۱۴ اپریل	۱۹۸۴ء
۱۱۲۔	الہام	بہاولپور	۱۴ اگست	۱۹۸۴ء
۱۱۳۔	الہام	بہاولپور	۷ ستمبر	۱۹۸۴ء
۱۱۴۔	نوری مجاہد	کلکتہ	۱۱ ربیع الثانی	۱۴۰۵ھ

نصر من اللہ وفتح قریب